UNIVERSAL
LIBRARY
OU_224347
UNIVERSAL
LIBRARY

Checked 1976

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۳ - عدد ۳ | بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۳۷ء | عدد مسلسل ۱۴۹

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	دیار عرب اور مغربی سیاح	ڈاکٹر عنایت اللہ ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی	۳
۲	ادبیات ایران در عصر حاضر	سید محمد عبداللہ ایم۔اے۔ڈی۔لٹ	۱۳
۳	فرخی سیستانی	سید اولاد حسین صاحب شاداں بلگرامی	۴۸
۴	منوچہری اور اُسکا کلام	صوفی محمد ضیاء الحق ایم۔اے گورنمنٹ کالج جھنگ	۶۰
۵	پرتھی راج راسا	حافظ محمود شیرانی	۷۳
۶	علم کلام اور نظریہ استطاعۃ	مولانا مولوی نور الحق	۸۱
۷	پنجاب میں اُردو	خانصاحب قاضی فضل حق ایم۔اے گورنمنٹ کالج لاہور	۸۹
۸	مرقع داراشکوہ اور اس کا مقدمہ	محمد عبداللہ چغتائی	۹۷
۹	تنقید و تبصرہ	ادارہ	۱۰۴
۱۰	فہرست اسماء شعراء جنکے اشعار لسان العرب میں بطور شواہد مندرج ہوئے ہیں	مولوی عبدالقیوم ایم۔اے میکلوڈ عربک ریسرچ اسٹوڈنٹ	۱۱۱

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور این ابن مترا نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تا حد امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کیساتھ اُن طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت۔ عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگار و نکی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی بالتقاط شائع کئے جائیں گے۔

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اوّل عربی فارسی اردو پنجابی رسجروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت ہندی اور پنجابی رسجروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے۔

وقت اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری مئی۔ اگست[1] میں شائع ہوگا۔

قیمت اشتراک سالانہ چندہ حصہ اردو کیلئے ۱۲ اور اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ واخلہ کالج کیوقت وصول ہوگا۔

کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ کے شائع ہونیکی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہئے ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہوسکیگا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری و مئی دسمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہئے۔

خط و کتابت و ترسیل زر خریدار رسالہ کیمتعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں۔

محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جاسکتا ہے۔

قلم تحریر حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے۔

دیارِ عرب کے مغربی سیّاح

اگرچہ عرب کا ملک پرانی دنیا کے عین وسط میں واقع ہے اور مشرق و مغرب کی باہمی تجارت کا راستہ اس کے پاس سے گزرتا ہے۔ مگر وہاں کی سرزمین بالعموم ایسی ویران اور دشوار گزار واقع ہوئی ہے۔ کہ بیرونی دُنیا کو وہاں کی طرزِ معاشرت اور عام حالات و کوائف کا نسبتاً بہت کم علم ہے۔ یہ سچ ہے کہ تمام اقطار عالم سے ہر سال ہزاروں مسلمان کعبہ شریف کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ مگر انہیں زیادہ تر حجاز کے شہروں کو سرسری طور پر دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ عرب کے دیگر اقطاع تو درکنار، ہنگام سفر کی نفسانفسی اور فرائض حج کی مصروفیت کے باعث ان کو وہاں کی حضری زندگی کو بھی کماحقہا مطالعہ کرنے کی فرصت نہیں ملتی۔ تاہم دنیا کے بہت کم ایسے ملک ہیں جنہوں نے جریدۂ عالم پر ایسا گہرا اور پائدار اثر چھوڑا ہے۔ جیسا کہ عرب اور اہالیان عرب نے اس لحاظ سے دیارِ عرب اور اہلِ عرب ہمارے پُرغور مطالعہ کے بدرجہ غایت مقتضی اور مستحق ہیں۔

مذہب اسلام جس کے نام لیوا آج کروڑوں کی تعداد میں اقصائے مشرق سے لیکر اقصائے مغرب تک دنیا کے تقریباً ہر ملک و خطّہ میں پائے جاتے ہیں اِس عالمگیر مذہب نے اسی سرزمین سے ظہور کیا تھا۔ ثانیاً وہ اسلامی تمدّن جس کی بنیادیں ملکِ قیصر و کسریٰ پر قائم ہوئیں۔ اور جو ایک طرف سامی الاصل انبیاء و رسل کے مذہبی خیالات و نظریات کا حامل و محافظ اور دوسری طرف یونان اور ہند کی حکمت و دانش کا وارث بنا، اس شاندار تمدّن کی تعمیر و تشکیل میں اسی بے آب و گیاہ خطہ کے فرزندوں کا بہت بڑا حصّہ تھا۔ ثالثاً وہ عربی زبان جو کئی صدیوں تک دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ

تمدّن کی واحد مذہبی اور علمی زبان رہی، وہ زبان جس کی اہمیت اور حلاوت نے فارابی کو اپنی مادری زبان ترکی فراموش کرادی اور شاعر مزاج اور خوش مذاق اندلسی نوجوانوں کے دِل سے لاطینی کی وقعت گرادی، وہ زبان جو آج بھی بتغیّر یسیر بغداد سے لیکر مراکش تک بولی جاتی ہے۔ اور جس کے پڑھنے اور سمجھنے والے دنیا کے ہر حصّہ میں ملتے ہیں۔ وہ زبان اسی ملک عرب سے نکلی تھی۔

غرض کہ مذہب اسلام، تمدّن اسلام اور عربی لٹریچر اور زبان کے متعلق بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ اُن کی تحقیق و تفتیش کے وقت ہماری متجسس نگاہیں خود بخود ملک عرب کی طرف اُٹھ جاتی ہیں۔ کیونکہ بہت سے مذہبی، تمدّنی، معاشری امور کی اصل اور اُن کے منشا و مبدا کو صحیح طور پر سمجھنا عرب قوم کی معاشرت اور اُن کی ذہنیت کے سمجھنے پر موقوف ہے۔

ملکِ عرب کے حالات و کوائف اور عرب قوم کی معاشرت اور ذہنیت کے مطالعہ کے لئے بہت سے مآخذ و مصادر ہو سکتے ہیں، اُن میں سے ایک دلچسپ مأخذ وہ سفرنامے ہیں جو زمانۂ حال کے مغربی سیاحوں اور محقّقوں نے اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر قلمبند کئے ہیں۔ ذیل میں اسی قبیل کے چند ایک نسبتہً زیادہ مشہور و معروف سیاحوں کی تگ و دو اور اُن کی تحریروں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اور ان کی مطبوعہ کتابوں کی طرف توجہ دِلائی گئی ہے تاکہ ناظرین اُن کے اسماء اور اُن کی مساعی سے واقفیت پیدا کرکے اُن کے سفرناموں کی طرف بغرض مطالعہ و استفادہ رجوع کرسکیں

وارتھیما

Ludovico di Varthema.

ملکِ عرب کا پہلا مغربی سیاح جس کی خود نوشتہ سرگزشت ہم تک پہنچی ہے

اطالیہ کا باشندہ لودووِیکو دی وارتیما ہے۔ جیسا کہ ناظرین کو بخوبی معلوم ہو گا حرم مکہ میں غیر مسلموں کا داخلہ صدر اسلام ہی سے ممنوع رہا ہے۔ مگر اس ممانعت نے بہت سے سیاحوں کے شوقِ سیر و سیاحت پر تازیانہ کا کام دیا ہے۔ چنانچہ وارتیما بھی سولھویں صدی عیسوی کے آغاز میں اسلامی لباس اختیار کر کے حجاز پہنچا۔ اور واپسی پر اپنا سفرنامہ لکھا جس میں اُس نے کعبہ شریف، شہر مکہ اور اس کے نواحی کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ نیز اس نے مدینہ منورہ اور حجاز کے بدویوں کا حال لکھا ہے۔ سفر حجاز سے فارغ ہو کر وُہ یمن میں بھی پہنچا تھا۔ جہاں ابھی نہ تو پرتگالیوں اور نہ ہی ترکوں کا قدم آیا تھا اور جہاں ابھی وہاں کے وطنی امراء بلاشرکت غیرے حکومت کرتے تھے۔ اُسے یمن کے اکثر شہروں مثل صنعاء۔ زبید اور عدن کے دیکھنے کا اتفاق ہُوا اگرچہ وہ علم جغرافیہ کا ماہر نہ تھا اور نہ ہی علمی تحقیق اس کا مقصد اولین تھا۔ تاہم اس کی تحریر میں ملک کے جغرافی اور معاشری حالات کے متعلق بہت سی کام کی باتیں مل جاتی ہیں۔ جس سے عرب جغرافیہ نویسوں کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور اُن کے بیانات لائق اعتبار و استناد ٹھہرتے ہیں۔ مثلاً جنوبی یمن میں اس نے شیعہ فرقہ کی موجودگی اور اُن کی مساعی کا ذکر کیا ہے۔ نیز یمن کی آبادی کے حبشی عنصر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اُس نے شہر صنعاء کے موقع محل کی بلندی، اور جنوبی یمن کے چشموں اور باغات اور شہر زبید کی مصالحہ جات کی تجارت کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اور دیگر حالات لکھے ہیں۔ جو آج کل عام طور پر معلوم ہیں۔ اگرچہ اس کا سفرنامہ مختصر ہے۔ تاہم اس سے اہلِ یورپ پر کم از کم اتنا تو منکشف ہو گیا۔ کہ یمن قدیم کی سرسبزی و خوشحالی محض ایک افسانہ نہ تھی اور یہ کہ وہاں زمانہ حال میں بھی دیگر دیار عرب کے مقابلہ میں ایک بلند تر تمدّن موجود ہے۔

وارتیما کا سیاحت نامہ سب سے پہلے اطالوی زبان میں روما سے ۱۵۱۰ء

میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد کئی دیگر زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔ انگریزی دانوں کے مفید مطلب وہ ایڈیشن ہے۔ جو بیجر Badger نے Haklayut Series میں ۱۸۶۳ء میں لنڈن میں شائع کیا تھا۔

نی بُور اور اُس کے رفقاء

Carsten Niebuhr.

۱۷۶۱ء میں شاہ ڈنمارک نے دیارِ عرب کی تحقیق کے لئے مغربی علماء کی ایک جماعت روانہ کی۔ اس علمی مہم کی تحریک یوں ہوئی۔ کہ گوٹنگن یونیورسٹی کے پروفیسر میکائیل نے شاہ مذکور کے وزیر اعلیٰ کے پاس یہ تجویز پیش کی کہ عرب کے جغرافی حالات کی دریافت اور دیگر مسائل کی تحقیق کے لئے جن کا تعلق بائبل سے ہے اقدام کیا جائے چنانچہ اس تجویز کے مطابق پانچ علماء کا انتخاب ہوا جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی علم و فن کا ماہر تھا۔ فورسکال Foreskall علم نباتات میں بید طولیٰ رکھتا تھا چارلس جراحت اور علم حیوانات کا ماہر۔ پروفیسر فون ہافن عربی زبان خوب جانتا تھا۔ باڈن فلنڈ نقشہ نویس اور مصور تھا۔ اور کارسٹن نی بور ریاضی اور مساحت میں طاق تھا۔ ۱۷۶۲ء کے سرما میں یہ جماعت جدّہ کے راستے سے یمن پہنچی اور تحقیقات میں مصروف ہوگئی۔ مگر افسوس کہ اس مہم کے ساتھ علمی دنیا کی جو توقعات وابستہ تھیں وہ بتمامہا پوری نہ ہوئیں۔ کیونکہ یہ لوگ ابھی چند ماہ کام کرنے پائے تھے کہ موسم گرما آپہنچا جس کی شدت کی وہ تاب نہ لاسکے۔ چنانچہ فورسکال اور فون ہافن یمن وارد ہونے کے تقریباً پانچ ماہ بعد فوت ہوگئے باقی اشخاص نے ہندوستان کی طرف بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کی۔ مگر ایک تو سمندر ہی میں مرگیا۔ اور دوسرے نے ہندوستان پہنچ کر جان دیدی، صرف نی بور سلامت بچا۔ اور چند سال کی مدت میں خلیج فارس کے راستہ سے عراق اور شام ہوتا ہوا

واپس وطن پہنچا۔

اگرچہ اِن شہیدانِ علم کا انجام بڑا افسوسناک ہُوا مگر اُن کے باقی ماندہ رفیق یعنی نی بور Niebuhr نے اُن کی محنت کو کلیتہً تلف ہونے سے بچا لیا۔ چنانچہ اُس نے اپنے ذاتی مشاہدہ اور اپنے رفقاء کی یادداشتوں کی بنا پر ایک سفرنامہ شائع کیا جس میں اس نے عرب اور خصوصاً یمن کے جغرافی، معاشری اور اقتصادی حالات کو حتی الامکان تفصیل اور صحت کے ساتھ بیان کیا۔ اُس نے یہ کام ایسی خوبی اور سلامت طبع کے ساتھ انجام دیا کہ اس کے بیان کی فضیلت باعتبار صحت اور علمی وقار کے آج تک مسلّم ہے اور اس کے بعد جس کسی نے دیارِ عرب کا سفر کیا ہے۔ اس نے نی بور کے بیانات سے ضرور کم و بیش استفادہ کیا ہے۔ یمن کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے، وہ اس کے اپنے اور اپنے رفیقوں کے مشاہدہ پر مبنی ہے۔ مگر اُس نے اپنے قیام کے دوران میں عرب کے دیگر علاقوں کے متعلق بھی ہر قسم کی معلومات ہر معتبر ذریعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی اور اسے اپنی کتاب میں مناسب موقع و محل پر ترتیب کے ساتھ بیان کیا۔ مثلاً اگرچہ اُسے بذاتِ خود اہلِ بادیہ کے درمیان رہنے کا اتفاق نہیں ہُوا۔ مگر بدویوں کے معاشری اور سیاسی نظام کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے۔ وہ حرف بحرف صحیح ہے اور اس کے فہم و ذکاء اور اس کی اصابت رائے پر دلالت کرتا ہے۔ غرض نی بور کی روئداد کے ذریعہ سے دیارِ عرب کے متعلق اہلِ غرب کے علم میں بہت کچھ اضافہ ہُوا۔ پہلے جو ان کا علم ظنی اور تخمینی تھا۔ اب بہت سے معاملات میں پایۂ صحت و یقین تک پہنچ گیا۔

علاوہ ازیں اگرچہ نی بور کا قدم نجد تک نہ پہنچا تھا۔ مگر اُسے وہاں کی وہابی تحریک کا بخوبی علم ہو چکا تھا۔ جسے کچھ عرصہ پہلے محمد بن عبدالوہاب نے مذہبِ اسلام کی اصلاح و تجدید کی غرض سے شروع کیا تھا۔ نی بور کو اسلام کی تعلیمات کا صحیح صحیح علم تھا۔ اور اسی طرح اس نے وہابی تحریک کی اصلی حقیقت اور اس کے منشاء و مقصود کے متعلق بھی درست رائے قائم

کی تھی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کی تعلیم یہ ہے کہ "صرف اللہ ہی واحد معبود ہے۔ اور عبادت میں انبیاء اولیاء کے ذکر سے بوے شرک آتی ہے"۔ اسی لئے وہ اس کو ایک مصلح قرار دیتا ہے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کو اس کی اصلی سادہ صورت میں پیش کیا جائے۔ نی بور کو اس تحریک کی سیاسی اہمیت کا بھی پورا پورا اندازہ تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ اس تحریک نے عرب کی سیاست میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اور غالباً یہ ابھی وہاں کے حالات پر اور اثر ڈالیگی"۔

نی بور کا سفرنامہ پہلے پہل ۱۷۷۲ء میں جرمن زبان میں شائع ہوا۔ اور ایک سال بعد Description de l' Arabia کے عنوان سے فرانسیسی زبان میں۔ آج کل بالعموم یہی موخرالذکر کتاب متداول ہے۔ ۱۷۹۲ء میں اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہوا تھا۔ مگر مختصر ہونے کی وجہ سے ناقص اور ناکافی ہے۔

نی بور نے مذکورہ بالا سفرنامہ لکھنے کے علاوہ دیار عرب کے نباتات اور حیوانات کے متعلق اپنے رفیق Forskall کی یادداشتوں کو بھی دو علیحدہ مستقل جلدوں میں کوپن ہاگن سے ۱۷۷۵ء میں Descrip-tions Animalium. اور Flora Aegyptiaco Arabia. کے عنوانوں سے شائع کیا۔ یہ دونو کتابیں لاطینی زبان میں ہیں۔ جن میں تین سو انواع کے حیوانات اور آٹھ سو قسم کے نباتات کا بیان موجود ہے۔ یہ تعداد اور بھی زیادہ ہوتی مگر فاضل محقق نے یہ التزام کیا ہے کہ صرف انہی اقسام کا ذکر کیا ہے جو اس کے ذاتی مشاہدہ میں آئی تھیں۔

۳۔ بادیا

(Domingo Badia y Leblich)

۱۸۰۵ء میں ایک بظاہر معزز شخص جو اپنا نام علی بیگ عباسی ظاہر کرتا تھا، بڑے

حشم و حشم کے ساتھ علمی آلات لیکر جدہ میں اُترا۔ اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ بغرض زیارت عازم مکہ ہوا۔ اس کے بعد اس نے مدینہ کا رُخ کیا۔ مگر نجدی وہابیوں نے جو اس وقت بہت سے اقطاع عرب پر چھا چکے تھے۔ اُسے روک دیا۔ اس کے بعد وہ مصر شام اور ترکی ہوتا ہوا پیرس پہنچا جہاں اس نے نپولین کی ملازمت اختیار کر لی۔ اسکی روئداد سفر ہسپانی زبان میں تھی۔ جو فرانسیسی میں ترجمہ ہو کر ۱۸۱۴ء میں پیرس سے شائع ہوئی۔ اس کی اصل ہسپانی روئداد بھی ایک مدت بعد ۱۸۸۸ء میں برشلونہ سے شائع ہوئی۔ جس کے دیباچہ میں اس کے سوانح عمری مندرج ہیں۔ یہ شخص اصل میں ایک ہسپانوی ڈومنگو بادیا نامی تھا۔ اور غالباً نپولین کا گماشتہ تھا۔ جس کو اس نے مشرقی ممالک کی سراغ رسانی اور دریافت حالات کے لئے بھیجا تھا۔

اس کا سفرنامہ بہت سے مشرقی ممالک پر حاوی ہے اور حج کے مناسک و مراسم کو بیان کیا ہے۔ چونکہ اس نے اسلامی نام اور اسلامی وضع اختیار کر رکھی تھی۔ اُسے اپنی نقل و حرکت اور مشاہدہ میں پوری آزادی حاصل تھی۔ اسی لئے اس کے بیانات اپنے پیشرو سیاحوں کی نسبت زیادہ مفصل اور قرین بصحت ہیں وہ پہلا شخص ہے جس نے شہر مکہ کے طول بلد اور عرض بلد کو آلات ہیئت کے ذریعہ سے صحیح طور پر متعین کیا۔ اس کے علاوہ اس نے حجاز کے جغرافیہ، نباتات اور وہاں کی آب و ہوا کے متعلق بھی بہت سی مفید معلومات فراہم کیں۔ اور مغربی عرب کے حرّات کا ذکر کیا۔ جن پر پھر بعد میں برکہارٹ نے مزید روشنی ڈالی۔ اس کی کتاب کا تاریخی حصہ اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اُس نے حجاز میں مصریوں کی مداخلت سے پہلے وہابیوں کی حکومت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ ایک عینی شاہد کی معاصرانہ شہادت کا درجہ رکھتا ہے +

۴- زیٹسن

(U. J. Seetzen.)

بادیا کے تین سال بعد جبکہ ابھی حجاز میں وہابی نجدیوں کی حکومت قائم تھی۔ ایک اور یورپی سیاح وارد تھا۔ جس کا اصل نام Seetzen تھا۔ مگر اس نے اسلامی وضع کے ساتھ ساتھ حاجی موسیٰ حکیم کا نام اختیار کر رکھا تھا۔ اگرچہ روسی حکومت کا ملازم ہونے کی وجہ سے غالباً وہ بھی بادیا کی طرح ایک جاسوس تھا۔ مگر علم و فضیلت اور عام قابلیت میں اُسے اپنے تمام پیشرو سیاحوں پر سبقت حاصل تھی۔ کیونکہ وہ نہ صرف ایک اعلیٰ پایہ کا عالم نباتات تھا۔ بلکہ مشرقی زبانوں میں بھی اسے مہارت تامہ حاصل تھی اور عرب میں وارد ہونے سے پہلے وہ دیگر مشرقی ممالک میں سات سال بسر کر چکا تھا۔ مکہ کے قیام اور صنعاء و عدن کے سفر کے بعد وہ یمن کے پہاڑوں میں مارا گیا۔ کس نے اُسے قتل کیا۔ اور کیوں قتل کیا؟ یہ بات کسی کو یقینی طور پر معلوم نہیں۔ مگر قیاس یہی چاہتا ہے کہ محض لوٹ مار کی غرض سے نہیں بلکہ کسی سیاسی شبہ کی بنا پر اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ کیونکہ اس سے پیشتر اس کی نقل و حرکت شک کی نگاہ سے دیکھی جا چکی تھی۔ اور مکہ کے وہابی امیر نے اس سے باز پرس کی تھی۔ اس کا مال و اسباب اکثر تلف ہو گیا۔ صرف چند یادداشتیں بچیں۔ جن کو ایک مدت بعد Kruse نے Reise durch Syrien, etc کے عنوان سے ۱۸۵۴ء میں برلن سے کتابی صورت میں شائع کیا۔

(۵) برکہارٹ

Burckhardt.

دیارِ عرب کے مغربی سیاحوں میں برکہارٹ کا نام نہایت ممتاز ہے۔ جس نے اپنی تحقیقات اور مشاہدات کے تفصیلی بیان سے ملک عرب کے متعلق بالعموم اور حرمین کے متعلق بالخصوص بیرونی دنیا کے علم میں بڑا قابلِ قدر اضافہ کیا۔ یہ شخص دراصل سوئٹزرلینڈ کا باشندہ تھا۔ جس نے چند سال انگلستان میں بسر کئے تھے۔ اور پھر وہاں کی British African Association کی طرف سے مشرقی ممالک کی تحقیقات پر مامور ہوا تھا۔ عرب میں داخل ہونے سے پہلے وہ تو بہ مصر اور شام وغیرہ کی سیاحت کر چکا تھا اور عربی زبان سیکھنے کے علاوہ مشرقی لوگوں کے اوضاع و اطوار سے خوب واقف ہو چکا تھا۔ جب وہ حجاز میں وارد ہوا تو اس وقت محمد علی پاشا والیٔ مصر سلطان روم کے ایماء سے نجد کے وہابیوں کو حرمین سے نکال چکا تھا۔ چونکہ پاشائے مذکور ایک وسیع الخیال حکمران تھا۔ اس لئے برکہارٹ کو کسی قسم کی مشکل پیش نہ آئی۔ علاوہ ازیں اس نے اسلامی نام (ابراہیم بن عبداللہ) اور اسلامی وضع اختیار کر رکھی تھی۔ اس لئے دریافت حالات کے لئے وہ لوگوں کے ساتھ بلا تکلف میل جول پیدا کر سکتا تھا۔

اگرچہ اس نے دیگر سیاحوں کے مقابلہ میں بہت لمبی چوڑی مسافت طے نہیں کی اور نہ ہی بڑے بڑے خطروں کا سامنا کر کے اس نے کوئی عظیم الشان جغرافی اور اثری اکتشافات کئے بلکہ وہ زیادہ عرصہ مکہ ہی میں رہا اور اُسے حجاز سے باہر دیگر علاقوں کو دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ مگر اس کی فضیلت اس لحاظ سے مسلم ہے کہ اس محدود علاقہ میں جو کچھ اس کے مشاہدہ میں آیا اس کو نہایت ایمانداری اور وضاحت سے بے کم و کاست تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا۔

مشرقی ممالک کی گرم آب و ہوا سرد ملک کے باشندوں کو بہت کم راس آتی ہے خصوصاً جب سفر کی صعوبتیں بھی اس کے ساتھ شامل ہو جائیں برکہارٹ بھی اسی

آب وہوا کی ناموافقت کا شکار ہوا حجاز ہی میں اس کی صحت خراب ہو چکی تھی۔ قاہرہ پہنچ کر ایک سال بعد فوت ہو گیا۔ مگر انتقال سے پہلے وہ اپنے تمام تجربات اور مشاہدات کو بسلامتی ہوش وحواس قلمبند کر چکا تھا۔ جو اس کی وفات کے کئی سال بعد ۱۹۲۹ء میں لنڈن سے Travels in Arabia کے عنوان سے دو جلدوں میں شائع ہوئے اور دو سال بعد اس کی دیگر تالیف Notes on the Bedouins & Wahabis. معرض اشاعت میں آئی۔ مقدم الذکر کتاب میں اس کا مفصل سفرنامہ اور موخر الذکر کتاب میں مختلف عنوانوں کے تحت میں اہل عرب اور خصوصاً اہل بادیہ کے متعلق اس کی فراہم کردہ معلومات ترتیب کے ساتھ درج ہیں یہ دونو کیا لحاظ ضخامت اور کیا بلحاظ خوبی بیان کے نہایت مفید اور قابلقدر ہیں جن میں مصنف نے حرمین اور اس کے نواحی کے بیان میں غیر معمولی تفصیل اور باریک بینی سے کام لیا ہے اور وہاں کے مذہب، سیاست، معاشرت، تجارت اور مقامی تاریخ کے متعلق سیر کن بحث کی ہے۔ جدہ۔ مکہ اور طائف کے متعلق اس کا تفصیلی بیان گویا ان شہروں کی ایک سائیکلوپیڈیا ہے۔ جس سے کوئی ضروری اور کارآمد بات نہیں چھوٹی۔ چنانچہ چالیس برس بعد جب برٹن مکہ پہنچا تو وہاں کے کوائف بیان کرتے وقت اُسے برکہارٹ سے اقتباس کرنے کے سوا کچھ چارہ نظر نہ آیا +

(باقی وارد)

عنایت اللہ از ملتان

ادبیات ایران در عصرِ حاضر

ناصرالدین شاہ قاچار کے زمانے سے ایران میں جو سیاسی ہیجان پیدا ہوا۔ وہ مختلف ادوار میں مختلف شکلیں قبول کرتا رہا۔ شروع شروع میں ایران کے زر پرست وزراو امرا کے خلاف احتجاج مقصود تھا۔ جو انگریزوں اور روسیوں سے رشوتیں وصول کر لیتے تھے۔ اور ملک کے مفاد کو ثمن قلیل کے عوض فروخت کر ڈالتے تھے لیکن وقت کے گذرنے سے سیاسی خیالات نے نیا قالب اختیار کیا اور کانسٹی ٹیوشن اور مشروطہ کے لئے مطالبہ کیا گیا اس عرصے میں ملک کے وطن پرست عناصر کو جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں ان تمام انقلابات کے دوران میں ایران کو یورپ کے اوضاع واطوار سے روشناس ہونے کا بہت موقعہ ملتا رہا۔ جنگ عظیم سے پہلے ایران پرستوں کے جس گروہ نے ملک سے مہاجرت اختیار کی تھی ان کا ایک حصہ استامبول میں اقامت گزین ہوا۔ لیکن دوسرا حصہ جرمنی میں فروکش ہوگیا۔ ان مہاجرین نے ایران میں جدید مغربی خیالات کو رائج کرنے میں کچھ کم حصہ نہیں لیا اور ادبیات عصر حاضر کے رجحانات کو ایک نہج پر لانے میں دوسری قوتوں کے مساوی کام کیا۔ یورپ سے تعلقات کو استوار کرنے کی جو ابتدا ناصرالدین شاہ نے کی تھی اس کی تکمیل آج رضا شاہ پہلوی کے زمانے میں ہو رہی ہے جبکہ ایرانیوں کا ایک بہت بڑا گروہ تعلیم وتدریس، مسافرت وسیاحت اور سیر وتفریح کے لئے یورپ کا سفر اختیار کر رہا ہے اور تجدد کے خیالات سے متاثر ہو کر اپنے وطن میں واپس آتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ یہاں کی زندگی اور ادبیات میں ان نئے عناصر کا اضافہ کرے جو اس کے لئے ادبیات السنۂ مغربی میں باعث کشش

ثابت ہوئے۔

رضا شاہ پہلوی کا دور اس مقام پر اگرچہ عصر پہلوی کی ادبیات کی خصوصیات سے بحث کرنی مقصود ہے۔ تاہم چونکہ یہ دور انقلاب ایران اور عہد مشروطیت سے لاینفک طور پر وابستہ ہے۔ اس لئے غالباً نامناسب نہ سمجھا جائیگا اگر اس بحث میں بعض ایسے حضرات بھی شامل کرلئے جائیں جن کو دور ان پہلوی سے پہلے ہی مصنفانہ شہرت حاصل ہو چکی تھی۔ عصر جدید کا مختصر سا حال پروفیسر براؤن نے اپنی "ادبیات ایران جلد چہارم اور "پریس اینڈ پوئٹری" میں دیا ہے اس لئے موجودہ حالات میں بعض مختصر اشارات پر اکتفا کی جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ عصر پہلوی میں جو ادبی تحریکات پائی جاتی ہیں۔ یہ اس آغاز کا انجام ہے جس کی ابتدا انقلاب ایران سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی۔ بلکہ اس کا تعلق تاریخ بیداری ایران کی نہضت اولین سے ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ تحریکات ادبی جو موجودہ فرمانروائے ایران کے زمانے میں پھلی پھولی نظر آتی ہیں۔ وہ ایران کی سیاسی جدوجہد کی ابتدا سے ارتقا کی منازل طے کرتی ہوئی آج تکمیل کے زیور سے آراستہ ہوئیں۔

ادبیات ایران پر مغربی اثرات ایران جدید کی جمہوری تحریک اگرچہ قدیم طرز حکومت کے خلاف انسانی فطرت کی وہ عام بغاوت ہے۔ جو تقریباً دنیا کے ہر ملک میں ایک خاص زمانہ میں پیدا ہوتی رہی اور ایشیا کے اکثر ممالک میں انیسویں عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں نظر آتی ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کش مکش اور ہیجان ایرانی ضمیر کے اندرونی اضطراب کی خارجی آئینہ دار ہے۔ لیکن ملک کی ادبی تحریکات کا حال اس سے قدرے مختلف ہے۔ کیونکہ ان کی سیرابی اور فروغ یورپ کے ان اثرات سے بھی ہوا جو اس زمانے میں تمام ایشیائیوں کے دماغ کو متاثر کر رہے تھے۔ بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ایران پر یورپ کے یہ

اثرات اپنی ہمہ گیری میں ان اثرات سے کسی طرح کم نہیں، جو تاریخ کے مختلف ادوار میں یونان اور عرب نے ڈالے یونان Hellenism نے ایرانی ذہنیت پر اثر انداز ہونے میں اگرچہ وہ معجزات نہیں دکھائے جو عرب اثرات نے دکھائے تاہم اپنے اپنے وقت میں عرب اور یونان دونوں نے ایران کی تقدیر اور طبیعت کو تبدیل کرنے میں بہت حصہ لیا ہے یورپ کے اثرات بھی حقیقت میں دُنیا کے ان اہم اور انقلاب واقعات میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے ایران کے زاویۂ نظر کی تبدیلی میں کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ اگرچہ یہ ماننا پڑیگا کہ عرب نے زندگی اور اس کے مظاہر، ادبیات اور اس کے مختلف شعبوں پر جو دیرپا اور مستقل اثر ڈالا۔ وہ یونان اور یورپ کے اثرات کے مقابلے میں کہیں زیادہ قابل توجہ ہے کیونکہ عرب نے نہ صرف ادبیات کے رجحان کو تبدیل کیا۔ بلکہ ایران کو ایک نئے کلچر اور تمدّن سے بھی روشناس کیا جس کا سرچشمہ سامی الاصل مذہب تھا بخلاف اس کے یورپ نے ایران کی مادّی زندگی پر جو خفیف اثرات ڈالے اور ادبیات کو ایک خاص رنگ میں رنگنے کی معمولی سی کوشش کی۔ اس سے نوجوانوں کے ایک انتہا پسند اور بے فکر طبقہ کے علاوہ کوئی بھی متاثر نہیں ہوا۔ بلکہ ابھی پوری صدی بھی گذرنے نہیں پائی کہ اعتدال پسند وطن پرست اس سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں ہیں۔

بہرحال اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ جدید لٹریچر اور سوسائٹی یورپ کے احسانات کی مرہونِ منت ہے۔ ڈی کونسی کا یہ قول۔ کہ ادبیات تاوقتیکہ ایک خاص عرصے کے بعد کسی دوسرے کلچر اور ادبیات سے اختلاط کے ذریعے نئے اثرات قبول نہ کریں۔ زوال پذیر اور مُردہ ہوجاتے ہیں۔ ادبیاتِ ایران پر بالکل صادق آتا ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے اُس ذخیرۂ کتب کو اگر غور سے دیکھا جائے۔ جو نئے اثرات سے پہلے علماء و فضلا کے قلم سے نکلا۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھر اب بہت پرانا ہوچکا ہے۔ اور اب اس میں اہم تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔

ادبیات جدید کا محدود سرمایہ

بعض حلقوں میں اس امر پر تعجب اور حیرت کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ایران جدید نے موجودہ دور میں بہت کم لٹریچر پیدا کیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ موجودہ ایرانیوں کا قول عمل سے زیادہ ہے اور ان کی مجالس و محافل میں سوائے گفتگو ہائے رنگین کے اور کچھ نہیں ملتا۔ اور ادبیات کے متعلق ٹھوس اور عملی تجاویز بہت کم پایۂ تکمیل تک پہنچائی جاتی ہیں۔ لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ انقلاب کے بعد ایرانی دل و دماغ، ان اثرات کے جذب کرنے اور ان کو اپنی فطرت کے مطابق ڈھالنے میں مصروف ہے۔ اور ابھی تک عمل اور ردِّ عمل کے ذریعے اپنی قوتوں کا توازن کر رہا ہے۔ نیز عہد تداخل کی خصوصیات کے مطابق، وہ اپنے آپ کو ان پنہاں جذبات اور خیالات کے اظہار تک محدود رکھتا ہے۔ جو بوجہ ناپختہ اور آزمائشی ہونے کے کسی منظم اور بسیط شکل میں متشکل نہیں ہو سکتے۔ تو مندرجہ بالا اعتراض رفع ہو جاتا ہے۔

پروفیسر براؤن نے عہد جدید کی ادبیات پر جو تبصرہ کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ ایران میں اس وقت ہنگامی واقعات، اہم سیاسی انقلابات اور مشرق و مغرب کے تمدن کی باہمی آویزش کی وجہ سے ادبیات کی پیداوار بہت کم ہے۔ اور ملک و قوم کا بہترین سرمایہ جرنلزم (صحافت) اور چند وطن پرستانہ منظومات اور معدودے چند تراجم اور افسانوں تک محدود ہے۔

پہلوی دور کی برکات

پروفیسر براؤن نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ زیادہ تر ۱۹۲۴ء تک کے حالات پر منطبق ہوتا ہے جبکہ ملک ایک سیاسی جد و جہد میں مصروف تھا۔ قوم کے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ کیانیوں اور ساسانیوں کی اس وراثت کو ایک طرف روس و انگلیز کی رقیبانہ ریشہ دوانیوں سے نجات دی جائے اور دوسری طرف خود غلط اندیش اور وطن مقاصد سے دشمنی کرنے والے ایرانی عنصر کو برسر اقتدار آنے سے روکا جائے اس زمانے کی تمام دماغی اور ذہنی توجہ بیداری و دفاع ایران کی کوششوں تک منحصر تھی۔

لیکن اعلیحضرت رضا شاہ پہلوی کے برسر اقتدار آنے سے ملک کو جو داخلی آسودگی اور امنیت و رفاہیت نصیب ہوئی۔ اس نے بیدار قوتوں کو نئے نئے کاموں کی طرف متوجہ کر دیا۔ اور ایرانی قوم کو جو ذہنی اور دماغی کاموں میں ہمیشہ دلچسپی لینے کی عادی رہی ہے تصنیف و تالیف کے منظم اور ٹھوس دستور العمل پر عمل پیرا کر دیا۔ چنانچہ رضا شاہ پہلوی کے دس سالہ عہد حکومت میں جو ادبی ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے۔ وہ اپنی اہمیت اور عمیمیت کے اعتبار سے کسی دور کے لٹریچر سے کم نہیں۔

ایران جدید کی علمی و ادبی سرگرمیاں

پروفیسر براؤن نے مختصراً نئے دور کی خصوصیات پر جو کچھ لکھا ہے۔ اس پر اسقدر اضافہ کرنا ضروری ہے کہ چونکہ اس عہد کی تکمیل پہلوی زمانے میں ہوئی ہے۔ اس لئے جدید ترین ترقیات و تغیرات کا پورا لحاظ کرتے ہوئے بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے اور ادبیات ایران کے اس نامور مصنف نے ادبی ذوق کے فقدان اور کمی کے متعلق جو مایوسانہ اظہار رائے کیا ہے۔ اس میں بہت کچھ تبدیلی پیدا ہو گئی ہے ذیل کے مباحث سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اہل ایران نے مختصر عرصے میں مختلف شعبہ ہائے علم و ادب کو جدید ترین معیار پر پورا اتارنے میں کس درجہ محیر العقول ترقی کی ہے شاعری، تاریخ، سوانح، تاریخ ادب، لغت، رومان، ڈرامہ، مذہب، تعلیم اور فنون غرض ہر موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان میں ایک اچھی خاصی تعداد ان کتابوں کی ہے۔ جو یورپ کی زبانوں سے ترجمہ ہوئیں۔ تاہم مستقل تصانیف کی بھی کمی نہیں۔ ایران کی جدید یونیورسٹیوں اور کالجوں میں تعلیم اور تدریس کے لئے بہت سی کتابیں لکھی جا رہی ہیں اور بعض ترجمہ کی جا رہی ہیں۔ کمبسیون وزارت معارف جس کے ارکان کی پوری فہرست اور اس کی کارکردگی کی مفصل روداد تاریخچہ نادر شاہ رشید یاسمی کے دیباچہ میں ہے۔ اب تک بے شمار کتابیں طبع کر چکا ہے۔ انجمن ادبی جس کی شاخیں ملک کے تقریباً ہر بڑے شہر میں قائم ہیں۔

ادبی ذوق کے پھیلانے اور علمی کتابوں کے شائع کرنے کا کام بہت سرگرمی سے کر رہی ہے۔ اخبارات اور رسالے جو بیداری ایران کی ابتدا سے اس وقت تک گران قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اشاعت کتب کے اچھے خاصے مراکز کا کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ مجلہ ارمغان وغیرہ کے ادارات نے اب تک کتابوں کی ایک معقول تعداد شائع کرنے کا انتظام کیا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ جو سیاح یورپ، مصر اور دوسرے ممالک کو دیکھ چکنے کے بعد ایران کے متعلق کوئی رائے قائم کرتے ہیں۔ تو وہ کسی قدر تنقیص کا میلان رکھتے ہیں، لیکن یہ ایک واقعہ ہے۔ کہ ایک ایسے ملک میں جو ابھی ابھی موت وحیات کی آویزش سے جان بر ہوا ہو۔ اور جس میں ترقی اور تمدن کی ابتدائی شرط یعنی امن عامہ کو پیدا ہوئے بھی ابھی آٹھ دس سال ہوئے ہوں وہ ان ممالک کا کیسے مقابلہ کر سکتا ہے جنکا نظام صدیوں سے مضبوط بنیادوں پر قائم ہے اور جو آزادی اور داخلی امن واستقلال سے قدیم زمانے سے بہرہ ور چلے آتے ہیں ایران جدید کے متعلق تنقیص کا خیال عام طور پر دو قسم کے لوگ پھیلاتے ہیں۔ ایک تو مغربی سیاسیات اور حکمت عملی کے مبلغین۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ ایران کے باشندوں اور بیرونی ممالک کے ایران دوستوں میں یک گونہ بے دلی اور شکست کا احساس پیدا کیا جائے۔ دوسرے خود بعض قوم پرست ایرانی جو اپنی قوم کو ابھارنے کے لئے اپنی کمزوری اور بربادی کا نوحہ کرتے رہتے ہیں۔

قدیم ایرانی کلچر کے احیا کی تحریک

حالات وکوائف بتلاتے ہیں کہ ایران اپنی گذشتہ روایات کو پھر زندہ کرنے کی فکر میں ہے اور ان مسائل کو حل کرنے میں مصروف ہے۔ جو اس کے تمدن کی تکمیل وترقی کے لئے ضروری ہیں۔ تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ پرانی فارسی کتابوں کی اشاعت و تصحیح بھی فضلا وعلماے جدید کے پروگرام میں شامل ہے چنانچہ ہر سال بے شمار شعرائے

قدیم کے دواوین زیور طبع و اصلاح سے آراستہ ہوتے ہیں[1]۔ پرانی تاریخیں شائع کی جا رہی ہیں اور قدیم علمی و سیاسی ابطال (Heroes) کو زندہ کیا جا رہا ہے۔ فردوسی، ناصر خسرو اور زرتشت کے متعلق خاص طور پر دلچسپی لی جا رہی ہے[2]۔ وہ نسلی اور قومی رشتے جو اس سے پہلے استوار نہ تھے۔ یا کم از کم فراموش شدہ تھے۔ دوبارہ جوڑے جا رہے ہیں۔ یورپ کی ایرین اقوام اور ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھ کلچرل روابط قائم کرنے کے لئے عملی قدم اٹھایا جا چکا ہے۔ جس کا ثبوت عملی طور یوں دیا گیا۔ کہ ایک طرف ڈاکٹر ٹیگور کو ایران کی طرف سے دعوت دی گئی[3]۔ اور دوسری طرف شانتی نکیتن میں "ایرانی تہذیب" کی تبلیغ کے لئے ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ اور اس میں ایران کا ایک نمایندہ بطور ایک استاذ کے بلایا جاتا ہے۔ چنانچہ پوردادؤ جو موجودہ دور کے نامور شعرا میں سے ہیں۔ اس ادارہ میں اس حیثیت سے کام کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر ٹیگور نے سید جلال الدین طہرانی استاذ ریاضیات سے جو گفتگو کی۔ اور اس میں نوجوان ایران کے علمی ذوق کی شستگی کا جو اعتراف کیا۔ وہ موجودہ علمی ماحول کے سمجھنے میں بہت کچھ مدد دیتا ہے۔ مسٹر ونسنٹ شین مصنف[4] New Persia جنہوں نے ۱۹۲۷ء میں اپنی ایران کی سیاحت کے تاثرات شائع کئے ہیں۔ خواتین کی بیداری اور ان میں علمی و تعلیمی ذوق کی نشو و نما کا دلچسپ حال لکھتے ہیں۔ پروین اعتصامی اور مہربانو کے ذکر میں انہوں نے اتنا ضرور ثابت کیا ہے۔ کہ دنیا کے ہر ملک اور ہر تحریک کی طرح ایران میں بھی تجدد کے موافق اور مخالف گروہ دوش بدوش موجود ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ پہلوی دور اپنی برکات کے اعتبار سے لائق صد تحسین ہے کہ اس میں ملک کو امن و آرام کا سانس لینا نصیب ہوا۔ اور علما و اہل قلم کو ملکی اور سیاسی پیچیدگیوں سے اتنی فراغت مل گئی کہ اب وہ بفراغ

---

[1] کتب خانہ دانش کلکتہ کی جدید ترین فہرست (اسٹوری پرشین لٹریچر جو ابھی نامکمل ہے) اس موضوع پر لکھنے کے لئے مفید کتب حوالہ ہیں۔

[2] فردوسی۔ ناصر خسرو اور ایران قدیم کے احیا کے متعلق تفصیلات نشر کے ضمن میں آئیں گی [3] بہار اور رشیدیہ کی تقلیش منحوران عصر حاضر میں [4] شین۔ نیو پرشیا۔ ص ۲۵۵

خاطر ملک کے لٹریچر میں اضافہ کرنے میں مصروف ہیں۔

ادبیات جدید کی بعض خصوصیات

علمی و ادبی ماحول کے متعلق ان مجمل اور مجموعی اشارات کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اب مختلف اصناف علم و ادب کا الگ الگ جائزہ لیا جائے اور ان خصوصیات پر بحث کی جائے جو اس زمانے کی تصانیف اور ازمنہ قدیمہ کی تصانیف کے درمیان مابہ الامتیاز ہیں۔

وہ امور جو موجودہ ادبیات کو ممتاز و منفرد بناتے ہیں۔ کم و بیش یہ ہیں:-

اوّل۔ مغربی اثرات کے ماتحت ادبیات ایران میں خوشگوار تبدیلیاں۔

دوم۔ ادبیات ایران میں شدید ایرانی عصبیت کا ظہور۔

سوم۔ ادبیات ایران میں صمیمیت Sincerity اور مقصد Purpose کا پیدا ہونا۔ اور تصنع اور تقلید سے پاک ہونا۔

ایران کی جدید شاعری

مندرجہ بالا خصوصیات کی تشریح کے لئے سب سے پہلے شاعری کو لیا جاتا ہے۔ کیونکہ سرزمین ایران کو اپنی روایات کے اعتبار سے جس قدر شعر و شاعری سے تعلق ہے۔ اتنا شاید کسی اور صنف علم و فن سے نہیں۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قدرت نے بعض زبانوں کو خاص طور پر شعر و شاعری کے لئے وضع کیا ہے۔ ان میں فارسی اور اطالوی زبانوں کو منظومات کے اظہار کی سب سے زیادہ صلاحیت حاصل ہے۔ اس لئے یہ نامناسب نہ ہوگا۔ اگر ہم سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ جدید تمدن اور جدید انسانی نصب العین نے ایران کی شاعری کو کہاں تک اس کے پرانے مسلک سے ہٹایا ہے۔ اور ایرانی فطرت نے کس حد تک ان نئے اثرات کو قبول کیا ہے اور کس حد تک انکو اپنی طبیعت کے لئے ناسازگار سمجھ کر مسترد

---

[1] میں اپنے مخدوم قاضی فضل حق صاحب ایم۔اے کا ممنون ہوں جنہوں نے اس موضوع پر قابل قدر مشوروں کے علاوہ آقائے داعی اسلام کا مختصر رسالہ "شاعری جدید ایران" بھی عنایت فرمایا۔

کر دیا ہے۔

شعرائے معاصرین کے بعض تذکرے

آقائے محمد اسحاق نے اپنی کتاب "سخنوران ایران در عصر" میں ۳۰ شعرا کا حال بیان کیا ہے جن کے حالات نہایت تحقیق و جستجو کے ساتھ انہوں نے اپنی سیاحت ایران کے دوران میں جمع کئے اور لکھے ان میں سے اکثر کے ساتھ آقائے موصوف نے ملاقاتیں کی ہیں اور ہر شاعر کے حالات کے ساتھ ایک فوٹو بھی شائع کیا ہے۔ اسی موضوع پر دینشاہ ایرانی نے جو کتاب "سخنوران دوران پہلوی" کے نام سے شائع کی ہے۔ اس میں ۹۰ شعرا کا مختصر حال ان کے کلام کے نمونے اور ان کی تصاویر دی گئی ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب محققانہ نہیں بلکہ اس کی حیثیت محض ایک بیاض کی ہے۔ تاہم اس سے جدید شاعری کی بڑی بڑی شاہراہوں پر روشنی ضرور پڑتی ہے۔ اس ضمن میں ح۔ سعادت نوری (جو خود بھی ایک شاعر ہیں) کی بیاض "گلہای ادب" کا ذکر بھی ہمارے مآخذ کی فہرست کی تکمیل کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے جس میں ۴۷ شعرائے معاصرین کے کلام کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔

عصر جدید کے ممتاز ترین شعرا

موجودہ تبصرہ میں ملک الشعرائے بہار، اشرف و بخدا اور عارف کا عمداً ذکر کم کیا جائے گا۔ کیونکہ ان کے حالات و واقعات کسی قدر تفصیل کے ساتھ پروفیسر براؤن مرحوم کی کتابوں میں آچکے ہیں۔ اگرچہ یہ سب بزرگ ابھی تک بقید حیات ہیں۔ تاہم ان کا شمار زیادہ تر عہد انقلاب اور دورۂ مشروطیت کے شعرا میں کیا جاتا ہے۔ دور پہلوی میں جو نوجوان شعرا اپنے کلام کی خوبیوں کی وجہ سے سب سے زیادہ نام آور ہیں۔ ان میں حبیب یغمائی حسام زادہ۔ دکتر محمود افشار۔ رشید یاسمی، روحانی، عشقی اور فرخی یزدی نئے دور میں شہرت عام کے دروازے سے داخل ہوئے ہیں۔ اور ملک میں انہیں بلند پایہ

شعرا میں شمار کیا جاتا ہے اس نوعمر گروہ کے ساتھ بعض پختہ عمر اور کہن سال شعرا کا ذکر بھی بہرحال ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جن میں ادیب پیشاوری مرحوم اور شوریدہ شیرازی مرحوم، پورداؤد اور سید حیدر علی کمالی بلند حیثیت رکھتے ہیں۔

خواتین میں پروین اعتصامی اور نیمتاج کی شاعری ملک بھر میں مقبولیت کی سند حاصل کر چکی ہے۔ جن کا مفصل تذکرہ محولہ بالا کتابوں میں ملے گا۔

شعرائے معاصرین کی تقسیم باعتبار رسائل

آقای محمد اسحاق نے موجودہ شعرا کو ان کے رسائل اور اسلوب کے اعتبار سے ان چار حصوں میں تقسیم کیا ہے

۱۔ وہ جو قدیم طرز پر لکھتے ہیں۔ اور قدیم خیالات اور موضوعوں پر فکر سخن کرتے ہیں مثلاً ادیب پیشاوری۔ ادیب نیشاپوری۔ بدیع الزمان سالار شیرازی۔ شباب شوریدہ۔ غمام۔ فروغی۔ نادری۔ رعدی۔

۲۔ وہ جو قدیم طرز پر ۔ لیکن نئے موضوعوں پر لکھتے ہیں۔ مثلاً ایرج میرزا پروین۔ پورداؤد۔ حبیب یغمائی۔ افشار۔ دہخدا۔ رشید یاسمی۔ روحانی۔ اشرف۔ عارف۔ فرخی یزدی۔ کسمائی۔ ملک الشعرا۔ فلسفی۔ کمالی۔ فرخی خراسانی۔ عطا۔ یاسائی۔ فرات۔

۳۔ وہ جو نئی روش کے مطابق اور نئے موضوعوں پر لکھتے ہیں۔ مثلاً حسام زادہ عشقی۔ فرہنگ۔

۴۔ وہ جو Song لکھنے میں کمال حاصل کر چکے ہیں مثلاً ملک الشعرا بہار۔ اور عارف قزوینی۔

موجودہ مقالہ میں قدیم روش پر لکھنے والے حضرات پر تفصیل سے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ یہاں ہمارا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ہم جدید اصلاحات اور تبدیلیوں سے روشناس ہو جائیں۔ قدیم روش پر چلنے والے شعرا سے مراد

وہ لوگ ہیں جو کلاسیکل انداز میں منوچہری۔ فرخی۔ سعدی وغیرہ کے انداز میں شعر کہتے ہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر بتایا جائیگا۔ ایران میں خالص قدیم روش اور خالص جدید روش ہر دو غیر مقبول ہیں۔ ایسے لوگ بکثرت ملتے ہیں۔ جو قدیم و جدید میں امتزاج چاہتے ہیں۔ جیسا کہ آقائے اسحاق کی مندرجہ بالا تقسیم سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ غزل۔ قصیدہ۔ مثنوی وغیرہ سب اصناف سخن زیر مشق ہیں۔ طرز خراسان اور طرز عراق کا قدیم مباحثہ بھی از سر نو تازہ ہو رہا ہے۔ لیکن چونکہ اب ملک و قوم کو سیاسیات اور وطنیات کی طرف زیادہ توجہ ہے۔ اس لئے اکثر لوگ وطنی مسائل پر طبع آزمائی کرتے ہیں خواہ اس کے لئے جدید طرز کو اختیار کریں یا پرانی طرز کو موضوع بہرحال وطنی اور سیاسی اور معاشری ہوتا ہے۔

خالص مغربی اثرات شعر و شاعری پر

ایران کی ادبیات علی الخصوص ایران کی شاعری پر یورپ نے جو اثرات ڈالے اگرچہ وہ عرب کی طرح انقلاب انگیز نہیں ہیں۔ تاہم ان کے شدید طور پر موثر ہونے میں شبہ نہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ اسلامی دنیا عام طور پر فرانس کے تمدن اور کلچر سے بہت موثر ہوتی رہی ہے۔ مصر اور ایران دونوں ملکوں میں فرنچ ادب کو جس ذوق شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ وہ انگریزی اور دوسری زبانوں کے معاملے میں نہیں دیکھا جاتا۔ باوجودیکہ ان ہر دو ممالک کا تعلق سیاسی طور پر انگریزوں کے ساتھ زیادہ دیر تک قائم رہا۔ ایرانیوں نے جنگ بین الملکی کے دوران میں جرمنی میں جو اقامت گاہیں بنائی تھیں۔ وہ کسی حد تک ایران پر جرمن اثرات ڈالتی رہیں۔ اور روس اور ترکی کی طرف سے، ہمسایہ قوم ہونے کے اعتبار سے جو روابط اس ملک کو رکھنے پڑے وہ بھی کسی قدر اثر انداز ضرور ہوئے۔ لیکن یہ واقعہ ہے۔ ایران جس قدر فرانس سے متاثر ہوا۔ ان ممالک میں سے کسی ملک سے نہیں ہوا۔ مالیر Moliere

لافونتین اور وکتر ہیوگو کی کتابوں اور نظموں کے ترجمے عرصے سے ایران میں ہو کر لوگوں کے دلوں کیلئے کشش کا باعث بن چکے تھے۔ اور ان کی لذت کے مقابلے میں نہیں یورپ کی کسی زبان کے شہ پارے اپنی طرف مائل نہیں کر سکتے تھے۔

جدید ماحول میں سب سے بڑی تبدیلی یہ آئی۔ کہ ایرانی شاعروں نے مصنوعی طرز کی شاعری تقریباً ترک کر دی اور انہوں نے ان مضامین کے متعلق لکھنا شروع کیا۔ جن کا تعلق ان کے اوضاع و اطوار زندگی، ان کی معاشرت، ان کے ذہنی اور نفسیاتی تجربات سے تھا۔

شعرا نے اپنی قدیم روش اور اسلوب، پرانے موضوع و مباحث اور فرسودہ طریق ادائے مطالب میں بے شمار تغیرات پیدا کئے۔ اغلاق تقلید اور مشکل پسندی جو قدیم خصوصیات میں نمایاں حیثیت رکھتی تھی۔ علما و فضلا کے نزدیک اب کوئی پسندیدہ چیز نہیں سمجھی جاتی۔ اس کی جگہ سادگی اور سلاست نے لے لی ہے۔ اسلوب میں صفائی، صراحت اور بامطلب ہونا ضروری قرار دیا گیا۔ اور موضوع و مباحث کا انتخاب کسی قلبی واردات اور روحانی داعیہ کی بنا پر ہوتا ہے۔

جب ایران میں تجدد کی ہوا چلی تو اس نے شروع شروع میں نوجوانوں کے دماغوں کو بہت مسموم کیا۔ اور ان کے ایک انتہا پسند طبقے کے دل میں ایران کے قدیم شعرا کے متعلق تنقیص کا خیال پیدا ہو گیا۔ یعنی ان میں مغرب کے لٹریچر کے ساتھ اس درجہ شیفتگی پیدا ہو گئی تھی۔ کہ وہاں کے شعرا کے مقابلے میں وہ اپنے شعرا کو حقیر سمجھنے لگے تھے۔ تاہم اس طبقہ کا اثر بہت محدود رہا۔ اور اب تو یہ جماعت بہت کم ہو رہی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ فارسی میں اب بھی مغربی زبانوں کے الفاظ بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن غالباً ان الفاظ سے کسی صورت میں مفر نہیں۔ اگرچہ یہ بھی سچ ہے کہ ان میں سے بعض عادتاً اور غیر ارادی طور پر شامل کئے جا

رہے ہیں۔ اور ان میں کچھ مجبوری نہیں۔ روحانی کی جو نظم "ظاہر سازی" کے عنوان سے آقائے اسحاق نے اپنی کتاب کے ص ۱۱۵ پر شائع کی ہے۔ فرنچ الفاظ سے لبریز ہے تنہا اس نظم میں دس پندرہ الفاظ ایسے موجود ہیں۔ جن کے بغیر بخوبی کام چل سکتا تھا۔ مثلاً مُدوشیک Mode: Chic تابلوی Tableau اینورسیتہ Universite فاکولتہ Faculte وغیرہ

ایرانیوں نے غالباً یورپ سے کوی نئے بحور و اوزان اور کوئی نئی صنف شاعری اخذ نہیں کی۔ بلکہ زیادہ تر امتزاج سے کام لیا گیا ہے۔ اور ان اشکال اور اصناف کو جو یورپ کی کسی خاص طرز کے مماثل ہیں پہلے سے زیادہ فروغ دیا۔ اب تک غزل، مثنوی اور رباعی کا بہت رواج تھا۔ لیکن مسمط اور مستزاد کی طرف توجہ نسبتاً کم تھی۔ ایران جدید نے مسمط اور مستزاد کو ایک فرانسیسی طرز کے قریب سمجھتے ہوئے زیادہ رواج دیا ہے۔ سب سے زیادہ جس چیز کو نقصان پہنچا۔ وہ قصیدہ ہے، کیونکہ شعرا انقلاب اور بیداری ایران کے بعد اُمرا اور بادشاہوں کی خوشا سے ہٹ کر جمہور کی بیداری اور وطن کی خدمت کی طرف مائل ہو گئے۔ چنانچہ قصید کی جگہ وطنیات نے لے لی ہے۔ اور ہجو نے افراد کی مذمت کے بجائے سوسائٹی کی تنقید اور نکتہ چینی کی شکل اختیار کر لی ہے مستزاد کے علاوہ جو طرز آج کل بہت مقبول ہے۔ اس کا ایک بند بطور نمونہ درج ذیل ہے[1]

ای غنچہ ناشگفتہ در باغ ای نو گل زیب بوستانی
ای جلوہ باغ و رونق راغ وای ہمدم روح آسمانی
وای قلب تو پاک تر ز گوہر
وای عطر صفای دل معطّر

یہ ہماری مسدس سے کسی قدر مشابہ ہے۔ اختلاف صرف اس قدر ہے۔

کہ اس میں پہلے دو شعروں میں پہلے شعر کا پہلا مصرعہ دوسرے شعر کے پہلے مصرعہ سے ہم قافیہ ہوتا ہے۔ اور دونوں شعروں کے دوسرے مصرعے آپس میں ہم قافیہ۔ یورپ کا اثر جس قدر ہوا اس نے ایرانیوں کو اپنے ماحول سے منقطع نہیں کیا۔ اس تجدد اور جدت پسندی کے باوجود ایران میں قدیم اور جدید روش کے علم بردار بدستور موجود ہیں۔ بلکہ یوں کہنا بالکل درست ہے کہ ایران کی فطرت قدیم طرز سے زیادہ مانوس معلوم ہوتی ہے۔ اور جدید خیالات کے اعلان اور اس کے سلسلے میں جوش و خروش کو ایک مستعار سرمایہ پر افتخار کے مترادف سمجھا جاتا ہے[1]۔ دنیا میں ہر جگہ قدیم اور جدید کے درمیان جو جنگ اور نزاع جاری ہے۔ وہ ایران میں بھی ہے۔ لیکن یہ بات نہایت ہی دلچسپ ہے کہ ایران میں ایک معتدل اور معقول گروہ ان لوگوں کا بھی ہے جو اس قدیم و جدید کے درمیان امتزاج چاہتے ہیں اور خالصتاً مغرب کے اثرات سیاسی و ادبی کو اختیار کرنے کے سخت مخالف ہیں۔ دیوان عارف قزوینی کے فاضل مقدمہ نگار نے قدیم و جدید کے امتزاج کی ضرورت پر جن فیصلہ کن اور خوبصورت الفاظ میں لکھا ہے۔ اس کا مطالعہ ہر صاحب ذوق کے لئے ضروری ہے

شاعری کے نئے موضوع، حیات اجتماعی

یورپ کے اثرات کا اتنا اعجاز تو ضرور ہوا کہ اس کے طفیل ایران کی شاعری میں ایک مقصد اور منہاج پیدا ہو گیا اب شعرا جو کچھ لکھتے ہیں۔ اس میں وہ اپنی روحانی اور نفسیاتی تحریک کے مطابق عالم انسانیت کے نام ایک پیغام دے رہے ہوتے ہیں۔ مشرقی شاعری کے مخالفین عام طور پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اس شاعری میں شاعری محض دماغی ورزش کا نام ہے

---

[1] سخنوران عصر حاضر دیباچہ ص ۲ دیوان عارف۔ ص ۲۶

اور اس سے حیات اجتماعی کی اصلاح یا کم از کم ترجمانی کا کام نہیں لیا جاتا۔ اگرچہ یہ اعتراض فارسی شاعری کے تمام ادوار پر صادق نہیں آتا۔ کیونکہ بلاشبہ ایسے ادوار بھی ہیں جن میں ایرانی شعر و شاعری سے یہ کام لیا گیا ہے، اور اس سے قوم کے احساسات اور سپرٹ کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ انقلاب ایران سے پہلے کئی صدیوں سے ادبیات کے ہر شعبہ اور صنف میں تقلید اور لفظ پرستی کو اس درجہ غلبہ حاصل ہو گیا تھا کہ دیوانوں کے دیوان کسی بڑے شاعر کے الفاظ و معانی کی نقل اور پیروی میں وقف ہیں۔ پس یہ امر بالکل مسلّم ہے کہ ایرانی شاعری علی العموم حیات اجتماعی کی آئینہ دار نہیں تھی۔ نہ اس میں کوئی صمیمیت Sincerity تھی نہ مقصد، نہ پیغام، خدا کا شکر ہے کہ جدید شعرا نے اس عیب کو رفع کرنے کے لئے اہم اصلاحات کی طرف قدم اٹھایا ہے۔ اب ایران کے شعرا غیر موجود باتوں کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ وہ مسائل جن سے انہیں شب و روز دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ان کے ذہن و فکر ان کی تعبیر و توجیہ کے لئے وقف ہیں۔ زندگی کی عمومی اور مختلف طبقات معاشرت کی تصویر کھینچنا اپنی روحانی مشکلات اور اضطراب کو ظاہر کرنا اور نفس کے ان لاینحل عقدوں کو حل کرنا جو انسان ضعیف البنیان کو ہمیشہ سے پریشان رکھتے چلے آئے ہیں۔ جدید شعرا کے مقاصد عظیمہ میں شامل ہیں وہ نئے موضوع جن کی طرف زیادہ توجہ کی جاتی ہے یہ ہیں:-

۱۔ مظاہر کائنات پر غور، مقامی ماحول سے تاثر اور مناظر قدرت کی تصویر کشی۔

۲۔ اوضاع و اطوار معاشرت پر نکتہ چینی۔

۳۔ وہ فلسفیانہ معمے اور نفسیاتی مسائل جن کے متعلق عقل انسانی ہمیشہ متحیر رہی۔ اور جن کی تعبیر و توجیہ میں ہمیشہ اختلافات رہے۔

مناظر قدرت ہمارے قدیم شعرا کے کلام میں نیچر کے مختلف مظاہر پر کبھی کبھی سخن آرائیاں ہوتی رہی ہیں لیکن ان میں لفاظی کو بہت دخل حاصل ہے۔ قصاید کے شروع میں بعض دفعہ مناظر قدرت کی تصویر کھینچنے میں فرخی اور منوچہری کے قلم نے وہ گلکاریاں کی ہیں۔ کہ روح انسانی ان کو سنکر رقص کرنے لگتی ہے۔ لیکن ان سے صمیمیت نہیں ظاہر ہوتی بلکہ مبالغہ اور تصنع کا اظہار ہوتا ہے۔ جدید شعرا اپنے ماحول سے متاثر ہوتے ہیں۔ ان کے لئے البرز اور الوند کے دامن میں چاندنی راتیں حسن وجمال کی بہترین تصویریں ہیں ملک الشعرائے بہار۔ دماوند کو "مادر سرسپید" کہکر پکارتے ہیں۔ اس سے اپنے دل کا حال بیان کرتے ہیں۔ اس کے سامنے عصر کی شکایت کا دفتر کھولتے ہیں۔ اور اس کو اپنا شریک حال بناکر اس سے مدد کے طالب ہوتے ہیں[1]

اے دیو سپید پای دربند — ای گنبد گیتی اے دماوند
اے سیم بسر یکے کلہ خود — زاہن بمیان یکے کمر بند
تا چشم بشر نہ بیندت روی — بنہفتہ ببر چہر دلبند
تا وارہی از دم ستوران — دین مردم نخس دیو مانند

ای مادر سرسپید بشنو — ایں پند سیاہ بخت فرزند
ابری بفرست برسر ری — بارانش زہول دبیم و ترقند
برکن زبن این بناکہ باید — از ریشہ بناے ظلم برکند
زان بیخ رواں سفلہ بستاں — داد دل مردم خرد مند

قدرت کی ہر شے شاعر کے دل پر اثر کرتی ہے۔ بہار آتی ہے۔

---

[1] ایرانی۔ شعراے دوران پہلوی۔ ص ۱۹۲

گل و لالہ کے فرش بچھ جاتے ہیں۔ شاعر کو اپنی دلفریبیوں کی طرف بلاتی ہے۔ وہ اپنے تاثرات کا اظہار کرتا ہے۔ صبح کا سہانا موسم[1]۔ چاندنی راتوں کی چمک[2]، درخشاں تارے، آبشاروں کا نوحہ[3]، شبنم کی دلآویزی[4]، برگ زرد کی مایوسی[5]، بلبل سے دو دو باتیں[6]، جنگل کی ایک رات[7]، وہ مضامین ہیں جن پر ہمارے شعرا قلم اٹھاتے ہیں۔

سب سے زیادہ رشید یاسمی نے اس کی طرف توجہ کی ہے۔ چنانچہ شبے در جنگل، شہاب، فوارہ کا ذکر محض بطور مثال کافی ہوگا۔ جن سے یہ ظاہر ہو سکتا ہے۔ کہ موجودہ شاعر مادر فطرت سے کہاں تک اکتساب کرتے ہیں۔ "آئینہ سیال" میں فرماتے ہیں۔

چہ خوش باشد بروے آب دیدن — بر او رقصیدن مہتاب دیدن
بہ بیداری چناں خاطر فریبد — کہ شام وصل یاران خواب دیدن

نسیم آید ز رو پرچین شود آب — بلرزد قرص ماہ چوں لوح سیماب
وزم گردد چو روی مہ جبینی — کہ ناگاہش برانگیزند از خواب

سپہری بر زمین گستردہ بینی — زبادش چہرہ پرچیں کردہ بینی

---

[1] ایرانی شعرائے دوران پہلوی ص ۶۷۸ یحییٰ دولت آبادی کی نظم۔ "صبح"۔
[2] گلہائے ادب۔ ص ۳۷ حشمت زادہ کی نظم "یک شب ماہتاب"
[3] گلہائے ادب۔ ص ۱۲۴۔ اشتری کی نظم۔ "آہنگ آبشار"
[4] گلہائے ادب۔ ص ۹۱۔ احمدی بختیاری کی نظم۔ "افکار یک شب مہتاب"
[5] گلہائے ادب۔ ص ۱۰۴۔ نظام وفا کی نظم۔ "برگ زرد"
[6] گلہائے ادب ص ۶۶۔ جودی لنگرودی کی نظم۔ "ای بلبل"
[7] گلہائے ادب۔ ص ۱۲۰۔ رشید یاسمی کی نظم۔ "شبی در جنگل"

جمال بوستان آسماں را گہی بی پردہ گہ در پردہ بینی

درخت و کوہ و ابر و ماہ و انجم درین آئینہ گہ پیدا گہی گم
تو گوئی رنگ ریزان طبیعت جہانے راہمی شویند و رخم

صدای لطمۂ امواج آرام کہ بر ساحل رسد از صبح تا شام
بود چون سیلیے یارانِ طنّاز بردی چہرہ عشّاق ناکام[1]

رشید یاسمی[2] باغ کی تعریف و توصیف میں کہتے ہیں:-

صبحدمی گفت مرا باغبان زانچہ بتان چمنی کردہ اند
گفت ہر آن خو کہ نہاں داشتند دوش بخلوت علنی کردہ اند
قمریگان قصّہ سرا بودہ اند بلبلگان خوش سخنی کردہ اند
چوں ملک بحری نوآرگان شب ہمہ شب آب تنی کردہ اند
برگ درختاں ز نسیم سحر بر سر گل باد زنی کردہ اند
گفتی در رہگذر باد صبح تودۂ مشک ختنی کردہ اند
بید بتان در بر وزندہ باد ورزش و مشق بدنی کردہ اند

معاشرت اور تنقید معاشرت

جدید شعرا نے جس طرح مناظر قدرت پر نظمیں لکھنے میں ایک نئی شاہراہ پر گامزنی کی ہے۔ اسی طرح سوشل معاملات پر جن کے متعلق تمدّن مغرب نے مشرقیوں کے خیالات میں یک گونہ تغیر پیدا کیا ہے۔ بہت توجہ مبذول کی ہے چونکہ یہ مسئلہ دنیاست سے ایک قسم کا تعلق رکھتا ہے۔ اور مجلسی امور کی ترمیم و اصلاح ملک کے مسائل مہمہ میں

---

[1] سخنوران عصر حاضر۔ ص ۹۹ [2] ایضاً۔ ص ۹۷

سے ہے اس لئے شاعری کا بیشتر حصہ ان ہی افکار و خیالات پر مشتمل ہے۔ پردہ، تعدد زوجات کی خرابیاں، تعلیم نسواں، عورت کا درجہ سوسائٹی میں اور اس قسم کے دوسرے موضوعوں پر بکثرت طبع آزمائی کی گئی ہے۔ جیسا کہ تمام اسلامی ممالک میں دیکھا گیا ہے۔ ایران میں بھی مغربی تمدن کے اس پہلو کے متعلق مفکرین و مصلحین قوم میں اختلاف موجود ہے۔ ملک الشعرا بہار، ایرج میرزا مرحوم، عشقی اور عارف اس جماعت کے ممتاز افراد ہیں۔ جو یورپ کی تقلید میں حجاب وغیرہ کو یکسر ترک کرنے کے حق میں ہیں۔ مرزا بہاء الدین حسام زادہ[1] کہتے ہیں:

دختر عرب بمتر نگہ مقصود رسید — عرق شرم ز رویت نچکیدہ است ہنوز
بچمن سنبل بخت تو زبد بختی ماست — کہ نروئید ہنوز و ندمیدہ است ہنوز
خیز و ایں چادر شومت ز سر افگن بکنار — گہر عمر ز دستت نرہیدہ است ہنوز

عشقی نے "کفن سیاہ" کے عنوان سے جو نظم لکھی ہے وہ ان جدید جذبات سے لبریز ہے۔ عشقی عورتوں کیلئے مردوں سے شرم کرنے کی کوئی وجہ خاص نظر نہیں دیکھتے ؎

زن چہ کردہ است کہ از مرد شود شرمندہ

حسام زادہ اور عشقی کی اس تلقین کے علی الرغم ایک دوسرا گروہ ایسا بھی ہے جو ابھی تک معتدل پردہ کو ضروری سمجھتا ہے اور اسے عفت اور پاکبازی کیلئے اولین شرط قرار دیتا ہے۔ دکتر محمود خاں افشار[2] جو جرمنی سے سند فضیلت حاصل کر کے آئے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

پردہ ز نہار میفگن ز رخ چوں قمرت — تا مبادا رسد از چشم بد کس نظرت
کمتر از خانہ بروں پای منہ بی مادر — بخیاباں و بہ بازار اگر افتد گذرت
پس نگہ دار نظر را و نگہ دار ہوس — کہ ہمیں بوالہوسی افگند اندر خطرت

---

[1] آقائے اسحاق سخنوران عصر حاضر ص ۷۷ [2] ایضاً۔ ص ۸۱

چونکہ از بہر زر و زیور باید زد سیم — بیم آن است کہ عصمت رود از بہر زر
بہترین زینت دختر نگرفت اوست — خود تو دانی چہ بگویم من ازیں بیشتر

پروین اعتصامی جو جدید ایران کی شاعرات میں سے ہیں۔ اس اہم مسئلہ پر جس کا تعلق ان کی اپنی جنس کے ساتھ ہے۔ بہت کم اظہار خیالات کرتی ہیں۔ غالباً پروین ضرورت سے زیادہ تجدد کو پسند نہیں کرتیں[1]۔ بلکہ مرد اور عورت ہر دو کو اس کش مکش حیات میں ایک دوسرے کا لازم ملزوم خیال کرتی ہیں:۔

وظیفہ زن و مرد اے حکیم دانی چیست — یکی است کشتی و آنند دیگر یست کشتیبان
بروز حادثہ اندر یم حوادث دہر — امید سعی و عمل ہاست ہم ازیں ہم ازاں
ہمیشہ دختر امروز مادر فرد است — زمادر است میسر بزرگی پسران

اگرچہ ایران کے نوجوان طبقہ پر بالعموم اس تجدد کا اثر نظر آتا ہے۔ لیکن اسکے باوجود، وہ سوسائٹی اور فیملی کے انتشار کے قایل نہیں۔ وہ ایک گھر کو جس کی چھوٹی چھوٹی راحتوں اور مسرتوں میں انسان اُلجھ کر اکثر کلفتوں کو بھلا دیتا ہے۔ تمدن کے لئے ضروری سمجھتے ہیں[2]۔ رشید یاسمی فرماتے ہیں:۔

خرّم آں ساعت کہ زی خانہ شوم ہنگام شب — دل زکار روزم افسردہ رواں اندر تعب

آدمی را ہمچو مرغاں آشیانی درخور است — کاندراں مصروف گردد مال و نان مکتسب
تا نہ داری خانہ کی دانی بہائے ملک و دین — تا نداری ریشہ کی گردی بباغی منتسب

جیسا کہ گذشتہ سطور میں بار بار اس بات کی صراحت آچکی ہے۔ ایران کے ایک محدود طبقہ کے علاوہ، فضلا اور ارباب بصیرت کا ایک جمّ غفیر یورپ کی اندھی

---

[1] ایضاً۔ ص ۳۸ [2] ایرانی۔ شعرائے دوران پہلوی ص ۳۰۰

تقلید کا دشمن ہے۔ اور قوم کو جدید تمدن کی مادہ پرستانہ سپرٹ سے متنبہ کرتا رہتا ہے۔ ان لوگوں میں وحید دستگردی، حیدر علی کمالی اصفہانی سب سے زیادہ اپنا زور کلام اس بات پر صرف کر رہے ہیں۔ کسروی تبریزی جو ایک بلند پایہ مصنف ہیں۔ معاشرت، مذہب اور ادبیات عرض ہر چیز میں یورپ کی تقلید کی مخالفت کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب "آئین کسروی" میں اس موضوع پر نہایت جامعیت کے ساتھ لکھا ہے۔ اس موضوع پر سید حیدر علی کمالی کی اس نظم سے بہتر کوئی قطعہ شاید نہ لکھا گیا ہوگا۔ جس کا عنوان یہ ہے: ع خواندند بہار مہرگاں را :-

اے عصر جدید ایکہ خود را ز اعصار خجستہ می شماری
انصاف بدہ کہ گویمت تا از عدل چوی خبر نداری
در ما بقدیم و عہد وسطی ہرگز نبد این سیاہکاری
آوخ کہ بعنف یا بعمدا گر عمر بدین نمط گذاری
وحشت کدۂ کنی جہاں را[1]

فکاہیات اس موقعہ پر میرزا غلام رضا خان روحانی کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جن کی فکاہی نظمیں اس زمانے میں وہی حیثیت رکھتی ہیں جو سید اشرف الدین "نسیم شمال" کی دورۂ انقلاب اور جمہوریت میں۔ ان نظموں سے زیادہ مقصود یہ ہے۔ کہ ظرافت کے رنگ میں معاشرت اور سوسائٹی کی تنقید کی جائے۔ اور ایرانی امرا اور عوام میں جو خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ ان کی لطیف پیرائے میں مذمت کی جائے ہجو میں جدید زمانے میں جو خوشگوار تبدیلی ہوئی ہے۔ اس کی بہترین مثال یہی ہے۔ روحانی کا "اراجیف الاجنۃ" اور "ادارہ نامہ" اس موضوع کی بہترین کتابیں ہیں۔ جو جزواً جزواً ایران کے بعض فکاہی رسالوں مثلاً "امید" اور "گل زرد" میں

[1] سخنوران عصر حاضر ص ۱۱۲

شائع ہوئیں۔ اہل ایران کی "کسالت اور کاہلی" کے متعلق کہتے ہیں:۔

ار دپائی اگر از صفحۂ خاک — رود با آسماں پیما بلا فلاک
از و کم نیست ایرانی کہ دایم — کند سیر فلک با چرس و تریاک
اثاثی در سرائی کشور جم — نماند از غارت دزدان چالاک
سخن از فضل و دانش چند گوئی — بقومی بے خبر از عقل و ادراک
لب از گفتار روحانی فرو بند — دہانت را بزن مہر و بکن لاک

اہل ایران میں "افیون خوری" کا مرض عام ہے۔ روحانی نے اس کے خلاف کئی طریقوں سے آواز بلند کی ہے۔ حافظ کی ایک مشہور غزل کی تضمین کرتے ہیں۔

مُدیم از خمارے ہمشیرگان خمارا — از یک دو لبت شیرہ سازید نثارا
دو روزہ مہر گردوں افسانہ ایست افسوں — مرفین بجائے افیوں تزریق ساز مارا
آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف است — با شیرۂ مروت با الکلی مدارا
افیونیاں برنا بخشندگانِ عمراند — ساقی بشارتے دہ پیرانِ پارسارا
تریاک و شیرۂ مفت صد بار ہست خوشتر — از ہستی دو عالم تریاکیے گدارا

"ارجیف الاجنۃ" میں "داد از دست زنم" کے عنوان سے منزلی زندگی کے ایک پہلو کا دلچسپ نقشہ کھینچا ہے اس مستزاد کے پہلے دو شعر یہ ہیں:۔

شب عید است و گرفتار زن خویشتنم — داد از دست زنم
اوست جفت من و من جفت ملال و محنم — داد از دست زنم
ہم کریپ[1] ز رژہ ز من خواہد و ہم ژرسہ و وال[2] — مدو فرم امسال
خود نہ شلوار بہ پایم نہ قبای بہ تنم — داد از دست زنم

---

[1] کریپ ۔ جاجیٹ ۔ جرسی ۔ وائل کپڑوں کے فرنچ نام ہیں ۔
[2] مد Mode فرم form

سیاسیات و وطنیات سیاسیات وطنیات کی تاریخ پر جو کچھ Press and Poetry. میں مرحوم پروفیسر براؤن نے لکھا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ سیاسی بیداری سے لے کر انقلاب اور دورۂ مشروطیت تک جو خدمات شعرائے وطن نے انجام دیں۔ ان کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں ملے گا۔ یہاں مجملاً بعض جدید خیالات اور افکار کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نوجوان شعرا میں حبیب[1] یغمائی جدید ترین تحریکات سیاسی سے بہت زیادہ متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ حبیب پرانے نظام میں تبدیلی چاہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس کا وجود کمزور اور ضعیف انسان کی ترقی کے لئے سخت مضر ہے۔ آپ ان الفاظ میں انقلاب کی تلقین کرتے ہیں۔

ز انقلابی سخت جاری سیل خون بالیست کرد — وین بنای سست پی را سرنگوں بالیست کرد
از برائے نشر آزادی زبان باید کشود — از تجاعیون عالم را زبون بالیست کرد
تاکہ در نوع بشر گردد تساوی برقرار — سعی در الغاء القاب و شئون بالیست کرد
ثروت آنکس کہ می باشد فزوں باید گرفت — وانکہ کم از دیگراں دارد فزوں بالیست کرد
منزل جمعی پریشاں مسکن قومی ضعیف — قصرہائے عالی اشراف دُوں بالیست کرد
ہر کہ پازاریت[2] و تنبل می شود بالیست کشت — آری از تن خونِ فاسد را برون بالیست کرد

حبیب سوشلزم کو مساوات انسانی کے قیام کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں۔ اور سرمایہ کی بنا پر پیدا شدہ امتیازات کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔

مالک و دہقاں غنی و بے نوا شاہ و گدا — محو باید کرد از روے زمین این نام ہا

حبیب عمل کو زندگی کا مترادف قرار دیتے ہیں۔

در مذہب من بد نام بہتر بود از گمنام — جبریل امین از نیست شیطاں لعین باشد

---

[1] سخنوران عصر حاضر۔ ص ۲۶۴ [2] Parasite.

صبح و شام کی رسمی اور افسردہ زندگی نہایت ناقابل برداشت ہے۔

زین زندگی یک شکل افسردہ دلم ای کاش یا بہتر ازین گردد یا بدتر ازین باشد

ضعیفوں کی بہتری کے لئے شاید لینن کا دستور ہی کچھ کارگر ثابت ہو سکے۔

شاید کہ ضعیفاں را اوضاع شود بہتر در گیتی اگر مجری دستور لینن باشد

وضع غنی و درویش آں بہ کہ شود تبدیل یک چند چناں می بود یک چند چنین باشد

حبیب کی اس نظم پر جو بچوں کے لئے سادہ زبان میں "وطن" کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ علامہ اقبال کی کسی بین الاسلامی نظم کا دھوکا ہوتا ہے۔

کشور ایران کہ زید جاودان ہست وطن بر ہمہ ایرانیاں

رشت و قم و ساوہ و طہران یکست مشہد و تبریز و صفاہان یکست

اہل وطن زادۂ ایں مادر اند یاور و غم خوار بیکدیگر اند

ڈاکٹر محمود خان[1] افشار کا ایک اور قطعہ اشتراکیت اور سوشلزم کے متعلق ہے۔ جو انقلاب روس سے پہلے لکھا گیا تھا۔

پایندہ باش زاغ غ بد بخت رنجبر ای آنکہ زندگانی مادر بقای تست

در نزد خلق اگرچہ گدائی ولے نوا در چشم من تو شاہی و سلطاں گدای تست

گر مردم از رضای تو غافل نشستہ اند خوشنودی در رضای خدا در رضای تست

جان حقیر من نبود لایق نثار ورنہ ز روی صدق و ارادت فدای تست

فرخی یزدی[2] جنہیں آزادی ایران اور عقاید سیاسیہ کی خاطر بہت قربانیاں کرنی پڑیں۔ ایک اہم انقلاب کے آرزومند ہیں۔

گر خدا خواہد بجوشد بحر بے پایان خون می شوند این ناخدایان غرق در طوفان خون

با سر افرازی نہم پا در طریق انقلاب انقلابی چوں شوم دستمن و دامان خون

---

[1] سخنوران عصر حاضر ص ۸۱ [2] سخنوران عصر حاضر ۳۲۱

کلبۂ بی سقف و ہمقانر اچو آرم در نظر — کاخہای سربکیوانر اکنم ایوان خون
فرخی را شیر گیر انقلابی خواندہ اند — زانکہ خوردازشیر خواری شیراز پستان خون

فرخی ماسکو میں انقلاب کی دسویں سالگرہ کے جشن میں شامل ہوئے۔ ان کی مسمطات اور مستزادین وطنیات کے متعلق بہت شہرت رکھتی ہیں۔

ایرانی عصبیت کا احیا پور داؤد کی وطنی نظموں کے ذکر سے یہ مقالہ بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ لیکن چونکہ ان کے کلام کا انتخاب مرحوم براؤن کی کتابوں میں آچکا ہے۔ اس لئے قارئین کرام کو ان کتابوں کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ ان کی نظموں کا مجموعہ پورا ندخت نامہ بھی بمبئی میں طبع ہو چکا ہے۔ پور داؤد ان تجدد پسند ایرانیوں میں سے ہیں۔ جو تحریک احیائے ایرانِ قدیم اور عربوں کے خلاف ایرانی عصبیت کے علمبردار ہیں۔ اگرچہ ایرانِ قدیم کو دوبارہ زندہ کرنے کی تحریک پر کوئی جائز اعتراض نہیں ہوسکتا تاہم بعض ایرانیوں میں عربوں اور عربیت کی بلاوجہ مخالفت خود وہاں کے معقول گروہ کو ناپسند ہے کچھ عرصہ پہلے فارسی زبان سے عربی الفاظ نکالنے کا جو رجحان پایا جاتا تھا۔ وہ بھی اب سرد ہو چکا ہے۔ چنانچہ کتابوں میں کوئی صفحہ ایسا نہ ہوگا۔ جو عربی الفاظ سے پُر نہ ہو۔ پھر بھی زیر بحث دور میں ایسے لوگ ضرور موجود ہیں۔ جنہیں عربیت سے سخت نفرت ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں اسلام کا تسلط ایرانی قومیت کے لئے باعث بربادی ہوا۔ یہ جماعت ایران کے قدیم شاہیر کی عظمت کے ترانے گاتی ہے۔ اور پرانے اولیا اور بزرگانِ دینی مثلاً زرتشت کے متعلق عقیدت کے رشتوں کو جوڑ رہی ہے۔ پور داؤد ان احساسات و جذبات کے اظہار میں سب سے زیادہ بے باک ہیں۔ "بہار و بہدین" کے عنوان سے انہوں نے جو نظم لکھی ہے۔ اس میں ان عقاید کی تشریح نہایت صفائی اور صراحت سے کی ہے۔

لہ شعرائے دوران پہلوی۔ ص ۲۵۳

حسام زادہ نے "چند قطرہ اشک بروی آثار مخروبہ پازارگاد"[1] کے عنوان سے شاہان قدیم کی ایک راجدھانی کی عربوں کے ہاتھوں بربادی پر بہت نوحہ کیا ہے۔ اس نظم سے بھی ان مخصوص ایرانی محسوسات کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

یک مرتبہ ہم اے دل بگذر تو بپا زرگاد — ماتم زدہ بیں سروس بگرفتہ دل و ناشاد
دستش بسما افراز روحش زندی فریاد — گوید کہ بمن از چہر خ رفتہ است بسے بیداد
عزوشرف و شانم دادند ہمہ برباد
صد داد ازیں بیداد و از جور زماں صد داد!

آخری بند یوں ہے۔

این خاک کہ بُد مہد شاہنشہی ایران — بے سُود سر شوکت روزی بسر گیہاں
آتشکدہ زردشت آرامگہ یزدان — امروز شدہ یکسر جولانگہ خناساں
مہد و وطن خوباں جا کردہ دراد دیوان
آں شوکت و فر و جاہ آوخ کہ برفت از یاد

دکتر محمود خاں افشار[2] کی نظم "در راہ اصفہان" بھی قریب قریب اسی جذبہ کا اظہار کرتی ہے۔ شاعر جب شیراز سے اصفہان جاتے ہوئے پرانی یادگاروں کے پاس سے گذرتا ہے۔ تو خون کے آنسو بہاتا ہے۔ اور سیروس کے مقبروں کی ویرانی سے متاثر ہوتا ہے۔ بلکہ آتشکدہ ہائے ایران کی خاموشی سے بھی وہ انگاروں پر لوٹتا ہے۔

خاموش اگر گردید آتشکدہ ہائے پارس
در سینہ ما از غم آتشکدہ سوزان بود

فرہنگ اپنی نظم "خاک ایران"[3] میں اوستا اور دیبداد کے مردہ ہوجانے پر اشک حسرت

---

[1] سخنوران عصر حاضر۔ ص ۸۳ [2] شعرائے دوران پہلوی ص ۱۰۰ [3] شعرای دوران پہلوی ص ۳۳۹

بہاتے ہیں اور ایران کے آتش کدوں کی معدومی پر متاسف ہوتے ہیں۔

جب فرخ خراسانی[1] ۱۳۴۵ھ میں عراق عرب کی طرف گئے تو انہیں بعض جرائد میں ایرانیوں کے متعلق نامناسب اشارات نظر آئے۔ اس کے جواب میں انہوں نے ایک قصیدہ لکھا جس کے چند شعر یہ ہیں:-

یارب عرب مباد و دیار عرب مباد — ایں مرز شوم و مردم دور از ادب مباد
ایں قوم دون دزد گدار از کردگار — جز لعنت و عذاب و بلا و غضب مباد
تنہا ہمیں عراق نہ ہر جا عربکدہ — نجد و حجاز و تونس و مصر و حلب مباد

بعض مختصر ڈرامے | بعض نئی طرز کی چیزیں ایسی ہیں۔ جن کا ذکر پروفیسر براؤن مرحوم اپنی کتابوں میں کر چکے ہیں۔ ان میں سے عارف قزوینی کی "تصنیفات" بہت شہرت رکھتی ہیں اور ان کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔ البتہ عشقی کے بعض مختصر ڈراموں کا یہاں ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو علاوہ ایک جدید اختراع ہونے کے وطن پرستانہ جذبات سے بھی پُر ہیں۔

ان میں سے ایک "کفن سیاہ۔ سرگذشت یک زن باستانی۔ خسرو دخت و سرنوشت زنان ایرانی" ہے۔ اس نظم میں حجاب اور پردہ کی رسم کے خلاف ایک خیالی قصہ لکھا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں خرابہ ہای مدائن کے اردگرد ایک گاؤں کے ویران سے گھر میں وارد ہوا اور اپنے اندرونی احساسات سے متاثر ہو کر اس ویرانے میں گردش کر رہا تھا کہ ایک عورت مجھے نظر آئی۔ جس نے سیاہ کفن پہنا ہوا تھا۔ اس کی گفتگو نے یہ حقیقت واضح کی کہ وہ ملکۂ ایران ہے اور سلطنت عجم کے انقراض کے وقت سے اس نے سیاہ کفن پہن رکھا ہے۔ عشقی جب صبح کے وقت ان کھنڈروں سے نکلا۔ تو اس نے دیکھا۔ کہ تمام ایرانی عورتوں نے

[1] سخنوران عصر حاضر ص ۲۹۸

وہی کفن سیاہ پہن رکھا ہے۔ شاعر اس سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ایران کی عورتیں عہد ساسانی میں پردہ نہیں کرتی تھیں اس کے بعد سے اس کو بطور ایک ماتمی لباس کے انہوں نے اوڑھ رکھا ہے۔ اس حکایت (یا ڈرامہ) کے ۹ بند ہیں۔ ہر بند میں پانچ ہم مصرعہ قافیوں کے بعد ایک شعر ہم قافیہ لایا گیا ہے۔

عشقی کی ایک دوسری نظم "ایدہ آل" (Ideal) بھی اس سے کم دلچسپ نہیں۔ جس کے تین منظر یا تابلو ہیں۔ یہ دراصل ایک پیرکہن سال کی داستان ہے۔ جس کے دو لڑکے راہ آزادی و مشروطیت میں ہلاک ہوئے۔ اس کی ایک لڑکی مریم طہران کی متمدن سوسائٹی میں اپنے آپ کو کھو چکی ہے اس داستان میں عشقی ایران کی اجتماعی زندگی پر تنقید کرتا ہے۔ ہر بند پانچ مصرعوں کا ہے۔ اور پانچواں مصرعہ پہلے چار ہم قافیہ مصرعوں سے الگ ہے۔ ہر بند کا پانچواں مصرعہ ہم قافیہ ہے

تابلو اول۔ در شب ماہتاب اس میں مریم اور ایک نوجوان کی ملاقات ہوتی ہے

تابلو دوم : روز مرگ مریم

تابلو سوم : سرگذشت پدر مریم

ان تین مناظر کے اندر ایران کی اخلاقی حالت اور ملکی ذہنیت کی خرابیوں پر دردناک طریق پر تبصرہ کیا ہے۔ ایک اپرا (Opera) "رستاخیز سلاطین ایران" کے عنوان سے لکھا ہے جس میں ایران قدیم کے احیا کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ عشقی نے تمہید کے طور پر لکھا ہے کہ ۱۳۳۴ھ میں میں نے مداین کے بعض کھنڈروں کی زیارت کی اس گہوارۂ تمدن کی حالت کنونی کو دیکھ کر میں بے خود ہو گیا۔ یہ اپرا انہی آثار کہنہ و شکستہ کی یاد میں لکھا گیا ہے۔ اشخاص اپرا یہ ہیں۔

خواننده اول: میرزاده عشقی با لباس سفر بر خرابه های مداین

خواندہ دوم : خسرو دخت باکفن
خواندہ سوم : داریوش
خواندہ چہارم : سیروس
خواندہ پنجم : انوشیروان
خواندہ ششم : خسرو پرویز
خواندہ ہفتم : شیریں ملکہ قدیم ایران
خواندہ ہشتم روان شت زردشت

اس اپرا میں مندرجہ بالا افراد باری باری ظاہر ہوتے ہیں۔ اور سرزمین ایران کی بربادی پر ماتم کرتے ہیں۔ اس کے بعد زردشت کی روح نکلتی ہے۔ جو ایران کی تقدیر پر کچھ تبصرہ کرتی ہے۔

اختتام پر میرزادہ عشقی[1] یوں کہتا ہے۔

آنچہ من دیدم دراین قصر خراب — بُدبہ بیداری خدایا یا بخواب
بادشاہاں را ہمہ اندوہگین — دیدم اندر ماتم ایران زمین
ننگ خود دانند ماں اجداد مان — ایخدا دیگر برس بر داد مان
وعدہ زرتشت را تقدیر کن — دیدہ عشقی خواب و تو تعبیر کن

(پردہ می افتد)

غزل اور عشقیہ شاعری یہ سمجھنا غلط ہے کہ ایران میں اب غزل گوئی کا رواج کم ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ گل و گلزار کی سرزمین عشق اور غزل گوئی کے لئے فطری طور پر ساز گار ہے۔ جدید خیالات و طریقے جو آج کل کسی قدر زیادہ اشاعت پا رہے ہیں۔ سیاسی ہیجان کی یادگار ہیں۔ امن و امان

[1] سخنوران عصر حاضر ص ۲۴۹

کا دَور جتنا طویل اور لمبا ہوتا جائے گا۔ اسی قدر طبائع کا میلان غزل گوئی کی طرف زیادہ ہوگا۔ کیونکہ آخر کار عشق و محبت فطرت انسانی کا لازمہ ہی تو ہے۔ اسی طرح یہ بھی غلط معلوم ہوتا ہے کہ غزلیات میں طرز قدیم کو بالکل ترک کر دیا گیا ہے۔ دور حاضر کے بے شمار شاعر پُرانے انداز پر غزل کہتے ہیں اور ملک میں ان کی غزلیں اچھی خاصی مقبول ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ غزل میں بعض ایسی اصلاحات ضرور کر دی گئی ہیں جنہوں نے غزل کے بہت سے نقایص کو دور کر دیا ہے۔ مثلاً پرانے زمانے سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ غزل کا ہر شعر دوسرے شعر سے مختلف مضمون رکھتا ہو یعنی ہر جزو میں ایک مستقل مضمون و موضوع کا لحاظ رکھا جائے۔ قطع نظر اس بات کے کہ پچھلے شعر میں اس سے مختلف و متناقض مضمون آچکا ہو۔ جس سے غزل مختلف اور متضاد مضامین اور واردات کا پتہ دیتی تھی۔ جو واقعیت اور صداقت کے خلاف ہے۔ شاعر ایک ہی وقت میں ہجر کی صعوبتیں بھی برداشت کر رہا ہے۔ اور وصل کی لذتوں سے بھی بہرہ ور ہوتا ہے محبوب کی عنایات کا شکر گزار بھی ہے اور اس کی بے التفاتیوں کا گلہ مند بھی۔ غرض اس طرح غزل ایک مصنوعی ہجر و وصل بناوٹی حکایت و شکایت کا مرقع بن گئی تھی۔ بعض جدید شعرا نے کوشش کی ہے۔ کہ غزل میں مضمون مسلسل اور مربوط ہو۔ اور ساری غزل ایک واردات اور ایک حالت کی مظہر بن جائے۔ ایک اصلاح اس سے بھی عمدہ ہوئی۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اپنے آپ کو غزل میں محدود کرنے کی بجائے شعرا نے عشقیہ قطعات کو بھی رواج دیا ہے۔ جس میں اپنی دردمندی اور مجبوری پر پرسوز اشعار کہے ہیں۔

آخری صدی میں ایرانی شاعری میں جو ابتذال آگیا تھا۔ اس کی کچھ مثال قاآنی کے اشعار میں ملتی ہے۔ اور یہ ایسا رنگ تھا جس کو بُرا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ شاعری پر بہر حال اس زمانے کی معاشرت کا عکس ہی تھا۔ لیکن زمانے

کی سپرٹ اور اخلاقیات کے تبدیل ہونے کے بعد شاعری کے اس مکروہ پہلو میں بھی خوشگوار تغیر آگیا۔ چنانچہ اس نئے دور میں ہم ان فحش اور ننگے اشارات سے شاعری کو خالی پائیں گے۔ جن کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے

جدید ایران میں عشق و محبت کا موضوع مونث ہے نہ کہ مذکر۔ پرانے شعرا نے جن رعایتوں سے مونث کو مخاطب نہ کیا تھا۔ وہ شاید اب وزنی نہیں رہیں۔ اور اب زیادہ فطری اور قدرتی طریق تخاطب اختیار کر لیا گیا ہے۔ سعادت نوری کہتا ہے۔

مطرب امشب سرخوش است و طرز دیگر می زند
نیک بخت آنکس کہ با محبوبہ ساغر مے زند

بعض شعرا نے عشقیہ قطعات میں سیاسی اصطلاحات استعمال کرنے کو رواج دیا ہے جس میں ایک غرابت اور دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ گلشن ایرانپور اصفہانی نے ایک قصیدہ یا عشقیہ قطعہ میں یورپ کے اکثر ممالک کے نام استعمال کئے ہیں بعض اشعار بطور نمونہ یہ ہیں:۔

جنگ جو ترکِ من اے چشم تو با تیر و کماں — فتنۂ دولتِ ترک آفتِ ملک ایران
آلمانی تم اے برتنِ خوبی را شاہ — سوی پاریسِ دلم لشکرِ بیداد مران
زپیلن ہای غمت دمبدم می بارد بمب — تا کہ چون بندر یگا کندم از بنیان
خوبرویاں ہمہ جمع آمدہ در استہکلم — تا پس از جنگ پی صلح کشایند زبان
اوقیانوس سرشکم تبلاطم آمد — تا کہ شد توپ غمت بر دلم آتش افشان
رخ بریتانی و گیسوی تو ہندوستانی — خال زنگی مژہ خونخوار چو خیل افغان
ہمچو امریک بود گرچہ لبت صلح طلب — لیک ندہد چو بریطانی چشم تو امان
موقع قہر چو روسی و گہ مہر فرانس — موقع صلح چو امریک و گہ جنگ المان

موجودہ دور کے غزل گو شعرا میں سے سالار، شباب کرمانشاہی، شوریدہ شیرازی

غمام ہمدانی اور فرخ خراسانی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ہم یہاں صرف شوریدہ شیرازی کی بعض غزلیات کا نمونہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو ایک نابینا شاعر تھا۔ اور جس کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ ذیل کی غزل میں اس واقعہ کو غزل کے دوران میں کتنا ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ کہ نابینا شاعر جب حسن کو آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا تو اس سے متاثر کیسے ہوتا ہے؟

روی بنمائی و دل از من شوریدہ بائی — تو چہ شوخی کہ دل از مردم بی دیدہ ربائی
حسن گویند کہ چون دیدہ شود دل بربایند — تو بدیں حسن دل از دیدہ و نادیدہ ربائی
خاطر خلق بدیں روی پریشان کردی — طاقت جمع بدیں موی پریشیدہ ربائی
آنکہ او را نتوان دل بد و صد شیوہ ربود — تو بدیں روی خوش و خوی پسندیدہ ربائی
تو کہ خود فاش توانی دل یک شہر ربود — دل شوریدہ روانیست کہ دزدیدہ ربائی

ایک اور غزل کے کچھ شعر یہ ہیں:-

ہر چہ کنی بکن بکن ترک من ای نگار من — ہر چہ بری ببر ببر سنگدلی بکار من
ہر چہ کشی بکش بکش بادہ ببزم مدعی — ہر چہ خوری بخور بخور خون دل فگار من
ہر چہ وہی بدہ بدہ زلف بباد ای صنم — ہر چہ نہی بنہ بنہ دام برہگذار من

ساری غزل اسی طرح ہے۔

ایک اور غزل یوں ہے:-

آں پریروی از درم روزی فراز آید؟ نیاید — من ہمی خواہم کہ عمر رفتہ باز آید؟ نیاید!
پیش ازیں کایام در پیچد بہم طومار عمر — نامہ از کوئی یار و لنواز آید؟ نیاید!

صنایع بدایع کا استعمال اگرچہ کم ہو گیا ہے۔ اور وقت پسندی کی بجائے طبیعتیں سہولت اور سلاست کی طرف مایل ہو گئی ہیں۔ پھر بھی صنایع وغیرہ کا استعمال بعض قدیم اسلوب کے متبعین کے کلام میں نظر آتا ہے۔ حافظ اور سعدی کا تتبع بھی اکثر کیا

جاتا ہے۔ جن کے تفاصیل کے لئے آقائے اسحاق وغیرہ کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

نظریۂ زندگی شاعری کے ضمن میں اب ایک اہم بحث رہ گئی ہے اور وہ نفسیات انسانی کے ان پہلوؤں سے متعلق ہے۔ جن میں روح ایران ہمیشہ ایک خاص قسم کے مظاہر دکھاتی رہی ہے۔ تصوف ایرانی زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے اور یہ رجحان کسی نہ کسی شکل میں ان لوگوں کی سیرت کے ساتھ شامل رہتا ہے۔ طبعی یاس اور قنوط بھی شاید تصوف ہی کی طرح ایرانی فطرت میں مرکوز ہو چکا ہے۔ جس کو آسانی سے دور نہیں کیا جا سکتا۔ موجودہ زمانے میں جو نئے اثرات تمدن اور معاشرت پر پڑے انہوں نے کم از کم عارضی طور پر اس رجحان کو تبدیل کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اب تصوف کی بجائے لاادریت اور مادہ پرستی نے لے لی ہے لیکن اس سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ کہ بے عملی کی تعلیم و تلقین سے لاادریت بہر حال بہتر ہے۔ طول کلام سے بچنے کے لئے یہاں صرف ایک مسئلہ کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ایرانی شاعری میں خصوصاً اور مشرق میں عموماً دنیا کو اور زندگی کو حقیر چیز سمجھا جاتا ہے۔ بے ثباتی عالم اور مذمت دنیا، ترک علایق اور شکایت روزگار ایک اچھا خاصہ پامال مضمون ہے۔ غالباً بہت کم شاعر ایسے نکلیں گے۔ جنہوں نے اس مضمون پر نہ لکھا ہو۔ اور غالب خیال یہی چلا آیا ہے۔ کہ زندگی اچھی چیز نہیں موجودہ دور میں بھی ایران کے اکابر شعرا میں ایک مناظرہ شعری ایک عرصے تک مجلہ ارمغان میں جاری رہا۔ جو "نکوہش و ستایش روزگار" کے مضمون پر تھا۔ سید احمد ادیب پشاوری جو اب وفات پا چکے ہیں اس دور کے اکابر شعرا میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

یکے گل دریں نغز گلزار نیست — کہ چیننده را زاں دو صد خار نیست

منہ دل بر آوای نرمِ جہاں — جہاں را چو گفتار کردار نیست
مشو غرّہ بر عہد و زنہار وے — کہ نزدیک وی عہد و زنہار نیست
فرو بند جنبدہ لب از گلہ — کہ این بد کنش را ز کس عار نیست
کسے کو گلہ آرد از بد گہر — ہم از بد گہر کم بمقدار نیست

ادیبؔ کے اس قصیدہ کے جواب میں پہلے پہل بہارؔ نے ایک قصیدہ لکھا جس میں فرماتے ہیں :-

جہاں جز کہ نقش جہاندار نیست — جہاں را نکوہش سزاوار نیست
سراسر جمالست و فرّ و شکوہ — بر اں ہیچ آہو پدیدار نیست
جہاں را جہاندار بنگاشتہ است — بشکلی کزاں خوبتر کار نیست
چو پیغارہ رانی ہمی بر جہاں — چنان دان کہ جز بر جہاندار نیست
چنندۂ گُل ار خارش انگشت خست — گنہ بر چنندہ است بر خار نیست
تو گوئی فسانہ است کار جہاں — ہمیدوں مرا با تو پیکار نیست
کدامیں فسانہ است کاں پیش تو — بیکبار خواندن سزاوار نیست

ایک اور شاعر صغیرؔ اسی موضوع پر بہارؔ کی تائید میں لکھتے ہیں :-

بلی پیش نابخرداں بر جہاں — بغیر از نکوہش سزاوار نیست
نہاں راز بہ پیش اہلِ مجاز — کہ او از حقیقت خبردار نیست
جہاں را نکوہش کند گر ادیبؔ — روا باشد و جای انکار نیست
کہ ناداں اگر مدح آں بشنود — دگر از جہاں دست بردار نیست
درین حال زیبد کہ گوید ادیبؔ — یکے گل دریں نغز گلزار نیست

اس دلچسپ مضمون پر شعرا نے کافی طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ملک الشعرا اور اس کے موید ین نے اس مسئلہ کو جس نئے زاویۂ نگاہ سے دیکھا

ہے۔ وہ کسی حد تک نئے نظریۂ زندگی کے ماتحت ہے اور بہ جرأت یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ میلان، ایران کے قدیم پختہ رجحان طبع سے بہت مختلف ہے۔ جس سے ایرانِ جدید کی ذہنیت اور شعورِ اجتماعی کی تبدیلی کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ امر واقعہ صرف شاعری تک ہی محدود نہیں بلکہ ادبیات کے باقی شعبوں پر بھی صادق آتا ہے۔ جس پر آئندہ فرصت میں ہم تبصرہ کریں گے +

سیّد محمد عبداللہ یونیورسٹی لائبریری لاہور
۱۶ فروری ۳۷ء

فرخی سیستانی

(سلسلہ کے لئے دیکھو بھی میگزین بابت ماہ فروری ۱۹۳۷ء)

محمد حسین فرخی یمین الدولہ سلطان محمود غزنوی بن ناصر الدین سبکتگین - ابو احمد محمد بن سلطان محمود - سلطان ابو سعید مسعود ولیعہد وابن محمود غزنوی - عضد الدولہ امیر ابو یعقوب یوسف سپہ سالار وبرادر محمود غزنوی - ابو علی حسنک میکال نیشاپوری وزیر شمس الکفاۃ خواجہ ابو القاسم احمد بن حسن میمندی وزیر وزیر زادہ میر ابو الفضل جلیل عبد الرزاق فرزند سید الوزرا - وزیر زادہ ابو الحسن علی بن فضل المعروف بالحجاج - خواجہ ابو الحسن منصور بن حسن میمندی - خواجہ ابو الفتح فرزند وزیر خواجہ ابو بکر علی بن حسن عمید الملک قہستانی عارض سپاہ محمودی - عبد اللہ بن احمد وزیر امیر ابو یعقوب یوسف - خواجہ ابو سہل احمد بن حسن حمدوے - خواجہ ابو سہل عراقی - خواجہ عمید سید ابو احمد تمیمی - خواجہ سید ابو طالب بن طاہر - خواجہ عمید حامد بن محمد حسین بن علی - امیر ایاز ادیماق محبوب سلطان محمود - ابو المظفر فخر ولد ولہ احمد بن محمد والی چغانیاں - خواجہ عمید اسعد کدخدائے امیر ابو المظفر والی چغانیاں گورنر بلخ منجانب محمود غزنوی - ابو منصور دوانی فراتکین حاکم گرجستان - خواجہ ابو بکر عبد اللہ بن یوسف حصیری سیستانی

سلطان محمود کی اکتیس سالہ حکومت میں تین آدمیوں کو وزارت کا منصب طلب سے پہلے نصف بن احمد بن منصب پر فائز ہوا ابتداء میں - امانی خاندان کا میر منشی تھا پھر سبکتگین کے دربار میں وزارت کے مرتبہ پر پہنچا سبکتگین کے بعد سلطان محمود نے اس کا عہدہ بحال رکھا علم وفن سے بے بہرہ تھا لیکن مہمات سلطنت کے انصرام میں خداداد ملکہ رکھتا تھا - دس برس وزارت کرنے کے بعد سلطان محمود نے بر بنا رقابت اسے معزول کر دیا اسکے بعد حسن میمندی وزیر ہوا اٹھارہ برس کے بعد وہ بھی معزول ہوا - حسن بن محمد کو مسند وزارت عطا ہوئی -

ندیم سلطان محمود ۔

شعراء معاصرین فردوسی طوسی ۔ عسجدی مروزی ۔ عنصری بلخی ملک الشعرا ذینی علوی منوچہری دامغانی ۔ غضائری رازی ۔ اور دوسرے شعراء محمودی جن کا شمار چار سو سے بھی زیادہ بتایا جاتا ہے ۔ اور اُن کا مقتداء ملک الشعراء عنصری مانا جاتا ہے ۔

آثار فرخی اُس کی تصنیف سے ترجمان البلاغۃ فن صنائع شعریہ میں ہے جسے رشید الدین وطواط نے دیکھا ہے ۔ اور اپنی کتاب حدائق السحر میں اس کا ذکر کر کے اُسے لغو اور مہمل بتایا ہے ۔ اب یہ کتاب دستیاب نہیں ہوتی ۔ ایک شعر میں محمود کے حالات دیکھنے کے لئے دولت نامہ دیکھنے کی ہدایت کرتا ہے ۔

ہر کہ خواہد کز کرامتہائے او آگہ شود گو ز دولت نامہ برخواند ہمی بیتے ہزار

مگر اس شعر سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ اُس کی تصنیف سے ہے ۔ یا کسی دوسرے کی ۔

ایک دیوان جس میں دو سو آٹھ قصائد ۔ تین ترجیع بند (دو چوبیس چوبیس بند کے اور ایک سات بند کا) چار قطعات ۔ اٹھائیس غزلیات ۔ اور چوبیس رباعیات پر مشتمل ہے ۔ کل تعداد اشعار اس دیوان مطبوعہ ایران ۱۳۱۱ھ میں نو ہزار پانسو چونسٹھ ہے ۔

وفات تاریخ ولادت فرخی کسی تذکرہ سے معلوم نہ ہوئی ۔ آتشکدہ آذر میں سن وفات چار سو ستر مرقوم ہے ۔ اور مرزا رضا قلی ہدایت شیرازی اپنے تذکرہ مجمع الفصحا میں چار سو انتیس سن وفات بتاتے ہیں ۔ اور یہی قرین صحت معلوم ہوتا ہے ۔ کیونکہ آخر زمانہ حکومت مسعود بن محمود میں اس نے انتقال کیا ہے ۔

علی بن عبد الرسول ایرانی مدون کلام فرخی اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ایک نسخہ دیوان فرخی مشتمل بر شش ہزار بیت ناقص و نادرست اغلاط سے پر اور تصحیف و

تحریف سے مملو ایران میں چھپا تھا۔ جو قابل استفادہ نہیں اور اب وہ بھی کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ انہیں چند نسخے قلمی دیوان فرخی کے ملے ہیں نسخہ مطبوعہ مطبع مجلس ایران بماہ آبان ۱۳۱۱ھ کی کئی بار تصحیح اُن نسخوں سے کی ہے۔ ان نسخوں میں سے ایک جو بظاہر زیادہ قدیم معلوم ہوتا تھا۔ اُسی کو اصل قرار دیا۔ اور دوسرے اختلافات نسخ جو بعض مقامات پر اصل سے بھی زیادہ موزوں اور مناسب معلوم ہوئے اُن کو فٹ نوٹس میں لکھا ہے۔ تاکہ ارباب طبع سلیم و ذہن مستقیم جسے پسند کریں۔ اختیار کرلیں۔

ان نسخہائے قلمی میں علاوہ اس کے کہ وہ ناقص ہیں خلط و مزج بھی بکثرت ہے یعنی دوسروں کے قصائد کو فرخی سے منسوب کر دیا ہے۔ بعضے تذکرہ نویسوں کو بھی ایسا اشتباہ ہوا ہے۔ وہ قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے:-

چو بر کندم دل از دیدار دلبر نہادم مہر خورسندی بدل بر

فرخی کا سمجھا۔ چنانچہ ہدایت شیرازی نے مجمع الفصحاء میں ترجمہ فرخی کے ذیل میں لکھا کہ یہ پہلا فرخی کا قصیدہ ہے جو فرخی نے فخر الدولہ ابو المظفر چغانی کی مدح میں لکھا ہے۔ اس نسبت کے صحیح نہ ہونے کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ اختلاف اسلوب زبان پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے عوفی نے لباب الالباب میں اس قصیدہ کو طیبی کا بتایا ہے۔ اور اسی کا خیال صحیح ہے۔

اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اسی قصیدہ کو دیوان منوچہر دامغانی میں منوچہر کا سمجھ کر لکھا گیا ہے۔ نیز اکثر نسخوں میں یہ قصیدہ لامعی جرجانی کا بتایا گیا ہے اور بعض نسخ میں ازرقی ہروی کا

ایک نسخہ میں غزل ذیل فرخی کے نام سے دیکھی گئی:-

بر وعدہ مرا شکیب فرمائی تا کے کنم اے صنم شکیبائی

از بہر سہ بوسہ مستمندے را خواہی کہ سہ سال صبر فرمائی
راز دل خویش با تو بگشادم باشد کہ بر این الم رہی بخشائی
بر برگ سمن بمشک بنوشتی تا راز مرا بہ خلق بنمائی
بد مہر بتی و سنگدل یاری لیکن چو دل و چو دیدہ در پائی

سزاوار تہتی ۱۲

ایک اور نسخہ میں اشعار ذیل فرخی سے منسوب دیکھے گئے

لطفے اگر کنی بنگا ہے چہ میشود خوشنود اگر شوم زتو گاہے چہ میشود
سیراب اگر شود زتوائے ابر مرحمت ور خشک سال ہجر گیا ہے چہ میشود

تصحیح نسخہ ایرانی دیوان فرخی بقدر نصاب منشی فاضل وایم۔اے پنجاب یونیورسٹی برائے ۱۹۳۶ء وما بعد

صفحہ ۲

چو دو دین آتشے کا بے براو اندر زنی ناگہ ۔ میں نے یوں ترمیم کی ہے ؎ چو دو دین آتشے کا بے بروے اوزنی ناگہ ۔ ملک سہم وملک سیما بادشاہ کی ایسی ہیبت اور رعب ہے ۔ بادشاہ کا ایسا باشان چہرہ ہے ۔ یا ۔ ملک چہر فرشتہ کا ایسا چہرہ ہے اور فرشتہ کا سا منظر و دیدار ہے ۔

صفحہ ۴ ۔ بادسخا ۔ یا دست سخا چو بر دیبا ۔ تو بر دیبا

صفحہ ۶ ۔ بادشاہا چون توئی از بادشاہان جہان ۔ اے بادشاہ جیسے تم منجملہ شاہان جہان ہو ۔ یا ۔ بادشاہا چون توئی نے بادشاہے در جہان ۔ فرد گر داند زخالی تا گہ چین از قرب ۔ مجتبی ایرانی نے اس پر حاشیہ دیا کذا فی جمیع النسخ میں نے اس کی یوں تصحیح کی ہے ؎ فرد گر دانند حالی تا گہ چین از عرب ۔

صفحہ ۸ ۔ گرد ماہ حلقہ اور گھیر اقمر کا ۔ یا ۔ قرص ماہ

صفحہ ۹ ۔ بے رنج و ذل شاید " بے رنج دل " اس سے بہتر ہو

تیغ او اندر غلاف و تیر او اندر قراب۔ غلاف بمعنی نیام ہے مگر قراب بمعنی ترکش نہیں دیکھا اور غلاف قراب سے عام تر ہے اس لئے مصرع یوں بنا دیا ؎ تیرش اندر ترکش و شمشیر او اندر قراب۔

سپیدہ جامہ۔ سپید جامہ نور کا تڑکا

صفحہ ۱۲۔ بیاب محشی لکھتے ہیں بتقدیم باء موحدہ بر تحتانی بروزن شیاب مرادف خراب و بمعنی بے آب است۔ محشی نے اسے لفظ فارسی بے آب سمجھا حالانکہ بتقدیم یا تحتانی بر باء موحدہ لفظ عربی ہے اور مترادف خراب ہے۔ اس عربی لفظ کے معنے بے آب کے نہیں۔

صفحہ ۱۳۔ کہ بے گزند بود چون بر او زنی بشتاب۔ محشی یہ نسخہ ؎ کہ بید رنگ بود گر زنی بر او بشتاب۔ لکھ کر فرماتے ہیں کہ در رنگ بقول جہانگیری بمعنی رنج و محنت ہے۔ اور اسی شعر کو بطور شاہد پیش کیا ہے۔ ہر دو صورت میں زدن بمعنی حملہ کردن ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ بجائے "بشتاب" کے "نشّاب" پڑھا جائے۔ جس کے معنی تیر کے ہیں۔ اس لفظ سے شعر کے معنے بہت صاف ہو جاتے ہیں۔ اور گزند کی جگہ "بید رنگ" لفظاً یا معناً کسی طرح اچھا نہ تھا۔

صفحہ ۱۸۔ ندانم شدن۔ یا۔ نتانم شدن۔ تانم بمعنی توانم کو اکب و مثقب صحیح کواکب مثقب چنانچہ نجم زحل ہمت مرتر امرکب۔ مرزائد ہے اور طباعت کی غلطی ہے۔

ستارشان صحیح ستارہ شان

صفحہ ۲۰۔ کافر نعمت و نسپاس گشت وزن جاتا رہا۔ یوں چاہئے ؎ کافر نعمت شدہ نسپاس گشت۔

صفحہ ۲۲۔ سکونے و سکونے نہ۔

صفحہ ۲۳۔ یوسف پسر ناصر الدین الف لام وزن کو بگاڑتا ہے۔ لہذا اسے نکال ڈالو

اوسخت سخی مہتر و چاکر داریست صحیح اوسخت سخی مہترے وچاکر داریست ۔
صفحہ ۲۵ ۔ این فضل و این مروت این نعمت آشناست ۔ ہر سہ این کی جگہ زین چاہئے
حشمت خدا ۔ یا ۔ دادۂ خداست
صفحہ ۲۷ ۔ کہ من دلشدہ ۔ یا ۔ گو منم ۔ در دلم ۔ بر دلم
صفحہ ۲۹ ۔ مرا جان وجہان در براوست ۔ میری جان اور میری دنیا اس کے پاس
ہے ۔ یا ۔ بجائے جہان جنان یعنی دل ۔ سوزش تب ۔ یا ۔ سوزش وتب ۔
صفحہ ۳۰ ۔ دریاے دمان راوگراست ۔ دریاے دمان دیگرہست ۔
صفحہ ۳۱ ۔ بشاخ سرو بر کلام قدما مین ایک اہم پر دو دو حرف جار لانا کثیر الوقوع ہے
جیساکہ شیخ سعدی دیباچہ گلستان میں فرماتے ہیں " وبشکر اندرش مزید نعمت " اس جگہ
سرو بن بھی پڑھ سکتے ہیں ۔ اعداے دین زانکس بجاے زانکس ازبیم ۔ یا ۔ ازغم
صفحہ ۳۲ ۔ ولی چون روے او ..... وگرچہ ..... مجھے چون کی جگہ ۔ تا ۔ اور وگرچہ کی
جگہ چنانکہ اچھا معلوم ہوتا ہے ۔
صفحہ ۳۳ ۔ چگونہ ہول جیوانے زبالا دژیاں پیلے + کجا پیلے ژیاں زو تا جہان باشد جہان باشد
بہ بالا چون اور پیلے کی جگہ پیل اضافت کے ساتھ مصرع ثانی ہین ۔ اور ۔ زو ۔ کی جگہ ۔
کو ۔ سے شعر صاف ہوجاتا ہے ۔ اصل سے بھی معنے ہیں ۔ زبالا در یعنی دربالا ۔ ز ۔
زیادہ ہوگی ۔
صفحہ ۳۶ ۔ پدید گشت کہ آن ازچہ روے وازچہ نہاد + کہ کی جگہ ۔ نہ ۔ صاف ہے ۔
یعنی ممدوح کی پیشین گوئی کرنا علل واسباب کی بنا پر نہیں بلکہ محض کرامت ہے ۔
کاف کے ساتھ شاید یوں ہوگا ۔ کہ آن کرامت ازچہ روے وازچہ نہاد پدید گشت ۔
صفحہ ۴۰ ۔ گر کوہ اُحد برفتد و برجگر آید + گر کی جگہ ۔ گو ۔ یا ۔ ہم صاف ہے ۔
صفحہ ۴۵ ۔ ہرکہ او تیز ہوش تر زادب + ز ۔ کی جگہ ۔ بہ ۔ بہتر ہے

صفحہ ۴۶ - گل بروید زآذر وخرداد + بہ آذر وخرداد

صفحہ ۴۷ - کاخ تو چونکہ کنشت چونکہ - سے - مثل - صاف ہے

صفحہ ۵۲ - گوہر اندر زیر گنجوران زیر جوتے کا تلا - یہ معنی زیر کے شاید قدیم نہیں - لہذا - پاے - پڑھو - یہ بھی ہوسکتا ہے کہ - اندر زیر - میں اندر زائد اور زیر کے معنے تحت کے ہوں -

صفحہ ۵۳ - سیاہ شاہ انگار "چومن" کے ساتھ سیاہ شاہ اچھا نہیں - اس سے بہتر سیاہ سام ہے جو مدون نے فٹ نوٹ میں لکھا ہے - اور اس سے بہتر سیاہ شام بمعنی ستارگان ہے

صفحہ ۵۴ - بباغے چو پیوستن مہر خرم - مہر کی جگہ یار زیادہ مناسب ہے

صفحہ ۵۶ - بر اہل سلاسل نکر داست جیدر + سلاسل جمع سلسلہ بمعنی زنجیر - اس لفظ کی خوبی بلکہ معنے میں نہ سمجھ سکا اس لئے - بر اہل یہود آن نکر داست جیدر - یا - بر اہل اُحد آن - تجویز کرتا ہوں -

خوشا کاخ و باغے کہ داری - بشادی درین کاخ مے خور وزین کاخ برخور

ظاہر ہے کہ مصرع ثانی میں بجاے کاخ ثانی - باغ - چاہئے -

صفحہ ۵۹ - بر میان شان حلقہ بند کمر ہا شمس زر حلقہ کمر شمس زر کے معنی ڈاب (کمر پیٹی - بگلوس) کا کھٹکا (زرہ دگی) - یا - اول و آخر ہر دو شین معجمہ بمعنی سبیکہ و شوشہ زر - ڈلا یا سلاخ سونے کی - مصرع ثانی یوں بھی پڑھ سکتے ہیں ؎ زیر ران با ساز زرین مرکبان راہوار +

شمس زر کا ترجمہ انگریزی میں (انگوٹ آف گولڈ) ہے

صفحہ ۶۲ - طریقہاش چو نرم آبہاے سیل از گل + اس کے الفاظ کی نشست دقت میں ڈالتی ہے - اس طرح صاف ہوجاتا ہے ؎ طریقہاش ہمہ نرم زآب سیل چو گل خوار صحیح خار

صفحہ ۶۳ - فروفگندہ بموج مدوّن نے فروفتادہ ببرج بھی نسخہ لکھا ہے - اور میں فرا رسیدہ بچرخ تجویز کرتا ہوں -

مال تجار بھی جمع قلت تاجر ہے - اور اگر مال و تجار عطف کے ساتھ پڑھیں تو مال کے معنے اُونٹ اور تجار بفتح کے معنی گھوڑے کے ہوں گے -

زآب گنگ ہمانا گذشتہ نیست دوبار ؛ یوں بہتر ہے ؎ زآب گنگ ہمانا گذشت نے یکبار -

صفحہ ۶۵ - چہ آبہائے تا گنگ رفتہ از کہسار ؛ باوجود مذبذب ہونے کے یوں ترجمہ کرتا ہوں ؎ چہ آبہائے از گنگ رفتہ تا کہسار ؛

صفحہ ۶۸ - بصد پے اندر دہ جائے ریگ چون سرمہ ؛ بجائے سرمہ - پشتہ بھی پڑھ سکتے ہیں -

ستاکہائے درخت و پشیز ہائے کمر ؛ واو کی جگہ - از - چاہیئے - یعنی پولکہائے کمر درخت کی شاخوں میں پھنس گئے تھے - جس سے شاخیں پائے باز کی طرح پر از جلا جل ہو گئی تھیں

صفحہ ۶۹ - ہمچو نیلوفر - یا - برگ نیلوفر

صفحہ ۷۳ - گرفت راہ زرہ باز رفتگان دگر ؛ یوں واضح تر ہے ؎ گرفت رہ زرہِ باز رفتگان دیگر - یک ماہ راہ یک ماہہ راہ - کردندے از کرانہ خذر یا - کردندے ازمیانہ خذر - بفال نیک شہ پر دل آب را بگذاشت - یا - بفال نیک شہ پُر دل اسب را بگذاشت - بہادر بادشاہ نے پانی میں گھوڑا ڈال دیا

صفحہ ۷۵ - عقل چوجبل - علم چوجبل

صفحہ ۷۶ - ہمایو شہریار - ہمایوں شہریار

صفحہ ۷۸ - کُو دکانرا کو کنار - اگرچہ کو کنار کے ساتھ کودک مناسب ہے - مگر بدسگالان کے ساتھ دوستداران موزون معلوم ہوتا ہے - نیز بیدار کے ساتھ تشبیہہ خوابیدہ کی اچھی

نہ معلوم ہوئی - یا یوں مانیں کہ تشبیہ فعل بیم اور فعل کو کنار ہیں ہے - نہ خواب و بیداری ہیں
صفحہ ۷۹ - کنگرۂ کاخ - کنگرہ کاخ بلا اضافت ظاہر - مگر اضافت بباطن اضافت متعدد
جگہ اس ایرانی ایڈیشن میں ہمزہ برائے اضافت ایسی (ہ) پر چھپ گیا ہے -
صفحہ ۸۲ - روز و شب بر رخش از - روز و شب روے او از - گلنار بر رخش اچھا نہ
معلوم ہوا -
نوگیرو مے نوش گوار - نوگیر مے نوشگوار (از سر نو بگیر)
صفحہ ۸۴ - چون یار آراستہ و زیبا - یا ہموار (یہ نسخہ خود فٹ نوٹ میں موجود ہے)
کورا بہمہ حال صحیح اورا بکند آوری گوے بردی زآزر محشی لکھتے ہیں کہ کند آوری
بمعنی شجاعت و دلیری با آزر بتگر مناسبت ندارد و متحمل است ایں مصرع تحریف و تصحیف
شدہ باشد (بیشک ایسا ہی ہے) و در بعضے از نسخ آذر بذال معجمہ بود آنہم معنی درست ندارد -
ہیں نو ذر تجویز کرتا ہوں - جو منوچہر کا بیٹا تھا - معنے ترکیبی پسر دلیر کے ہیں ۔
صفحہ ۸۶ - خنگ اشقر بہتر ہے کہ خنگ و اشقر عطف کے ساتھ پڑھا جائے
صفحہ ۸۸ - شیران سیہ افریقہ کے شیر - یہاں مراد شجاعان سیہ فام - یا - شیران سپہ بمعنی
دلیران فوج -
صفحہ ۹۰ - باد نیز تیری خدمت میں میری بھی زندگی ہو - یا - بجاے نیز - دیر - پڑھو -
صفحہ ۹۱ - آن کس کہ وہد خلق جو اخلاق کو راہ دے گا وہ ممدوح کے فضل کا اقرار
کرے گا (۲) جو ذات (خدا) مخلوق کو پیدا کرتی ہے - اس کو بھی اس کی فضیلت کا اقرار
ہے - ان جھگڑوں سے تو یہ بہتر ہے کہ یوں پڑھا جائے ؎ آنرا کہ بود عقل بفضلش ہمہ اقرار
یا - بود اقرار
تا در بلغار - تا - دژ بلغار - دژ بمعنے قلعہ
صفحہ ۹۲ - بنالید مُلک بہتر ہے کہ - بنالیدہ مُلک پڑھیں اور مُلک سے مُراد اہل مُلک

ممکن ہے کہ تیورس سال بادشاہ کا کوئی مرگیا ہو اور بادشاہ رویا ہو
درماندہ بماند ماندن کو متعدی ماننا پڑے گا اس لئے گذاشت ۔یا۔ کرد پڑھو
چہ بارست چہ چندین گفتار چہ بارست وچہ چندین گفتار مع عطف
صفحہ ۹۳ ۔ ریزدخوار گردد خوار خفتی آن خفتن ۔یا۔خفتنی خفتی کز خواب
صفحہ ۹۴ ۔خفتن بسیار ایخسرو خوے تو نبود ۔یا۔خوے تو خفتن بسیار نبد اے خسرو
صفحہ ۹۶ ۔ آزا کابین بہ تیغ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔اس مصرع نے عاجز کر دیا ۔ فرہنگ میں عقلی
گدّے لگائے ہیں ۔
صفحہ ۹۷ ۔مسمار چوب نقارہ ۔اس کی جگہ حاشیہ میں خود ہی مزمار ۔نسخہ ہے
دشت وچو پرنیان صحیح چون وشی و پرنیان
صفحہ ۱۰۱ ۔چو درا پشت دپناہ و امن را یسر ولیسار قصیدہ کی بحر رمل مخبون ہے ۔اور
اس مصرع کا وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات ہوتا ہے ۔اگر مخبون ہیں لائیں
تب بھی تیسرا رکن فاعلاتن رہتا ہے ۔جو میرے علم سے باہر ہے (مگر میرا علم ہی کیا)
تیسرا رکن بروزن مفعولن بوجہ تسکین اوسط مخبون میں دیکھا گیا ہے ۔چونکہ میں اُس وزن
سے نابلد تھا ۔اس لئے یوں بنالیا ؎ جو درا پشت و پنہ بہرامان لیسر ولیسار ؛
صفحہ ۱۰۳ ۔دشت باغے گشت ۔یا دشت کشمر گشت ۔کشمر شہرے حسن خیز کہ زر دشت دران
سروے کاشتہ بود ۔ہمہ گم گشتگان ہمی کشتند ہمہ کی جگہ ہمچو ۔گشتند کے فاعل بزہاے
کوہی ۔
صفحہ ۱۰۴ ۔گشتہ صحیح کُشتہ نشاط کردن وچوگان و رزم وبزم وشکار پہلے مصرع میں
چار چیز کو منتخب خسرو کہا ہے ۔اور یہاں پانچ ہوجاتی ہیں ۔لہذا نشاط کردن چوگان
بغیر واو پڑھو ۔یعنی نشاط کردن بچوگان ۔
صفحہ ۱۰۵ ۔مصافی چون مصافے چو ۔یہاں مصاف مطلق میدان کے معنے ہیں ۔

آہوئی آہوے ۔کشوار کچھ پتہ نہ چلا کوشیار بروزن فاعلات حکیم گیلانی اوستاد بوعلی سینا ۔مگر اس مصرع میں بروزن فعلات پڑھنے سے موزون ہوگا ۔اس لفظ کا یہی تلفظ ہے ۔

صفحہ ۱۰۶ ۔اندوہ دل براین بگسار اندوہ دل ازین بگسار کہ کس چو بشنید کہ کس نہ بشنید رسد بجائے رسید جائے

صفحہ ۱۱۰ ۔ دولت راثبا بست محشی نے ثبات نسخہ لکھا ہے اور میں دثبات تجویز کرتا ہوں ۔

بس نپاید بہت قیام نہ کرے گی ۔یا ۔بس نیاید بہت دیر نہ ہوگی ۔

صفحہ ۱۱۱ ۔زشرم دوزخ اوزرد گشت چون دینار بجائے زرد ۔سرخ ۔ہونا چاہئے ۔ کیونکہ شرم سے چہرہ سرخ ہوجاتا ہے اور خوف سے زرد جیسا کہ مقولہ مشہور ہیں ہے الحمرۃ للخجل والصفرۃ للوجل ۔وہ خود بھی آگے چل کر کہتا ہے ؎ چون شاکرے از نعمت او شکر گزارد ٭ از شرم دو رخسار کند ہمچون گلنار ٭ اور دینار کا رنگ سرخ اور زرد دونوں مانتے ہیں ۔یا دینار کی جگہ بھی گلنار بنالو ۔

صفحہ ۱۱۳ ۔وگر زراست مگر زر است ..... ؟

صفحہ ۱۱۴ ۔سرور ۔یا ۔مہتر ہمچو یا اظہار واو کے ساتھ یا ہمچون

صفحہ ۱۱۵ ۔آئین مہ و مہر مراد جہانگیری ۔یا ۔آئین مہ مہر = مہ مہر = ماہ مہرگان آئین مہ مہر سے مراد خزہ پوشی و میخواری ۔موسم سرما میں میخواری زیادہ لطف اور مزہ دیتی ہے ۔

اے عرض تو بر چشم اے عرض تو در چشم ۔

صفحہ ۱۱۹ ۔زیادا و نظرش زیادہ از نظرش ۔

صفحہ ۱۲۰ ۔ بترسد از قلم و تیر بجائے تیر بلحاظ مصرع اوّل تیغ مناسب ہے ۔

صفحہ ۱۲۱ ۔پدید آے ۔پدید آر ۔ربایدیا بدید آے ۔بدید آر ۔ستاند ۔

صفحہ ۱۲۲ - وایزد بود - زایزد بود آنرا کہ تو را گوید آن کس کہ ترا گوید -
صفحہ ۱۲۳ - حال حذر حال قابل اجتناب - یا - جان بحضر - یا - جان بحذر -
صفحہ ۱۲۴ - جلوہ کردہ بماہ محشی نے بناز نسخہ لکھا ہے اور میں چو ماہ بھی تجویز کرتا ہوں -
صفحہ ۱۲۵ - گر کہ سرمایۂ مہی گرچہ سرمایہ مہی ہنر است -
صفحہ ۱۲۶ - کہ زمردم بداند کہ زمردم بدار داین مقدار ؟
صفحہ ۱۲۷ - بباد پرچم بود صحیح بباد برجم بود (ہوا پر سلیمان ہیں)
گرہمی شیر گشت شرزۂ نر کہ ہمی کشت شیر شرزۂ نر ٭ یا
دیدی او را بدین جوانمردی گہ چنین گشت شیر شرزۂ نر
صفحہ ۱۲۸ - راست گفتی جدا ے گشت بتیر ٭ راست گفتی جدا شدست بتیر ٭
صفحہ ۱۳۲ - بہ روز رزم حدیثے بجاے رزم - بزم چاہیئے - کلاہی تو صحیح کلاہ تو
چہ ابر باکف دینار بار تو وچہ گرد بجاے گرد اگر مہ بمعنے کہرا ہو تو بجا اور شمر کی طرح
ابر اور مہ ایک صنف یا مقابل کی چیزیں ہو جاتی ہے -
صفحہ ۱۳۴ - گو بدرگاہ میرما بگذر - یا - گو زدرگاہ میرما بگذر ٭ اے تجا دز مکن
صفحہ ۱۳۵ - زدہرۂ تیز زدہرہ تیز بغیر اضافت -

(باقی دارد)

سید اولاد حسین شاداں بلگرامی

منوچہری اور اُسکا کلام

تمہید۔ نویں صدی عیسوی کے اخیر پر فارسی ادبیات کے دلکش چمن میں موسم بہار کا آغاز تھا۔ بتدریج اس چمن میں نہایت خوشنما پودے قدرت کی آبیاری سے بڑھنے شروع ہوئے اور پھلے پھولے اور صدیوں تک یہ باغ ہرا بھرا اور لہلہاتا رہا جس کی باغبانی کے لئے بہت سے اہل کمال اٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ غزنوی دورِ حکومت وہ زمانہ تھا جب اہلِ علم وفضل کی بہت تلاش اور قدر کی جاتی تھی۔ نیشاپور۔ غزنی۔ بخارا کے علاوہ جنوب مغربی علاقہ میں اور کئی ایک ادبیات کے مرکز تھے۔ جن میں سے رَے یا اصفہان میں دربار صاحب اسمٰعیل بن عبّاد۔ بخارا میں دربار سامانیہ۔ طبرستان میں دربار شمس المعالی قابوس بن وشمگیر اور خیوا کا دربار خوارزمشاہی بہت مشہور تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے مفصّل حالات پر قلم اٹھانا ایک لمبا کام ہے۔ تاہم اصل موضوع پر کچھ لکھنے سے پہلے عام حالات اور سلطان محمود کے دربار کی مجمل کیفیت سے مطلع ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ ناظرین کو معلوم ہو سکے کہ ہمارے شاعر نے کس ماحول میں زندگی بسر کی۔

عام طور پر مشہور ہے۔ کہ سلطان محمود خود بھی کبھی شعر کہا کرتا تھا۔ چنانچہ عوفی مصنف لباب الالباب۔ نے اسے ان ملوک کے شمار میں دوسرے درجہ پر رکھا ہے جو اتفاقیہ شعر کہا کرتے تھے مستشرق ایتھے کا خیال ہے کہ اس کی طرف چھ غزلیں منسوب ہیں۔ عوفی نے چھوٹے چھوٹے دو قطعے نقل کئے ہیں۔ تاہم اس میں کچھ شک نہیں کہ سلطان محمود اہلِ ہنر کا بڑا قدر دان تھا اور اس کے درباری شعرا کی ایک طویل فہرست تیار کی جا سکتی ہے۔ صاحب تذکرہ کا خیال ہے کہ محمود

کے دربار میں کم از کم چار سو[1] شاعر مستقل طور پر دادِ سخنوری دیا کرتے تھے عنصری ان سب کا سرگروہ تھا۔ محمود نے اسے ملک الشعرا کا خطاب دیکر اس کے ذمہ یہ فرض عاید کیا ہوا تھا۔ کہ ملک کے مختلف اطراف سے اچھے اچھے شعرا کو تلاش کرکے دربار میں حاضر کیا کرے۔ جو محمود کی علمی قدردانی کی بین دلیل ہے۔ صاحب مجمع الفصحا لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ سلطان مسعود خراسان سے غزنی کو آیا۔ اور تمام شعرا نے اپنے اپنے قصاید پیش کئے جس پر سلطان محمود نے ہر ایک کو بیس ہزار درہم اور زینتی اور غضائری کو پچاس پچاس ہزار درہم عطا کئے۔ اس واقعہ سے بھی محمود کی علمی قدرشناسی کا اندازہ ہو سکتا ہے منوچہری کو محمود کے سبعہ سیارہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ دراصل وہ سلطان محمود کے بیٹے مسعود کا درباری شاعر تھا۔ لیکن عام طور پر اسے محمود ہی کے شعرا میں گنا جاتا ہے

یہ مضمون دو حصوں پر منقسم ہے۔ اول مختصر سوانح منوچہری۔ دوم اس کی شاعری پر ریویو۔ اخیر میں ملحقات منضم کئے گئے ہیں۔ حتی الوسع کوشش یہ کی گئی ہے کہ شاعر کے دیوان سے جو واقعات اخذ ہو سکیں ان کو زیادہ قابلِ حجت قرار دیا ہے۔ کیونکہ عموماً تذکرہ نویس کسی واقعہ کے متعلق متفق الرائے نہیں ہیں۔ صرف ان واقعات یا روایات میں تذکروں سے استمداد کی گئی ہے جن پر جمہور کا اتفاق ہے۔ دراصل کسی مصنف کے اصلی حالات معلوم کرنے کے لئے اس کے اپنے تصانیف سے بڑھ کر اور کوئی ماخذ زیادہ قابلِ صحت نہیں ہو سکتا فنقول وباللہ التوفیق۔

حصۂ اوّل (سوانح منوچہری)

نام اور جائے ولادت | حکیم ابوالنجم احمد بن یعقوب دسویں صدی ... عیسوی

[1] تذکرہ۔ ایڈیشن پروفیسر براؤن صفحہ ۴۴-۴۵

کے اخیر دامغاں میں پیدا ہُوا جیسا کہ وہ ایک شعر میں کہتا ہے ؎

سوئے تاجِ عمرانیاں ہم بدینساں بیامد منوچہری دامغانی

مگر صاحب تذکرہ کا گمان ہے کہ اس کا اصل وطن[1] بلخ تھا۔ لیکن اس نے اپنے اس قول کی تائید میں کوئی دلیل پیش نہیں کی۔ منوچہری کے سلسلۂ نسب کے متعلق ہمارے معلومات کسی حد تک محدود ہیں۔ عوفی نے اس کا سلسلہ اس طرح بیان کیا ہے۔ ابوالنجم[2] احمد بن قوص بن احمد منوچہری لیکن باقی تمام مصنفین اس بات پر متفق ہیں کہ اس کے والد کا نام یعقوب تھا۔ ہاں یہ یقینی امر ہے۔ کہ وہ شاہی خاندانِ سامانیہ کی اولاد میں سے تھا چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

منم از نژادِ بزرگانِ سامان کہ بودند شاہانِ چتر و کواکب

منوچہری اپنے استاد عنصری (متوفی ۴۳۰ھ عیسوی) کی وفات کے ایک سال بعد یعنی ۴۳۱ھ میں فوت ہُوا۔ اس امر کا اقرار کہ وہ عنصری کا شاگرد تھا۔ اس نے خود ایک قصیدہ میں کیا ہے جو اس کی مدح میں کہا گیا ہے ؎

اوستادِ اوستادانِ زمانہ عنصری عنصرش بے عیب و دل بے غش و دینش بے فتن

کُو جریر و کُو فرزدق کُو زہیر و کُو لبید رُو بہ و عجّاج و دیک الجن و سیفِ ذویزن

گو فراز آیند و شعرِ اوستادم بشنوند تا غریزی روضہ بینند و طبیعی نسترن

آں رسولِ مرسلِ ایں شاعرانِ روزگار شعرِ او فرقان و معنیہاش سر تا سر سنن

میر تقی کاشی صاحب خلاصۃ الافکار اور رضا قلی خاں[3] کا خیال ہے کہ منوچہری امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک بن محمد الجوینی کا شاگرد تھا۔ جو امام حجۃ الاسلام غزالی کے اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

---

[1] تذکرہ صفحہ ۴۰ [2] لباب الالباب مرتبہ پروفیسر براؤن جلد دوم صفحہ ۵۳ [3] مجمع الفصحاء جلد اول صفحہ ۵۴۲۔

لقب | منوچہری عام طور پر شصت گلہ کے لقب سے مشہور ہے۔ مؤرخین نے اس کے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔ چنانچہ جمہور کا خیال ہے کہ چونکہ اس کے پاس اونٹوں اور بھیڑوں کا ریوڑ تھا۔ اس لئے وہ شصت گلہ کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ کیونکہ یہاں شصت کا لفظ عدد معین کے لئے نہیں بلکہ کثرت کے معنی میں مستعمل ہے۔ بعض محققین لفظ گلہ کو بکاف عربی مفتوح اور لام کو مشدد پڑھتے ہیں۔ اور اسے عربی کا لفظ قرار دیتے ہیں۔ جس کے معنی تلوار کُند کے ہیں اور شصت بمعنی برانگشت۔ یعنی چونکہ اس کا انگوٹھا کرم خوردہ تھا۔ اس لئے اس نام سے مشہور ہُوا۔ بعض دیگر لفظ گلہ کو بضم کاف عربی اور بہ تخفیف لام مفتوح ٹوپی کے معنی میں لیتے ہیں۔ اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے پاس ساٹھ قسم کی ٹوپیاں تھیں۔ لیکن کوئی صاحب فراست اس دور از قیاس توجیہ کو ایک آن کے لئے تسلیم کرنے کی تیار نہیں۔ ان تمام احتمالات میں سے پہلے معنی سب سے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف محمد بن علی بن سلیمان الراوندی مولف کتاب راحۃ الصدور و آیۃ السرور (تاریخ آل سلجوق) کا خیال ہے کہ سرے سے یہ لقب[1] منوچہری کا نہیں بلکہ بارھویں صدی عیسوی کے ایک اور شاعر کا ہے جس کا نام شمس الدین احمد بن منوچہر ہے اس خیال کے مطابق یہ لقب یا تو عمداً منوچہری دامغانی کے نام کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہے۔ اور یا احمد اور منوچہر کے دو ناموں کے اشتراک کی وجہ سے متاخرین کو دھوکا لگ گیا ہے۔ ایک لحاظ سے راوندی کی یہ روایت زیادہ قابل اعتبار ہے کیونکہ وہ شمس الدین احمد بن منوچہر کا ہمعصر تھا۔ تاہم اس خیال کو سوائے پروفیسر براؤن کے اور کسی نے صحیح نہیں مانا۔

[1] راحۃ الصدور و آیۃ السرور صفحہ ۵۷ و ۸۷-۴۷۷

عوفی اس بارہ میں بالکل خاموش ہے۔ لیکن رضا قلی خاں۔ امین رازی۔ آذر۔ دولت شاہ۔ شبلی اور مظفر حسین تمام اس پر متفق ہیں کہ یہ لقب منوچہری دامغانی کا تھا۔ جمہور کے خیال کے خلاف ہونا اس روایت کی صداقت کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

تخلص | منوچہری ابوالفرج سیستانی (متوفی ۱۰۰۲ء) کے پاس تکمیل تعلیم کرکے امیر منوچہر بن قابوس بن وشمگیر والی جرجان (متوفی ۱۰۲۹ء) کے دربار میں آیا اور اسی کے نام کی مناسبت سے اس نے منوچہری تخلص اختیار کیا۔

ہجرت غزنی | جب ۱۰۲۹ء میں امیر منوچہر نے وفات پائی تو اس کے تھوڑے عرصہ بعد منوچہری رَے سے غزنی میں آگیا۔ اور ملک الشعرا عنصری کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جو بالعموم قصیدۂ شمع کے نام سے مشہور ہے۔ عوفی[1] اور دولت شاہ[2] نے اسے نقل کیا ہے اور پروفیسر براؤن[3] نے بھی قریباً ۲۵ شعر کا ترجمہ دیا ہے۔ آذر[4] اور شبلی[5] نے بھی چند اشعار کا انتخاب کیا ہے۔ چونکہ یہ قصیدہ کئی لحاظ سے عجیب و غریب ہے اس لئے ہم بھی اس کے چند اشعار نقل کرتے ہیں ؎

اے نہادہ برمیانِ فرق جانِ خویشتن — جسم ما زندہ بجان و جانِ تو زندہ بتن
ہر زماں روحِ تو لختے از بدن کمتر کند — گوئی اندر روح تو منفصم ہمی گردد بدن
گر نہ کوکب چرا پیدا نگردی جز بہ شب — ور نہ عاشق چرا گردی ہمی بر خویشتن
کوکبی آرے ولیکن آسمانِ تست موم — عاشقی آرے ولیکن ہست معشوقت لگن
پیرہن در زیرتن پوشی و پوشند ہر کسے — پیرہن برتن تو تن پوشی ہمی بر پیرہن

---

[1] لباب الالباب جلد دوم [2] تذکرہ صفحہ ۴۱ [3] تاریخ ادبیات ایران جلد دوم صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۶ [4] آتشکدہ بمبئی ایڈیشن مطبوعہ ۱۲۷۷ھ صفحہ ۲۹۶ [5] شعر العجم جلد اول صفحہ ۱۸۶

چون بمیری آتش اندر تو رسد زنده شوی — چون شوی بیمار بہتر گردی از گردن زدن
تا ہمی خندی ہمی گرئی و این بس نادر است — ہم تو معشوقی و عاشق ہم بُتی و ہم شمن
بشفگی بے نوبہار و پژمری بے مہرگان — بگرئی بے دیدگان و باز خندی بے دہن
تو مرا مانی بعینہ من ترا مانم درست — دشمنِ خویشیم ہر دو۔ دوستدارِ انجمن
خویشتن سوزیم ہر دو بر مراد دوستان — دوستان در راحت انداز ما و ما اندر حزن
ہر دو گریانیم و ہر دو زرد و ہر دو در گداز — ہر دو سوزانیم و ہر دو فرد و ہر دو ممتحن
آنچہ من در دل نہادم بر سرت بینم ہمی — آنچہ تو بر سر نہادی در دلم دارد وطن
رازدارِ من توئی ہمواره یارِ من توئی — غمگسارِ من توئی من آن تو۔ تو آن من
روی تو چوں شنبلید نوشگفتہ با مداد — روی من چوں شنبلید پژمردہ در چمن
از فراق تو بگشتستم عدوِّ آفتاب — وز وصالت بر شبِ تیرہ شدستم مقتتن
من دگر یارانِ خود را آزمودم خاص و عام — نے سہ تن شان را زدار و نے وفا اندر دو تن
تو ہمی تابی و من بر تو ہمی خوانم بمہر — ہر شبے تا روز دیوانِ ابو القاسم حسن
اوستادِ اوستادان زمانہ عنصری — عنصرش بے عیب و دل بے غش و دینش بے فتن
شعرِ او چون طبعِ او ہم بے تکلف ہم بدیع — طبعِ او چون شعرِ او ہم با ملاحت ہم حسن
زین فروتر شاعران دعوی و زو معنی پدید — این حکیمان دگر یک فن و او بسیار فن
در زغن ہرگز نباشد فرِّ اسپِ راہوار — گرچہ باشد چون صہیلِ اسپ آوازِ زغن
تا ہمی خوانی تو اشعارش ہمی خائی شکر — تا ہمی گوئی تو ابیاتش ہمی بوئی سمن
مجلس استادِ تو چون آتشے افروخت است — تو چنان چون اشترے بے خواستار اندر عطن

ایک اور قصیدہ میں سے جو عنصری کی مدح میں ہے چند اشعار یہ ہیں ؎

بنام خداوندِ یزدانِ اعلیٰ — کہ دارائے دہر است و دادار مولی
ملیک السموات و خلاقِ ارضین — بفرمانِ او ہر چہ علوی و سفلی

نشستم برآن ناقۂ آل پیکر — فگندم براو لطع و دلوِ مصلّی
سپردم بدین ناقہ چونیں قفارے — چو دانا کہ دارد بجدے وہزلی
چو سہلے بریدم رسیدم بوعرے — چو وعرے بریدم رسیدم بوعرے
برامیدِ دیدارِ استاد فاضل — چراغِ ہدایات و نورِ تجلّی
ہمش کنیت نیک وہم نام فرّخ — ہمش نام پیغمبرِ رب اعلیٰ
یکے نام دارے کہ از پشتِ آدم — نیامد با فضالِ او ہیچ فضلی

بعض تذکرہ نویسوں کی غلط خیالی

صاحب مجمع الفصحا[1] اور مولانا شبلی کے[2] خیال کے مطابق منوچہری سلطان محمود کے حلقۂ شعرا میں ملک الشعراء عنصری کی وساطت سے شامل ہوگیا اور اپنے نئے ممدوح (سلطان محمود) اور اس کے بیٹوں محمد اور مسعود کی مدح میں قصیدے لکھے۔

تبصرہ مندرجہ بالا خیال درست نہیں۔ کیونکہ شاہزادہ منوچہر سلطان محمود[3] سے پہلے مرا ہے۔ چونکہ دیوان میں محمود کی مدح میں کوئی قصیدہ نہیں اس لئے یہ یقینی امر ہے کہ منوچہری ۱۰۳۰ء سے پہلے غزنی میں نہیں آیا چونکہ محمود اسی سن میں مرا ہے۔ لیکن چونکہ دیوان میں بعض قصائد سلطان مسعود کے وزراء کے علاوہ خواجہ حسن میمندی کی مدح میں جو ۱۰۳۲ء میں مرا پائے جاتے ہیں۔ اس لئے منوچہری یقیناً ۱۰۳۲ء سے پہلے غزنی آگیا تھا۔ پس ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ

---

[1] جلد اول صفحہ ۵۴۲۔ [2] شعر العجم جلد اول صفحہ ۱۸۶-۷۔

[3] شبلی نے شاہزادہ منوچہر کی تخت نشینی اور وفات کی تاریخیں ۳۸۶ھ ہجری یعنی ۹۹۵ء اور ۴۱۱ھ ہجری یعنی ۱۰۲۰ء باترتیب دی ہیں۔ لیکن پروفیسر براؤن نے ۱۰۱۲-۱۳ء اور ۱۰۲۸-۲۹ء تاریخیں دی ہیں اور یہی درست ہیں۔

۱۰۳۱ء میں غزنی آیا۔

تاریخ ہجرت کے متعلق اندرونی شہادت

اس کے علاوہ دیوان میں اور بعض مقامات سے بھی اسی تاریخ ہجرت کی مزید تائید ہو سکتی ہے مثلاً ؎

خواست از رے خسرو ایراں مرا برشصت میل
خود ز تو ہرگز نیندیشید درحین سنین

واقعہ یہ ہے کہ ۱۰۳۰ء میں جبکہ سلطان مسعود ساری اور آمل کے رستہ غزنی کو آرہا تھا۔ تو منوچہری اس وقت رے میں تھا اور مسعود نے اسے دربار میں آنے کی فرمائش کی چنانچہ وہ خود کہتا ہے ؎

دانی کہ من مقیم بر درگہ شہنشہ تا باز گشت سلطان از لالہ زار ساری
بین دشتہا بریدم وین کوہ ہا پیادہ دو پائے باجراحت دو دیدہ گشتہ تاری

اس بات کا ثبوت کہ وہ غزنی آنے سے پہلے رے۔ جرجان۔ شروان اور نواحی وغیرہ میں پھرتا رہا۔ ایک اور شعر سے بھی ملتا ہے ؎

شاعرا نرا در رے وگرگان و در شروان کہ دید
بدرۂ عدلے بہ پشت پیل آوردہ بزین
آنچہ ایں مہتر دہد روزے بکہتر شاعرے
معتصم ہرگز بعمر اندر نداد و مستعین

اس میں کچھ شک نہیں کہ عنصری کی شہرت۔ ہر دلعزیزی اور ملک الشعرائی کی وجہ سے غزنی اور دیگر شہروں میں اس کا بہت اثر تھا۔ اس کے علاوہ اس کا مختلف بلاد و امصار کے شعرا کو دربار میں متعارف کرانا اور منوچہری کا اس کی مدح میں قصائد لکھنا وغیرہ تمام امور اس بات کا خیال دلاتے ہیں کہ

منوچہری کی دربار غزنوی میں رسائی بھی عنصری ہی کی وساطت سے ہوئی لیکن منوچہری کے اپنے اشعار بتلا رہے ہیں۔ کہ وہ خاص سلطان مسعود کی ذاتی فرمائش پر غزنی میں آیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اس کے علاوہ منوچہری کا یہ کہنا کہ اس نے غزنی آکر سوائے سلطان مسعود کے اور کسی کی مدح نہیں کہی اور اس کے ساتھ ہی سلطان محمود کی مدح میں تمام دیوان بھریں کوئی قصیدہ نہ ہونا رضا قلی خاں اور شبلی کے اس خیال کو کہ منوچہری محمود کے دربار[1] میں تھا باطل ثابت کرتے ہیں۔ تعجب ہے کہ محمود جیسے قدردان بادشاہ کے دربار میں اس کی قدر نہ ہوئی حالانکہ محمود جو کہ عموماً علم و ہنر کا پایہ شناس تھا۔ غیر ممالک کے علما و فضلا کی طرف غیر معمولی توجہ مبذول کیا کرتا تھا پھر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ وہ منوچہری کی کیوں قدر نہ کرتا جس پر منوچہری کی مدح سرائی محمود کی قدر شناسی کو چار چاند لگا دیتی۔ اس لئے صرف محمود کی مدح میں دیوان بھر میں کوئی قصیدہ نہ ہونا ہی اس امر کی کافی دلیل ہے کہ منوچہری محمود کی وفات کے بعد غزنی میں آیا۔

منوچہری کی علمی قابلیت

جب منوچہری غزنی میں آیا تو وہ ابھی عالم شباب میں تھا۔ جیسا کہ وہ خود کہتا ہے ع

حاسدم گوید کہ ما پیریم و تو برنا تری

لیکن وہ بالکل نوجوان بھی نہ تھا کیونکہ علم دین۔ نحو اور طب اور بالخصوص عربی نظم کے متعلق اسے جو واقفیت حاصل تھی جس پر وہ بدیں الفاظ فخر کرتا ہے ع

من بدانم علم دین و علم نحو و علم طب

---

[1] شبلی کا بیان ہے کہ منوچہری نے سلطان محمود کے بیٹے محمد کی مدح میں قصائد کہے لیکن دیوان سے اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ منوچہری دربار غزنوی میں محمد کے دور حکومت کے بعد آیا ہے جیسا کہ ہم اوپر مفصل لکھ چکے ہیں +

اور ع من بسے دیوانِ شعر تازیان دارم زبر

وہ غزنی میں آنے سے پہلے اُس کی تکمیل کر چکا تھا۔ اسے غزنی میں بلائے جانے کا بجز اس کے اور کوئی سبب نظر نہیں آتا۔ کہ وہ فطری ذہانت اور قابلِ رشک شاعرانہ اوصاف کا مالک تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی وہ نظمیں جو اس نے غزنی میں آنے کے بعد کہیں فصاحت و بلاغت کے زیور سے آراستہ ہیں۔ جن سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ شاعر نے بہت وسیع مطالعہ کیا ہوا ہے۔

دربارِ شاہی میں رسوخ

جب منوچہری دربارِ غزنی میں آیا تو ان دنوں سلطان مسعود کا دورِ حکومت تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے عام ہر دلعزیزی کے علاوہ دربار میں اس درجہ تک رسائی حاصل کر لی کہ وہ جس وقت چاہتا دربار میں بلا روک ٹوک آمد و رفت کر سکتا تھا۔ یعنی منصب ترخانی حاصل تھا۔ سلطان مسعود ۱۰۳۰ء میں تخت پر بیٹھا اور دس سال تک حکمران رہا۔ اس مدت میں منوچہری اس کے دربار میں رہا۔ اور درحقیقت منوچہری سے بڑھ کر اور کوئی شاعر مسعود کا مصاحب ہونے کے زیادہ قابل بھی نہ تھا کیونکہ وہ اس کے اندرونی جذبات و عادات کا بہت گہرا مطالعہ کر چکا تھا۔ جن کا وہ پوری طرح اظہار کر سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ آہستہ آہستہ دولتمند ہوتا چلا گیا۔

من بندہ را برحمت کردی بزرگ شاہا پایندہ باد تختت پایندہ بختیاری

ہجرتِ غزنی سے پہلے زمانہ کا کلام

غزنی میں آنے سے پہلے زمانہ کے کلام میں سے دیوان میں صرف دو تین نظمیں ملتی ہیں۔ لیکن ہر ذی ہوش اندازہ لگا سکتا ہے کہ ایک درباری شاعر کا صرف یہی سرمایہ نہیں ہو سکتا اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً اس زمانہ کے

کلام کا بیشتر حصہ خواہ شاعر کے اپنے ہاتھوں اور خواہ مؤلفین دیوان کی لاپروائی کی وجہ سے ضائع ہوگیا ہے۔ کما سیأتی

چونکہ امیر منوچہر سلطان محمود کا داماد تھا اس لئے غالباً منوچہری نے جو مدحیہ قصاید منوچہر کی مدح میں کہے ان میں منوچہر کے خسر یعنی محمود کا بھی ذکر کیا ہوگا۔ جیسا کہ سلطان مسعود کے وزراء کی مدح میں جو قصیدے موجود ہیں۔ ان میں مسعود کی بھی مدح پائی جاتی ہے۔ لیکن محمود اور مسعود کی مخالفت کوئی چھپی ہوئی بات نہ تھی۔ جیسا کہ خود منوچہری اس کی طرف اشارہ کرتا ہے ؎

گوئی محمود بود پیش ز مسعود — نے نے مسعود ہست پیش ز محمود

ہمچو سلیمان کہ بود پیش ز داؤد — پیشتر از زال بود رستم زال

اسلئے منوچہری غزنی میں آنے اور مسعود کی مدح کرنے کے بعد وہ اشعار جن میں محمود کی بالواسطہ مدح پائی جاتی تھی۔ دیوان میں باقی نہ رکھ سکتا تھا کیونکہ مسعود کی مدح محمود کی تعریف اور محمود کی مدح مسعود کی ہجو کے مترادف تھی۔

اس کے علاوہ منوچہری علانیہ کہہ رہا ہے کہ اس نے دو ممدوح اختیار نہیں کئے۔

جز بر در شہنشہ بر در گہے نرفتم — نہ بر در تجازی نہ بر در بخاری

چون تو نیم کہ خدمت کہتر کنی و مہتر۔

ان امور کی بنا پر ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ منوچہری کا ابتدائی کلام ضائع ہوگیا ہوگا اور غالباً اس نے خود عمداً اس کو نیست و نابود کر دیا ہوگا۔ یہی امر اس بات کی وجہ ہے کہ اس کا دیوان دیگر شعرائے فارسی کے دواوین کے مقابلہ میں بہت مختصر ہے۔

منوچہری کی زندگی کے آخری ایام

منوچہری اپنے ممدوح مسعود[1] کے بعد تھوڑے عرصہ زندہ رہا۔ گو مسعود کی وفات پر کوئی مرثیہ یا اس کے

[1] بعض کہتے ہیں کہ منوچہری اور سلطان مسعود نے ایک ہی سن میں وفات پائی

جانشین کی تخت نشینی پر کوئی قصیدہ دیوان میں موجود نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے محمود کے قتل (۱۸۴۱ء) کے بعد کے پُرآشوب زمانہ میں شعر گوئی کو ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔

کلام کی تالیف اس کے کلام کا جو مجموعہ ہم تک پہنچا ہے وہ بیشتر قصائد و مسمطات پر مشتمل ہے۔ جس میں تین ہزار کے قریب شعر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا اصل دیوان تیس ہزار اشعار پر مشتمل تھا۔ موجودہ دیوان رضا قلی خاں ہدایت مصنف تذکرہ مجمع الفصحاء کی کاوش کا نتیجہ ہے جو اس نے مختلف بلاد و امصار خصوصاً طہران و شیراز وغیرہ سے تفحص کے بعد تالیف کیا جیسا کہ وہ اس مجموعہ کے دیباچہ میں کہتا ہے۔

"میں مدت سے منوچہری کے کلام کی تلاش میں تھا۔ ۱۲۴۷ھ ہجری میں مجھے شیراز میں اس کا ایک مختصر سا مجموعہ ملا۔ جس میں سے بعض میں سے بعض اشعار میں نے اپنی کتاب مجمع الفصحاء میں نقل کئے ہیں۔

دیوان کی اشاعت منوچہری کے دیوان کی اشاعت عام نہیں ہوئی صرف[1] تین ایڈیشن ہماری نظر سے گذرے ہیں۔ (۱) مطبوعہ مشہد ۱۸۹۴ء۔ یہ ایڈیشن نامکمل ہے۔ (۲) مطبوعہ طہران شائع کردہ میرزا حسن خوانساری ۱۸۷۹ء اور (۳) مطبوعہ پیرس ۱۸۸۶ء۔ اس کے شروع میں ایک تاریخی دیباچہ اور آخر میں پورا ترجمہ اور نہایت مفید نوٹ جرمن زبان میں موجود ہیں۔ یہ بہترین ایڈیشن ہے۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں دیوان منوچہری کا ایک قلمی نسخہ بھی موجود ہے۔ جس کا نمبر A Pi VI 3 B ہے۔ اس کی تاریخ نقل ۱۲۴۹ھ ہجری ہے۔ اس کے

---

[1] چند ایک قطعات بھی ہیں۔ لیکن ان کی تعداد انگلیوں پر شمار ہو سکتی ہے [2] تعجب ہے کہ دولت شاہ لکھتا ہے کہ دیوان منوچہری ایران میں عام طور پر شائع ہے۔ (تذکرہ صفحہ ۴۰)

کے اوراق ۱۳۴ اور صفحے ۲۶۸ ہیں۔ یہ دو حصوں میں منقسم ہے حصۂ اول از آغاز تا ورق ۸۶ یعنی ۱۷۲ صفحے۔ اس میں صرف قصائد ہیں۔ حصۂ دوم از ورق ۸۷ تا ۱۳۴ یعنی ۹۶ صفحے۔ اس حصہ میں مسمطات۔ رباعیات۔ قطعات۔ غزلیات اور افراد اسی ترتیب سے موجود ہیں۔ ہر صفحہ میں ۱۲ سطریں ہیں اور ہر سطر میں ایک شعر ہے۔ پہلے حصہ کے آخر میں کاتب لکھتا ہے:۔

"گویند حکیم ابوالنجم احمد منوچہری را دیوان اشعار مشتمل برسی ہزار بیت بود۔ تا اکنوں کہ ہشتم صفر المظفر ۱۲۴۹ھ ہجری می باشد زیادہ ازیں قصائد و مسمطات دیدہ نشد"

اس نسخہ میں قصائد حروف ہجا کے مطابق مرتب ہیں۔ کاتب کا نام مذکور نہیں۔ حاشیہ پر کہیں کہیں متن کی عبارت پر مختصر نوٹ لکھے ہوئے ہیں۔ ایک غزل اور تین افراد اور قصیدہ ۸۳ کا ایک شعر جو مطبوعہ نسخوں سے زائد اس نسخہ میں پائے جاتے ہیں۔ ہم نے تتمہ ج میں دے دئے ہیں +

اس کے علاوہ ایک قلمی نسخہ اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور میں موجود ہے۔ جس کے متعلق مفصل حالات کتب خانۂ مذکورہ کی عربی و فارسی کتبِ قلمی کی مطبوعہ فہرست کے صفحہ ۱۴ پر مل سکتے ہیں۔

مطبوعہ ہر سہ ایڈیشنوں میں بعض جگہ قرأتیں مختلف ہیں۔ ہم نے تمام اختلافات کی فہرست تتمہ ا میں دیدی ہے۔ پیرس ایڈیشن میں بعض فاحش اغلاط بھی ہیں۔ جن کی تفصیل تتمہ ب میں دے دی گئی ہے۔ تتمہ د میں منوچہری کے تمام ممدوحین کی فہرست دی گئی ہے +

(باقی دارد)

صوفی محمد ضیاء الحق گورنمنٹ کالج جھنگ

پرتھی راج راسا

سلسلہ کے لئے دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت ماہ فروری ۱۹۳۷ء

ستی کی صدای بازگشت

مصنف کا عقیدہ ہے کہ مسلمان عورتیں اور کنیزیں اپنے آقاؤں اور خاوندوں کی لاش کے ساتھ زندہ دفن کر دیجاتی ہیں۔ چنانچہ حسین کتھانویں داستان میں چترریکھا حسین کی لاش کے ساتھ زندہ دفن ہوتی ہے۔ دھیرینڈر ۶۴ ویں داستان میں شہاب الدین کا خواص سیرن شہاب الدین کی گرفتاری کے وقت اپنی پیاری جان لے کر غزنین بھاگ جاتا ہے۔ جب اپنے گھر پہنچتا ہے۔ اس کی بیوی ملامت کے لہجہ میں اس سے کہتی ہے۔ اگر تو میدان جنگ میں قتل ہو جاتا اور میں تیری نعش کے ساتھ دفن ہوتی۔ مجھے یہ حالت تیرے اس فرار ہونے اور جان بچانے سے ہزار درجہ زیادہ گوارا ہوتی۔ یہ صدای بازگشت ہے ستی کی رسم کی جو ہندوؤں میں رائج تھی۔ یہ ہندو بھاٹ اس وہم میں مبتلا ہے۔ کہ جہاں ہندو عورتیں زندہ جلا دیجاتی ہیں۔ مسلمان عورتیں زندہ دفن کیجاتی ہیں

بخشی

میں یہاں بعض دفتری اصطلاحوں کا ذکر کرتا ہوں جو راسا میں مل جاتی ہیں۔

ان میں ایک اصلاح 'توبخشی' (تنخواہ دہندۂ فوج) ہے مصنف اس کو 'بگسی' لکھتا ہے۔ راجپوتانہ میں آج بھی غیر تعلیم یافتہ ہنود سے یہی تلفظ مسموع ہوتا ہے۔ سلکھ جدھ تیرہویں داستان میں آتا ہے ؎

سلطان کھبری ایہ سین پائی بگسی سہاب برنی سنائی (چھند ۲۰ ص ۵۲۱/۵)

ایک اور موقع پر آتا ہے ؎ بیجل خاں بگسی بھیو (چھند ۱۱۸ ص ۱۱۹۵/۱۰)

مگر یاد رہے کہ بخشی ہندوستان میں مغلوں کی آمد تک رواج میں نہیں آیا تھا۔ اور یہ مغل ہیں جن کے ساتھ یہ اصطلاح اس ملک میں آتی ہے بلکہ ریاستوں میں آج بھی یہ عہدہ موجود ہے۔ قدیم زمانہ میں اس کی جگہ 'عارض' آتا ہے۔

بخشی کے متعلق تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ دراصل سنسکرت کا لفظ بھکشو بمعنی بھکاری اس کی قدیم شکل ہے جو بدھ مت والوں کے ساتھ چین میں پہنچا۔ اور وہیں سے مغولستان پہنچ گیا۔ چنگیزیوں میں یہ ایک اہم عہدہ تھا۔ اور انہیں کے ساتھ ایران میں آیا۔ جہاں سے دسویں صدی ہجری میں بابر کے ساتھ واپس ہندوستان پہنچتا ہے۔ بہرحال راسا میں بخشی کا استعمال ہمارے نزدیک اس تالیف کے جدید العہد ہونے کی ایک مضبوط دلیل ہے +

شاگرد پیشہ

جس طرح بخشی مغلیہ عہد کی دفتری اصلاح ہے۔ اسی طرح 'شاگرد پیشہ' ہے۔ جس سے مقصد نجی خدمتگاران شاہی ہیں۔ شاگرد پیشہ کے لئے بہار میں آتا ہے:۔

"لفظی است مستعمل دفاتر و دربار سلاطین ہندوستان و در ایران عملہ بجای آن گویند"

راسا میں یہ لفظ بھی موجود ہے چنانچہ:۔ پچیس سہس ساگرد پیس (چھند ۲۰ ص ۵۲۱/۵ سلکھ جدھ ۱۳ ویں داستان)

عرضداشت

عرضداشت ایک اور دفتری اصلاح ہے۔ جو متاخرین میں تو بہت زیادہ مستعمل ہے۔ بہارعجم میں اس کے متعلق تحریر ہے:۔

"درہندوستان پادشاہزادگان وامرا بجناب عالی وخوردان بخدمت بزرگان نویسند۔

راسا میں یہ اصلاح بصورت 'اُرداس' موجود ہے چنانچہ ؎ تب نثار ارداس لکھی

(چھند ۲۹۲ صفحہ ۷۲۰ دھن کتھا ۲۴ ویں داستان)

اسی داستان میں ایک اور موقعہ پر آتا ہے:۔

لکھی ارداس نثار خاں اپمی پیروچار ۱۱ (چھند ۳۰۵ صفحہ ۷۲۴ دھن کتھا ۲۴ ویں داستان)

ڈاک چوکی

'ڈاک چوکی' ایک اور اصلاح ہے جو اکبری عہد کے مورخین کے ہاں عام استعمال میں آرہی ہے۔ مثلاً:۔

"وشیخزادہ دمشقی بتقریب دیر رسیدن ڈاک چوکی از دہلی بدروغ آوازہ درانداختند کہ سلطان تغلق نماند (منتخب التواریخ بدایونی صفحہ ۵۸ نولکشور)

لیکن قدیم لفظ اس کے لئے یا تو فارسی الاغ ہے یا ہندی دھاوہ چنانچہ فرشتہ اس کی طرف ایما کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"در اثنای ایں حال ڈاک چوکی کہ باصطلاح آن مردم الاغ میگفتند بافرمان از دہلی رسید" (صفحہ ۱۳۱ نولکشور

برنی نے ایک موقعہ پر دونوں لفظ دیے ہیں:۔

"کارہای ملک در دہلی بگشت وغیرے برتختگاہ دہلی متمکن گشت وراہ الاغ ودھاوہ بکلی منقطع شد۔

ایک اور موقع پر علاء الدین خلجی کے حالات میں بتقریب مہم دکن برنی لکھتا ہے۔

"بسبب آنکہ یک دو تھانہ از راہ برخاستہ بود راہ لشکر منقطع شدہ والاغ و قاصدے و دھاوہ از لشکر در دہلی نرسید"۔

اس سے اس قدر اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاک چوکی کوئی قدیم اصطلاح نہیں ہے۔ مگر مغلوں میں اس کا رواج بہت عام ہے۔ اسی اثر میں ہم دیکھتے ہیں کہ راسا میں بھی استعمال میں آرہی ہے چنانچہ:۔

؎ آیین ڈاک چوکی لورکھن ۱۱ چھند ۲۹۸ صح ۲۳/۷ دھن کتھا ۲۴ ویں داستان

اردو

اس سلسلہ میں ایک اور قابل ذکر اصلاح اُردو ہے۔ جسے مصنف بشکل اَردھ لکھ رہا ہے۔

(۱) دوسین ساجے رلجے رودھ ٹھڈے سوآئے آسور اُردھ (چھند ۹۲ صح ۲۲۶/۱۹ بڑی لڑائی چھیاسٹھویں داستاں)

(۲) لوہا نومد موند | بان مکّے بہو بھاری ۱۱ پھٹی سو ٹھٹھر جوان | پچھ اَردھ نکاری ۱۱

چھند ۱۱۷ صح ۹۰۶/۸

اردو کے تعلق میں تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ کہ مغلوں سے قبل کے ہندوستان میں یہ لفظ رواج عام میں نہیں تھا۔ اور یہ جو بعض تاریخوں میں ایک آدھ جگہ مل جاتا ہے۔ مثلاً طبقات ناصری و تاریخ فیروز شاہی شمس سراج میں تو یہ ہمارے نزدیک قدما کی تحریر میں متاخرین کی فروگزاشت کا پرتو ہے یعنے جب اکبری عہد میں یہ کتابیں نقل ہوئیں۔ سہو کتابت سے یہ لفظ بعض موقعوں پر متن میں شامل ہوگیا۔ البتہ

تغلق نامہ میں امیر خسرو اس کو بشکل اُرُد، لکھ رہے ہیں۔ جس کی شکل راسا کے اُرَدھ، سے بہت ملتی جلتی ہے۔ مثالیں ذیل میں عرض ہیں۔

؎ ز اُرد خاص تا دروازۂ قصر ہمہ تیغ و سنان بد باشہ عصر ص ۱۳۶ شعر ۲۶۱۷ تغلق نامہ

دیگر ؎ جو بشکست آن سپاہ و رفت ہر سوی ملک آورد سوی اردگہ روی ص ۱۳۱ " " ۲۵۲۰ "

ہمیر

راسا میں کئی موقعوں پر ایسے نام ملتے ہیں۔ جن میں ہمیر کا لفظ موجود ہے۔ مثلاً ہنساوتی دیاہ ۳۶ ویں داستان میں منگل گڈھ کے راجا ہاڑا ہمیر کا ذکر آتا ہے۔ اور کانگڑہ جدھ ۳۵ ویں داستان میں ہاہولی رای ہمیر کا نام آتا ہے جو پرتھی راج کا ایک سامنت ہے۔ مصنف ہمیر کو بالتشدید ہمیّر لکھتا ہے۔ اور یہ اس کی ناواقفیت یا بے پروائی پر مبنی ہے اس میں شک نہیں کہ اکثر اوقات شاعر کو ہم الفاظ کے توڑنے مروڑنے اور ان کے گھٹانے بڑھانے میں مصروف دیکھتے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں ہمیر نام ہندوؤں میں کب سے رائج ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری میں وہ رنتھبور کے چوہان راجہ کا نام ہے۔ جو ہمیر دیو کے نام سے بہت مشہور ہے اور جس کے حالات میں ہمیر راسا اور ہمیر کاویہ وغیرہ ہندی تصنیفات موجود ہیں۔ مگر یاد رہے کہ ہمیر مسلمانی لفظ ہے اور لفظ امیر کی بگڑی شکل ہے۔ سب سے پہلے بخط ہندی مسکوکات پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔ ان میں سب سے قدیم خود سلطان معزالدین محمد بن سام کے سکّے ہیں۔ جن پر "سری ہمیر" کی شکل میں ملتا ہے "سری ہمیر" سے مقصد امیر المومنین خلیفۂ بغداد ہے۔ یہ ہندی کلمہ سلطان معزالدین۔ شمس الدین التمش۔ رکن الدین فیروز۔ سلطان رضیہ وغیرہ کے مسی سکوں پر نظر آتا ہے۔ اس بیان سے ظاہر ہے کہ یہ عین پرتھی راج کا زمانہ ہے۔ جب یہ مسلمانی لفظ مسکوکات میں شائع ہو کر ہندوؤں میں

روشناس ہونے لگا ہے۔ بحیثیت علم اس کا اختیار کیا جانا بہت بعد کی بات ہے اس لئے یہ خیال کرنا کہ پرتھی راج کے عہد میں ہندو قوم نے بحیثیت اسم اس لفظ کو اختیار کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ خود پرتھی راج کے ایک سامنت کا نام ہمیر تھا۔ بیحد غیر اغلب اور ناقابل یقین معلوم ہوتا ہے۔

ہتھنار

بیشمار موقعوں پر اس رزمیہ میں ہتھنار یعنے ہتھنال کا ذکر آتا ہے مثلاً گھگھر کی لڑائی ۲۹ ویں داستان میں آتا ہے :۔

؎ سواگیں ہتھناری اپار سجن | رتن دیکھت کاتر دور بھجن || (چھند ۱۶ صح ۹۴۸/۹)

ہتھنال سے مراد ایسی توپ ہے جسے ایک ہاتھی آسانی سے لیجا سکے۔ اکبر کی اور ایجادات کے علاوہ جس میں بعض توپیں ٹکڑے کر کر کے لیجائی جاتی تھیں اور بعض میں سترہ توپوں کے لئے ایک پلیتہ درکار تھا۔ ایک ایجاد یہی ہتھنال ہے۔ یعنے ہاتھی کی توپ جس کا نام اکبر نے گج نال رکھا تھا آئین اکبری میں آتا ہے۔

"ونیز چنان برساخت کہ یک فیل بآسانی کشد و آنرا گج نال نامند۔

(ج اول ص ۱۴۳ نولکشور ۱۸۶۹ء)

اکبر کے عہد سے قبل اس گجنال یا ہتھنال کا کتب تاریخ میں ذکر نہیں ملتا۔ جب راسا میں ہتھنال کا ذکر آرہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی تصنیف اکبر کے عہد سے بعد کی ہے۔ کیونکہ گج نال و ہتھنال میں گجنال قدیم ہے۔

کمان یا کمند

ایک انوکھی رسم یعنی کمان کے ذریعہ سے گرفتاری راسا کے صفحات میں کئی جگہ

ملتی ہے مثلاً پدماوتی سمے بیسویں داستان میں آتا ہے کہ عین گھمسان کے معرکہ میں پرتھی راج نے کمان ڈال کر شہاب الدین کو گرفتار کر لیا۔ ریواتٹ سمیو ستائیسویں داستان میں پھر مذکور ہے کہ پرتھی راج نے کمان ڈال کر شاہ کو اسیر کر لیا۔ اور گھگھر کی لڑائی انتیسویں داستان میں مرقوم ہے کہ کنہ چوہان نے میدان جنگ میں کمان ڈالکر شاہ کو کھینچ لیا۔ بہرحال یہ تین موقعے تو صاف طور پر مجھے معلوم ہیں۔ اور موقعے بھی ہوں تو تعجب نہیں۔ اس گرفتاری کی ایک عام خصوصیت یہ ہے کہ بادشاہ کو کمان کے ذریعہ سے اسیر کیا جاتا ہے۔ لیکن کمان کے ذریعہ سے دشمن کی گرفتاری کمان کا بالکل جدید استعمال ہے۔ جو صرف راسا میں پایا جاتا ہے۔ ایرانی اور مسلمانی اقوام میں گرفتاری کے لئے کمند کا بالعموم استعمال رہا ہے۔ مگر مصنف راسا کمند کا کام کمان سے لے رہا ہے۔ اگر ہمیں سچی بات کہنے کی اجازت دیجائے تو کہینگے کہ مصنف راسا کو کمان اور کمند میں التباس ہو گیا ہے۔

طبیب

چوتھی داستان لوہانو آجان باہو سے اس کہانی سے شروع ہوتی ہے کہ پرتھی راج کو ایک دن یہ عجیب شوق چرّایا کہ اپنے ساونتوں کو بتیس ہاتھ اونچے چھجّے سے کدائے ساونت راجہ کی اس انوکھی فرمائش پر حیرت زدہ رہ گئے۔ لوہانا آجان باہو راجہ کے حکم کی تعمیل میں بلا پس وپیش کود پڑا۔ اور غریب کے چوٹ آگئی۔ راجہ نے فوراً طبیبوں کی حاضری کے لئے حکم دیا۔ وہ آئے اور علاج کے واسطے لوہانا کو اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ تب طبیب تسلیم کری اے گھر آئے لوہان ۱۱ چھند ۶ صح ۲۷۶/۳

ذرا پرتھی راج کے عہد کی اس زبان پر بھی غور کر لیا جائے۔ اگر آج یہ فقرہ اردو میں لکھا جائے تو یوں ہوگا:۔

تب طبیب تسلیم کر[کے] لوہانا [کو] گھر لے آئے۔

اسی طرح یہ امر بھی قابل لحاظ معلوم ہوتا ہے کہ پرتھی راج کے پاس چھٹی صدی ہجری کے وسط میں جب کہ وہ ناگور میں مقیم ہے۔ مسلمان طبیب بھی موجود ہیں۔ جو راج کنوار پرتھی راج کو تسلیم کر کے لوہانا کو علاج کی غرض سے اپنے گھر لیجاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پرتھی راج کے عہد میں خصوصاً راجپوتانہ جیسے الگ تھلگ مقام پر طبیب موجود نہیں تھے۔ اور ہندوستان میں ان کی مقبولیت اس عہد سے بعد کی بات ہے مگر چونکہ مصنف کی آنکھوں میں اس کے اپنے عہد کی زندگی کا نقشہ پھر رہا ہے۔ جب طبیب ہندوستان کی زندگی کا لازمہ بن گئے ہیں۔ اور ہندوستان کے ہر حصہ میں پہونچ گئے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے رزمیہ میں ان کا ذکر کرنے پر مجبور ہوا۔

لاڈنوں اور کھٹّو

راسا میں جن شہروں اور موضعوں کے اسما ملتے ہیں۔ ان میں سے اکثر مارواڑ سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً سانبھر۔ اجمیر۔ ناگور۔ سارونڈا۔ اچل پور۔ پارس پور۔ پنچوسر۔ در پور۔ لاڈنوں اور کھٹّو۔

لاڈنوں فی زمانہ ایک جاگیری قصبہ ہے جو اس کے لکھپتی بنیوں کی بنا پر دور دور مشہور ہے۔ یہ قصبہ جودھ پور ریلوے کی اس شاخ پر ایک اسٹیشن ہے جو سجان گڈہ اور ڈیگانہ جنکشنوں کے درمیان چلتی ہے۔ راسا جو اپنے لئے اس قدر قدامت کا مدعی ہے۔ تعجب ہے کہ لاڈنوں کو اس کے جدید تلفظ سے یاد کرتا ہے یعنے لاڈنوں۔ حالانکہ اس کا قدیم تلفظ جو آئین اکبری میں محفوظ ہے۔ بصورت لاڈوں ملتا ہے (آئین ص۲۷۲ جلد دوم)

(باقی پھر) (محمود شیرانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم - الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

علم کلام اور نظریہ "استطاعۃ"

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ فروری ۱۹۳۷ء)

(۲) علی ہذا القیاس حضرت فاروق نے کوفہ میں عجم کو دینی تعلیم دینے کا بھی فیصلہ کیا اور اس کی زمام انتظام حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے اعلم بکتاب اللہ (قال ابن مسعود انی لا اعلم بکتاب اللہ ھ استیعاب برحاشیہ اصابۃ ص۳۲۱) واقفہ امت صحابی کے سپرد کی۔ جن کے متعلق حضرت حذیفہ صاحب السر فرماتے ہیں۔ ما اعلم احداً اقرب سمتاً و ہدیاً من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابن ام عبد ھ علیہ و استیعاب۔ وکان صاحب الوساد والسواد والسواک والنعلین ھ علیہ واقبل ابن مسعود ذات یوم وعمر جالس فقال کنیف ملئ فقہاً ھ علیہ و استیعاب قالوا لعلی اخبرنا عن عبداللہ بن مسعود قال علم القرآن والسنۃ ثم انتہی وکفی بذالک علماً ھ علیہ و قد قال فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت مؤمراً احداً من غیر مشورۃ لامرت ابن ام عبد ھ استیعاب۔

حضرت فاروق نے ان ابن مسعود کو کوفہ میں معلم و مبلغ بنا کر بھیجا۔ قال ابن عبدالبر بعثہ عمر بن الخطاب الی الکوفۃ مع عمار بن یاسر وکتب الیہم انی قد بعثت الیکم بعمار بن یاسر امیراً و عبداللہ بن مسعود وزیراً و معلماً و ہما من النجباء من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، من اہل بدر۔ فاقتدوا بہما واسمعوا من قولہما و قد آثرتکم لعبداللہ بن مسعود علی نفسی ھ استیعاب ص۳۲۳۔ ابن مسعود نے کوفہ پہنچ کر تعلیم دینا شروع کیا اور ایسے شہرۂ آفاق تلامذہ پیدا کئے جنہوں نے نہ صرف ابن مسعود کا نام روشن کیا۔ اور ان کے علوم کو زندہ کیا۔ بلکہ بعد میں جب حضرت علی مرتضی کوفہ میں تشریف

لائے تو اُن کے قضایا اور فتاوی کو بھی پوری احتیاط سے از بر کرکے شائع کیا۔ اگر اصحاب ابن مسعود نہ ہوتے تو علیؓ کے قضایا و فتاوی صحیح طور پر ضبط نہ ہوتے سوائے تلامذۂ ابن مسعود کے اور لوگ اس قابل نہیں کہ اُن کی بات سُنی جائے۔ چہ جائیکہ اُن سے روایت ہو۔ الا ماصرح المحدّثون بتقیم وروا عنہم کما لایخفی علی ماہر الفنّ

اَقضاکم علیؓ بنابریں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد "اَقضاکم علیؓ" سے مراد علی مرتضی کے وہی فتاوی و قضایا ہو سکتے ہیں جو بذریعہ اصحاب ابن مسعود مروی ہوئے ہیں۔ "اقضاکم علی" میں سے وہی فیصلے مراد ہیں جو اصحاب ابن مسعود سے مروی ہیں۔ اس کو حکیم الہند شاہ ولی اللہ صاحب نے "قرۃ العینین" میں مختلف مقامات پر خوب واضح کیا ہے۔ فلیراجع ھناک۔

ستہ متناسبہ یا اصحاب ابن مسعود فقہ عراق کے سلسلہ میں ہم چاہتے ہیں کہ ابن مسعود کے ان مشہور تلامذہ کا مختصر سا تذکرہ کر دیں۔ جنہوں نے نہ صرف عبداللہ بن مسعود کے نام کو اُچھالا۔ اور اساتذہ کوفہ کے اصولوں کو زندہ جاوید کیا۔ بلکہ علی مرتضی کے علوم و فنون کو بھی ہم تک بلا کم و کاست پہنچایا۔ یوں تو کروڑوں انسانوں نے عبداللہ ابن مسعود سے فیوض علمی حاصل کئے۔ مگر ان کی تمام علمی کوششوں کا نچوڑ چھ نفوس قدسیہ ہیں۔ جنہوں نے دُنیائے علم و عمل میں لازوال شہرت حاصل کر رکھی ہے۔

عن ابراہیم النخعی کان اصحاب عبداللہ الذین یقرئون الناس و یعلمونہم السنۃ و یصدرالناس عن رایہم ستۃ۔

(ترجمہ) ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ ابن مسعود کے وہ شاگرد جو لوگوں کو تعلیم دیتے۔ اور اُن کو احادیث نبویہ

علقمۃ والاسود و ذکر الباقین تہذیب التہذیب صہ۲۷۷

پڑھاتے تھے۔ اور تمام مسلمان انہیں کی رائے کا اتباع کرتے تھے۔ وہ چھ اشخاص تھے۔ علقمہ۔ اسود وغیرہ ھ

وقال ابن سیرین ادرکت الناس بالکوفۃ وہم یقدمون خمسۃ من بدء بالحارث ثنی بعبیدۃ ومن بدء بعبیدۃ ثنی بالحارث ثم علقمۃ لاشک فیہ ھ تہذیب صہ۲۷۷

(ترجمہ) امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں۔ کہ میں نے کوفہ کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ علما میں سے پانچ افراد کو مقتدا شمار کرتے تھے۔ البتہ اتنا اختلاف تھا کہ کوئی حارث کو مقدم کرتا۔ اور عبیدہ کو دوم نمبر پہ رکھتا۔ اور کوئی اس کے برعکس۔ مگر علقمہ بالاتفاق سوم نمبر پر تھے۔"

ذیل میں ان چھ یگانہ ہائے دہر کا مختصر تذکرہ حروف ھجا کی ترتیب سے دیا جاتا ہے:۔

(۱) اولہم اسود بن یزید النخعی الکوفی من الزہاد الثمانیہ ھ حلیہ روی عن ابی بکر وعمر و علی و ابن مسعود وحذیفۃ وعائشہ وغیرہم۔ وعنہ ابن اختہ ابراہیم بن یزید النخعی۔ ذکرہ ابراہیم فی من کان یفتی من اصحاب ابن مسعود۔ قال ابن حبان فی الثقات کان فقیہا زاہدا ھ تہذیب رجح الاسود ثمانین حجۃ ھ حلیہ۔

(۲) وثانیہم الحارث بن سوید التیمی الکوفی، روی عن ابن مسعود وعمر و علی و عنہ ابراہیم بن یزید بن شریک التیمی الکوفی [وہو غیر ابراہیم بن یزید النخعی الامام] قال ابن معین "ابراہیم التیمی عن الحارث بن سوید عن علی" ما بالکوفۃ اجود اسنادا منہ۔ قال ابن عیینۃ کان الحارث من علیۃ اصحاب ابن مسعود۔ وثقہ ابن معین وابن حبان والعجلی ھ تہذیب۔

(۳) وثالثہم شریح بن الحارث الکوفی القاضی۔ کان فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ولم یسمع منه ، استقضاه عمر علی الکوفة واقره علی - واقام علی القضاء بهاستین سنته وقضی بالبصرة سنته ، روی عن النبی صلی الله علیه وسلم مرسلاً وعن عمر وعلی وابن مسعود وغیرهم - وعنه ابن سیرین وابراهیم النخعی وغیرواحد - قال شریح ولیت القضاء لعمر وعثمان وعلی ومن بعدهم الی ان استعفیت من الحجاج - وکان عمره (۱۲۰) سنته قال له علی انت اقضی العرب هـ ت

(۴) ورابعهم عبدالرحمٰن بن یزید النخعی الکوفی ، روی عن اخیه الاسود وعمه علقمة وعن حذیفة وعثمان وابن مسعود وعائشة وغیرهم - وعنه ابراهیم بن یزید النخعی وغیره - قال ابن معین ثقة - قال الدارقطنی هو اخو الاسود وابن اخی علقمة وکلهم ثقات هـ ت

(۵) وخامسهم عبیدة بن عمرو السلمانی [نسبته الی سلمان مدینة باذربیجان] المرادی الکوفی ، اسلم قبل وفات النبی صلی الله علیه وسلم بسنتین ، روی عن علی وابن مسعود ، روی عنه ابراهیم النخعی وعامر الشعبی وغیرهما - قال الشعبی کان شریح اعلمهم بالقضاء وکان عبیدة یوازیه وکان من اصحاب علی وابن مسعود هـ ت .

(۶) وسادسهم علقمة بن قیس النخعی الکوفی ربانی هذه الامة هـ حلیه وهو اعلم بعبد الله قال ابن المدینی اعلم الناس بعبدالله علقمة ، قال ابوالمثنی ریاح اذا رایت علقمة فقد ترک ان لاتری عبدالله اشبه الناس به سمتا وهدیاً - واذا رایت ابراهیم فلا یفتک ان لاتری علقمة ، روی عن عمر وعثمان وعلی وابن مسعود وغیرهم - وعنه ابن اخیه عبدالرحمن بن یزید بن قیس وابن اخته ابراهیم بن یزید النخعی وعامر الشعبی - وکان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم یسئلون علقمة ویستفتونه هـ تهذیب وحلیه

ہم نے وہ ستہ متناسبہ ذکر کردئے جن کا تعلق ہر دو بزرگوں سے ہے یعنی علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما حافظ نے کتاب التمہید میں علقمہ ، اسود ، ربیع بن خثیم ، عمرو بن میمون اودی لکھے - آخر الذکر ہر دو بزرگ صرف ابن مسعود سے تعلق رکھتے ہیں - نہ علی مرتضی سے - تہذیب میں ان کے تراجم ملاحظہ ہوں ۱۲ نور الحق غفرلہ

امام الفقہ ابراہیم نخعی مذکورہ بالا حضرات نے اپنی تعلیم و تربیت سے ابراہیم نخعی جیسی ہستی تیار کی۔ فی التہذیب ابراہیم بن یزید النخعی الکوفی، الفقیہ، روی عن خالہ الاسود وعبدالرحمن بن یزید، وعلقمۃ وشریح وکان مفتی اہل الکوفہ صالحاً فقیہا۔ قال الشعبی ما ترک ابراہیم احداً اعلم منہ رای عائشۃ وانساً ولم یسمع منہا شیئاً۔ مکثر من الارسال وجماعۃ من الائمۃ صحوا مراسیلہ، وخص البیہقی ذلک بما ارسلہ عن ابن مسعود ھ ص۱۷۱ تہذیب التہذیب۔

حمّاد بن ابی سلیمان ابراہیم نخعی نے حمّاد بن ابی سلیمان جیسی ہستی تیار کی۔ قال الحافظ فی التہذیب حمّاد بن ابی سلیمان مسلم الاشعری الکوفی الفقیہ، روی عن انس و سعید بن المسیب وابراہیم النخعی والشعبی وعنہ شعبۃ والثوری والامام ابوحنیفہ والاعمش۔ وہم من اقرانہ، قال مغیرۃ قلت لابراہیم ان حماداً قعد یفتی، فقال وما یمنعہ ان یفتی وہو وحدہ قد سألنی عما لم تسألونی کلکم عن عشرہ۔ ثقۃ، افقہ اصحاب ابراہیم ھ ص۱۶۳ وقال ابن عبدالبر وابوحنیفۃ افقد الناس بحماد ھ جواہر ص۳۰۔ وقال ابوحنیفۃ ما مددت رجلی نحو دار حماد تعظیما لہ۔ وکان بینہما سبع سکک ھ مفتاح السعادۃ ص۲۹۱

امام ابوحنیفۃ۔ امام الروایۃ والدرایۃ حماد بن ابی سلیمان کی سعی سے امام ابوحنیفہ بروئے کار آئے۔ کوفہ کا مرکزی نقطہ امام اعظم کا وجود باجود ہے۔ اور بس جیسے سلسلۂ مدینہ میں امام مالک اسی شان کے مالک ہیں

حافظ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ "تذکرۃ الحفاظ" میں حضرت امام ہمام کو حفاظ حدیث کے طبقہ پنجم میں شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں فقیہ العراق الامام ابوحنیفۃ رای انس بن مالک غیر مرۃ لما قدم علیہم الکوفۃ رواہ ابن سعد عن سیف بن جابر انہ سمع ابا حنیفۃ یقولہ ھ ص۱۵۸ + وقال ابو عمر ذکر الواقدی ان ابا حنیفۃ رای انس بن مالک وعبداللہ بن الحارث بن جزءِ الزبیدی ھکذا ذکرہ وسکت عنہ ھ جواہر ص۲۷۳

وكان قد ادرک اربعة من الصحابة هم انس بن مالک بالبصرة (؟)، وعبدالله بن اوفی بالکوفة (؟) وسهل بن سعد الساعدی بالمدینة، و ابو الطفیل عامر بن واثلة بمکة ھ مراة الجنان للیافعی صـ ۳۱ ۱ + وحدث ابو حنیفة عن عطاء ونافع والاعرج وعمرو بن دینار وخلق کثیر۔ وتفقه به زفر بن الهذیل و داؤد الطائی والقاضی ابو یوسف ومحمد بن الحسن واسد بن عمرو الحسن بن زیاد اللؤلؤی ونوح الجامع ومطیع البلخی وعدة۔ وکان تفقه بحماد بن ابی سلیمان وغیره وحدث عنه وکیع ویزید بن هارون وسعد بن الصلت وعبدالرزاق وابو نعیم وبشر کثیر۔ وکان اماماً ورعاً عالماً عاملاً۔ قیل لیزید بن هارون ابو حنیفه افقه ام سفیان؟ قال ابو حنیفه افقه وسفیان احفظ للحدیث، قال ابن المبارک ابو حنیفة افقه الناس۔ قال ابوداؤد ان ابا حنیفة کان اماماً ھ تذکره صـ ۱۵۸ ۱ ببعد۔

قال الامام ابو المحاسن الحنفی سبط ابن حجر الحافظ۔ المتوفی ۸۷۴ھ شذرات۔ تفقه الامام بحماد وغیره حتی برزع فی الفقه والرائ وساد اهل زمانه بلا مدافعة فی علوم شتی یسئل ابن المبارک مالک افقه ام ابو حنیفة قال ابو حنیفة ھ نجوم زاهره ۱۲ ۲ قال یحیٰی بن معین سمعت یحیٰی بن سعید القطان یقول لانکذب کم من شئ حسن قال ابو حنیفة وربما استحسنا الشئ من رایه فاخذنا به، قال یحیی بن معین وکان یحیی بن سعید یذهب فی الفتوی مذهب الکوفیین ھ کتاب الانتقاء از امام المغرب ابو عمر بن عبدالبر صـ ۱۳۲ وقال ابن معین سمعت یحیی القطان یقول والله جالسنا ابا حنیفة وسمعنا منه وکنت والله اذا نظرت الیه عرفت انه یتقی الله ھ جواهر نقلا عن الخطیب صـ ۲۱۲ ۲ وقال علی بن عاصم لو وزن علم ابی حنیفة بعلم اهل زمانه لرجح علیهم۔ وقال حفص بن غیاث کلام ابی حنیفة ارق من الشعر لایعیبه الا جاهل ھ صـ ۱۲ ۲ نجوم زاهره۔ قال عبد ان سمعت ابن المبارک وقد طعن رجل فی مجلسه فی ابی حنیفة فقال له اسکت والله لو رایت ابا حنیفة لرایت عقلاً ونبلاً۔ وعن ابن المبارک مارایت احداً اعقل

من ابی حنیفۃ۔ وکان یقول اذا اجتمع ہذان علی شیئ فتمسک بہ یعنی الثوری وابا حنیفۃ ھ کتاب انتقاء صـ۱۳۲ صـ۱۳۳۔ وقال ابو یوسف سفیان الثوری اکثر متابعۃ لابی حنیفۃ منی ھ کتاب انتقاء صـ۱۲۸ صـ۱۴۶

وقال ابن عبدالبر المالکی (المتوفی ۴۶۳ھ) فی کتاب "الانتقاء" قال ابوداؤد السجستانی ان اباحنیفۃ کان اماماً وان مالکاً کان اماماً وان الشافعی کان اماماً وکلام الائمۃ بعضہم فی بعض یجب ان لا یلتفت الیہ ولا یعرج علیہ فی من صحت امامتہ وعظمت فی العلم غایتہ ھ صـ۳۲ وجواہر صـ۳۰ وقال ابو مقاتل حفص بن سلم کان ابو حنیفۃ امام الدنیا فی زمانہ فقہا وعلماً وورعاً۔ قال وکان ابوحنیفۃ محنۃ یعرف بہ اہل البدع من الجماعۃ ھ کتاب الانتقاء صـ۱۶۷

توثیق امام از شعبہ و ابن معین وعلی بن المدینی وکفی بہم اماماً و فخراً

امام ابن عبدالبر فرماتے ہیں۔ کان شعبۃ بن الحجاج حسن الرای فی ابی حنیفۃ ھ انتقاء صـ۱۲۶۔ وسئل یحیی بن معین عن ابی حنیفۃ فقال، ثقۃ۔ ما سمعت احداً ضعفہ ہذا شعبۃ بن الحجاج یکتب الیہ ان یحدث، ویامرہ۔ وشعبۃ شعبۃ ھ کتاب انتقاء صـ۱۲۷ قال الحافظ عبدالقادر القرشی فی الجواہر صـ۲۹/۱۔ قلت شعبۃ اول من تکلم فی الرجال ھ وقیل لیحیی بن معین یا ابا زکریا ابوحنیفۃ کان یصدق فی الحدیث؟ قال نعم صدوق، وقال ابن عبدالبر قال ابن المدینی ابوحنیفۃ ثقۃ لا باس بہ ھ جواہر صـ۲۹/۱

وقال ابن عبدالبر فی کتاب العلم۔ قال یحیی بن معین اصحابنا یفرطون فی ابی حنیفۃ واصحابہ۔ فقیل لہ اکان ابوحنیفۃ یکذب؟ فقال کان انبل من ذلک ھ صـ۱۴۸/۲۔ وقیل لیحیی بن معین یا ابا زکریا ابوحنیفۃ کان یصدق فی الحدیث؟ قال نعم صدوق، وکان شعبۃ حسن الرای فی ابی حنیفۃ۔ وقال علی بن المدینی ابوحنیفۃ روی عنہ الثوری وابن المبارک ووکیع بن الجراح، وہو ثقۃ لا باس بہ ھ صـ۱۲۹/۲

یہ ہیں تین ائمۂ جرح و تعدیل، جو امام ہمام کے معاصر اور آپ سے صحبت رکھنے والے ہیں۔ ان کی توثیق کے بعد متاخرین اہل حدیث کی جرح ہمارے یہاں "شبہ لاشئی" سے بھی فروتر ہے مثلاً امام بخاری کی سب و شتم اپنی تاریخ صغیر میں (دیکھو کتاب انتقاء صـ ۱۴۹) اور خطیب کی جرح تاریخ بغداد میں، یہ سب رجم بالغیب ہیں۔ ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ تعصب مفرط کی وجہ سے ان متاخرین کی یہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جرح جماعتی جرح یا رقابتی جرح ہے اور بس۔ جس کی توضیح آ رہی ہے۔

نکتہ بدیعہ کوفہ اور مدینہ کے سلسلہ میں اس نکتہ کا لحاظ از حد ضروری ہے کہ ان ہر دو فقہوں کا مرکز اور اصل ایک اور فقط ایک ہے۔ یعنی مذہب عمرؓ و فقہ فاروق اعظم، یہ ہر دو اسی مذہب و فقہ کی شاخیں اور اس کے اجمال کی تفصیل ہیں۔ حکیم الہند شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے "ازالۃ الخفاء" میں مذہب فاروق کو ایک مبسوط رسالہ کی صورت میں جمع کر دیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس رسالہ کی تصحیح اور تخریج کی جائے۔ اور بعدہ اس کو دیدہ زیب صورت سے شائع کرایا جائے اس کے بعد اس کو داخل درس کر کے اس کی تعلیم کو عام کیا جائے۔ اور اس کی تعلیم ایسے علماء کے سپرد کی جائے۔ جو فلسفہ جمع المذاہب میں حاذق ہوں۔ اور طلبہ کو یہ سمجھانے کے اہل ہوں کہ فقہ حجاز اور فقہ عراق مذہب فاروق سے کیونکر نکلی ہیں۔ وہ کیونکر اصل ہے۔ اور یہ کیونکر اس کی فروع ہیں۔ تاکہ اس گئے گزرے وقت میں بھی وہ سماں نظر آنے لگے جس کو جمیل بن معمر عذری نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ؎

كَأَنْ لَمْ تُحَارِبْ يَا بُثَيْنَ لَوَ انَّهَا ۔۔۔ تُكَشَّفُ غُمَّاهَا وَ أَنْتِ صَدِيقُ

ورنہ اب تو یہ حالت ہے جیسے حافظ شیراز بیان کی ہے ؎

جنگِ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ ۔۔۔ چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

(باقی آئندہ)

پنجاب میں اُردو

اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۳۲ء میں میرا ایک مضمون بعنوان بالا شائع ہو چکا ہے۔ وہاں میں نے ایک اُردو نگار پنجابی شاعر اشرف نوشاہی کا مختصر حال درج کیا تھا۔ اور اس کی چند غیر مطبوعہ غزلیں بطور نمونہ دی تھیں۔ اس کے بعد مختلف بیاضوں سے مجھے اس کے مآثر میں سے ذیل کی غزلیں دستیاب ہوئی ہیں۔ جنہیں ناظرین میگزین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور آخر میں خلدی نام ایک شاعر اور دوسرے چند مجہول الاسم اُردو نویسان پنجاب قدیم کا کلام بھی تبرکاً درج کرتا ہوں۔ حاشیے میں پنجابی الفاظ کے معنی اردو میں دیئے گئے ہیں۔

مستزاد اشرف

جب پہر[1] قبا تنگ مرا یار کرم سوں — جاتا ہے چمن میں
غیرت سوں پرے داغ سبھی درد و الم سوں (کذا) لالے لے بدن میں

اس حسن دلگلو سوز کی تعریف نہ ہووے — ہر چند لکھوں میں
کہتا ہوں میں یہ بات تیرے آگے قسم سوں — نہیں کچھ فرق سخن میں

کیا کامل استاد[2] دیا سبق جفا کا — اس شوخ میرے کوں
عاشق کوں پکڑ قتل کرے تیغ عدم سوں — اک رمزنین میں

جب شوخ کمر باندھ چلے بانکی دھج سوں — با لشکر غمزہ
رستم کے بدن[3] لرزہ پڑے تیغ و علم سوں — در گور و کفن میں

اشرف ہمہ شب کرتا ہے یہ نالہ و زاری — در پیش خداوند

---

[1] پہن [2] یعنی استاد نے [3] بدن میں

یا پیر غلام اپنے کوں دیہ[1] لطف و کرم سوں آرام وطن میں

غزل ریختہ

آیا نہیں وہ شوخ نہ جانو کیا سبب ہے چرکیوں لگا ہے اتنا کوئی واسطہ[3] عجب ہے
دن رین ہے یہ جھورا[4] تن کھا گیا وچھوڑا[5] فریاد کر پکاروں پر کار کا ادب ہے
پھیرا نہ یار پایا کیا اس کے دل میں آیا ہن[6] دھوڑ[7] اس چرن کی دلمیں یہی طلب ہے
تم اے صبا لے جائیو میرا پیام لائیو لکھ سیں مجھے بتائیو آون[8] تمہارا کب ہے
وعدہ کیا تھا پرسوں گئے گذر سال برسوں قیامت تلک بھی آؤ یہ بھی قرار[9] جب ہے

اشرف خودی جو ارو (؟) سب دور کر کے ڈارو
پھر آکھ کھول دیکھو سبھی رب رب ہے

غزل ریختہ

بہار آئی ہے اے بلبل چمن میں آشیاں کیجے گلوں کے آونے[10] کی تہنیت و روزبان کیجے
چمن میں جام ہے مے ہے سجن ہے اور ساقی ہے چلو یارو شتابی سیں چمن میں جا مکاں کیجے
نہ کیجو بے وفائی سوں غرور[11] حسن کی ہرگز وفاداری میں ہر لحظہ بہار بے خزاں کیجے
تلی[12] پر لے کھڑا ہوں جان تیرے کے تصدق پر اگر نہیں مانتا مجھ کوں تو آکر امتحاں کیجے

ملامت کا نشانہ ہو رہا اشرف تیرے در پر
نگہ سوں تیر آرش اور ابرو کی کماں کیجے

یہ مطلع غزل بھی اشرف کی تصنیف ہے۔ اس میں اس نے یہ التزام کیا ہے کہ ہر مصرعہ کا ایک حصہ فارسی میں ہے اور باقی حصہ اس کا ترجمہ اردو میں ہے ۔

---

[1] دے [2] دیر [3] سبب [4] فکر۔ تشویش۔ غم
[5] فراق [6] اب [7] دھول غبار [8] آمد۔ آنا [9] اقرار
[10] آنا [11] غرور [12] ہتھیلی

اے دلبر شیریں سخن (میٹھی تمہاری بات ہے) در روز و شب خوانم ترا (یہ ورد دن اور رات ہے)
یک دم گر آئی اے صنم (اک پل میرے دل آئے تو) دارم بتو یک دو سخن (تجھ سے اک دو بات ہے)
دیری مکن زودی بیا (جب آؤ جلد لائیں نہیں) امشب شب قدر است ایں (آج رات کو شب برات ہے)
در شد اندیشہ ہا (شبہے کے گھس گھیر میں) افتاد خصم با خجل (دیری بڑا بذات ہے کذا)

اشرف بگو میرد عدو (کہ تا مرے و تیری مرا)
ہست ایں خبیث بد صفت (دیری بڑا بد ذات ہے)

غزل عرفانی

محبت میں نہیں لایق طریقہ خود نمائی کا خودی کو دور کر دل سوں پھڑو رہ پارسائی کا
جے دل میں دوستی ناہیں زباں کی کیا محبت ہے منافق ہو طریقت میں وسیلہ ہے جدائی کا
جے نہ مطلب ہے ملنے کا تاں بے مطلب ہوا ایہیں غرض مطلب کی ہے مانع تری مطلب روائی کا
مربی کی توجہ بن نہیں مرتا نفس کافر نفس کا تازیانہ ہے یہی ٹکر گدائی کا
تیری اے شیخ گذری عمر ساری بت پرستی میں ..... بتخانہ میں طعنہ بے حیائی کا
عشق میں محو ہونا خوب ہے کیا .... پھرتے ہو نہیں منظور اس رہ میں علم طبع آزمائی کا
جو اسکے غیر عالم میں ہے ہو تو اس سے بیگانہ کہ ہے اس ساتھ بیگانے کے رشتہ آشنائی کا
پڑھے زاہد جو دو گانہ کرے اس رہ سے بیگانہ ہزاروں زہد سے بہتر ہے اک دم بے ریائی کا
لیا بوتہ ریاضت میں یہ سیماب نفس یارو تجھے جے آرزو ہے دل میں کسب کیمیائی کا

کہے اشرف سنبھل کر پار کھو دریائے وحدت میں
نہو مغرور اس دریاء میں علم آشنائی کا

---

۱ طرف ۲ جلدی ۳ دیر نہ لگانا ۴ بیری دشمن
۵ پکڑو ۶،۷ جو۔ اگر ۸ نہیں ۹ تو
۱۰ ٹکڑا ۱۱ ماسوی اللہ ۱۲ جو۔ اگر

غزل

سجن نے رُخ اُوپر وہ زلف پیچا پیچ ڈالی ہے
کہو کیا چاند چودس پر گویا یہ رات کالی ہے

مجھے امید تھی اس ماہ رو سیں کام پاؤں گا
سنجانا تھا یقین کر کے کہ آخر چاند خالی ہے

تیرے بن باغ میں لگتا نہیں دل آشناواں[1] کا
نظر میں چشم نرگس کے یکایک دام جالی ہے

مویاں[2] بھی نام دلبر کا نہیں ہوتا جدا دل سیں
کہ دل کی نخل تاب عشق کے پانی سیں پالی ہے

ہزاراں[3] عاشقاں کوں دیکھ اسکوں جاں بلب آوے
کوئی واقف نہیں جاں کا کہ کس بد سیں نکالی ہے

میں اس زلف مسلسل کوں کیا معلوم راز اپنا
بحمداللہ[4] ہویا واقف کہ یہ قرعہ رسالی ہے

نہیں فہمید جو سمجھو میں ان بڑوں[5] کیاں رمزاں
قصیدہ حسن میں جانا[6] کہ وہ شہ بیت عالی ہے

کہوں ظالم کوں کس مظلوم کا پیتا[7] ہے خوں امروز
کہ آگے سے زیادہ اُن لباں پر خوب لالی ہے

تیری اس خوش ادائی سیں رقیبوں کو نہیں پروا
کہ اشرف عشق تیرے میں دیوانہ لا ابالی ہے

غزل

دیدم شبے در خواب خوش استادہ جاناں یکطرف
فریاد عاشق یکطرف شور رقیباں یکطرف

شاید کہ مسجد میں کہیں اس شوخ کہتی[8] ہے گذر
زاہد تڑپتا یکطرف تسبیح و قرآں یکطرف

ٹھاکر دوارے میں دِکھوے عشق اسکا برقرار
چیلا گوسائیں یکطرف گھنٹی و مالا[9] یکطرف

میخانہ میں جا کر دِکھا اوس خوبرو کا عشق ہے
خم یکطرف مے یکطرف ساقی پریشاں یکطرف

گلزار میں جاو دیکھیا[10] اس گلبدن کے واسطے
بلبل پکارے یکطرف قمری ہے نالاں یکطرف

لالہ کھڑا ہے باغ میں سینہ میں اُنکے داغ ہے
سوسن چنبیلی یکطرف نرگس بھی حیراں یکطرف

مکتب سیں جا کر دیکھیا[11] ہے کس طرح سیں وہ خراب
چفتی ملطفہ یکطرف تختی گلستاں یکطرف

---

[1] آشناؤں [2] مرنے پر * طرح [3] ہزاروں [4] ہوا [5] بڑوں کی رمزیں
[6] جانا [7] پیا ہے [8] کی ہے صحیح معنی کیا ہے [9] مالا [10] دیکھا [11] دیکھا ہے۔

عاشق بچارہ در اوپر گھائل کھڑا ہے سر بسر سر یکطرف پا یکطرف تن یکطرف جاں یکطرف

اشرف سجن کے نام پر ایسا دوانہ[1] ہو رہیا[2]
کاغذ سیاہی یک طرف قینچی قلمداں یکطرف

اشرف

اب پیا بن دیکھو سکھی کیا دکھ مجھے جرنا[3] پڑا ڈونگھا[4] سمندر پریم کا اب باہیلی[5] ترنا پڑا

پیا پیالہ پریم کا جیوڑا نہ رہیا[6] واک میں سر انا الحق بول کر سولی اوپر چڑھنا پڑا

جب سے گیا وہ چھوڑ کے نینن میں نیند آئی نہیں جاؤں سیو گھر آپنے[7] اب بے اجل مرنا پڑا

اب اس پیا کے واسطے جیوڑا کباب اپنا کیا لیلے پیالہ کو[8] پیئے یہ خون مُد کرنا پڑا

دل بھی حوالے کر دیا پر جان بن راضی نہیں یہ سیس اپنا کاٹ کر اس پاؤں پر دھرنا پڑا

چاہ زنخداں دیکھ کے برجا نہ رہیا[10] دل مرا یارو خدا کیواسطے اس پڑ[11] میں پڑنا پڑا

لے ری حیا اب نہ کیا کیا دوس دیجے غیر کوں قابل کا جاؤنا[12] سر اٹھا کھڑنا[13] پڑا (کذا)

جس طرف دیکھوں جائے کے دلبر نظر آتا نہیں اوس ماہ کنعانی صفت جا کھوہ[14] میں جھڑنا پڑا

نہ لیاوے[15] مالن باغ سیں یہ گل چنبیلی کیوڑا مجھ کوں پیا بن چھیج[16] پر جو چخ[17] میں سڑنا پڑا

پوتھی کتاباں[18] دیکھیاں[19] مقصد نہ کچھ حاصل ہوا یہ سبق اوکھا[20] پریم کا آخر مجھے پڑھنا پڑا

اشرف نہ کر یہ گفتگو اب اس پیا کے روبرو
مرشد جو کامل عشق دا[21] دامن ایہو پھڑنا[22] پڑا

---

[1] دیوانہ [2] ہو رہا [3] برداشت کرنا [4] گہرا [5] تیرنا۔
[6] دل قابو میں نہ رہا [7] اپنے [8] کوئی [9] شراب
[10] نہ رہا [11] افتاد [12] اٹھانا [13] لے جانا [14] کنوئیں میں
گرنا پڑنا [15] لاوے [16] سیج [17] جلنا [18] کتابیں [19] دیکھیں
[20] مشکل [21] حرف اضافت کا [22] پکڑنا۔

ذیل کی یہ نا تمام غزل بھی کسی پنجابی شاعر کی تصنیف ہے ؎

مسافر ہو کے رہتا تھا دُنی[1] کا درد سہتا تھا — سارا دن روز کہتا تھا کہ آخر خاک ہو جانا
جہاں[2] گھر پالکی گھوڑے زری زربفت کے جوڑے — اونہاں[3] کو موت نہ چھوڑے کہ آخر خاک ہو جانا
جہاں گھر جھولتے ہاتھی ہزاروں لوک تھے ساتھی — اُنہاں کو کھا گئی ماٹی کہ آخر خاک ہو جانا
جہاں کے لاکھ[4] ہیں پلّے وہ خالی دست ہو چلے[5] — اونہاں جا جنگلیں[6] ملے کہ آخر خاک ہو جانا
جہاں کے باغ میں رستے وچھاندے[7] ریشمی بستے[8] — اوہ بہندے کھلوڑے[9] ہستے کہ آخر خاک ہو جانا
سجن کے وال ہیں کالے ملایاں[10] دودھ سیں پالے — اُپر سب خاک سیں ڈالے کہ آخر خاک ہو جانا
بنا کر کفن کا چولا اٹھا کر لے چلے ڈولا — نہیں ساتھی بجز مولا کہ آخر خاک ہو جانا

یہ دو شعر بھی ایک بیاض میں سے نقل کئے جاتے ہیں۔ غالباً کسی پنجابی شاعر کے ہیں ؎

ارے یار وعجب دیدم کڑاڑی[11] خوب نتھ والی
شنیدم غلغل جھنجر گرفتہ ہاتھ موں تھالی
یکے من نازنین دیدم کہ تھم تھم پیر دھرتی ہے
کمر زنبور سے پتلی وہ آپوں[12] ٹوٹ پڑتی ہے

اس بیاض میں یہ تین شعر بھی درج ہیں۔ مصنف کا نام نہیں دیا گیا۔ لیکن انداز سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی پنجابی بزرگ کی جولانئے طبیعت کا نتیجہ ہیں ؎

چشم کرتی تجھ دیکھن[13] کو زاریاں — رات دن لیتی لہو میں تاریاں[14]

---

[1] دنیا [2] جن کے گھر میں [3] ان کو [4] جن کے قبضے میں لاکھوں روپے تھے [5] چلے [6] جنگلوں میں جا بسیرا کیا [7] بچھاتے [8] بستر [9] وہ زمین پر بیٹھے [10] بالائیوں [11] ہندو عورت [12] خود بخود [13] تیرے دیکھنے کو [14] تیرنا سے حال صد

مسکرا کر مجھ کو رونا زار زار اور نان[1] کو جا کرے دلداریاں
وعدہ کر کر بے وفا ہوتا صنم اس طرح ہرگز نہ ہوتیاں[2] یاریاں

پروفیسر شیرانی نے "پنجاب میں اردو" کے صفحہ ۱۲۷ پر امیر خسرو کی طرف منسوب کی ہوئی ایک غزل بحوالۂ بیاض پروفیسر سراج الدین آذر درج کی ہے۔ مجھے اس سے ملتی جلتی ایک اور غزل امیر خسرو کے نام پر ملی ہے وہ بھی درج کرتا ہوں ؎

نقد دلم دزدیدۂ صندوق سینہ پھوڑ کر پکڑوں قیامت میں تجھے آگے خدا کے چور کر
غرہ مشو بر حسن خود دن پانچ دس مہمان ہے محبوب یوسف سے گئے وہ زیب و خوبی چھوڑ کر
میرا جو تم نے من لیا تم نے جو مے غم کو دیا غم نے مجھے ایسا کیا جیسا پتنگا شمع پر
از بہر تو دیوانہ ام آوارہ گشتہ خانہ ام یہ دوست کیا انصاف ہے ہنسنا ہمیں منہ موڑ کر
خسرو کے باتاں عجب دلبر بناوے اک قدر قدرت خدا کی یہ عجب میں جی دیا پر لے کر

تیسرا اور آخری شعر جس میں شاعر کا تخلص ہے۔ پروفیسر صاحب کے ہاں موجود ہیں۔ اور یہ دونوں شعر ردیف و قافیے کے لحاظ سے باقی تین اشعار سے مختلف ہیں۔

عبدالرحمٰن خلدی کی ایک غزل پروفیسر شیرانی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰۷ پر درج کی ہے اور اس کی دو غزلیں میں اپنے محولہ بالا مضمون میں دے چکا ہوں۔ اس کے بعد مجھے ایک بیاض سے خلدی کی یہ ایک اور اردو غزل ملی ہے۔ جو اس نے ولی کے تتبع میں لکھی تھی ؎

آجدائی نگر خدا سیں ڈر غم فزائی نہ کر خدا سیں ڈر

---

[1] اوروں کو [2] ہوتیں

آگ برہوں کی آگ ہی ہے تمیز (کذا)　　اب ہوائی نہ کر خدا سیں ڈر
دلبری دلبراں کوں لایق ہے　　جاں ربائی نہ کر خدا سیں ڈر
تیرے سادے وہ نیں خونی ہیں　　سرمہ سائی نہ کر خدا سیں ڈر
منہ در آیا نہ بول عاشق کوں　　ژاژ خائی نہ کر خدا سیں ڈر
ہیچ غمزہ کو قتل کر جاوے　　اب دہائی نہ کر خدا سیں ڈر

سُن وؔلی کا سوال خلدی گفت
"بیوفائی نہ کر خدا سیں ڈر"

فضل حق

مرقّع دارا شکوہ اور اُس کا مقدّمہ

ذیل کا مضمون ہمارے عنایت فرما مسٹر محمد عبداللہ صاحب چغتائی نے پیرس سے بھیجا ہے۔ مضمون اُن کے خاص "جنّاتی" خط میں لکھا ہُوا ہے۔ اور وہ مصر ہیں کہ اس کو ضرور شائع کیا جائے۔ مکرمی حافظ محمود شیرانی صاحب نے توجہ فرما کر اس کی تصحیح میں کوشش کی ہے۔ مگر نتیجہ انہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے:۔

"قدم قدم پر صاحبِ مضمون کی بدحواسی عیاں ہے۔ کتبوں اور تصاویر کی فہرست ہی اوّل تو نامکمل دی ہے۔ اور بیان بہت کچھ تشنہ ہے۔ دوسرے دارا شکوہ کا دیباچہ اس سے بھی بدتر حالت میں ہے۔ چغتائی صاحب کے جنّی خط کے پڑھنے میں خاصہ کاوش سے کام لیا گیا ہے۔ مگر پھر بھی بیں عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ آپ خود دیکھ لیں مجھے جگہ جگہ استفہامیہ سے کام لینا پڑا ہے۔ آخری اشعار کو بصورت نثر لکھا ہے۔ دیباچہ کی عبارت کئی جگہ سے غیر مربوط ہے جس میں ربط پیدا کرنا میرے بس کا روگ نہیں۔ چغتائی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اسے نگارستان منیر کے خاتمہ سے نقل کیا ہے۔ لیکن مجھے منیر کی کوئی تصنیف جو نگارستان کہلاتی ہو معلوم نہیں۔ کارستان منیر میرے پاس ہے مگر اس میں یہ دیباچہ موجود نہیں اور نہ وہاں کوئی اس کا موقعہ ہے۔ ممکن ہے کہ منیر کی انشا میں ہو۔ میں نے تو نگار نامہ بھی اُٹھا کر دیکھ لیا۔ اس میں صرف خطوط ہیں اور کچھ نہیں۔"

ان حالات میں مضمون سے پورا فائدہ اٹھایا نہیں جا سکتا۔ تاہم چغتائی صاحب کی محنت کو سرتا سر ضائع کر دینا بھی مناسب معلوم نہ ہوا۔ اس لئے

اس کو ذیل میں شائع کیا جاتا ہے:-

"ایڈیٹر"

یہ بات[1] ہر شخص جانتا ہے کہ شہزادہ دارا شکوہ ایک عمدہ شاعر اور خوشنویس ہونے کے علاوہ بے شمار کتب تصوف کا مصنف تھا۔ اس نے اپنے زمانۂ شہزادگی میں علوم و فنون کی طرف بھی خاصی توجہ دی تھی۔ اس کے بے شمار ثبوت کیا بلکہ نمونے ملتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس کے دیوان کا ایک نسخہ جو کسی قدر نامکمل ہے آگرہ میں محترم سید ظفر الحسین خان بہادر کے پاس دیکھا۔ شہزادہ دارا شکوہ قادری تخلص کرتا تھا۔ جو بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کلام کے اعتبار سے یہ نسخہ واقعی لاجواب ہے۔ اسی طرح تلاش سے اس کے متعلق دیگر علمی چیزیں بھی دیکھنے میں آئیں۔ چنانچہ قیام لندن کے زمانہ میں مجھے انڈیا آفس کے کتب خانہ میں اس کے مملوکہ ایک مرقع تصاویر کے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور حیران ہوا کہ یہ بیش بہا خزانہ جو مغلی عہد کی تصویر کشی کا ایک نہایت اعلیٰ نمونہ ہے یہاں موجود ہے۔ اگرچہ سابق میں اس سے متعلق مفصلاً قبلہ پروفیسر شیرانی سے سن چکا تھا اور دیکھنے کا اشتیاق تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ میری یہ آرزو پوری ہوئی۔ میں اس کی ایک مختصر سی کیفیت ذیل میں درج کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ میری یہ سعی علمی کام کرنے والوں کے لئے مفید ثابت ہوگی:-

مرقع دارا شکوہ

پہلے صفحہ پر سید علی الحسینی کتابدار حضرت خلد آشیان اورنگ زیب عالمگیر کی مہر ہے۔ جس کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

"سید علی الحسینی مرید بادشاہ عالمگیر ۱۰۶۹ھ"

---

[1] میں اس مضمون کو بہت پھیلا کر لکھنا چاہتا تھا۔ مگر سردست دیگر مصروفیتوں کی وجہ سے صرف ایک فہرست پر اکتفا کرتا ہوں ع ہے یہ مشل کہ پھول نہیں پنکھڑی سہی۔

صفحہ ۲ پر جو عبارت ہے سنہری زمین پر مرقوم ہونے کی وجہ سے اس کی سیاہی ماند پڑ چکی ہے اور پڑھی نہیں جاتی۔ مگر یہ بے ربط الفاظ پڑھے جاتے ہیں:۔

ایں مرقع نفیس پاس (؟) ھمدم و ھمراز ..... خاص

نادرہ بیگم داد"

"محمد دارا شکوہ ابن شاہ جہان بادشاہ غازی ۱۰۵۱ھ"

یہ تو ہر شخص کو معلوم ہے کہ نادرہ بیگم دارا شکوہ کی بیوی کا نام تھا۔ عبارت بالا سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ مرقع ہذا شہزادہ موصوف نے اپنی بیوی کو ہدیہ میں دیا تھا۔ اور دارا شکوہ نے خود اس پر یہ عبارت اپنے ہاتھ سے لکھی ہے۔

مرقع ہذا کا ہر ورق پہلے صفحہ پر تصویر اور دوسرے صفحہ پر اساتذہ کی خطاطی کے نمونہ کا حامل ہے۔ میں یہاں صرف وہی عبارت نقل کرتا ہوں جو ان اساتذہ نے اپنا العبد لکھتے وقت رقم کی ہے:۔

ع ۲ نمونہ کتابت محمد صالح قدیمی۔

ع ۲۰/۲ "العبد علی کاتب"

ع ۲۱/۱ "الفقیر المذنب میر علی الکاتب"

ع ۲۱/۲ ایک ایرانی نوجوان کی تصویر ہے۔ جام بھر رہا ہے۔ تصویر ہذا پر درج ہے "عمل محمد خاں مصور ۱۰۴۳ھ"۔

ع ۲۱/۱ نہایت عمدہ تصویر ہے۔ جو ایرانی مصوری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

ع ۲۷/۱ "الفقیر عبدالمعین ۱۰۱۸ھ"

ع ۲۸/۱ فقیر عبدالرحیم عنبریں قلم"

ع ۲۹/۱ "کتبہ العبد محمد حسین زریں قلم جہانگیر شاہی۔

ع ۳۷/۱ ایک مغل تصویر نہایت عمدہ ہے۔ کوئی شہزادہ کسی درویش کے پاس بیٹھا ہے۔

ع۳۹/۱ نمونہ کتابت از سلطان محمد خنداں

ع۳۸/۲ "محمود بن اسحاق شہابی"

ع۴۰/۲ "نمونہ کتابت فقیر محمد الکشمیری"

ع۴۱/۲ و ع۴۱/۱ پودوں کی نہایت عمدہ تصویریں۔

ع۴۸/۱ کسی امیر کی تصویر ہے۔ اور ہر دو طرف فقیر علی و میر علی لکھا ہے۔

ع۵۸/۲ وصایای اردشیر بابکان۔

ع۶۰/۹ نمونہ کتابت شاہ محمود کاتب۔

ع۶۲/۲ کتبہ زین الدین محمود" یہ سبز سیاہی میں لکھا ہے۔

ع۶۳/۲ "فقیر محمد حسین زرین قلم اکبر شاہی"

ع۶۱/۲ و ع۶۲/۱ پرندوں کی بہت عمدہ تصاویر ہیں۔

ع۶۴/۱ "فرنگی عورت کی تصویر ہے جو کسی دوسرے فرنگی سے ملاقات کر رہی ہے"

ع۶۷/۱ مشقہ سلطان محمد نور تجاوز اللہ عنہ" کتابت سفید سیاہی میں سیاہ زمین پر ہے اور نام گلابی رنگ میں ہے۔

اخیر میں پھر سید علی الحسینی کی مہر ہے

یہ دستور رہا ہے کہ ایسے مرقعوں کے مقدمے لکھے جاتے تھے۔ چنانچہ مجھے تین چار مقدموں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان ہی سے ایک وہ ہے جو دارا شکوہ نے خود اپنی عبارت میں تحریر کرایا اور مجھے نگارستان منیر کے نسخہ کتب خانہ ملی پاریس میں دستیاب ہوا اس لئے میں مرقع دارا شکوہ کی مختصر کیفیت مندرجہ بالا کے ساتھ اس کا درج کرنا بھی یہاں مناسب سمجھتا ہوں۔

(۱) دیباچہ مرقع کہ از زبانی دارا شکوہ رقم زدہ (ورق ۱۰۶)

---

۱ یہ دیباچہ کتب خانہ ملی پاریس ۱۰۶/۲ سے نقل کیا گیا ہے اس کے دو اور نسخے دیکھنے میں آئے۔ مگر وہ اتنے صاف نہ تھے۔ اگرچہ یہ بھی کوئی معدہ نہیں لکھا ہوا۔ ایک نسخہ بوڈلین اوکسفورڈ میں اور ایک نسخہ کتبخانہ مولوی عبدالحق صاحب اورنگ آباد میں دیکھا تھا۔ اور یہ نگارستان منیر کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

حمدی کہ قلم از تحریر آن قاصر است و خیال از تصویر آن عاجز برآرندۂ خط نو خطان و نگارندۂ صورت بتان راکہ اوستاد قدرتش ورق آفتاب را بجدول طلا می طراز د۔ نقاش منقشِ نیمرخ ماہ را مستقبل میساز د زمینیان در ہر قطعہ زمین او را میخوانند و آسمانیان ہر صورت نامش بر زبان میسرایند۔ مثنوی

نقش بند صحیفۂ گلزار چہرہ پرداز شاہدان نگار
شدہ از صنع کلک اوجاوید خط روی بتان خط خورشید
معنی آسا بصورتش کار است زان بہر صورتے نمودار است
قلم قدرتش نہد ز حباب نقطۂ آبدار بر خط آب
گشتہ از وی جہان نمود پذیر چون زنقاش مجلس تصویر

درود ی کہ از زبان قلم بیرون ترا د دو در صحیفۂ دل نقش پذیرد اولین حرف دیباچہ شہ ارد؟ و آخرین نقش کارنامہ وجہ؟ راکہ بقلم بتان خطے بہر صفحہ قمر کشید و قمر را بصورت دو پیکر گردانید ؎

محمد آن شبیہ ایزد پاک کزد صورت گرفتہ کار افلاک
بود ممتاز اجسام و جواہر کہ از وی صورت حق گشتہ ظاہر

د ہزاران ثنا بر چہار یار او باد کہ چہار لوح مرقع خلافت اند و چہار چمن حدیقہ شرافت و بر جمیع پیروان او کہ سر بر خط فرمانش نہادہ اند و نقش ایمانش را در دل جای دارند خصوصاً چہرہ پرداز صور الہام خط شناس صحیفہ ایام آئینہ نگارین مرقع انداختہ رمح خطی قلم را سرکردہ ام و قلمرو خط را بدست آوردہ ام خط شناسان ہفت اقلیم یکقلم سر بر خط نہادہ اند و خوش نویسان روی زمین در ہشتم پشت است بر زمین گذاشتہ اند دست اوستادان این فن را بربستہ ام و ازین دست کار دست بستہ کردہ ام این کارنامہ را از خط؟ آبدار خود زینت دادہ ام و این روشن چمن را از رشحات کلک خویش طراوت بخشیدم۔

بنام ایزد عجب کارنامه که صحبت خطش با تصویر خوش بر آمده نقش تصویرش با خط درست نشسته خطش دائره نوازاست و تصویرش صورت و معنیٔ است زهی بادشاه گیتی ستان که قلمرو هندوستان از فیض لطفش بهره یابست و خهی شاهنشاه والامکان که خط جینش سرمشق آفتابست شبیهش را صورت تاجداران بر سر گذاشته و صورتش را آئینه ضمیران در دل نگاشته اند کار شرع از وصورت گرفته و نقش و نگار اسلام از و درستی پذیرفته سرمشق نویس عدالت است و صورت نگار جلالت سرلوح صحیفه اقبال است و منشأ صورت اجلال

قطعه

صاحبقران ثانی شاه جهان اوّل — آن شه که صورت دین گشته از و مکمل
صاحبقران اوّل چون او نبود آری — نقاش نقش ثانی بهتر کشد ز اوّل

و بعده منکه دارا شکوه ابن شاه جهانم روزگاریست که بدستیاری قلم خطه خط را آباد ساخته ام و طرح این بدعوی حسن خطی بر آورده و بر خطش از روی لطافت صورتے پیدا کرده از شرم قطعه اش قطعه سخن رنگ باخته قطعه فردوس بے آب شد؛ از خجالت خطش خط آب ترگشته و خط آفتاب از درجه اعتبار افتاده تصویرش چون عزیمت گران در خط نشسته و خطش چون صورت پرستان دل بصورتے بزبان حال اسم بامسمی خوانده حسن تصویرش از حسن محبوبانش (کذا) است و نقطهٔ خطش با خال خوبان خویش پیوند

قطعه

بلطف ایزد پاک این مرقع رنگین — زسعی خامهٔ من یافت صورت اتمام
نگه زفیض تماشای او شود سرمست — ازانکه هست خطش نشانجش چون خط جام
بحسن صورت زانگونه دلفریب بود — که در خطند زشرمش بتان سیم اندام
ازان بخطش دارند چشم اهل نظر — که چشم انجم روشن شود زسرمهٔ شام

خطش چو خط رخ ماہ طلعتان زیباست همیشه باد از و زیب صفحهٔ ایام

سیه جردگان سواد سخن که از نهانخانهٔ دل بدر دوات ؟ لب رسیده اند و از کوچهٔ قلم بفضای صفحه خرامیده بدست کاتب سیه کار گرفتار شده اند که چون او غلط نویسی درین جز و زمان در هیچ قلمرو نیست و به بهانهٔ تقطیع بعضے را پاره پاره ساخته و تقریب درَن؛ برخی را بر سنگ زده از جهل مرکب یکقلم غلط مینویسد و در سهو القلم هیچ خط (خطائی) نمیکند سخن از جور خطش جامهٔ کاغذ پوشیده و صفحه از سرزنش کلکش روی خود خراشیده خطش قابل ریخت بلکه شائسته تراشیده میخواستم که دست آن سیه کار را قلم کنم تا قلم بر ورقِ زندگانی نوخطان نکشد - اما چکنم که قلم رفته را علاجی نیست

خوشنویسی بیت نظمم را نوشته آنچنان کز دل اهل تماشا گرد کلفت رفته است

اندران خط یک الف افزائست آراستے ؟ راست گوئی در چمن رعنا نهالے خفته است

میکشاید مدعی بر من زبان اعتراض کین الف را شاعر کج طبع چون کج گفته است (۱)

محمد عبد الله چغتائی

---

(۱) اس نظم پر یہ نسخہ ختم ہوتا ہے اور خاتمہ پر یوں لکھا ہے :- "تحریراً فی التاریخ پنجم شہر صفر المظفر بوقت عصر روز جمعہ ۱۱۴۱ھ بفضل خدای عزّ وجل باتمام رسید"

تنقید و تبصرہ

طب العرب نمبر

آج سے سترہ اٹھارہ برس قبل انگلستان کے مشہور مستشرق پروفیسر براؤن نے عربی طب (اربین میڈیسن) کے موضوع پر کالج آف فزیشن میں چار مقالے پڑھے تھے۔ جو ۱۹۲۱ء میں کیمبرج یونیورسٹی پریس سے شائع ہو چکے ہیں۔

پروفیسر براؤن اپنی محنت و کاوش، تحقیق اور دقت نظر کی وجہ سے مستشرقین میں بہت بلند درجہ رکھتے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے اپنے ان چار خطبات سے عربی علم الطب پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ لیکچر نہایت تحقیق و تفحص سے تیار کئے گئے تھے۔ علمی دنیا میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے گئے۔ اور کئی زبانوں میں ان گراں منفعت خطبات کے تراجم شائع ہوئے۔ چنانچہ فرانسیسی ترجمہ ۱۹۳۳ء میں پیرس میں طبع ہوا۔ اس بات کی اشد ضرورت تھی۔ کہ ان لیکچروں کو اردو میں منتقل کیا جائے۔

حکیم نیر واسطی صاحب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود اس اہم ضرورت کی طرف توجہ فرمائی۔ اور پروفیسر براؤن کے پہلے لیکچر کو اردو کا جامہ پہنا کر رسالہ "شمس الاطباء جڑی بوٹی" کے خاص نمبر طب العرب میں شایع کیا۔ حکیم صاحب نے محض

ترجمہ ہی پیش نہیں کیا، بلکہ بعض جگہ فاضل مستشرق سے اختلاف کیا ہے۔ اور حواشی اور معلومات کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔ حکیم صاحب کے استدلال یا نتائج سے ہر مقام پر اتفاق نہیں کیا جا سکتا تاہم ان کی سعی مستحسن ضرور ہے۔

جہاں تک افادیت کا تعلق ہے۔ مضمون بہت مفید اور قابلِ قدر ہے۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں ابھی تک طباعت و صحت کی جانب بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ اچھی خاصی علمی اور ادبی چیزوں کو طباعت اور کاغذ کے نقص کی وجہ سے بالکل بے قیمت بنا دیا جاتا ہے۔ اس گراں منفعت رسالے کو بھی ردی کاغذ، کتابت اور طباعت نے ایک بازاری ناول کی حیثیت سے بڑھنے نہیں دیا۔ اس کے علاوہ صحت کے معاملے میں بھی نہایت بے پرواہی برتی گئی ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ جب یہ سلسلہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے تو کتابی صورت میں شائع کرنے سے پہلے مندرجۂ ذیل اغلاط کی صحت کر لی جائے گی۔ ان سے بعض تو ایسی ہیں جو سہو کاتب کا نتیجہ ہیں:-

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱	نیچے سے چھ	اذخر تک	اذخر تک
۱۲	۶	عصائہ	عصائہٗ
۱۹	۱۵	ابن ابی صیبعہ	ابن ابی اصیبعۃ
۱۹	۱۶	سنہ ۱۶۸۵ء	سنہ ۱۶۵۸ء
۲۲	۳	نشاہ	نشاد
۲۲	۱۸	سنہ ۶۸۷ء	سنہ ۹۸۷ء
۶۴	۴	سنہ ۲۳۶ء	سنہ ۲۲۶ء

مستشرقین کے نام زیادہ احتیاط اور صحت کے محتاج ہیں ص۱۹ پر براکلمن کو براکلمین اور وُسٹن فیلت کو دوسٹن فیلڈ، اور ص۵۲ پر فان کریمر کو وان کریمر لکھنا پسند کیا گیا ہے۔ جو قرین صحت نہیں۔

ترجمہ بحیثیت مجموعی قابلِ قدر ہے۔ مگر بعض جگہ مفہوم و ترجمہ اصل الفاظ سے ذرا دور ہو گیا ہے۔ مثلاً ص۱۲ سطر ۲۱ سوشل کا ترجمہ "تمدنی" ضرور ناپسندیدہ ہے۔ اسی طرح ص۲۲ حاشیہ Edited کا ترجمہ "مطبوعہ" صحیح نہیں۔

ص۲۳ سطر اول پر یوں مرقوم ہے: اُن میں آج ہزاروں میں صرف ایک باقی رہ گئی ہے۔ اور وہ بھی نہایت خراب و خستہ حالت میں" حالانکہ اصل الفاظ ہیں:

"Of the books there enumerated it would be hardly an exaggeration to say that not one in a thousand now exists even in a most fragmentary form."

اصل انگریزی عبارت کو پڑھ جائیے، دونوں عبارتوں کا فرق آپ پر نمایاں ہو جائیگا۔ ص۲۵ کے حاشیہ میں Ibid (جیسا کہ انگریزی لیکچروں میں ہے) لکھ دیا ہے۔ بہتر ہوتا کہ اس جگہ ایضاً پسند کیا جاتا۔

ص۴۶ سطر ۹ Cupping حجامت (سینگی لگانا) ہے

ص۵۹ سطر ۸ Antioch کا ترجمہ انطاکیہ ہونا چاہئے تھا۔ "اندیو" غیر مناسب ہے۔

ص۶۱ سطر ۱۱ حوالہ اربین میڈیسن" کا دینا چاہتے ہیں۔ مگر صفحہ و سطر پیش نظر رسالہ کا تحریر کیا گیا ہے۔

صـ۶۱ سطر ۲ نیچے سے، ایڈیسہ (Edessa) کی بجائے رُھا لکھنا زیادہ مناسب تھا
صـ۶۵ حاشیہ نولڈیک کی بجائے نلڈ کے چاہیئے۔
صـ۶۷ پر حرانی بکسر الحاء صحیح نہیں۔ بفتح الحاء چاہیئے۔

(عبد القیوم)

علیگڈھ کالج میگزین

ہمارے مخدوم جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب بالقاؔ نے جب سے مسلم یونیورسٹی کی زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ جہاں یونیورسٹی کے دوسرے شعبوں میں اصلاح و ترقی نظر آتی ہے۔ وہاں ایک خاص بات یہ دیکھنے میں آرہی ہے۔ کہ یونیورسٹی سے متعلقہ رسائل و اخبارات بھی نئی نئی خصوصیات کے حامل ہو رہے ہیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر "علی گڑھ میگزین" بابت جنوری ۱۹۳۷ء ہے جس کے مضمون نگاروں میں طلبہ یونیورسٹی کے علاوہ بعض نامور اساتذہ کے نام بھی شامل ہیں علی گڑھ میگزین کا مقصد جیسا کہ جناب ایڈیٹر نے اپنے تمہیدی شذرات میں تصریح فرمائی ہے۔ یہ ہے کہ وہ یونیورسٹی کے طلبہ میں ایک زندگی پیدا کر دے اور ان کے جمود و سکوت کو دور کر کے ان میں علم و عمل کی روح پھونک دے۔ اس میگزین کا معیار اچھا خاصہ بلند ہے۔ اور جیسا کہ ایک یونیورسٹی میگزین کو ہونا چاہیئے۔ اس کے مضامین میں تحقیق و تدقیق اور ادب لطیف دونوں شامل ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کے مطالعہ سے اعلیٰ درجہ کے تحقیق پسند اور "ٹیگوری اردو" کے شایقین ہر دو کو بہت حد تک مایوسی ہوگی۔ لیکن یہ حقیقت واضح ہے کہ ہمارا صحیح نصب العین یہی ہونا چاہیئے کہ ہم ان دونوں راہوں کے درمیان ایک تیسری راہ کی تلاش کریں۔ جہاں ادب و انشا کے ساتھ مضامین کی افادی اور علمی حیثیت کو بھی برقرار رکھا جا سکے۔

تحقیقی مضامین یہ ہیں :-

۱- دہلی کی اولین ترکی سلطنت - از جناب عزیز احمد صاحب ایم اے - ریسرچ سکالر -

۲- لسانیات - از جناب ابواللیث صاحب صدیقی متعلم بی اے (آنرز)

۳- صوبہ بہار میں اردو کی پہلی تصنیف - از ایڈیٹر

۴- مکتب - جناب مولانا احسن مارہروی -

ان ہر چار مضامین کا پایہ تحقیق اچھا خاصہ ہے - تاہم باادب گذارش کی جاسکتی ہے - کہ جناب عزیز احمد صاحب ایم اے کے مضمون میں زبان کی خامیوں کے علاوہ اسلوب بیان میں بہت سی الجھنیں ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے - کہ فاضل مقالہ نگار نے اصلی کتابوں کو دیکھنے کی بجائے غالباً ایلیٹ وغیرہ کے ترجموں کے مطالعہ تک اپنے آپ کو محدود رکھا ہے - چنانچہ بعض جگہ عجیب و غریب سہو ہوا ہے - مثلاً یاقوت کو "یعقوت" اور ابن بطوطہ کو "ابن بطونہ" لکھا ہے ص ۴ پر سلطان قطب الدین ایبک کو سخت دل بے رحم اور ظالم قرار دیا ہے - حالانکہ یہ تمام تاریخی واقعات کے خلاف ہے - اور زمانے کی سپرٹ اور ذہنیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا نتیجہ کسی حالت میں نہیں نکالا جاسکتا -

مولانا احسن صاحب مارہروی نے مکتب کے متعلق جو دلچسپ مقالہ لکھا ہے - اس میں نصاب پر جامعیت کے ساتھ بحث نہیں کی گئی -

ادبی اور مزاحی مضامین میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کا مضمون ملاح حسب معمول دلچسپ ہے -

میگزین کی کتابت اور طباعت عمدہ اور دیدہ زیب ہے - اور کاغذ نفیس باہتمام قاضی شریف الحسن بلگرامی ڈسٹرکٹ گزٹ پریس علی گڑھ میں طبع ہوا (س م ع)

مجلۂ عثمانیہ | جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد (دکن) کا سہ ماہی رسالہ ہے جس میں شمارہ ۳ و ۴ شامل ہیں۔ اردو حصّہ ۳۱۶ اور انگریزی ۲۴۱ صفحات کو محیط ہے۔ اردو حصّے میں تاریخ، سیاسیات، معاشیات و عمرانیات، فلسفہ، تحقیقی مقالات، حسن کاری، اور ادبیات کے مختلف شعبوں کے متعلق بہت اچھے مضامین نظر آتے ہیں۔ جو جامعہ کے نئے پرانے طلبہ کے علاوہ اساتذہ کے قلم کا بھی نتیجہ ہیں۔ رسالہ اپنی ظاہری خوبیوں کے لحاظ سے قابل داد ہے بلکہ اُردو کے بہت سے عام ادبی رسالوں سے زیادہ شاندار ہے۔ معنوی اعتبار سے بھی اس کے مضامین کا بیشتر حصّہ لکھنے والوں کی محنت و جانفشانی کی داد کا طلبگار ہے ہم جامعہ عثمانیہ کے طلبہ اور خصوصاً مجلہ کے مدیر سکندر علی وجد اور صاحبزادہ میکش کو ان کی خوش مذاقی اور ادبی ذہانت پر مبارکباد دیتے ہیں۔

مجلہ کا چندہ ۷ روپیہ ہے اور دفتر مجلہ عثمانیہ۔ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن سے طلب کیا جا سکتا ہے۔

مجلّہ عثمانیہ کا جشن سیمین نمبر۔ مذکورہ بالا رسالہ کا جشن سیمین نمبر بھی اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ یہ رسالہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک اردو اور دوسرا انگریزی۔ اردو حصّہ ۲۱۰ صفحات پر مشتمل ہے اور انگریزی ۱۰۲ صفحات پر۔ حضور نظام شاہی خاندان کے افراد اور اعیان مملکت آصفیہ کی ایک درجن سے زائد تصاویر بھی زینت رسالہ ہیں۔

رسالہ محنت اور قابلیت سے مرتب کیا گیا ہے۔ فاضل مضمون نگاروں نے حیدرآباد کے متعلق بہترین معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ اور بہت سی مفید چیزوں کو یکجا جمع کر دیا ہے۔ جو بعض اوقات بڑی وقت اور تلاش سے بھی بمشکل ملتی ہیں۔ حضور نظام کا کلام ملوک الکلام کی حیثیت سے زینت رسالہ ہے۔

حصہ اُردو کے بعض مضامین مثلاً حیدرآباد کی تعلیم اور اردو، عہد عثمانی میں حیدرآباد کی اُردو مطبوعات، عہد عثمانی میں علوم عربیہ کی خدمات، حیدرآباد میں جدید علمی اور ادبی تحریکات، حیدرآباد میں فن مرغ بانی کی ترقی، حیدرآباد میں دیہی تنظیم، حیدرآباد میں زرعی وسائل، نظام ساگر وغیرہ قابل ذکر ہیں

انگریزی حصے میں بھی بعض مضامین قابل دلچسپ ہیں۔ جن میں حیدرآباد میں اخبار نویسی، مرہٹی ادب پر ایک نظر اور حیدرآباد میں تحریک امداد باہمی خاص طور پر پُراز معلومات ہیں۔

سالانہ چندہ ۶ روپے۔ فی پرچہ ۲ روپیہ

ظاہری زیب و زینت خاصی اور تصاویر عمدہ، کتابت وطباعت نفیس۔

ساربان غلام احمد خاں بی۔ اے کی ادارت میں ہر ماہ لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ اسمیں زیادہ تر سیاسی معاشرتی اور اقتصادی معاملات کے بارے میں مضامین لکھے جاتے ہیں۔ جو اردو کے دوسرے رسالوں کی ہم رنگی کو دیکھتے ہوئے بہت غنیمت ہیں۔ کاغذ اور کتابت وطباعت معمولی ہے چندہ سالانہ تین روپے۔ منیجر ساربان "کشمیر بلڈنگ لاہور سے طلب کریں"

ادبی دنیا کا سالنامہ ۱۹۳۷ء ادبی دنیا منصور احمد صاحب کی ادارت میں لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ زیر نظر نمبر اس کا سالنامہ ہے، اور ۲۳۶ صفحات کو محیط ہے مضامین میں زیادہ تر ڈرامے افسانے اور نظمیں نظر آتی ہیں۔ نظم کا حصہ بہت زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ متعدد تصاویر بھی دی گئی ہیں۔ قیمت رسالے پر درج نہیں۔

ملنے کا پتہ:۔ منیجر رسالہ "ادبی دنیا" لاہور

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۳ - عدد ۴ | بابت ماہ اگست ۱۹۳۷ء | عدد مسلسل ۵۰

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	جہاں آرا بیگم کی ایک غیر معروف تصنیف	پروفیسر محمد ابراہیم ایم - اے گجرات کالج احمد آباد	۳
۲	انیسویں صدی کا ایک مفکر اور مصنف	سید محمد عبداللہ ایم - اے - ڈی - لٹ	۲۰
۳	فرخی سیستانی	سید اولاد حسین صاحب شاداں بلگرامی	۳۲
۴	دیارِ عرب کے مغربی سیاح	ڈاکٹر عنایت اللہ ایم اے پی - ایچ - ڈی	۴۲
۵	پرتھی راج راسا	حافظ محمود شیرانی	۴۹
۶	سندھ کے بعض کتبے	ایڈیٹر	۷۳
۷	خطاطی کے نمونے	"	۱۱۰
۸	فہرست اسماء شعرا جنکے اشعار لسان العرب میں بطور شواہد درج ہوئے ہیں)	مولوی عبدالقیوم ایم - اے	۱۱۳ تا ۳۲

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تا حد امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت۔ عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا۔ اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائینگے۔

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے۔ حصہ اوّل عربی فارسی پنجابی بحروف فارسی۔ حصہ دوم سنسکرت ہندی پنجابی بحروف گورمکھی۔ ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے۔

وقت اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر فروری مئی اگست[1] میں شائع ہوگا۔

قیمت اشتراک سالانہ چندہ حصہ اردو کیلئے ۲ عہ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کالج کیوقت وصول ہوگا۔

کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شائع ہونیکی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکیگا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری و مئی و ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہئے۔

خط و کتابت و ترسیل زر خریدار رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہئے مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں

محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے۔

قلم تحریر حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے۔

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے۔

جہان آرا بیگم کی ایک غیر معروف تصنیف

صاحبیہ

جہان آرا بیگم کا شمار ان تیموری بیگمات میں سے ہے جنہوں نے علم و فن کی سرپرستی و قدر دانی میں امتیاز حاصل کیا ہے۔ اس کی گوناگون خوبیوں کا ذکر "بادشاہ نامہ" اور "عمل صالح" کے صفحات پر جا بجا موجود ہے۔ وہ ان خوش نصیب مغل شاہزادیوں میں سے ہے جنہیں صاحب تصنیف کہا جا سکتا ہے۔ بچپن سے ہی اس کا طبعی میلان اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے مقدس گروہ کی طرف تھا۔ اور اسی میلان نے آہستہ آہستہ اس کے بھائی داراشکوہ کے اثر سے ایک غیر فانی شوق کی صورت اختیار کر لی تھی۔ یہی فطری ذوق اس بات کا محرک ہوا کہ جہان آرا نے بزرگان دین کے سوانح و حالات کو اپنی تصنیفات کے لئے منتخب کیا۔ اس کی سب سے زیادہ مشہور تصنیف مونس الارواح[1] ہے جس میں اس نے حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات لکھے ہیں۔ لیکن آج میں اس کی ایک دوسری تصنیف کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ جو ابھی تک گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی ہے اور جسے بیگم نے مونس الارواح کی تالیف سے دو سال پہلے لکھا تھا۔

جہان آرا کی اس گمنام تالیف کا نام صاحبیہ ہے۔ اس مختصر رسالے میں جس کے کل انیس اوراق ہیں۔ اس نے اپنے پیر و مرشد ملا شاہ بدخشی کے حالات قلمبند کئے ہیں اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ احمد آباد کے ایک کتاب خانہ میں موجود ہے۔ اس کتاب خانہ کا نام آپا راؤ بھولا ناتھ لائبریری ہے۔ اور اس کی بنیاد ۱۸۷۰ء میں رکھی گئی تھی۔ آپا راؤ کے دادا سارا بھائی مہتہ نے مرہٹہ گردی کا پُر آشوب زمانہ دیکھا تھا۔ اس کے فارسی خطوط کا ایک مجموعہ دو جلدوں میں معدن الانشاء کے نام سے اسی کتاب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس کی

[1] اصل نسخہ دستخطی بیگم صاحبہ لکھنؤ کے کتبخانہ میں موجود ہے۔

ایک دوسری کتاب کا نام "تاریخ مرہٹہ در گجرات ہے۔ سارا بھائی کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا تاریخ مظفر شاہی کا نادر نسخہ بھی اسی کتاب خانہ میں موجود ہے۔

بیگم نے رسالے کے شروع اور آخر میں نہایت صراحت کے ساتھ اس کا نام "صاحبیہ" لکھا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ غالباً یہ ہو سکتی ہے۔ کہ یہ شہزادی بیگم صاحب[1] کے لقب سے مشہور تھی۔

اس رسالے پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے جہان آرا کے روحانی ذوق اور ذہنی کیفیت کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ اسے اولیائے کرام اور بالخصوص خواجہ اجمیری سے حد درجہ عقیدت تھی۔ اس عقیدت کا صحیح اندازہ مونس الارواح کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے یہ خواجہ صاحب کی محبت اور عقیدت کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ بیگم کسی چشتی بزرگ کی مرید ہونا چاہتی تھی۔ لیکن مشیت ایزدی کو یہ منظور نہ تھا۔ اور بیگم کو بحالت مجبوری قادری مشرب میں شریک ہونا پڑا۔ جس میں اس کا بھائی داراشکوہ پہلے سے داخل تھا۔ ملاشاہ کا مرید ہونے سے پہلے بھی جہان آرا کا یہ حال تھا۔ کہ جہاں کہیں اسے کسی بزرگ کی موجودگی کا علم ہوتا فوراً وہاں پہنچتی۔ اور نذر نیاز پیش کرتی۔ چنانچہ اس رسالے کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے بھائی داراشکوہ کے کہنے پر شہر گجرات (پنجاب) کے مشہور بزرگ شیخ دولہ کی خدمت میں نیاز بھیجی اور ان سے فیض چاہا۔ اسی طرح اس نے حاجی عبداللہ صاحب سے بھی فیض کی درخواست کی۔ جو تال جلال گکھر کے حوالی میں رہتے تھے۔

اس رسالے میں جہان آرا بیگم نے ملاشاہ بدخشی کے اوصاف و محاسن پر پوری روشنی ڈالی ہے۔ یہاں تک کہ ان کے لباس اور خوراک تک کا بھی پورا حال لکھا ہے۔ اس نے اپنے مرید ہونے کا واقعہ بھی کسی قدر تفصیل سے درج کیا ہے۔ یہ عجیب

---

[1] عمل صالح جلد اول صفحہ ۸۰ مرتبہ یزدانی صاحب۔ اس کتاب میں جا بجا جہان آرا کو بیگم صاحب کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

حسن اتفاق ہے۔ کہ اگرچہ جہان آرا کی اس تصنیف کا سُراغ کسی دوسری جگہ نہیں ملتا۔ لیکن میکڈونلڈ نے اپنی مشہور کتاب اسلام[1] میں دینی زندگی اور مسلک (The religious life and attitude in Islam) میں فان کریمر کے حوالے سے ملاشاہ بدخشی کے ایک دوسرے مرید توکل بیگ کے کسی رسالے کا ذکر کیا ہے۔ جس میں توکل بیگ نے اپنے مرید ہونے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ایک شہزادی فاطمہ نامی کے مرید ہونے کی روداد بھی درج کی ہے۔ لیکن یہ روداد شہزادی کے اپنے الفاظ میں نقل کی گئی ہے فاطمہ کا لفظ میکڈونلڈ کے لئے ایک لاینحل معمّا بن کر رہ گیا ہے لیکن پروفیسر قانونگو[2] کا یہ قیاس درست معلوم ہوتا ہے۔ کہ توکل بیگ نے جہان آرا کو فاطمۃ الزّمانی کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور ان کے خیال کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جہان آرا کے یہی الفاظ بعینہٖ رسالہ "صاحبیہ" میں پائے جاتے ہیں۔ قیاس کہتا ہے کہ توکل بیگ نے یہ عبارت جہان آرا کے رسالے سے نقل کی ہے میکڈونلڈ کی انگریزی عبارت اور جہان آرا کے اصلی الفاظ میں ایک فرق بہت نمایاں ہے اور وہ یہ کہ اس فقرہ "اے ملاشاہ چراغ تیموریہ را تو روشن کردی" کا ترجمہ میکڈونلڈ کے یہاں اس طرح ہے۔ ("O Molla Shah for what reason did you illumine that Timuria") (تم نے اس تیموری کو کیوں روشن کیا؟)

شاہجہان کے متعلق اس کے عہد میں یا اس کے بعد جتنی بھی تاریخی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں دارا شکوہ اور جہان آرا کے درمیان دلی محبت و اتحاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس اجمال کی تفصیل جہان آرا کے قلم سے دیکھنے کے قابل ہے۔ وُہ اپنے بھائی کو عارف کامل۔ نورِ عین و عینِ نور اور مملکت باطن و ظاہر کا ولی عہد کہکر یاد کرتی ہے۔ جب دارا شکوہ قندھار کی مہم کے لئے روانہ کابل ہوتا ہے۔ تو یہ عارضی

---

[1] کتاب مذکور صفحہ ۱۹۵ سے ۲۰۵ تک [2] اسلام میں دینی زندگی اور مسلک صفحہ ۲۰۴۔

جُدائی دونوں پر بہت شاق گذرتی ہے ۔ اور جب کچھ مدّت بعد جہان آرا بھائی سے کابل میں جاملتی ہے ۔ تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی ۔ شروع شروع میں داراشکوہ ہی اس کا مرشد و رہبر تھا۔ اور بیگم نہایت واضح الفاظ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے ۔ بیگم کا مندرجہ ذیل فقرہ ان کے انتہائی اتحاد و یگانگی کا آئینہ دار ہے " ماہر دو یک روحیم کہ در دو قالب دمیدہ شدہ و یک جانیم کہ در دو جسم آمدہ"۔

بیگم نے یہ رسالہ ۲۷ رمضان المبارک ۱۰۵۱ھ میں لکھا۔ عام طور پر خط نستعلیق ہے ۔ لیکن کہیں کہیں شکستہ آمیز بھی ہے ۔ ایک صفحہ پر کوئی سترہ سطریں ہونگی ۔ رسالہ کا اکثر حصّہ کرم خوردہ ہے ۔ کوئی تعجب نہیں ۔ اگر یہ رسالہ بیگم کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو۔ کتابت کی نمایاں غلطی ایک ہی ہے ۔ جہاں مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کو اَنْتَ مُوْتُوْا کرکے لکھا گیا ہے ۔ پہلے صفحے پر سرتحریر کے طور پر ھوالفرد لکھا ہے ۔ اور رسالہ کا آغاز یُوں ہوتا ہے :۔ "حمد و سپاس نامحدود مر خدائے را کہ بذات خویش احد و مطلق است"۔ رسالے کے آخر میں بیگم نے کچھ اشعار ملاشاہ کی تعریف میں لکھے ہیں ۔ جن میں انہیں اپنا پیر و خدا ۔ دین و پناہ اور شاہ و الہ کہکر یاد کرتی ہے ۔ رسالے کا اختتام اس دُعا پر ہوتا ہے کہ بیگم کے وجد و استغراق اور معرفت میں روز بروز اور ساعت بساعت اضافہ ہوتا رہے ۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد رسالہ "صاحبیہ" کے مطالب اختصار کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں :۔

مولانا شاہ کے اوصاف و کمالات حد شمار سے باہر ہیں ۔ لیکن بیگم نے حصُول سعادت کی خاطر یہ رسالہ لکھا ہے ۔ اور اس نے اپنے حالات کتاب میں اس لئے درج کر دیئے ہیں ۔ تاکہ اس کا نام اس کے پیر و مرشد کے نام کے بعد لکھا جائے اور ان کے نام کی برکت سے خدا اسے بخش دے ۔ اور ان کے طالبوں اور عقیدتمندوں

کے زمرے میں اُٹھائے۔

مولانا شاہ کا مولد و وطن موضع ارکسا ہے جو بلدۂ رستاق کا ایک گاؤں ہے اور روستاق مملکت بدخشاں کے توابع میں سے ہے چنانچہ مولانا شاہ خود فرماتے ہیں۔

ملک من از ملکہا ملک بدخشان آمدہ از بلاد از روستاق واز قُرا از ارکسا

آپ کے والد کا نام مولانا عبدی بن مولانا سلطان علی بن حضرت قاضی فتح اللہ ہے۔ اور آپ کے اسلاف میں سے ہر ایک قاضی کے لقب سے ملقب ہے۔ لیکن ان بزرگوں نے کبھی قضارت کے فرائض سرانجام نہیں دیئے۔ بلکہ ہمیشہ ان کا پیشہ رضا و تسلیم رہا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام حضرت بی بی خاتون ہے وہ عارفۂ کاملہ اور رابعۂ دہر تھیں۔ اور اس دنیائے فانی سے رحلت فرما چکی ہیں۔ مولانا شاہ کے دو بھائی ہیں۔ اور ایک بہن۔ بہن حضرت سے ایک سال چھوٹی ہیں۔ اور اپنے وطن ارکسا میں سکونت رکھتی ہیں۔ دو بھائی ملا نیک محمد اور ملا سلطان علی ہیں۔ یہ دونوں معرفت الٰہی کے حصول کے لئے ہندوستان میں حضرت کی خدمت میں تشریف لائے اور آپ کے ارشاد کے مطابق اپنے وطن واپس چلے گئے۔

مولانا شاہ نے اپنا دیوان بلاغت نشان جس میں قصائد اور حقیقت سے بھری ہوئی غزلیں اور رباعیاں ہیں۔ مجھے عنایت کیا ہے۔ دن رات اس کتاب کو میں اپنے ہاتھ میں اور اپنے پیش نظر رکھتی ہوں۔ اور اس کو ورد زبان بناتی ہوں میرا اعتقاد ہے کہ اس زمانے میں حضرت کی طرح کسی دوسرے نے توحید کو بیان نہیں کیا۔ اور نہ کریگا۔ بیگم نے اپنے پیر کی کچھ رباعیاں اس رسالے میں نقل بھی کی ہیں۔

مولانا شاہ بچپن سے لے کر اکیس برس تک موضع ارکسا میں رہے اور آپ سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ اس کے بعد آپ علوم ظاہری کی تحصیل کے لئے بلخ تشریف لے گئے۔ آپ نے ان علوم میں بہت جلد دسترس حاصل کر لی۔ لیکن

چونکہ حقیقت کا شوق آپ پر غالب تھا۔ آپ بلخ میں زیادہ نہ ٹھہر سکے اور وہاں سے ہندوستان فردوس نشان میں تشریف لائے۔ اور سب سے پہلے کشمیر کو اپنے نور سے منور کیا۔ اُس وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی۔ کشمیر میں تین سال تک آپ نے طالب علموں کی سی زندگی بسر کی۔ بعد ازاں شیخ کی تلاش میں کشمیر سے لاہور پرنور میں وارد ہوئے۔ اُس وقت لاہور حضرت میانمیر صاحب کے وجود مسعود سے منوّر تھا۔ اور جب مولانا شاہ کو حضرت میانجیو کا علم ہوا۔ تو آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ایک سال تک طلب و شوق کی آزمائش کے لئے میانمیر صاحب نے ملاّشاہ سے استغنا برتا۔ لیکن ملاشاہ کمال عقیدت و اخلاص سے میانمیر صاحب کی خدمت میں حاضر رہے۔ جب میانمیر صاحب کو یقین ہوگیا۔ کہ ان کی طلب صادق ہے تو آپ نے اپنی پوشیدہ دلی عنایت و مہربانی کو آشکارا کر دیا۔ اور انہیں اپنے حلقۂ ارادت میں لے لیا۔ ملاشاہ نے انیس برس میانمیر صاحب کی خدمت میں اس طرح گذارے کہ سردی کے زمانے میں لاہور میں رہتے تھے۔ اور موسم گرما میں اپنے پیر کی اجازت سے کشمیر تشریف لیجاتے تھے۔ اور کشمیر میں گرمی کا زمانہ بسر کرنے کی وجہ یہ تھی۔ کہ آپ کا مزاج بہت گرم تھا۔ اس زمانے میں آپ نے بہت ریاضتیں کی ہیں۔ اور آپ کی ریاضت شاقہ کی ایک مثال یہ ہے۔ کہ ان اُنیس برسوں میں اور اس مدّت سے چند سال پیشتر اور میانمیر صاحب کی وفات کے بعد پانچ سال تک آپ نے پہلو زمین پر نہیں لگایا۔ اب اگرچہ پہلو زمین پر لگاتے ہیں لیکن خواب کا نام نشان نہیں۔ دُنیا کی فانی لذّتوں سے آپ نے مُنہ موڑ رکھا ہے۔ غیریت کے تمام پردے دُور ہو چکے ہیں۔ اور آپ مطلب اعلےٰ اور مقصد اقصےٰ کو پہنچ چکے ہیں۔

حضرت اپنے مریدوں کو ریاضات شاقہ اور ترک و تجرید کی تلقین نہیں کرتے۔ آپ زیادہ زور اس بات پر دیتے ہیں کہ ماسوا سے دلی ترک و تجرید ضروری ہے۔ ہاں ظب

بیداری کے لئے اپنے مریدوں کو کچھ تاکید ضرور کرتے ہیں۔ آپ اپنے عقیدتمندوں اور اخلاص کیشوں کے علاوہ کسی دُوسرے سے صحبت نہیں رکھتے۔ اور آپ کی محفل میں ہر وقت معرفت وحقیقت کے چرچے رہتے ہیں۔ خدائے تعالےٰ نے آپ کی صحبت اور زبان میں بہت تاثیر دے رکھی ہے۔ اکثر شیعہ حضرات آپ کی گفتگو سُن کر اہل سنّت کے حلقے میں آگئے ہیں۔ اور کئی غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں۔ آپ کی بدولت آپ کے ارادت کیش حضرت سرور دو عالم صلعم کی مجلس میں شریک ہوتے ہیں۔ بعض مریدوں کو آپ کے فیض باطنی سے پہلے روز ہی کشف حاصل ہو جاتا ہے۔

آپ اپنی زبان مبارک سے فرماتے ہیں کہ میری نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی میں کبھی ایسے عارضے میں مبتلا ہوا ہوں۔ کہ میری نماز فوت ہو گئی ہو۔ میں نے ہمیشہ وقت پر نماز ادا کی ہے۔ آپ نماز باجماعت کے بہت حامی ہیں۔ اور جب تک ملا محمد سعید جو آپ کے خاص مُریدوں میں سے ہیں۔ حاضر ہوں۔ آپ کسی دُوسرے کو امامت کے لئے حکم نہیں دیتے۔ اگر کبھی ملا محمد سعید موجود نہ ہوں۔ تو آپ خود امامت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ آپ ایک سالک کے لئے شریعت اور طریقت دونوں کو ضروری قرار دیتے ہیں آپ اہل دُنیا بالخصوص سلاطین وامرا سے نذر نیاز قبول نہیں کرتے۔ ہاں اپنے مریدوں سے معمولی نیاز مثلاً ایک دو روپے قبول فرما لیتے ہیں۔ اور اس رقم کو غربا و مساکین پر صرف کر دیتے ہیں۔ آپ کی خدمت میں ایک یا دو خادم رہتے ہیں۔ آپ پر اکثر تجرید و تفرید کا غلبہ رہتا ہے۔

آپ اکثر دو زانو اور کبھی چہار زانو اور کبھی تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں۔ اور کبھی پاؤں لمبے کر کے اور کبھی چاندنی میں اور کبھی تاریکی میں۔ دُنیا داروں کی صحبت سے اجتناب فرماتے ہیں۔ جب کوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ تو آپ کا معمول یہ ہے کہ اس سے اس کا نام اور محل سکونت دریافت فرماتے ہیں۔

آپ خوش وقت۔ شگفتہ۔ خنداں اور متبسم رہتے ہیں۔ کبھی کبھی قہقہہ بھی فرماتے ہیں اور کبھی حضرت رسول مقبول صلعم کی سنّت کے اتباع میں اپنے مخلصوں سے مزاح بھی کرتے ہیں۔ لیکن یہ ہنسی کھیل بھی عین معرفت و توحید ہوتی ہے آپ کے چہرے پر کسالت و کاہلی کا نشان کبھی نہیں ہوتا۔

آپ کے وضو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اکثر اپنے ہاتھ سے پانی ڈالتے ہیں۔ اور وضو کرتے ہیں۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ خادم آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالے۔

آپ خرقہ نہیں پہنتے۔ بلکہ چادر پہنتے ہیں۔ اور ولایتیوں کی طرح گول پگڑی باندھتے ہیں۔ اور ہمیشہ آپ کی پگڑی سفید ہوتی ہے۔ رنگین پگڑی آپ کو پسند نہیں۔ پگڑی کے نیچے طاق ہوتا ہے۔ اور کبھی گرمی زیادہ سخت ہو تو سر پر خالی طاق رکھتے ہیں اور کبھی طاق کے اوپر سر پیچ بھی لپیٹ لیتے ہیں۔

آپ کے قیام گاہ پر کچھ پکایا نہیں جاتا۔ جو کچھ مرید لاتے ہیں۔ آپ تناول فرما لیتے ہیں۔ کبھی دن میں ایک وقت اور کبھی دو وقت جس قسم کا کھانا آئے کھا لیتے ہیں۔ اور اگر کچھ نہ ملے۔ تو دو تین دن کھانے کے بغیر ہی گذر جاتے ہیں۔ چونکہ آپ کی طبیعت گرم ہے۔ اس لئے اکثر ٹھنڈی چیزیں آپ کو مرغوب خاطر ہیں۔

چونکہ کشمیر کے سرسبز و شاداب اطراف و جوانب دلپذیری اور دلکشی میں آپ اپنا جواب ہیں۔ اس لئے مولانا شاہ صنعت ایزدی کے شاہکار دیکھنے کے لئے کبھی کبھی دیہات کی طرف چل نکلتے ہیں۔ آپ کبھی گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں۔ اور کبھی بے تکلفانہ پیدل سیر کرتے ہیں۔ چونکہ کشمیر کی سواری کشتی ہے۔ اس لئے کبھی کبھی کشتی میں بھی سوار ہو جاتے ہیں۔

آپ کے خوارق و کرامات بے شمار ہیں۔ اگر کوئی ان کو لکھنے بیٹھے تو ایک کتاب بن جائے چونکہ آپ کو ہرگز یہ بات پسند نہیں کہ آپ کی کرامتیں ظاہر ہوں۔ اس لئے ان کے لکھنے سے منع فرماتے ہیں۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے۔ کہ جو کچھ طالب کے دل میں ہوا سے فقط

ایک ہی نظر میں ظاہر کر دیتے ہیں۔ آپ مُردہ دلوں کو زندہ کرتے ہیں۔ اگرچہ خدا نے آپ کو یہ قدرت بھی دی ہے کہ آپ حضرت مسیح علیہ السّلام کی طرح ظاہری مردہ کو بھی زندہ کر دکھائیں لیکن آپ کی توجہ ان کرامتوں کی طرف بہت کم ہے۔ آپ ہمیشہ کوشش کرتے ہیں۔ کہ آپ کی کرامتیں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہیں۔

تیس سال سے آپ کشمیر میں سکونت پذیر ہیں۔ اور یہ رباعی آپ نے کشمیر کے بارے میں لکھی ہے۔

افتاد بگوشہ علم عالمگیرم زان گوشہ بکشمیر بود تعبیرم
شمعے بدرون کوزۂ روشن شد ماہی بدرون چاہ شد دلگیرم

مُرید: اگرچہ ایک دُنیا آپ سے فیض یاب ہے اور آپ کے عقیدتمند بیشمار ہیں لیکن سب سے زیادہ ممتاز مرید ملا محمدؐ سعید ہیں۔ جن کا وطن رستاق بدخشان ہے اور جن کو حضرت سے ظاہری اور باطنی دونوں نسبتیں ہیں۔ ان کا مکان حضرت کے مکان کے متصل ہے حضرت ان کے بچّوں سے اپنے بچّوں کی طرح پیار کرتے ہیں۔ ایک دوسرے مرید ملّا مسکین بھی بدخشان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکثر مرید جو طریقۂ سلوک کی تلقین کے لئے آتے ہیں پہلے ملّا محمدؐ سعید اور ملّا مسکین سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ملا مسکین کا اصلی پیشہ سپاہگری تھا۔ آپ نے سپاہگری ترک کر کے دس سال تک حق کی جستجو کی۔ چند مرتبہ مرید بننے کے خیال سے حضرت میانمیر صاحب کی خدمت میں حاضر بھی ہوئے لیکن حضرت نے انکار کر دیا۔ ملا شاہ کے پاس بھی پہلے کئی بار آئے لیکن آپ بھی رضامند نہ ہوئے۔ آخری مرتبہ آپ نے انہیں اپنا مرید بنا لیا۔ اب ملا مسکین کامل و عارف ہیں۔ اور اُنہوں نے کشمیر کو ہی اپنا وطن بنا لیا ہے۔ ایک اور مرید محمد حلیم نامی ہیں۔ ان کے باپ کا نام گل بیگ ہے۔ اُن پر ملا شاہ کی بہت مہربانی اور توجہ ہے۔ ان کے علاوہ ملّا محمدؐ امین کشمیری۔ ملّا عبدالنبی کشمیری اور ملا حبیب اللہ ہیں۔ جو سب کے سب ظاہری اور باطنی علوم سے آراستہ ہیں۔ ملا شاہ نے اس جماعت کی تعریف میں یہ رُباعی لکھی ہے:-

اے تافتہ بر رویٔ تو نوری ز اِلٰہ　　زان نور بروے ہمہ بکشائی راہ
یارانِ تو اولیائے وقت اند ہمہ　　نازم بتو شاہ اولیاء مُلّا شاہ

اُن کے علاوہ ملا شاہ کے مریدوں کی تعداد ان گنت ہے۔ لیکن یہ مختصر رسالہ ان کے ذکر کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان بزرگوں ہی کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے

جہان آرا کے اپنے حالات اگرچہ اپنے پیر و مرشد کے احوال کے ساتھ ساتھ اپنے حالات لکھنا ادب کے منافی ہے لیکن چونکہ اوپر مریدوں کا ذکر آچکا ہے۔ اس لئے میں نے اپنے آپ کو بھی اس زمرے میں شامل کر لیا ہے۔

بیس سال کی عمر سے مجھے خواجگان چشت کے سلسلۂ عالیہ سے عقیدت و ارادت ہے اور خواجہ معین الحق والملت والدین کا حلقۂ مریدی میرے گوش جان میں ہے۔ چند سال پیشتر میں حضرت کے روضۂ منورہ کی زیارت کر چکی ہوں۔ اور یہ عقیدت روز بروز بڑھ رہی ہے۔

خدائے تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے میرے دل میں ذوق و طلب پیدا کیا ہے اور میرے بھائی نے جو عارف کامل ہیں۔ اس آتش شوق کو اور بھی تیز کر دیا ہے ۱۰۴۹ھ[1] میں میں اپنے والد بزرگوار خلد اللہ ملکہٗ و سلطانہٗ کے ہمراہ لاہور پہنچی۔ مجھے اپنے کامگار بھائی سلطان محمدؐ دارا شکوہ قادری سے انتہائی محبت اور صوری و معنوی اتحاد تھا۔ اور ہے۔ ہم دونوں ایک رُوح ہیں جو دو قالبوں میں جلوہ گر ہے۔ اور ایک جان ہیں۔ جو دو جسموں میں جاری و ساری ہے۔ اسی سال والد بزرگوار نے بھائی کو کابل[2] کی طرف روانہ کیا۔ اور تھوڑی مدت کے لئے ہم میں ظاہری جدائی واقع ہوئی۔ چونکہ ہمیں ایک دُوسرے سے حد درجہ محبت تھی اس لئے ہم پر یہ عارضی جدائی بہت شاق گذری۔ وداع کے وقت مجھ پر گریہ و بے تابی کا ہجوم تھا اور بھائی پر زبردست رقت کا عالم طاری تھا۔ روانگی کے وقت بھائی نے مجھے نفحات الانس

---

[1] عمل صالح جلد دوم صفحہ ۲۹۶ و ۲۹۷ پر شاہجہان کا دردولا ہور ۱۰۴۸ھ میں دیا گیا ہے۔

[2] ایضاً صفحہ ۳۰۳۔ دارا شکوہ ۱۰۴۸ھ میں روانۂ کابل ہوتا ہے۔

کے مطالعے کے لئے تاکید کی۔ میں اس کتاب کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی تھی۔ اور اس سے روحانی فائدہ حاصل کرتی تھی۔ اسی اثنا میں والد بزرگوار نے بھی کابل کی طرف کوچ شروع کیا بھائی ہمیشہ خط لکھا کرتے تھے۔ اُنھوں نے راستے میں دو بزرگ دیکھے تھے۔ اور اُن کے متعلق مجھے لکھ بھیجا تھا۔ ان میں سے ایک شیخ دولہ تھے۔ جو قصبہ گجرات خورد میں سکونت پذیر ہیں۔ اور دوسرے حاجی عبداللہ تھے جنھوں نے تال جلال لکھر کے حوالی میں ایک گوشہ اختیار کر رکھا ہے۔ جب میں گجرات پہنچی۔ تو ایک خواجہ سرا کے ہمراہ میں نے شیخ دولہ کے پاس نیاز بھیجی اور فیض کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن جو کچھ میں ان سے چاہتی تھی وہ مجھے حاصل نہ ہوا۔ جب تال جلال لکھر کے نزدیک ہمارا قیام ہوا۔ تو حاجی صاحب کی خدمت میں بھی نذر نیاز بھیجی اور فیض کی درخواست کی۔ اُنھوں نے نذر قبول نہ کی۔ اور تسبیح اور رسمی ذکر کے لئے حکم کیا اور ایک جانماز جو اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے سی تھی۔ اور دو روٹیاں میرے لئے بھیجیں۔ وہ کسب حلال کے ذریعے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ میں نے ان روٹیوں میں سے ایک ٹکڑا کھایا۔ کھانے کے ساتھ ہی میرا دل منوّر ہوگیا۔ اور میرے باطن میں جمعیت وحضور محسوس ہوا۔ میں نے تین دن تک اس روٹی کو محفوظ رکھا۔ اور اپنی اکثر خادماؤں کو اس میں سے ٹکڑے دیئے۔ حاجی عبداللہ صاحب نے تیس سال سے اپنے گھر سے باہر قدم نہیں رکھا۔ غرض کچھ مدّت کے بعد حسن ابدال میں جو ایک نفیس جگہ ہے اپنے بھائی سے میری ملاقات ہوئی اور میں نے ان سے فیض حاصل کیا۔ اور اُنھوں نے مجھے مشائخ کے حالات پڑھنے کی تاکید کی۔ میرا اکثر وقت انھی کتابوں کے مطالعے میں گذرتا ہے۔

انھی ایّام میں کہ جوانی کا وقت ہے میں اپنے اعضاء کی قوّت کو روز بروز کم ہوتا دیکھتی تھی۔ اور اکثر بیمار رہا کرتی تھی۔ جب میں اس حقیقت سے آگاہ ہوئی۔ کہ اس وجود کے لئے فنا لازم ہے تو میں نے اپنے دل میں ٹھان لی۔ کہ اب مناسب یہی ہے۔ کہ اس حدیث نبویؐ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا پر عمل کر کے دل کو اُس ذات مقدس کی طرف لگاؤں۔ بس

قضا شدہ نمازیں پڑھنی شروع کیں۔ اور چھوٹے ہوئے روزوں کی تلافی کی کوشش کی جب ہم کابل پہنچے تو بھائی بھی تھوڑی مدت بعد تشریف لے آئے۔ اور والد بزرگوار نے تسخیر مملکت کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس پر میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر یہ ادا کیا۔

کچھ عرصہ بعد والد بزرگوار کابل سے عازم لاہور ہوئے۔ اور ۲۴ رجب ۱۰۴۹ھ کو اس شہر میں داخل ہوئے۔ چونکہ لاہور میں بہت سے مشائخ و اکابر تھے۔ میں نے مرشد کی تلاش شروع کی۔ میں خاصکر چشتیہ مشرب کے مشائخ کی جستجو میں تھی۔ اور جہاں کہیں کسی گوشہ نشین اور شیخ کا نام سنتی تھی۔ آدمی بھیجکر تحقیق کرواتی تھی۔ لیکن مجھے کسی سے فائدہ حاصل نہ ہوا حضرت میانمیر صاحب کے مریدوں میں سے خواجہ بہاری بہت مشہور تھے لیکن کسی کو مرید نہیں کرتے تھے۔ ایک ایسا شیخ جس سے تشفی حاصل ہو مجھے نہیں ملتا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ یہ زمانہ اولیاء اللہ سے خالی تھا۔ دنیا ان کے بغیر کیونکر قائم رہ سکتی ہے؟ اگرچہ میں اس بات کو زیادہ پسند کرتی تھی۔ کہ میں سلسلۂ چشتیہ میں مرید ہوں۔ اور اگرچہ اس وقت بڑے بڑے چشتی مشائخ موجود بھی تھے۔ لیکن چونکہ وہ اپنے کو مستور الحال رکھتے تھے۔ ناچار میں نے فیصلہ کیا۔ کہ کسی مرشد کامل کے ہاتھ پر بیعت کر لوں۔ خواہ ان کا تعلق کسی سلسلے سے ہو میری عمر اب ستائیس برس کی ہو چکی تھی۔ اور میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتی تھی۔

اسی سال والد بزرگوار کشمیر تشریف لے گئے۔ اور میں بھی ان کے ساتھ نہم ذی الحجہ کو کشمیر پہنچی۔ ہمارے قیام کے اوائل میں معلوم ہوا۔ کہ ملا شاہ کشمیر میں تشریف فرما ہیں اور آپ سلسلۂ قادریہ میں حضرت میانمیر صاحب کے مرید ہیں۔ میرے بھائی حضرت میانجیو سے نسبت ارادت رکھتے ہیں۔ انہوں نے حضرت ملا شاہ کی تعریف کی اور میں دل و جان سے ان کی معتقد ہو گئی۔ میں نے گستاخی سے کام لیتے ہوئے تھوڑے دنوں میں ہی اخلاص و عقیدت سے پُر دو تین عریضے آپ کی خدمت میں بھیجے۔ اور یہ شعر بھی درج کر دیا ؎

؎ عمل صالح جلد دوم صفحہ ۳۱۹۔

گر مید شود آن روئے چو خورشید مرا بادشاہی چہ کہ دعوئے خدائی بکنم

یہ خیال کرتے ہوئے کہ نذر و نیاز بھیجنا بے ادبی میں شامل ہوگا۔ میں نے پہلی مرتبہ عریضے کے ساتھ اپنے ہاتھ سے روٹی اور ساگ پکا کر خواجہ غریب کے ہمراہ بھیجا۔ پہلے تو ایک ماہ تک آپ نے کمال بے نیازی سے جواب نہ دیا۔ لیکن عریضوں کو پڑھتے اور فرماتے کہ ہمیں دُنیا داروں اور بادشاہوں سے کیا سروکار ہے۔ میں خط بھیجتی رہی آخر جب اُنھوں نے کشف باطنی کے ذریعے مجھے طلب و جستجو میں سچا پایا۔ تو پھر میرے عریضوں کا جواب کچھ کچھ دینے لگے اور میری ڈھارس بندھ گئی۔ کہ اب مجھے پُوری ہدائیت سے سرفراز کریں گے۔ ان کے گھر پہنچ کر میں نے ان کو دُوسری جگہ سے دیکھا۔ اور میری حق بین آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ اور میں نے اپنے بھائی کی وساطت سے دست انابت ان کے ہاتھ میں دے کر ان کو اپنا مُرشد حقیقی بنالیا۔ آپ نے مجھے سلسلۂ قادریہ کے ذکر و شغل کی تلقین کی۔ پیشتر اس کے کہ میں آپ کا جمال ظاہری طور پر دیکھوں۔ میرے بھائی نے آپ کی ایک تصویر مجھے دے رکھی تھی۔ جس کو ان کی سرکار کے مصوّر نے ایک کاغذ پر کھینچا تھا۔ میں اس مبارک شبیہ کو ہمیشہ اخلاص و عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ اور مخصوص اوقات میں ان کی صُورت کا تصوّر کر کے مراقبے میں مشغول ہوتی تھی۔

پہلے روز ہی جب میرے بھائی نے مجھے سلسلۂ قادریہ میں مشغول کیا اور میرے مُرشد کی شبیہ اور حضرت رسالت پناہ صلعم اور چار یار اور دُوسرے اولیاء اللہ کے تصوّر کا طریق میرے دلنشین کیا۔ میں نے غسل کر کے نئے کپڑے پہنے۔ اور روزہ رکھا۔ اور شام کو اس چیز سے روزہ افطار کیا جو میرے مُرشد نے ازراہ کرم میرے لئے بھیجی تھی۔ اور ملا محمد سعید کے گھر کے کھانے سے جسے اکثر ملا شاہ بھی تناول فرمایا کرتے تھے۔ میں نے کچھ تھوڑا سا کھایا۔ اپنے گھر والی مسجد میں نصف شب تک بیٹھی۔ اور مسجد میں نماز تہجد ادا کر کے گھر میں آئی۔ اور ایک گوشے میں قبلہ رُو ہو کر بیٹھ گئی۔ اور مُلا شاہ کی شبیہ پر توجہ مبذول کر کے اور حضرت رسول کریم صلعم اور صحابہ اور اولیاء اللہ کا تصوّر کر کے مشغول ہوگئی۔ میرے دل میں یہ بات کھٹکتی تھی۔ کہ میں سلسلۂ چشتیہ

میں مُرید ہوں۔ اور اب کہ میں قادری مشرب میں شریک ہوئی ہوں مجھے کشائش حاصل ہوگی یا نہیں۔ اور حضرت مُلّا شاہ کی تلقین و ہدایت سے مجھے کچھ فائدہ پہنچیگا یا نہیں ؟ اسی اثنار میں مجھ پر ایک ایسی حالت طاری ہوئی۔ جو نہ بیداری تھی اور نہ خواب میں نے حضرت رسالت پناہ صلعم کی مجلس مقدّس دیکھی۔ جس میں صحابۂ کرام اور اولیائے عظام بھی شریک تھے۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلعم تشریف فرما ہیں۔ اور چار یار اور اکابر صحابہ کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ مُلّا شاہ بھی اِس مجلس میں موجود ہیں اور اُنھوں نے اپنا سر رسُول اللہ صلعم کے مبارک قدموں پر رکھا ہے اور آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ کہ اے مُلّا شاہ تو نے تیموری چراغ روشن کر دیا۔ جب میں اِس حالت سے لوٹی۔ تو میرا دل اس خوشخبری سے باغ باغ ہوگیا۔ میں نے درگاہ خداوندی میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور یہ رُباعی میری زبان پر تھی :۔

شاہا تو ئی آنکہ می رساند ز صفا　　فیض نظر تو طالبان را بخدا
بر ہر کہ نظر کنی بمقصُود رسد　　نور نظر تو شد مگر نور خدا

اپنے مُرشد کی برکت سے میں نے آنحضرت صلعم اور یارانِ بزرگوار کی مجلس دیکھی اور آنحضرت صلعم کی مبارک زبان سے کلام سُنا کہ "اے مُلّا شاہ! چراغ تیموریہ را تو روشن کردی"۔ میں سمجھ گئی کہ میرے شبہ کو دُور کرنے کے لئے ایسا کیا گیا ہے۔

امیر تیمور کی نسل سے صرف ہم دو بہن بھائی اس سعادت سے مشرف ہوئے ہیں ہمارے اسلاف میں سے کوئی بھی خدا طلبی اور حق جوئی کی راہ پر گامزن نہیں ہوا۔ اِس دولت عظمےٰ کے ملنے پر میں نے ہزار شکر کیا۔ اور میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ مُلّا شاہ سے میری عقیدت بہت بڑھ گئی۔ اور میں نے ان کو دُنیا و عقبےٰ میں اپنا مقتدا و پیشوا بنایا۔ میں اس مرتبہ کشمیر میں دو روز کم چھ ماہ ٹھہری۔ اس دوران میں اپنے پیر و مرشد کو خط لکھتی رہتی۔ اور آپ اکثر ازراہ عنایت مجھے جواب سے سرفراز کرتے۔ اگرچہ آپ

دُنیا و عقبےٰ کی لذّتوں سے بے نیاز تھے۔ پھر بھی حصُول سعادت کے خیال سے میں مختلف قسم کی خوشبوئیں اور قسم قسم کے کھانے اپنے ہاتھ سے پکا کر بھیجتی تھی۔ اگرچہ غیر شرعی اُمور سے میں نے ہمیشہ اجتناب کیا ہے۔ لیکن جب سے میں نے مُرشد کامل کے جمال سے اپنی آنکھوں کو منوّر کیا ہے۔ میں بحر حقیقت و سرچشمۂ معرفت سے سیراب ہوئی ہوں۔ ان کے گرامی ناموں سے مجھے پورا فائدہ پہنچا ہے۔

جب کشمیر سے میرے روانہ ہونے میں دو تین روز رہ گئے تھے۔ تو پنج شنبہ کی رات کو نماز مغرب کے بعد میں حضرت کے شبیہ مبارک کے تصور میں مراقبے میں بیٹھی۔ میں نے حضرت کو دیکھا۔ اور آپ سے وہ دوپٹہ مانگا جو آپ کے کندھے پر تھا۔ آپ نے مجھے وہ دوپٹہ عنایت فرمایا۔ علے الصباح جب میں اُٹھی تو مَیں نے چاہا۔ کہ ایک عریضے کے ذریعے وہ دوپٹہ ظاہر طور پر بھی مانگوں۔ اسی اثنار میں میرا خواجہ سرا جو ہمیشہ حضرت کی خدمت میں جاتا تھا۔ آیا اور اس نے کہا۔ کہ کل شام میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ نماز مغرب کے بعد آپ نے دوپٹہ دوش مبارک سے اُتار کر مجھے دیا۔ اور فرمایا۔ کہ فلاں کے لئے لے جاؤ میں نے خواجہ سرا سے دوپٹہ لے کر آنکھوں سے ملا۔ اور مجھے بہت سرور حاصل ہوا۔ اس قسم کی کرامت آپ کی ادنےٰ کرامات میں سے ہے۔ اور آپ ان کے اظہار سے ہمیشہ اجتناب فرماتے ہیں۔ ایک شاعر نے میری فرمائش پر حضرت کی تعریف میں یہ رُباعی کہی ہے:۔

اے ہستی تو ہستی مطلق گشتہ۔ اسرار نہان بر تو محقق گشتہ
حاجت نہ تو خواستن حق خواستن است چون جملہ صفاتت صفت حق گشتہ

میں دو مرتبہ آپ کے دیدار سے مشرف ہوئی۔ پہلی دفعہ کا ذکر میں اُوپر کر آئی ہوں۔ دُوسری دفعہ میں نے آپ کی زیارت اُس دن کی جب کہ میں کشمیر سے لاہور

آرہی تھی۔ میں نے عریضہ بھیجکر درخواست کی کہ چونکہ میں کشمیر سے روانہ ہو رہی ہوں۔ آپ مجھ پر مہربانی فرمائیں۔ تاکہ میں آپ کا دیدار کر سکوں۔ آپ نے اِس درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔ اور ازراہ کرم اس راستے پر جہاں سے میں گذرنے والی تھی۔ ایک توت کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ میں ہاتھی کی عماری پر تھی۔ جب اس درخت کے برابر پہنچی۔ تو ہاتھی کو نزدیک لے جاکر کھڑی ہوگئی اور آپ کے "جمال گیتی آرا" کو دیکھا۔ جو "بدر آسمان وخورشید تابان" تھا۔ آپ کی خدمت میں تین آدمی حاضر تھے۔ ایک محمد حلیم جسے آپ نے فرزندی کے خطاب سے سربلند کیا ہے۔ اور دو کشمیری خادم خضر اور حسن جو آپ کے پیچھے تھے۔ ان دو میں سے ایک نے گھوڑا پکڑا ہوا تھا۔ میں نے گلاب کا ایک شیشہ اور کچھ پان اپنے خواجہ سرا کے ہاتھ بھیجے۔ اور اسے کہا۔ کہ شیشۂ گلاب حضرت سے چکھوا کر واپس لا۔ میں حضرت کی خدمت سے "با دیدۂ گریان و دل بریان" روانہ ہوئی۔ اور آپ بھی سوار ہوکر اپنی منزل کی طرف متوجہ ہوئے۔

خدا کا شکر اور احسان ہے کہ پیر دستگیر اور مُرشد کامل کے فیض و توجہ سے مجھے ایمان حقیقی حاصل ہوا۔ جو عبارت ہے۔ عرفان و فنا سے۔ جو شخص اس حقیقت سے آگاہ نہیں۔ وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ بلکہ اس کا شمار اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ کے زمرے میں ہے۔ جو کوئی اس سعادت عظمیٰ سے مشرف ہوا۔ وہ انسان کامل اور افضل موجودات ہے۔ اس کی ہستی ہستی مطلق میں گُم ہو جاتی ہے۔ گویا وہ سمندر کا ایک قطرہ۔ آفتاب کا ایک ذرّہ اور کُل کا جزو ہوتا ہے۔ پس اِس حالت میں وُہ مرگ و عذاب۔ اور بہشت و دوزخ سے آزاد ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ جس کسی کو ذات مطلق سے عشق و محبت ہے۔ وُہ انسان کامل ہے۔ اگرچہ وہ عورت

ہو۔ شیخ عطار قدس سرہٗ حضرت رابعہؒ کے حق میں فرماتے ہیں :۔

آن نہ یک زن بود بل صد مرد بود پائے تا سر جملہ عزق درد بود

انہی ایام میں یہ چند شعر میں نے شوق و وجد سے بغیر کسی فکر و تامل کے کہے تھے۔ اس رسالے کے آخر میں انہیں درج کرتی ہوں :۔

اینہا ہمہ را ظہور حق مے بینم
ذاتست یکے جملہ صفت (کذا) می بینم

نقش است فنا بقاست بے رنگیٔ یار بیرنگ بشو و رنگہا را مشمار

یار آمد در بغل بے محنت شبہائے ہجر عاشق و دیوانہ بودم اشتیاقم داد اجر

شوق تو مرا در برمے گیرد و مے مالد ہر لحظہ و ہر لمحہ این ذوق تو مے مالد

پیر من و خدائے من دین من و پناہ من نیست کسے بغیر تو شاہ من و الٰہ من

امروز ندیدیم کسے ثانیٔ تو ماتیم بروز عید قربانیٔ تو

اے شاہ زیک نظر بکردی کارم شاباش بتوجہ خوش نمودی یارم

خوشا ہجرے کہ باشد آخرش وصل خوشا فرعے کہ گردد عین آن اصل

تاثیر زبان خاصۂ شاہِ من است تقریر عیان خاصۂ ماہِ من است

دریاب رہے کوچہ آن مُلّا شاہ کو ہست خزینہ دار توحید الٰہ

محمد ابراہیم
گجرات کالج۔ احمد آباد

انیسویں صدی کا ایک مفکّر اور مصنّف

سرسیّد احمد خان

(۲)

تفسیر القرآن کی تنقید تفسیر القرآن کے مضامین و مباحث کی تردید میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں انہیں سے صرف تفسیر حقانی میں عالمانہ استدلال اختیار کیا گیا ہے۔ مولوی امداد علی صاحب اور مولوی علی بخش خان نے بھی اپنے اپنے انداز میں ان خیالات و عقاید کے ابطال کی کوششیں کی ہیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کی مخالفت، مذہبی اور علمی ہونے کی بجائے ذاتی تھی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان کی کوششوں کا چنداں اثر نہ ہوا۔ اور سید کا مشن روز بروز ترقی پذیر ہوتا گیا۔

مولوی عبدالحق صاحب نے مقدمہ تفسیر میں معجزہ، جن و ملائکہ، معراج وغیرہ اخلاقی مسائل پر اس زمانے کے ماحول اور معلومات کے مطابق محققانہ بحث کی ہے۔ لیکن ہمیں یہ کہنے میں تامل نہیں کرنا چاہئے۔ کہ سرسیّد کے خیالات، اسلامی ماحول کی روشنی میں جتنے بھی دور از کار کیوں نہ ہوں۔ ابھی تک تجزیہ اور تنقید کے محتاج ہیں۔ اور ہنوز ان کی چھان بین اس اسلوب پر نہیں کی گئی جس پر ہونی چاہئے تھی۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ سرسیّد ہر مذہبی مسئلہ کو عقل کی روشنی میں دیکھتے اور پرکھتے تھے۔ وہ یورپ کے اس گروہ کی تقلید میں جسے "نیچر کا پرستار" کہا جاتا تھا۔ نیچر اور مذہب میں تطبیق کے خواہاں تھے قرآن میں جو باتیں "مافوق العقل" آئی ہیں انہوں نے ان کو عقلی تمثیلوں کے ساتھ حل کیا ہے۔ اور جو معاملات تاریخ اور جغرافیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان پر اس زمانے کی اثری اور تاریخی تحقیقات کے مطابق بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن اور بائبل کے قصوں کو آپس میں تطبیق بھی دی ہے۔

سرسید کے استدلال کی خصوصیات

ان مباحث سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ سیّد کی تحقیقات کی ممتاز خصوصیتیں یہ تھیں:-

۱- مذہبی عقائد کو نیچر اور عقل کی کسوٹی پر پرکھنا۔

۲- مذہبی مسائل اور علوم طبعی (سائنس) میں موافقت پیدا کرنا۔

۳- "موجودہ" انجیل کی اصولی صحت کا قائل ہونا اور قرآن کے مندرجات کے ساتھ اس کے مضامین کا موازنہ۔

۴- جغرافیائی اور تاریخی علمی تحقیقات سے قرآن کے حل کرنے میں مدد لینا۔

ہمارے اپنے زمانے میں بعض تفسیریں لکھی گئی ہیں جن میں سرسید کے اس طریق کا اثر بدرجہ غایت نظر آتا ہے۔ مثلاً بیان القرآن مصنفہ مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور، بیان القرآن مصنفہ مولانا احمد دین امیر جماعت مسلمہ تذکرہ مصنفہ مولانا عنایت اللہ خان مشرقی اور تفسیر قرآن مصنفہ حکیم احمد شجاع۔ نیز ترجمان القرآن مصنفہ مولانا ابوالکلام آزاد جن میں سے ۲، ۳، ۴ پر سرسید کے پورے پورے اثرات نظر آتے ہیں۔ اور ۱، ۵ پر غیر محسوس عکس دکھائی دیتا ہے۔ البتہ موخر الذکر دونوں کا ماحول اسلامی ہے اور ان کی دلیل اور توجیہ کے مآخذ بھی اسلامی ہیں۔

عقلی استدلال کی خامیاں

افسوس ہے۔ کہ آج سرسیّد زندہ نہیں ہیں۔ ورنہ وہ یقیناً اس نتیجے پر پہنچتے۔ کہ انہوں نے مذہبی مسایل کو حل کرنے میں جس عنصر سے سب سے زیادہ مدد لی یا جس کی حیثیت کو انہوں نے دیرپا اور مستقل جان کر اس پر اپنا محاذ قائم کیا۔ وہی ان کی پوزیشن

کو سب سے زیادہ کمزور اور بودا قرار دے رہی ہے۔ عقلیات اور سائنس دونو اس قدر بدل رہی ہیں۔ کہ ان کی تبدیلی اور جلد جلد تغیر پذیر ہونا ہی ان کی کمزوری کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ بلاشبہ انیسویں صدی میں یورپ کے مفکرین اور سائنس دانوں کا رجحان مادہ پرستانہ تھا۔ اور انہوں نے مذہب کے بخیے ٹانکے اُدھیڑنے میں سائنس اور جدید تحقیقات سے بہت مدد لی ہے۔ لیکن ابھی نصف صدی بھی نہیں گزری۔ کہ انیسویں صدی کے نظریات و اکتشافات تقویم پارینہ کی طرح بیکار قرار دیئے جا چکے ہیں۔ ڈارون کی کتاب Origin of Species اور Descent of man کا بہت چرچا ہے۔ اور "ارتقا" اور "بقائے اصلح" کی صدا سے اب بھی بعض حلقے گونج رہے ہیں۔ لیکن کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ اب سائنس دانوں کی ایک جماعت اس کو تسلیم نہیں کرتی۔ ہمارے ہندوستان میں علامہ مشرقی "ارتقا" کا ثبوت قرآن سے دینے کی ایسے وقت میں سعی فرما رہے ہیں۔ جب کہ اس مسئلہ کے واضعین اسے پرانا سمجھ کر پھینک رہے ہیں چنانچہ سپنگلر بھی ارتقائی طریق تخلیق کی بجائے خاص تخلیق Special Creation کے قایل ہیں۔

فلسفہ و سائنس کا جدید رجحان

جن لوگوں کو سائنس اور فلسفہ کے موجودہ رجحانات کا علم ہے۔ یا جنہوں نے سر جیمز جینز Sir James Jeans اور سر آرتھر ایڈنگٹن Sir Arthur Eddington کے خیالات کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ سائنس اور فلسفہ دونو اپنے پرانے محاذ سے ہٹ چکے ہیں۔ اور سائنس جسے مذہب کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا جاتا تھا۔ اب اس مادہ پرستانہ میلان چھوڑ کر بہت سے مسائل کے متعلق روحانی زاویہ نگاہ اختیار کر چکی ہے۔

ہمارے اسلامی فلسفی اقبال نے بھی اپنے مدراس لیکچرز میں عقل اور فلسفہ کی اسی تنگ دامانی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ اپنے ایک لیکچر میں فلسفہ کی ان کوتاہیوں پر جو محققانہ اور عدیم النظیر بحث کی ہے۔ وہ اس موضوع پر قطعی اور آخری رائے ہے۔

مذہب کیا ہے؟ ہمارے ضمیر کی گہرائیوں میں اس کائنات کی نامعلوم علت ومعلول کے متعلق ایک غیر فانی اور غیر محسوس خالق سے وابستگی! سو یہ وہ میدان ہے جس میں عقل اور علم کا راہوار گذر نہیں پا سکتا۔ جب تک سلسلۂ اسباب کی ابتدائی کڑی پر انسان قدرت نہیں پا سکتا۔ اور جب تک ہماری ضمیر جذبات وحسیات، غم اور خوشی سود اور زیاں سے متاثر ہوتی رہے گی اور اس کے اتفاقات کو رفع کرنے پر قادر نہیں ہو سکے گی۔ اس خدائے کائنات سے ہماری بالغیب وابستگی قایم رہے گی۔ مادہ پرستی کی تحریکیں صرف ہماری پریشانی اور انتشار خیال میں اضافہ کر سکتی ہیں۔ مگر ہماری فطری اور بنیادی خدا پرستی کو نہیں مٹا سکتیں۔

یہاں اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ کہ سرسید احمد خان اتنی روحانیت کے بھی قابل نہ تھے۔ نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے۔ کہ وہ ایک خدا پرست اور متقی انسان تھے۔ تاہم عقل انسانی کی شوخیاں بعض اوقات ایسی بوالعجبیوں کا باعث ہوتی ہیں۔ کہ انسانی ضمیر دھوکے میں پڑ جاتی ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان ایک ایسے خدا کا قایل ہو۔ جو سب کچھ کر سکتا ہے۔ مگر با ایں ہمہ وہ معجزہ اور 'خرق عادت' پر قادر نہیں!

بائبل اور قرآن کی تطبیق بائبل اور قرآن میں تطبیق دینے کا مسئلہ اصولی حیثیت سے تو درست ہے۔ کیونکہ سرسید قرآن کی طرح بائبل کو موجودہ صورت میں بھی منزل من اللہ مانتے تھے۔ پس جب دونوں مقدس کتابوں کا مأخذ ایک ہی ہے۔ تو ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ سرسید

نے کوشش مستقل طور پر اپنی ایک اور کتاب تبیین الکلام میں کی ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس میں بہت حد تک کامیابی حاصل کی ہے تاہم یہاں پھر انہوں نے اپنے ہی مسلک کی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ علوم طبعی کی روشنی میں بائبل کے بہت سے واقعات اور باتوں پر غلط ہونے کا اعتراض وارد کیا گیا ہے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں یورپ کے محققین نے مذہب اور بائبل پر مختلف اطراف سے جو حملے کئے ہیں۔ ان کی روشنی میں سرسید کا استدلال کم از کم یورپ کے محققین کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ ۱۸۶۲ء میں "بشپ کلفٹو" نے اپنی ایک کتاب میں طوفان نوح کے واقعہ ہونے اور بنی اسرائیل کی ہجرت مصر کے واقعہ پر نہایت سختی کے ساتھ جرح کی اور ثابت کیا۔ کہ تاریخی استدلال کی رو سے ایسے واقعات کا ہونا ممکن ہی نہیں۔ بیالوجی، فلسفہ، جیالوجی، فلسفۂ تاریخ اور آرٹ کے پرستاروں نے اپنے اپنے رنگ میں مذہب اور انجیل پر شدید حملے کئے ہیں۔ پس جب تک علوم طبعی اور مذہب کے تعلق کے متعلق ایک محفوظ پوزیشن نہ اختیار کی جائے۔ اور علوم طبعی کو مذہب کے اختیارات پر نکتہ چینی کرنے کے ناقابل نہ سمجھا جائے۔ بائبل بلکہ کوئی مقدس کتاب ان عقلی اعتراضات سے نہیں بچ سکتی۔ جو ۱۸ اور ۱۹ ویں صدی میں متواتر کئے گئے۔ یہاں پھر سرسید کی کوششیں (قرآن کو یورپ کے اعتراضات سے بچانے کی) غالباً مشکور نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ وہ ایک طرف تو انجیل کے موجودہ نسخوں کی صداقت کے قایل ہوتے ہوئے ان کو قرآن سے ملاتے تھے۔ اور دوسری طرف عقلیات اور سائنس کو مذہب پر رائے زنی کا اختیار دیتے تھے۔ جس سے مراد سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے۔ کہ بائبل اور قرآن دونوں ان اعتراضات کا یکساں طور پر نشانہ بن سکتے ہیں۔ سرسید نے مذہب اور روحانیات کو عقل اور سائنس کے دریچے سے دیکھنا چاہا۔ یہ غلطی کی! لیکن اپنے زمانے کی سپرٹ کے مطابق دین اور مذہب کی زیادہ مقبول اور معقول توجیہ پیش کرنے کی سعی کی۔ یہ ان کی دیانت کی

مثال ہے! قصور رائے کا ہے ضمیر کا نہیں! کوتاہی استدلال کی ہے۔ نیت کی نہیں!

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

خدا مرحوم و مغفور کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔!

قرآن مجید کے جغرافیائی مقامات کی تحقیق یقیناً ایک محمود اور مستحسن کوشش تھی۔ چنانچہ وہ بہت مقبول بھی ہوئی۔ سرسید کے بعد مولانا سید سلیمان ندوی نے ارض القرآن میں سرسید کے خیال کو ہی جاری رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مقامات اور افراد کی تعیین میں وہ کامیاب بھی ہوئے۔ تاہم قرآن کی تشریح اور حل کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ پھر بھی یہ حقیقت ظاہر ہے۔ کہ جب تک تحقیقات کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس وقت تک یہ تشریحیں بدلتی رہیں گی۔ چنانچہ سرسید جس ذوالقرنین کو چینی وانگٹی فغفور چین قرار دیتے ہیں۔ اُسے جدید اثری تحقیقات کی روشنی میں مولانا ابوالکلام "سائرس" قرار دے رہے ہیں۔ جس کا مجسمہ استخر کے آثار قدیمہ میں دستیاب ہُوا ہے (ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جلد دوم ص ۴۰۱) ان دونوں میں سے کون سا خیال درست ہے؟ یہ معلوم نہیں!

خطبات احمدیہ

سرسید کی تمام تصنیفات میں سے ہمیں خطبات کے ساتھ جو دلچسپی ہے۔ اور اس کے اوراق میں جو لذت ملتی ہے۔ وہ شاید کسی اور کتاب سے نہیں ملتی۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس عظیم الشان تالیف کی تحریک ایک بے لوث بے آمیز جذبۂ مخلصانہ سے ہوئی۔ جس کے ساتھ کوئی ذاتی، یا نیم سیاسی غرض وابستہ نہیں کی جاسکتی۔ اس کی ہر ہر

سطر میں صداقت، عشق اور ولولۂ محبت مستور نظر آتا ہے۔ اور شاید یہی خوبیاں ہیں کہ سرسید کا کوئی مخالف بھی اس کتاب کی عظمت کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

یہ کتاب انگلستان میں مرتب ہوئی۔ اس لئے کہ ہندوستان میں اس کے لئے مواد کافی مقدار میں نہیں مل سکتا تھا۔ اس کی ترتیب اور تکمیل میں جو مشکلات پیش آئیں۔ اور ان مشکلات کو جس مردانہ اولوالعزمی اور عاشقانہ ثبات و استقلال کے ساتھ دور کیا گیا۔ اس کی مختصر سی داستان خود سرسید کی زبان سے سن لینی چاہیئے۔

ولایت سے مولوی سید مہدی علی خاں کے نام ایک خط کے دوران میں لکھتے ہیں:۔

"ان دنوں ذرا فدرے دل کو شورش ہے۔ ولیم میور صاحب کی کتاب کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے دل کو جلا دیا۔ اور اس کی ناانصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہو گیا۔ اور مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ آں حضرت صلعم کی سیرت میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا۔ کتاب لکھ دی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے میں نے فرانس اور جرمن سے اور مصر سے کتب سیر منگانی شروع کر دی ہیں چٹھیات روانہ ہو گئیں۔ سیرت ہشامی مطبوعہ اور چند کتابیں لیکن کی خرید لیں۔ ایک آدمی مقرر کر لیا۔ جو لیٹن کا ترجمہ کر کے مضمون بتلا سکے۔"

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:۔

مواعظ احمدیہ (یعنی خطبات احمدیہ) لکھنے میں شب و روز مصروف ہوں اس کے سوا کچھ خیال نہیں۔ جانا آنا ملنا جلنا سب بند ہے۔ آپ اس خط کے پہنچنے پر میر محمود حسین کے پاس جائیے۔ اور دونوں صاحب کسی مہاجن سے میرے لئے ہزار روپیہ قرض لیجئے۔ سود اور روپیہ میں ادا کر دونگا۔ ..... ہزار روپیہ بھیجنے کے لئے دلی لکھا ہے۔ اور لکھ دیا ہے

کہ کتابیں اور میرا اسباب یہاں تک کہ میرے ظروف مسی تک فروخت کرکے ہزار روپیہ بھیج دو ..... کیا کہیے - اس کتاب کے پیچھے خواب و خور حرام ہوگیا ہے - خدا مدد کرے"

خطبات کی صمیمیت مندرجہ بالا خطوں کے بین السطور میں عشقِ رسولؐ کا جو جذبہ صادق نظر آتا ہے - وہ ہمارے مصنّف کے مقصد اور غایت پر بخوبی گواہ ہے - سرسیّد کی یہ تصنیف محض خدمتِ علم کے لئے نہیں بلکہ والہانہ عقیدت اور ضمیر کی دعوت پر لکھی گئی ہے - سر ولیم میور جن کی کتاب کے بعض مضامین کا یہ جواب ہے - ان دنوں صوبہ کے حاکم اعلیٰ تھے - لیکن دنیاوی حاکموں کا خوف سرسیّد کی محبت اور عشق کے راستے میں حایل نہیں ہؤا - بلکہ انہوں نے اس کتاب کا جواب لکھنا باقی سب چیزوں کی نسبت زیادہ ضروری سمجھا کیونکہ اس کے معاملے میں کمزوری اور مسامحت ضمیر کی کمزوری کی علامت ہوتی -

اگرچہ خطبات کو ریسرچ کا دعویٰ نہیں - تاہم اس کے مصنّف نے تحقیق میں کوئی کمی نہیں کی - بلکہ بیاگرافی لکھنے کے لئے اردو زبان میں ایک نیا اسلوب قائم کیا - چونکہ یہ کتاب مختلف مضامین کا مجموعہ ہے - اس لئے اس کا فائدہ بجائے محدود ہونے کے اور بھی وسیع ہوگیا ہے - جیسا کہ اس کے مضامین سے واضح ہوگا - اس میں سیرت رسول اللہ کے مآخذ اور ان کی چھان بین کے موضوع پر سب سے زیادہ توجہ کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے - کہ آپ کی بیاگرافی کے ضمن میں ہم کیوں ایک روایت کو قبول اور دوسری کو نظر انداز کر سکتے ہیں - اگرچہ متقدمین کی کتابیں ان مباحث سے پُر ہیں لیکن اردو میں پہلی مرتبہ اسی کتاب کے ذریعے اس موضوع کو بیان کیا گیا ہے - اور سب سے بڑی بات یہ ہے - کہ سرسیّد کا ماحول اسلامی ہے - وہ اپنے دلایل خارجی دنیا سے نہیں لاتے - بلکہ خود اسلام کا لٹریچر ان کی رہنمائی کے لئے کافی ثابت ہوتا ہے -

اس کتاب میں اسلام کا بلحاظ نظام تمدن کے دوسرے مذاہب سے مقابلہ کیا گیا ہے اور عقلی دلایل سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ اسلام کے بعض تمدنی اور معاشرتی قوانین کیوں عام انسانیت کے لئے مفید ہیں۔

خطبات کے مضامین خطبات کے مضامین کا مختصر خاکہ فایدہ اور موضوع کی وسعت اور جامعیت کا اندازہ کرنے کے لئے یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

خطبہ اول :۔ عرب کا تاریخی جغرافیہ۔

خطبہ دوم :۔ عرب کے عادات اور رسوم اسلام سے پہلے، اس میں جاہلیت کے اشعار سے استفادہ کیا گیا ہے۔

خطبہ سوم :۔ عرب کے مذاہب قبل از اسلام۔

خطبہ چہارم :۔ اسلام انسان کے لئے رحمت ہے۔ اور تمام انبیا کے مذاہب کی پشت و پناہ ہے۔

خطبہ پنجم :۔ مسلمانوں کی کتب مذہبی یعنی کتب احادیث، کتب سیر، کتب تفسیر اور کتب فقہ کے بیان ہیں۔

خطبہ ششم :۔ مذہب اسلام کی روایتوں کی اصلیت اور ان کے رواج کی ابتدا۔

خطبہ ہفتم :۔ قرآن مجید اور اس کے متعلق غلط بیانیوں کا ازالہ۔

خطبہ ہشتم :۔ خانہ کعبہ اور اس کے گذشتہ حالات اسلام سے پہلے۔

خطبہ نہم :۔ آنحضرت صلعم کے نسب نامے کے بیان ہیں۔

خطبہ دہم :۔ ان بشارتوں کے بیان ہیں جو توریت اور انجیل میں مذکور ہیں۔

خطبہ یازدہم :۔ شق صدر کی حقیقت اور معراج کی ماہیت کے بیان ہیں۔

خطبہ دوازدہم :۔ آنحضرتؐ کی سوانح بارہ برس کی عمر تک۔

خطبات کا موضوع مندرجہ بالا فہرست پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا۔ کہ سرسید کی یہ کتاب کسی ایک متعین موضوع پر نہیں۔ نہ اس سے مقصود محض حضرت رسول کریم صلعم کی سیرت لکھنا تھا۔ بلکہ اسے اگر "مبادیات سیرت" یا "تمہید سیرت" کہیں تو بجا ہے۔ ان خطبات میں سرسید نے سیرت نگاروں کو بتایا ہے۔ کہ سیرت لکھنے کے لئے علاوہ واقعاتِ زندگی کی ترتیب کے اور کیا کچھ کرنا چاہئے۔ اور تنقید اور تحقیق کے کن اصولوں پر کام کرنا چاہئے۔ علی الخصوص حضرت رسول کریم صلعم کی سیرت لکھتے وقت کن کن اصول و مبانی پر عمل پیرا ہونا چاہئے پس یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ جس طرح سرسید نے امور دین میں نقد و تبصرہ کا اصول رائج کیا۔ اسی طرح تاریخ اسلامی میں بھی نقد اور جرح کے اصول قایم کئے۔ اور اس بات کی ضرورت پر خاص زور دیا۔ کہ روایات کو قبول کرنے سے پہلے انہیں عقل اور تاریخی منطق کے معیار پر پرکھا جائے۔

خطبات میں مذہبی رواداری کے اس اصول کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کہ موجودہ انجیل اور توریت اسی شکل میں منزل من اللہ ہیں۔

اگرچہ اس زمانے میں سرسید کا اختلاف علمائے وقت سے اتنا کھلا اور واضح نہ تھا تاہم معراج وغیرہ کو رؤیا ماننے سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ان میں معقول پسندی کا رجحان ہو چلا تھا۔

مناظرہ یا تردید کے لئے جو طریقہ اب تک چلا آتا تھا۔ سرسید نے اس سے اجتناب کرتے ہوئے استدلال کا وہ اسلوب اختیار کیا۔ جو معقول اور دلنشین تھا۔ انہوں نے الزامی جوابات سے عام طور پر احتراز کیا ہے۔ تعدد ازدواج کی بحث میں مناظروں کے طریقے کے مطابق یہ نہیں کہا۔ کہ حضرت سلیمان کی اتنی بیویاں تھیں۔ اور حضرت داؤد کی اتنی بلکہ یہ ثابت کیا ہے۔ کہ تعدد ازدواج فطرت کے عین مطابق ہے۔ اور

مظاہر کائنات سے ایسے شواہد پیش کئے ہیں جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ قدرت کا منشا یہی ہے کہ بعض اوقات مرد تعدّد ازدواج کی طرف مایل بلکہ مجبور ہوتا ہے۔

خطبات کے اہم مسایل خطبات میں وہ نئے نظریئے جن پر سرسیّد نے خاص توجہ دی ہے۔ معدودے چند ہیں۔ مثلاً جبل فاران کا شام میں نہ ہونا جس کے بارے میں ولیم میور نے خاص توجہ مبذول کی ہے۔ کیونکہ بائبل کی بعض پیش گوئیوں کی رُو سے فاران سے نورِ نبوّت کے طلوع کی خبر دی گئی تھی قدیم عربوں کی شاعری سے قدیم عربی تمدن کا پتہ چلانا جو مستشرقین کا ایک خاص اسلوب ہے۔ مذہب اسلام کی فوقیت اس کے نظام تمدن کے اعلیٰ ہونے کی وجہ سے اس موضوع پر جو تھے خطبے میں لکھا گیا ہے۔ اور خوبی سے نباہا ہے۔ اسلام کا دنیا میں بین المذاہب رواداری کا جذبہ پیدا کرنا۔ اور دوسرے مذاہب کے حق میں مفید ہونا۔ حدیث تفسیر اور فقہ کا قطعی اصول دین میں سے نہ ہونا اور روایت کا نقد و تبصرہ کا محتاج ہونا۔ مسلمانوں کی ترجمہ قرآن مجید سے بے اعتنائی اور اس کے نتائج اس کی تردید کہ آنحضرت بنی اسمٰعیل میں سے نہ تھے۔ معراج وغیرہ کا حالتِ رؤیا میں ہونا۔

ان محققانہ مباحث سے علم و فن کے جن اہم مسایل پر روشنی پڑتی ہے یا جن موضوعوں پر لوگوں کو زیادہ سوچنے کی دعوت ملی وہ یہ ہیں:۔

۱۔ ماخذ سیرۃ رسول اللہ کی تنقید۔

۲۔ بائبل سے تطبیق اور مذاہب عالم کی اصولی وحدت۔

۳۔ عرب کا جغرافیہ تاریخی اور نسلی تحقیق۔

۴۔ ریسرچ کے لئے مغربی محققین کی محنتوں سے فائدہ اٹھانا۔

۵۔ اسلام بہ حیثیت ایک تمدنی نظام کے۔

مولوی چراغ علی، مولانا عبدالحلیم شرر، مولانا شبلی اور دیگر مصنفین نے سرسیّد

کے خطبات سے بہت اثر قبول کیا۔ اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ بائبل سے قرآن مجید کی تطبیق کے موضوع کو علی العموم کوئی خاص مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ اور جہاں تک راقم الحروف کو معلوم ہے۔ اس خاص مسئلہ پر سرسید کے بعد بہت کم مصنفین نے توجہ کی صحف سماوی کی طرز کی کتابیں ضرور لکھی گئیں۔ لیکن ان کی بنیاد ذرا مختلف ہے خطبات سرسید کا شاہکار ہے۔ اس لئے کہ اس میں صداقت اور عشق کا جوہر موجود ہے۔ دنیا میں بعض نہایت مختصر کتابیں ایک مصنّف کی عظمت کو روشن کرتی ہیں۔ خطبات بھی انہی مختصر کتابوں میں سے ہے۔ جنہوں نے جدید طرز پر سیرۃ رسول اللہ کی ترتیب کی طرف توجہ دلائی۔ بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس موضوع پر لکھتے وقت کوئی مصنف سرسید کی ان تمہیدی کوششوں کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔

آئندہ فرصت میں تبیین الکلام، آثار الصنادید اور تہذیب الاخلاق پر تبصرہ کیا جائے گا۔ اور ان نمایاں افکار اور خیالات کو پیش کیا جائے گا۔ جو تعلیم اور سیاسیات وغیرہ کے متعلق سرسید کی زبان اور قلم سے نکلے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ (باقی دارد)

خاکسار سیّد محمد عبداللہ

یونیورسٹی لائبریری۔ لاہور

فرخی سیستانی

(سلسلہ کیلئے اورینٹل کالج میگزین بابت ماہ مئی ۱۹۳۷ء دیکھئے)

حل بعض اشعار مشکلہ فرخی موافق ایڈیشن مبارک علی

صفحہ ۳ زخشمش تلخ تر چیزے نباشد در جہاں ہرگز زتلخی خشم او نشگفت اگر بلوا شود حلوا

بلوی آزمائش۔ محنت۔ مصیبت۔ آفت۔ جس طرح ہائے مختفی پر سے وقت اضافت کسرہ کو حذف کر دیتے ہیں۔ اسی طرح قدما۔ ی۔ پر سے بھی کسرۂ اضافت ساقط کر دیتے ہیں۔ تلخی خشم در اصل تلخیِ خشم تھا۔ المعنی۔ اوسکے غضب سے بڑھ کے دُنیا میں کوئی چیز تلخ نہیں ہے۔ لہذا اگر اوسکے زہر غیظ کیوجہ سے حلوا محنت و آفت بجائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

صفحہ ۴ ہر آنکس کو زباں دارد ہمیشہ آفرین خواند بر آنکو آفرین تو بیک لفظے کند املا

جو کوئی تیری تعریف ایک لفظ میں بھی کرے تو جسکو اللہ نے زبان دی ہے وہ اس تعریف کرنیوالی کی تحسین کریگا۔

صفحہ فرقت پردۂ تو گشت مرا پردۂ بر دو دیدۂ بینا

تیرے سراپردہ کی جدائی میری دونوں بصارت والی آنکھوں پر ماڑ ابن گئی ہے۔ یعنی تیری جدائی میں اندھا ہو گیا ہوں۔

صفحہ ۷ ور برابن سوے دگر فرمان دہد شمشیر تو فرد گرداند حالی از گہ چین تا عرب

این سوے دگر سے مراد سمت مشرق ہے۔ المعنی۔ اگر بجانب مشرق تیری تلوار حکم دے تو عرب سے لیکر مقام چین تک مقامات کو خالی اور ویران کر دیں +

صفحہ ۱۰ سپید جامہ برد جامہ کز نماتش بود سپید صورت او ہمچو صورت مشوب

سپید جامہ کنایہ از سپیدۂ صبح۔ نور کا تڑکا۔ مشوب جسے شیب لاحق ہو۔ یعنی بڈھا المعنی جب صبح اپنا جامہ اتار دیتی ہے یعنی نور پھیل جاتا ہے تو اوسکی ہستی ظاہر ہونے سے اوسکی سپید صورت بڈھے کی ایسی صورت دکھائی دیتی ہے۔ (سپیدی میں تشبیہ ہے)

صفحہ ۱۸ مغرمان روزہ بپوسید و تبہ کرد و بسوخت بوکہ باز یرہمی راست کند رود و رباب

مغرم دوستدار و حریص المعنی حریصاں روزہ کو روزہ نے فرسودہ اور تباہ کر دیا۔ اور حدت گرسنگی سے جل گئے۔ ہو سکتا ہے کہ بربط و رباب پھر سے انہیں ٹھیک اور درست کر دے۔ راست ایک راگ کا بھی نام ہے۔

صفحہ ۱۸ بر نیاید برضاے ملک از چنگ ملوک ملک دیرینہ چو مرغ زدہ در چنگ عقاب

اگر مصرع اول بطور استفہام پڑھیں تو یہ معنے ہونگے۔ وہ ملک دیرینہ جو اونکے قبضہ میں اس طرح پھنسا ہے۔ جیسے عقاب کے پنجہ میں کوئی پرندہ ہو۔ کیا بادشاہ کی اگر مرضی ہو تو وہ ملک اون بادشاہوں کے قبضہ سے نہیں نکل سکتا۔ استفہام نہ ہو۔ تو مصرع اول میں بجاے چنگ جنگ پڑھو اور معنی یہ ہوں گے۔ جس ملک دیرینہ پر ہمارا ممدوح قبضہ کئے ہوئے ہے دوسرے بادشاہ جنگ کرکے اوس سے نہیں لے سکتے۔ ہاں اوسکی مرضی ہو تو وہ بخش سکتا ہے۔ مگر مصرع اول اس طرح پڑھنا ہوگا

بر نیاید زید شاہ من از جنگ ملوک

صفحہ ۲۰ برہنہ گشتن روے مہ از نقاب کبود حلال کرد بما بر۔ حرام کردۂ رب

نقاب کبود کنایہ از آسمان حرام کردۂ رب کنایہ از شراب المعنے۔ رمضان گذر کر ہلال ماہ عید کے نمایاں ہونے نے شراب ناجائز ہمارے لئے جائز کر دی۔

صفحہ ۲۰ ستارگان ہمہ خوانند نام او کہ بوند بزیر مرکب او بر کواکب و مشقب

کوکب سید القوم و فارسهم منقب الخبیر الفطن ذوالرلے - یا کواکب منقب ستارہائے روشن المعنیٰ ستارے اوس ممدوح کا نام لیتے ہیں۔ کیونکہ ممدوح کے آسمان سیر گھوڑے کے پاؤں کے نیچے ہوکر شہسواران خبیر پر۔ یا ستارگان روشن پر انھیں فوقیت حاصل ہوجاتی ہے۔

صفحہ ۲۱ وانکہ دوتا باشد با تو بدل تا دل فرزنداں با او دوتا ست

جس کسی کا دل تم سے منافق ہوتا ہے۔ تو اس کی اولاد کا بھی دل اوس سے منافق ہوجاتا ہے۔

صفحہ ۲۲ ہنگام خزانست وخزانرا بدر اندر تو نور بنے زرین برجاے بہار ایست

زمانہ خزاں کا ہے۔ اور خزان کے لئے کوہ ودشت میں تو درخت نور بجاے بہار ہے۔

صفحہ ۲۶ بگذار حق مہر مہ ایشہ کہ مہ مہر نزدیک تو از بخت تو پیغام گذار ایست

مہر مہرگان۔ ماہ خزاں۔ جاڑوں میں شراب خوری زیادہ لطف دیتی ہے حق مہر جو کوئی خوشخبری لاتا ہے۔ اوسے امرا انعام دیتے ہیں۔ ماہ مہرگان کا انعام میخواری ہے۔ المعنی جاڑا چونکہ تمہاری خوش بختی کا پیغام لایا ہے۔ لہذا اوسکا انعام ادا کرو یعنی شراب پیو۔

صفحہ ۲۸ وز جود وز فضل تنہا نیست در ہمانند خویشتن تنہاست

ہمانند اشباہ وامثال (المعنیٰ) وہ صرف بخشش وفضیلت ہی میں بے نظیر نہیں ہے۔ بلکہ اپنے اقران وامثال میں بھی فرید ووحید ہے۔ صرف لفظ ہمانند کیوجہ سے اس شعر کو اختیار کیا۔

صفحہ ۳۲ نتواں گفت کہ دریاے دمان دیگر ست نتواں گفت کہ دریاے دگر چیز دراوست

دیگر ہست یہ شعر ما فوق بمعنی غیر دل ممدوح المعنیٰ۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ دریاے

جوشان وخروشان دل ممدوح کے سوا کوئی اور چیز ہے۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ کہ انجاح مرام کے لئے بجز در ممدوح کوئی اور دروازہ ہے۔ (دل ممدوح کو دریائے جوشان فیاضی کے لحاظ سے کہا ہے)

صفحہ ۳۴ چگونہ ہول حیوانے زبالاچوں ژیان پیلے کجا پیل ژیان زوتا جہاں باشد جہاں باشد

ہُول بضم بمعنی راست و درست و بمعنی بلند۔ یا ہول بفتح زید عدل کی طرح بمعنی ہولناک المعنی وہ گینڈا اکسطرح کا بلند حیوان ہے۔ کہ بلندی قامت میں لکھنا ہاتھی یا برجھایا ہوا ہاتھی معلوم ہوتا ہے۔ برجھایا ہوا ہاتھی اوسکے مقابلہ میں کیا چیز ہے وہ تو دنیا کے اوس سرے تک چھلانگیں مارتا جاتا ہے۔

صفحہ ۳۸ بر آنکس کو نہ محمودی ست نہ مومی بود شک کہ باشد آنکہ زین جملہ تواند بود آن باشد

محمودی پیر و محمود۔ و بمعنی قابل ستائش۔ انھین دونون معنے سے مفہوم شعر ہے۔ المعنی جب کوئی پیر و محمود اور قابل ستائش نہیں۔ تو ضرور قابل مذمت ہے۔ کون ایسا شخص ہے کہ محمودی ہو سکنے پر نہ مومی بنے۔

صفحہ ۳۹ برفت بردم آن روشنی وازپے آن بجستجوے سواران جلد بفرستاد

دم بفتح پاس۔ نزدیک۔ و بالضم بمعنے عقب۔ اس جھگڑے سے بہتر ہے۔ پس پڑھا جائے۔ اور لفظ جستجو کے آخر میں یاے تحتانی زائد ہے برائے اضافت نہیں۔ المعنی۔ دھنے ہاتھ کی طرف جو روشنی دکھائی دی۔ اوسکی طرف چلا۔ اور اوس روشنی کے پیچھے تلاش میں چست و چالاک سوار بھی بھیجے۔ جلد شدید القوی (منجد) چست و چالاک (منتخب)

صفحہ ۴۱ و آنرا کہ نخواہد کہ درین خانہ بود ملک اندر ہمہ ملک نہ خان باد و نہ مان باد

درین خانہ در دار دنیا المعنی جو شخص بھی ممدوح کے لئے یہ نہیں چاہتا کہ تمام دنیا میں اوس کی حکومت ہو۔ دنیا بھر میں یا ممدوح کی حکومت میں اوس کا

خان و مان نرہے

صفحہ۴۴ دل عاشق آنست کہ بے عشق نباشد اے دوست دلے کو را بے عشق برآید

مصرع ثانی اس طرح بھی ہے ؎

اے وائے دلے کو زپے عشق برآید

المعنی ہر دل اسبات کا خواہاں ہے کہ بے عشق نرہے۔ اے مخاطب دوست ایسا دل کسکو میسّر ہے جسکی بغیر عشق نبھے۔ معنے بلحاظ نسخہ۔ باایں ہمہ اوس دلپر افسوس ہے۔ جو عشق کے پیچھے پڑے۔ کیونکہ تکالیف عشق ناقابل برداشت ہیں۔ یا برآید کے معنی الگ ہوجائے۔ یعنی اوس دلپر افسوس ہے جو عشق سے الگ رہے۔

صفحہ۴۵ گل بجنبد زیاد ایں بر سنگ آب گردوز درد آں پولاد

گل سے مراد گل لالہ سنگ کی مناسبت سے المعنی محمد بن محمود کی یاد میں کوہ پر لالے بھی اہتزاز اور نشاط میں آجاتے ہیں اور محمود کی موت کے درد سے فولاد بھی آب آب ہوجاتا ہے۔

صفحہ۴۷ سوار با سر اندر شدے بدو وازاں برون شدے ہمہ تن چون ہزار پلے بسر

سوار سر لیکے ممدوح کے سامنے آتا ہے مگر پھر اوسکے سامنے سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتا ہے۔

صفحہ۸۰ چو قدرت تو نگہ کرد و عجز خویش بدید چو آبگینہ شد آب اندر و ز شرم و حجر

حجر کا عطف آبگینہ پر ہے نہ شرم پر (المعنی) جب سمندر نے تیری قدرت اور اپنی عاجزی دیکھی تو شرم کے مارے شیشہ اور پتھر کیطرح جم کے رہگیا۔

صفحہ۹۲ گر کسے خواہد کہ در گیتی چو تو کارے کند چون کند۔ چون در ہمہ گیتی نیابد ہیچکار

اگر کوئی شخص دنیا میں تمہارا ایسا کام کرنا چاہے تو کیسے کرسکتا ہے۔ جب دنیا میں اوسے کوئی کام کرنے کو ملے ہی گا نہیں۔ کیونکہ تمام کام تو تم نے ختم کرڈالے۔

صفحہ ۹ بار غم و اندیشہ ہمہ زین دل برخاست تا مشک سیہ دیدم کافور ترا بار
تمام بار فکر و غم میرے اس دل سے دور ہو گیا۔ (یا۔ او مٹھ کھڑا ہوا) جیسے کہ کالی کالی زلفین تیرے گورے چہرہ پر بکھری دیکھیں یا۔ یار بجائے بار پڑھو۔

صفحہ ۹ کار دل من ساختہ بود است نبود است امروز بکام دل من گشتہ ہمہ کار
پہلے جو کام دل کا نہ بنا تھا وہ اب بن گیا۔ فی الحال میرے مقصد دلی کے موافق سب کاروبار ہے۔

صفحہ ۱۰ از زینت و قیمت و مقدار جہانرا تبو بود عمر خویش از چہ قبل بر تو نبرد است بکار
دنیا کی زینت و قدر و منزلت تجھی سے تھی۔ پھر زمانہ نے اپنی عمر تجھے کیوں نہ دیدی۔

صفحہ ۱۰ صدر مظالم بتو ندادے بر خیر گر تو بنودی بصدر ملک سزاوار
محکمہ خیرات کے ساتھ محکمہ تعزیرات تمکو کبھی نہ دیتا اگر تم صدر سلطنت کے سزاوار نہ ہوتے

صفحہ ۱۰۳ بار خدایا خدایگانا شاہا شعر مرا سہل برگذارہ کن ایں بار
اے میرے آقا اے میرے مالک اے میرے بادشاہ اس مرتبہ میرے اشعار کو نظر سہولت سے دیکھئے۔

صفحہ ۱۰۶ بو بکر عندلیب نوا را بخواں گو قوم خویش را چو بیائی بیار
ابو بکر گویا جو بلبل کی طرح نغمہ سرا ہے۔ اوسے بلاؤ اور یہ بھی کہدو جب خود آئے تو اپنے ساتھ اپنے طائفہ کو بھی لائے۔

صفحہ ۱۱۰ از پرستیدن آن شاہ کہ دست و دل اوست جود را پشت و پنہ بہر اماں یُسر و یسار
یُسر سہولت و آسانی یسار توانگری۔ دست چیپہ کنایہ از قدرت و اعانت و مدد۔ المعنی۔ اے معشوق میرے جسم کے ساتھ اور جو جی چاہے کر مگر اوس بادشاہ کی پرستش سے نروک جو سخاوت کا پشت و پناہ اور امان کے لئے سہولت اور قوت ہے۔

صفحہ۱۱۱ چون ملک شان بدید ازان سہ یکے بحشم داد و مابقی بہ حشر
راست گفتی زبہر ایشان بود آن شکار گرفتہ گرد مگر

جب بادشاہ نے اون شکار کئے ہوئے جانوروں کو دیکھا تو ایک تہائی اپنے نوکر چاکر کو دیدئے۔ اور باقی ہمراہیوں کو سچ تو یہ ہے کہ وہ شکار جمع کیا ہوا انھیں لوگوں کے واسطے تھا۔

صفحہ۱۱۴ رمضان رفت و رہے دور گرفت اندر بر خنک آنکو رمضانرا بسترا بر دبسر

ماہ رمضان گذر گیا اور اس نے خشکی میں دور کا راستہ اختیار کیا۔ اوسیکا دل ٹھنڈا ہے۔ جسنے رمضانکو مناسب طور سے بسر کیا یعنی روزے رکھے۔

صفحہ۱۱۴ دستہا کردہ برنگ نو و پا کردہ بلند آنکہ چون چشم نگار است و چو زلف دلبر

دست برنگ نو کردن ہاتھوں پر مہندی لگانا۔ پا بلند کردن پابند ہونا (انجمن آرا) جلدی چلنا۔ دور نا (بہار عجم) یہ شراب کی تعریف میں ہے۔ المعنی۔ وہ شراب بہت جلد آئی جس نے اپنے رنگ سے دستِ ساقی یا میخوار کو رنگیں کر دیا۔ اور وہ شراب مثل چشم یار سرخ ہے اور مثل زلف نگار معطر ہے۔

صفحہ۱۱۶ تو بگفتی بچہ ماند کہ من ایدون گفتم کہ بمہ ماند و مہ راز ستارہ لشکر

ماہ ازان گفتم کاندر لغت و لفظ عرب چشمۂ روز بود ماده و مہ باشد نر

چشمۂ روز شمس زبان عربی میں مونث سماعی ہے۔ اور قمر مذکر ہے۔ المعنی۔ اے مخاطب تو نے مجھ سے پوچھا کہ تیرا ممدوح کس چیز سے مشابہت رکھتا ہے۔ میں نے فوراً کہا کہ قمر سے مشابہ ہے اور ماہ کا لشکر ستارونکا ہوتا ہے۔ یعنی کثیر۔ قمر سے میں نے اس لئے تشبیہ دی کہ لغت عرب میں شمس مونث ہے اور قمر مذکر۔ اگر شمس مونث نہوتا تو شمس کہتا جو اظہر آیات الٰہی ہے۔

صفحہ۱۱۷ ہر درختے پرنیاں پیہنی اندر سر کشید پرنیاں خرد نقش سبز بوم لعل کار

بہار کے زمانہ میں ہر درخت نے ایسی پرنیاں چینی کی چادر اوڑھ لی ہے۔ جس پر چھوٹے چھوٹے بوٹے ہون زمین (متن) کا رنگ سبز اور اوسپر سرخ کام کیا ہوا ہو۔

صفحہ ۱۱۸ بس نپاید کو بپرواز اندر آید گرم جوش گر بپرواز اندر آید مملکت گیرد قرار

وہ ہمائے رایت بہت نہیں ٹھہرتا۔ کہ پھر گرمجوشی کے ساتھ پرواز کرنے لگتا ہے اور جب وہ پرواز کرتا ہے تو سلطنت کو استقرار اور استقلال ہو جاتا ہے۔ (یا بس نیاید = بہت دیر نہ ہوگی)

صفحہ ۱۲۶ ناوک او چو برون جستے از پہلوے رنگ سفرے کردے چند انکہ کند چشم سفر

اوسکا تیر جب بز کوہی کے پہلو کو توڑ کے باہر نکل جاتا تھا۔ تو اتنی دور جاتا تھا۔ کہ جہانتک نگاہ کام کرے۔

صفحہ ۱۲۶ غرم دیدم چو خسک کردہ ز بس پیکان پشت کرگ دیدم چو سغر کردہ ز بس ناوک بہ

غرم بضم غین میش کوہی کرگ مخفف کرگدن گینڈا سغر خار پشت۔ سیہی المعنی۔ کثرت سے پیکان لگنے کی وجہ سے میش کوہی کی پیٹھ گوکھرو کی ایسی معلوم ہوتی ہے اور بکثرت تیر لگنے کیوجہ سے گینڈے کا جسم خار پشت کا ایسا دکھائی دیتا ہے۔

صفحہ ۱۲۷ اے از در دیدار بدید آئے و بدیدار آن روے کز و رنگ ستاند گل بہار

از در سزاوار گل بہار وہ پھول جو شاخ میں لگا ہوا اور توڑا نگیا ہو۔ المعنی۔ اے سزاوار دیدار دیکھنے میں آ اور اپنا وہ چہرہ دکھا جس سے گل ناچیدہ رنگ حاصل کرتا ہے۔

صفحہ ۱۳۱ چندین شرف و فضل و بزرگیست خرد را اے از خرد آنجا کہ خرد را نبود بار

عقل کو بہت شرف اور فضیلت اور بزرگی دیجاتی ہے۔ اے ممدوح تم

اپنی عقل کامل کی وجہ سے اوس بلند مقام پر پہنچے ہوے ہو کہ جہانتک خود ذات عقل بھی نہیں پہونچ سکتی ۔

صفحہ ۱۲۲ تا ترا دیدہ ام ایماہ دگر سان شدہ ام باخلل گشت ہمی حال من و جان بخدر

اے ماہ جب سے میں نے تجھے دیکھا ہے میرا رنگ اور ہی ہوگیا ہے۔ میری حالت میں خلل واقع ہوگیا ہے اور جان قابل احتراز ہے۔

صفحہ ۱۳۶ راست گفتی قضاے نیکستی برنشستہ مکابرہ بقدر

سچ جو پوچھو تو تم قضاء نیک ہو اور قدر پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے آمادہ ہو

صفحہ ۱۳۹ راست گفتی بباد برجم بود گر بود بادرا ستام بزر

تم تیز رفتار گھوڑے پر کیا سوار ہو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان ہوا پر ہیں۔ لیکن یہ تشبیہ اوسوقت درست ہوگی جب ہوا کی لگام سونکی ہو۔ چونکہ ایسا نہیں لہذا تمہارا گھوڑا ہوا سے بہتر ہے۔ اسکو تشبیہ تفضیل کہتے ہیں۔

صفحہ ۱۴۵ نیزۂ سازد او زدہرہ تیز از یک اندر نشاختن بہ دگر

نشاختن نشاندن۔ چھیدنا۔ چبھونا۔ دہرہ۔ اہل دیلم وطبرستان کا ایک حربہ ہے جسکا پھل ہنسئے کی طرح نہایت تیز ہوتا ہے۔ اور اوسکا دستہ لوہے کا ہوتا ہے۔ المعنی اپنا نیزہ خنجر سے بھی زیادہ تیز رکھتا ہے۔ تاکہ ایک مخالف کو توڑکے دوسریکو بھی چھیدے۔

صفحہ ۱۵۵ حشم و لشکر بیدل شدہ بودند ہمہ از غم واندہ دیر آمدن او ز سفر

لشکر ایزد راکان اندہ و آن غم بگذشت کار چون چنگ شد واندہ ہمچون آذر

مسعود بن محمود کے ایران سے جلد واپس نہ آنے پر حشم و لشکر کے سب لوگ بیدل ہو رہے تھے اور اس بات کا ان لوگوں کو غم تھا۔ کہ سفر ایران سے واپس آنے میں کیوں دیر ہوئی۔ اللہ کا شکر کہ اونکے آجانیسے غم واندوہ دور

ہوگیا۔اور کام مثل ساز چنگ پر نشاط وطرب ہوگیا۔اور اندوہ آگ کی طرح سوختہ ہوکے رہ گیا۔

صفحہ ۱۵۶ وزرعیت نہ عجب نیز کزیں دور نیند مرغ وماہی چہ بہ بحر اندر وچہ اندر بر

رعیت سے بھی تیری دوستی عجیب بات نہیں کیونکہ پرندے خشکی میں اور مچھلیاں سمندر میں تیری دوستی سے باہر نہیں۔

صفحہ ۱۵۸ بقاء شہ بود تا از بد اندیش نباید ہیچ مستے را ستغفار

بادشاہ اوسوقت تک زندہ رہے جب تک کہ کسی مست کو اپنی میخواری کی عادت بد سے توبہ کرنا ضروری نہو۔

صفحہ ۱۲۶ تو خورشیدی از بہر تو بر بگردوں گراں گہ گذارند بالائے محور

گہ مخفف گاہ بمعنی تخت المعنی۔تم عین خورشید ہو تمہارے لئے آسمانکے محور پہ کارکنان قضاو قدر بھاری تخت بچھائینگے۔

دیوان فرخی بقدر نصاب ہین میرے نزدیک سوا سو اشعار قابل توجہ ہیں جنکے معانی میں نے فرہنگ دیوان فرخی میں لکھدے ہیں۔ جو چھپ چکی ہے۔

سیّد اولاد حسین شاداں بلگرامی

دیارِ عرب کے مغربی سیّاح

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۷) جیمز ویل سٹڈ

James Wellsted.

جیمز ویل سٹڈ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں ایک بحری افسر تھا۔ وہ پہلا مغربی سیاح ہے جس نے عُمان کے علاقہ میں دُور دُور تک سفر کیا۔ اور پھر اپنے سفرنامہ کے ذریعہ سے مغربی دنیا کو عرب کے اس حصہ کے جغرافی طبعی اور دیگر حالات و کوائف سے آگاہ کیا۔ یہ سیّاح عمان میں داخل ہونے سے پہلے عرب کے مغربی اور جنوبی ساحلوں کی مساحت کر چکا تھا۔ اور جزیرہ سقوطرہ میں بھی دریافت حالات کے لئے سفر کر چکا تھا۔ اُس نے حضرموت میں بھی داخل ہونے کی ناکام کوشش کی تھی۔

۱۸۳۵ء کے آخر میں ویلسٹڈ مسقط میں اُترا۔ اور امام مسقط کی اجازت سے اور اس کی حفاظت میں اس نے مختلف جہات میں دور دور تک سفر کیا۔ سب سے پہلے اس نے عمان کے انتہائی جنوبی حصہ کی سیاحت کی اور وہاں کے بدویوں کے ساتھ ساحل سے اندرون ملک میں دو منزل تک گیا۔ اس نے دیکھا کہ اس ساحلی علاقہ کے باشندوں کا گزارہ چوپانی اور ماہی گیری پر ہے۔ اور کبھی صرف لوٹ مار پر۔ اس کے بعد اس نے شمال کی طرف عمان کے وسطی پہاڑوں کا رُخ کیا۔ اور راستہ میں فنات یا فلج (فارسی کاریز) یعنی زمین دوز آب رسان نالیوں

کو دیکھا اور اُن کی ساخت پر حیران ہوا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ کہ میں نے کئی ایک پانی کی نالیاں دیکھیں جو تقریباً چالیس فٹ کی گہرائی پر بہتی تھیں۔ جس جہت میں پانی لے جانا مقصود ہوتا ہے۔ اس طرف خفیف سا ڈھلوان رکھتے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر روزن ہوتے ہیں۔ جن میں سے اتر کر نالی کو صاف رکھتے ہیں۔ اس طریق سے پانی میلوں تک لے جاتے ہیں۔ قنات کا ایک یہ بھی فائدہ ہے۔ کہ سورج کی تمازت اور تبخیر سے پانی ضائع نہیں ہوتا۔ ممکن ہے اہل عمان نے یہ طریقہ اہل فارس سے سیکھا ہو۔ جن کے ہاں کاریز کا عام رواج ہے۔

عمان کے درمیان میں ساحل سے فاصلہ پر مگر اس کے متوازی پہاڑوں کا ایک لمبا سلسلہ شمالاً جنوباً چلا گیا ہے۔ شہر مسقط کے بالمقابل حصہ کوہستان کو جبل اخضر کہتے ہیں۔ ولیسٹڈ نے دیکھا کہ جبل اخضر واقعی طور پر اسم بامسمّٰی ہے۔ دامانِ کوہ کی شادابی اور لہلہاتے کھیت دیکھ کر اس نے دل میں تعجب کیا کہ آیا یہ بھی ملک عرب ہی کا حصہ ہے جو عام طور پر اپنی بیابانی کے لئے مشہور ہے۔ غلّے اور گنّے کے ہرے بھرے کھیت کھڑے تھے۔ ہر طرف پانی کی نہریں بہہ رہی تھیں۔ اور مزارعین کے چہروں سے اطمینان اور بشاشت ٹپک رہی تھی۔ ولیسٹڈ نے اس کوہستان میں اِدھر اُدھر بہت سے چکر کاٹے۔ اگرچہ پہاڑوں کی چوٹیاں اور بالائی حصے بالعموم عریاں تھے۔ مگر اُن کی درمیانی وادیاں شاداب تھیں۔ جہاں غلّوں کے علاوہ انواع و اقسام کے پھلوں کے درخت اُگ رہے تھے۔

ولیسٹڈ نے ساحلی علاقہ کی بھی سیر کی تھی۔ جسے باطنہ کہتے ہیں۔ یہ علاقہ مسقط سے لے کر شمال کی طرف راس مسندم تک چلا گیا ہے۔ پانی کی افراط کے سبب سے نہایت زرخیز ہے اور مسلسل آباد ہے۔ اور بے شمار نخلستانوں سے معمور ہے۔ جن کی کھجوریں کثیر مقدار میں دساور جاتی ہیں۔

ویلیسٹڈ کا سفرنامہ (Travels in Arabia) کے عنوان سے ۱۸۳۸ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔

(۸) فون وریدے

Adolf von Wrede.

فون وریدے ایک جرمن صاحب السیف تھا جس نے کچھ مدت مصر میں بسر کی تھی۔ یہ پہلا مغربی سیاح ہے جس نے حضر موت کے علاقہ میں سیاحت کی۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ویلیسٹڈ اس علاقہ میں داخل ہونے میں ناکام رہا تھا۔ یہی باشندوں کے شک وشبہ اور اُن کے تجسّس سے بچنے کے لئے فون وریدے نے عربی نام اور عربی لباس اختیار کیا۔ پہلے عدن پہنچا، پھر مُکلّا آیا جو کہ بحیرہ عرب کے ساحل پر حضر موت کا سب سے بڑا بندرگاہ ہے۔ اور جنوب عرب میں عدن سے از کر اہمیت میں دوسرے درجہ پر ہے۔ یہاں اس نے چودہ پندرہ بدوی ساتھ لئے اور ظاہر کیا کہ وہ حضرت ہودؑ کی قبر کی زیارت کو جا رہا ہے جس کا حضر موت میں واقع ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ ۲۶ جون ۱۸۴۳ء کو روانہ ہو کر نو دس دن کے سفر کے بعد وادی دوّان میں پہنچا جو نہایت سرسبز و شاداب تھی۔ یہاں بہت سے گاؤں آباد تھے۔ جو نخلستانوں سے گھرے ہوئے تھے۔ اُن میں سب سے بڑا گاؤں خریبہ نامی تھا۔ وہاں کا شیخ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اور اُس نے اُسے اِدھر اُدھر مختلف جہات میں سیر و سیاحت کرنے میں امداد دی شمال کی طرف وریدے ربع الخالی کے کنارے تک پہنچا۔ جس کے حضر موت کے بالمقابل حصہ کو بحر الصافی کہتے ہیں۔ وہاں سے واپس آکر اُس نے قبر ہودؑ کی طرف رُخ کیا۔ مگر لوگوں کی مخالفت کے سبب سے اُسے راستہ ہی سے واپس آنا پڑا۔ آخر کار ستمبر میں وہ

واپس مکلا آ پہنچا۔

فون وریدے کے حالات سفر اور نتائج سیاحت کی مختصر روئداد ۱۸۴۴ء میں انگلستان کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کو بھیجی گئی تھی۔ مگر اس کا پورا سفرنامہ اس کی وفات کے بعد برن مالٹزن نے ۱۸۷۰ء میں Brunswick کے مقام سے بمعہ نقشہ اور حواشی کے شائع کیا۔

وریدے کے سفر سے علمی دنیا نے حضرموت کے طبعی و دیگر حالات سے اطلاع پائی۔ اس کی سیاحت سے یہ منکشف ہوا کہ تمام ملک ایک سطح مرتفع ہے۔ اور اس کے بیچوں بیچ ایک بڑی وادی ہے۔ جو پہلے تو مشرق کی طرف بہتی ہے۔ پھر اس کا رُخ قدرے جنوب کی طرف ہو گیا ہے۔ اور بالآخر میھوت کے مقام پر سمندر کے ساتھ جا ملتی ہے۔ اس بڑی وادی کے متوازی اور بہت سی معاون وادیاں ہیں۔ جو بڑی وادی کے ساتھ مل جاتی ہیں۔ یہ سب وادیاں ملک کی سطح مرتفع کو بڑی گہرائی تک کاٹتی ہیں۔

وریدے کے بعد متعدد جرمن اور انگریز سیاحوں نے حضرموت کی سیاحت کی اور وہاں کے جغرافی، مذہبی، اقتصادی اور معاشری حالات دریافت کئے۔ ان سب کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔ ابھی پچھلے سال ایک انگریز خاتون Freya Stark نامی نے وہاں کا سفر کیا ہے۔ اور واپسی پر وہاں کے حالات پر ایک دلچسپ کتاب لکھی ہے۔ جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔

(۹) ارنو

Arnaud.

جس زمانہ میں وریدے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر حضرموت میں سفر

کر رہا تھا۔ اسی زمانہ میں ایک فرانسیسی شخص ارنو نامی اس کے مغرب میں بلاد مأرب کی تاریخی سرزمین میں مصروف سیاحت تھا۔ اہل مغرب میں سے ارنو پہلا شخص ہے جس نے مأرب کے کھنڈروں کو برأی العین مشاہدہ کیا۔

یہ شخص پہلے خدیو مصر کے ہاں ملازم تھا۔ پھر سلطان صنعاء کی ملازمت میں چلا گیا۔ اُن دنوں فریسنل نامی ایک عالم جدّہ میں فرانس کی طرف سے قنصل مقرر تھا۔ اس کی فرمائش اور تحریص سے ارنو نے مأرب کے قدیم کھنڈروں کو برای العین دیکھنے کے لئے کمر ہمت باندھی۔ اور چند ایک عرب رفیقوں کے ساتھ ۱۸۴۳ء میں صنعاء سے مشرق کا رخ کیا۔ اور راستہ میں بہت سے خطروں کا سامنا کر کے بالآخر سبا کے کھنڈروں تک پہنچا۔ اور وہاں سے ایک وسیع وادی میں سے گزرتے ہوئے جہاں اب بھی مشرق اور جنوب کی طرف ندی نالے بہتے ہیں۔ سدّ مأرب پر جا پہنچا۔ اور وہاں کے کتبات اور نقوش کو دیکھا اور تقریباً ساٹھ حمیری کتبوں کی نقول حاصل کر کے واپس لوٹا۔ جو زورنل آزیاتیک میں شائع ہوئے اور جن کو Osiander نے پڑھا اور حل کیا۔

ارنو نے اپنے حالات سفر رسالہ مذکورہ کی پانچویں جلد بابت ۱۸۶۵ء میں لکھے تھے اور اسکے ساتھ سدّ مأرب اور اسکے نواحی کے نقشے اور خاکے بھی شائع کئے تھے۔

اگرچہ ارنو کو کتبات کے حصول میں لحاظ زمانہ سبقت حاصل نہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے متعدد کتبے دریافت ہو چکے تھے۔ اور نہ ہی اس نے کوئی طویل سیاحت کی تاہم وہ اہل علم کے شکریہ کا اس لحاظ سے مستحق ہے۔ کہ اس نے محض علمی تحقیقات کے لئے ایک ملک بے آئین میں سفر اختیار کر کے اپنی جان جوکھوں میں ڈالی۔ بعد میں گلاز رد غیرہ نے اسی علاقہ سے ہزاروں کتبے جمع کئے۔ مگر اُسے ترکوں کی حفاظت اور حمایت حاصل تھی۔ ارنو اس لحاظ سے قابل ذکر ہے۔ کہ اس کے مشاہدات اور فراہم کردہ معلومات سے جنوبی عرب کے اثریات کے متعلق ہمارے علم میں ایسے وقت میں معتدبہ

اضافہ ہوا۔ جب کہ ابھی اس موضوع پر ہماری معلومات کا ذخیرہ بہت کم تھا۔

(۱۰) والن

G. A. Wallin

جیسا کہ بیان بالا سے ناظرین پر ظاہر ہو چکا ہوگا۔ ایک عرصۂ دراز تک دیارِ عرب کے جنوبی حصّے اور حجاز کے حرمین مغربی محققوں کی جولانگاہ بنے رہے۔ اور شمالی عرب کی طرف کسی سیّاح نے رخ نہ کیا۔ پہلا مغربی سیاح جس نے پچھلی صدی کے تقریباً وسط میں وہاں کے تمام مشہور اور اہم مقامات کو دیکھا۔ اور پھر علمی دُنیا کے افادہ کے لئے اپنے مشاہدات کو قلمبند کیا۔ سویدی نسل کا ایک عالم وَالِن نامی تھا۔

والن اُن معدودے چند نہایت قابلِ افرینی علما میں سے تھا جنہوں نے عرب کی سرزمین پر علمی تحقیقات یا سیاسی اغراض سے قدم رکھا ہے۔ اول تو وہ عربی زبان میں خوب مہارت رکھتا تھا۔ چنانچہ عرب کی سیاحت کے بعد وہ Helsingfors کی یونیورسٹی میں عربی کا استاذ مقرر ہو گیا۔ دوسرے وہ ایک نہایت دیدہ ور شخص تھا جس کی نگاہ سے عرب کی جغرافی فضاء اور وہاں کی معاشرت سے کوئی ضروری بات نہ بچی تھی۔ مابعد کے سیاحوں کے تذکروں سے مقابلہ کرنے سے اس کے بیان کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ اگرچہ اس میں ایک ایسے محقق کی تلاش اور جستجو ظاہر ہوتی ہے۔ جو محض علمی اغراض سے سفر کرے۔ تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے خدیو مصر نے وسط عرب اور خصوصاً حائل کی ریاست کے حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ بہرحال وہ قاہرہ سے اپریل ۱۸۴۵ء میں ایک مسلمان شیخ کی صورت بنا کر روانہ ہوا۔ اور معان کے راستہ سے الجوف میں وارد ہوا۔ جہاں وہ دو مہینے تک مقیم رہا۔ اس نے یہاں کے حالات اس تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ کہ بعد کے سیاح اس پر کچھ زیادہ اضافہ نہیں کر سکے۔

الجوف سے روانہ ہو کر اس نے صحرائے نفود کو قطع کیا اور جبل اجا و سلمیٰ کے

علاقہ میں پہنچا جس کو آج کل بحیثیت مجموعی جبل شمر کہتے ہیں۔ حائل کا شہر یہیں واقع ہے جس نے پچھلی صدی میں نجد کے حریف ہونے کی حیثیت سے بہت شہرت اور اہمیت حاصل کی تھی۔ جس زمانہ میں والن وہاں پہنچا تو ابن رشید نے وہاں ایک منظم اور طاقتور ریاست قائم کر رکھی تھی۔ شہر صاف ستھرا اور خوب آباد تھا۔ منڈیاں مال تجارت سے بھری پڑی تھیں اور ہر طرف امن و امان کا دور دورہ تھا۔

قیام حائل کے بعد والن نے ایرانی حاجیوں کے ساتھ حجاز کا عزم کیا۔ افسوس کہ اس نے حرمین کے حالات تفصیل سے نہیں لکھے۔

اس کے بعد والن واپس قاہرہ چلا آیا۔ اور اپنے حالات سفر شائع کرنے سے پہلے دوبارہ عرب کا رُخ کیا۔ اس دفعہ وہ سمندر کے راستہ سے مدین کے بالمقابل ساحل پر اترا اور وہاں سے تبوک پہنچا۔ پھر شمالی حجاز کی مشہور نخلستانی بستی تیماء میں وارد ہوا۔ جہاں آج تک کسی مغربی سیاح کا قدم نہیں پہنچا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ تیماء صحرا سے محصور ہے۔ اور اس کی شادابی تمام تر بئر الھُودَج پر موقوف ہے۔ جو ایک بہت بڑا کوآں ہے جس سے لوگ اپنے نخلستانوں اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔

تیماء میں ہفتہ عشرہ قیام کرنے کے بعد وہ دوبارہ حائل میں وارد ہوا۔ جہاں امیر عبداللہ فوت ہو چکا تھا۔ اس مرتبہ والن نے یہاں مہینہ بھر قیام کیا۔ مگر ہمیں معلوم نہیں کہ اُس نے یہ وقت کن مشاغل میں صرف کیا۔ چونکہ امیر عبداللہ کی وفات کے بعد ملک میں پورا امن نہ تھا۔ اس لئے وُہ آس پاس کے علاقہ میں بغرض تحقیق سیر و سیاحت نہ کر سکا۔ اور بالآخر ایک قافلہ کے ساتھ اُس نے عراق کا رُخ کیا۔ اور وہاں سے واپس وطن چلا گیا۔

والن چار سال بعد فنلینڈ میں فوت ہو گیا۔ اس نے اپنے دو نو سفروں کے حالات

انگریزی زبان میں لکھ کر انگلستان کی شاہی جغرافی انجمن کو بھیجے تھے۔ جو انجمن مذکور کے رسالہ کی بیسویں اور چوبیسویں جلد میں شائع ہو گئے تھے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے ان دو مقالوں کے علاوہ اُس نے اور کوئی روئداد اپنی سیاحت کی نہیں چھوڑی۔

(باقی دارد)

عنایت اللہ

از ملتان

پرتھی راج راسا

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ مئی ۱۹۳۷ء)

کھنڈو کا ذکر راسا میں کثرت کے ساتھ ملتا ہے۔ وہ پرتھی راج کی چہیتی شکارگاہ معلوم ہوتی ہے۔ جہاں متعدد موقعوں پر وہ شکار کھیلتا دیکھا جاتا ہے۔ چنانچہ (۱) جب حسین پناہ لینے کے لئے پرتھی راج کے دربار کا رُخ کرتا ہے۔ اس وقت پرتھی راج کھنڈو پور میں جس سے مقصد یہی کھنڈو ہے شکار میں مصروف تھا (حسین کتھانویں داستان چھند ۹ ص ۳۸۸) (۲) سلکھ جدھ ۱۳ ویں داستان میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ پرتھی راج شہاب الدین سے زر فدیہ وصول کر کے اور اس کو آزاد کر کے کھنڈو بن شکار کو چل دیتا ہے۔ (۳) آکھیٹک چوک برنن دسویں داستان میں پرتھی راج کھنڈو بن میں شکار کو جاتا ہے۔ شہاب الدین کو جاسوسوں کے ذریعہ سے یہ اطلاع غزنیں پہنچ جاتی ہے۔ شاہ لشکر لے کر پہنچ جاتا ہے۔ اور بن کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے (۴) جیت راو جدھ ۳۴ ویں داستان۔ دلی پہنچنے سے ڈھائی سال بعد پرتھی راج کھنڈو بن شکار کو جاتا ہے۔ اس کی اطلاع نیت راو کھتری شہاب الدین

کو پہنچا دیتا ہے۔ (۵) ہنساوتی و واہ ۳۶ دیں داستان۔ شاہ کو جاسوسوں کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پرتھی راج کھٹو پور شکار کو گیا ہے (چھند ۱ ص ۱۰۵۴/۹) (۶) کیماس جدھ ۴۳ دیں داستان۔ دھرمائن کا بیٹہ پرتھی راج کے کھٹو بن جانے کی اطلاع شہاب الدین کو پہنچاتا ہے (چھند ۱۵ ص ۱۱۸۰/۱۰)۔ (۷) دھن کتھا ۴۲ دین داستان۔ پرتھی راج اسی کھٹو کے بن سے ایک خزانہ نکالتا ہے۔ یہ داستان راسا کی مقتدر داستانوں میں سے ہے۔

راسا کی روایات میں کھٹو کے اس قدر اہم ہونے کی وجہ سے ہم مطلق تاریکی میں ہیں۔ اس کے بیانات سے تو ایسا واضح ہوتا ہے۔ کہ سندربن اور کجلی بن کی طرح کھٹو بن بھی کوئی بہت بڑا بن ہوگا۔ جس میں پرتھی راج مہینوں شکار کھیلتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ شہاب الدین غزنیں سے آکر اسے گھیر بھی لیتا ہے۔ ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصنف نے کھٹو کا فقط نام سن رکھا ہے۔ وہ اس مقام کے طبعی اور جغرافیائی حالات سے بالکل ناواقف ہے۔ کھٹو تمام تر ریگستانی علاقہ ہے۔ یہ موضع ایک پہاڑ کے ضلع میں جو تین میل لمبا ہے آباد ہے۔ پانی اس قدر نایاب ہے۔ کہ اس علاقہ میں کسی وقت بھی کوئی وسیع و عریض جنگل محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اور نہ شکاری جانور آباد ہو سکتے۔ شیر۔ تیندوا۔ چیتا سانبھر جھانک وغیرہ ان اطراف میں نہیں پائے جاتے۔ ہرنوں کی اقسام میں صرف چکارہ ملتا ہے۔

کھٹو نام کے دو موضعے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے دو تین میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ ایک کو دوسرے سے ممیز کرنے کے لئے مغربی قصبہ کو آج کل بڑی کھاٹو اور مشرقی قصبہ کو چھوٹی کھاٹو کہتے ہیں۔ راسا کا مصنف صرف ایک قصبہ سے واقف ہے۔ جو اس کے نزدیک کھٹو ہے۔ کھٹو اس میں شک نہیں قدیم تلفظ ہے۔ اور کھاٹو جدید۔ راقم نے اس قصبہ کے متعلق جس قدر پرانے فرامین اور کتبے دیکھے ہیں۔ ان پر بصورت کھٹو نام ملتا ہے کھٹو کلاں قدیم الایام میں نہایت اہم مقام ہوگا۔ وہاں کا سب سے قدیم کتبہ جو سابق

میں کسی تالاب پر واقع تھا۔ سلطان شمس الدین التمش متوفی ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء کے عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی عہد کی ایک جامع مسجد بھی موجود ہے۔ کھٹو میں شیرانیوں کا قبیلہ نہایت قدیم زمانہ سے آباد معلوم ہوتا ہے۔ ان کے متعلق سب سے قدیم تلمیح کتاب 'مرقاۃ الوصول الی اللہ والرسول' میں ملتی ہے۔ جو شیخ احمد کھٹو کے حالات میں نویں صدی ہجری کے وسط کی ایک تالیف ہے۔ کھٹو کی شہرت وہاں کے پتھر اور بابا اسحٰق مغربی کے مزار نیز ان کے مرید شیخ احمد کھٹو کی بنا پر ہے۔ جن کا مزار سرکھیج احمد آباد میں ہے۔ کھٹو پرگنہ ناگور میں شامل ہے اور بڑی کھاٹو کے نام سے ریلوے اسٹیشن بھی ہے جو ڈیگانہ اور ریجان گڈھ لائن پر آتا ہے۔ محمد شاہی عہد سے یہ تمام علاقہ ریاست جودھپور کے قبضہ میں چلا گیا ہے۔ تب سے موضع کھٹو چانپاوت راجپوتوں کی جاگیر میں ہے۔

پدماوت

پدماوتی کے بیسویں داستان کے بعض خط و خال محمد جائسی کی پدماوت کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ جو شیر شاہ متوفی ۹۵۲ھ کے زمانہ کی تالیف ہے۔ دیکھا جاتا ہے۔ کہ دونوں کہانیوں میں شہزادیوں کا نام پدماوت ہے۔ دونو شہزادیوں کے پاس طوطے ہیں۔ جائسی کے ہاں طوطا پدماوت کے حسن و جمال کی تعریف کر کے رتن سین والی چتوڑ کو اس کا عاشق بنا دیتا ہے۔ راسا میں طوطا پرتھی راج کی تعریفیں کر کر کے پدماوتی کو اس کا نادیدہ شیدائی بنا دیتا ہے۔ دونوں کہانیوں میں طوطا قاصد کا کام دیتا ہے۔ رتن سین بھی جاکر مندر میں ٹھیرتا ہے۔ پرتھی راج بھی پدماوت کو لانے کے وقت مندر میں پہنچتا ہے۔

ان کہانیوں میں واقعات و حالات کا یہ اشتراک اتفاقی نہیں مانا جا سکتا۔ ضرور ہے کہ ایک دوسرے سے لے رہا ہو۔ ہمارا خیال ہے کہ راسا کا مصنف جائسی

کے چراغ سے اپنا چراغ جلا رہا ہے۔

سوالک

پدماوتی سمے بیسویں داستان میں یہ چھند آتا ہے:۔

سے سوالکھ اوزئیل | کمئوں گڈھ دو رنگ || (چھند ۲۶ ص ۶۳۴/۶)

اس چھند کا مطلب ہے کہ شمال کی طرف کوہستان سوالک میں کماؤں کا ناقابل تسخیر قلعہ ہے۔ موجودہ نقشوں میں کوہستان سوالک ہردوار اور ڈیرہ دون کے مابین دکھایا جاتا ہے۔ "ٹائمز انسائیکلو پیڈیا میں ہردوار۔ ریاست ناہن اور ضلع ہوشیار پور کے درمیان بتایا ہے۔ لیکن واقعات بابری سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بابر کے عہد میں تمام ہمالیہ پر سوالک کا اطلاق ہوتا تھا۔ چنانچہ

"بمجرد گذشتن از دریای سندھ درین کوہستان از توابع کشمیر ولایتہاست مثل پکلی وسہمنک اکثری اگرچہ الحال اطاعت کشمیر میکنند اما پیشتر ہا داخل کشمیر بودہ۔ بعد از گذشتن کشمیر درین کوہ بلی نہایت ایل والوس وپرگنہ و ولایتہاست تابنگالہ و کنار دریای محیط باین کوہ پیوستہ است ..... متاع مردم این کوہ نافہ مشک و قوتاس بحری و زعفران وسرب وس است۔ این کوہ را مردم ہند سوالک پربت گویند۔ بزبان ہند [سوا] ربع لک صد ہزار [و] پربت کوہ [را] میگویند یعنے ربعے [و] صد ہزار کوہ کہ یک صد و بیست و پنج ہزار کوہ باشد۔ درین کوہ ہا برف ہرگز برطرف نمی شود۔" (ص ۹۰ طبع بمبئی)

جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ سوالک کا ذکر سب سے پیشتر تیمور کے حملۂ ہند میں آتا ہے۔ قلعہ میرٹھ کی فتح کے بعد گنگا عبور کر کے تیمور کوہستان سوالک میں گھس جاتا ہے۔ اور جمنا سے پار اتر کر پہاڑیوں سے جنگ کرتا ہوا کانگڑہ کا رُخ کر لیتا ہے۔ وہ ایک ماہ کے عرصہ میں کوہستان سوالک و کوہ کو کہ طے کرتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ تیمور کے ہاں سوالک

کا استعمال ایک خاص حصہ کوہستان تک محدود ہے۔ جو ہردوار سے شروع ہو کر کانگڑہ پر ختم ہوتا ہے۔

اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ پرتھی راج اور اس سے قریب تر زمانہ میں سوالک کا استعمال ایک بالکل مختلف خطۂ زمین پر ہو رہا تھا۔ جو غالباً ہانسی و سرستی منڈور و ناگور کے مابین محدود تھا۔ طبقات ناصری میں جو ۶۵۸ھ کی تالیف ہے۔ کئی موقعوں پر سوالک کا تذکرہ ملتا ہے۔ سب سے پہلے بہرام شاہ غزنوی م ۵۴۷ھ/۱۱۵۲ء کے حالات میں ایک فقرہ محمد باجلیم والی ہندوستان کے متعلق یہ آتا ہے :-

"و ولایت ہندوستان تمام اورا داد و او بار دیگر عاصی شد و قلعۂ ناگور در ولایت سوالک بحد بیرہ بنا کرد" ص ۲۴۔ ملوک غیروز کے ذکر میں تاج الدین یلدز تگین خوارزمی کے متعلق لکھا ہے :-

"و این تاج الدین در خدمت ملک کریم الدین حمزہ بود و در ناگور سوالک۔ ناگاہ فرصتے جست و خواجہ نجیب الدین را شہید کرد"

تراین کی دوسری جنگ کے موقعہ پر جس میں پرتھی راج مارا جاتا ہے۔ پھر سوالک کا نام ہمیں ملتا ہے چنانچہ

"و دار الملک اجمیر و تمام سوالک چون ہانسی و سرستی و دیگر دیار فتح شد" ص ۱۲۰

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سوالک کے ذیل میں ہانسی و سرستی بھی شامل ہیں۔ سلطان شمس الدین التمش متوفی ۶۳۳ھ/۱۲۳۵ء کے بیان میں بذیل ۶۲۴ھ یہ فقرہ مرقوم ہے :-

"و بعد ازان بیک سال در شہور سنہ اربع و عشرین و ستمایہ عزیمت قلعۂ مندور کرد از حدود سوالک۔ حق تعالیٰ آن فتح او را میسر گردانید" ص ۱۷۲

منڈور مارواڑ کی پرانی راجدھانی ہے۔ جو موجودہ شہر جودھپور سے پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

طبقات کے ان فقروں سے ایسا مفہوم ہوتا ہے۔ کہ سوالک ایک بڑی قسمت کا نام ہے۔ جس میں ناگور اور منڈور سے لے کر ہانسی اور سرستی تک کا تمام علاقہ شامل ہے لیکن یہ بیان اس خطہ کی حدبندی کے لئے بڑی حد تک مبہم اور ناکافی معلوم ہوتا ہے۔ البتہ اس قدر کہا جاسکتا ہے۔ کہ غزنوی دور میں سوالک کا اطلاق خصوصیت کے ساتھ ناگور کے واسطے ہو رہا ہے۔ ناصرالدین محمود ۶۴۴-۶۶۴ھ/۱۲۴۶-۱۲۶۵ء کے عہد میں ہانسی اور ناگور کا علاقہ غیاث الدین بلبن کی جاگیر میں تھا۔ منہاج سراج اس جاگیر کو بعض موقعوں پر ہانسی و سوالک کے نام کے ساتھ یاد کرتا ہے چنانچہ

"الغ خانرا فرمان دادتا بسر اقطاع خود بطرف سوالک و ہانسی برود" ص ۲۱۷

ایک اور مثال یہ ہے:۔

چون بخطۂ ہانسی رسید بسبیل ہرچہ تمام تر فرمان دادتا جملہ لشکرہای سوالک۔ ہانسی و سرستی و جیلند و بروالہ و اطراف آن بلاد در مدت چہار دہ روز جمع شوند ص ۳۰۵ [اور برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں لکھا ہے:۔ "و سوالک تا جالور و ملتان تا مریلہ و از پالم تا لوہور (دیگر) "کرت دیگر سہ چہار امیران تمن مغل باسی چہل ہزار سواران مغل سرزدہ در سرزمین سوالک کورا کور در آمدند" (ص ۳۲۱ تاریخ فیروز شاہی ۲۶۹)

ان فقروں میں سوالک سے مقصد یہی ناگور ہے۔ میں یہاں اس قدر اور اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ آج بھی پرگنہ ناگور کو مقامی تقسیم کے مطابق جو یقیناً کسی قدیم روایت پر مبنی معلوم ہوتی ہے۔ مارواڑ کے لوگ سوالک کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی ایک ضرب المثل ہے۔ کہ سوالک کے بیل عمدہ ہوتے ہیں۔ ایک مشہور دوہرہ میں اہل سوالک کی مذمت یوں کی گئی ہے:۔

سہ بیٹی نہ دیجے سوالکیا جے دیجے تو جوئے روٹی دے ہے جوار کی پُو لو دے ہے روئے

ایک اور دوہرہ سُنیئے:۔

؎ سوالکیوں کی ڈیکری پڑی پول میں پیسے اوڑن کالی لوگڑی ڈاکن ہوجوں دیسے

جب پرتھی راج کے زمانہ میں سوالک کا استعمال ناگور و ہانسی کے علاقوں پر ہو رہا ہے۔ تو تعجب سے دیکھا جاتا ہے۔ کہ اسی عہد کی ایک تالیف میں جیسا کہ راسا کے واسطے دعویٰ کیا جاتا ہے سوالک کو ایسے معنوں میں لایا جاتا ہے جو پرتھی راج کے زمانہ سے دو ڈھائی صدی بعد رواج میں آئے ہیں۔

آئین وضوابط دربار

راسا میں درباری اور شاہانہ زندگی کے جو بعض مناظر دکھائے گئے ہیں۔ وہ مغلیہ زمانہ کی رسوم دربار سے اس قدر ملتے جلتے ہیں۔ کہ ہمیں ان میں اختلافی عنصر کی تلاش میں بڑی دقّت محسوس ہوتی ہے۔ جو لوازمے مغلوں کے ہاں دیکھے جاتے ہیں۔ وہی پرتھی راج اور جے چند کے درباروں میں کسی قدر ضمنی اختلاف کے ساتھ ملتے ہیں۔ نقیب ہیں۔ نوبت نقارہ ہے۔ چتر اور چتر دار علی ہذا چوبدار و چوبدار ہیں۔ دربار فرش و فروش اور قیمتی قالینوں سے آراستہ ہے۔ دیواروں پر کچّی کاری کا کام ہو رہا ہے۔ امرا کی باقاعدہ نشستیں مقرر ہیں۔ اہل نغمہ و نشاط ہیں۔ موسیقی ساز بج رہے ہیں اور خوشبوؤں سے تمام دربار مہک رہا ہے۔ سلام اور درباری تسلیم کا بھی رواج ہے۔ نوبت نشان بجتا ہے ؎ نوبت نشان دربار بجے چھند ۱۲ ۱۸۸۵ء

دلّی ورنن انٹھویں داستان میں نگمبودھ گھاٹ پر جمنا کے کنارے ایک باغ کا ذکر آتا ہے۔ جہاں بسنت کے ایام میں پرتھی راج علی الصباح دربار کرتا۔ میٹھے سروں والے ساز بجتے اور گویّے اپنی شیریں اور دلکش آوازوں میں عمدہ عمدہ راگ اور راگنیاں چھیڑتے عنبر عبیر اور گلال کی پچکاریوں سے تمام دربار بس جاتا۔ وسط میں مہاراج پرتھی راج کا سنگھاسن (تخت) ہوتا۔ آس پاس سانتوں کی نشستیں ہوتیں۔ راجہ کے دائیں بائیں

خدمت گار چنور لئے کھڑے ہوتے ۔ بائیں طرف گوبند رای بِنّدرا اور سلکھ پرمار بیٹھتے اور دائیں طرف سومیشور کا سگا بھائی کنہ چوہان بیٹھتا جس کی آنکھوں پر ہمیشہ پٹی بندھی رہتی ۔ تخت کے پیچھے گرو رام پروہت کا آسن ہوتا اور سامنے کوی چند بیٹھتا ۔ چند پنڈیر۔ چامنڈ رای ۔ لکھن بگھیلا وغیرہ سامنت اپنے اپنے آسنوں پر ادب سے بیٹھے ہوتے ۔ فرش پر گدی تکیے لگے ہوتے جن پر زری کا کام ہوتا ۔ دیواروں میں نیلم یاقوت وغیرہ رنگین جواہرات کی پچّی کاری ہوتی :۔

؎ پچی لِلّی نِلّی مانکین اَرتنن جتنن منی تیج کین ۱۱ (چھند ۳۰ طح ۱۵۵۶/۱۴۷ ۔ دلی ورنن ۵۹ ویں داستان)

دوپہر کو جب کھانے کا وقت ہوتا بن بیر پڑہیار آتا اور ہاتھ جوڑ کر اطلاع دیتا کہ کھانا طیار ہے ۔ اس پر راجہ مع اپنے سامنتوں کے جاکر دسترخوان پر بیٹھتا اور کھانے سے فارغ ہو کر کچھ عرصہ قیلولہ کرتا اور پھر دربار میں جا بیٹھتا ۔

بسنت پنچمی کے موقعہ پر راجہ بسنت کے دربار سجانے کا حکم دیتا ہے حکم ہوتے ہی ملازموں نے "نیت استھان" آراستہ کرنا شروع کیا جشن کے لئے سارا ضروری سامان نکالا ۔ بات کی بات میں منوں اگر عبیر اور گلال لاکر حاضر کیا ۔ ہرے ہرے پتّوں شاخوں بیلوں اور بوٹوں سے مجلس کو سجایا ۔ سوتی ۔ ریشمی زرتار اور قسم قسم کے بسنتی رنگ کے کپڑوں سے دربار کے مقام کی آرایش کی گئی ۔ زعفران ۔ مشک ۔ اگر اور صندل کی خوشبو بسائی ۔ زمین پر جاجم اور انمول دُلیچے (زلیچے) بچھائے ۔ گلاب کا چھڑکاؤ ہوا اور عبیر کی گرد اڑنے لگی ۔ درمیان میں گوپال لال جی کا سنگھاسن قایم کیا گیا ۔ پوجا کا وقت آتے ہی گھنٹے ۔ سنکھ ۔ جھالر ۔ مردنگ ۔ جنتر ۔ نفیری ۔ بھیری ۔ شہنائی ۔ چنگ ۔ ڈھول اُپنگ ۔ دمامہ ۔ بنسی وغیرہ ساز بجنے لگے ۔ پوجا کے اختتام پر راجہ بھی اپنے مقام سے اُٹھ کر گوپال لال کے سنگھاسن کے پاس آ بیٹھے ۔ اب مجرا شروع ہوا ۔ ارباب نشاط

نے اپنا اپنا کمال دکھایا۔ آدھی رات کے وقت دربار برخاست ہوا اور راجہ انعام دے کر زنانہ محل میں چلے گئے۔

جے چند کے دربار میں بھی جس کا نقشہ شاعر نے قنوج سمے اکٹھویں داستان میں کھینچا ہے۔ قریب قریب یہی کیفیت نظر آتی ہے۔ رنگین قالینوں کے تھان کے تھان بچھے ہیں۔ جن کو دیکھ کر قوس قزح کے رنگ شرماتے ہیں۔ ریشمی دھاگے سنہری تاروں کے ساتھ گتھے ہوئے ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے زمین سورج کی شعاعوں سے منور ہو جائے نیلم اور یاقوت کی چنّی ایسی خوش آیند نظر آتی ہے۔ گویا دریائے نیل میں مچھلی تیر رہی ہے۔

؎ برن تھان تھانن دیکھے وِراجے — تنن دیکھ رنگن دھنن پنتی لاجے
گتھے رکت پٹن سوی ڈوری ہیمن — منو جھم روکرن مل نچل ہی تیمن
چرے رکت نیلن نگن پٹّ ساہی — منو آورے بندھو دھر نیل ماہی

(چھند ۶۳-۵۶۴ صفحہ ۱۶۶/۱۴ قنوج سمے)

جے چند کے سر پر ایک خواص چاندی کی ڈنڈی کا چتر لئے کھڑا ہے اور دائیں بائیں دو چونری بردار ہیں:-

؎ سر سیت چھتر منڈیو سو بھوپ — بھو دیس رڈی بھونا س روپ
دو ہو پٹھ ساجی درچنور ڈھار — رجی روپ جانی اسونی کمار

(چھند ۲۱-۵۱۹ صفحہ ۱۶۵۴/۱۴)

چوبدار بھی موجود ہیں:-

؎ پان دھار چھر چھگر ہ — راج گرہی بر بھٹ

(چھند ۴۴۸ صفحہ ۱۶۴۲/۱۴ قنوج سمے ۶۱ ویں داستان)

نقیب بھی ہیں جو حکم احکام پہنچاتے ہیں:-

؎ حکم نقیبن کہہ پھرے | ڈیرا ڈیرا گا ہے || چھند ۲۰۰ صفحہ ۱۲۰۶/۱۱ چوانلیسویں داستان

میں بخوف طوالت صرف انہی چند امور پر قناعت کرتا ہوں۔ اور عرض کرتا ہوں کہ دربار کی آراستگی اور تکلف کے ساتھ اس کی سجاوٹ مغل سلاطین کے ہاں ایک مقبولہ روایت رہی ہے قیمتی اور اعلیٰ اعلیٰ قالینوں اور ریشمیں پردوں سے وہ اپنے درباروں کو سجاتے بلکہ جشنوں کے موقعوں پر عام آئین بندی کرتے تھے میں یہاں ایک مختصر بیان بدایونی کی تاریخ سے نقل کرتا ہوں جو ۲۸ جلوس اکبری کے جشن نوروز کے متعلق ہے۔

"آئین بندی ہر دو دیوان خانہ خاص و عوام بانواع قماشہائے لطیف فرمودہ اشیای قیمتی گوناگون ترتیب نمودہ و پردہای فرنگی و تصویرہای بے نظیر گرفتند و سراپردہای اعلیٰ افراشتند و بازار آگرہ و فتح پور را نیز باین دستور آراستہ تا ہفدہ روز و شب جشن عالی داشتند و اقسام طوائف اہل نغمہ و ساز ہندی و فارسی و ارباب طرب از مرد و زن ہزاران ہزار طلبیدہ"۔ (ص ۲۳۸ نولکشور ۱۸۶۸ء)

بلکہ ارباب موسیقی تو ہر وقت حاضر رہتے تھے۔ آئین اکبری سے یہ فقرہ سنیے:۔

"شمشیر بازان چابکدست و پہلوانان ہر سرزمین در انتظار فرمایش پای خدمت افشرند و خیاگران مرد و زن آمادۂ فرمان پذیری باشند۔ شعبدہ بازان شگفت آور و بازیگران نشاط افزا دستوری نمایش جویند"۔ (ص ۱۸۵ ج اول نولکشور ۱۸۶۹ء)

موسیقی مغلیہ دربار کا ایک مقبول ضابطہ رہا ہے جس کو صرف عالمگیر بادشاہ نے اپنے عہد میں موقوف کیا تھا۔ ورنہ ان کے ہاں سازندے اور اہل نغمہ باقاعدہ ملازم رہتے تھے۔

ابوالفضل نے آئین اکبری میں خوشبو خانہ پر ایک علیحدہ عنوان قائم کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ بادشاہ کو خوشبو کا بیحد شوق ہے۔ وہ اس کو عبادت الٰہی کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ عنبر اور عود اور دیگر مرکبات قدیم سے نیز جدید قسم کے مرکبات ساختۂ بادشاہی سے

محفل خسروی ہر وقت معطّر رہتی ہے۔ طرح طرح کی شکلوں کی سنہری اور رپہلی انگیٹھیوں میں بخور سُلگایا جاتا ہے۔ خوشبودار پھول کثرت کے ساتھ فراہم کئے جاتے ہیں۔ ان کا روغن طیار ہوتا ہے۔ جو جسم اور سر پر ملا جاتا ہے۔ میں اصل عبارت بھی سُنا دیتا ہوں:۔

"بزم آرای سلطنت بوی خوش را دوست دارد و آنرا دستمایۂ ایزدی پرستش داند۔ ہموارہ از عنبر و عود و شگرف آمیز شہای پاستان وفراہم آورد گیتی خداوند قدسی محفل عطر آگین باشد و در زرین و سیمین مجمرہا کہ بگوناگون پیکر برسازند بخور کنند۔ گلہای بویا خرمن خرمن برآمایند۔ از گل روغن برسازند و بدن و موی سر بدو براندایند" (آئین اکبری ج ۱ ص ۹۳ نولکشور ۱۸۶۸ء)

ابوالفضل نے اور امور کے علاوہ ان مرکبات کے جو دربار میں طیار ہوتے تھے۔ مثلاً سنتوکھ۔ ارگجہ۔ گلکامہ۔ روح افزا۔ اوپٹنہ۔ عنبر مایہ۔ کشتہ۔ فتیلہ۔ بارجات۔ عنبیر اور غسول وغیرہ کے نسخے بھی بیان کئے ہیں۔ ان میں سے عنبیر کا نسخہ یہ ہے:۔

تین پاؤ صندل۔ چھبیس تولے عود (اگر)۔ دو تولے اور آٹھ ماشے مشک۔ سب کو پیس کر سایہ میں خشک کر لیں اور استعمال میں لائیں۔ ان ایّام میں سیر بھر عود کی قیمت دس روپے سے پانچ اشرفی تک ہوتی تھی اور تولہ عنبر کی قیمت ایک اشرفی سے تین اشرفی تک۔

دیواروں پر رنگین اور قیمتی پتھروں سے پچّی کاری کا مصنّف نے جو ذکر کیا ہے اس کے متعلق عرض ہے۔ کہ یہ دستور ہندوستان میں مغلوں کے عہد سے زیادہ قدیم نہیں۔ شاہجہان کا زمانہ اس کے لئے بہترین مانا جاتا ہے۔ دہلی کے قلعہ میں دیوان خاص کی اور آگرہ میں تاج محل کی پچّی کاری بے مثال مانی گئی ہے۔ پچی کاری دراصل فارسی پرچین کاری کی بگڑی شکل ہے۔ جس کے معنی لغت میں یوں دیئے ہیں:۔

"انواع نقاشی کہ از سنگ پارہا بر سنگ دیگر کنند"

درحقیقت یہ ایک مسلمانی دستکاری ہے۔ پرتھی راج کے عہد میں اس کا رواج تسلیم

کرنا عقل و نقل پر ستم توڑنا ہے۔ میں نقیب، چوبدار اور چونری بردار وغیرہ کے لئے کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ کیونکہ ہندوستانی سرکاروں میں بھی ابھی تک ان کا رواج باقی ہے نقیب کا ترجمہ کرٹکیت اور ڈونڈی والا ہو سکتا ہے۔ مگر ہمارا مصنف اصلی لفظ نقیب ہی استعمال کر رہا ہے جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔

جاجم اور دُلیچہ جن کے فرش شاعر نے دربار میں بچھتے بیان کئے ہیں۔ دونوں ایرانی الاصل ہیں۔ دُلیچہ زلیچہ یعنی زیلو چہ کی بگڑی شکل ہے۔ زیلو یعنی پلاس و قالی فرہنگوں میں مل جاتا ہے۔ زیلو چہ اس کا اسم تصغیر ہے۔ پلیٹ نے اپنی فرہنگ میں دُلیچہ کو غالیچہ کی تغیر یافتہ شکل کہا ہے جو ناقابل تسلیم ہے۔ زلیچہ کی مثال مثنوی خوب ترنگ تصنیف ۹۸۶ھ سے دی جاتی ہے۔ جو میاں خوب محمد چشتی متوفی ۱۰۲۳ھ نے بزبان گوجری (اردو ی گجرات) لکھی تھی۔ وہو ہذا:۔

(۱) بڈا زلیچہ اک بچھوا ے سوتّا چتا تس اوپر جاے

(دیگر) تو تا بوں زلیچہ سوے جیوں پوتلا چتریا ہوے

سلام اور تسلیم بجا لانے کا بھی دستور ہے۔ جب لورک رائے کھتری شہاب الدین کی رہائی کے لئے غزنیں سے دلّی آتا ہے۔ پرتھی راج کے حضور میں تین مرتبہ تسلیم کرتا ہے

؎ سنکھ آے چہوان کو سیس نائے تسلیم کیے

(چھند ۳۰۳ صح ۲۳/۷ دھن کتھا چوبیسویں داستان)

یہی نہیں بلکہ جب راجہ اسے بیٹھنے کا حکم دیتا ہے وہ پھر سلام کر کے بیٹھتا ہے:۔

؎ بیٹھن حکم راجان کیئے اکری سلام بیٹھو نریے (چھند ۳۰۴ صح ۲۴/۷)

اور جب تتار خاں مفروضہ وزیر شہاب الدین کی عرضداشت راجہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے تین بار پھر سلام کرتا ہے۔

؎ تب کھتری پرتھی راج کوں کری سلام تیئے بار

لکھی ار داس تتار خاں | سمپی بیر وچار ۱۱ (چھند ۳۵ صح ۲۴/۷)

یہ ادنےٰ ادنیٰ بات پر سلام کرنے کا طریقہ درحقیقت مغلیہ دربار کا دستور ہے جب دھرمائن کا ایلچی پرتھی راج کے وزیر کیمباس کی خدمت میں بادشاہ کی چٹھی پہنچاتا ہے۔ حسبِ دستور تین بار سلام کرتا ہے:۔

؎ دیے پتری ایہ کہی سو کر اکری سلام تئے بار ۱۱ صاحب تم سن لرن کو آیو سندھو اتا را ۱۱

(چھند ۴۸ صح ۱۱۰/۱۰ پہاڑ رای سمے ۲۷ ویں داستان)

حسین کتھانویں داستان میں جب پرتھی راج شہاب الدین کو قید سے آزاد کرتا ہے شاہ تین بار سلام کرتا ہے:۔

؎ کئے سلام تئے بار اجاہو اپنّے سو تھانہ ۱۱ متی ہندو پرساہ اسچّی آؤ سو تھانہ ۱۱ چھند ۲۰۹ صح ۴۲۱/۴

دھیر پنڈیر چوٹھویں داستان میں پھر شاہ اپنی رہائی کے وقت پرتھی راج کو تین مرتبہ سلام کرتا ہے:۔

؎ کری سلام تہوں بار ا دھر انگریے ترکانن ۱۱ چھند ۴ ۳۷ صح ۲۰۸۹/۱۸

یہاں یہ کہنا بے موقعہ نہیں ہوگا کہ اکبر بادشاہ نے دو قسم کی تعظیم مقرر کی تھی۔ پہلی کورنش جس میں سیدھے ہاتھ کو پیشانی پر رکھ کر سر کو جھکانا پڑتا تھا۔ دوسری تسلیم جس میں سیدھے ہاتھ کی پیٹھ کو زمین سے چھو کر اور آہستگی کے ساتھ اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو کر سر کو ہتیلی کے ساتھ چھونا پڑتا تھا۔ خاص خاص موقعوں پر مثلاً رخصت و ملازمت و عطاے جاگیر و منصب و بخشش فیل و اسپ تین مرتبہ تسلیم کرنی پڑتی تھی۔ دوسری قسم کی داد و دہش کی صورت میں صرف ایک مرتبہ۔ ملازم بھی اپنے آقاؤں کے ساتھ یہی دستور برتتے تھے۔ گویا اسی ضابطہ کے ماتحت ہم دیکھتے ہیں۔ کہ شہاب الدین جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے پرتھی راج کے آگے اپنی رہائی کے وقت تین تین مرتبہ تسلیمات بجا لاتا ہے۔ میں اپنے بیان کی تائید میں آئین اکبری سے ایک فقرہ یہاں درج کرتا ہوں جو کورنش

سے متعلق ہے :-

گیتی خداوندروی دست راستیں برفراز پیشانی نہادہ سرفرود آوردن قرار فرمود و آن را بہ زبان وقت کورنش گویند" (ص۱۸۶)

اور تسلیم کے لئے لکھا ہے "آئین چنانست بندگان عاطفت پذیر پشت دست راست برزمین نہادہ بہ آرامیدگی بردارند و راست ایستادہ روی دست را بتارک سر نہند و بدین دل گزین روش سپر دخود را گزارش نمایند و آنرا تسلیم برگویند.... ہنگام رخصت و ملازمت و منصب و جاگیر و تشریف و بخشش فیل و اسپ سہ تسلیم را پیشگاہ نیایش گردانند و درباقی مراتب داد و دہش دگوناگوں عنایت یگان یگان بجا آید" (ص۱۸۶ جلد اوّل نول کشور ۱۸۶۹ء)

ہمیں یاد رہے کہ مغلوں کے درباری ضابطے اس عہد کی دیگر سرکاروں کے لئے دستورالعمل بن گئے تھے۔ چنانچہ مصنّف راسا پرتھی راج کے دربار کو انہیں ضوابط کے مطابق دکھا رہا ہے۔ بلکہ اسی دستور کی پابندی اسے گوکھ یعنی جھروکے کے ذکر پر مجبور کرتی ہے۔ چنانچہ اس کے ہاں ایسے اشارے موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ پرتھی راج بھی جھروکے میں بیٹھا کرتا تھا۔ دربار کا کیدار سے اٹھاونویں داستان کی تمہید میں وہ لکھتا ہے کہ پرتھی راج کیماس وزیر کے غم میں مبتلا ہے۔ رات دن اسی کے دھیان میں گھلا جاتا ہے۔ نہ اسے جھروکے میں بیٹھنے سے چین آتا ہے نہ انتر محل میں جانے سے بلکہ سانتوں کے ساتھ چوگان کھیلتے وقت بھی یہی غم اس کو ہلکان کئے جاتا ہے چنانچہ کہا ہے :-

نہ سچ مکھ گوکھ تھہ — نہ سچ اندر راج
اُرانتر کیماس دکھ — سامنتاں سر تاج (چھند ۱۰ ص ۱۵۱/۱۳)
نرپ کریدت چوگان — ستھ سامنت سو بھر

جب رامتِ رس رنگ | تب سنبھرے منترِ بر (چھند ۲ ص ۱۵۱۱/۱۳)

یہ جھرو کا ہیں اکبر کے جھروکۂ درشن کی یاد دلاتا ہے۔ اسی طرح چوگان بازی بھی مسلمانی کھیل ہے۔ جس کا وطن ایران ہے۔

دعاگوئی بھی درباری ضوابط میں داخل ہے۔ مغلوں کے ملازمین اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہوتے وقت سب سے پہلے اس کے حق میں دعائیں دیتے نظر آتے ہیں اور پھر حرفِ مطلب زبان پر لاتے ہیں۔ راسا میں اس دستور کو بھی فراموش نہیں کیا گیا ہے۔ سلکھ جُدھ تیرہویں داستان میں پرتھی راج کا جاسوس شہاب الدین کی فوج کشی کی خبر لے کر آتا ہے۔ اصل مقصد کی طرف رجوع کرنے سے پیشتر وہ راجا کو یوں دعا دیتا ہے:۔

اچھو اے چھو آن غازی خلق تو کھگ راضی
میواس مار باجی پرو تو سرن ساجی
بھے بھیت بھوکن ترکھیون پھل پتر کندن بھیکیون
آواس نر واس نیرن جہاں تہاں تجی دھتور کھیرن
اجمیر پیر سہائی دشمن پیال لکھو دیو بائی
پیر پیغمبر دواہ گیر سارے ان بین مئی ترن دنت چارے
دھلی تخت نھر راج تیں تیں گنگ جل جمن روی چند جے تیں

(چھند ۱ ص ۵۲۰/۵)

یہ دعا بالکل مسلمانی طرز کی ہے۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کہ پرتھی راج کا مخبر مسلمان ہوگا۔ وُہ دعائیہ کہتا ہے۔ کہ اے غازی چوہان! خلق خدا تیری شمشیر سے خوش رہے۔ تو میوات کا فاتح کہلاتا ہے۔ خدا تجھے اپنی حفاظت میں رکھے۔ اجمیری پیر تیرا دستگیر ہو۔ اور دشمن پامال ہوں۔ تمام اولیا اور پیغمبر دعاگو ہیں۔ کہ جب تک گنگا اور جمنا چاند اور سورج قائم ہیں تب تک تو دلّی کے تخت پر باقی رہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ دعاگیر بہ قیاس زمیں گیر، دامن گیر نہیں ہے بلکہ دعاگر کی بگڑی شکل ہے۔

؎ دعا گرند بشاخ چنار مرگل را تندرو فاختہ وعندلیب وقمری وسار
اگر دعا گر گل برچنار مرغانند چراچو دست دعا گر شدست دست چنار

اس چھند میں یہ الفاظ مسلمانی ہیں۔ اے۔ غازی (گاجی)۔ کھلک (خلق)۔ راجی (راضی) کھیر (خیر)۔ پیر۔ دسمن (دشمن)۔ پیمال (پایمال)۔ جھلا آج بھی پیمال بولتے ہیں۔ پیر پیگمبر (پیغمبر)۔ دواہ۔ (دعا)۔ گیر (گرہ) تکھت (تخت) مسلمانی الفاظ کی یہ بہتات اگرچہ استعجاب انگیز ہے۔ مگر اس کی توجیہ ہمارے نزدیک یہ ہوسکتی ہے۔ کہ شاعر اس موقعہ پر ایک ایسے مخبر کو راجہ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے جو مذہباً مسلمان ہے اور اپنے جذبات وخیالات کے مطابق دعا دہی میں مصروف ہے۔ اجمیر پیر کی حمایت۔ دشمن کی پامالی اور پیروں کی دعاگوئی خالصاً مسلمانی جذبات ہیں۔

'اجمیر پیر' کی ترکیب بھی قابل لحاظ ہے۔ 'اجمیر پیر' سے مقصد خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ہیں۔ لوگ انہیں 'اجمیری پیر' اور 'پیر اجمیری' کہتے ہیں۔ مسلمانی روایت پرتھی راج کے عہد میں خواجہ صاحب کو اجمیر میں موجود بتاتی ہے۔ لیکن انہیں مقبول عام ہوکر اجمیری پیر کے خطاب سے مشہور ہونے کے لئے صدیوں کا زمانہ درکار ہے۔ خواجۂ اجمیر ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے پیشوا ہونے کے لحاظ سے اگرچہ ہر عہد میں مقبول ومحترم مانے گئے ہیں۔ لیکن سلاطین مغلیہ کی ارادتمندی نے ان کی شہرت وعظمت کے اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔ خصوصاً اکبر۔ جہانگیر اور شاہجہان کے زمانوں میں۔ اکبر ایک زمانہ میں خواجہ صاحب کا اس قدر معتقد تھا۔ کہ اپنی منت پوری کرنے کے لئے فتحپور سیکری سے اجمیر تک پیادہ پا جاتا ہے۔ جہانگیر بھی اجمیر گیا ہے اور درگاہ پر دیگیں چڑھاتا ہے۔ جواب بھی موجود ہیں۔ شاہجہان چاندی کا کٹہرہ بنواتا ہے۔ اور جہاں آرا بیگم آپ کے

حالات میں ایک رسالہ مونس الارواح نامی تصنیف کرتی ہے۔ جس کا اصل نسخہ لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور یہی زمانہ ہے جب عوام میں اجمیری پیڑ کی قسم کی ترکیبیں رائج ہوتی ہیں۔

ڈھلّی تخت (دلّی تخت) فارسی ترکیب تخت دہلی کا پرتو ہے تخت دہلی کثرت استعمال سے ایک مقبول عام ترکیب بن گئی ہے۔ اور اس وقت رواج میں آئی۔ جب دہلی مسلمانی حکومت کا پایۂ تخت بن گیا۔ مگر اس موقعہ پر جاسوس کو پرتھی راج کو جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں۔ دلّی کے تخت پر قائم بتانا قبل از وقت ہے۔ کیونکہ پرتھی راج ابھی تک ایک راج کنوار کی حیثیت کا مالک ہے۔ اس کا باپ سومیشور زندہ ہے۔ جو اجمیر پر حکومت کرتا ہے۔ اور دہلی اس کے مفوضہ نانا اننگ پال کے قبضہ میں ہے یاد رہے کہ سلکھ جدھ تیرہویں داستان ہے جس میں اننگ پال پرتھی راج کو متبنّی بنا کر دلّی کی گدّی اس کے حوالہ کر دیتا ہے۔

اب تک ہم نے پرتھی راج کے درباری لوازمہ کا مطالعہ کیا ہے۔ جو اکثر امور میں مغلیہ درباروں کی نقل معلوم ہوتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنّف نے پرتھی راج کے عہد کی خصوصیات تمدنی سے ناواقفیت کی بنا پر اس کے دربار کو اپنے عہد کے انداز میں سجا دیا ہے۔ بلکہ مسلمانی اصطلاحات کے استعمال سے بھی دریغ نہیں کیا ہے مثلاً عنبر عبیر وغیرہ جن سے دربار بسایا جاتا ہے۔ گلاب جس کا چھڑکاؤ ہوتا ہے جاجم اور دیبچے (قالین) فرش پر بچھائے جاتے ہیں۔ موسیقی سازوں میں چنگ۔ شہنائی۔ دمامہ اور نفیری موخر الذکر کو مصنّف نے پنھیری بیاے مجہول لکھا ہے سلام اور تسلیم۔ نقیب اور تخت وچوگان بھی اسی مد میں داخل ہیں۔ اب ہم ایک اور زاویہ سے نگاہ ڈالتے ہیں۔ جو پرتھی راج کی رانیوں۔ ان کے محل اور ڈیوڑھی کے امور پر روشنی ڈالتا ہے۔

آکھیٹ چکھ سراپ نام پرستا و تریٹھویں داستان میں یہ قصہ آتا ہے۔ کہ پرتھی راج قنوج کی مہم سے واپس آنے کے بعد اپنے مقتول پہلوانوں اور ساتھیوں کے لئے بیحد مغموم رہنے لگا ہے۔ اس کا غم غلط کرنے کے لئے رانیاں یہ تدبیر کرتی ہیں۔ کہ راجہ سے فرمایش کرتی ہیں کہ ہمیں بھی تو کبھی لے جاکر شکار کی سیر کرائیے اور دکھائیے کہ شکار کیونکر کھیلا جاتا ہے۔ شیر۔ ہرن اور سوّر کس طرح مارے جاتے ہیں۔ شیر ہرن کو کس طرح مارتا ہے اور کتّے زنجیروں سے آزاد ہوکر اپنے شکار کو کس طرح دبوچتے ہیں۔ اس پر راجہ ان کی درخواست منظور کرلیتا ہے۔ اور ایک ماہ کے لئے پانی پت جانے کی ٹھیرتی ہے۔ اور جے چند کی دختر سنجوگتا پورے ماہ کے اخراجات کا ذمہ اپنے سر لیتی ہے۔ وُہ اپنی ڈیوڑھی کے مہتمم جھگڑو ساہ کو حکم دیتی ہے کہ ہر چیز کا انتظام کرے اور اعلےٰ پکوان پکوائے۔ ایلچی (الائچی)۔ لونگ۔ مرچ۔ سکّر (شکر) کھانڈ۔ کھنڈ اور بہت سا اچار پانی پلنتھ (پانی پت) پہونچوادے۔ جب جانے کی طیاری ہوچکتی ہے۔ سواری کے لئے پلکیاں (پالکیاں) ڈول (ڈولیاں)۔ سکھپال۔ رتھ۔ سکھاسن اور ہاتھی آتے ہیں۔ رانیاں اپنی اپنی پسند کی سواریوں میں بیٹھ جاتی ہیں۔ لونڈیاں خوشبو کی کپیاں۔ پانوں کا سامان اور صندوق وغیرہ سر پر لئے پیدل ساتھ ہولیں۔ ان کے پیچھے عصا لئے خواجہ سراؤں کا جھرمٹ ہے۔ ان کے پیچھے بھروسہ کی فوج کے دستے ہیں۔ اور انتظام کے لئے چودہ کابیتہ ساتھ ہیں۔ پانی پت پہنچکر رانیاں خیمے ڈیرے کھڑے کئے جانے تک ایک باغ کی سیر کو جاتی ہیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ باغ کی روشیں بڑی صفائی کے ساتھ بنی ہیں۔ درخت پھولوں اور پھلوں سے لد رہے ہیں۔ اور پرندے ان پر بیٹھے چہچہا رہے ہیں۔ آم۔ نیبو۔ جنبو وغیرہ کے درخت جھوم رہے ہیں۔ چنپہ۔ کیلے۔ بدام۔ انار۔ ناڑ۔ چھوہارے۔ سپاری۔ کیوڑا۔ کیتکی۔ گلال۔ پھالسے۔ لونگ۔ داکھ۔ چندن۔ پنڈر (بیر) وغیرہ کے درخت بڑی کثرت سے موجود ہیں۔ ان میں مور۔ چکور۔ لال۔ فاختہ

وغیرہ پرندے پھر رہے ہیں۔ درختوں کے سینچنے کے لئے چرس۔ رہٹ اور ڈھینکلی (ڈھینکلی) کا انتظام ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس بیان میں بنجوگتا اپنے کارپرداز جھگڑ وساہ کو اچار بہم پہنچانے کے لئے خاص طور پر ہدایت دیتی ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ آچار ایرانی الاصل لفظ ہے۔ اور مسلمان ہندوستان میں اس کا رواج دیتے ہیں۔ لیکن کیا پرتھی راج کے عہد میں اس کا اسقدر رواج ہو چکا تھا۔ کہ ہندوؤں کے ہاں بھی عام استعمال میں آرہا تھا۔ مشکل سے یقین کیا جا سکتا ہے۔ نظامی کے ہاں سکندر نامہ میں یہ شعر ملتا ہے:۔

ز آچار ہا ہر چہ باشد عزیز ترنج و بہ و سیب و نارنج نیز

لیکن یہ مغلوں کا زمانہ ہے۔ جب اچار کا کثرت کے ساتھ رواج دیکھا جاتا ہے۔ ابو الفضل نے آئین اکبری میں پچیس قسم کے آچار کی فہرست مع قیمت درج کی ہے۔ (ص ۴۷، آئین اکبری)

اسی طرح آب کشی کے جو ذرائع بتائے ہیں۔ مثلاً چرس ڈھینکلی وغیرہ مغلوں کے عہد میں عام رواج میں آرہے ہیں۔ رہٹ البتہ آب کشی کا ایسا ذریعہ ہے۔ جس کا رواج پنجاب کے ساتھ مخصوص تھا اور بابر کے عہد تک ہندوستان میں رائج نہیں ہوا تھا۔ جب بابر آگرہ میں اپنا باغ طیار کرتا ہے۔ رہٹ جس کی اشاعت لاہور و دیبال پور تک محدود تھی۔ اس باغ کی خاطر آگرہ میں طیار کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ واقعات بابری میں آتا ہے:۔

"بدستور لاہور و دیبال پور چرخ ہا را راست کردہ آبہا جاری کردند"۔ (ص ۲۱۱ طبع بمبئی)

اب یہ خیال کرنا کہ پانی پت جیسے قصبہ میں پرتھی راج کے ایام میں رہٹ کا رواج تھا ہمیں ناقابل قبول معلوم ہوتا ہے۔

پانی پت کے مذکورۂ بالا باغ میں مصنف کے بیان کے بموجب بادام۔ لونگ۔

چندن اور سپاری کے درخت موجود ہیں لیکن ایسا بیان وہی شخص دے سکتا ہے جسکو درختوں کی کاشت اور خاص خاص زمینوں کے ساتھ خاص خاص درختوں کی مناسبت وغیر مناسبت کا راز معلوم نہ ہو۔ یا دام ایسا درخت ہے جو ہندوستان کے شمال مغربی ممالک میں ملتا ہے مثلاً کشمیر و افغانستان و ایران وغیرہ۔ لونگ جزائر شرق الہند سے آتی ہے۔ ان میں جاوا اور بنا ویا قابل ذکر ہیں۔ صندل اور سپاری دکن سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان درختوں کے لئے یہ تصور کرنا کہ پانی پت کے ایک باغ میں بعہد پرتھی راج موجود تھے۔ ہمارے نزدیک بالکل بے معنی ہے۔

مصنّف نے پرتھی راج کے زمانہ کے ساتھ خواجہ سراؤں کو موجود بتا کر سلاطین اسلام کے زنانہ محلوں کی ایک اہم خصوصیت کو اجاگر کر دیا ہے وہ کہتا ہے:۔

چڈھیو جلی کھوجن کو ستھ سنگ نہی جن کے سب انگ ننگ

چھند ۳۷ ص ۱۹۹۱/۱۷ اکھیٹ چکھ سراپ نام پرستاو ۳۶ ویں داستان۔

خواجہ سراؤں کا دستور قدیم معلوم ہوتا ہے۔ بعض قدیم سلاطین ایران نے یونانیوں سے خراج میں خواجہ سرا وصول کئے ہیں۔ ایرانیوں سے مسلمانوں میں ان کا رواج ہو گیا اور مسلمانوں کے ساتھ یہ ضابطہ ہندوستان میں آیا۔ مسلمانوں کی تقلید میں راجپوت حکمرانوں نے اپنی حرم سراؤں کے لئے خواجہ سرا رکھنے شروع کر دیئے۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ راجپوتوں میں یہ دستور کس زمانہ سے جاری ہوا۔ مگر میں خیال کرتا ہوں کہ خواجہ سراؤں کی ضرورت انہیں اسی وقت پیش آئی ہوگی۔ جب انہوں نے پردہ کی رسم اختیار کر لی ہے۔ پردہ اور خواجہ سرا لازم ملزوم ہیں۔ راجپوتانہ میں تو ہمارے اپنے زمانہ تک اکثر ریاستوں میں خواجہ سرا باقی تھے۔ بلکہ قدیم وضع کی ریاستوں میں تو اب بھی موجود ہوں گے اس سلسلہ میں ایک امر قابل ذکر یہ ہے کہ راجپوتوں کے یہ خواجہ سرا اکثر اوقات مسلمان ہوتے تھے۔ جودھپور میں مہاراج کی ڈیوڑھی کا سردار الماس نامی ایک خواجہ سرا تھا۔ جو اپنی دولتمندی کے لئے مشہور تھا۔ اس نے اپنا روپیہ خیر و رفاہ عامہ کے مصرف میں استعمال

کیا بلکہ مشہور ہے کہ نہر زبیدہ کی بھی مرمت کرائی تھی۔ اس کے انتقال کو چالیس برس سے زیادہ زمانہ گذر چکا ہے۔

اگرچہ مصنّف نے پرتھی راج کے محل میں پردہ کے رواج سے متعلق صاف الفاظ میں اقرار نہیں کیا ہے۔ مگر راسا میں ایسی علامات ضرور ملتی ہیں جن سے یہی قیاس ترتیب دیا جاسکتا ہے۔ کہ اس کے زنانہ محل پردہ کی پابندی سے خالی نہیں تھے۔ اسی آکھیٹک چکھ سراپ میں ہیں جیسا کہ میں ابھی عرض کر چکا ہوں رانیاں راجہ کے دل بہلانے کے خیال سے اسے پانی پت لے جانا چاہتی ہیں اور شکار دیکھنے کا عذر تراشتی ہیں۔ مگر راجہ رانیوں کے ساتھ نہیں جاتا۔ بلکہ پہلے انہیں روانہ کرتا ہے اور پھر آپ ساونتوں کے ساتھ جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ بوجہ پردہ رانیوں اور ساونتوں کا اجتماع اسے منظور نہیں تھا۔

خواجہ سراؤں کے علاوہ پرتھی راج کے ہاں واسیوں (کنیزوں) کا بھی دستور تھا۔ جو محل کے باہر بھیتر آمد و رفت رکھتی ہیں۔ اور محل کے تمام معاملات انہی کے ذریعہ طے ہوتے ہیں۔ ان واسیوں کا راسا میں کئی مقام پر ذکر آتا ہے۔ تمام پیغامات انہیں کے وسیلہ سے زنانہ میں راجہ کے پاس پہنچتے ہیں۔ سواری کے وقت وہ رانیوں کا ضروری ضروری سامان اپنے سر اور کندھوں پر لے کر پیادہ چلتی ہیں۔

مغلوں کے ہاں قلماقنیوں اور ارابگنیوں کا دستور تھا۔ جو مردانہ لباس زیب تن کئے پانچوں ہتھیاروں سے مسلح پہرہ چوکی اور محلات کے حفاظتی کاموں پر متعین ہوتی تھیں۔ اسی تقلید میں مصنّف نے سنجوگتا کے محل کے دروازے پر ناری بھیس نر یعنی مردانہ لباس میں پہرہ دار عورتوں کو موجود دکھایا ہے۔ جو لال لال ڈنڈوں سے مسلح ہیں:-

دِکھ دیئے دربار پنگ کنور چَر بار ہی

ناری بھیس نروستر سستر لکری کر چھا رہی (چھند ۲۲۵ خ ۲۱۴/۱۸)

تلمیح کو صاف کرنے کے لئے ہمیں بڑی لڑائی تروپتا دیوی دمتان کی طرف رجوع کرنا چاہیئے

جس میں قصّہ یوں آتا ہے کہ جب دلّی میں یہ خبر پھیلی کہ شہاب الدین بڑی طیاریوں کے ساتھ دہلی پر عنقریب حملہ کرنے والا ہے۔ شہر کے مہاجنوں کو اپنی غیر محفوظ حالت کا پورا پورا احساس ہوا۔ اس کے انتظام کے لئے سب کے سب مل کر سری منت نگر سیٹھ کے پاس پہنچے۔ وہ اگرچہ انہیں کوئی معقول تدبیر نہیں بتا سکا۔ مگر سب کو ساتھ لے کر گرو رام کی خدمت میں جو پرتھی راج کا پروہت تھا جا پہنچا۔ پروہت جی بڑے اخلاق سے پیش آئے۔ لیکن حرف مطلب سنتے ہی لگے بہانے کرنے کہ میں تو ایک غریب برہمن ہوں۔ پوتھی پاٹھ جانتا ہوں۔ سیاسیات سے میرا کیا واسطہ اس پر مہاجنوں نے انہیں قائل کرنا چاہا کہ راج گرو ہو کر آپ کا اس قدر غیر متعلق رہنا بے حد نامناسب ہے۔ قصّہ مختصر گرو جی اپنی باری میں انہیں لے کر کوی چند کے پاس آئے۔ کوی جی سارا قصّہ سن کر یہ مشورہ دیتے ہیں۔ کہ راجہ کی ڈیوڑھی پر چلنا اور عرض معروض کرنا چاہیئے۔ چنانچہ تمام جماعت بہ سرکردگی کوی چند سنجوگتا دختر جے چند راجہ قنوج کے محل سرا کے دروازہ پر پہنچتی ہے۔ مہاجن لوگ بڑے مالدار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ کوئی چوڈول پر سوار تھا اور کوئی سکھاسن پر۔ ابھی یہ لوگ مشکل سے ڈیوڑھی تک پہنچنے پائے تھے کہ وہ مردانہ لباس میں پہرہ دار عورتیں ان کی طرف بجلی کی سی تیزی کے ساتھ جھپٹیں اور اپنے ڈنڈے پوری طاقت کے ساتھ ان کے سر اور کمروں پر برسانے شروع کئے۔ انہوں نے نہ چند کوی کا لحاظ کیا اور نہ گرو رام کی پروا کی۔ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا۔ گرو جی اور چند کوی تو پھر بھی مضبوط رہے۔ ڈنڈے پڑے تاریں کھائیں مگر اپنی جگہ سے نہیں ٹلے۔ مہاجن بیچارے اپنی اپنی سواریاں اور جوتے چھوڑ چھوڑ کر بھاگے کسی کی چوڈول رہ گئی اور کسی کی پالکی۔ کسی کا ہاتھ ٹوٹا اور کسی کا ماتھا پھوٹا۔ اور ان چڑیلوں نے جب تک کہ شاہی محل سے انہیں دور دور تک نہیں بھگا دیا دم نہیں لیا۔

"تاریخ ہند سے واقفیت رکھنے والا کوئی شخص بھی سنجیدگی کے ساتھ یقین نہیں کر سکتا کہ مذکورۂ بالا ہتھ چھٹ پہرہ دارنیاں درحقیقت پرتھی راج کے عہد سے تعلق رکھتی تھیں ہماری

رائے میں مصنف ان تاثرات کا چربہ اتار رہا ہے۔ جو اس کے اپنے عہد میں ان قلماقنیوں اور اردابیگنیوں سے متعلق عوام میں قصہ کہانیوں میں مشہور تھے۔

یہی نہیں بلکہ یہ جو مصنف نے پرتھی راج کو بیسیوں بیویوں کا شوہر بیان کیا ہے۔ اور جس کے لئے شاعر کو ۶۵ ویں داستان 'وداہ سمے' جداگانہ لکھنی پڑی۔ اس میں بھی ہمیں مسلمان سلاطین کی تقلید کی بو آتی ہے۔ جن کے محلات میں حرموں کی کثرت اور کنیزوں کی افراط ان کی شان امارت کے قیام کے لئے ایک لازمی امر خیال کیا جاتا تھا۔

شکار ترکوں اور مسلمانوں کا ایک خاص مشغلہ ہے۔ مسلمانوں میں شکار کے بیسیوں طریقے مروج ہیں خصوصاً وہ جن میں شکاری جانوروں اور پرندوں کے ذریعہ سے شکار کھیلا جاتا ہے۔ یعنی تازی کتوں۔ چیتوں۔ باز۔ جرّہ باز۔ شاہین و چرغ وغیرہ کے ذریعہ سے۔ راسا میں پرتھی راج کو شکار کا بے حد شایق ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کو اس دلچسپ تفریح کا اتنا ہی چسکا ہے۔ جتنا فیروز شاہ تغلق یا جہانگیر کو ہو سکتا ہے۔ وہ شکار کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ شکاری پرندوں کا بے حد شوق ہے۔ اور شہاب الدین سے فدیہ میں ہاتھی گھوڑوں کی طرح باز اور جرّہ باز بھی وصول کرتا ہے۔ کیماس جدھ ۴۳ ویں داستان میں منجملہ چوبیس ہاتھیوں اور دو لاکھ روپے کے سو باز بھی شاہ کے فدیہ میں شامل ہیں۔ بچون پاتساہ جدھ ۵۴ ویں داستان میں سلطان پندرہ ہزار باز دینے پر اپنی رہائی خریدتا ہے۔

یہ کہنا مبالغہ میں داخل نہیں ہے۔ کہ اگر ہندو مذہبی زندگی کا عنصر پرتھی راج کی زندگی سے خارج کر دیا جائے تو پرتھی راج میں اور قرون وسطےٰ کے کسی مسلمان والی کی زندگی میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ میں اس کے شکار کے بعض واقعات یہاں عرض کرتا ہوں:۔

(۱) آکھیٹک بیر بر ون چھٹی داستان میں دیکھا جاتا ہے۔ کہ پرتھی راج ایک مرتبہ شکار کو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک ہزار شکاری کتے۔ ایک سو چیتے اور ایک سو شکاری ہرن ہیں۔ اس لوازمہ کے ساتھ وہ ایک گھنے جنگل میں شکار کیلئے گھس جاتا ہے (چھند ۱۱۔۱۲ ج ۲ ص ۲۰)

(۲) آکھیٹک چوک برنن دسویں داستان میں پرتھی راج کھٹوبن میں شکار کو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ پانسو پیدل۔ پانسو پھندیت۔ ایک ہزار کتے۔ پانسو ہمراہی پچپن چلتے۔ اور بے تعداد باز اور بہری تھے۔ (چھند ۱۳ ص ۴۲۶/۴)

(۳) بھومی سپن پرستاد۔ سترہویں داستان۔ پرتھی راج ایک مرتبہ شکار کو جاتا ہے۔ ہانکا کرایا جاتا ہے۔ ایک شیر سامنے آتا ہے۔ راجہ تیر مارتا ہے۔ مگر خطا جاتا ہے شیر طیش میں آکر جھپٹتا ہے۔ جب قریب آپہنچتا ہے۔ راجہ تلوار کے ایک ہی وار میں اس کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ (چھند ۳ ص ۵۰۶/۶)

(۴) جیت راو جدھ ۳۴ ویں داستان۔ دلی پہنچنے کے ڈھائی برس بعد پرتھی راج کھٹوبن میں شکار کو جاتا ہے۔ اور نیت راو کھتری اس کی اطلاع شہاب الدین کو بھیج دیتا ہے۔ اسدفعہ راجہ کے ساتھ سو چیتے۔ ایک سو بیس کتے بیالیس سیاہ گوش اور ایک سو ہرن تھے (چھند ۳۲ ص ۱۰۲۳/۹)

(۵) دھن کتھا چوبیسویں داستان:۔ پرتھی راج ایک دن سنگار ہار مشہور ہاتھی پر سوار ہو کر شکار کو گیا۔ کنہ بھی ساتھ ہو لیا۔ دونوں بہادر گھنے جنگل میں شکار کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ اتنے میں ایک بیڑبان نے آکر خبر دی کہ مہاراج یہاں سے قریب ہی ایک زبردست سور موجود ہے۔ راجہ نے اس کے گھیرنے کا حکم دیا اور خود بھی اسی طرف بڑھا۔ جب سور نے دیکھا کہ چاروں طرف سے گھر چکا ہے ہنکارتا ہوا ایک سمت کو ہو لیا۔ راجہ نے موقعہ پاتے ہی فوراً اسے تیر سے مار لیا۔ اس اثنا میں ایک شیر کی خبر آئی۔ راجہ نے کہا کہ میں تو اب شیر کو مارے بغیر یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔ اتنا کہہ کر شیر کی طرف چل دیا۔ دیکھا کہ ندی کے کنارے ایک خونخوار شیر ایک بیل کو مار کر اس کا گوشت کھا رہا ہے۔ راجہ نے ہاکے کا حکم دیا اور مہاوت نے سنگار ہار کو اسی طرف بڑھایا شور وغل کی آواز سنکر شیر بڑی تیزی کے ساتھ راجہ پر آیا۔ راجہ نے تیر چلایا جو خطا گیا۔ خواصی میں کرنبھ رای جھپا ہوا تھا اس نے شیر کے ایک تلوار ایسی ماری کہ اسکے دو ٹکڑے ہو گئے (چھند ۳۳۵-۵۰ ص ۲۲۹/۷)

(باقی آئندہ) (محمود شیرانی)

سندھ کے بعض کتبے

(سلسلہ کے لئے دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت فروری ۱۹۳۵ء)

سکھر۔ بھکّر اور روہڑی

ہندوستان کے عہد اسلامی کی تاریخ صرف کتابوں ہی میں محفوظ نہیں ہے۔ اور بھی بہت سی یادگاریں ہیں جو اس عہد کے مختلف ادوار کی تاریخ کو صحیح طور پر سمجھنے میں مفید ہیں۔ ان میں سے بہت سی یادگاریں مرور زمانہ سے تلف ہوگئیں۔ مگر بہت سی ابھی باقی ہیں خصوصاً مغلیہ عہد کے لئے جو ہم سے نسبتہً قریب ہے مواد کی کافی افراط ہے۔ اس مواد میں قدیم شہر، ان کے کھنڈر، ان کی عمارات اور خرابے، سکّے، مخطوطات، تصاویر، وصلیاں، صناعی کے نمونے اور کتبے شامل ہیں۔ اس مواد کو نظر غور سے دیکھا جائے تو تاریخی کتابوں کے مضامین کی تصدیق یا تکذیب کے علاوہ بعض اوقات بالکل نئی باتیں اس سے معلوم ہوتی ہیں، اور اس وقت کی طرز معاشرت، مذاق، لوگوں کی ذہنی حالت اور اسی قسم کے اور بہت سے امور پر ایسی روشنی پڑتی ہے۔ جو اور کسی ذریعہ سے ممکن نہیں، گویا اس عہد کی زندہ تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے،

ہمارے مطلب کے قدیم شہروں میں سکھر، بھکّر اور روہڑی کا بھی شمار ہے۔ یہ تینوں شہر ایک دوسرے سے بالکل قریب واقع ہیں، ۲۲ اور ۲۳ مارچ ۱۹۳۷ء کو میں ڈیڑھ دن تک وہاں مقیم رہا اور میں نے وہاں کی بعض عمارتوں، اور خرابوں کو دیکھا صفحات ذیل میں جن جن مقامات کو میں نے دیکھا اور جو جو کتبے میں نے وہاں سے نقل کئے انکا حال پیش کیا جائیگا۔ ترتیب وہی ہوگی جس ترتیب سے میں نے ان مقامات کو دیکھا، افسوس سے لکھا جاتا ہے۔ کہ ان شہروں کی قدیم یادگاروں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سارے سندھ کی اسلامی یادگاروں پر گزیٹیر نویسوں

اور محکمۂ آثار قدیمہ نے کافی توجہ نہیں کی ہے۔ صوبہ سندھ اور اس کے ضلع وار گزیٹروں میں اس موضوع پر جو کچھ درج ہے وہ بالکل ناکافی ہے[1]۔ سندھ کے کتبوں کے نقول اگر محکمہ آثار نے حاصل کئے ہوئے ہیں تو وہ شائع نہیں ہوئے۔ کم سے کم راقم حروف کو محکمہ کے بعض حکام سے کوئی اطلاع ان آثار کی نقول کے متعلق حاصل نہ ہوسکی۔ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے باوجود عجلت اور عرصہ قیام کی قلت کے راقم سطور نے سعی بلیغ سے جس قدر کتبوں کو نقل کرنا ممکن ہوسکا کیا۔ مناسب تو یہ تھا کہ بعض کتبوں کے چربے حاصل کئے جاتے۔ مگر اتنا وقت نہ تھا۔ شاید کوئی اور صاحب اس کی توفیق پائیں اور اس کام کو کماحقہ سرانجام دے کر ان مساعی کو تکمیل و تتمیم تک پہنچائیں۔

سکھر اور اس کے نواح کی اجمالی تاریخ

ضلع سکھر کے گزیٹیر طبع ۱۹۰۹ء میں (ص ۵۳) پر جو حال سکھر وغیرہ کا دیا ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ سکھر دو ہیں قدیم اور جدید۔ ان دو بستیوں کو ریل کی پٹڑی ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ نئی آبادی ان چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے آس پاس بسی ہوئی ہے جو دریائے سندھ کے کنارے شمالاً جنوباً کئی میل تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ سلسلہ دراصل روہڑی سے شروع ہوتا ہے۔ دریائے سندھ اس سلسلے کو کاٹ کر گزرتا ہے۔ پھر روہڑی کے مقابل دریا کے پار سکھر کی جانب یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوکر قریباً ۵۰ میل تک دریا کے ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔ دریا کے بیچ میں بھکر کا جزیرہ ہے۔ وہ بھی اسی سلسلہ کوہ میں شامل ہے بھکر[2] چونے کے پتھر کی ایک چٹان ہے جو ۸۰۰ گز لمبی تین سو گز چوڑی اور قریباً ۴۵ فٹ

---

[1] بعض کتبے جو غالباً بالکل صاف اور واضح ہیں ان کی نسبت ضلع سکھر کے گزیٹیر ہیں مبہم سے بیانات دیئے گئے ہیں۔ مثلاً دیکھئے گزیٹر مذکور ص ۴۱ و ص ۵۴،

[2] ضلع سکھر کا گزیٹیر ص ۶۰،

اونچی ہے کہتے ہیں کہ دریائے سندھ پہلے الور کے پاس بہتا تھا، بعد میں آغاز عہد عباسیہ یعنی ۷۵۰ء کے قریب دریا نے ان پہاڑیوں کو کاٹ کر موجودہ راستہ بنا لیا۔ بھکر کے سنگلاخ کو دریا نہ کاٹ سکا اور وہ شروع میں شاید بصورت شبہ جزیرہ اور آخر بصورت جزیرہ دریا میں قائم رہا۔ دریا کا عرض بھکر اور سکھر کے درمیان سو گز سے زیادہ نہیں ہے اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ مقام پہلے اس سے بھی زیادہ قریب قریب ہوں گے۔ اور ان کے مشابہ نام بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں، جلال الدین خوارزمشاہ کے حملہ کے حالات میں جوینی نے ان مقامات کا نام اکر و بکر لکھا ہے[1]۔ اور یہی صورت اس نام کی اس تانبے کے سکے[2] پر ہے جو مجھے الور سے ملا اور جس کا ذکر آگے آئے گا۔

فوجی نقطۂ نظر سے جزیرہ بھکر کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانہ ہی میں اس کو قلعہ کی صورت دے دی گئی۔ اور تاریخ میں بھکر کا نام سکھر سے زیادہ نمایاں طور پر مذکور ہوتا رہا۔

۹۲۶ھ/۱۵۲۰ء کے قریب شاہ بیگ ارغون نے بھکر کو اپنا دار السلطنت بنایا اور اس غرض سے بھکر کی فصیل اور برج و بارو کو پہلے سے زیادہ مستحکم کر دیا۔ بھکر کی آبادی کو اس نے وہاں سے باہر منتقل کرنا ضروری سمجھا اور یہ لوگ روہڑی اور سکھر میں جا بسے[3]، تب سے ان بستیوں کو روز افزوں ترقی حاصل ہوئی۔ ۹۸۲ھ میں اکبر نے بھکر لیا اور صوبہ ملتان میں شامل کر دیا۔ حملہ نادریہ کے بعد ماورائے سندھ کا علاقہ ایران سے ملحق ہوا اور اس میں بھکر اور سکھر بھی شامل تھے، انیسویں صدی کے ربع اوّل میں یہ علاقہ تالپروں کے قبضہ

---

[1] جہانگشای جوینی ۲: ۱۴۲ پر ہے: وقبا چہ در کشتی با کر و بکر دو قلعہ است در جزیرۂ اندر آب بعض نسخے جو میں حاشیے میں دیے گئے ہیں۔ زیادہ درست معلوم ہوتے ہیں یعنی "جزیرہ ایست وقلعۂ در آن جزیرہ"، کہ قلعہ ایست در جزیرۂ" "قلعہ ایست در جزیرۂ"، [2] تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۴ پر ہے)، بہر حال آن (بھکر بجای قدیم دلوہری و سکھر از ان جدید... قلعہ دی (یعنی بھکر) را شاہ بیگ از خشتہای الور اساس دادہ ساوات ساکن درون قلعہ را برون در لوہری اقامت دادہ نامور شاہ بادشاہ قلعہ را خراب ساخت،

میں آیا اور ۱۸۴۲ء میں سرکار انگریزی سے متعلق ہوا۔ اس وقت بھکر کو فوجی چھاونی بنایا گیا۔ اور چھاونی نے تجارت پیشہ لوگوں کو کھینچا جنہوں نے دریا کے کنارے کنارے سکھر جدید کو آباد کیا، ۱۸۷۵ء میں چھاونی توڑ دی گئی۔ جب ریل نے کراچی کو کوٹری اور ملتان کو لاہور سے ملا دیا تو کوٹری اور ملتان کے درمیان تجارت اور آمد و رفت جہازوں کے ذریعہ ہوتی رہی۔ اس زمانہ میں سکھر کو بہت اہمیت حاصل رہی۔ جو پنجاب اور سندھ کے درمیان ریلوے لائن کے مکمل ہونے سے کم ہو گئی۔ ہمارے زمانہ میں سکھر[1] کے بند نے سکھر کو پھر رونق تازہ بخشی ہے۔ اب میں ان مقامات کا ذکر کرتا ہوں جو میں نے مارچ ۳۷ء میں دیکھے،

روہڑی

روہڑی دریائے سندھ کے مغربی کنارے پست چٹانوں پر واقع ہے اور بہت پرانی بستی ہے۔ سکھر گزیٹیر (بذیل روہڑی) میں ہے کہ ارتقائے انسانی کے دور حجری کے آثار یہاں بکثرت ملتے ہیں، قریب بہ یقین ہے کہ عربوں کے حملہ سندھ کے وقت یہاں کوئی قابل ذکر بستی نہ تھی اور جیسا کہ اوپر مذکور ہوا دریا کا گزرگاہ روہڑی کے پاس نہ تھا، جب دریا نے اپنا راستہ بدلا تو روہڑی اور سکھر دریا کے دائیں اور بائیں کنارے پر بس گئے، اور بھکر کی قلعہ بندی کر دی گئی پھر ارغونوں کے زمانے میں سادات بھکر یہاں بسا دئے گئے، عہد اسلامی کی متعدد یادگاریں[2] یہاں اب تک موجود ہیں، ۱۸۴۶ء کے قریب تھارنٹن (Thornton) کا اندازہ تھا کہ اس میں ۴۰ آباد اور ۸۰ ویران مسجدیں موجود ہیں۔ ریلوے سٹیشن کے تھوڑے ہی فاصلہ پر رضوی سیدوں کی قلعہ نما بستی ہے۔ جو ایک کچی فصیل کے اندر واقع ہے۔ یہ حضرات شیعہ ہیں مگر باوجود

---

[1] Sukkur Barrage.

[2] افسوس ہے کہ آثار ذیل کا دیکھنا ممکن نہ ہو سکا: عیدگاہ جو ۱۵۹۳ء میں بنائی گئی، خیرالدین آدم شاہ اور میر عبدالباقی پورانی کے مقبرے، میر صفائی کی جامع مسجد، ست بھین، درگاہ خواجہ خضر، میر معصوم کی مسجد جس میں اب کسی کا بسیرا ہے، قلعہ خیرالدین اور پورانی کا حال تحفۃ الکرام ۳: ۱۳۳ بعد پڑھیے۔

محرم انہوں نے از راہ عنایت مجھ کو بعض چیزیں جو اُن کے ہاں موجود ہیں دکھائیں انہی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے بزرگ سیّد میر یعقوب علی رضوی بھکری بن سید میر میراں رضوی النقوی[1] عہد عالمگیر میں بھکر کے حاکم تھے۔ ایک معافی نامہ عہد عالمگیری کا جو سید یعقوب علی کی اولاد کے نام ہے۔ اُن کے پاس موجود ہے۔ وہ میں نے دیکھا ایک سیدھی سیف بھی ان کے پاس ہے، دستہ پر نہری کوفت کاری ہوئی ہے اور حال ہی میں تلوار پر اُن کا نام بھی کندہ کرا دیا گیا ہے۔ لیکن معلوم نہیں تلوار کو موصوف سے منسوب کرنا کہاں تک درست ہے۔ یہ تلوار ان حضرات کو کسی اور گھرانے سے دستیاب ہوئی ہے۔ ان کے پاس متعدد تصویریں اولیاء اللہ کی ہیں۔ جن میں بیشتر اولیاء ہند کی ہیں۔ ایک کتاب وظائف کی ہے۔ جس میں دوازدہ امام رضی اللہ عنہم کی رنگین تصاویر ہیں۔ یہ بارھویں صدی کا کام معلوم ہوتا ہے۔ اس کتاب کو ایک پیپر ماشی کے بکس میں رکھا ہوا ہے۔ جس پر جہانگیر کی تصویر اور شکارگاہیں بنی ہوئی ہیں۔ اس بستی کے پاس ہی میر یعقوب علی شاہ کی مسجد ہے جو بالکل ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ مگر ابھی ٹائلیں اس میں بعض بعض جگہ باقی ہیں۔ سکھر گزیٹیر ص ۴۴۷ پر اس کی تاریخ تعمیر ۱۶۷۷ء دی ہوئی ہے۔ اس بستی سے کچھ فاصلے پر سید سلطان رضوی کا شکستہ سا مقبرہ ہے جس کے دروازے پر کچھ کاشی کاری ابھی باقی ہے۔ اور تاریخ تعمیر ذیل کے کتبے میں درج ہے:۔

سید سلطان رضوی چون ازین دار پنج — زد بدولت چار تکبیر و بجنت کرد جا
سبز پوشان بہشتی را چمن پیرای خلد — داد هر هفت از پی آن سید نعم الفتا
سال نقل او ز پیر عقل می کردم طلب — از سروش غیب در گوش من آمد این ندا

---

[1] یہ اُن کی اولاد کا بیان ہے تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۸ پر سید یعقوب خان کو "از نبائر میر میراں" لکھا ہے، اور میر میراں کا مختصر سا حال بھی اسی کتاب میں ۳: ۱۲۵ پر دیا ہے،

یک ہزار و صد ز ہجرت بُد بدان و سیزدہ ۱۱۱۳ — در جمل بشمر حروف جملہ این مصراع را
بعد سہ سال دگر از اہل بیت آن امام — یافتہ تعمیر نو این روضہ مینو نما
تا بود بر پای این رُوئین حصار ہفت خوان — چار رکنش بر بساطش جہت ماند بجا
سال تاریخ بنایش چون بجستم از خرد — گفت در گوش ضمیرم روضۂ آل عبا ۱۱۱۶

خانقاہ دین پناہ کے متصل کی مسجد

یہ چھوٹی سی شکستہ مسجد دریا کے کنارے پر واقع اور پختہ گچ کار بنی ہوئی ہے۔ باہر چھوٹا سا صحن ہے۔ ایوان تین حصوں میں منقسم ہے۔ چھت گنبدی ہے۔ محراب کے اوپر لکھا ہے محمد عربی الخ، صحن کی جانب ایوان کے باہر کی طرف ذیل کا کتبہ درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسجد کی تعمیر بعہد شاہ اورنگ زیب ۱۰۹۲ھ میں شروع اور ۱۰۹۶ھ میں ختم ہوئی۔ کتبہ دو لمبی سطروں میں لکھا ہوا ہے، ہر سطر کے شروع اور آخر میں تین مصرعوں سے کچھ زیادہ دائیں اور بائیں طرف کی دیواروں پر لکھے ہوئے ہیں۔ مگر بیشتر حصہ سامنے کی طرف لکھا ہے۔ کتبہ یہ ہے:-

سطر اوّل

در زمن بادشاہ صاحب تیغ و قلم — مامن تخت و کلاہ مفتخر خافقین
حامی فرض و سنن ماحی آثار کفر — مالک گنج و حشم فتنہ برشور و شین
جالس اورنگ عدل، آور (کذا) دین و دول — گوہر دیہیم ملک، زیب دہ شرقین
عادل خاقان دہر، عالم گیر آنکہ اوست — خسرو عالی مقام بادشہ مغربین
خواجہ محمد حسین مسجد عالی کہ ہست — مسجد اقصیٰ نمای زینت اسلام عین
کرد بنا بہر خیر کز قدر و منزلت — کرد دوتا چون فلک قدّ فر فرقدین
جامع اسرار حق فایض انوار دین — معبد نیکو بنای سجدہ گہ عالمین

سطر دوم

کعبہ طاعت[1] [طاعات حق؛ ہم] مقصد حاجات خلق — قبلہ انس و ملک، تاج سر قبلتین
گنبد تابان او مردم چشم سپہر — شمسۂ رخشان او خیرہ کن مقلتین
گوشۂ محراب او کرسی محراب عرش — منبر مہ پایہ اش منبر ادج بطین[2]
بادچو بیت العتیق سالم زافات دہر — تا اثر آب ہست در دھن دو دغین[3]
سال دو تاریخ را ملہم غیبی ادا — کرد بدینسان مرا زانکہ بود دین
جامع[4] اسرار حق مسجد اقصیٰ نمای — معبد نیکو ازان خواجہ محمد حسین

مصرع اول بود صالح آغاز سال — مصرع ثانی ہمی یافت زا تمام زین ۱۰۹۶

بظاہر صالح شاعر کا تخلص ہے جس نے یہ قطعہ تاریخ تصنیف کیا،

جامع مسجد روہڑی

عہد اکبری کی یہ مسجد لب دریا ایک پُرفضا مقام پر واقع ہے۔ داخل ہونے کا دروازہ بالکل معمولی سا ہے۔ البتہ اس پر ایک کتبہ ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے، پرانے بیرونی دروازے کے باہر تھوڑی سی جگہ ہے۔ جس میں نیم کے متعدد بہت بڑے بڑے اور پرانے درخت ہیں۔ دروازے سے داخل ہوں تو مساجد کی عام ترتیب کے مطابق پہلے صحن ہے۔ پھر ایوان یا مسقف حصہ، ایوان کا فرش نیلی ٹائلوں کا ہے اور چھت گنبدی ہے۔ عمارت سُرخ اینٹوں کی بنی ہوئی ہے، ایوان عرضاً دو حصوں میں منقسم

[1] بظاہر یہ مصرعہ ناقص نقل ہوا۔ شاید کعبہ طاعات حق تھا مگر یقینی نہیں،

[2] منازل قمریں سے دوسری منزل کا نام ہے،

[3] بادل جو آسمان پر چھایا ہوا ہو،

[4] کتبہ میں دوسرا مصرعہ پہلے ہے اور پہلا مصرعہ بعد میں درج ہو گیا ہے،

ہے - ایک حصہ صحن سے متصل اور دوسرا اس سے آگے جو تین حصوں میں منقسم ہے اور جس کے وسطی حصہ میں محراب ہے - ذیل کا تقریبی سا خاکہ صرف ایوان کی عام شکل ظاہر کرتا ہے - محراب کے متصل دو کوٹھڑیاں ہیں - اور جنوبی دیوار میں دریا کی جانب

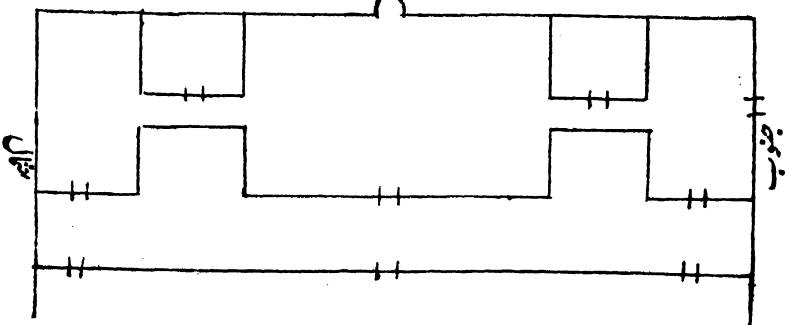

کھڑکی ہے - اور ایک سوراخدار پنجرہ جو خوشخط حرفوں میں قل ھو اللہ احد الخ لکھ کر بنایا گیا ہے ، گویا یہ پنجرہ بھی ہے اور خوشخط قطعہ بھی، ایوان بعد کے زمانے کی مساجد کی طرح زیادہ فراخ نہیں ہے - البتہ عمارت اس کی بہت مضبوط بنی ہے - محراب والے حصہ میں مشرقی دیوار کو چھوڑ کر باقی تین جانب میں چینی کا سطح پر بسم اللہ الرحمن الرحیم انا فتحنا الی اجر اعظیما بخط ثلث درج ہے اسی حصہ کے بیرونی کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت رجب ۹۹۲ھ میں کسی شخص حبیب نامی کے اہتمام سے مکمل ہوئی، بانی مسجد خان جم قدر مسند دوران "فتح خاں ہے، ۱۳۲۰ھ میں بادشاہ ایڈورڈ کی تاجپوشی کے موقعہ پر کلب علی مختار کار سرکار کے اہتمام سے اس مسجد کی مرمت بھی ہوئی ،

یہ مسند دوران فتح خان کون ہے ؟ تاریخ سندھ میر معصوم (نسخہ پنجاب یونیورسٹی ورق ۱۳۵ ب) میں ہے کہ ۱۰ ربیع الاوّل ۹۸۶ھ کو اعتماد خان والی بھکر اپنے سپاہیوں کے ہاتھوں شہید ہوا تو ولایت بھکر بشرکت جاگیر مسند عالی فتح خان مہاوتہ" اور راجہ پرمانند خویش راجہ ٹوڈرمل کو تفویض ہوئی اور رجب ۹۸۶ھ میں مذکورین بھکر پہنچ

کرمحال متعلقہ پر متصرف ہوئے، دو سال کے بعد پرمانند بحکم چوکی دربار درگاہ بادشاہی کی طرف روانہ ہؤا - مادھو داس اس کے بھائی کو قبیلہ دار بجہ کے لوگوں نے قصبہ الور میں گھیر لیا، فتح خان نے اپنے آدمی بھیجکر مفسدوں کو شکست دی اور شورش کو فرو کیا' انہی دنوں میں فتح خان عازم درگاہ ہؤا، بادشاہ نے اس کا منصب بڑھایا - اور پرمانند کی جاگیر اس کو تنخواہ میں دی، فتح خان مرد سادہ لوح زر دوست تھا، لیکن لوگوں کے ساتھ اس کا سلوک اچھا تھا - اس کے وکیل شہابخان کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے خان ناصر کے آدمیوں سے اس کا فساد ہوگیا - جس میں فتح خان کے بہت سے آدمی مع شہابخان کے مقتول ہوئے - جب یہ رپورٹ بادشاہ کے پاس پہنچی تو فتح خان کی جاگیر بدل دی گئی - اور اس کی بجائے نواب محمد صادق کو والی بھکر مقرر کیا گیا جو ۲ ربیع الاوّل ۹۹۴ھ میں بھکر پہنچا معلوم ہوا کہ فتح خان کی حکومت بھکر کا زمانہ ۹۸۶ تا ۹۹۴ تھا،

غرض باقی مسجد جامع یہی مسند عالی فتح خان ہے" مسند عالی" افغانوں کے ہاں لقب تھا - یہ شخص پہلے اسلام شاہ کے امرا میں سے تھا - اکبر کے ۴۴ سال جلوس (یعنی ۹۹۷ھ) میں وہ فوت ہؤا (بلاخمن ترجمہ آئین اکبری ص ۵۲۳) اس کو فتو افغان بھی کہتے تھے، طبقات اکبری (طبع کلکتہ ج ۲ ص ۴۴۰) میں ہے کہ وہ دو ہزاری منصب تک پہنچ کر فوت ہؤا، بلاخمن کے بیان سے گمان ہوتا ہے کہ مسند عالی فتح خان اور فتح خان فیل بان (جس کو تاریخ سندھ میں 'مہاوت' لکھا ہے) دو مختلف آدمی ہیں' مگر میر محمد معصوم نے واضح کر دیا ہے کہ مسند عالی فتح خان ہی فتح خان فیل بان ہے'

اب ان کتبوں کی تفصیل درج ذیل ہے :-

(۱) مسجد کے بیرونی مشرقی دروازے کے اوپر بیرونی جانب پر یہ کتبہ کاشی کار ٹائلوں پر پانچ ٹکڑوں میں درج ہے، خط نستعلیق ہے مگر بعض خصوصیات تعلیق اس میں باقی ہیں، اصل کی ترتیب کے مطابق یہ کتبہ درج ذیل ہے :-

چو فردوس برین	روی زمین	اہتمامش از صدق	مرادش بیقین	سنہ	اواخر اثنی وتسعین وتسعمایہ
این مسجد با صفا	بی مثل فتاد در ہمہ	چو کرد حبیب	خواہم کہ دہد خدا	تمت العمارہ	تاریخ الشریفہ شہر رجب المرجب

یعنی

این مسجد باصفا چو فردوس برین — بے مثل فتاد در ہمہ روی زمین
چو کرد حبیب اہتمامش از صدق — خواہم کہ دہد خدا مرادش بیقین
تمت العمارۃ الشریفۃ فی تاریخ اواخر شہر رجب المرجب سنۃ اثنی (کذا) وتسعین وتسعمایہ

۲- ایوان کے بیرونی طرف درمیانی قوس کے اوپر ذیل کا کتبہ درج ہے، کتبہ قوس کے دائیں طرف کی دیوار سے شروع ہوتا ہے۔ قوس کے اوپر اس کا بیشتر حصہ آیا ہے اور بائیں جانب کی دیوار پر وہ ختم ہوتا ہے۔ خط وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ یہ بھی ٹائلوں پر لکھا ہے۔ ترتیب تحریر حسب نمونہ بالا ہے یعنی

شاہ اکبر	بخش ستان ملک	سریر خ	زمان	الخ الخ
پناہ				
خسروی دین	کہ بود تاج	شاہ انجم سپاہ	مقتدای	
			حامی شرع و	

اب اس کتبے کو مفصل درج کیا جاتا ہے:-

خسروی دین پناہ اکبر شاہ — کہ بود تاج بخش ملک ستان
شاہ انجم سپاہ چرخ سریر — حامی شرع و مقتدای زمان
بندگانش چو قیصر و فغفور — چاکرانش چو طغرل وخاقان
بندۂ کمترین او یعنی — خان جم قدر مسند دوران
سروری نیک رای دریا دل — منبع جود و مجمع احسان
فتح خان آن کہ تیغ خونریزش — کرد بنیاد ظلم را ویران
مسجد جامع از برای ثواب — ساختہ برامید قصر جنان
دل کشا ہمچو مسجد کعبہ — جان فزا ہمچو روضہ رضوان

تا بود گنبد فلک برپا باد سالم ز آفت دوران
سال تاریخش از خرد جستم مسجدی کرد خان بگفت روان

ایوان کی درمیانی قوس کے دائیں اور بائیں ہمارے زمانے کی کاشی کارٹائلوں پر ذیل کا کتبہ درج ہے :-

دائیں جانب

تاج پوشیدہ خسرو دوران زینت [زینتی] یافت خانہ یزدان
مسجد یادگار اکبر شاہ اوفتادہ ز مدتی ویران
در زمان [ایڈورڈ] شاہ جہان کردہ کلب علی مرمت آن

بائیں جانب

آنکہ مختار کار سرکار ست زیر فرمانروای ہندوستان
سال ترمیم مسجد اکبر دوش بودم بجان و دل جویان
یاسر نازے ہاتفم فرمود کار گلدستہ برلب مہران

کتبے میں سے 'ایڈورڈ' کا لفظ مٹ گیا ہے۔ شاہ ایڈورڈ کا سن جلوس ۱۹۰۱ء ہے مگر تاجپوشی ۱۹۰۲ء مطابق ۱۳۲۰ھ میں ہوئی ہوگی۔ کار گلدستہ برلب مہران کے عدد ۱۲۷۰ ہیں اور اس میں سرناز یعنی ن کے ۵۰ عدد جمع ہوں گے،

زیارت گاہ موی مبارک

جامع مسجد کے متصل موی مبارک کی عمارت ہے۔ جس کے اندر ہیں نہ جا سکا تحفۃ الکرام ۲ : ۱۲۴ میں بذیل بلدہ بھکر لکھا ہے : بوجود تبرک آثار شریف یعنی موی مبارک کہ حسب مرویات صحیحہ یکی از دو نیم موا ست کہ از آنحضرت برای زیارت یادگاری مومنان ماندہ مخصوص گرامت سکھر گزیٹیر ص ۴۷ پر ہے کہ یہ موی مبارک عبدالباقی خلف شیخ نظام الدین صدیقی سندھ میں لائے وہ روہڑی میں آباد ہو گئے مگر موی مبارک کو ظاہر نہ کیا۔ آخر ایک

بزرگ کو خواب میں اس کے وجود سے آگاہ کیا گیا، ظاہراً اس سے بہتر سند موجود نہیں،

ڈھک بازا والی مسجد

اس مسجد میں محراب کے اوپر ۱۱۰۶ھ کا ایک کتبہ ہے

بخشش اللہ از اللہ بخش　　مسجدی را داد درگیتی ثبات
سال تاریخ بنایش را خرد　　ثبت کرد الباقیات الصالحات

۱۱۰۶
کتبہ لکھنے والے نے اس پر دستخط یوں کئے ہیں محمد سعید
شاید یہ نام سید محمد بخش ہو،

صفۂ صفا

روہڑی میں لب دریا قلعہ بھکّر کے مقابل ایک پہاڑی پر میر ابوالقاسم نمکین کے خاندان کا گورخانہ ہے۔ اس پر میر ابوالقاسم اور اس کے عزیز و اقارب کی کئی قبریں ہیں، دریا کی طرف سنگین پشتہ بندی کی گئی ہے اور اس کے مقابل کی سمت (جنوب) میں بہت سی سیڑھیوں کو چڑھ کر قبروں والے چبوترے تک پہنچتے ہیں جنوبی سیڑھیوں کے درمیان میں دروازہ اور ڈیوڑھی سی بنی ہے۔ جس میں کچھ نقاشی بھی ہوئی ہے۔ جس سطح پر قبریں ہیں۔ اس کا فرش سربسر پختہ ہے۔ اکثر قبروں پر نفیس سنگ تراشی سے زنجیرے اور کتبے کندہ ہیں،

صفۂ صفا میر ابوالقاسم نے خود بنایا اور اس کا نام بھی خود ہی تجویز کیا[1] یہ جگہ نہایت منزّہ اور خوش منظر ہے، اس کے دامن میں دریا بہتا ہے۔ سامنے قلعہ بھکّر ہے

[1] مآثر الامرا ۳: ۷۷،

دور دور تک باغوں اور عمارات کا نظارہ یہاں سے دکھائی دیتا ہے، اصاحب مآثر نے لکھا ہے کہ چاندنی راتوں میں یہاں کا منظر "بے نظیر عالم" ہے ۔

میر[1] ابوالقاسم بن ملا میر ہرات کے حسینی سیّدوں میں سے تھے ۔ پہلے میرزا محمد حکیم کے پاس نوکر تھے ۔ پھر اکبر بادشاہ کے ملازموں میں داخل ہوئے ۔ بھیرہ اور خوشاب جاگیر میں ملے، ایک مرتبہ بادشاہ کو رکابی اور پیالہ نمک کا بنوا کر پیش کش کیا تو نمکین کی پھبتی ان پر کسی گئی، اس مردم خیز عہد کی بہت سے لوگوں کی طرح میر بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، پیش گاہ اکبری میں ان کو قرب و منزلت حاصل تھی، داؤد خان کرارانی کی جنگ میں موجود تھے، پھر کچھ عرصہ تک سوات، باجور اور تیراہ کے کروڑی اور فوجدار رہے اسکے بعد ۱۰۰۶ھ میں حکومت بھکر پائی، مگر رعایا سے بدسلوکی کی اور ان کی شکایت پر معزول ہوئے، کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ نے پھر مہربانی کی اور اضافہ منصب اور خطاب خانی اور تیولداری گجرات (پنجاب) سے ان کو سرفراز کیا، شروع عہد جہانگیری میں خسرو کو گرفتار کرنے پر منصب میں ترقی ہوئی اور دوبارہ بھکر کی حکومت ملی، اب کے میر نے بھکر کو وطن بنا لیا، اور اسی زمانہ میں صفہ صفا تعمیر کیا، سکھر کی ایک عالیشان مسجد بھی میر ہی نے بنوائی، تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۷ پر ہے کہ میر جنگ قندھار میں قتل ہوئے ۔

اس گورخانہ میں بہت سی قبریں ہیں جو اسی قسم کے زرد پتھر کی بنی ہوئی ہیں جو ٹھٹہ کے نواح میں

---

[1] مآثر ۳: ۴۷، بلاخمن (ترجمہ آئین اکبری) ۷۰۴، تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۷، بقول صاحب تحفہ ملا میر متولی درگاہ امام موسیٰ رضا تھے، سکھر گزیٹیر ص ۸۴ پر صفہ صفا کا عام نام تھان قاسم شاہ دیا ہے،

[2] مآثر ۳: ۵۷، افسوس ہے کہ قیام سکھر کے اثنا میں یہ معلوم نہ تھا کہ میر ابوالقاسم نے سکھر میں مسجد بھی بنوائی تھی جس پہاڑی پر صفہ صفا ہے ۔ اس کا نام گزیٹیر میں مست بھین دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ نام اس عمارت کی وجہ سے ہے جو پہاڑی کے جنوبی جانب پر ہے، میں نے اسکو فقط دور سے دیکھا،

کوہ مکلی کی قبروں پر استعمال ہوا ہے، قبروں پر ۱۰۱۸ھ سے ۱۰۱۰ھ تک کے کتبے ہیں نے خود دیکھے لیکن سکھر گزیٹیر ص ۴۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض کتبے بعد کے بھی ہیں ۔۔ یعنی ۱۳۰۱ھ کے، یہ کتبے نفیس نستعلیق میں لکھے ہوئے ہیں۔ ایک بلند چبوترے پر میر ابوالقاسم کی قبر ہے۔ اس پر دو کتبے ہیں:۔

پائین: خان زمانہ میر ابوالقاسم آنکہ او — لوح وجود از رقم غیر ساده کرد
نبرد اس دودمان وفا گلبن حیا — سال وفات او طلب از داغ داده کرد
۱۰۱۶

بالین

گر بود بستر از حریر چسود — چون نهد مرگ زیر بالین خشت
خلف خیر او ز داغ ابی — چونکہ تاریخ سال فوت نوشت
۱۰۱۸
گفت ملہم مرا بگوش ضمیر — سال فوتش کہ باد جاش بہشت
۱۰۱۸

بظاہر داغ داده میں ایک عدد زاید ہے،

میر ابوالقاسم کثیر الاولاد تھے، مآثر میں ہے کہ ان کے ۲۲ بیٹے تھے[1]، جس چبوترے پر میر کی قبر ہے اس پر تین اور قبریں، وہ غالباً میر کے لڑکوں یا اور عزیزوں کی ہیں۔ ان کے کتبے درج ذیل ہیں:۔

مصدر خلق امیر خان کہ بسی — خلق عالم بخلق او آسود
تا درین دہر بود صاحب جاہ — در رضای خدای خود می بود
کوس رحلت چو زد ز دار فنا — رخت آسودگی بخلد کشود
سال نقلش بگفت ہاتف غیب — ہادی دین امیر خان آسود
۱۰۵۷

یہ امیر خان میر ابوالبقا بن ابی القاسم نمکین ہے (دیکھو بلاخمن کا ترجمہ آئین ص ۴۷۲) اس ابوالبقا کے بیٹے عبدالرزاق کی قبر بھی یہیں ہے جو ۱۰۶۲ھ میں کسی سنی شیعہ فساد میں مارا گیا، اس کی قبر کے بالین پر یہ کتبہ ہے:۔

---

[1] توزک جہانگیری (ترجمہ ۱: ۳۱) میں تیس لکھے ہیں،

عبد الرزاق کہ روحش قرین باد ز ایزد بہزار آفرین
سنی و شیعہ چو در افتادہ دید تیغ شجاعت زمیان برکشید
ہمت عالیش عنان گرم تاخت جام شہادت زقضا نوش یافت
ترک ازین عالم فانی کرفت ملک بقا آل حسینی گرفت

۱۰۶۲

یہیں ایک قبر عتیق اللہ مرزا کی ہے، اس پر دو کتبے ہیں:-

پائین: بتاریخ احد پنجشنبہ شہر رجب المرجب ۱۰۳۷ھ بدرجہ شہادت رسید

بالین

عتیق اللہ مرزا کز فراقش محبان را جگرہا چاک آمد
چو در خیل شہیدان شد خرامان فلک را دیدۂ نمناک آمد
ز روی درد گفتا سال تاریخ عتیق اللہ شہید پاک آمد

۱۰۳۷

اس چبوترے کی قبروں کے علاوہ باقی کئی قبروں پر بھی کتبے ہیں جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:-

شمالی جانب کی قبریں

۱- وفات یافت مرحومی مغفوری میرزا ابونصر بتاریخ شہر ذی الحجہ ۱۰۴۵ھ
۲- " " " " " " " " ۱۰۴۲ھ
۳- چونکہ مرحوم محمد افضل رفتہ زین عالم خاکی باجل
عقل تاریخ وفاتش گفتا آہ آسود محمد افضل

۱۰۸۰

مشرقی جانب کی دو قبریں

۴- تاریخ فوت مرحومہ یازدہم شہر محرم الحرام ۱۰۷۰ھ
۵- فی التاریخ بیست ہفتم شہر صفر ختم بالخیر والظفر ۱۰۳۱ھ
۶- پائین

میر والا نژاد سعدالدین آن بہر فن یگانۂ کامل
دل ازین خاک دان گرفت اورا جنتِ عدن ساخت سرمنزل
سال فوتش چو جستم از دل گفت شد بفردوس میر صاحب دل

صفہ صفا کے دامن میں جنوبی طرف ایک عورت کی قبر پر پائیں[۱۰۳۶] جانب ذیل کا کتبہ ہے:-

چون برون شد زجہان صالحہ کز خدا بود بہشتین امید
سال تاریخ وفاتش گردون زود رفتم شد بہشت جاوید

۱۰۳۷

الرور

الرور، ارور[۱]، یا الور کا خرابہ روہڑی سے ۵ میل جنوب مشرق کو ہے، محمد قاسم کے حملہ کے وقت یہ مقام سندھ کا دارالسلطنت تھا۔ اس زمانے سے قریباً دو صدی بعد یہ بستی اجڑ گئی، قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کے اجڑنے کی وجہ یہ تھی کہ دریا نے اپنا راستہ بدل لیا۔ اور یہاں کی آبادی ہجرت کرنے پر مجبور ہوئی۔ اور یہاں کے لوگ روہڑی میں جا بسے اور اپنی پرانی بستی کا نام بھی ساتھ لیتے گئے۔ مگر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس وقت سے الور میں کامل ویرانی ہوگئی۔ کیونکہ عہد مغلیہ میں اس کی آبادی کا ذکر تاریخوں میں موجود ہے، مارچ گذشتہ میں میں اس کو دیکھنے گیا تو میرا بھی خیال تھا کہ وہاں صرف کھنڈر ہی کھنڈر ملیں گے لیکن میں نے اس میں ایک بستی کو آباد پایا۔ ہاں پرانی بستی کے کھنڈر بھی نئی آبادی کے پہلو بہ پہلو موجود ہیں۔ لوگوں نے کھود کھود کر اس کھنڈر میں گہرے گڑھے بنا دیئے ہیں۔ اور دور سے ہندو کی بڑی بڑی اینٹیں ہر طرف اس میں نظر آتی ہیں۔ بستی کے پاس مگر

[۱] سکھر گزیٹیر ص ۱۴۱، تحفۃ الکرام ۳: ۱۳۲، [۲] الور کے اجڑنے کے متعلق عام قصہ تحفۃ الکرام ج ۳ ص ۴۴ ببعد پر دیکھئے،

اس سے قریب ہی شاہ اورنگ زیب کے زمانے کی ایک مسجد بھی ہے جو ویران اور ناقابل استعمال ہے۔ گو اس کے بعض حصے ابھی قائم ہیں۔ الور میں سید شکر گنج شاہ اور سید ختل الدین شاہ (کذا) کی قبریں بھی ہیں۔ آخر الذکر کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ حضرت لال شہباز قلندر مدفون سہون کے معاصر تھے۔ بستی پہاڑی کے اوپر ہے۔ اس کے دامن میں دریا کی سابق گذرگاہ ابھی تک صاف اور واضح طور پر نظر آرہی ہے۔ بستی سے دریافت کرنے پر بعض لوگوں سے کچھ تانبے کے سکے ملے، جن میں سے ایک غالباً ناصر الدین محمود بن التمش (۶۴۴ھ تا ۶۶۶ھ) کے زمانے کا ہے۔ اور دوسرا جس کے ایک طرف اکبر اور دوسری طرف بکر لکھا ہے۔ پروفیسر شیرانی اس کو خط کے اعتبار سے ارغونوں کے عہد کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ بستی والوں سے پوچھا گیا کہ کوئی کتبہ بستی میں ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ عربی کا ایک کتبہ دریا کی خشک وادی میں موجود ہے۔ جس کو ان کی اصطلاح میں نیں[1] ونگو کہتے ہیں۔ بستی سے قریباً آدھ میل کے فاصلے پر اترائی اتر کر ہم خشک گذرگاہ میں ایک جھاڑی کے پاس پہنچے تو وہاں ایک بڑا سا سفیدی مائل زرد پتھر ملا جو روہڑی میں عام طور پر نظر آتا ہے اور چونہ کے پتھر کی قسم کا ہے۔ اس پر دو سطروں میں ذیل کا فارسی کتبہ نفیس نستعلیق میں لکھا ہوا ملا:

بر دار قدم چو رہ نوردان	در بادیہ پای نہ چو مردان
بفرمودہ سیادت پناہ امیر محمد معصوم مرقوم سنہ ۱۰۰۸	

میر محمد معصوم نامی کا ذکر آگے آتا ہے،

---

[1] ونگ سندھی میں محراب نما چیز کو کہتے ہیں۔ ونگ پنجابی میں بھی ٹیڑھے بن کو کہتے ہیں، نیں ندی کو کہتے ہیں،

سکھر

سکھر کی نہایت نمایاں عمارت میر معصوم بھکری کا مینار ہے۔ اس مینار کے متصل ایک مثمن گنبدی ہے۔ اور اس کے متصل میر معصوم کے خاندان کا گورخانہ ہے تینوں پر کتبے ہیں۔ ان کا مفصل حال آگے آتا ہے،

میر محمد معصوم کو مغلیہ زمانہ کی کتابہ نویسی میں جو اہمیت حاصل ہے شاید ہی کسی شخص کو ہوگی وہ خود خوشخط کتابہ نویس تھا۔ اور اس کے اس شوق کا یہ عالم تھا کہ ہندوستان سے تبریز و اصفہان تک جہاں موقعہ ملا اس نے رستوں اور منزلوں پر مسجدوں اور عمارتوں کے پتھروں کو اپنے اشعار سے آراستہ کیا کوہ قندھار میں ایک پتھر پر صرف کثیر سے اسامی ممالک محروسہ اکبر شاہی کندہ کئے[1] آج بھی اس کے کتبے ہندوستان میں موجود ہیں، الور کے کتبے کا ذکر ابھی ہوا۔ دروازہ قلعہ آگرہ اور مسجد جامع فتح پور کا کتبہ اسکے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ سکھر کے مینار اور اس کے متصل مقامات میں بیسیوں کتبے ہیں جنمیں سے شاید بعض اسکے اور بعض اسکے ملازمین کے لکھے ہوئے ہیں۔ مآثر (۳: ۳۲۸) میں ہے کہ اس نے بہت سے بقاع خیر یادگار چھوڑے، خصوصاً سکھر میں جو اس کا مسقط الراس ہے اس نے کئی عمارتیں اور باغات بنوائے، دریائے سندھ کے اندر ستیاسر کے نام سے ایک عمارت بنوائی جو بقول صاحب مآثر نوادر روی زمین سے ہے[2] سکھر گزیٹیر ص ۵۹ پر ہے کہ سوائے مینار کے سکھر کی متعدد اور عمارتیں میر معصوم کی طرف منسوب ہیں۔ دریا کے کنارے نئے تالاب (reservoir) کے نیچے ایک مسجد اور آرام گاہ (rest house) ہے جس کو انگریزی عہد میں دروازے، کھڑکیاں لگاکر

---

[1] تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۷، قندھار میں ایک پہاڑ پر ابر نے ایک بیش طاق بنوا کر اسپر کتبہ کندہ کروایا تھا، میر معصوم نے بھکر سے خوش نویس اور سنگ تراش بلوا کر ہمایوں اور اکبر کا نام اور اکبری سلطنت کے شہروں و ممالک کے نام "از فضای حدود بنگالہ تا بندر لاہری و از کابل و غزنین تا دکن" وہاں درج کرائے، قریباً چار سال میں یہ کام تمام ہوا۔ (الیلیٹ ۱: ۲۳۹ تاریخ سندھ نسخہ پنجاب یونیورسٹی ورق ۱۷ ب، [2] مآثر میں گنبد دریایی (کنارہ) اسکی تاریخ دی ہے،

رہائشی مکان کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس پر ایک کتبہ بھی ہے، جس میں لکھا ہے۔ کہ میر معصوم نے یہ عمارت نماز اور مسلمانوں کے آرام کے لئے بنوائی، (پرانے سکھر میں ایک جامع مسجد ہے جو کہتے ہیں کہ میر معصوم کے والد میر صفائی نے بنوائی تھی)

مینار وغیرہ کا حال بیان کرنے سے پہلے میر کی زندگی کے حالات مختصراً بیان کرتے ہیں کیونکہ یہ غیر معمولی شخص بیک وقت خطاط، شاعر، مورخ، منشی طبیب، بہادر سپاہی اور مرد سیاسی (ڈپلومیٹ) ہونے کی حیثیت سے فخر روزگار تھا۔ میر معصوم کے بزرگ سادات ترمذ سے تھے۔ درگاہ حضرت شیخ سلیم چشتی کے بڑے دروازہ کے پہلو میں میر نے ایک کتبہ لکھا ہے جس کے آخر میں یہ عبارت ہے: قابلہ و کاتبہ محمد معصوم نامی ابن سید صفائی الترمذی اصلاً والبھکری مسکناً والمنتسب انا الی سیدنا شیر قلندر بن باباحسن ابدال السبزواری مولداً والقندھاری موطناً (دیباچہ توزک جہانگیری مرتبہ سید احمد علیگڈھ ۱۸۶۴ء حاشیہ ص ۴ جہاں یہ کتبہ پورا درج ہے) مآثر الامرا (۳: ۳۲۶) میں ہے کہ دو تین پشت پہلے ان کے بزرگ قندھار میں آ بسے اور بعض اور سادات کی شرکت سے بابا شیر قلندر کے مقبرہ کے متولی بنے، میر معصوم کے والد میر صفائی بھکر آئے اس زمانے میں سلطان محمود میرزا شاہ حسین ارغون والی سندھ م ۹۶۳ کا کوکہ) حاکم بھکر تھا۔ وہ بہت عزت سے پیش آیا۔ اور میر صفائی بھکر ہی میں بس گئے۔ سیوستان کی ایک سید زادی سے شادی کی[1] اور میر معصوم اور ان کے دو بھائی بھکر ہی میں پیدا ہوئے۔ ابھی تحصیل علم کی نوبت نہ آئی تھی کہ انکے والد میر صفائی کا انتقال ہوا[2] میر معصوم نے ملا محمد ساکن کنگری (از توابع بھکر) کی خدمت میں علوم تحصیل کئے تعلیم سے فراغت پانے کے بعد چونکہ میر نے شکار کا شوق حد سے زیادہ پیدا

[1] میر نے سید شیر کا مفصل حال تاریخ سندھ میں دیا ہے، دیکھو نسخہ پنجاب یونیورسٹی ورق ۴، [2] بعد، [3] یہ سادات کھاروت سیوستان نسبت نمود، [3] تحفۃ الکرام ۳: ۳۵۵ پر ہے کہ کنگری بادشاہپور رہر الو سے ۴ کوس پر اور بہرالو لوہری سے تقریباً ۴ کوس ادھر، سید صفائی کو سلطان محمود خان نے شیخ الاسلام بھکر بنایا۔ ان کا سن وفات ۹۹۱ ہے (تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۷) یہی سن ان کے لوح مزار کے کتبے سے حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ ہم کو بتایا ہے،

کر لیا تھا۔ وہ اکثر اسی میں مشغول رہنے لگے لیکن یہ حالات جلد ہی بدل گئے اور میر کو مفلسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اُن کے ہم وطن اور ہم سبق شیخ اسحاق فاروقی، خواجہ نظام الدین احمد ہروی دیوان گجرات کی سرکار میں ملازم صاحب اختیار تھے۔ میر معصوم نے پاپیادہ گجرات کا رُخ کیا۔ شیخ نے خواجہ سے ملاقات کرا دی۔ اتفاق سے خواجہ ان دنوں میں طبقات اکبری کی تالیف میں مشغول تھے۔ میر معصوم تاریخ دانی میں یگانہ روزگار تھے۔ اسلئے خواجہ نے انکے آنے کو غنیمت سمجھا اور میر (اور بعض دوسرے اہل کمال) اس کتاب کی تالیف میں شریک رہے[1]، کچھ عرصہ کے بعد میر شہاب الدین[2] احمد خان صوبہ دار گجرات کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ شجاعت و مردانگی میں ناموری حاصل کی[3] خصوصاً خانخاناں کے ہمراہ تسخیر سندھ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ آخر اکبر بادشاہ سے روشناسی پیدا ہوئی اور چالیسویں سال جلوس (یعنی ۱۰۰۴-۱۰۰۳ھ الٰہی) میں ان کو دو صد و پنجاہی منصب ملا اور بتدریج تقرب اور اعتبار پادشاہی بڑھا۔ تا آنکہ ان کو ایران کی سفارت پر بھیجا گیا۔ اور وہ دانائی

---

[1] مآثر ۱: ۶۶۳ [2] میر شہاب الدین پنجہزاری امرا میں سے تھا۔ بہت سے کارہائے نمایاں اس سے ظہور میں آئے، وہ مدتوں تک گجرات کا اور سالہا سال تک مالوہ کا حاکم رہا، ۹۹۹ھ میں اجین میں فوت ہوا (بلاخمن ترجمہ آئین ص ۳۳۲) [3] اکبر نامہ میں ۹۸۸ھ اور ۱۰۰۲ھ الٰہی کے درمیان میر کی فوجی کارگذاریوں کا ذکر کئی بار آیا ہے اور اس کا شمار دلاوران، اور کارآگاہان، اور خدمت گزینان کارشناس، اور مجاہدان اخلاص گر، کے زمرہ میں ہوا ہے، بھیرہ اور رہتاس میں وہ محب علی کے ہمراہ ہے اور بہار میں میرزا کوکہ خان اعظم کے کمکیوں میں شامل ہے، پہلے کئی برس تک شورش گجرات کے فرو کرنے میں مدد دیتا ہے، پھر خانخاناں کے ہمراہ مہم قندہار میں شمولیت کا حکم پاتا ہے اور فتح سندھ میں خان خاناں کا معین کار رہے (دیکھو فہرست اکبر نامہ طبع کلکتہ ج ۳ بذیل میر معصوم بھکری تحفۃ الکرام ۳: ۱۲۷) [4] یہ مضمون تکمیل اکبر نامہ سے ماخوذ ہے، ابو الفضل ۱۰۱۱ھ میں مارا جا چکا تھا،

اور کارداني کی وجہ سے شاہ عباس صفوی کے مورد عنایت بنے (تکملہ) اکبر نامہ میں (۳: ۸۲۵ پر) شیخ عنایت اللہ نے لکھا ہے کہ میر معصوم بھکری کو ۲۷ آذر ماہ ۱۰۱۲ھ کو بتقریب سفارت ایران جانے کی اجازت ملی، وہ محاصرہ قلعہ ایروان کے اثنا میں شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے شاہ نے ان کی بزرگ داشت میں بہت مبالغہ کیا شہنشاہی خط کو ادب کے دونوں ہاتھوں سے لے کر سر پر رکھا، "حضرت شاہ بابا ام" کا حال پوچھا تحائف ایک وسیع بارگاہ میں چنوا کر ملاحظہ کئے اور برابر دو تین دن تک ایلچیان گرجستان اور سرداران ترکستان اور باہر کے آدمیوں کو ان تحائف کے دیکھنے کیلئے بھیجا[1] تقی کاشی نے لکھا ہے کہ میر معصوم کے ساتھ ایران میں ایکہزار ملازم تھے۔ (فہرست اودھ ص ۳۷)، روز روشن (ص ۶۷۹) پر ہے کہ میر موصوف "در اصفہان با حکیم شفائی و محمد رضا فکری و تقی اوحدی در مشاعرات ہم طرح ماند و بعد ورود ہندوستان انداز ادای سفارت او پسندیدہ محمد اکبر شاہ بادشاہ افتاد و بحضور بادشاہ قبولی عظیم یافت"

ایران سے واپسی کے بعد جہانگیر بادشاہ نے ۱۰۱۵ھ میں ان کو امین الملک بنا کر بھکر بھیجا اور میر وہیں فوت ہوئے (مآثر)، سن وفات ان کا روز روشن میں (ص ۶۸۰ پر) ۱۰۱۹ھ دیا ہے اور تاریخ وفات بودہ نامی صاحب ملک سخن، یہ مصرعہ اس قطعہ تاریخ سے لیا گیا ہے۔ جو نامی کی قبر پر کندہ ہے اور جس کا ذکر آگے آتا ہے[2]۔ میر معصوم کا منصب رفتہ رفتہ ہزار اکبری تک پہنچ گیا تھا،

---

[1] عالم آرای عباسی (طبع طہران ج ۲ ص ۴۴۸) پر اس کے برعکس لکھا ہے کہ سردیوں کا زمانہ تھا، بادشاہ محاصرہ میں مصروف تھا۔ سوائے ایک تلوار کے جس کو تفاول کے لئے شاہ نے منگوا لیا۔ باقی چیزیں در دولت خانہ پر بارخانہ میں پڑی رہیں اور باوجود شدت سرما چار مہینے تک میر کے آدمی ان چیزوں پر پہرہ دیتے رہے، یہ شاہ عباس کے ۱۷ سال جلوس کا واقعہ ہے، ۱۸ سال جلوس (۱۰۱۳ھ) میں میر کو ہندوستان واپس جانے کی اجازت ملی (عالم آرای ۲: ۴۶۱) [2] معلوم نہیں ایوناف نے کس بنا پر اسکا سال وفات ۱۰۱۵ھ دیا ہے (فہرست ۱۸۵)

میر مکارم اخلاق سے بدرجہ اتم متصف تھے،

طبقات اکبری (طبع کلکتہ ۲ : ۵۰۰) میں ان کی نسبت لکھا ہے: جوانیست بصلاح و تقوی آراستہ وسالہا بفقیر ہمدم و مصاحب بود، مآثر (۳ : ۳۲۸) پر ہے: زہد و تقوی بکمال داشت وہمت و سخاوت را بجائی رسانید کہ تا بمردم اجلاف بہکر سوغات از ہندوستان می فرستاد و بہ اکابر و اصاغر مسانہ و مشاہرہ و میاومہ و فصلانہ و جمعگی مقرر کردہ بود، ہاں یہ ضرور لکھا ہے۔ کہ آخری دنوں میں میر وطن آیا تو وہ سلوک نہ رہا بلکہ ایک خاص وجہ سے لوگوں نے ایذا پائی۔ روزروشن ص ۶۷۹ پر ہے: مرد درویش مزاج و خوش خلق لطیف الطبع سخی و شجیع و متدین و متقی بود، مآثر میں ہے کہ میر معصوم صاحب دیوان تھا اور نامی اس کا تخلص تھا،

مآثر میں ہے کہ دیوان نامی، مثنوی معدن الافکار در جواب مخزن الاسرار تاریخ سندھ اور طب کی ایک مختصر کتاب موسوم بمفردات معصومی اس نے تالیف کیں مگر تقی کاشی (فہرست اوڈھ ص ۳۰) نے لکھا ہے کہ نامی نے پانچ مثنویاں لکھیں جن میں دس ہزار بیت ہیں، ایک ہفت پیکر کے، دوسری سکندرنامہ کے بحر میں، تیسری لیلے مجنوں کے بحر میں جس کا نام پری صورت ہے، چوتھی یوسف زلیخا کے بحر میں جس کا نام حسن و ناز ہے[۲]، پانچویں مخزن الاسرار کی بحر میں، نیز اس نے دو دیوان غزلیات اور دو ساقی نامے لکھے، روزروشن میں اس کو طب نامی کا مصنف بھی بتایا ہے جو ریو ص ۲۹۱ کے نزدیک مفردات معصومی سے الگ کتاب ہے، میں نے سکھر میں سنا کہ دیوان نامی بخط مصنف اس کی اولاد کے ہاں تک محفوظ ہے۔ تاریخ سندھ کے نسخے عام ہیں مفردات نامی کا نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ہے (دیکھو فہرست ایوناف ۱۵۵)

---

[۱] یہ کتاب غالباً ۱۰۰۰ھ میں ختم ہوئی (ربو بذیل تاریخ سندھ)، [۲] تحفۃ الکرام ۳ : ۱۲۷ پر ہے کہ نامی نے ناز و نیاز در قصہ ستی دہنوں لکھی ہے، شاید یہ وہی کتاب ہے،

میر نے عمارتوں املاک اور باغات پر کثیر رقم صرف کی ہوگی[1]، باوجود اس کے اس نے تیس چالیس لاکھ روپیہ نقد چھوڑا (مآثر) اب ہم میر کے منار وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں جو ایک پہاڑی پر واقع ہیں۔

میر معصوم کی بنا کردہ عمارتیں

یہ تین عمارتیں ہیں۔ ایک مینار، اس کے متصل ایک گنبد دار ہشمن عمارت اس کے متصل میر معصوم کے خاندان کا گورخانہ۔ کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً یہاں ۹۹۱ھ میں میر صفائی اور میر ابوالقاسم کی قبریں بنیں۔ پھر ۱۰۰۲ھ میں اس جگہ پتھر کے ستونوں اور قبوں والی عمارت کھڑی کی گئی۔ یہی گورخانہ میر معصوم ہے، کتبے میں اس کی تاریخ تعمیر عمارت سرکوہ ہے۔ اسی سال یعنی ۱۰۰۲ھ میں مینار کی تعمیر شروع ہو کر ۱۰۱۳ھ میں ختم ہوئی، غالباً میر معصوم اس زمانہ میں سفر ایران سے ابھی واپس نہ ہوئے تھے اس لئے ان کے لڑکے میر بزرگ نے مینار کی عمارت اپنے اہتمام سے ختم کی، ہشمن کی عمارت ۱۰۰۴ھ میں ختم ہوئی، اسکی تاریخ مکان بافیض ہے، ۱۰۱۹ھ میں خود میر معصوم کو گورخانہ مذکور میں دفن کیا گیا،

منار میر معصوم

یہ منار جو مخروطی سی شکل کا اور سرخ اینٹوں سے بنا ہوا ہے، عمود سے قدرے ایک طرف کو مائل ہے۔ اس کے قاعدے کا محیط ۸۴ فٹ اور بلندی قریباً ۱۰۰ فٹ ہے، سیڑھیاں اوپر تک جاتی ہیں، چوٹی پر اس زمانے میں ایک آہنی پنجرہ لگا دیا گیا ہے۔

---

[1] تحفۃ الکرام ۳: ۱۷۴ پر ہے کہ اکبر بادشاہ نے ایک گرامند رقم حرمین بھیجی تھی وہ واپس آئی میر معصوم نے بادشاہ کے حکم کے مطابق اس رقم سے نشیمنہائے پاکیزہ اور منارہ معروفہ یادگاری ترتیب دیئے، اگر یہ درست ہے۔ تو یہ عمارتیں بادشاہی خرچ سے تیار ہوئیں

کہ کوئی گر نہ جائے، مینار کی بلندی کی وجہ سے شہر اور اطراف کا نہایت شاندار منظر اوپر سے دکھائی دیتا ہے (سکھر گزیٹیر ص ۵۹)، مینار کے کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمارت ۱۰۱۲ھ میں شروع ہوئی اور ۱۰۱۳ھ میں تمام ہوئی[1]، ذیل کا کتبہ جس میں قطعہ تاریخ بھی ہے منار کے دروازے کے اوپر کندہ ہے۔ اور میر بزرگ[2] بن محمد معصوم کی تصنیف ہے، یہ کتبہ تین حصوں میں منقسم ہے۔ جیسا کہ ذیل کے خاکے سے ظاہر ہوگا متن کتبہ کا یہ ہے:۔

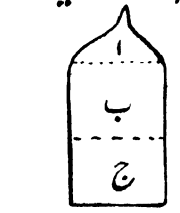

(ا) بنی ھذا المنار فی زمان سلطان جلالدین (کذا) محمد اکبر بادشاہ غازی۔

(ب) بدرِ فلکِ علا محمد معصوم — کز وی بزمانہ صیت نیکو نامیست
افراشت چنین بناء عالی کہ زقدر — افراختہ سر بچرخ مینا فامیست
تاریخ بناء او ملایک از عرش — گفتند جہان نما منار نامیست

(ج) میر معصوم آں رفیع القدر — کہ از وکار دین بآئین است
کرد طرح منار تا گویند — کین پی یادگار دیرین است
پیر چرخ از برای تاریخش — طاق عرشی برین بگفت این است

۹۵۲ + ۶۱ = ۱۰۱۳

قابلہ میر بزرگ بن سیادت پناہ میر محمد معصوم

مثمن گنبدی

یہ مثمن جو ۱۰۱۴ھ میں تعمیر ہوا۔ منار میر معصوم کے متصل اور اس کے اور میر معصوم

---

[1] گزیٹیر ص ۵۹ پر ہے کہ منارہ کی تعمیر میر معصوم کے لڑکے نے تاریخ بناء عمارت یعنی ۱۰۱۲ھ سے ۱۴ سال بعد ختم کی لیکن ۱۴ نہیں ۱۱ سال کہنا چاہئے،

[2] میر بزرگ کا حال مآثر ۳: ۳۲۸ پر دیا ہے۔ اس میں میر بزرگ کی نسبت کہا ہے، در نظم و نثر ہم مربوط بود و خوش می نوشت، تحفۃ الکرام ۳: ۱۳۱ پر میر بزرگ کی اولاد کا حال بھی دیا ہے،

کے گورخانہ کے درمیان واقع ہے، اس کے چار دروازے ہیں۔ باقی چار محرابیں بند ہیں۔ اندرونی جانب تمام چینی کار ہے۔ دروازوں کے اوپر شمال و جنوب میں روشندان ہیں جو چھوٹے چھوٹے نشیمنوں کی وضع کے بنے ہوئے ہیں۔ ان نشیمنوں کی چھت پر رباعیات ذیل بخط نستعلیق کندہ ہیں۔ جو فرش پر سے پڑھی جا سکتی ہیں:۔

جنوبی نشیمن: سر منزل درد ما ہوایی دارد ویرانۂ غم نیز صفایی وارد
دیوانہ دلِ مرا ملامت نکنید این وادی نیز رہ بجایی دارد

شمالی نشیمن

فریاد رحیل از ہمہ کس مشنوی آواز دراز پیش و پس مشنوی
کردہ ہمہ شب گیر بسر منزل دور تو خفتہ برہ بانگ جرس مشنوی

مثمن کے اندر دروازوں سے اوپر ذیل کا کتبہ مسلسل صورت میں لکھا ہے:۔

جانب مغرب

ای بندہ نواز ذرہ پرور از لطف تو ذرہ مہر انور
روزی کہ چو سبزہ سر برآرم زابر کرمت امید وارم
ہرچند کہ خار بوستانم بخشا بطفیل گلستانم
نوری بدلم فگن خدایی تا با تو رسم بروشنایی
من بیخود و رفتہ دل زدستم دستی! کہ بخاک اندہ پستم
صد دیو گریزد از برونم زین دیو کہ ہست در درونم
کو دیدہ کہ ہرچہ اوست بینم بکشایم و روی دوست بینم
ہرچند کہ چشم ماست ناپاک یک رشحۂ لطف بس برین خاک

جانب مشرق

چون مو بتن ارگناہ روید عفو تو ز ابر لطف شوید

بخشش بود ار بہ نیک کاران　　پس وای بما تباہ کاران
ہر چند گناہ، رحمتت بیش　　زان روی امید وارم از خویش
من خفتہ و دشمنم نگہبان　　از دشمن خانہ چون برم جان

جانب شمال

نامی کہ چو خاک آستان است　　زان خاک سرش بر آسمان است
ای خاک بر آن کہ خاک نبود　　بر خاک درت ہلاک نبود

جانب مغرب

این گنبد با شکوہ نامی　　کز قدر شد آسمان بافیض
چون بود محل فیض ازان رو　　تاریخ شدش مکان[1] بافیض
۱۱۰۴

میر معصوم کے خاندان کا گور خانہ

یہ عمارت جو مثمن گنبدی کے متصل ہے تمام پتھر سے بنی ہوئی ہے۔ درمیان میں قبریں ہیں۔ میر صفائی، میر معصوم اور میر ابو القاسم کی قبروں پر قبے ہیں۔ اور قبوں کے اندر اور قبروں کے اوپر کتبے لکھے ہیں۔ درمیانی قبہ دار حصے کے اطراف میں سنگین ستونوں پر برآمدہ قائم ہے۔ ان ستونوں پر بھی کتبے ہیں۔ اس عمارت کا تقریبی خاکہ ذیل کے نقشے سے سمجھ میں آئے گا۔ گول دائرے ستونوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ قبریں درمیان میں ہیں:۔

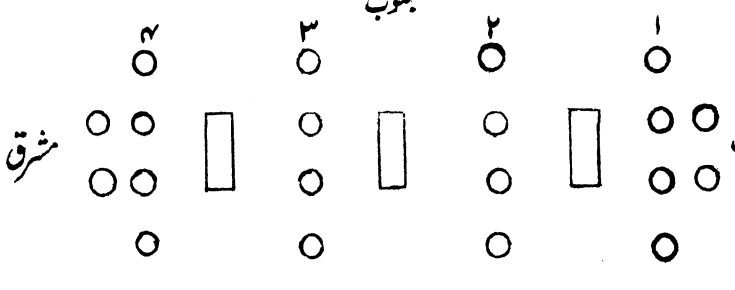

[1] مادہ تاریخ کے نیچے ہر جگہ اعداد میں نے لکھے ہیں۔

قبروں کے اطراف کے درمیانی آٹھ ستونوں کو چھوڑ کر باقی ہر ستون کے چار طرف کتبے لکھے ہیں۔ دیکھو ذیل کے خاکے میں ا، ب، ج اور د:

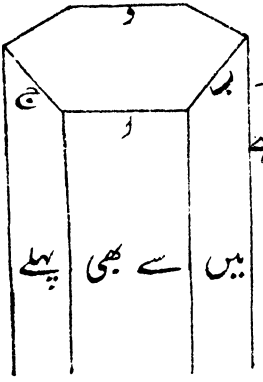

میر صفائی اور میر معصوم کی قبروں کا پتھر سنگ کھٹوہے۔ اس گورخانہ کے تمام عربی اور فارسی کتبوں کا خط نستعلیق ہے

ستونوں کے کتبے

میں نے صرف جنوبی ستونوں کے کتبوں کو نقل کیا۔ ان ستون کے صرف دو کتبے نقل ہوئے۔ ہر نئی سطر کو کھڑی لکیر سے ظاہر کیا گیا ہے۔

میں	سے	بھی	پہلے

ستون ۱

الناس علی اربعۃ اقسام | الاول سعید | فی الحال والمآل یعنی | یعیش مومنا ویموت | مومنا والثانی شقی فی | الحال والمآل یعنی یعیش | کافرا ویموت کافرا | والثالث شقی فی | الحال | سعید فی المآل یعنی یعیش | کافرا ویموت مومنا | الرابع سعید فی الحال | شقی فی | المآل یعنی یعیش | مومنا ویموت کافرا |

جانب د: سالت الدار اخبرنی *عن الاحباب ما فعلوا
فقالت لی اقام القوم* ایاما وقد رحلوا
فقلت [فقلنا] این اطلبهم* وای منازل نزلوا
فقالت فنوا فی القبور [والصواب: فی القبور فنوا] لعمرالله ما عملوا

ستون ۲

جانب ا، وعن بعض الحکماء | الدنیا دار دوایرہا | دایرۃ و ذخایرہا بایرۃ | لذتہا فانیۃ وطاعتہا | باقیۃ حاصلہا فوت | وآخرہا موت غناءہا | فقر وقصرہا قبر اصلہا | سم ومالہا ضم فاحذروا (کذا) | حتی اذا جاءکم | الموت، [1] .....

[1] افسوس ہے کہ اسکے بعد کے فقرے نقل ہونے سے رہ گئے،

وعن سلیمان دارانی (کذا) | اصل کل خیر فی الدنیا | والآخرة الخوف و | مفتاح الدنیا الشبع | ومفتاح الآخرة الجوع

جانب ب

وعن حاتم الاصم | رحمة الله علیه | ما من صباح | الا ویقول | الشیطان لی | ما تاکل وما تلبس و | این تسکن | فاقول له | آکل الموت و | البس الکفن و | اسکن القبر | و عن ابی بکر الصدیق | رضی الله عنه عز الدنیا | بالمال وعز الآخرة | بالاعمال

جانب ج

وعن سفیان | الثوری انه قال | کل معصیة فی | الشهوة فانه یرجی | غفرانها وکل | معصیة فی الکبر | فانه لا یرجی غفرانها | الان [والصواب: الا] ان معصیة | ابلیس کان من الکبر و | معصیة آدم | کان اصلها | من الشهوة،

جانب د

وعن بعض العباد | انه قال فی المناجات: الهی | طول الامل غرنی | وحب الدنیا اهلکنی | والشیطان الرجیم اضلنی | والنفس الامارة عن الحق منعنی | (و) قرین السوء علی المعصیة اعاننی | فاغثنی یا غیاث المستغیثین | فان لم تفعل فمن ذا الذی یرحمنی | و عن بعض الحکماء من اذنب | ذنبا وهو یضحک فو الله | اذا کان یوم القیمة یدخل | النار وهو یبکی ومن | اطاع الله وهو یبکی فو الله | یدخل الجنة وهو یضحک

ستون ۲: جانب ا

وعن علی رضی الله عنه | من اشتاق الی الجنة | ساع الی الخیرات | ومن اشفق عن النار | نهی عن الشهوات | ومن تفکر (کذا) الموت نهی | عن اللذات و | من عرف الدنیا | هانت علیه المصیبات | یعنی (کذا) الحکماء | لا تحقرن الذنوب | الصغائر فانها | تتشعب منها | الذنوب الکبائر،

جانب ب

وعن عثمان | ابن عفان | رضی اللہ عنہ | ھم الدنیا | ظلمۃ فی القلب | وھم الاخرۃ | نور (کذا) فی القلب | وعن یحیی | ابن معاذ الرازی | انہ قال ما | عصی اللہ | کریم وما | آثر الدنیا | علی الآخرۃ | حکیم

جانب ج

وعن علی | رضی اللہ عنہ | کن عند اللہ | خیر الناس و | دکذہ امکرا (کن عند | نفسک شر | الناس | وکن عند | الناس | احدا من | الناس

جانب د

وعن علی رضی اللہ عنہ | ان من نعیم الدنیا یکفیک | الاسلام نعمۃ وان من | الشغل یکفیک الطاعۃ | شغلا وان من العبرۃ | یکفیک الموت عبرۃ | وعن الاعمش رضی | اللہ عنہ من کان راس | مالہ التقوی کلّت الالسن | عن وصف ربح دینہ | ومن کان راس مالہ الدنیا | کلّت الالسن عن | وصف خسران دینہ

سنون ۴: جانب ا

وعن ابراہیم النخعی | رحمۃ اللہ علیہ | انہ قال انما | ھلک من | ھلک من | قبلکم ثلثۃ | اشیاء | بفضول الکلام | وفضول الطعام | وفضول المنام | قال علیہ السلام | من دخل القبر | بغیر زاد فکانما | رکب البحر | بلا سفینۃ

جانب ب

وعن حسن | البصری رحمۃ | اللہ علیہ من لا | ادب لہ لا علم لہ | ومن لا صبر لہ | لا دین لہ من لا | ورع لہ لا | زلفی لہ | وقال علیہ السلام | المقرّ بالتقصیر | محمود | الاقرار بالتقصیر | علامۃ | القبول

جانب ج

وعن بعض الحکماء | طوبی لمن | کان عقلہ | امیرا وھواہ | اسیرا | والویل |

لمن کان اعقلہ اسیرا | وھواہ | امیرا | اری[1] طالب | الدنیا وان طال | عمرہ ونال من | الدنیا سرورا | او [والصواب: و] انعاکیان | [بنی] بنیانہ فانمہ | .... نوی | ماقد بنا (و) تھدما

جانب د

عزیزی را گفتند | دلہای ما خفتہ | است وسخن تو | در واثر نمی کند | چکنیم گفت | کاشکی کہ (کذا) خفتہ | بودی کہ چون خفتہ | را بجنبانی بیدار | شود دلہای شما | مردہ است ہر | چند می جنبانید | بیدار نمی شود | قال علیہ السلام | خصلتان لاشئ | افضل منہما الایمان | بااللہ والنفع للمسلمین)

میر صفائی والد میر معصوم کی قبر کے کتبے

یہ قبر میر معصوم کی قبر کے پاس مغربی جانب پر ہے، قبر کے ہر طرف کتبہ لکھا ہے۔ جو خط نستعلیق میں ہے۔ درمیان میں خطوط سے ستطیل بنا کر، پھر اس ستطیل کے چار طرف اس طرح سے: [ ] جہاں خانۂ سطر میں نے ضبط کیا ہے۔ اس کو میں نے کھڑے خط سے ظاہر کیا ہے

جانب جنوب درمیان میں:

ماہ قرشی سید صفایی کافراشت فلک لوای نورش
ناگاہ ازین جہانگہ سیر افتاد بآن جہان عبورش
نامی زبرای سال تاریخ گفتا پر نور باد گورش
۹ ۹

درمیانی کتبے کے گرداگرد چار طرف مسلسل کرکے لکھا ہے:-

اے آمدہ بر سر مزارم از آمدنت امید وارم

---

[1] یہ شعر ہیں:- اری طالب الدنیا وان طال عمرہ - ونال من الدنیا سرورا و انعما کیان بنی بنیانہ فانمہ ... نوی ماقد بنی وتھدما، چوتھے مصرعہ سے فعولن کے برابر ایک لفظ مٹ گیا ہے۔

حسرت زدہ ام بخاک ماندہ افتادہ درین معاک ماندہ
یک فاتحۂ بخوان باخلاص تا حق کندت بمغفرت خاص

جانب شمال: درمیان میں:-

نشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا | شریک لہ الملک ولہ الحمد | یحیی ویمیت وھوحی لا یموت | بیدہ الخیر وھوعلی کل شی قدیر

درمیانی کتبے کے چار طرف:- من زار قبرا فقال اللھم انی اسالک بحق محمد و آل محمد ان لا | تعذب ھذا المیت رفع العذاب عنہ الی یوم القیام |

بسم اللہ و باللہ وعلی ملۃ رسول اللہ | من قرء علی قبر رفع العذاب عنہ اربعین سنۃ

اوپر کی جانب درمیان میں: یا اللہ | لا الہ الا اللہ | محمد الرسول اللہ | بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العلمین تا المفلحون

جنوب مشرقی کنارہ:- اللہ لا الہ الا ھو الحی تا العظیم

شمال مغربی کنارہ:- آمن الرسول تا کما حملتہ

جانب مشرق:- کنارہ پر اوپر کی جانب کا کتبہ یوں ختم کیا ہے:-

علی الذین من قبلنا..... الکافرین، یا حی یا قیوم برحمتک استغیث || ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو تا الشہادۃ ھو الرحمن الرحیم تا اسماء الحسنی یسبح لہ | ما فی السموات تا الحکیم

درمیان میں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم اذا زلزلت تا یرہ، بسم اللہ الرحمن الرحیم قل ھو اللہ الخ،

جانب مغرب

درمیان میں: بسم اللہ الرحمن الرحیم الھکم التکاثر تا النعیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم اذا جاء نصر اللہ تا توابا،

کناروں پر: بسم اللہ الرحمن الرحیم قل اعوذ برب الناس تا والناس | بسم اللہ الخ

قل یا ایہا الکافرون | لا اعبد تا ولی دین قل اعوذ برب الفلق تا ومن شر النفاثات تا حسد،

اس قبر کے بنیادی پتھر (Plinth) پر چار طرف ابیات ذیل کندہ ہیں:۔

مغرب
اے آمدہ بر مزار نامی — وز آمدنت شدہ گرامی
چون آمدۂ زیارتی کن — از فاتحہ یک اشارتی کن
از مرحلۂ جہان غمناک — شد منزل ما سراچہ خاک
رحمی رحمی کہ بس غریبم — از عیش زمانہ بی نصیبم

مشرق: جان قاصد راہ آن جہان است — اینجا دو سہ روز میہمان است
ہمپایی شعلہ کن برفتار — ہمگامی برق کن شرروار
سنگی کہ نہادہ بر مزار است — سرتاسرش از غم فگار است
بشگافی اگر درون این سنگ — گر سنگ بود دلت شود تنگ

شمال: این راہ بود دراز و تاریک — وین خانہ گور تنگ و تاریک

جنوب:۔ محتاج لطیفہ دعائیم — گو فاتحۂ کہ بی نوائیم

میر صفائی کی قبر کے گنبد اور ستونوں کے درمیان کا کتبہ

گنبد ستونوں پر قائم ہے۔ ان ستونوں اور گنبد کے درمیان پتھر کی سلیں ہیں جن پر ذیل کے کتبے ہیں، ترتیب یہ ہے کہ مثلاً شمال کی جانب اوپر کے پتھر پر ؎ از نیک و بد زمانہ الخ لکھا ہے۔ پھر اس کے نیچے ؎ بکن در ماتم خود نوحہ بنیاد لکھا ہے، علی ہذا القیاس، میں نے ان قطعہ اور رباعیوں کو یکجا کر کے لکھا ہے:

(۱) جنوب: چون دانستی ماحصل دنیا را — امروز بگیر توشہ فردا را
مشرق۔ فردات چو امروز ہمی دست دہد — زنہار بفردا منگن سودا را
شمال۔ از نیک و بد زمانہ پرہیز و برو — زین کہنہ رباط پرخطر خیز و برو

مغرب۔ چون کار زمانہ سر بسر دود سراست دستی (بہ) سر خود نہ بگریز دبرو

(ب) جنوب۔ بیا نامی دمی از مرگ کن یاد

شمال۔ بکن در ماتم خود نوحہ بنیاد

مغرب۔ بیا تا یک نفس بر خود بمویم خدا رحمت کناد خود بگویم

مشرق۔ قرین مغفرت باد آشنایی کہ گوید بعد ما بر ما دعایی

میر معصوم متخلص بہ نامی کی قبر کے کتبے

پائین میر معصوم آن مہ برج شرف آفتاب شرع و دین فخر زمن

روز جمعہ سادس ذی الحجہ گشت عازم جنت بامر ذوالمنن

سال فوتش از خرد جستم بگفت بود نامی صاحب ملک سخن

مادہ تاریخ سے ۱۰۴۱ حاصل ہوتے ہیں مگر روز روشن ص ۶۰۰ پر بودہ الخ بجای بود الخ ہے جس سے ۱۰۱۹ تاریخ نکلتی ہے۔ مآثر الامرا میں ہے کہ میر معصوم کو ۱۰۱۵ھ میں امین الملک بنا کر بھکر بھیجا گیا، اس سے گمان ہوتا ہے کہ میں نے بود بجائے بودہ غلط لکھا ہے۔ اور غالباً روز روشن کا مادہ تاریخ صحیح ہے،

قبر کے اوپر کی جانب کا کتبہ: درمیان میں:۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العلمین تا الضالین، الم تا المفلحون،

گرداگرد: اللہ لا الہ الا ہو تا العلی العظیم، آمن الرسول تا علینا

جانب مشرق: کنارہ: اصرا تا کافرین، یا حی یا قیوم برحمتک استغیث | ھو اللہ الذی لا الہ الا ہو تا ھو العزیز الحکیم،

درمیان میں: بسم اللہ الرحمن الرحیم اذا زلزلت تا شر ایرہ، بسم اللہ الرحمن الرحیم قل ہو اللہ احد الخ

جانب مغرب: قل اعوذ برب الناس تا والناس، بسم اللہ الخ الھکم التکاثر تا النعیم،

بسم اللہ الخ اذا جاء نصر اللہ الخ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، بسم اللہ الخ قل یا ایہا الکافرون الخ بسم اللہ الخ قل اعوذ برب الفلق الخ

جانب شمال درمیان میں: اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وہو حی لا یموت بیدہ الخیر وہو علی کل شئ قدیر

گرداگرد: من زار قبرا فقال اللھم انی اسئلک بحق محمد وآل محمد ان لا تعذب ھذا المیت رفع العذاب

میر معصوم کی قبر کے قبے کے کتبے

اس قبے کے اندرونی جانب اوپر سے نیچے تک دس منطقوں میں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں یہ کتبے لکھے ہوئے ہیں۔ اوپر کے تین اور نیچے کے تین کتبے ابھرے ہوئے حرفوں میں ہیں۔ درمیانی چار کھدے ہوئے حرفوں میں۔ خط نستعلیق ہے۔ گنبد کے نیچے اور ستونوں سے اوپر پتھروں کی سلوں سے مثمن بنایا گیا ہے۔ جس پر گنبد قایم ہے۔

منطقوں کے کتبے درج ذیل ہیں، اوپر کے منطقے سے شمار شروع کیا گیا ہے۔ اصل کے مطابق ہر نئے مقولہ کے قائل کا نام ترچھا لکھا گیا ہے۔ ابیات کو کتبوں میں مسلسل لکھا گیا ہے یعنی نثر کے طریق پر، میں ان کو ذیل میں شعروں کے طریق پر لکھ رہا ہوں:

(۱) الامل حجاب الاجل لیس قبل الموت شئ الا الموت اشد منہ و لیس بعد الموت شئ الا الموت ایسر منہ،

(۲) من حاسب نفسہ ربح ومن غفل عنہا خسر مثل الدنیا والآخرۃ مثل حزتین ان ارضیت احدھما سخطت الاخری الدنیا قنطرۃ فاعبروھا ولا تعمروھا

سلہ نوٹ کرنے سے رہ گیا، قیاساً بڑھا گیا، ۲ے میری نقل میں اسی طرح ہے،

(۳) نی گل برخ باد صبا می خندد نی نی همه بر غفلت ما می خندد
گویم گویم که او چرا می خندد بر یک دمه عمر بیوفا می خندد

از تفرقه دهر اگر رستی هیچ ور جای شدت بلند و پستی هیچ
چون آخر کار بایدت خاک شدن دانستی هیچ ور ندانستی هیچ

(۴) الذنب لابنبی والبر لابسبلی الدیان لایموت فکن کما شیت فکما تدین تدان
الدنیا لایبس مزرعہ واعلمها لہ حراثیر یخ صرنحن نریدان نموت حتی تتوب
ونحن لانتوب حتی نموت، قیل الفقر ملک لیس فیہ محاسبۃ

(۵) نامی که ز دست دهر در تاب شده پژمرده گلیست کز رخش آب شده
زود است که بنگری تو آن غمزده را آسوده بزیر خاک و در آب شده

جز غم دل اهل درد خندان که کند جز ناله دوا می مستمندان که کند
جز گریه نوازش حزینان که کند جاروب مزار خاکساران (کذا) که کند

(۶) در دهر اگر گدا و گر محتشم است آخر همه را ردی بسوی عدم است
عمر تو اگر بیش بود کم ز کم است زیرا که چو نیک بنگری یکدو دم است

روزی که دلم ز دهر نومید شود جان نیز بسر منزل جاوید شود
ذرات وجودم که بمهرش شده خاک کمتر ذره از و چو خورشید شود

(۷) مثل الدنیا مثل الحیۃ لین مسہا قاتل سمہا،
ما آمده بودیم درین باغ بگشت چون ابر بروی سبزه چون باد بدشت
چون نرگس پرخمار ناگاه از خواب تا چشم کشادیم ز هم عمر گذشت

هان نامی هان بخویش یکدم پرداز مردانه بساز توشهٔ رفتن ساز
داری در پیش بس ره دور و دراز ای کاش امید آمدن بودی باز

(۸) در موسم گل چمن رخ آتش گون کرد دل دیده بیاد دوستان پرخون کرد

سبزہ نبود بخاک ما غمزدگان　　غم سبز شد و ز خاک سر بیرون کرد

این اہل قبور بین بخواب اند ہمہ　　آسودہ ز دادن جواب اند ہمہ

از نشأہ جام واپسین تا دم حشر　　در زیر زمین مست خراب اند ہمہ

نامی من ازین ویرہ پشیمان رفتم　　ناچیدہ گل ازین گلستان رفتم

بودم دو ہزار آرزو در دل بیش　　ناکردہ یکی ازان بسامان رفتم

(۹) ای آنکہ جہان گرفتۂ خوش بکنار　　دانی کہ ترا بوقت کار آید کار

گر ملک جہش داری و ور ملک تتار　　با خود نبری ہیچ بغیر از کردار

ما قصہ نگفتیم کلام آخر شد　　حرفی ننوشتیم پیام آخر شد

صبح طربم ناشدہ شام آخر شد　　چون نوبت ما رسید جام آخر شد

زد شیشۂ چرخ سنگ بر ساغر ما　　خون شد چو انار دانہ دل در بر ما

گردی ننشستہ بود بر افسر ما　　اکنون بنگر خاک سیہ بر سر ما

(۱۰) یا ایہا الناس نیام فاذا ماتوا انتبہوا لا شفع انجح من التوبۃ لا بلغ الدنیا بالاخرۃ ترنج لا بقیۃ العمر لا قیمۃ لہا لا تدارک فی آخر العمر ما فاتک فی اولہ لا تطرف بترک الذنوب لا ثواب الآخرۃ خیر من نعیم الدنیا لا خف الدنا من لغیرہ (کذا) لا خالف نفسک تستریح لا قیل ای عیش یطیب ولیس للموت طبیب لا یا ابن آدم من تامل ان العیش غدا فانہ تامل ان العیش ابدا

قبہ قبر میر معصوم کا کتبہ ختم ہوا، قبہ اور ستونوں کے درمیان پتھر کی چار سلیں ہیں ان سلوں کے اوپر اور سلوں سے ہشت پہلو شکل بنا کر قبہ اس پر قائم کیا گیا ہے اوپر اور نیچے کی سلوں پر فارسی اشعار کندہ ہیں، نیچے کی سلوں پر چار طرف ۱۵ شعر ہیں۔ جن میں سے جانب شمال و جنوب کے شعر درج ذیل ہیں:۔

شمال: امیر سید فاضل محمد معصوم　　بروی کوہ بنا کرد منزلی بشکوہ

عجب خجستہ مقامی کہ خلق می آیند — پی زیارتش از ہر طرف گروہ گروہ
چو از دبیر خرد سال این بنا جستم — قلم گرفت و رقم زد عمارت سرکوہ
جنوب۔ نامی زگنہ روی سیاہ آوردہ — وزکردہ خود باتو پناہ آوردہ
گویند بعاصیان بود مغفرتت — تو غفّاری و من گناہ آوردہ

نامی بکشا چشم بصیرت دریاب — بنیاد زمانہ ہمچو نقشی است بر آب
باتو گویم کہ حاصل دنیا چیست — بیداری یک زمان و باقی ہمہ خواب

میر ابو القاسم کی قبر کے کتبے

میر معصوم اور اُن کے والد کی قبروں کے قبوں کا ذکر اُوپر آچکا ہے، ان سے مشرق کی جانب ایک تیسرا قبہ ہے اُن دونوں سے پست تر ہے۔ اس کے نیچے ایک قبر ہے۔ جس پر جانب جنوب ذیل کا کتبہ درج ہے:۔

چو شد میر ابو القاسم نیک رای — سوی دار عقبی ز دار فنا
چو نامی طلب کرد تاریخ او — خرد گفت رفتا (کذا) بدار البقا

اس قبہ کے نیچے اور ستونوں کے اوپر ذیل کے اشعار کندہ ہیں:۔

رقتیم چو از میان یاران رحمی — بر حال خراب دل فگاران رحمی
چون خاک شدیم خاک ما گشت غبار — رحمی رحمی بخاکساران رحمی

شادی زمانہ جز غمی بیش نبود — وین عمر گرانمایہ دمی بیش نبود
سودای بتان جز المی بیش نبود — خونابۂ دیدہ جز نمی بیش نبود

چون خاک شود ز غم وجود پاکت — وز حادثہ برباد دہد افلاکت
جز سبزہ کسی سر نکشد بر گورت — جز باد کسی پا نہ نہد بر خاکت

ترا گر آسمان منزل نشین است ہم آخر جای تو زیر زمین است

اوپر مذکور ہوا کہ قبے قبروں کے اوپر ہیں، ان قبوں کے اطراف میں برآمدہ ہے (دیکھو خاکہ) اس برآمدہ میں آٹھ سنگین چھتیں شامل ہیں، جو ستونوں پر کھڑی ہیں ستونوں کے اوپر اور چھتوں کے نیچے پتھر کی سلوں پر ۸ × ۴ = ۳۲ شعر کندہ ہیں جو یہاں درج نہیں ہوئے،

خطاطی کے نمونے

پانچویں صدی سے دسویں صدی ہجری تک کے نمونے جو اس رسالے میں شائع کئے جا رہے ہیں ان سے غرض یہ ہے کہ ارتقائے خط عربی کے مدارج معلوم ہو سکیں اور مختلف ادوار کی خصوصیات خطی کا غایر نگاہ سے مطالعہ کیا جا سکے اور اس مطالعہ سے ایسے نسخوں کی نسبت جن پر تاریخ کتابت ثبت نہ کی گئی ہو صحیح قیاس کی بنیاد قایم ہو سکے اس مطلب کے لئے متعدد کتاب خانوں کے بہت سے نسخوں کو دیکھ دیکھ کر چند مستند نسخوں کو نمونوں کے لئے منتخب کیا گیا جن اصحاب نے اپنے نسخے مستعار دیئے انہوں نے علم و فن کی خدمت کی اور ہم کو شکر گزاری کا موقعہ دیا، ذیل میں ان نسخوں کے متعلق بعض اشارے درج کئے جاتے ہیں اگر میسر آسکا تو اس سلسلے میں انشاء اللہ اور بھی عکس شائع کئے جائینگے

پانچویں صدی ہجری

۱۔ کتاب المدونۃ الکبری، للامام مالک بن انس الاصبحی (بروایت امام سحنون) کے ۱۹ اوراق خط کوفی میں رق پر لکھے ہوئے حافظ محمود شیرانی صاحب کے کتاب خانے میں ہیں اور کتاب العتق الثانی من المدونۃ پر مشتمل ہیں، جس حصے کا عکس شائع ہوا ہے وہ نسخہ مذکورہ کے خاتمہ کی عبارت ہے اور مطبع خیریہ قاہرہ کی طبع ۱۳۲۴ھ کی ج ۲ ص ۴۰۲ س ۲۶ تا ۳۰ کے مطابق ہے۔

پانچویں (؟) اور چھٹی صدی

۲۔ المختصر من کتاب الوقف، یہ نسخہ ۵۲۶ھ میں لکھا گیا، اور کوفی خط کے آخری دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں کوفی کے کچھ اثرات باقی ہیں مگر نسخی کی خصوصیات غالب ہیں۔ اول الذکر میں کسب (الناس) وغیرہ میں الف کی درازی، المختصر کی خ اور لا (جسکو ہمیشہ لا لکھا گیا ہے) شامل ہیں، اصل نسخہ کی تقطیع ۹ × ۶ ⅕ انچ ہے اور عکس کی ۶ ⅞ × ۵ ⅜ انچ

۳۔ کتاب مذکور کی جلد بھی قدیم اور تحریر کتاب کے ساتھ معاصر معلوم ہوتی ہے باریک چمڑے کے اندر کی جانب پرانے ردی کاغذ لگا کر اسکو دبیز بنانے کے لئے ان اوراق کو گوند سے باہم چپکایا گیا ہے، گوند چھڑانے اور ورق علیحدہ علیحدہ کرنے سے معلوم ہوا کہ عنصری کی واقع و غدر اکے متفرق اوراق ہیں۔ یہ موضوع زیر مطالعہ ہے اور اسکے نتائج انشاء اللہ الگ شائع کئے جائینگے، قیاس ہے کہ یہ خط حدود ۴۵۰ھ کا ہے، یہ کتاب اس وقت میرے کتاب خانہ میں ہے،

۴۔ کتاب الملل والنحل للشہرستانی، یہ نسخہ جو عبدالمجید جیلی نے ۵۹۴ھ میں ایک ایسے نسخہ سے نقل کیا جسکا مقابلہ مصنف کے نسخہ سے کیا گیا تھا، ۲۰۹ ورق پر ختم ہوا ہے، تقطیع ۹ ۱/۲ × ۶ ۱/۵ انچ، سطور ۱۹، ورق ۷۹ ب کی پہلی ۱۱ سطروں کا عکس لیا گیا ہے، یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے میں ہے،

ساتویں صدی

۵۔ الصحاح للجوہری (م ۳۹۳) یہ نسخہ صحاح کی آخری جلد ہے اسکا آغاز باب الغین کی فصل الصاد مادہ صبغ سے ہوتا ہے اوراق ۳۸۸، ورق ۱۹ تا ۹۸ کاتب اصل کے سوا کسی اور نے لکھے ہیں، عکس میں ورق ۲۹۹ و س ۱۳ تا ۱۲۳ اور ورق ۳۸۸ کی آخری سطر شامل ہیں۔ یہ نسخہ کتاب خانہ حافظ محمود شیرانی صاحب میں ہے،

۶۔ تحفۃ الاریب من تاریخ الخطیب تاریخ بغداد مصنفہ ابن الخطیب م ۶۳۰ھ کا یہ انتخاب امام عزالدین عبدالعزیز بن ابی القاسم بن عثمان بن عبدالوہاب البغدادی معروف بالبامری نزیل دمشق نے مرتب کیا، امام عبدالعزیز نے تاریخ مذکور کی اجازت اپنے استاذ قاضی القضاۃ شمس الدین ابوالفرج عبدالرحیم بن ابی عمر محمد بن احمد بن قدامۃ المقدسی سے لی جو ۶۰۲ھ میں فوت ہوئے (بر اکلمن ۱: ۲۹۹) کتاب کے سرورق کی پہلی چند سطروں اور ورق ۲ کا عکس دیا گیا ہے یہ نسخہ الحسن بن محمد البوریني الشافعی (م ۱۰۲۴) کے قبضے میں بھی رہ چکا ہے، ان کے دستخط کتاب کے نام کے اوپر درج ہیں دیکھئے عکس، اصل کی تقطیع ۷ × ۴ ۱۷/۵ انچ ہے،

آٹھویں صدی

۷۔ تلخیص مجمع الآداب فی معجم الالقاب، لابن الفوطی (م ۷۲۳) اس کتاب کا مفصل اور نہایت دلچسپ حال فاضل دوست پروفیسر محمد اقبال نے مئی ۱۹۳۵ء میں اسی رسالہ میں دیا ہے وہاں دیکھئے یہ نسخہ بخط مصنف ہے اور عکس اسکے ورق ۲ ب و ۳ ا کا ہے، پہلے صفحہ پر ہر شخص کا لقب نام نسب وغیرہ دیا ہے اور دوسرے پر اسکا حال،

۸۔ کتاب الکفایہ فی شرح الھدایہ، ھدایہ مرغینانی (م ۵۹۳) کی ذیل میں حاجی خلیفہ (۲: ۱۹۴۶) نے لکھا ہے: ذیل ان الکفایۃ شرح الھدایۃ لمحمود بن عبید بن محمود تاج الشریعۃ مولف الوقایہ) اس نسخہ

ہیں جس کو محمد بن محمد بن محمود دامغانی نے ۷۸۲ھ میں بخارا میں لکھا ۹، اورق ہیں، عکس ص ۵۷ ب س ۷ تا ۱۳ اور ص ۹ ب صفحہ آخر س ۱۹ تا ۲۳ شامل ہیں، شروح وحواشی کے خط کا یہ اچھا نمونہ ہے، از کتاب خانہ حافظ محمود شیرانی،

۹ صحیح مسلم نصف اول، اس نسخہ کے آخر میں علامہ مجدالدین فیروزآبادی صاحب قاموس نے خود ۷۸۹ھ میں اجازت نامہ لکھا ہے اسوقت وہ شیراز میں ٹھہرے ہوئے تھے، اور اس تقریب سے انہوں نے مجلس سماع حدیث منعقد کی تھی، کتاب کے آخر میں ان لوگوں کی مصدقہ فہرست ہے جو مجالس میں شامل ہوئے، یہ فہرست غالباً کاتب کتاب کے قلم سے ہے، تقطیع اصل ۹ × ۶ ½ انچ، افسوس ہے کہ عکس میں ۸۹ کی بجائے ۶۸۹ چھپ گیا ہے،

نویں صدی

۱۰ صحاح جوہری کا یہ نسخہ بھی جو شیراز کے نواح میں لکھا گیا شیرانی صاحب کے کتابخانہ سے لیا گیا، یہ نسخہ جلد ثانی پر مشتمل ہے، ورق ۲۲۳ ہیں عکس ص ۱۱۹ سے لیا گیا ہے جسمیں مادہ حفر کا آخری حصہ آیا ہے،

۱۱ کتاب المسایرۃ فی العقائد لابن الہمام، یہ نفیس نسخہ جو بظاہر شام میں لکھا گیا صحاح جوہری کی طرح ۸۵۰ھ میں تحریر ہوا لیکن ایرانی اور عربی خط کا فرق ملاحظہ ہو، اس نسخہ کے آخر میں علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی کا تصدیق نامہ مورخہ ۸۵۳ھ موجود ہے، انہوں نے جس نسخہ کو مصنف سے سنا تھا یہ نسخہ اسکی نقل ہے، علامہ قاسم نے مقابلہ اور تصحیح اس نسخہ کی کرائی اور اسی کی تصدیق کی ہے،

۱۲ شرح ہدایۃ الحکمہ یہ نسخہ ۸۸۴ھ میں بلدہ طبس از بلاد خراسان میں نقل ہوا، اوراق ۴۵ سطور ۲۱، تقطیع ۷ × ۵ انچ عکس آخری ورق کی پہلی ۸ سطروں کا ہے۔ یہ کتاب بھی شیرانی صاحب کے کتابخانہ کی ہے

۱۳ رؤس الآداب للبجاری، بجاری کا مفصل حال ماہ مئی ۱۹۳۶ء میں اسی میگزین میں شائع ہو چکا ہے وہاں دیکھیں یہ نسخہ مصنف کے اصل سے بظاہر مصر یا شام میں نقل ہوا، اصل کی تقطیع ۱۰ ۲/۵ × ۷ ۴/۵ انچ ہے عکس میں آخری صفحہ کی ۱۳ سطروں میں سے صرف ۸ الی گئی ہیں۔

دسویں صدی

۱۳ حاشیہ غیاث الدین بر تہذیب قطبی در علم منطق، منشی کا حال معلوم نہیں اصل کی تقطیع ۷ × ۵ ½ انچ، ہر صفحہ پر ۲۲ سطریں ہیں آخری صفحہ کی پہلی ۱۱ سطروں کا عکس لیا گیا ہے،

۱۴ المسیح یہ کتاب بھی بخط مصنف ہے جسکا حال کشف الظنون ج ۱ ص ۳۰۳۰ پر ملاحظہ ہو، مصنف کا نام عبدالرحمن بن شہاب الدین المعروف بالحمیدی الفیومی ہے اصل کے ۲۰۲ ورق ہیں تقطیع ۸ ½ × ۶ ½ سطور ۲۳ عکس ص ۱۲۹ کی پہلی ۸ سطروں کا ہے۔

ایڈیٹر

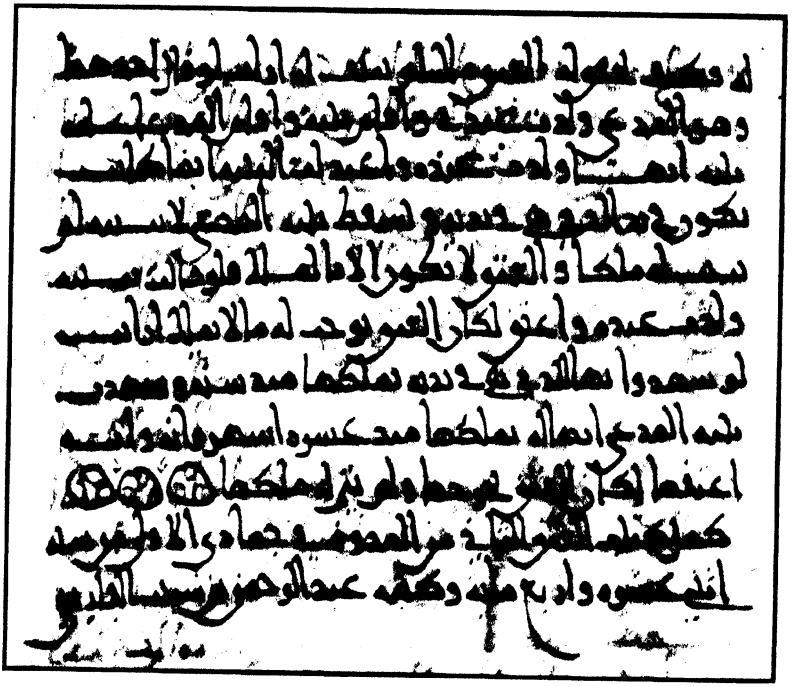

٤١٢ هـ — المدونة (فى الفروع المالكية)

ـد عن محمد وبك حسن وقال الاخفش وغيره الوقف
على السوره سورة تبت لسم الله الرحمن الرحيم
تبت وما كسب احسن وقول ابي حاتم وغيره
وكذلك ذات لهب وقال ابو بكر ذات لهب وامراته
حسن وهو قول عيسى ابن عمر والاخفش وايضا وغيرهم
وقال قوم الحطب وقال آخرون من مسد سورة
الاخلاص بسم الله الرحمن الرحيم قل هو الله احد قول ابي
عمرو بن العلا وجماعة وروي عن النبي صلى الله عليه وسلم احد
الله الصمد ولم يكن له كفوا احد وقال الاخفش وابو حاتم
وابو بكر الوقف آخر السورة لانه امر ان يقول ذلك كله
سورة الفلق بسم الله الرحمن الرحيم قالوا
الوقف آخر السورة سورة الناس
بسم الله الرحمن الرحيم والناس آخر السورة
والله اعلم بجميع ذلك تم الكتاب المختصر
من كتاب الوقف لحمد الله وتوفيقه وصلى الله على محمد
وآله اجمعين وكتبه عبد الله بن علي احمد لحظ من جهت
روح العزيز النجيب الرشيد ابو بكر عتيق بن محمد بن خسرو
رزقه الله العلم والادب برحمتك يا ارحم الراحمين
في المنتصف من شهر رمضان سنه ست عسرين وخمس مايه

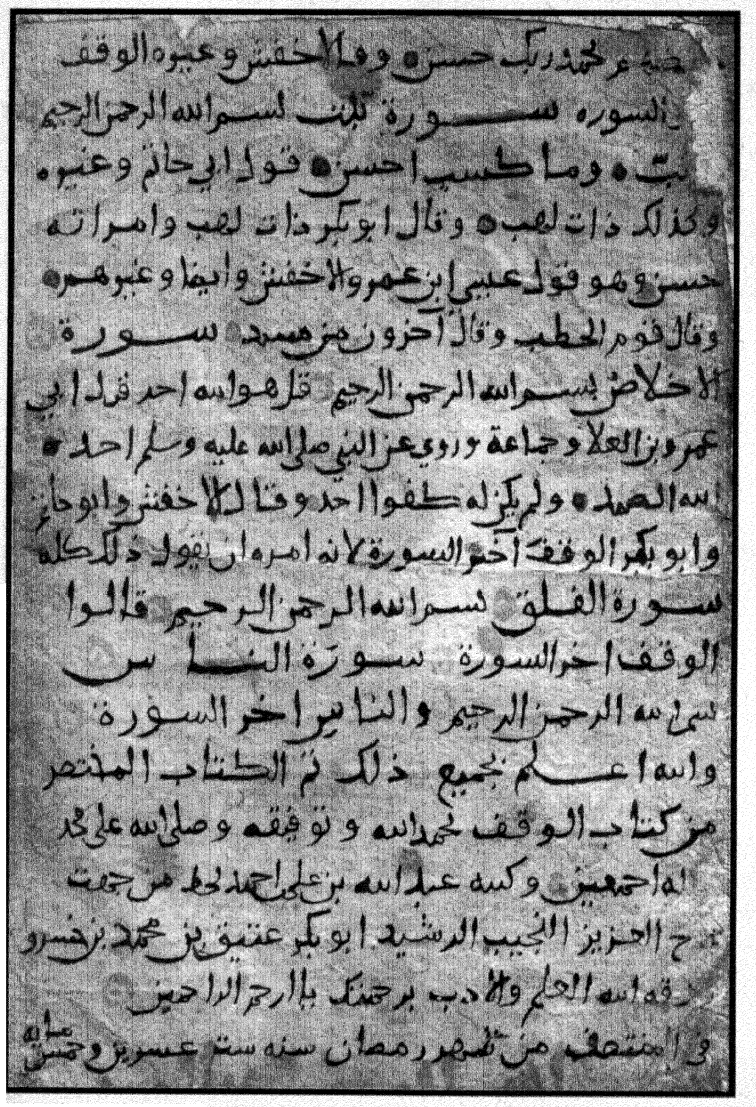

٥٢٦هـ — المختصر من كتاب الوقف

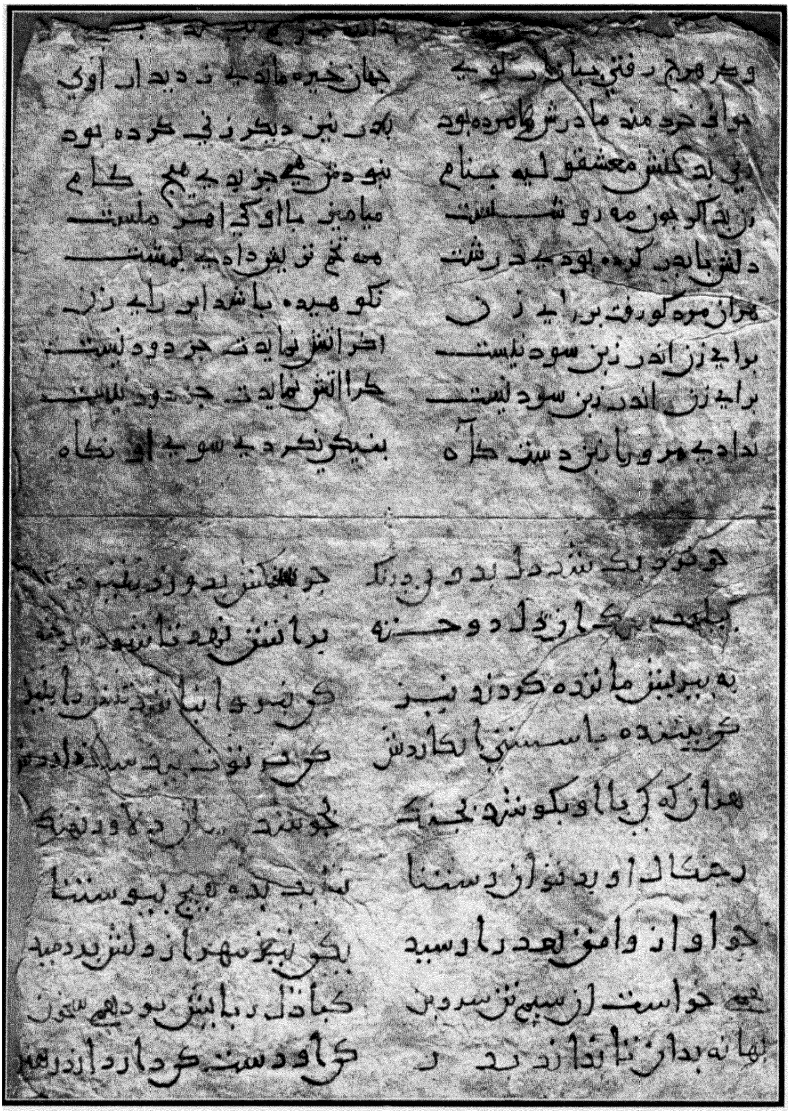

حدود ۴۵۰ ه (؟) — وامق و عذرا لعنصري

إلى هذا العالم وينتهي اليه ابواب المشاعر مما إلى ذلك العالم وهاهنا تلك اعضاء مولدة
لا بد منها المعدة التي تمد الكبد بالغذاء والرئة التي تمد القلب بتروح الهواء والعروق
التي تمد الدماغ بالحرارة فاذا التركيب الانساني اشرف التراكيب فاز منها جميع آثار العالم
الجسماني والروحاني وترتيب القوى فيه اكمل التراكيب فهو مجمع آثار العنصريين والعلويين
فكل ما هو في العالم منتشر ففيه مجتمع وكل ما هو فيه مفترق ففيه مؤتلف الاجتماع فليس للعالم البتة
لان الاجتماع والتركيب خاصيته لا توجد في حال الافتراق والانحلال واعني فيه
حال السكر والخل وحال السكنجبين وكذلك الحكم في كل مزاج هذا وجه تركيب البدن
وترتيب القوى الخاصة به اما وجه اتصال النفس به وترتيب القوى الخاصة
بها مما إلى هذا العالم ومما إلى ذلك العالم فاعلم ان النفس الانسانية جوهر هو
اصل القوى المحركة والمدركة والحافظة للمزاج تحرك الشخص بالارادة الى جهات
ميله الطبيعي وتتصرف واجزائه ثم في جملته وتحفظ مزاجه عن الانحلال ويدرك

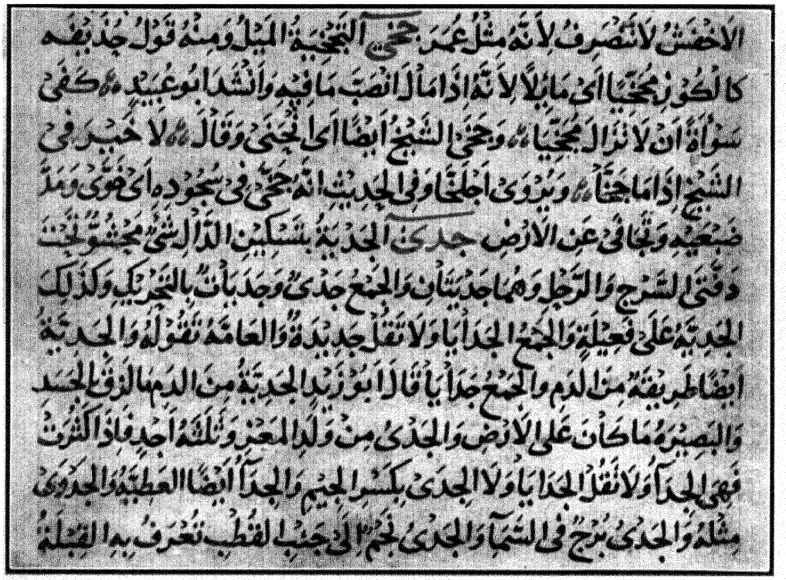

الأخشّ لا ينصرف لأنه مثل عمر. وحَنَى الشيخ انحنى. والتحنية الميل. ومنه قول جذيمة كالكوز مُحَنِّيًا أي مائلًا لأنه إذا مال انصبّ ما فيه. وأنشد أبو عبيد كفى سواه أن لا تزال مُحَنِّيا. وحَنَى الشيخ أيضًا أي انحنى. وقال لا خير في الشيخ إذا ما حَنَّا. ويروى اجتنى. وفي الحديث أنه حَنَى في سجوده أي قوّى. ومدّ ضبعيه. وتجافى عن الأرض. جدى الجدية بكسرتين الدابة. يقال مَجْشُوءَة وفتى للشرج والرجل وهما جديّان والجمع جدى. وجدبان بالتحريك. وكذلك الجدية على فعيلة والجمع الجدايا ولا تقل جديدة والعامة تقوله. والجدية أيضا طريفة من الدم والجمع جدايا. قال أبو زيد الجدية من الدم ما لزق بالجسد والبصيرة ما كان على الأرض. والجدى من ولد المعز وثلاثة أجدٍ فإذا كثرت فهي الجدايا ولا تقل الجدايا. ولا الجدى بكسر الجيم. والجدا أيضا العطية. والجدوى مثله. والجدى برج في السماء. والجدى نجم إلى جنب القطب تعرف به القبلة

وفرغ من نسخه خامس صفر سنة ثمان وأربعين وستمائة

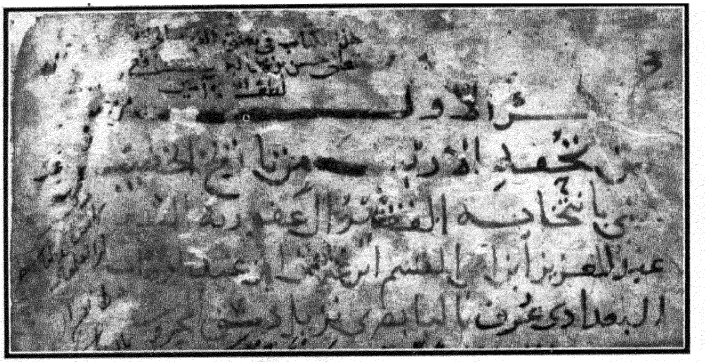

حدود ٧٠٠ هـ تحفة الاريب لتاريخ الخطيب

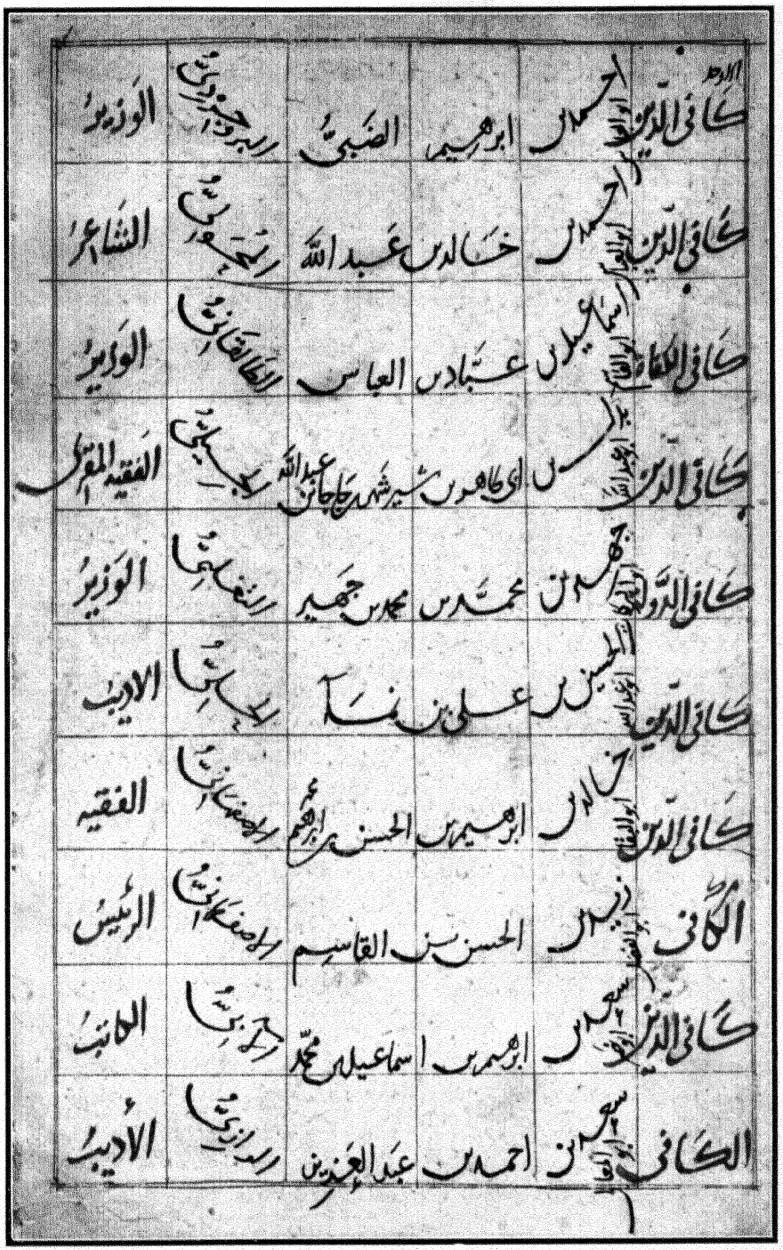

كافي الدين	الحسن	ابو ابراهيم	الضبي	الوزير
كافي الدين	الحسن	خالد بن عبد الله		الشاعر
كافي الكفاة	اسماعيل بن	عباد بن العباس		الوزير
كافي الدين	الحسن	ابو طاهر بن شيرشاه بن جاجان		الفقيه المقرئ
كافي الدولة	الحسن بن	محمد بن جهير		الوزير
كافي الدين	الحسين بن	علي بن نما		الاديب
كافي الدين	خالد بن	ابو ابراهيم الحسن بن ابو هم		الفقيه
الكافي	زيد بن	الحسن بن القاسم		الرئيس
كافي الدين	الحسن بن	ابو ابراهيم اسماعيل بن محمد		الكاتب
الكافي	الحسن بن	احمد بن عبد العزيز بن		الأديب

لابن الفوطي (بخطه)

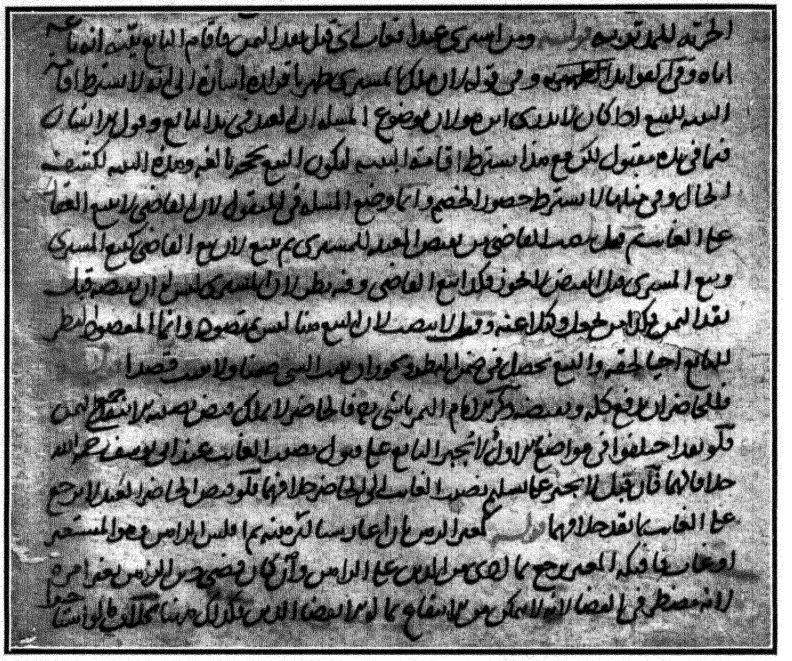

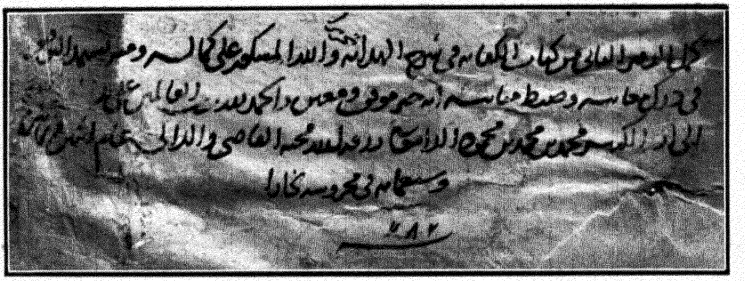

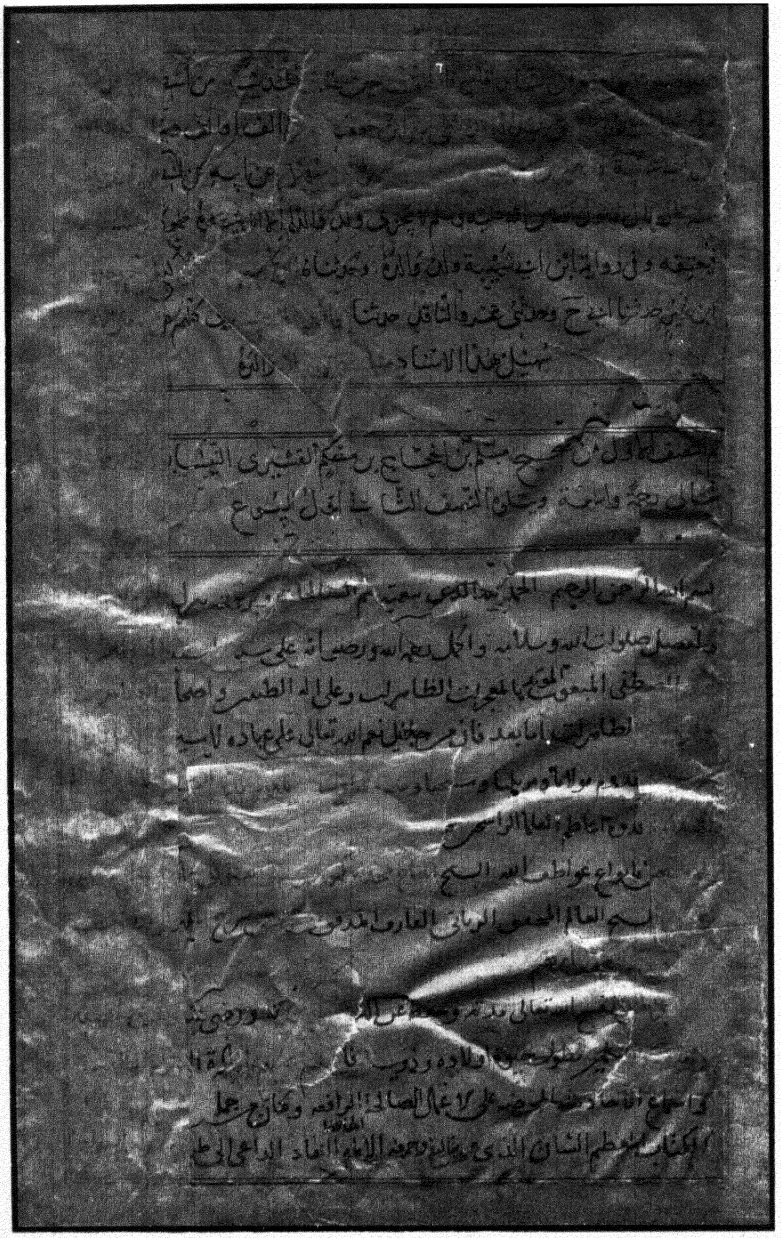

حدود ٦٨٩ هـ صحيح مسلم

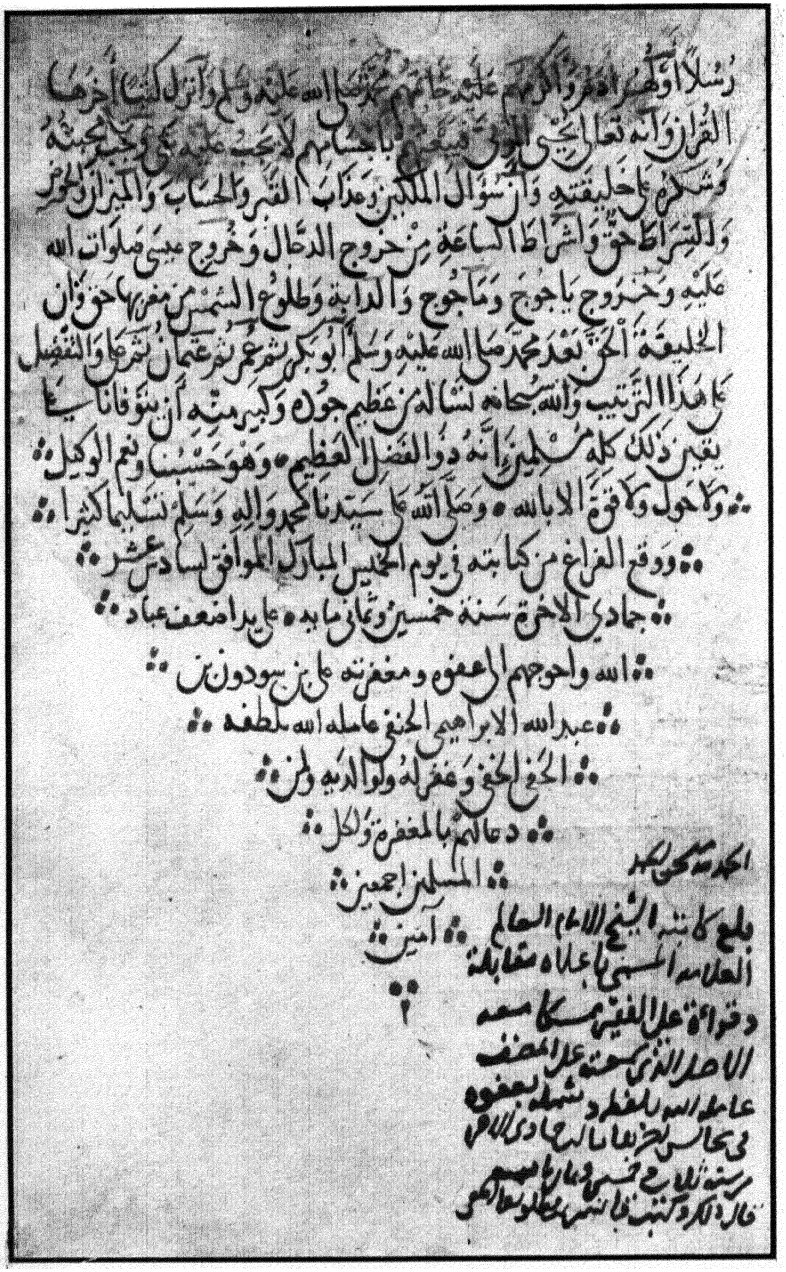

٨٥٠ هـ — كتاب المسايرة فى العقائد لابن الهمام

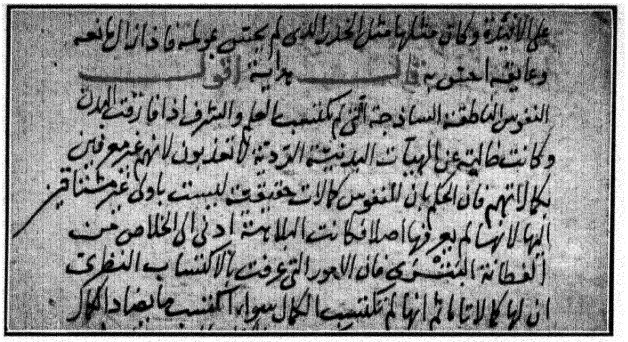

٨٨٤ هـ — شرح هداية الحكمة

٨٩٦ هـ — روض الآداب للهجازي

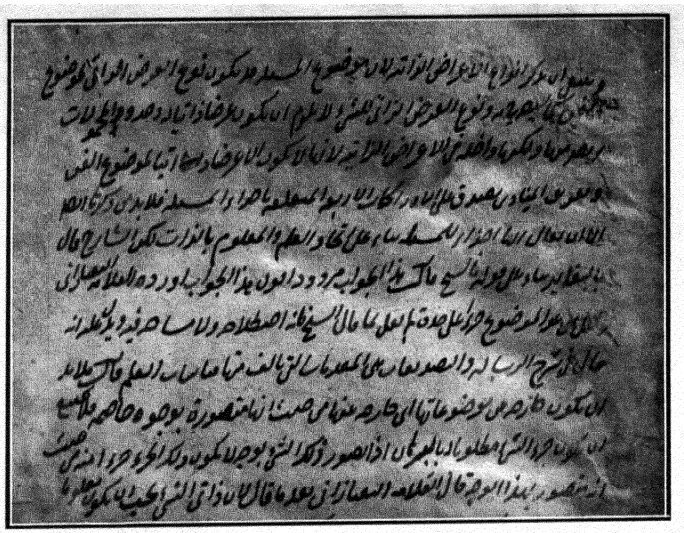

۹۴۸ هـ — حاشیه قطبی از غیاث الدین

۹۹۳ هـ — منح السمیع بشرح تمایم البدیع للحمیدی الفیومی

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۴۔ عدد ۱ | بابت ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۷ء | عدد مسلسل ۵۱

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	پرتھی راج راسا	حافظ محمود شیرانی	۳
۲	بحر الفواید	پروفیسر محمد اقبال ایم۔اے۔ پی ایچ۔ ڈی	۱۶
۳	کلام منوچہری	صوفی ضیاء الحق ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج جھنگ	۲۸
۴	جواب استفسار ادبی	سید اولاد حسین صاحب شاداں بلگرامی	۴۵
۵	مولینا حالی کی کتب سوانح	سید محمد عبداللہ ایم۔اے۔ ڈی۔ لٹ	۵۵
۶	اقتباس از آداب الحرب والشجاعۃ للمرو الروذی	ایڈیٹر	۶۵
۷	تنقید و تبصرہ	ادارہ	۸۳
۸	فہرست اسماء شعرا (جن کے اشعار لسان العرب میں بطور شواہد درج ہوئے ہیں۔)	مولوی عبدالقیوم ایم۔اے	۳۳ تا ۶۴
۹۔	ضمیمہ (یادداشت عمارت روضۂ تاج محل آگرہ)	مولوی محمد عبداللہ چغتائی	۱ تا ۶۰

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور این این سترانے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

ورنیٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے۔ کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ؛

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائے گی۔ کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائیں گے ؛

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے۔ حصۂ اوّل عربی، فارسی، پنجابی رحجروف فارسی، حصہ دوم سنسکرت، ہندی پنجابی رحجروف گورمکھی، ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ؛

وقتِ اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست[1] میں شائع ہوگا ؛

قیمت اشتراک سالانہ چندہ حصہ اُردو کیلئے ۲؍ اور ورنیٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری، مئی، اگست اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے ؛

خط و کتابت و ترسیل زر خریدِ رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورنیٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ؛

محل فروخت یہ رسالہ اورنیٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ؛

قلم تحریر حصہ اُردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم اے اورنیٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ؛

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر عموماً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے ؛

پرتھی راج راسا

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ اگست ۱۹۳۷ء)

(۶) ششیدو تاورنن پرستلو ۲۵ ویں داستان :- منقوں ہے۔ کہ پرتھی راج ماگھ بدی منگل وار کو اپنے سرداروں کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے شکار کو چلا۔ بیڑبان نے آکر ایک سوّر کا پتہ دیا۔ اور عرض کی کہ راجہ پیدل چلے۔ راجہ فوراً گھوڑے پر سے اتر گیا۔ اور تبک کندھے پر رکھ کر سوّر کی تلاش میں بڑھا جب نظر آیا فوراً مار لیا۔ اور بیڑبان کو انعام واکرام دیا۔ سب طرف سے راجہ کے نشانہ کی تحسین وآفرین ہونے لگی۔ اور راجہ نے سندر باڑی میں آکر قیام کیا ؛ (چھند ۵۰ صفحہ ۶۶)

میں صرف ان بیانات پر اکتفا کرتا ہوں۔ تلاش سے شکار کے اور موقعے پرتھی راج کی ان داستانوں میں ملیں گے ؛

باغ

ولی ورنن ۵۹ ویں داستان میں شاعر نے دریائے جمنا کے نگمبودھ گھاٹ کے ایک باغ کا بیان دیا ہے جس میں اس کے میوہ دار درختوں اور پھولوں کا ذکر کیا ہے۔ میں سب سے پہلے اصل اقتباس کتاب سے لے کر یہاں درج کرتا ہوں :-

سُدھن نگمبودھین، جمن تٹھ سودھین — تہاں سو باگ برھین، بنے سو گُل اچھین
سمیر تا سو باسین، پھلن سو پھول اسین — برکھ بیلی ڈنبرن، سرنگ پان امرن
جو کیسرن کُمن کمن، مدھوپ واس تن بھرن — انار دا کھ پلون، سو چھتر پتی ڈھلون
سری کھنڈ تھنڈ واسین، رکذا گلاب پھول اسین — جو چنپکن کُند ٹھنین، کھجوری بھوری انین
سوان ناس جیرین، ستوتین جنبیرین — اکھوٹ بیلو دامین، اوال بیلی سیامین

سَری پھلن رنگین، سبد سُواد ہوتین چَرنت مورو ایکن، مَنو سنگیت گایکن
اُپَم بَگ راجین، مَنو کی اندر ساجین .. ..

اوڈی سو داس گلال اتی۔ اوڈی عبیر ان اسمان
منہو بھان عنبر سُرت۔ بجی تنتی سُرگان (چھندہ۔ ۱۲ فتح ۱۴)

اس اقتباس میں ان ان درختوں وغیرہ کے نام دیئے گئے ہیں:۔
باغ۔ گل۔ کیسر۔ کمنکن۔ انار۔ داکھ۔ سری کھنڈ۔ گلاب۔ چنبہ۔ کدم۔ کھجور۔ آم۔ اناس جیری (زیرہ) ستوت (شہتوت) جنبیری۔ اکھوٹ (اخروٹ) بیو (سیب) دام (بادام) سری پھل (ناریل) رنگی (نارنگی) گلال۔ عبیر۔ آسمان۔ عنبر۔ ان میں باغ۔ گل۔ گلاب۔ انار۔ شہتوت۔ نارنگی۔ عبیر۔ عنبر۔ آسمان۔ مسلمانی الفاظ ہیں۔ اور یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ جس طرح پرتھی راج کے عہد کی زبان مسلمانی الفاظ سے اس قدر مخلوط متصور نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح یہ بعض درخت جو مسلمانوں کی آمد کے بعد ہندوستان میں آئے ہیں۔ ایسے قدیم زمانہ میں دہلی کے ایک باغ میں کیونکر موجود مانے جا سکتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ کہ مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستان میں باغات کا دستور ہی نہیں تھا ؛

مصنف سب سے پہلے کیسر (زعفران) کا ذکر کرتا ہے۔ اس کی ناواقفیت ملاحظہ ہو۔ اس کے نزدیک زعفران بھی مولی گاجر کی طرح ہر باغ اور باڑی میں لگائی جا سکتی ہے۔ حالانکہ تمام ہندوستان میں کشمیر کے سوا اور کسی مقام پر پیدا نہیں ہوتی۔ اور وہاں بھی ایک خاص زمین میں ہوتی ہے ؛

جس پھول کو ایرانی 'گل' کہتے ہیں۔ اہل ہند اسے 'گلاب' کہتے ہیں۔ لیکن یہ ہندوستانی تصرف ہے۔ اس بدعت کے لئے سوائے 'استعمال ہند' کے عذر پیش کرنے کے ہمیں کوئی اور معقول وجہ معلوم نہیں۔ مسلمانوں کو ہندوستان میں آباد ہو کر ایسے مختلف فیہ ناموں کے بنانے اور رواج عام میں لانے کے لئے بھی تو وقت درکار ہے۔ یہی حالت نارنگی کی ہے۔ یہاں شاعر نے اس لفظ کو نرنگی بتخفیف الف لکھا ہے۔ لیکن اور موقعہ پر الف کے ساتھ نارنگی لکھ رہا ہے۔ ایرانی اسے نارنگ کہتے ہیں۔ جس کی معرب شکل نارنج ہے۔ نارنگ کے آخر میں 'ی' کا اضافہ ہندوستانی اپج

ہے۔ اس ئیے کو خواہ بقاعدۂ فارسی زائد کہا جائے۔ یا بقاعدہ ہندی یائے تانیث مانا جائے مگر اس کے اضافہ کی ذمہ واری بحق استعمال ہند عائد ہوتی ہے ؛

انناس کے متعلق یہ یاد رہے۔ کہ اگرچہ آئین اکبری میں وہ میووں کی فہرست میں شامل ہے مگر ہندوستان میں تازہ وارد ہے۔ پرتگالی دسویں صدی ہجری میں باہر سے یہاں لاتے ہیں۔ ابوالفضل انناس کو کھٹل سفری کہتا ہے۔ کیونکہ اس کے پودے گملوں میں رکھ کر سفر میں بآسانی لے جائے جاسکتے ہیں۔ وہ اس کے بیان میں کہتا ہے۔ کہ انناس شکل اور رنگت میں مستطیل نارنگی کی مانند اور ذائقہ اور خوشبو میں آم کی طرح ہے۔ پھل ڈنڈی کی جڑ میں لگتا ہے۔ جس پر چند پتے نکلتے ہیں۔ جب میوہ توڑ لیا جاتا ہے۔ پتے اتار کر زمین میں الگ الگ لگا دیتے ہیں۔ اور یہی پتے تخم کا کام دیتے ہیں۔ درخت صرف ایک بار پھل دیتا ہے۔ جس میں ایک ہی پھل آتا ہے (آئین اکبری ص۸۸) اکبر کے عہد میں انناس اس قدر قلت کے ساتھ معلوم تھا۔ کہ مختصر نگار ابوالفضل کو بطور اطلاع جدید اس کی صراحت دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جہانگیر بھی اپنی توزک میں لکھتا ہے۔ کہ انناس ان سواحلی علاقوں سے آتا ہے۔ جو فرنگیوں (پرتگالیوں) کے قبضہ میں ہیں۔ (توزک ص۳۰) ادھر پرتگالی بابانگ دہل کہتے ہیں۔ کہ انناس ان درختوں میں سے ہے۔ جن کا ہمارے ذریعہ سے ہندوستان میں رواج ہوا ہے۔ ان امور کو جاننے کے بعد ہمیں حیرت ہوتی ہے۔ جب ہم راسا کے مصنف کو یہ کہتے سنتے ہیں۔ کہ پرتھی راج کے عہد میں جمنا کے کنارے نگمبودھ باغ میں انناس کا درخت موجود تھا ؛

درختوں کے جس قدر نام اوپر گزرے ہیں۔ بہت ہی خفیف فرق کے ساتھ سب کے سب آئین اکبری میں ملتے ہیں۔ ان کا حوالہ ذیل میں درج ہے :-

گل ص۸۸ ص۸۹ ۔ زعفران ص۹۶ ۔ گل زعفران ص۱۰۹ ۔ انار ص۷۶ ۔ انگور ص۷۴ ۔ سرکھنڈی ص۱۰۱ ص۱۱۱ ۔ چنپہ ص۹۸ ص۱۰۸ ۔ کدم ص۱۰۱ (راسا میں کدمب ہے) کھجور ص۴۸ ۔ آنب ص۷۷ ۔ انبہ ص۷۳ ۔ (راسا میں بجائے جمع انبین ہے) انناس ص۷۷ ص۸۷ ۔ توت ص۷۸ (راسا میں ستوت

آیا ہے۔ جو شہتوت کی بگڑی ہوئی شکل ہے) جنبیری ص۸۲ ۔ اخروٹ ص۸۳ (راسا میں اس مقام پر اکھوٹ ہے۔ مگر دوسرے موقعہ پر صاف اکھروٹ لکھا ہے) سیب ص۸۶ (راسا میں سیو ہے) امرت پھل ص۸۷ ۔ نارنگی ص۸۱ ۔ گلال ص۹۸ ۔ عبیر ص۹۵ ۔ عنبر ص۹۶ ۔

راسا اور آئین اکبری کی فہرستوں میں وہ فرق جو بلحاظ اختلاف زمانہ ان میں ہونا چاہیئے۔ بالکل مفقود ہے۔ بلکہ ان کا توافق حیرت انگیز ہے ۔

کھانے

آکھیٹ چکھ سراپ۔ ۶۳ ویں داستان میں پانی پت کے مقام پر سنجوگتا ایک بھاری دعوت دیتی ہے۔ مصنف نے اس موقعہ پر مختلف کھانوں ۔ پکوانوں و دیگر اشیاء کے نام دیئے ہیں۔ جو میں یہاں نقل کرتا ہوں :۔

پترلول (پاتل) دونے۔ پوپ (روٹی)۔ پوری ۔ سکھ پوری ۔ لچیں (لوچئی) پیٹھی کی بھری کچوری۔ گھیور۔ جلیبی (جلیبی) ۔ پھینی (فینی) سکر پارے (شکر پارے) سیو سنگھارے (سنگھاڑے کے سیو) کسار۔ گندورن (گندوڑے) کھرما (خرما) پنڈکھجور۔ بہی ۔ اکھروٹ ۔ (اخروٹ) ناسپاتی (ناشپاتی) ۔ گر (گڑ)۔ سکر (شکر) پاپر (پاپڑ)۔ کند۔ میدا کے پیدا (میدے کے پیڑے)۔ کمرند۔ گنج (نیلوفر) چنپک (چنبہ) چنبیلی ۔ کرنی (کرنا)۔ کنیر۔ لبکلن (مولسری) مجکند کیورا (کیوڑہ) کیتکی ۔ جوہین (جوہی) ۔

چربن :۔ چنا۔ چروبجی ۔ چوزا (چوزلا) کسیرو ۔ کرہری ۔ گوند گتا ۔ کپور ۔ کھیرا وٹلی کھیر تاکی بین ۔ کرنا۔ کروندا۔ کندورے (کندوری) نیبو ۔ نارنگی ۔ ناسپاتی ۔ امرتاں (امرتیاں) کیتھ (کیت)۔ وجوریں (بجوڑے) کڈھی (کڑھی) پکوری (پکوڑی) ۔ بری مونگ ری (مونگ کی بڑیئیں) میداں کی روٹی (میدہ کی روٹی) مانڈہ ۔ روٹین مسرین (مصری کی روٹیئیں) سالن (سالن) ۔ مارو ۔ بیگن ۔ برے (بڑے) ۔ سیم ۔ کنکوڑا (ککوڑا) ۔ کریلا ۔ مریلا ۔ بھینڈا (بھنڈی)

رواسن پھری (روانسا پھلی) چھونکری ۔لیدھری ۔کلی کچنار ۔ بائل (باکلا) بجورا (بجوڑا) ۔ رائیتو (رایتا) ۔لونگ ۔ مرچیں ۔ دھنا ۔سونٹھی (سونٹھ) ۔ رائی ۔وہی ۔

سرسوں ۔سوا ۔ساک (ساگ) بھتوا (بھتوا) ۔ بڑ ساگ ۔ چنک (چانا) ۔چوک (چوکا) ۔ دودارُو (دیودار) ۔ نیب (نیم) ۔مسوری (مسور) ۔ماش ۔ چنا ۔ ودھی (دہی) ۔کیسر ۔ مٹھا جیرہ (زیرہ) ۔ دارم (انار) ۔ داکھ (انگور) ۔ کھارک (چوہارا) ۔

مصنف نے ان کھانوں کا نہائیت تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جس سے میں نے صرف ناموں پر قناعت کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے ۔کہ اس عہد کا ہندو تمدن ترقی کے بلند معیار پر پہنچا ہُوا ہے۔ مگر اس تفصیل میں ایسا عنصر بھی تو پایا جاتا ہے۔ جس سے شبہ ہوتا ہے۔ کہ یہ تمدّنی حالت خالص ہندو عہد سے جیسا کہ پرتھی راج کا زمانہ تھا تعلق نہیں رکھتی ۔ بلکہ ایسے عہد سے جب ہندو مسلمان عرصہ تک ساتھ ساتھ رہنے کے بعد ایک دوسرے کی تہذیب و مدنیت سے متأثر ہوکر ملی جُلی زندگی کے عادی ہوگئے ہیں۔ چنانچہ اس کے آثار ہم الفاظ۔ شکر۔ شکر پارے جلیبی ۔ خرما ۔ نارنگی ۔ بہی ۔ ناشپاتی ۔ مصری ۔ میدہ وغیرہ میں دیکھتے ہیں ۔ خالص ہندو تمدن میں ان اشیاء کا تصوّر بھی نہیں آسکتا ۔ مٹھائیاں اکثر و بیشتر مسلمانی الاصل ہیں۔ جلیبی جس کی قدیم شکل زلابی ۔ زلیبا و زلیبیا ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں آتی ہے ۔ خواجہ مسعود سعد سلمان کے اشعار میں زلیبیا آتا ہے۔ چنانچہ :-

؎ نان کشکی اگر بیابم نیز راست گوئی زلیبیا باشد

شکر پارہ تو خالص مسلمانی نام ہے۔ مصری نبات و طبرزد کو کہتے ہیں ۔ چونکہ اس قسم کی نبات کی ابتدا مصر سے ہوئی۔ اس لئے ہندوستان میں اس کا نام مصری ہی رکھ دیا گیا ۔ خرما۔ بہی اور ناشپاتی فارسی ہیں ۔ مگر ہندوستان میں ان کا استعمال مسلمانوں کی آمد سے قبل تصوّر میں نہیں آسکتا ۔

جب ہم اس فہرست پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالتے ہیں ۔ تو یہ امر ذہن نشین ہوتا ہے ۔کہ ان

الفاظ میں کوئی ایسی ندرت نہیں جو انہیں ٹھیٹ پرتھی راج کے عہد کے ساتھ وابستہ کر سکے۔ آج بھی یہ تمام چیزیں ہماری ضروریات زندگی میں داخل ہیں۔ اور تقریباً اسی طرح بولی جاتی ہیں۔ جیسے کہ فہرست بالا میں ہے۔

اس فہرست میں بعض الفاظ کے آخر میں نون کے اضافہ کی بنا پر جو جمع و اضافت کے لئے مستعمل ہے۔ مثلاً جوہین (جوہی) روٹین (روٹیاں) گندورن (گندوڑے) سالنن (سالن کا) مصرین (مصری کا) وغیرہ کی نامانوس شکلوں سے ہمیں مرعوب نہیں ہونا چاہیئے۔

کالیتھ۔ کھتری اور بھاٹ

کالیتھ اور کھتری ہندوؤں میں وہ قومیں ہیں۔ جنہوں نے اکبر کے عہد سے ٹوڈرمل کے اثرات میں فارسی سیکھنا اور اہل قلم کے زمرہ میں ملازم ہونا شروع کیا ہے۔ ایک روایت یہ تبدیلی سلطان سکندر لودھی کے زمانہ کی طرف منسوب کرتی ہے۔ اور ڈونگرمل کا نام پہلے ہندو شاعر کی حیثیت سے پیش کرتی ہے۔ مگر دفاتر پر ہندوؤں کا دخل اور اقتدار اکبری عہد ہی سے شروع ہوتا ہے۔

راسا کے مصنف کے سامنے چونکہ عہد مغلیہ کی زندگی ہے۔ اس لئے وہ کالیتوں اور کھتریوں کو شہاب الدین کے زمانہ میں بھی جبکہ اس کا دارالسلطنت غزنین ہے۔ نہ آگرہ اور دلی حسب دستور مغل مسلمانی ملازمت میں تصور کرتا ہے۔ جس طرح اکبر ٹوڈرمل اور بیربر کو اور شاہجہان چندربھان کو بعض سیاسی مسائل طے کرنے کے لئے ہندو راجگان کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ اسی طرح تتار خاں شہاب الدین کا وزیر لورک رائے کھتری کو غزنین سے دلی پرتھی راج کے پاس بھیجتا ہے۔ یہ لورک رائے ایک سے زیادہ مرتبہ غزنین سے دلی سفارت پر آیا ہے۔ (دھن کھتا اور بہاڑ رائے سمے) نیت راؤ ایک اور کھتری ہے۔ جو اگرچہ بظاہر شہاب الدین کا ملازم ہے۔ موقعہ پر پرتھی راج کے ساتھ بھی ساز باز کر لیتا ہے۔ (انگ پال سمے) دھرمائن

کالیستہ ہے۔ جو دہلی ہی میں مقیم ہے۔ مگر یہاں کی تمام اطلاع شہاب الدین کو غزنیں بھیجتا رہتا ہے۔ گویا بادشاہ کا وکیل ہے۔ دھرمائن کا ذکر متعدد داستانوں میں آتا ہے۔ مثلاً دمن کتھا۔ پہاڑ رائے سمے۔ درگا کیدار سمبو۔ بڑی لڑائی روپرستا وغیرہ۔ ایک امر عجیب ہے۔ کہ شہاب الدین کے یہ ہندو ملازم خواہ وہ کھتری ہوں۔ خواہ کالیستھ سب کے سب جاسوسی پیشہ کرتے ہیں۔ اور دربار دہلی کی خبریں شاہ کے پاس غزنیں بھیجتے رہتے ہیں ٭

ایک اور لطف کی بات سنیئے۔ جس طرح چند پرتھی راج کا بھاٹ ہے۔ درگا کیدار شہاب الدین کا بھاٹ ہے۔ درگا علم و فضیلت میں کوی چند پر غالب آنے کی مراد دیوی سے مانگتا ہے۔ دیوی جواب دیتی ہے۔ کہ تو اوروں پر غالب آسکتا ہے۔ مگر چند پر غالب نہیں آ سکتا۔ اس پر درگا نے التماس کی۔ کہ میں پرتھی راج سے ملنا چاہتا ہوں۔ دیوی نے فرمایا۔ کہ ہاں۔ تیری یہ آرزو قبول کی جاسکتی ہے۔ دوسرے دن درگا شاہ کے دربار میں جاکر رخصت مانگتا ہے۔ تتار خاں کہتا ہے۔ کہ دشمن کے گھر جانا قرین مصلحت نہیں۔ خدا جانے کیا افتاد پڑے۔ بادشاہ نے فرمایا۔ کوی چند کو دیکھو نا۔ وہ کبھی غزنیں نہیں آیا۔ درگا بھاٹ لاجواب ہوگیا۔ مگر بادشاہ نے اس کی دل شکنی کے خیال سے اجازت دے دی۔ درگا غزنیں سے چل کر ڈھائی مہینہ میں پانی پت پہنچا۔ جہاں پرتھی راج شکار کے لئے ٹھہرا ہوا تھا۔ راجہ نے اسے عزت کی جگہ بٹھایا اور بڑی دلجوئی کی۔ درگا نے آتے ہی سحر و طلسم میں چند سے مقابلہ کی ٹھان لی۔ سب سے پہلے اس نے سحر کے زور سے مٹی کے برتن سے آگ کا شعلہ نکالا چند نے جواب میں ایک گھوڑے کے منہ سے اسپر باد (سلام) کہلوایا۔ اس پر درگا نے پتھر کی ایک بڑی چٹان جادو سے متحرک کی۔ اور اس میں ایک انگوٹھی غائب کردی۔ کوی چند نے اپنے علم کے زور سے چٹان کو پانی بناکر بہادیا۔ اور انگوٹھی نکال لی۔ اس کے بعد درگا اور اور عجائبات دکھاتا ہے۔ اور چند ان کے توڑ کرتا ہے۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوتا ہے۔ کہ چند کوی ان فنوں میں اپنے حریف پر فضیلت رکھتا ہے۔ پرتھی راج پانچ روز تک کیدار کو مہمان رکھتا ہے

اور بہت سا انعام واکرام دے کر رخصت کرتا ہے ۔ (درگا کید ارسمیو ۵۸ ویں داستان)

مادھو بھاٹ شہاب الدین کا ایک اور بھاٹ ہے ۔ اور اس کے نام پر انیسویں داستان ہے یہ شخص اکثر علوم وفنون میں باکمال تھا ۔ ایک مرتبہ دلّی آیا اور ایک مہینہ تک رہا ۔ دلّی اس کو بہت پسند آئی ۔ جاسوسی کے خیال سے پرتھی راج کے دربار میں بھی آنے جانے لگا اور اپنے کمال کا اہلِ دربار پر خوب سکہ جمایا اور پرتھی راج کی داد و دہش نے اسے مالا مال کر دیا ۔

مسلمانوں میں بھاٹ رکھنے کا دستور اسی عہد سے رواج پا سکتا ہے جب وہ ہندوستان میں آباد ہونے کے بعد اس ملک کے رسم و رواج کے پابند ہونے لگے ہیں ۔ یہ خیال کہ شہاب الدین کے پاس درحقیقت ہندو بھاٹ تھے ۔ بے حد مضحکہ خیز اور بے بنیاد ہے ۔ مگر راسا کا مصنف جس زمانہ میں رہتا بستا تھا ۔ کیا ہندو کیا مسلمان ایک دوسرے سے اثر پذیر ہو کر ایک مخلوط قسم کی زندگی کے عادی ہو گئے تھے ۔ جس میں ہندو مسلمانوں کے لئے اور مسلمان ہندوؤں کے لئے لازم و ملزوم بن گئے تھے اور ایک کا دوسرے کے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا تھا ۔ راسا کا مصنف اپنے عہد کی زندگی اور اس کے اوضاع کا اس قدر حادی ہے ۔ کہ اس کے قلم سے بے ساختہ وہی خط و خال رقم پذیر ہوتے ہیں جو مغلیہ اور اس سے قبل کے زمانہ کی ہندوستانی زندگی کے ساتھ مخصوص ہیں ۔ مثلاً ہیمچ کمار کوی چند کے سامنے راجہ جے چند والئے قنوج کی تعریف میں یہ دوہا کہتا ہے :-

؎ بیری کاٹن راج بیج ۔ ڈنڈ بھرن پرد ھان ۔ سیوا مانن بھے وین ۔ ہندو مسلمان ۔

(چھند ۴۶۹ صح ۱۶۴/۱۴ قنوج سے ۶۱ ویں داستان)

بھلا جے چند کے زمانہ میں قنوج کی قلمرو میں مسلمان کہاں آباد تھے ۔ جو اس کی تعظیم و تکریم میں ہندوؤں کے ساتھ شریک ہو سکتے ۔ مگر مصنف کے زمانہ میں یہ قول بالکل صادق آتا ہے ۔ جب ہندو مسلمانوں کی اور مسلمان ہندوؤں کی رعیت بن کر رہتے تھے ۔

مسلمان ہندوستان میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے ۔ مفتوحین شروع شروع میں تو ان سے غیر متعلق رہے ۔ مگر جب انہیں معلوم ہو گیا ۔ کہ ان کی آمد ہنگامی نہیں اور نہ یہ لوگ اس سرزمین سے

ٹلنا چاہتے ہیں۔ حسب تقاضائے وقت صلح و آشتی کا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا۔ خود مختار راجاؤں نے تعلقات قائم کر لئے۔ کمزور رئیس اپنے طاقت ور ہمسایہ کے خلاف ان سے امداد کے جویا ہوئے۔ جوں جوں مسلمانوں کو ہندوستان میں رہتے رہتے زیادہ زمانہ گذرتا گیا۔ توں توں یہ تعلقات زیادہ وسیع ہوتے گئے۔ قرونِ وسطےٰ کا ہندوستان اپنی تاریخ میں ایسے متعدد واقعات کا آئینہ دار ہے۔ مغل بابر کے خلاف رانا سنگرام عرف رانا سانگا اور حسن خاں میواتی باہم متحد ہو کر ایک ہی محاذ پر جنگ کرتے ہیں۔ اسی بابر کے مقابلہ میں راجہ بکرماجیت ابراہیم لودھی کے ساتھ پانی پت کے میدان میں مارا جاتا ہے۔ سلاطین گجرات و مالوہ کی تاریخ میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ جن میں ایک ہندو راجہ کی خاطر یہ طاقت ور سلطنتیں ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوئی ہیں۔ ان میں مذہبی اختلاف جنگ و صلح کا محرک نہیں تھا۔ جیسا کہ آج کل کے مؤرخ ہمیں یقین دلاتے ہیں۔ بلکہ اغراض و مقاصد کا اتحاد۔ یہی خصوصیت راسا کے صفحات میں نمودار ہے ؛

اٹھائیسویں داستان میں انگ پال پرتھی راج سے اپنے ملک کے استرداد کا خواہشمند ہے۔ وہ خود فوج کشی کر کے پرتھی راج سے لڑتا ہے۔ مگر شکست کھاتا ہے۔ بالآخر مادھو بھاٹ کو شہاب الدین کے پاس غزنین بغرض استمداد بھیجتا ہے۔ شہاب الدین ایک بڑی فوج کے ساتھ اس کی امداد کو آتا ہے۔ اور انگ پال کے شریک ہو جاتا ہے۔ اتحادی پرتھی راج سے جنگ کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے اور یہ بدقسمتی شہاب الدین کے لئے راسا کے صفحات میں نہایت عام ہے۔ سلطان میدانِ جنگ میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اتحادیوں کو شکست ہو جاتی ہے ؛

چھتیسویں داستان ہنساوتی و واہ میں چندیری کا راجہ نچائن شہاب الدین سے رن تھنبور کے راجہ کے خلاف فوجی امداد مانگتا ہے۔ اور شہاب الدین اپنا لشکر اس کی امداد کے لئے لسبر کر دگی نوری حجاب اور کیلی خاں روانہ کرتا ہے ؛

یہی نہیں۔ بلکہ وہ ایک دوسرے کی شادی غمی و دیگر دستور و رسوم میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال اکیسویں داستان پرتھا و یاہ ورن میں ملتی ہے۔ اس داستان کی رو سے پرتھی راج

کی بہن پرتھا بائی راول سمرسنگھ والی چتوڑ سے بیاہی جاتی ہے۔ اس موقعہ پر شہاب الدین بھی دُولھا دلھن کے لئے تحفے بھیجتا ہے۔ جن میں علاوہ دیگر مال ومتاع کے پچاس ہاتھی۔ سو گھوڑے۔ اور ایک سو باندیاں شامل ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تحفے فی الحقیقت شہاب الدین نے راول جی کو شادی کے موقعہ پر دیئے تھے۔ تاریخ کی رو سے راول سمرسنگھ اور پرتھا کی شادی ناممکن ہے۔ کیونکہ راول مذکور پرتھی راج اور شہاب الدین کے زمانے سے ایک صدی بعد ہوتا ہے لیکن مصنف نے شہاب الدین کا جو تحفے دینا بیان کیا ہے تو درحقیقت وہ اس رواج کو اجاگر کر رہا ہے جو اس کے عہد میں ہندو اور مسلمان باہمی تعلقات میں ایک دوسرے کے ساتھ برتتے تھے۔

مسلمانی الفاظ

راسا میں مسلمانی الفاظ پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس کا مصنف فارسی زبان کی مبادیات سے ضرور واقف ہے۔ مسلمانوں کے بعض مذہبی معاملات سے بھی اس کو آگاہی ہے۔ اسے معلوم ہے۔ کہ ان کی مذہبی کتاب کا نام قرآن ہے۔ جسے مصحف بھی کہتے ہیں۔ اس کے تیس پارے ہیں۔ ان میں خدا کے نیک بندے بھی ہوتے ہیں۔ جو تیسوں دن نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور غیر شرعی امور کے قریب نہیں جاتے۔

پنج بیس پنج دن کریں نواج حق احق وست جن نہیں کاج

(چھند ۲۴ صح ۵۲۱/۵ سلکھ جدھ۔ تیرھویں داستان)

پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں۔ اور سیپارے تو رات دن پڑھتے رہتے ہیں۔

نہیں [illegible] لیے پنج گھنت (وقت) سیپارے تیس پڑھیں دن رت

(چھند ۹۷ صح ۴۰۳/۴ حسین کتھانوں داستان)

تسبیح کا استعمال مستحسن سمجھتے ہیں۔ پیر کے چادر چڑھاتے ہیں۔ مُلا اذان دیتا ہے۔ قاضی نماز پڑھاتا ہے۔ جو لوگ مذہب کے لئے مارے جاتے ہیں شہید کہلاتے ہیں۔ اور زندۂ جاوید ہیں

گوری کی جو وجہ تسمیہ دی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ گور یعنے قبر کے معنوں سے واقف ہے مسلمانوں کی جنگی اصطلاحات و اسلحہ سے کافی آشنا معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً آتش سلح۔ تیغ۔ زرہ۔ کمان۔ تیر۔ ترکش۔ گرز۔ تفنگ۔ ہدف۔ نشان۔ چوگان چشم۔ سوار۔ لگام۔ پہلوان (پہلیان) عراقی۔ تازی۔ نوبت۔ شہنائی۔ نفیری۔ چنگ۔ دمامہ وغیرہ۔ الفاظ تیر و تیغ اس کے ہاں کثرت کے ساتھ ملتے ہیں۔ اسی طرح اعداد میں سہس کے ساتھ ہزار بھی کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ باغ و باغبان کے لئے بھی فارسی الفاظ باغ و باغبان پر قناعت کرتا ہے۔ اور جب چاہتا ہے مسلمانی الفاظ کافی تعداد میں لا سکتا ہے۔ یہ مثالیں ملاحظہ ہوں :-

؎ جہاں سو یہاں ٭ سہاب دین سلتان ٭ پیمبر پروردگار ٭ الہ کریم کوار (کبار)

سلطان جلال سکندر جایا ٭ سلتان شہاب الدین الہ اُپایا ٭ چ ۱۲۱ ص ۲۱۲۶/۱۸ بڑی لڑائی

دیگر ؎

میں فقیر سلطان ٭ آپ کیہی پچھیئے قاضی ٭ بھیت بھاکھ جو کہے ٭ ہوئے حاجی کے غازی

جو امید جیہے ہوئی ٭ راج دوئی اسد بندی ٭ کوئی گمان جن کرو ٭ کہے کایا یہ گندی ٭

چ ۶۶ ص ۲۲۳۸/۱۹ بڑی لڑائی

اس زمیہ کے بعض الفاظ سے پایا جاتا ہے۔ کہ وہ استعمال ہند کے ذیل میں آتے ہیں۔ استعمال ہند سے مراد غیر ہندی الفاظ کی وہ خاص صورت ہے۔ جو ہندوستان میں اختیار کر لی گئی ہے۔ مثلاً حمائل کو جمیل کہا جاتا ہے۔ (چھند ۲۹ ص ۶۰۶/۶) اور پالان کو پلان (چھند ۶۵ ص ۵۸۵/۸) وقف کا بخت بن گیا ہے (چھند ۹۷ ص ۴۰۳ ح ۴) اسی طرح رسالہ سے رسال (چھند ۱۴۹ ص ۴۰۲/۵) بمعنی سوغات بن گیا۔ اور خواص حجام کے معنوں میں آیا ہے۔ (چھند ۵۸ ص ۵۸۵/۶) اسی طرح نماز کو نیاج کی شکل میں بدل دیا ہے۔ کاغذ کگد بن گیا ہے۔ (چھند ۸۵ ص ۸۹۳/۸)

بعض ترکیبیں ایسی بھی ملتی ہیں۔ جو نیمے ہندی اور نیمے فارسی ہیں۔ مثلاً پلنگ پوش (چھند ۵۴ ص ۵۸۵/۶) اسی طرح جم جور ہے۔ جس میں جم (موت) ہندی اور جور فارسی زور کی بگڑی شکل ہے

ورجور کا جی اسی پر قیاس لیا جائے۔ بہرحال یہ ترکیبیں اس عقیدہ کی تائید نہیں کرتیں۔ کہ یہ رزمیہ پرتھی راج کے عہد کی تالیف ہوسکتا ہے۔ بعض وقت ایسے فارسی مرکبات بھی ملتے ہیں۔ جیسے ترتاج (چھند ۱ صح ۱۱/۱۳) نیل ماہی (چھند ۵۶۴ صح ۱۶۶۰/۱۴) یعنے دریائے نیل کی مچھلی۔ جنگلی جوان (چھند ۳ صح ۱۰۴۵/۹) ۔ زردوزن (زردوزی) اور زرکشی (چھند ۵ صح ۵۸۴/۶) کساوہ کساوہ (کشادہ کشادہ) چھند ۱۲۶ صح ۹۰۷/۸) اور راہ بیراہ (چھند ۹۵ صح ۴۰۳/۴) ؛

کوچ برکوچ۔ کوچ درکوچ اور کوچاکوچ ایک فارسی روزمرّہ ہے۔ مصنف نے بادنی تغیّر اس پر تصرّف کرلیا ہے۔ مثال ؎ چلیو کوچ پر کوچ کھری (چھند ۲۹۷ صح ۷۲۳/۷) دیگر:۔ درکوچ کوچ اتے سندھ (چھند ۱۴۵ صح ۶۱۸/۶) دیگر:۔ ؎ اتی کوچہ کوچ دلن کھرین ؛ چل نپتھ جائے سو اُترین (چھند ۱۶۵ صح ۶۲۱/۶) ؛

ذیل کے چھند میں 'کھیت پڑنا' کھیت رہنے کے مفہوم میں آیا ہے:۔

؎ کھیت پرے تتار ؛ ساہ گوری گئی ستیا ؛ (چھند ۱۹۲ صح ۶۲۵/۶)

سر دھننا ایک اور محاورہ ہے۔ چنانچہ:۔

؎ سر دھنت پتی ساہ ؛ دھاہ سُنی سینا سکھی ؛ (چھند ۲۹ صح ۹۵۱/۹)

وہ پانی ملتان گیا

وہ پانی ملتان گیا۔ ایک ضرب المثل ہے۔ جس کا مطلب ہے۔ کہ اب وہ موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ استاد ذوقؔ ؎

پنجاب میں بھی وہ نہ رہی آب و تاب حسن ؛ اے ذوقؔ! پانی اب تو وہ ملتان بہ گیا

پرتھی راج راسا میں یہی ضرب المثل یوں آئی ہے:۔

؎ چامر چھتر رکھت تکھت لینو سرتانی ؛ اوتروے ساہاب ؛ گیو ملتانہ پانی ؛

(چھند ۲۶۵ صح ۷۳۴/۷)

اس ضرب المثل کی تشریح میں یہ کہانی بیان کی جاتی ہے:۔

ایک دن گورکھ ناتھ رَیداس بھگت کے پاس آیا۔ پیاس لگ رہی تھی۔ پانی مانگا۔ رَیداس پانی لینے گیا۔ اس وقت گورکھ ناتھ کو خیال آیا۔ کہ رَیداس تو ذات کا چمار ہے۔ میں اس کے ہاتھ کا پانی کیونکر پی سکتا ہوں جب رَیداس پانی لایا۔ اس نے اپنے تونبے میں بھروالیا۔ مگر پیا نہیں۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا اور رخصت ہُوا۔ پھر کبیر کے پاس جا بیٹھا۔ اور اس کے ساتھ باتوں میں مشغول ہوگیا۔ اس وقت کبیر کی بیٹی کمالی آئی۔ اور وہ پانی اٹھا کر پی گئی۔ پیتے ہی اکاس لوک۔ مِرت لوک۔ اور پتال لوک کے تمام اسرار اس پر منکشف ہو گئے۔ جب گورکھ ناتھ کو معلوم ہوا۔ کہ اس پانی کے پینے سے کمالی میں یہ وصف پیدا ہوگیا ہے۔ ہاتھ ملنے لگا۔ دوبارہ رَیداس کے پاس جاکر پانی مانگا۔ رَیداس کشف کے ذریعہ سے جان گیا تھا۔ کہ گورکھ ناتھ نے اپنے غرور کے سبب سے وہ پانی نہیں پیا تھا۔ اور اب پھر اسی کی تلاش میں آیا ہے۔ اسی اثنا میں کمالی کے سسرال والے بنارس آئے اور کمالی کو ملتان لے گئے۔ جہاں وہ بیاہی گئی تھی۔ اس وقت رَیداس نے یہ دوہا کہا :-

ے پیاوے تھے جب پیا نہیں تب تم نے یہ ابھمان کیا
بھولا جوگی پھرے دوانہ وہ پانی ملتان گیا

محمود شیرانی

بحر الفواید

عام طور سے خیال کیا جاتا ہے۔ کہ ادبیات فارسی میں نظم کا ذخیرہ نثر سے بہت زیادہ ہے، ہرچند کہ یہ خیال صحیح ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے۔ کہ نثر فارسی کا بہت سا خزانہ ابھی تک قلمی کتابوں میں مدفون ہے جس کا کچھ حصّہ تو قعر گمنامی میں پڑا ہے اور جو معرض علم میں آچکا ہے وہ نشر و اشاعت کا منتظر ہے۔

فارسی نثر کی غیر مطبوعہ کتابوں میں ایک قابل توجہ تصنیف بحر الفواید ہے۔ جس کے ساتھ ناظرین کو ان سطور میں روشناس کرنا مقصود ہے۔ مجموعی طور پر اس کتاب کا موضوع مسائل تصوّف و اخلاق ہے لیکن گوناگوں دلچسپیوں کی سینکڑوں اور باتیں معرض بحث میں لائی گئی ہیں جن کو مصنّف نے بے شمار حکایات اور جدّت خیالات سے بہت دلفریب بنایا ہے۔

بحر الفواید چھٹی صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ اور فقط یہی ایک بات کہ یہ منجملہ اُن معدودے چند فارسی کتابوں میں سے ہے۔ جو تاتاری حملے کی تباہی سے محفوظ رہیں۔ اس کی اہمیّت کو دوبالا کرنے کے لئے کافی ہے لیکن ایک اور غیر معمولی صفت جو اس کتاب کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ ہے کہ وہ شام میں لکھی گئی ہے۔ فارسی کی شاید یہ پہلی کتاب ہے۔ جس کا شام میں تصنیف ہونا ہمارے علم میں آیا ہے۔

بحر الفواید کے صرف دو نسخوں کا ہمیں علم ہے جن میں سے ایک تو پیرس کے کتابخانۂ ملی میں ہے۔ اور دوسرا ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمود خاں صاحب شیرانی کے پاس ہے[1]، مصنّف نے اپنایا اپنے وطن کا کتاب میں کہیں ذکر نہیں

[1] دیکھو فہرست مخطوطات فارسی در کتابخانۂ ملی پیرس ص ۷۲۱، اس نسخے کی تاریخ کتابت ۶۷۹ھ ہے۔ پروفیسر موصوف کا نسخہ بھی غالباً دسویں صدی کا لکھا ہوا ہے،

یا لیکن اپنی اس تصنیف کو اس نے اتابک شام امیر ارسلان آبہ بن آقسنقر کے نام پر معنون کیا ہے۔ جس کا ذکر وہ آغاز کتاب میں اس طرح پر کرتا ہے:۔

"و این کتاب در انواع علوم در زمین شام کہ ملک تعالیٰ۔ و یرا مبارک خواند بمدت پنج سال جمع کردم بنام و لقب پادشاہ عالم عادل عماد الدین[1] عماد الاسلام قطب الدولۃ و بہاء الملۃ شرف الامۃ قامع الکفرۃ والمشرکین الب قتلغ جبوغا الغ اتابک ابی سعید ارسلان آبہ بن آقسنقر ظہیر امیر المومنین خلد اللہ دولتہ و حرس علیہ نعمتہ و این کتاب را بحر الفوائد نام نہادیم زیرا کہ ہمہ جواہر ہا در بحر باشد و از انواع علوم درین کتاب توان یافت"

آقسنقر (قیم الدولہ) اتابکان شام کے خاندان کا بانی ہے۔ اس کے بیٹوں میں عماد الدین زنگی والی حلب و موصل تاریخ میں زیادہ مشہور ہے جس کا عہد حکومت ۵۲۱ھ - ۵۴۱ھ ہے۔ ارسلان آبہ بظاہر زنگی کا چھوٹا بھائی ہے۔ جو مسند حکومت پر جاگزیں نہیں ہوا۔ بلکہ غالباً کسی چھوٹے سے علاقے کا فرماں روا تھا۔ "الب قتلغ جبوغا الغ اتابک" اس کے القاب ہیں۔ لیکن "قامع الکفرۃ والمشرکین" کے لقب سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے بھائی زنگی کے دوش بدوش صلیبی لڑائیوں میں نمایاں حصہ لیتا رہا۔ راحۃ الصدور میں دو تین جگہ ۵۴۴ھ - ۵۴۷ھ کے واقعات میں ضمناً اس کا ذکر آیا ہے[2]۔

---

[1] پیرس والے نسخے میں "نصرۃ الدین" ہے۔ [2] موسیو بلوشے (مرتب فہرست مخطوطات کتب خانۂ ملی) نے ارسلان آبہ کو غلطی سے بوزابہ والی فارس خیال کیا ہے۔ جو ایک بالکل مختلف شخص ہے اور ۵۴۲ھ میں سلطان مسعود سلجوقی کے خلاف جنگ کرتا ہوا ہمدان کے نزدیک مارا جاتا ہے، برخلاف اس کے ارسلان آبہ ۵۴۷ھ میں زندہ تھا (دیکھو راحۃ الصدور ص ۲۶۲)۔

صاحب بحر الفواید نے باب سیر الخلفاء میں جہاں خلفاء عباسی کی فہرست دی ہے۔ وہاں المقتفی (۵۳۰ھ - ۵۵۵ھ) کو خلیفۂ معاصر بتلایا ہے[1]۔ اس سے ذرا آگے چل کر عقاید باطنیہ کی بحث میں اس نے محمد بن کیا بزرگ امید (جانشین حسن صبّاح) کے مرنے کا ذکر کیا ہے[2]۔ جس کی تاریخ ۵۵۷ھ ہے۔ چونکہ اس کے اپنے بیان کی رُو سے کتاب پانچ سال تک زیر تالیف رہی۔ لہذا ظاہر ہے کہ اس کی تصنیف کا زمانہ ۵۵۲ھ - ۵۵۷ھ ہونا چاہیئے۔

پروفیسر شیرانی کا نسخہ جو میری نظر سے گزرا ہے عمدہ خطّ نسخ میں لکھا ہوا ہے اور خاصا صحیح ہے، تعداد اوراق ۱۸۰، تقطیع ۹" × ۶" اور فی صفحہ ۲۱ سطریں، بلحاظ مبحث کتاب کو ۳۴ حصّوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ اور ہر حصّے میں دس دس بارہ بارہ باب ہیں، ان مباحث کی پوری فہرست کتابخانۂ ملّی پیرس کی فہرست مخطوطات میں دی گئی ہے[3] جس پر فقط ایک نظر ڈالنے سے ان کے تنوّع کی طرف فوراً توجہ مبذول ہوتی ہے۔ مثلاً سب سے پہلا حصّہ کتاب الجہاد ہے۔ اس کے بعد کتاب الحکمۃ ہے آگے چل کر ایک دلچسپ حصّہ کتاب تربیۃ الاولاد ہے۔ پھر طلب المعیشۃ، آداب الاسلام، معالجۃ الذنوب، نوادر العلماء، مناقب الائمّہ، عجائب الدنیا، کتاب السلطان، کتاب الوصایا، کتاب الغرائب وغیرہ وغیرہ ہیں،

مصنّف کے متعلق ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ سنّی ہے[4]۔ باطنیوں کا سخت مخالف ہے[5]، علوم دینیہ، تاریخ و سیر اور تصوّف سے خوب

---

[1] ورق ۱۳۰ ب، [2] ورق ۱۳۲ ب، [3] جلد ۲ ص ۳،

[4] کتاب "اصول الدین" کے باب اوّل میں لکھتا ہے "بدانکہ مذہب سنّیاں آنست کہ خدای عزّ وجل آفریدہ است"۔ [5] "خون ملحدی ریختن اولیتر ست کہ ہفتاد کافر رومی کشتن" (ورق ۱۳۷ ب)۔

واقف ہے، منجموں، طبیبوں اور شاعروں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتا ہے :۔ " اگر کسی خواہد کہ تربیت فرزند کند اورا از ہفت آفت نگاہ باید داشت۔ اوّل صحبت منجّم و شاعر و حکیم کہ این قوم در امر شرع تہاون کنند"[1]۔ دوسری جگہ کہتا ہے :۔ "وہر کہ گوید در قرآن تحریم خمر نیست جاہلست، طبیب و منجّم و شاعر چہ دانند کہ اصول و فروع و حلال و حرام چہ بود"[2]۔ منجّم و طبیب کی مذمّت ایک اور جگہ یوں کی ہے :۔ "بادشاہ سلف کہ برخاستی بر دست راست وی فقیہی بودی تا حلال و حرام ازو بپرسیدی و بر دست چپ وی مفسّری بودی تا تفسیر قرآن از وی بشنیدی، امروز سلطانان روزگار بامداد برنیز ند منجّمی بر دست راست وی بود و طبیبی بر دست چپ وی بود"[3]۔

نجوم، طب اور شاعری کے علاوہ وہ فلسفہ اور فلسفیوں کی بھی سخت تخفیر کرتا ہے چنانچہ کتاب الحلال والحرام کے آخری باب "حکمت کتب گذشتگان" میں لکھتا ہے :۔ " اوّل کتاب اخوان الصّفا زندقہ است و طعن بر مسلمانی است نشاید خواندن و نشاید دانستن بباید سوختن، ہفت ملحد در بصرہ جمع شدند و آن کتاب بنہادند و نام خود بپوشیدند دوم ابو العلاء معرّی ملحد بودہ است کتاب لزوم مالایلزم و فصول غایت الفصول و الغایات در معارضہ قرآن کردہ است بباید سوختن، و دلیل بر الحاد وی آنست کہ انکار قیامت و حشر اجساد [می کند]، ..... دیگر بوعلی سینا کافری بی دین بود شفا و نجاۃ وی نباید خواندن کہ نفی حشر اجساد می کند و نفی صفات باری، و زکریا رازی ملحد بودہ است ....."[4]

لیکن زاہد خشک ہونے کے باوجود اس کو شعر کا نہایت اچھا مذاق معلوم ہوتا ہے، عربی و فارسی کے اشعار جو اس نے جا بجا تحریر کئے ہیں عموماً نہایت برمحل اور برجستہ ہیں، نثر میں اس کا انداز تحریر نہایت دلکش۔ سادہ اور بے تصنّع ہے

---

[1] باب تربیۃ الاولاد، [2] ورق ۸۰ ب، [3] ورق ۳۰ ب،

[4] ورق ۸۵ ب - ۸۶ الف،

اور چھٹی صدی کی دلفریب فارسی نثر کا نہایت عمدہ نمونہ ہے، ذیل میں ہم بحر الفوائد کے بعض مقامات کی عبارت ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ تاکہ مصنّف کی جدّت فکر اور اسلوب بیان کا بخوبی اندازہ ہو سکے، ہمارے نزدیک اس کتاب کو قابوس نامہ اور کلیلہ و دمنہ کے پہلو میں جگہ ملنی چاہیئے، اس کی اشاعت سے یقیناً فارسی ادب کے کتب خانہ میں ایک جلیل القدر اضافہ ہوگا،

کتاب نصیحۃ الملوک والسلاطین

بدانکہ بادیۂ قیامت در پیش بس آدمست و بیابان بی نہایت در راہست و دی غافل نشستہ و نمی داند کہ در بستر خواب خفتہ است و سفر می کند زیرا کہ این شب و روز دو مرکب است تیز رو پس آدم را ببرند و بدان سرای غریبان فرود آرند تا قافلہ ہمہ بیکدیگر رسند پس جملہ را برانگیزانند و این خطاب بشنوانند کہ فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر این فلک دوّار و این بوقلمون عمر وی بتاراج برمیدہد و وی ہیچ خبر ندارد و ہمہ مُردگان در آزر وی یک روزہ عمرند تا تقصیرہا بدان تدارک کنند و نمی توانند یافتن و تو یافتہ و عمر ضائع می گذرانی و سرمایہ بباد برمیدہی، سرمایۂ آخرت عمراست و مایۂ قیامت تقوی است مایۂ دوزخ ہواست، وقت آن نیامد کہ از خدمت مخلوق با خدمت خالق شوی و وقت آن نیامد کہ خود را باشی کہ در آنچہ بودی ہمہ بر خود بودی کہ ہر کس کہ زادوی تقویست سزاوار است اگر بساط تہنیت بیفگند ہمہ عالم ملک و مُلک تو شدہ گیر و بجای بگذاشتہ گیر آخر چہ،۔۔۔ این خلق بیشترین در غم معدۂ خود ماندہ اند کہ نباید کہ برہنہ و گرسنہ مانند ہیچ کس نمی اندیشد کہ نباید کہ امشب بخسپم و بامداد برنخیزم و آنچہ من جمع کردہ ام دیگران بردارند، ای بمکابرۂ عقل برخاستہ و بر سرپل خانہ ساختہ و بر موج دریا افگندہ چون ناصیۂ ملک الموت بینی ہشیار شوی فریاد برآری کہ

یاحسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ ، ہیچ زندانیئ دیدی کہ در زندان شادی و راحت طلبد تو آن زندانی ہستی کہ شادی در زندان می طلبی ، من طلب مالم یخلق اتعب نفسہ ولم یرزق ، ہیچ اسیر را دیدی کہ شہریاری طلبد ، آدمی اسیر قضا و قدر است و امیری و شہریاری می طلبد ، ہیچ بندہ را دیدی کہ خواجگی طلبد ہیچ خاکی را دیدی کہ خواجگی طلبد یا ابن التراب و ماکول التراب انت غداً ماکول و مشروب ، آدمی تماشای بوستان می کند یک ساعت بیاید تا تماشای گورستان کند تا آن حسرات و زفرات بینی شاہان جہان در ظلمت گور اسیر خاک شدہ بینی خسرو انرا مجوس گور و لحد شدہ بینی حجمۂ جبّاران بوسیدہ بینی سرہای سروران در خاک شدہ بینی جوانان باحسرت در خاک خوار شدہ بینی گیسوی عروسان در خاک بوسیدہ و پارہ شدہ بینی ، پشت زمین بر غفلت است و شکم زمین بر حسرت و آدمی در وادی پنداشت و تمنای خود گم شدہ کہ امروز چنین کنم و فردا چنان کنم و مرگ بروی می خندد و اجل برامل می خندد و تقدیر بر تدبیر می خندد و مرگ بر زندگانی می خندد ، . . . چون عمر مختصر باشد مال بسیار چہ سود چون خانہ گور خواہد بود حجرۂ زرّین و سیمین چہ سود چون تخت و کلاہ دولت مملکت حسرت خواہد بود جمع و منع چہ سود چون عمر وفا نخواہد کرد تو فیر خزانہ را چہ سود اگر آواز امارت پسر آدم بشرق و غرب رسد و اہل مشرق و مغرب بروی خطبہ کنند و چراغ بدیوان وی آورند جان تنہا باید کندن و در گور تنہا باید خفتن و حساب تنہا باید دادن ،

بیت :- سپہر بلند ار کشد زین تو سرانجام مرگست بالین تو

در خبر است کہ مردی پیش رسول صلے اللہ علیہ وسلم آمد و گفت یارسول اللہ مرا وصیّتی کن گفت کار کن دو روز یا دو شب را ، گفت یارسول اللہ کدام روز و شب گفت آن روز را کہ ملک الموت در خانۂ تو در آید سبحان استادن تو در آن شب کہ مردہ را در گور نہند بستر خاک بود و بالین خشت و زیارت کنان مار و مور بود و

کار کن آن روز را که ایستادہ باشی پیش خداوند جل جلالہ نامہ بدست تو ندانی کہ ترا بہشت می فرستند یا بدوزخ و کار کن آن شب را کہ در گور بخسپی پس ازان شب نباشد یا مدادش قیامت باشد خلایق جہان فردای قیامت از بادشاہ و رعیت خاص و عام با حسرت و ندامت خواہند بودن و دست بر سر می زنند و خود را ملامت می کنند نیکو کردار می گوید واحسرتا چرا نیکی بیش نکردم و خیرات زیادت نکردم و بد کردار گوید واحسرتا چرا بد کردم، در خبر است کہ جبرئیل پیش مصطفےٰ علیہما السلام آمد گفت یا رسول اللہ چہار سخن گزیدہ از چہار ہزار سخن بشنو و امتان را خبر کن، اوّل بگو کہ خراب میکنند آنجا را کہ شمار اچارۂ نیست از باز گشتن بدو، دوم بخشم میارید و مخالفت میکنند آنکس را کہ شمار اچارۂ نیست از باز گشتن بدو، سوم جہد کنید بجستن چیزی کہ لابد شماست رحمت خدای و بہشت خدای، چہارم چیزے مطلبید کہ با او نخواہید ماند، مسکین آدمی بی خواست وی درین جہان آمد و در رنج و بلا و ناکامی عمر بسر برد و بحسرت از دنیا بیرون شد آمدنش بیخواست وی بود و بودنش بی کام و مراد وی رفتنش بیخواست وی چون زندانی کہ دیر ا بزندان برند و بیرون آرند، **حکایت**: پادشاہی بود نیک مردی را برنجانید گفت ای نیک روز از من بہتر از من چہ میخواہی گفت چگونہ گفت دی گذشت و من و تو طعم ندانیم و فردا ہنوز نیامد تو بدین یک زمان از من بیشتر ہستی عمر آدمی دو نفس است چون نفس بر سید کار باسری رسید این چندین ہوس در یک نفس از سعادت مرد آنست کہ درین جہان نیکو نام بود و دران جہان رستگاری یابد، مرد عاقل کامل داند کہ خدای بہتر است کہ خلق و آخرت بہتر ست کہ دنیا و عمل و صالح بہتر ست کہ خزینہ و مال، و عاقل کسی بود کہ بداند کہ مال مرد آن بود کہ بخورد و بہشت بدان بدست آرد و دیگر یا سلطان پاک ببرد یا فرزند پاک ببرد یا نصیب خاک بود، دست تہی در آمدی و دست تہی خواہی رفت، بیت:-

انگشت زنان در آمدیم از در تو انگشت گزان در آمدیم از بر تو

حکایت:- ذوالقرنین از مشرق تا بمغرب بشتافت و در ظلمات پادشاهی براند چون وقت وفاتش بود گفت دستم تهی و برهنه کنید و از تابوت بیرون آرید تا عالمیان بدانند که از این دنیا و مملکت هیچ با خویشتن نبردم دست تهی در آمدم و دست تهی بردم آن کیست که خزینهٔ عادیان امروز بده درم بخرد خدایرا عزوجل سه فرشته است هر روز بر سر عالمیان ندا میکنند یکی میگوید من لم یرحم نفسه لایرحمه الدهر که بر خود رحمت نکند خدای بر وی رحمت نکناد و فرشتهٔ دیگر کریمان را دعا می کند و بخیلان را نفرین می کند میگوید بار خدایا هر که بخورد و ببخشد روزی وی فراخ گردان و هر که بخیل بود بر خود روزی وی تنگ کن فرشتهٔ دیگر میگوید مال فلان کس را دادیم و زن فلانرا دادیم و فلان را دولت دادیم و فلان را دولت دادیم و فلان را معزول کردیم، در خبر است که شبانروزی بیست و چهار ساعت است در هر ساعتی حق تعالی ششصد هزار را زندگانی می آفریند و در وجود می آرد و ششصد هزار را می میراند و ششصد هزار را عزیز می گرداند و ششصد هزار را ذلیل می گرداند و ششصد هزار را از خاک برمیدارد و بر تخت می نشاند قوله تعالی تعزّ من تشاء و تذلّ من تشاء.....

حکایت:- هفتاد حکیم جمع شدند گفتند بیائید تا این دنیا را این سرای حسرت و وحشت را چیزی مانند کنیم بهفت چیز وی را مانند کردند اوّل بسراب که در بیابانها باشد مرد تشنه امید طمع در وی بندد پندارد که چیزیست چون بدو رسد هیچ نبیند همه امیدش باطل شود و رنجش ضائع شود همچنین خداوند دنیا هزار امید دارد یکی آنکه عمری دراز باشد تا مقصودها دریابد یکی آنکه با او وفا کند و دیگر با وی موافقت کند دیگر دشمنان وی شاد نکند این دنیا غدار ازینها هیچ نکند، دوم مانند کردند بآب شور که هیچ منفعت نکند و هر او را اسیر نکند همچنین از دنیا کسی سیر نشود و از وی منفعتی بر ندارد، سیوم بهرف مانند

کردند نیاید و منفعت نکند، چهارم بمیخ تابستان مانند کردند که مردم از گرما تافته باشد در زیر میغ گریزند همی چون برقی برگذرد آن تمنای ایشان باطل کند، همچنین خداوند دنیا از فقر و فاقه و رنجوری عزل و ذلّ و خواری دل دردی بندند بناگاه برگردد و ایشانرا نا امید گرداند، پنجم بسایهٔ آدمی مثل زدند که با او بهم می رود راست هر که خواهد که منفعتی برگیرد با پدید شود همچنین دینار دی می نماید راست هر که خواهد که منفعتی برگیرد پشت برگرداند و بگریزد، هفتم بخواب آشفته مانند کردند و این درست تر [از] همه قولهاست زیرا که آن درویش عرب بیمار در خواب می بیند که بر تخت نشسته است و شهر بپادشاهی ویست و فرمان می دهد و فلان خاتون در کنار ویست و غلامان کمر بسته پیش وی ایستاده و چندین خزینه بحکم اوست و چندین قلعه بفرمان ویست و دولتی یافت و آن رنجها باسری شد همی از خواب در آید ازین هیچ بیند آن محنت و مصیبت خویش بیند بشرم در افتد و تشویر و خجالت خورد گوید:-

دردا و دریغا که از ان خاست و نشست خاکیست مرا بر سر و بادیست بدست

در تربیتهٔ اولاد

چنانکه صلاح فرزندان بسبب مادر و پدر است و هلاک فرزندان بسبب مادر و پدر است، و قرآن کریم میگوید یا ایّها الذین آمنوا قوا انفسکم و اهلیکم نارا - ای کسانیکه بخدای و رسول ایمان آرید خویشتن و فرزندان را از آتش دوزخ نگاه دارید و رسول صلے اللہ علیہ وسلم گفت لعن اللہ والدا عقّ ولده گفت لعنت خدای بر آن پدری باد که فرزند را عاق کند، همچنانکه فرزند را در حق پدران وصیّت کرده است بتربیت پدر را در حق فرزندان وصیت کرده، عاق کردن پدر فرزند را چنان باشد که ویرا مهمل گذارد و آداب شرع و را نیاموزد تا بر پدر عاق شود و پندارد که آن عاقی طاعتست زیرا که ادب نیاموخته باشد و آن گناه

لہ کذا،

پدر است ، و اگر کسی خواہد کہ تربیت فرزند کند او را از ہفت آفت نگاہ باید داشت، اوّل صحبت منجّم و شاعر و حکیم کہ این قوم در امر شرع تہاون کنند آن وقت کہ مسلمانی ایشان درست باشد و تہاون کردن مودی بود بدست بداشتن و دست بداشتن سبب بود کہ بر دلہا ایشان گران بود و آن سبب بود کہ شکی در دل آید نعوذ باللہ منہ و صحبت این قوم آفتی عظیم است الّا ماشاء اللہ از ہزار یکی سلامت نیابد بسا خلق کہ ضال شدند ازین سبب ، دوم ہمنشین بد کہ ہیچ چیز در عالم از ہمنشین بد بتر نیست و پانصد سال است کہ این بیت گفتہ اند:-

عن المرء لاتسأل و ابصر قرینہ فانّ القرین بالمقارن یقتدی

زیرا کہ طبع از طبع بدزدد و بیاموزد و بر فساد دلیر شود و شیطان بیرون آید، سیوم مجالست زنان کہ مجالست زنان بر سبیل دوام کودکان را از طبع بگرداند و از ادب و حرمت و تہمات دین محروم شود و فرزندان بر نگ زنان برآیند . . . چہارم از خمر خوردن نگاہ دارد کہ سرچشمہ آفتہا و شرہا خمر است و فرزند را بکودکی نگاہ باید داشتن تا ببزرگی ادب یافتہ بود چون بکودکی دست باز دارد کی تواند یافتن چون لذّت خمر و بی نمازی بحلق کودک رسید فلاح ہر دو جہان از و بخاست، پنجم از خواندن کتب پارسی کہ نہ بشریعت تعلق دارد مانند ویس و رامین و حکمت جاماسپ و لہراسف و دقایق عذرا کہ خواندن این کتابہا فسق است و بعضی کفر است و مردم نشناسند و کمترین آفت آنست کہ مردم مشتاق شوند و در دل طلب آن پدید آید و از حق باز ماند و عمر در باطل بسر برد . . . ششم اگر صلاح فرزند خواہد در حال کودکی ایشان را از تنعّم نگاہ دارد جامۂ اطلس و کلاہ زرین و کوزۂ سیمین و انگشتری زرّین کہ جملہ مردان را حرامست کمترین آفت آن بود کہ بحرام خصت دادہ باشد و دران بزہ نزدیک بود و ایشان را بر معصیت دلیر کردہ باشد، چون این نعمتہا میسّر شود شیطان بیاید گوید بکار منشین غلامچہ باید زنی بلابہ باید فلان و فلان طبع در تقاضا آید فرزند بطلب برخیزد فساد پدید آید ہیچ تدارک نتوان کردن ، ہفتم کبوتر بازی و

برہم شدن کہ ایں قاعدہ شومست ازآن آفتہائے خیزد برزنان مسلمان مطلع شود و شرہا ازین تولد کند ۔ پس ہرکس کہ توفیق یابد و فرزندان را ازین نگاہ دارد موافق کسی بود، و علامت آن بود کہ خانۂ او ر بخواہد و اگر مہمل فروگذارد فساد در فساد پدید آید و انّ التوفیق عزیز ۔ اگر کسی گوید تربیتہ فرزند چون باید کردن تا ازین جملہ دور باشد گویم بد آنکہ دل کودک ہمچو مرغ نقش پذیراست اگر صلاح یابد بپذیرد و اگر فساد بیند نپذیرد و الخیر والصلاح بید اللہ و تربیت فرزندان را شرائط است اوّل آنست کہ شیر فرزند [را] کسی دہد کہ پارسا و مصلحہ و حلال خوار و نماز کن باشد زنی نصرانی یا زنی نابکار ندید کہ شیر دادن غذاء ویست و طبع بدان مائل شود، و رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مے گوید الرّضاع بغیر الطّباع ، این شرائط نگاہ باید داشت ، دوّم آنست کہ ظہیرۂ وی بکند و نام نیکو ہند عبد اللہ و احمد محمد و محمود و ابو بکر و عمرو مانند این و ناہا بد ننہد خبلہ و رشلہ و دلفا و کلب و ضبّہ و ذیب و گوسفند کہ این جفا باشد با فرزند، سوم آنست کہ ویرا پیش مقری بفرستد تا نخست قرآن بیاموزد کہ مبارک ترچیزی قرآنست و سبب آنست کہ نخست قرآن می باید خواندن تا دلش مشغول چیزی دیگر نشود و حلاوت قرآن باگوشت و پوست او برآمیزد چہارم آنست کہ او را عربیت و ادب بیاموزد و قدری از فقہ و احکام و نماز و طہارت و فرض عین کہ آں پنج رکن مسلمانی است تا در قیامت معذور باشد کہ در خبرست کہ فردای قیامت فرزندان دست در دامن پدران زنند و زنان در امن شوہران گویند بار خدایا مارا احکام شریعت نیاموختند تا ما دوزخی شدیم از سبب جہل زیرا کہ خلق بہشت بسبب علم می شوند و بدوزخ بجہل ، پنجم اگر کودک رسیدہ بود و بر خواندن و آموختن ویرا بنوازد و چیزے بدہد و وعدہ کند تا دلش خوش شود و آموختن کہ بسیارے بادشاہان بودند کہ فرزندان را بوعدہاء خوب

لہ غالباً اس جملے میں عبارت کا کچھ حصہ حذف ہوگیا ہے ؛

مصلح گردانیدند و عالم و مؤدب و مہذب شدند برائی و تدبیر ایشان زیرا کہ پیغامبری گوید علیہ السلام حبلت القلوب علی حب من احسن الیہا خدائے عزوجل دلہا را چنان آفریدہ است کہ ہر کسی کہ باوی احسان کند ویرا بدوستی گیرند، ششم اگر گناہی کند فرزند در کودکی ویرا بزند و دوبارہ تا نوگر نشود و یک بار و دو بار تغافل کند تا ازو ہیبت گیرد کہ از سہو و غفلت و نشاط و کودکی معصوم نیست خاصہ آتش جوانی کہ شعبہ ایست از دیوانگی . . . . . ہفتم آنست کہ درین اسباب توکل بر خدای تعالیٰ کند و اعتماد بر فضل او کہ صلاح اور دہد و بقضا و قدر او ست تا او نگاہ ندارد مادر او پدر ہیچ نتواند کردن و چون او نگاہ دارد ہیچ نتوان کردن ۔

محمد اقبال

کلام منوچہری

(گذشتہ سے پیوستہ)

منوچہری کے کلام کی نوعیّت

منوچہری نے اپنے قصائد میں وہی رَوش اختیار کی ہے۔ جو زمانۂ جاہلیّت کے عربی شعرا سے مخصوص تھی۔ اس کے قصائد پر عربی شعرا کا رنگ اس قدر چڑھا ہُوا ہے۔ کہ ایک مصنف کا خیال ہے کہ باوجودیکہ منوچہری میں تمام شاعرانہ اوصاف پائے جاتے ہیں۔ لیکن ہم اِسے ہم عصر شعرا میں ممتاز خیال نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کے کلام کا موضوع عموماً شراب، عشق و محبّت، موسم بہار، اور مدح و ثنا وغیرہ فرسُودہ اور مبتذل مضامین ہیں۔ جو عربی نظم میں بکثرت مستعمل ہیں اور وہ تکلّفات اور تصنّعات سے خالی نہیں ؛

مگر ہم اِس مصنف کے مذکورہ بالا خیال میں متفق الرائے نہیں ہیں۔ منوچہری جیسا کہ اِس کے کلام سے پایا جاتا ہے۔ فطرتاً شاعر تھا۔ جو کسی شاعر کے حسن کلام کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ وہ بچپن میں ہی مشکل سے مشکل طرح پر شعر کہہ سکتا اور ہر وزن و زمین[1] میں طبع آزمائی کر سکتا تھا۔ روایت میر تقی کاشی سے جسے صاحب مجمع الفصحاء نے بھی تسلیم کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ سلطان مسعودؒ کے دربار میں ملک الشعراء عنصری کے بعد متصل جگہ پایا کرتا تھا اور دیگر تمام شعراء اس پر رشک کرتے تھے۔ بلکہ صاحب مجمع الفصحاء کا تو یہ خیال ہے۔ کہ گو وہ عنصری کا تتبّع کرتا تھا۔ لیکن شعر گوئی میں اس سے بھی افضل[2] مانا جاتا تھا ؛

---

[1] مجمع الفصحاء جلد اوّل ص ۵۴۲ ؛ لباب الالباب جلد دوم ص ۵۳ ؛ ۱۲ منہ

[2] مجمع الفصحاء جلد اول ص ۵۴۶ ؛ ۱۲ منہ

[3] مجمع الفصحاء جلد اوّل ص ۵۴۲ ؛ ۱۲ منہ

میر تقی کاشی کی ایک غلطی

صاحب خلاصۃ الافکار لکھتے ہیں۔ کہ منوچہری عنصری اور عسجدی کا ہم عصر تھا۔ اور دربار میں عنصری کے سوا تمام دیگر شعرا مع فردوسی اور فرخی کے اس سے نچلے درجہ پر بیٹھا کرتے تھے۔ لیکن یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ فردوسی جو کہ منوچہری کے غزنی آنے سے پہلے ۱۰۲۵-۶ء میں مر چکا تھا۔ اس کا مصاحب کیونکر ہو سکتا تھا۔ فردوسی تو سلطان محمود سے بھی پہلے مر چکا تھا اور منوچہری محمود کے بعد مرا۔ اس لئے فردوسی اور منوچہری کا دربارِ محمود میں ایک دوسرے کا مصاحب ہونا ہرگز قابلِ تسلیم نہیں ۔

غزنوی دربار میں منوچہری

کچھ ہو لیکن ہمیں اس وقت صرف یہ دیکھنا ہے۔ کہ دربار غزنی میں منوچہری کا کیا پایہ تھا۔ تقریباً تمام تذکرہ نویس اس بارے میں ہم آہنگ ہیں۔ کہ سلطان مسعود کے دربار میں منوچہری کو ایک امتیازی رتبہ حاصل تھا۔ اس نے اپنا زیادہ تر کلام جو ہم تک پہنچا ہے مسعود ہی کے زمانۂ حکومت میں کہا۔ کیونکہ دیوان کے تقریباً تمام قصائد مسعود اور اس کے بعض درباریوں کی مدح میں ہیں۔ جس کی وجہ سے مسعود بھی اس پر بہت مہربان تھا اور اسے منصب ترخانی حاصل تھا۔ یعنی جس وقت چاہتا دربار میں بلا روک ٹوک آمد و رفت کر سکتا تھا۔ چنانچہ دولت شاہ کا خیال ہے۔ کہ اس کا تمام مکسوبہ مال و دولت اس کے مدحیہ کلام کا صلہ تھا۔ دربار میں اس کے جاہ و منصب پر اس کے ہم عصر شعراء اس پر حسد کیا کرتے چنانچہ وہ ایک حاسد کے متعلق کہتا ہے ؎

حاسداں بر من حسد کردند و من فردم چنیں — دادِ مظلوماں بدہ اے عزّ امیر المؤمنین
حاسدم بر من ہمی ہیشی کند وین زو خطاست — بفسرد چوں بشگفد گل پیشِ ماہ فرودیں
حاسدم خواہد کہ او چوں من ہمی گردد بفضل — ہر کہ بیماریٔ دق دارد کجا گردد سمیں
حاسدم گوید چرا بر من بیک گفتار من — کوژ گشتی چوں کمان و تیر گشتی چوں کمیں
حاسدم گوید ببردی دوستانم راز من — دوستانرا خود برابر بود از وے زخم چیں

حاسدم گوید چرا باشی تو در درگاہِ شاہ — اینت بغضے آشکارا اینت جہل راستین
حاسدم گوید کہ ما پیریم و تو بر ناتری۔ — نیست با پیراں بدانش مردم برنا قریں
حاسدم گوید چرا خواند کمتر شعرِ من۔ — زان تو خوانند ہر کس ہم بنات و ہم بنیں
حاسدم گوید چرا تو خدمتِ خسرو کنی — روبہا نزا کرد باید خدمت شیر عریں
حاسدم خواہد کہ شعرِ او بود تنہا و بس — باز نشناسد کسے بربط ز چنگ رامتیں
حاسدم گوید چرا در پیش گاہِ مہتراں — مازلیلیم و حقیر و تو امینی و مہیں
حاسدا ہرگز نہ بینی تا تو باشی روئے عقل — دوزخی ہرگز نہ بیند روئے و موئے حورعیں
حاسدا تو شاعری و نیز من ہم شاعرم — چوں ترا شعرِ ضعیف است و مرا شعر سمیں[1]
حاسدا تا من بآں درگاہِ سلطاں آمدم — برفتادت غلغل و برخاستت ویل و حنیں[2]

ایک اور قصیدہ میں وہ حاسد کو یوں خطاب کرتا ہے :-

بدگفتن اندر آنکس کو مادحِ تو باشد — باشد ز زشت نامی باشد ز بد عیاری
اے میر مصطفےٰ را گفتند کافراں بد — با آں ہمہ نبوّت با فرِّ کردگاری
چنداں دروغ و بہتاں گفتند آں جہوداں — بر عیسےٰ ابن مریم بر مریم و حواری
من کیستم کہ بر من نتواں دروغ گفتن — نہ قرصِ آفتابم نہ ماہ دہ چہاری
اے شاعرِ سبک دل با من چہ اوفتادت — پنداشتم کہ عقلت بیش است و ہوشیاری
با من ہمی خجی تو واگہ نۂ کہ خیرہ — دنبال ببر خائی چنگال شیر خاری
چوں روئے من ببینی با من کنی تلطّف — مہماں بری بخانہ نُقل و نبیذ آری
وانجا کہ من نباشم گوئی مثالبِ من — نیک است کت نیاید زین کار شرمساری
یا باش دشمنِ من یا دوست باش و یک — نہ دوستی نہ دشمن اینت سپید کاری

---

[1] ہمارے خیال میں اگر سمین کی جگہ ثمین (بتاءِ مثلثہ) ہو تو زیادہ موزوں ہے۔ ممکن ہے کہ کاتبوں نے تصحیف کردی ہو۔ ۱۲ منہ [2] حنین کی جگہ انین یعنی نالہ و گریہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے ۱۲ منہ

تزویر گر نیم من - تزویر گر تو باشی — زیرا کہ چوں منے را تزویر گر شماری
از بہر آنکہ شعرم شہ را بدل خوش آمد — بر خاست از تو غلغل بر خاست از تو زاری
چوں تو نیم کہ خدمتِ کہتر کنی و مہتر — از بہر دو وشانی وز بہر یک دواری
دانی کہ من مقیم بر درگہ شہنشہ — تا باز گشت سلطاں از لالہ زارِ ساری
خشم آیدت کہ خسرو بر من کند نکوئی — اے ویک آبِ دریا از من دریغ داری
اے کاشکے حسودم چوں تو ہزار بودے — اکنوں کہ دیدہ خسرو از من اُمیدواری
حاسد چو بیش باشد بہتر رود سعادت — چوں باد بیش باشد بہتر رود سماری
شاہا بر غم حاسد خواہم کہ من رہی را — چوں شاعران دیگر بر خدمتم گماری

ایک اور جگہ وہ اپنے حاسدوں کی یوں شکایت کرتا ہے :-

ایا خواجہ ہمداستانی بکن — کہ بر من تحمل کند ابتری
فراواں مرا حاسداں خاستند — ز ہر گوشۂ وز ہر کشوری
تو گر حافظ و پشت باشی مرا — بدرہ نیندیشم از ہر خری

منوچہری کے زمانہ میں فارسی نظم کی دو مخالف جماعتیں

منوچہری کے زمانہ میں فارسی نظم میں عموماً دو قسم کے خیالات کا تتبع کیا جاتا تھا۔ ایک جماعت وہ تھی جو شخصی احوال کے متعلق شعر کہا کرتی تھی۔ اور دوسری قومی اور سیاسی امور میں اپنی طبع آزمائی کرتی تھی۔ پہلی جماعت کا قافلہ سالار عنصری اور دوسری کا فردوسی تھا۔ سلطان محمود کے زمانہ تک فردوسی کے قدم بقدم چلنے والوں کا دور دورہ تھا۔ لیکن محمود کی وفات اور ناصر الدین قاچار کی تخت نشینی کے درمیان کے زمانہ میں فردوسی کے مداح تو بہت رہے۔ مگر کسی نے اس کی تقلید کا موقعہ نہ پایا۔ ایرانی لوگ شاہ نامہ پڑھتے تو تھے مگر وہ عزنی نظم کو بمقابلہ فارسی نظم کے چنداں مرغوب خیال نہ کرنے کے علاوہ فارسی نظم کے بھی اتنے دلدادہ نہ تھے۔ غالباً اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ عزنی ادبیات کا ذخیرہ صرف ایسے علماء تک محدود تھا

جنہیں اشعارِ عربیہ سے صرف اِتنا ہی تعلق تھا۔ کہ وہ کتاب وسنت کے لئے استشہاد کر سکیں اور وہ خود شعر سے زیادہ مانوس ہونا اہم خیال نہیں کرتے تھے ۔

فارسی نظم کے متعلق منوچہری کا مسلک

مذکورہ بالا حالات میں عنصری کے مقلدین کے لئے رستہ صاف تھا۔ کیونکہ مخالف جماعت کا نمائندہ صرف خود فردوسی تھا۔ منوچہری ضرورت وقتی کی بنا پر اپنے استاد عنصری کا جانشین تھا۔ اس لئے وہ جماعت عنصری کا سب سے بڑا علم بردار مانا جاتا تھا۔ وہ فارسی نظم میں عربی الفاظ اور ضرب الامثال کے استعمال کا بڑا حامی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی شخص جو عربی نظم اور عربی شعرا عربی رسم ورواج اور تاریخ عرب سے ناآشنا ہو۔ منوچہری کے کلام کی تعریف کرنا تو بجائے خود اسے اچھی طرح سمجھ بھی نہیں سکتا۔ غالباً اسی خیال پر مذکورہ بالا مصنف کی وہ رائے جو صدر مضمون میں ہم نے نقل کی ہے۔ مبنی ہے۔ جس میں وہ کہتا ہے۔ کہ ہم منوچہری کو اس کے اپنے زمانہ کا بڑا شاعر ماننے کو تیار نہیں ۔

منوچہری کے بہت سے قصیدے بلحاظ موضوع وزبان زمانۂ جاہلیت کے عربی قصیدہ کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ مثال کے طور پر ہم اس کے ایک قصیدہ سے چند اشعار انتخاب کرتے ہیں ؎

سَلَامٌ عَلٰی دَارِ اُمِّ الْکَوَاعِبْ — بتان سیہ چشم عنبر ذوائب

رَسُوْمُ الطَّلَلْ وَالدِّیَارُ الدَّوَارِسْ — چو بر صدر منشور توقیع صاحب

مقامِ غوانی گرفتہ نوائح — بساطِ عنادل سپردہ عنادب

سمن زارگشتہ دیار سلاحف — چمن زار گشتہ وجار ثعالب

چو سیرِ کہ اکنب بدینگونہ دیدم — براندم نجیب از مقام مصائب

شب تیرہ و باد غضبان فدفد — ہمی آمد آوازِ غول از جوانب

ہمہ راہ و بیراہ خار مغیلان — عقابان وادی لسان عقارب

فتاد آنگہے چشم من بر قوافل — عیوں غرقہ در خون والدمع ساکب

زدہ خیمہا دیدم اندر مجاری — درختاں چو در دیر مصباح ثاقب
ز خیمہ بروں آمدہ خوبرویاں — گرازاں چو طاؤس گرد مشارب
لب لعل ضاحک خم جعد کافر — رُخ خوب لامع سر زلف لاعب
معنبر ذوائب معقد عقائص — مسلسل غدائر سنجعل ترائب
خراماں بُت من میان جواری — چو حورِ بہشتی میان کواعب
ز ارواح صافی تر اندر لطائف — ز خورشید روشن تر اندر کواکب
نگندم رحال و زمام نخسیم — وَالْمِنْتُ بِالنَّحْرِ وَالنَّحْرُ وَاجِبْ
نگہ کردم اندر جہان لطائف — بجنت عمیدوں فریدوں مراتب

اس قصیدہ میں مضمون۔ سلسلۂ خیال اور زبان تمام امور میں شاعر کا میلان زیادہ تر عرفی کی طرف ہے۔ عرفی اس قدر نمایاں ہے۔ کہ خواہ مخواہ یہ خیال آتا ہے۔ کہ شاعر فکر مضمون تو عرفی میں لیکن اظہار خیال فارسی میں کر رہا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ غزنوی دورِ حکومت کا کوئی شاعر زمانۂ جاہلیت میں عرب کا باشندہ ہے۔ جن اصحاب نے ملک الشعراء امرؤ القیس کے مشہور قصیدہ ؎

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ — بِسِقْطِ اللِّوَى بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ

کا مطالعہ کیا ہوگا۔ انہیں بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ کہ شاعر نے اسی قصیدہ کے الفاظ و معانی کو فارسی تراکیب کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ اِس لئے اگر خالص ایرانی مذاق کے شعراء کو منوچہری کے ان اشعار سے زیادہ دلچسپی نہ ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ مگر با ایں ہمہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ فاضل شاعر نے اِس میں ایک گونہ جدّت پیدا کر کے شعر گوئی میں ایک انوکھی راہ نکال لی ہے۔ كُلٌّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ع

ہر کیے را بہر کارے ساختند

مندرجہ بالا قصیدہ کے علاوہ ایک دوسرا قصیدہ ہے۔ جس میں تشبیب۔ تخلیص۔ مدح۔

اور مقطع وغیرہ عربی قصیدہ کے تمام لوازم پائے جاتے ہیں۔ یہ قصیدہ بہتر شعر کا ہے۔ ہم کچھ اشعار نقل کرتے ہیں ؎

تشبیب

الا یا خیمگی خیمہ فرو ہل — کہ پیش آہنگ بیروں شد ز منزل
بتیرہ زن زدہ طبل نخستیں — شتربانان ہمی بندند محمل
نمازِ شام نزدیک است امشب — مہ و خورشید را بینم مقابل
ولیکن ماہ دارد قصدِ بالا — فروشد آفتاب از کوہِ بابل
چناں دو کفۂ سیمیں ترازو — کہ ایں کفہ شود زاں کفہ مائل

اس کے بعد شاعر اپنے محبوب کے کوچ کرنے کا ذکر کرتا ہے۔ اور اسے اس طرح خطاب کرتا ہے ؎

ندانستم من اے سیمیں صنوبر — کہ گردد روز چوں نیں زود زائل
من و تو غافلیم و ماہ و خورشید — بریں گردونِ گرداں نیست غافل
نگارینِ منا برگرد و مگری — کہ کارِ عاشقاں را نیست حاصل
زمانہ حاملِ ہجر است ولابد — نہ دیک روز بارِ خویش حامل
نگارِ من چو حالِ من چنیں دید — ببارید از مژہ باران وابل
تو گوئی پیلِ سودہ بکبت داشت — پراگند از کف اندر دیدہ پیپل
بیامد اوفتاں خیزاں بر من — چناں مرغے کہ باشد نیم بسمل
مرا گفت اے ستمگار ایجانم — بکام حاسدم گردی تو عادل
چہ دانم من کہ باز آئی تو یا نہ — بداں گاہے کہ باز آید تو غافل
دو ساعد را حمائل کرد با من — فرو آویخت از من چوں حمائل
ترا کامل ہمی دیدم بہر کار — ولیکن نیستی در عشق کامل

اس کے بعد شاعر اپنے محبوب کو تسلی دیتا ہے۔ جو آخر کار اس کو اکیلا چھوڑ کر چل دیتا ہے۔ وہ کارواں سرائے کی طرف نظر کرتا ہے۔ لیکن اسے کوئی انسان یا حیوان۔ پیادہ یا سوار دکھائی نہیں دیتا۔ صرف اس کا اپنا اونٹ ہے۔ جس کے ہاتھ پاؤں باندھے ہوئے ہیں۔ اور وہ گھبرایا ہوا ہے۔ چنانچہ اس پر زین کستا ہے۔ اور سوار ہو کر اسی راستہ پر جاتا ہے جدھر قافلہ والے گئے ہیں۔ وہ ایک لق و دق بیابان میں سے گذرتا ہے۔ جس میں انتہا درجہ کی سردی ہے۔ اور بہت سرد ہوا چلتی ہے۔ جو خون تک منجمد کر دیتی ہے۔ سنہری ریت پر روپہلی برف کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد صبح نمودار ہوتی ہے۔ اور سورج کی گرمی سے برف پگھلنا شروع ہوتی ہے۔ اس کے اونٹ کے پاؤں میں کیچڑ کسی لیسدار مادہ کی طرح چمٹ جاتا ہے۔ آخر وہ افتاں و خیزاں قافلہ کو جا پاتا ہے۔ جو میدان میں خیمے لگائے پڑا ہے۔ وہ دور ہی سے اونٹوں کی گھنٹی کی آواز سنتا ہے۔ جو اس کو بیل کے راگ سے زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے ؛

گریز اس کے بعد کہتا ہے ؎

نجیب خویش را گفتم سبک تر — الایا دستگیر مرد فاضل
بچرکت عنبریں باد اچراگاہ — بچم کت آہنیں باد اسافاصل
بیاباں در نورد و کوہ بگذار — منازلہا بکوب و راہ بگسل
فرود آور بدرگاہِ وزیرم — فرود آوردن اعشیٰ بباہل
بعالی درگہِ دستور کو راست — معالی از اعالی وز اسافل

. . . . . .

. . . . . .

مدتح

ہمی نازو بعہدش میر مسعود — چو پیغمبر بنوشروان عادل
درآید پیشِ او بدرہ چو قاروں — درآید پیشِ او سائل چو عائل
شود از پیشِ او سائل چو بدرہ — رود از پیشِ او بدرہ چو سائل

آخر میں ہم اس قصیدہ کے آخری سات شعر نقل کرتے ہیں - جن میں شاعر اپنے ممدوح کے جود و سخا کا ذکر کرتا ہے - اور اسے دعا دیتا ہے - جس کو اصطلاح شعراء میں حسن طلب کہتے ہیں یعنی شاعر ممدوح سے ایک لطیف پیرایہ میں حصول مطلب کے لئے التماس کرتا ہے۔ قصیدہ کے آخری تین اشعار میں حسن مقطع بھی پایا جاتا ہے - جس کا مطلب یہ ہے کہ قصیدہ کسی ایسی بات پر ختم ہو جو بہت دلکش اور مؤثر ہو تاکہ سامع اخیر میں اُکتا نہ جائے اور اگر نظم میں کوئی عیب یا غلطی واقع ہو گئی ہو تو آخر میں اس کی تلافی ہو جائے ؎

حسن طلب

خداوندا من اینجا آمدستم — بامید تو و امید مفضل
افاضل نزد تو نازند ہموار — کہ زی فاضل بود قصد افاضل
گرم مرزوق فرمائی بخدمت — ہماں گویم کہ اعشیٰ گفت و عبل
وگر از خدمتت محروم ماندم — بسوزم کلک و بشگافم انامل

مقطع

الا تا بانگ دُرّاج است و قمری — الا تا نام سیمرغ است و طغرل
تنت پاینده باد و چشم روشن — دلت پاکیزه باد و بخت مقبل
دہاد ایزد مرا در نظم شعرت — دل بشار و طبع ابن مقبل

اس قصیدہ میں شروع سے آخر تک عربی عنصر تقریباً ہر شعر میں پایا جاتا ہے۔ اور شاعر عربی رسوم و رواج کا ذکر کرنے کے علاوہ عربی شعراء کو بھی یاد کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافی حد تک ان کے حالات سے باخبر ہے ؛

قبلہ والد صاحب بزرگوار مدظلہ نے ایک نعتیہ قصیدہ منوچہری کے اسی قصیدہ کے جواب میں لکھا تھا۔ جس کی تشبیب کے چند اشعار ہم مضمون ختم کرنے کے بعد ہدیۂ ناظرین کریں گے ؛

منوچہری کے کلام پر عربی شاعری کا اثر

درحقیقت عربی شعراء ہی کو منوچہری کے اساتذۂ رہبر خیال کرنا چاہیئے۔ جن سے وہ لفظاً و معنیً استمداد کرتا ہے - اور جن کے نقش قدم پر چلنے کا گرویدہ ہے۔ چنانچہ وہ ایک اور جگہ کہتا ہے ؎

چوں من ترا مدحت کنم گویم کہ خود اعشیٰ منم
ازبسکہ اندر دامنم از چرخ بارد قافیہ

وہ وہی وزن شعری استعمال کرنا چاہتا ہے۔ جو عربی شعراء نے کیا ؎

براں وزن ایں شعر گفتم کہ گفت است ابوشیص اعرابیٔ باستانی

اور اسی قافیہ و ردیف کا شائق ہے ؎

بزیر و بم شعر اعشیٰ و قیس زنندہ ہمی زو بعنّابہا
وَکَأسٍ شَرِبْتُ عَلَی لَذَّۃٍ وَاُخْرٰی تَدَاوَیْتُ مِنْھَا بِھَا
لِکَیْ یَعْلَمَ النَّاسُ اَنِّیْ امْرُؤٌ اَخَذْتُ الْمَعِیْشَۃَ مِنْ بَابِھَا

ایک اور قصیدہ عربی شاعر ابوشیص کے اس قصیدہ کے قافیہ و ردیف میں ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے ؎

سَاَلْقَاکِ وَاللَّیْلُ مُلْقِی الْجِرَانِ غُرَابٌ یَنُوحُ عَلٰی غُصْنِ بَانِ

منوچہری کہتا ہے ؎

جہاناچہ بدمہر و بدخوجہانی چو آشفتہ بازار بازارگانی

وہ پھر عربی شعراء کو یاد کرتا ہے ؎

رسیدم بنزدیک تو شعر گویاں چو نزدیک ہاروں صریع الغوانی
بامید آں تا کنم خدمت تو رہا گردم از محنت ایں جہانی
شنیدم کہ اعشیٰ بشہر یمن شد سوی سودۃ بن علی الیمانی
برو خواند شعرے بالفاظ تازی بشیریں معانی و شیریں زبانی
یکے کارواں اشتر گشن داوش ہر اشتر بسان کہے از کلانی
شنیدم کہ سوئے خطیب ملک شد بمدحتگری بونواس بن ہانی
بیک ساعت اوگم دہانش بیاگند بیاقوت و بجادۂ بہرمانی

علی بن براہیم از شہر موصل — بیاید بغداد از شعر خوانی
بدادش ہمانگاہ رشید خلیفہ — بواصل دو سہ بدرہ از زر کانی
سوئے تاج عمرانیاں ہم بدنیاں — بیاید منوچہری دامغانی

وہ عربی شعراء کا ذکر صرف اس غرض سے کرتا ہے۔ کہ اپنے ممدوح کو یاد دلائے کہ انہیں اپنے ممدوحین کی مدح کا کیا صلہ ملتا رہا۔ شروع سے آخر قصیدہ تک عربی شعراء کے ناموں کی بھرمار ہے۔ تاکہ وہ اپنے ممدوح کو بھی ان ممدوحین کی سی فراخ حوصلگی کی طرف توجہ دلائے ؛

اسی طرح ایک اور قصیدہ (جس کے ایک دو شعر ہم اوپر نقل کر چکے ہیں) ابن المعتز کے ایک قصیدہ کے ردیف و قافیہ میں کہا گیا ہے۔ جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے ؎

وَ نَحْنُ بَنُو الْعِلْمِ اَوْلٰی بِهَا

منوچہری نے ضمیر ھا پر بہت عمدہ گرہ لگائی ہے ؎

چو از زلف شب باز شد تابہا — فرو مرد قندیل محرابہا
سپیدہ دم از بیم سرماء سخت — بپوشیدہ بر کوہ سنجابہا
بمیخوارگاں ساقی آواز داد — فگندہ بزلف اندرون تابہا
بہانگ بخستیں ازیں باب خوش — بجستیم ما ہمچو طبطابہا
منجم ببام آمد از نور مے — گرفت از تفاع سطرلابہا

وہ عربی شعر و شعراء کا اس قدر دلدادہ تھا۔ کہ وہ ان کی تقلید میں شعر کہنے سے کبھی سیر نہ ہوا ؎

از میان خانہ کعبہ فرو آویختند — شعر نیکو را بزرّیں سلسلہ پیش عزیٰ
امرؤ القیس و لبید و خطل و اعشیٰ و قیس — بر طللہا نوحہ کردندے و بر رسم تلیٰ
ما ہمہ بر نظم و شعر و قافیہ نوحہ کنیم — نہ بر اطلال و دیار و نہ وحوش و نہ ظبیٰ
بو نواس و بو حداد و بو ملیک ابن البشر — بو دوید و بو درید و ابن احمد یا فتیٰ
آنکہ گفت است اذ تنتا و آنکہ گفت الذا نتین — آنکہ گفت السّیف اصدق و آنکہ گفت ابلی الھوی

بوالعلاء و بوالعباس و بوسلیک و بوالمثل — وانکہ آمد از لوائح و آنکہ آمد از ہری
گر مدیح و آفرین شاعران بودے رفیع — شعر حسانؓ بن ثابت کے شنیدے مصطفیٰؐ
بر لب و دندان آں شاعر کہ نامش بالغہ — کے دعا کردے رسولؐ ہاشمی خیر الوریٰ
شاعری عباس کرد و حمزہ کرد و طلحہ کرد — جعفر و سعد و سعید و سیدِ اُم القریٰ
ورعطا دادون بشعر شاعران بودے فسوس — احمد مرسل نداد ے کعب را ہدیہ روی

منوچہری کے کلام میں عربی اثر

چونکہ منوچہری کا دیوان شروع سے آخر تک عربی نظم و شعراء اور عربی الفاظ و محاورات سے پُر ہے اور اس میں تاریخ عرب اور عربی رسوم و رواج کی طرف جابجا اشارے پائے جاتے ہیں۔ اس لئے بے محل نہ ہوگا۔ اگر ہم اِن تمام چیدہ چیدہ امور کی ایک مختصر فہرست اس جگہ دیں :-

پہلا نمبر قصیدہ کا اور دوسرا شعر کا ہے ؎

۳ - ۹ — بزیر و بم شعر اعشیٰ و قیس — زنند و ہمی زو لبنا بہا
۱۰ — وَکَأْسٍ شَرِبْتُ عَلَی لَذَّۃٍ — وَاُخْرٰی تَدَاوَیْتُ مِنْہَا بِہَا
۱۱ — لِکَیْ یَعْلَمَ النَّاسُ اَنِّیْ امْرُؤٌ — اَخَذْتُ الْمَعِیْشَۃَ مِنْ بَابِہَا
۱ — سَلَامٌ عَلٰی دَارِ اُمِّ الْکَوَاعِبْ — بتان سیہ چشم عنبر ذوائب
۵ - ۲ — رُسُوْمُ الطَّلَلِ وَالدِّیَارُ الدَّوَارِسْ — چو بر صدر منشور تو تیغ صاحب
۲۷ — فگندم رحال و زمام نجیم — وَاُلْہِمْتُ بِالْفَخْرِ وَالنَّحْرِ وَاجِبْ
۲۹ — شدم از صحاری من اندر عاری — فَقَدْ صِرْتُ حَقًّا سَعِیْدَ الْعَوَاقِبْ
۴۳ — بداں وقت کز آبہا گرد خیزد — وَضَاقَتْ مَیَادِیْنُ جَمْعَ الْکَتَائِبْ
۴۶ — تو چوں جبرئیل اندر آئی زبالا — کنی حملہ بر خصم مِنْ کُلِّ جَانِبْ
۷ ۱ — اَلْمِنَّۃُ لِلّٰہِ کہ ایں ماہ خزان است — ماہ شدن و آمدن راہ رزان است
۱۱ ۱۲ - کبک دری کوس وار کرد و قفا نبت یاد — باغ پُر از حجلہ شد راغ پُر از حلّہ شد

۲۹ - ۳ همی راندم عیب خویش چوں باد — همی گفتم کہ اَللّٰھُمَّ سَھِّلْ
۶۵ یکے شعرِ تو شاعر تر ز حسّاں — یکے لفظ تو کامل تر ز کامل
۶۸ گرم مرزوق فرمائی بخدمت — همی گویم کہ اعشیٰ گفت و دعبل
۷۲ دہاد ایزد مرا در نظمِ شعرت — دلِ بشّار و طبعِ ابن مقبل
۳۱ ۸۰ علی بن عبید اللہ صادق — رفیع الشان امیرِ صادق الظّن
۸۱ جمالِ ملکتِ ایران و توراں — مبارک سایۂ ذی الطّول و المن
۳۳ ۲۷ کُو جریر و کُو فرزدق کُو زہیر و کُو لبید — رُؤبہ و عجّاج و دیک الجن و سیف دودیان
۲۸ کُو خطیب و کُو امیّہ کُو خطیّہ کُو کمیت — اخطل و بشّارِ بردآں شاعرِ اہلِ یمن
۳۱ ابن ہانی ابن رُومی ابن معتز ابن فیض — دعبل و بوشیص و آں فاضل کہ بود اندر قرن
۳۳ واں دو امرؤ القیس و آں دو طرفہ دو نابغہ — واں دو حسّان و سہ اعشیٰ و آں حمّاد و زن
۳۶ تا بر آں آثارِ شعرِ خویشتن گریند باز — نہ بر آثارِ دیار و رسمِ اطلال و دمن
۳۵ ۳۶ من بسے دیوانِ شعرِ تازیاں دارم زبر — تو ندانی خواند اکاھُبَقِیْ بِصَفْحَیْکَ فَاصْبِحِیْن
۴۱ ۱ نوروز بر نگاشت بصحرا مشک و مے — تمثالہائے عزّہ و تصویر ہائے مَے
۱۸ با نظمِ ابن رومی و با نثرِ اصمعی — با شرحِ ابن جنّی و با نحوِ سیبوے
۱۹ با نکتۂ مغنّی و با دانشِ مطیع — با خاطرِ مبرّد و با اغراقِ لفظ وے
۲۰ با خطِّ ابن مقلہ و با حکمتِ ظہیر — با حفظِ ابن معتز و با صحبتِ ابے
۴۷ ۱۶ با دبرین صناعتِ مانی کند ہمی — مرغِ حزیں روایتِ معبد کند ہمی
۴۸ ۲۸ کثیر الثواب و قلیل العقاب — ثقیلُ الرّکاب و خفیفُ العنان
۴۵ رسیدم نزدیکِ تو شعر گویاں — چو نزدیکِ ہاروں صریعُ الغوانی
۴۷ شنیدم کہ اعشیٰ بشہر یمن شُد — سوی سودۃ بن علی الیمانی
۵۰ شنیدم کہ سوئے خطیبِ ملک شد — بدحتگری بو نواس بنِ ہانی

۵۲		علی بن ابراہیم از شہر موصل	بیامد بہ بغداد در شعر خوانی
۶۵		بداں وزن ایں شعر گفتم کہ گفتہ است	ابو شیص اعرابیٔ باستانی
۶۶		ساقبلُ واللیلُ ملقی الجرانِ	غرابٌ ینوحُ علی غُصنِ بانِ
۵۱	۳	ایا کریم زمانہ علیک عین اللہ	توئی کہ چشمہ خورشید انور ضوی
۵۵	۳	گل زرد و گل خیری و بید و باد شبگیری	ز فردوس آمد ند امروز سبحان الذی اسری
	۶	یکے چوں عاشق بیدل دوم چوں جد معشوقہ	سیم چوں مژۂ مجنوں چہارم چوں لب لیلےٰ
	۸	یکے مقصورۂ غائب دو دیگر ماجد اعقل	سہ دیگر مخلص اخطل چہارم مقطع اعشےٰ
	۹	زبان و اقحوان و ارغوان و ضمیرانِ اُو	جہاں گشتہ است از خوشی لسان لات و العزیٰ
	۱۱	نوائے قمری و طوطی کہ بارد سُست مے برسر	نشید بلبل و صلصل قفا نبک و من ذکریٰ
	۱۶	یکے ہمچوں جمیل آمد دوم مانند بی شیبہ	سہ دیگر چوں جریر آمد چہارم چوں اُم اوفیٰ
	۱۸	یکے چوں دیدۂ یعقوب و دیگر چوں رُخ یوسف	سہ دیگر چوں دلِ فرعوں چہارم چوں کف موسیٰ
	۲۴	یکے ماءِ معین آمد دگر عین الیقین آمد	سیم حبل المتین آمد چہارم عروۃ الوثقیٰ
	۲۶	یکے چوں چشمۂ زمزم دوم چوں زہرۂ ازہر	سیم چوں جنگ بوالحارث چہارم دست بوکیبیٰ
	۳۰	یکے تبخانہ آذر دوم بُت خانہ مشکو	سہ دیگر جنت العدن و چہارم جنت المأویٰ
	۳۲	یکے چوں بشر بوآدم دوم چوں عمر بو یحییٰ	سیم چوں عیسیٰ بن ہمداں چہارم مثل جرمیٰ
	۳۵	بزیر گل زند چنگے بزیر سرو بن نائے	بزیر یاسمیں عروہ بزیر نسترن سلمیٰ
	۳۸	یکے یعقوب بن اسحٰق و دیگر یوسف چاہی	سیم ایوب پیغمبر چہارم یونس متیٰ
۵۹	۳۱	ز زباں را بدو ابروے برافتادگرہ	گفت لاحول و لا قوۃ الا باللہ
۶۲	۳	بادہ فراز آورید چارۂ بیچارگاں	قوموا اشربوا الصبوح یا ایہا النائمین
۷۷	۱	نبیند پیش من آمد بشادی برکہ	بخندہ گفتم طوبیٰ لمن یریٰ عکہ

اسی بنا پر منوچہری اپنی وسیع عربی دانی پر بدیں الفاظ فخر کرتا ہے ؎

من بسے دیوانِ شعرِ تازیاں دارم زبر تو ندانی خواند الا ھٰذِیْ بِضَمْنِكَ فَاضْجَعِیْن

یہی وجہ ہے۔ کہ بعض مصنفین نے لکھا ہے۔ کہ منوچہری کا کلام بوجہ تلمیحات کے غزنوی دورِ حکومت کے تمام دیگر شعراء کے کلام کی نسبت زیادہ مشکل ہے۔ ہم اور انتخاب پیش کرتے مگر طوالت کے اندیشہ سے اسی پر اکتفا کرنا مناسب خیال کیا ؂

حاکمِ وقت کا طبعی حق

دربارِ غزنی کے تمام شعراء اپنے ممدوح کے مناقب بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا کرتے تھے۔ اور منوچہری ان کا لیڈر تھا۔ پروفیسر براؤن کا خیال ہے۔ کہ عنصری۔ فرخی۔ اسدی۔ منوچہری۔ اور دیگر شعراء غزنوی کے قصائد اتنے ہی بناوٹی اور دُور از قیاس تشبیہات سے پُر ہیں۔ جتنے دربارِ سلاجقہ یا بعد کے شعراء کے قصائد۔ تاہم متقدمین کے اشعار بالعموم سادہ قدرتی خیالات اور آمد سے متصف ہیں ؂

درحقیقت مشرقی شاعری میں عام طور پر ان قصائد کو بنظرِ استحسان دیکھا جاتا ہے۔ جن میں ممدوح کو ان اوصاف کا قدرتی حقدار مانا جائے۔ جن سے وہ اتفاقیہ طور پر متصف ہو۔ غالباً کسی ایرانی شاعر نے اس امر پر منوچہری سے بڑھ کر زور نہیں دیا۔ اس کے قصائد بڑے بڑے مبالغات اور خوشامدانہ مضامین سے پُر ہیں۔ جو غلو کی حد تک پہنچتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ وہ ممدوح کو یوں خطاب کرتا ہے ؎

ایں جہاں کرد برائے تو خداوندِ جہاں واں جہاں من بہ یقینم کہ برائے تو کند
ہمہ عدل است ہمہ حکمت و انصافِ تمام ہر چہ از فضل و کرم با تو خدائے تو کند
نتواند کہ جزائے تو کند خلق بخیر ملک العرش تواند کہ جزائے تو کند

ایک اور جگہ ممدوح کے بارہ میں کہتا ہے ؎

مسعود ملک آنکہ نبود ست و نباشد از مملکتش ابدالدھر جدائی
ایں مملکت خسروِ تائید سماوی است باطل نشود تا ھرگز تائید سمائی
ایزد ہمہ آفاق باو داد و بحق داد ناحق نبود آنچہ بود کارِ خدائی

ایک قصیدہ میں بدیں الفاظ مخاطب کرتا ہے ؎

اے میر جہاں ایزد بسپرد بتو گیہاں گیہاں بہ شمگارے دانم کہ نہ بسپاری
این ملکت مشرق راوین ملکت مغرب را آرے تو سزاواری آرے تو سزاواری

ایک جگہ تمام دنیا کو اس کے پاؤں کی خاک کے برابر بنا دیتا ہے ؎

اے ملک ایزد جہاں برائے تو کردست ماہمہ را از پئے ہوائے تو کردست
ہر چہ بکردے ملک سزائے تو کردست نیکو کارے کہ او بجائے تو کردست
عالم را خاکِ کفِ پائے تو کردست عزّ و جل ایزدِ مہینِ متعال

ایک اور جگہ کہتا ہے ؎

ایں ولایت شدن حکم خدا ایست ترا نبود چون و چرا کس را بحکم الٰہ

ایک قصیدہ میں اپنے ممدوح کی مدح کو قرآن مجید کے برابر درجہ دیا ہے ؎

گر پیمبر زندہ بودے بر لسانِ جبرئیل آمدے در شانِ جودش آیتا از عرشِ خدائے

وہ اپنے ممدوح کو کسی پیغمبر سے بھی برتر خیال کرتا ہے ؎

گر کسے گوید کہ در گیتی کسے برسانِ اوست گر ہماں پیغمبرے باشد بود یافہ درائے

اس کے خیال کے مطابق دونوں جہان میں اس کے ممدوح کا کوئی ہمسر نہیں ؎

بروئے پاک و رائے نیک و فعل خوب و کارِ خوش ؛ نظیر او ندانم کس چہ در دُنیا چہ در عقبےٰ

ممدوح کی تعریف میں مبالغہ کرنے کے علاوہ حسن طلب اور دعا کے مقام پر اس سے بھی بڑھ کر غلو سے کام لیا گیا ہے۔ اور ممدوح کی درازیٔ عمر اور برقراریٔ تخت و ملک کے لئے بالکل نئے نئے طریقوں سے دُعا کرتا ہے۔ چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں ؎

ہمی تا بر زند آواز بلبلہا بہ بُستانہا ہمی تا بر زند قالوس خنیا گر بمزمرہا
بہ پیروزی و بہروزی ہمی زی با دلافروزی بدولتہائے ملک انگیز و تخت آویز اختزہا

ایک اور جگہ کہا ہے ؎

ہمی تا کہ خورشید رخشاں بر آید کند جانور قصد سوئے مکاسب

مبادا ولایت ز تختِ تو خالی — مبادا سعادت ز بختِ تو غائب

یا مثلاً ؎ تا بزم و بر زیر نوائے گل نوش است — تا بر گل بر باز خروش و رشانست

عمر و تن او را نہ قیاس و نہ کراں باد — چوں فضل و تنش را نہ قیاس و نہ کرانست

باد ابر بہار اندر چند انکہ بہار است — باد ابہ خزاں اندر چند انکہ خزانست

یا مثلاً ؎ ملکا بر خور و کامرانی مے کن — ہرگز ایں مملکت و دولت یغما نرود

اور ؎ شادیانہ بزی اے میر کہ گردندہ فلک — ایں جہاں زریں گین خلفائے تو کند

ملک عرش چو بر خیزی ہر روز ثنائے — ہمہ بر عمر و تن و جان و بقائے تو کند

یا جیسے ؎ تا گل خیری بود چو روئے معصفر — تا تن سنبل بود چو زلفِ مجعّد

تا بچہ در رنگ در میانہ کہسار — تا بچد گور در میانہ قفدد

باش ہمیشہ ندیم بختِ مساعد — باش ہمیشہ قرینِ ملکِ مؤیّد

لبت بمے کف بجام و گوش بہ بربط — دلت قوی تن جوان و روئے موردّ

اور ؎

تا طرب و مطرب است مشرق با مغرب است — تا ایں و ثیرب است و آمل و استاربا د

بنشیں خورشید وار مے خور جمشید وار — فرخ و امید وار چوں پسرِ کیقباد

اور ؎ تا موحّد را دل اندر معرفت روشن شود — تا منجّم را دو چشم اندر فلک ناظر بود

طالع مسعود پیشِ بختِ تو طالع شود — طائرِ میموں فرازِ فرقِ تو طائر بود

یا مثلاً ؎ تا ہمی باد بہاری باغ را رنگیں کند — تا ہمی ابر بہاری راغ را بر نا کند

قدر تو پیشی کند کردارِ تو بیشی کند — بختِ تو خویشی کند گفتارِ تو والا کند

اور ؎ یا رب ہزار سال ملک را بقا دہی — در عزّ و در سلامت و در یمن و در یسار

الغرض مزید انتخاب باعثِ طوالت ہے۔ قریباً ہر ایک قصیدہ کا یہی حال ہے ۔

(باقی دارد)

جواب استفسارِ ادبی

اخبار حقیقت لکھنؤ مورخہ ۱۱ر جولائی ۳۷ء میں ادبی استفسار کے عنوان سے کسی صاحب نے افتخار الشعرا عالیجناب مولوی عبدالباری صاحب آسی کے شعرِ ذیل کی نسبت ؎

پائی ہے حیاتِ شمع ہم سوختہ جانوں نے ظاہر میں اقامت ہے باطن میں روانی ہے

جو لکھنؤ کے دریائی مشاعرہ میں پڑھا گیا تھا۔ سوال کیا ہے کہ شمع کا عین تقطیع سے خارج ہے۔ اسکے جواز کی کیا صورت ہوگی ؟

اس سوال کا جواب معلی القاب عالیجناب نواب مرزا جعفر حسین صاحب المعروف بہ نواب پیارے صاحب آف شیش محل لکھنؤ اور خود جناب آسی صاحب نے لکھا ہے جو اخبار حقیقت مؤرخہ ۲۷ر جولائی اور ۲۹ر جولائی میں چھپا ہے۔ عالیجناب نواب صاحب موصوف اس کے جواب میں یوں رقمطراز ہیں :۔

"یہ شعر جناب آسی کا بحر ہزج مثمن اخرب مسبغ میں ہے، اور وزن مصرعہ اُولیٰ کا مفعولُ مفاعیلان مفعولُ مفاعیلن ہے۔ صدر و ابتدا۔ اور رکن سوم و ہفتم میں خرب واقع ہُوا ہے۔ اور رکن دوم مصرعِ اولیٰ مسبغ ہے۔ باقی رہا عروض اور مصرعہ ثانیہ کا حشو اول و ضرب (عجز) یہ سب سالم ہیں"۔

اہل فن خرب و تسبیغ درمیانی کے مخالف ہیں۔ اس لئے یہ وزن اور یہ نام بحر ان کے مسلّمات کی بنا پر صحیح ہونا چاہیئے۔ گو میں ان کی اس رائے سے بہمہ وجوہ موافق نہیں۔ جس کا بیان آگے آئے گا۔ بجز مواقع خاص خرب و تسبیغ درمیانی کا میں بھی قائل نہیں ہوں۔ ان اساتذہ کے اس دعوی کے اثبات کے لئے بعض تشریحات و مصطلحات کے بیان کرنے کی ضرورت ہے ؎

بیان خرب

خرم میرے دُور کے رشتہ دار اور ہموطن جناب سید غلام حسنین صاحب قدر بلگرامی اعلی اللہ مقامہٗ

اپنی قابل قدر کتاب **قواعد العروض** کے صفحات ۴۵ - ۴۶ میں خرم کی نسبت یوں تحریر فرماتے ہیں:-

یہ زحاف خرم صدر و ابتدا میں واقع ہوتا ہے، علی الخصوص صدر میں۔ نصیر الملۃ والدین عالیجناب **محقق طوسی** علیہ الرحمۃ والغفران اپنی کتاب معیار الاشعار میں اس زحاف کو ان زحافات میں شامل کرتے ہیں۔ جو اوائل مصاریع سے خاص ہیں (مگر **اخفش** اس زحاف کا صرف ہر جگہ جائز جانتا ہے) جناب قدر محقق طوسی سے اس لئے موافق ہیں۔ کہ وہ حضرت **خلیل** علیہ الرحمۃ کے ہمزبان ہیں۔ جو موجد فن عروض ہیں ؛

تعریف خرم - اس کا شمار زحافات مفردہ میں ہے۔ جو وتد مجموع کہ کسی رکن کے اول میں واقع ہو اور وہ رکن صدر یا ابتداء میں بھی ہو اس وتد مجموع کے متحرک اول کے حذف کرنے کا نام خرم ہے۔ اگر یہ عمل رکن خماسی میں ہو تو **ثلم** اور سباعی میں ہو تو اسے **خرم** کہتے ہیں۔ رکن اعضب و اثرم و موفور کا ذکر اس محل پر طول لاطائل ہوگا ؛

خرب جناب قدر فرماتے ہیں۔ کہ یہ زحاف اجتماع خرم و کف سے بنتا ہے۔ جب صدر یا صدر و ابتداء دونوں میں کوئی ایسا رکن واقع ہو جس کے اول میں وتد مجموع اور بعدہ دو سبب خفیف ہوں (ایسا رکن صرف مفاعیلن ہے) تو مفاعیلن کے میم کو بوسیلۂ خرم اور حرف ہفتم نون کو بذریعہ کف حذف کرنے کا نام خرب ہے۔ اس عمل سے مفاعیلن سے فاعیلُ باقی رہتا ہے۔ اس کو مفعولُ سے بدل لیتے ہیں۔ اگر اس عمل والا رکن درمیان مصرع میں واقع ہو تو اس کی ترکیب خرم و کف سے نہیں مانتے بلکہ و کف کے درمیان **تحبیق** جانتے ہیں۔ یعنی دونوں مفاعیلن مفاعیلن حشوی سے دونوں نون بذریعہ عمل کف حذف کرتے ہیں تو مفاعیلُ مفاعیلُ رہ جاتا ہے۔ اب (ل - م - ف) تین متحرک متوالی ہو گئے۔ لہذا مفاعیلُ مفاعیلُ عمل تحبیق سے مفاعیلُم فاعیلُ ہو جاتا ہے۔ جو برابر وزن مانوس مفاعیلن مفعولُ کے ہے (قواعد العروض صفحہ ۵۲) ؛

ان تعریفات سے ظاہر ہے کہ خرب صدر و ابتدا سے خاص ہے۔ پھر اس شعر جناب آسی کے رکن سوم و ہفتم کو (یعنی مفعول کو) اخرب کیسے مانیں۔ جناب قدر اپنی کتاب قواعد العروض صفحہ ۱۱۵

بیان ضرب ششم بحر ہزج میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

جو لوگ وزن مفعولُ مفاعیلن۔ مفعولُ مفاعیلن میں حشو دوم کے مفعولُ کو بھی اخرب مانتے ہیں۔ وہ سخت مغالطہ میں ہیں۔ کیونکہ خرب دراصل خرم ہے اور خرم اوائل مصاریع سے خاص ہے کما قال النصیر فی المعیار" اما آنچہ باوائل مصاریع خاص بود اسقاط متحرک اول باشد از وتد مجموع کہ آنرا خرم خوانند"۔ (صفحہ ۱۲۶ قواعد العروض)

جو عروضی کہ خرب درمیانی کو بہ تتبع خلیل و محقق ناجائز مانتے ہیں وہ ہر ایسے رکن کو تباویل ذیل بنا لیتے ہیں۔ بطور مثال شعر شیخ شیراز علیہ الرحمۃ ؎

گل در چمن نباشد ہم رنگ روئے او ببل بگل مباہی۔ عاشق بوئے او

یہ شعر بحر مضارع مثمن کا ہے۔ وزن سالم اس بحر کا مفاعیلن فاع لاتن چار بار ہے۔ اور شعر مذکور شمس الدین فقیر کے نزدیک بحر مضارع اخرب مقصور میں بروزن مفعولُ فاع لاتن مفعولُ فاعلن ہے یعنی رکن اول و سوم اخرب۔ دوم سالم اور چہارم مقصور ہے۔ لیکن محققین اس وزن میں صدر و ابتدا اخرب اور ارکان اواسط یعنی حشووں کو مکفوف مجبوق یا مسکّن اور رکن چہارم کو مقصور مانتے ہیں۔ لہذا ان کے خیال کے موافق اصل وزن مفعولُ فاع لاتُ مفاعیلُ فاعلن تھا۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ جب تین متحرک متوالی مصرع کے ایک رکن میں یا دو رکنوں کے اتصال سے پیدا ہو جائیں تو متحرک وسطی کو از روئے تحبیق یا تسکین شاعر کو ساکن کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ اس محل پر ہر دو حشو کے درمیان تاے قرشت فاع لات اور میم اورف مفاعیلُ کے متحرک متوالی ہیں۔ لہذا زحاف تحبیق یا تسکین سے میم درمیانی کو ساکن کیا تو وزن فاع لاتم فاعیلُ ہو گیا جس کا وزن مانوس فاعلاتن مفعولُ ہوتا ہے۔ اس صورت میں وزن تو وہی ہو گیا۔ مگر ترکیب کے غیر ہونے کی وجہ سے خرب درمیانی کا محذور رفع ہو گیا ؛

دفع دخل یا حفظ ما تقدم

عروضیوں نے ہزارہا اوزان رباعی میں سے چوبیس اوزان خوش آئند کو منتخب کیا۔ اور خواجہ

حسن قطان خراسانی نے بارہ اوزان کو جو مفعولُ سے شروع ہوتے تھے۔ ان کو دائرہ اخرب میں۔ اور جو بارہ مفعولن سے شروع ہوتے تھے۔ ان کو اخرم میں داخل کر کے دائرۂ اخرب و دائرۂ اخرم نام رکھا۔ جناب قدر ان کے اس فعل کو سخت سہو اور مغالطہ پر محمول کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ حقیقتہً صدر دونوں دائروں کے اخرب ہیں کیونکہ دونوں دائروں کے صدر کے بعد کف کفوف یا مقبوض ضرور لاتے ہیں۔ اسلئے صدر کے ساتھ تحنیق ہو کر خرم کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ جب رکن کفوف کے ساتھ تحنیق ہوتی ہے تو رکن ثانی مفعول بن جاتا ہے۔ اس رکن مخنق کو لوگ اخرب مانتے ہیں۔ حالانکہ خرب درمیانی اصولاً خلاف ہے اور جب رکن مقبوض کے ساتھ تحنیق ہو تو اس کو شتر جانتے ہیں۔ مگر شتر بھی ترکیب خرم کی وجہ سے درمیان مصرع میں نہیں آسکتا۔ اسی خرب و شتر کے دھوکے میں لوگ صدر و ابتدا کو اخرم کہتے ہیں۔ چونکہ خرب و شتر درمیان مصرع میں نہیں آتے لہٰذا یوں ماننا چاہیئے۔ کہ رکن آغاز مصرع اور رکن مابعد میں تحنیق ہوئی ہے۔ اسی سبب سے جناب قدر مفعول والے دائرہ کو **شجرۂ اخرب غیر مخنق** سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور مفعولن والے دائرہ کا نام **شجرہ اخرب مخنق** رکھتے ہیں۔ بنا بریں مصرع جامی ؎

چوں گفتم با گل زجالت سخنے ۔ کا جو وزن مفعولن مفعولُ مفاعیلُ فعل ہے۔ جناب قدر کے نزدیک اس کا صدر اخرب ہے۔ اور حشو اول مکفوف مخنق۔ اور حشو دوم صرف مکفوف اور عروض مجبوب ہے ؛

اصل وزن رکن اول و دوم کا مفاعیلن مفاعیلن تھا۔ رکن اول میں زحاف خرب لانے سے مفاعیلن۔ مفعولُ ہو گیا۔ اور دوسرے رکن مفاعیلن میں کف کرنے سے مفاعیلُ بن گیا۔ اب مفعولُ مفاعیلُ کے درمیان دل۔ م۔ ف) تین متحرک متوالی پائے گئے۔ لہٰذا بیچ کے متحرک میم کو عمل تحنیق سے ساکن کیا تو مفعولُ مفاعیلُ ہو گیا۔ اس کو وزن مانوس مفعولن مفعولُ سے بدل لیا ؛

فرق تسکین و تحنیق

تسکین اپنا عمل ہر تین متحرک متوالی میں کرتا ہے۔ چاہے وہ تین متحرک متوالی ایک رکن میں

واقع ہوں۔ جیسے مُتَفاعلن سے مستفعلن۔ اور مفتعلن سے مفعولن بعمل تسکین ہوجاتے ہیں۔ یا وہ تین متحرک متوالی دورکنوں کے ملنے سے پیدا ہوں۔ مگر تخبیق ایسے دورکنوں میں عمل کرتا ہے کہ رکن اول کا حرف آخر متحرک ہو اور دوسرے رکن کے اول میں وتد مجموع ہو۔ جب اس طرح تین متحرک متوالی پائے جائیں تو وتد کے پہلے حرف کے ساکن کرنے کا نام تخبیق ہے۔ گویا ان دونو میں نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے ؛

بیان تسبیغ

قواعد العروض صفحہ ۱۲۶ بیان بحر ہزج میں دیوان حضرت عرفی علیہ الرحمتہ سے یہ شعر ؎

ہوشم بنگاہے بردجانانہ چنین باید　　یک جرعہ خرابم کرد پیمانہ چنین باید

نقل کرکے جناب قدر ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ لوگ اس بحر کا نام ہزج مثمن اخرب مسبّغ بلاقید نون غنہ رکھتے ہیں۔ بروزن مفعولُ مفاعیلان۔ مفعولُ مفاعیلن۔ مگر یہ نام صحیح نہیں۔ کیونکہ حشو میں زحاف تسبیغ خلافِ اصول ہے۔ چنانچہ خواجہ نصیر اپنی کتاب معیار الاشعار میں تحریر فرماتے ہیں

اما تغییر بزیادت کہ خاص بود بہ اواخر مصاریع وآن دونوع بود اول حرفے ساکن قبل حرف آخر در آخر مصاریع زیادہ کنند اگر در آخر رکن سببے خفیف بود و آنرا تسبیغ خوانند و آن رکن مزاحف را مسبغ نامند ؛

جب زحاف تسبیغ عروض وضرب سے خاص ہے تو رکن ثانی یعنی حشو میں تسبیغ کا ہونا خلافِ مسلّمات ٹھہرا۔ جناب قدر تسبیغ واذالہ وخرب درمیانی کے سخت مخالف ہیں۔ اس لئے ہر ایسے محل پر حتی الامکان ان کو تاویل کی زحمت اٹھانا پڑتی ہے چنانچہ شعر مذکور عرفی کا وزن بجائے مفعول مفاعیلان۔ مفعول مفاعیلن ؛ مفعولُ مفاعیلن مفاعیلُ مفاعیلن جناب قدر تجویز فرماتے ہیں اور بحر کا نام ہزج مثمن اخرب مکفوف بتاتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد کرتے ہیں" ۔ دیکھئے کہ تسبیغ و خرب درمیانی کا جھگڑا کیسا صاف ہوگیا "۔ کف درمیانی کو کوئی مانع نہیں۔ پہلی صورت میں بھی تو

خرب درمیانی ماننے سے کف درمیان میں آتا تھا۔ کیونکہ خرب خرم اور کف سے مرکب ہے۔ اس بیان کے بعد جناب آسی کے شعر کے پہلے مصرع کا وزن مفعولُ مفاعیلن مفاعیلُ مفاعیلن حسب تجویز جناب قدر قرار پاتا ہے ؛

عالیجناب پیارے نوالبصاحب آف شیش محل لکھنؤ جناب آسی کے شعر کے مصرع اول کا وزن جناب شمس الدین فقیر دہلوی کی رائے کے موافق مفعولُ مفاعیلان۔ مفعولُ مفاعیلن تجویز فرماتے ہیں۔ جس میں تسبیغ وخرب درمیانی کا جھگڑا آپڑتا ہے۔ اس وزن کے تجویز کرنے کے بعد جناب نواب صاحب ارشاد فرماتے ہیں :۔

اب صرف یہ ثابت کرنا باقی رہا کہ اس عین کا اضافہ اصولاً جائز ہے یا ناجائز اور حرف متحرک بھی موزون میں بجائے حرف ساکن وزن آسکتا ہے یا نہیں ؟

اس سوال سے ظاہر ہے۔ کہ نواب صاحب اُردو و فارسی میں بھی شمع کے عین کو متحرک تجویز فرماتے ہیں ؛

پھر تسبیغ وسبب خفیف وعروض وضرب وحشو کے تعریفات لکھنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔ اب ثابت ہوگیا کہ تسبیغ مصرعہ اولیٰ کے عروض میں یعنی رکن آخر مصرع میں جائز ہے یعنی مفاعیلن مفاعیلان ہوسکتا ہے۔ اور حشو میں بھی تسبیغ جائز ہے۔ یعنی سبب خفیف جو کسی رکن کے آخر میں ہو اس کے ساکن سے پہلے ایک الف ساکن کا اضافہ ہوسکتا ہے۔ چاہے حشو میں ہو یا عروض وضرب میں۔ اس کے بعد تسبیغ درمیانی کے شواہد جناب نواب صاحب نے کلام نظیری اور غالب سے پیش فرمائے ہیں۔ اور انہیں شواہد کو دلیل تسبیغ حشوی قرار دیا ہے۔ کوئی اصول یا قاعدہ تسبیغ درمیانی کا معرض تحریر میں نہیں لائے۔ حالانکہ اساتذہ کی تعریف تسبیغ۔ تسبیغ درمیانی کی مخالف ہے صاحب شعر جناب آسی نے بھی کلام بلبل شیراز سے اسناد لکھ کر کوئی قاعدہ نہیں بیان کیا ؛

جو لوگ کہ علم عروض وقوافی سے واقف ہیں۔ اور انہوں نے کلام اساتذہ کا مطالعہ کیا ہے وہ بجز مسطات چہارخانہ میں تسبیغ درمیانی سے انکار نہیں کرسکتے۔ مگر قاعدہ واصول عروضی کا اثبات

مدعا میں بیان کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ صرف اسناد و شواہد پیش کرنے سے معترض کو یہ کہنے کا حق باقی رہتا ہے کہ صاحب سند سے بھی سہو یا تسامح ہوا ہے۔ خصوصاً جبکہ تعریف تسبیغ۔ تسبیغ درمیانی کے خلاف ہے ؛

جناب نواب صاحب نے تسبیغ کی تعریف عام تر تحریر فرمائی جو مدققین عروضیوں کی تعریف سے کسی قدر مغایر ہے ؛

تعریف تسبیغ نوشتہ نواب صاحب ۔ جو سبب خفیف کہ کسی رکن کے آخر میں ہو۔ اس کے ساکن سے پہلے ایک الف زیادہ کرنا ؛

تعریف تسبیغ محققین ۔ جو سبب خفیف کہ عروض و ضرب میں رکن کی تمامی پر واقع ہو ۔ اس کے متحرک اور ساکن آخر کے درمیان ایک الف ساکن بڑھا دینے کا نام تسبیغ ہے ؛

یعنی یہ زحاف تسبیغ عروض و ضرب سے خاص ہے۔ بلکہ محقق طوسی عروض و ضرب میں بھی غیر از نون غنہ موزون میں ہو یا وزن میں نہیں مانتے۔ خصوصاً جب کہ بحر غایت درازی کو پہنچ جائے کیونکہ کوئی رکن عروضی سباعی سے زیادہ نہیں۔ اور کوئی بحر متقدمین کے نزدیک ثمن سے بڑھ کے نہیں۔ لہذا ایک مصرع زیادہ سے زیادہ اٹھائیس حرف کا ہو سکتا ہے۔ پس جو بحریں کہ آٹھ ارکان سباعی سے مرکب ہیں۔ اگر کوئی ایسی بحروں کے رکن آخر میں بھی تسبیغ غیر از غنہ لائے تو ان کے نزدیک ثقیل ہے، کیونکہ اصل پر اضافہ ہو جاتا ہے۔ مگر نون غنہ کے ساتھ عروض و ضرب میں تسبیغ کو جائز مانتے ہیں۔ اوّل تو اس میں ثقالت نہیں دوم الف و نون غنہ ان کے نزدیک بمنزلہ ایک حرف کے ہیں سولہ اور تیس رکن کی بیت اختراع متاخرین ہے۔ خلیل موجد عروض کے زمانہ میں بحر ہزج مسدس سے زیادہ نہ تھی۔ ثمن ہو جائے تو گویا اصل پر اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے بحر ہزج ثمن سالم کو وہ ناموزون کہتے ہیں۔ بنا بر قاعدہ مذکور فخر زمان کا شعر ذیل محقق کے نزدیک ثقیل ہے۔ اگرچہ تسبیغ عروض و ضرب میں اپنے محل پر ہے۔ مگر غیر از نون غنہ ہے ؎

بیا اے ماہ کہ در گلبن نوائے مرغ زار افتاد ہ زافغان دل بلبل صدا در مرغزار افتاد

یہ بحر اصلاً ہزج مثمن سالم ہے بروزن مفاعیلن آٹھ بار۔ چونکہ عروض وضرب میں تسبیغ کی وجہ سے مفاعیلن مفاعیلان ہو جاتا ہے۔ جو کلمہ ثمانیہ ہے اور دس ارکان میں سے کوئی کلمہ سباعی سے زیادہ نہیں۔ چونکہ بحر خود ہی غایت درازی کو پہنچی ہوئی تھی لہذا یہ اصل پر اضافہ تسبیغ کی وجہ سے ہوا۔ جو محقق کے نزدیک بدعت ہے۔ اگر افتاد کی جگہ ایسا کلمہ ہوتا جس کے آخر میں الف اور نون غنہ ہوتا جیسے افتاں تو عدم ثقالت یا الف ونون کو ایک حرف ماننے کی وجہ سے جناب محقق اپنے زمانہ میں بھی اسے جائز سمجھتے۔ مگر اس شعر میں تسبیغ غیر از نون غنہ ہے۔ اس لئے وہ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مگر شعراء خصوصاً متاخرین نے اس کی پابندی نہ کی اس لئے تسبیغ غیر از نون غنہ والے اشعار کلام شعرا میں بکثرت ملتے ہیں ؛

تقطیع کا عام قاعدہ یہ ہے۔ کہ حروف قابل حذف کے بعد وزن کے ارکان اس طرح مقابل موزون لاتے ہیں۔ کہ متحرک کے مقابل متحرک اور ساکن کے مقابل ساکن واقع ہو۔ لیکن شعر مابہ النزاع میں جناب نواب صاحب کو شمع کا عین متحرک معلوم ہوا جو مفاعیلان کے نون ساکن کے مقابل واقع ہوا ہے۔ لہذا نواب صاحب کو دقت پیش آئی۔ اور جناب آسی سے اس کی نسبت استفسار کرنا پڑا چنانچہ جناب آسی فرماتے ہیں :۔

اب دوسری گذارش یہ ہے۔ (اس بیان کو دوسری گذارش اس لئے فرماتے ہیں کہ ایک مسئلہ تسبیغ درمیانی کا تھا جس کے ثبوت میں صرف اشعار بلبل شیراز پیش کئے ہیں) کہ شمع بفتح اول وسکون ثانی وثالث فارسی والوں کے یہاں ہے۔ لہذا عین متحرک نہ مانا جائے گا۔ اس کے ساکن ہی ہونے سے تسبیغ کا زحاف پیدا ہوتا ہے۔ مگر چونکہ ادا کرنا دو ساکنوں کا ایسی حالت میں دشوار ہوتا ہے۔ لہذا عین کو متحرک پڑھتے ہیں۔ اور بعض اس کے بھی پابند نہیں۔ عین کو ظاہر ہی نہیں کرتے۔ بلکہ شم پڑھتے ہیں۔ مگر تسبیغ تقطیع میں رہتی ہے ؛

جب تقطیع کا دارومدار حروف ملفوظ پر ہے۔ اور وقت تقطیع متحرک کا مقابل متحرک اور ساکن کا مقابل ساکن ہونا وزن اور موزون میں لازم وواجب ہے۔ تو پھر شمع کو شم یا عین کو متحرک پڑھنا

بعضوں کا کیسے درست ہو سکتا ہے، اب میں جواب جناب آسی کی کسی قدر توضیح و تشریح کرنا چاہتا ہوں

الفاظ عربیہ جب کہ ان پر حروف جوازم نہ ہوں۔ یا وقف مقصود نہ ہو۔ یا ضرورت شعری لاحق نہ ہو تو وہ زبان عزنی میں ضرور متحرک الآخر از روئے وضع ہوتے ہیں۔ لیکن الفاظ فارسیہ موقوف الآخر ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے اہل ایران الفاظ عربیہ کو بھی اپنی زبان میں موقوف الآخر ہی مانتے ہیں۔ مگر معطوف۔ موصوف اور مضاف اضافت و عطف سے مل کر متحرک الآخر ہو جاتے ہیں۔ لہذا شمع و جمع و صبح وغیرہ کے ایسے الفاظ بھی فارسی اور اُردو میں مستعمل ہو کر موقوف الآخر ہی ہُوا کرتے ہیں۔ اسلئے شمع کا عین ساکن بھی اس مصرع میں مفاعیلان کے نون ساکن کے مقابل واقع ہُوا ہے ؛

کسی لفظ کے ساکن دوم کو جو آخر لفظ میں ہو وقت تقطیع اس وقت متحرک کر لیتے ہیں۔ جب یہ دونوں ساکن درمیان مصراع میں واقع ہوں اور تسبیغ مقصود نہ ہو۔ اگر آخر مصرع میں دو ساکن ہوں۔ تو ان دونوں کو ساکن ہی رہنے دیتے ہیں۔ مصرعہ مابہ النزاع میں اگرچہ عین شمع دوسرا ساکن درمیان مصرع میں معلوم ہوتا ہے، مگر تاویلاً وہ آخر مصرع میں ہے۔ جس کا بیان آگے ملاحظہ ہو :-

یہ صحیح ہے۔ کہ خرب و تسبیغ درمیان مصرع یعنی حشو میں نہیں آتے۔ خرب صدر و ابتدا کے لئے خاص ہے۔ اور تسبیغ عروض و ضرب کے لئے۔ ساتھ ہی قافیہ بھی تو آخر مصرع یا آخر بیت یعنی عروض و ضرب سے خاص ہے۔ اہل عرب میں ردیف نہیں ہوتی ہے، ایرانیوں نے ردیف ایجاد کی۔ اس لئے ان کو تعریف قافیہ میں "بمنزلہ آخر" کی قید بڑھانا پڑی۔ تاکہ ردیف کو شامل ہو جائے۔ لہذا قافیہ کو بھی درمیان مصرع میں نہ ہونا چاہیئے ؛

جب قافیہ کی تعریف میں قید آخر مصاریع کی مطالع کے لئے اور قید آخریت کی غیر مطالع کے لئے ہے تو چاہیئے۔ کہ قافیہ بھی حشو یعنی رکن دوم میں نہ لائیں۔ حالانکہ بکثرت اشعار قوانی درمیانی کے ہر شاعر کے کلام میں ملتے ہیں۔ جناب ناسخ مرحوم فرماتے ہیں ؎

یہ ساعدوں کا ہے اسکے عالم کہ جسنے دیکھا ہُوا وہ بیدم نیام تیغ قضا مبرم لقب ہے قاتل کی آستیں کا

قوافی عالم اور میرم حشو میں واقع ہوئے ہیں۔ حالانکہ بنا بر تعریف قافیہ یہ محل ان کا نہیں ؛

اساتذۂ ماہرین فن ایسے بحور مثمن کے (جو چار برابر کے حصوں پر تقسیم ہو سکتے ہوں۔ جن کا نام وہ بحور مسمطات چہار خانہ رکھتے ہیں۔) ایک شعر کے دو شعر مربع بنا لیتے ہیں۔ مربع کے پہلے مصرع میں صرف صدر و عروض اور ثانی میں صرف ابتداء و ضرب ہوتے ہیں۔ حشو کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ اس طرح جب دوسرا اور چھٹا رکن بجائے عروض۔ اور تیسرا اور ساتواں رکن مثمن بحر کا بجائے ابتدا ہو گیا تو پھر دوسرے اور چھٹے رکن میں تسبیغ کو اور تیسرے اور ساتویں رکن میں خرب کو کونسا امر مانع رہ گیا۔ بحور مسمطات چہار خانہ میں چار قافیے لانے یا نہ لانے کا شاعر کو اختیار ہے۔ چار قافیے نہ بھی ہوں تب بھی ایک شعر کو دو شعر مربع مان کر دوسرے اور چھٹے رکن میں تسبیغ لے آتے ہیں مگر غیر از بحور مسمطات چہار خانہ تسبیغ و اذالہ وخرب درمیانی تک سال باہر ہے ؛

اس سے زیادہ تشریح کی میں ضرورت نہیں سمجھتا۔ کیونکہ بحور مسمطات چہار خانہ میں چار قافیے لانا کثیر الوقوع ہے۔ ان چار قافیوں کی وجہ سے یہ بحریں زیادہ دلچسپ اور دلفریب ہو جاتی ہیں ؛

ممکن ہے کہ اس بیان سے یہ امر ثابت ہو گیا ہو کہ تسبیغ و خرب بحور مسمطات کے درمیان مصرع میں اساتذہ فن نے جائز کر لیا اور عمل پیرا بھی ہوئے۔ لہٰذا مصرع مابہ النزاع کی تقطیع جناب قدر کی تجویز کے موافق مفعول مفاعیلن مفاعیل مفاعیلن میں اس محل پر نہیں مانتا بلکہ میرے نزدیک بھی اس مصرع کا وزن مفعول مفاعیلان۔ مفعول مفاعیلن ہی ہے اور تسبیغ و خرب درمیانی بحر کے مسمط چہار خانہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ مگر ان کا درمیان مصرع میں ہونا بیان بالا کی بنا پر ہے۔ اور جائز مانا گیا ہے، ماننا یا نہ ماننا ماہرین فن عروض کی تحقیق پر مبنی ہے۔ میری سمجھ میں جو آیا لکھ مارا۔ میں اپنی رائے پر مُصر نہیں۔ اور میری تجویز کا غلط ہونا نہ عجیب ہے اور نہ بعید ؛

سیّد اولاد حسین شاداں بلگرامی
پروفیسر آف یونیورسٹی۔ اورنٹیل کالج لاہور

مولانا حالی کی کتبِ سوانح

اُردو جیسی نوعمر زبان سے یہ توقع رکھنا۔ کہ اس میں اعلیٰ درجہ کی بیاگرافیاں موجود ہوں گی۔ ایک بے بنیاد خواہش ہے۔ خود فارسی کی ہزار سالہ ادبیات میں ایسی کوئی مکمل بیاگرافی موجود نہیں۔ جو جدید اصول سیرت نگاری کے معیار پر پوری اُترے۔ مولانا شبلی حضرت عمرؓ کی سیرۃ کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ع

رہ بردمِ تیغ است قدم را

اور یہ خیال تمام بیاگرافیوں کے متعلق صادق آتا ہے ؛

عربی لٹریچر، اپنی عمر کے پہلے تین چار سو سال میں ایک زندہ لٹریچر تھا۔ اس کی بنیاد صداقت، سچائی اور حقیقت پر تھی۔ مصنف جو کچھ لکھتے تھے، اس میں سب سے پہلے یہ دیکھتے تھے۔ کہ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں۔ وہ کہاں تک حقیقت ہے، یہی وجہ ہے۔ کہ رجال کی زندگیوں کی تلاش میں جو عظیم الشان کام ان علمائے جرح و تعدیل نے انجام دیا ہے۔ وہ ہمیشہ حقیقت پسندوں کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے گا۔ ان کی نگاہوں نے مناقب کے ساتھ ساتھ مثالب اور مساوی کو بھی دیکھا۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث کے متعلق بے لاگ رائیں لکھیں اور قاضی، مُلّا، شیخ اور صوفی جو سامنے آیا۔ امتحان کے ترازو میں تولا گیا ؛

ان تمام مساعی کی غرض کیا تھی؟ صرف یہی کہ ان حضرات کی "حقیقی شخصیت" سامنے آئے۔ ان کی ظاہری عظمت، ان کی اندرونی "انسانیت" کو بے نقاب ہونے سے نہ بچا سکے۔ دنیا کی نظر ان کے عبا و قبا پر پڑتی تھی۔ لیکن ائمہ جرح و تعدیل ان بیرونی مظاہر سے گذر کر ان کو ان کے خلوت کدوں میں دیکھتے تھے ؛

جرح و تعدیل کی ان کوششوں کی غرض اگرچہ بیاگرافی کے اصول کی ترتیب نہ تھی اور اسکے

مرتب کرنے والوں کا مدعا بالکل جداگانہ تھا۔ تاہم "شخصیت حقیقی کی تلاش" ایک ایسا عنصر تھا جو ایک مکمل بیاگرافی کے لئے شرط اوّلین ہے۔ یقیناً ہمارے ان اکابر علماء نے اپنی اس تلاش وجستجو کے ذریعے 'سیرۃ نگاری' کے اس اصول اوّلین کی دریافت کرتے ہوئے اوّلیت کا فخر حاصل کیا ہے ؛

لیکن تاتاری فتنوں نے جہاں مسلمانوں کی سیاسی قوّت کو تباہ وبرباد کر دیا، وہاں افسوس کا مقام ہے، کہ علوم اسلامیہ بھی اس "سائینٹفک سپرٹ" سے خالی ہو گئے، جو عہد اوّل کا مخصوص وصف تھا۔ اس کے بعد اسلامی ملکوں میں جو انحطاط آیا۔ اس کے ساتھ علوم وادبیات میں بھی تصنّع، بناوٹ اور ظاہریت زیادہ ہو گئی۔ اور "حقیقت" تقریباً ناپید ہو گئی۔ ان حالات میں یہ بات چنداں تعجب کے قابل نہیں۔ کہ اس زرّیں زمانہ کے بعد نہ صرف اُردو میں بلکہ اس کے سرچشموں یعنی عربی اور فارسی میں بھی حقیقی اور مکمّل بیاگرافیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ ہمارا مطلب یہ نہیں کہ اس طویل عرصے میں سوانح اور سِیَر بالکل مرتب نہیں کی گئیں۔ نہیں۔ بلکہ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ 'بیاگرافیاں' مفقود ہو گئیں۔ جن کا مقصد کسی موضوع کی "حقیقی تصویر" کھینچنا ہو اور جن میں 'ذات' مع اپنے تمام خدوخال کے الفاظ کی صورت میں جلوہ گر ہو ؛

اس تلخ حقیقت کے اسباب بے شمار ہیں۔ لیکن سب سے اہم یہ ہیں۔ کہ حملۂ چنگیزی کے بعد 'ادبیات' میں تقلید اور تتبّع کا مرض پیدا ہو گیا، قوم اور ملّت سے روح آزادی یکسر چھن گئی۔ زندگی کے اندرون وبیرون میں ایک تفاوت پیدا ہو گیا۔ اور حقیقت، بناوٹ میں متشکل ہو گئی تقلید کے مرض نے "تنقید صالح" کو معدوم کر دیا، اور حق پرستی کی جگہ عقیدت نے لے لی۔ نتیجہ یہ کہ معاشرت، ادب اور شخصیت کی تنقید معیوب قرار دے دی گئی۔ اب اس حقیقت سے کسے انکار ہوگا۔ کہ جب "شخصیت" کی تصویر کشی میں سے "بشریت" کے رُخ وررخسار کو نکال دیا جائے۔ تو وہ شخصیت حقیقت کی ترجمان نہیں ہو سکتی ؛

یہی وجہ ہے۔ کہ "بیاگرافیوں" کا جو دفتر عظیم ہمارے پاس موجود ہے۔ ان میں تلاش کرنے

پر بھی کوئی زندہ اور حقیقی بیاگرافی نہ مل سکے گی، جو کچھ ہے، یا تو اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام کے مناقب و خوارق سے لبریز ہے۔ یا بادشاہوں، امیروں اور سپہ سالاروں کے رزم و پیکار کے واقعات ہیں۔ یا پھر شاعروں اور ادیبوں کی بے مصرف زندگی کے بے نتیجہ حالات ہیں۔ جن کے ساتھ ان کے اشعار بغیر تنقید کے درج کر دیئے گئے ہیں۔ اگر قارئین گستاخی نہ سمجھیں تو یہ عرض کروں، کہ اس "نگارخانہ بے معنی" میں ایک تصویر بھی ایسی نہیں۔ جس کی "شخصیت" زندہ ہو کر ہمیں اپنی طرف متوجہ کر سکے، اور جس کی ظاہریت کے اندر سے کوئی "انسانی نفسیات" جلوہ گر ہو سکے ؛

غرض یہ کہنا غلط نہیں۔ کہ تمام سرمایۂ زبان اُردو میں کوئی مکمل "Pure Biography" کی کتاب موجود نہیں۔ خود یورپ میں یہ شعبہ بہت پُرانا نہیں۔ تا بہ اُردو چہ رسد۔ سر سید احمد خاں نے مغربی ذوق کو ہندوستان میں رواج دینے کی جو کوششیں کیں۔ اس کی بدولت وہ تعصب اور مخالفت مغربی چیزوں کے متعلق نہ رہی۔ اور علاوہ دیگر اُمور کے علوم و ادبیات بھی ان سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ خود "بیاگرافی" کے متعلق بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ان کے لکھنے والوں نے مغربی اصول و مبانی پر اپنی کتابوں کی بنیاد رکھی ؛

اس کے باوجود یہ محسوس ہوتا ہے، کہ بیاگرافی کے متعلق مصنفین کو وہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی جو تاریخ کے متعلق ہوئی۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے۔ کہ ہمارے اکثر سوانح نگاروں کا مطالعہ ادبیات یورپ بہت کم تھا۔ نیز وہ ان اصول تنقید سے گہری واقفیت نہ رکھتے تھے۔ جن کی پیروی کا ان کو دعوے تھا۔ مزید برآں یہ کہ ان کی مشکلات ناقابل عبور تھیں۔ سب سے بڑی رکاوٹ جو اس سلسلے میں پیش آئی۔ وہ یہ تھی۔ کہ مصنفین جو مشرقی روایات سے متاثر تھے۔ اور دراصل اسی ماحول میں تربیت پاکر نکلے تھے۔ جلد جلد اپنے گرد و پیش کے اثرات کو ترک نہ کر سکتے تھے اور انہیں اپنے مخاطب لوگوں میں کتابوں کو مقبول بنانے کے لئے مشرق و مغرب کا امتزاج کرنا ضروری تھا۔ جس طرح تمدن و معاشرت کے اکثر مسائل میں ہندوستانی عموماً اور مسلمان خصوصاً

ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے۔ کہ آیا ہمیں خالص مغربی طرز و روش اختیار کر لینی چاہیئے۔ یا مشرق و مغرب کا امتزاج کرنا ضروری ہے۔ بعینہٖ اسی طرح ادبیات میں ابھی تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا۔ کہ ہمیں اپنے علوم و فنون کو خالص جدید تنقید کے ترازو پر تولنا چاہیئے یا نہیں۔ یہ حالت آج بھی موجود ہے۔ چہ جائیکہ اس وقت جبکہ ابھی ملک میں جدید اثرات کے نفوذ کی عمر بہت کم تھی۔ اور جب کہ مغربی اثرات کو قبول کرنے کے لئے ملک بہت زیادہ آمادہ نہ تھا ؛

جو کچھ مندرجہ بالا سطور میں لکھا گیا ہے۔ اس کو صاف کرنے کے لئے صرف ایک ہی مثال کافی ہے۔ جدید تنقید کی ایک بڑی شرط یہ ہے۔ کہ سوانح نگار اپنے موضوع یا ہیرو کے کیریکٹر پر لکھتے وقت جہاں اس کے محاسن کی تصویر بنائے۔ وہاں بتقاضائے بشریت اگر اس میں کچھ عیوب اور کمزوریاں بھی ہوں۔ تو ان کو بھی بلا رُو و رعائت ظاہر کرے۔ تاکہ موضوع کی پوری شخصیت ہمارے سامنے آجائے ؛

اسی ایک اصول کے متعلق ہمارے ایک عالی ترین مصنف کی رائے مشرقیت اور مغربیت کے درمیان ہچکولے کھاتی نظر آتی ہے۔ حالانکہ ہمارا مصنف "تنقید" کا امام اور جرح و تعدیل کا "رہنما" قرار دیا جاتا ہے۔ مولانا حالی نے جب سرسید کی لائف حیاتِ جاوید لکھی۔ تو مولانا شبلی نے اپنے ایک مکتوب میں اس کے متعلق یہ رائے ظاہر فرمائی۔ "حیات جاوید میں مولانا (حالی) نے سید صاحب کی یک رُخی تصویر دکھائی ہے۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ کہ کسی کے معائب دکھانے تنگ خیالی اور بد طینتی ہے۔ لیکن یہ اگر صحیح ہو۔ تو موجودہ یوروپ کا مذاق اور علمی ترقیاں سب برباد ہو جائیں۔ پھر ایشیائی شاعری میں کیا برائی ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ محض دعوے کرتے تھے۔ واقعات کی شہادت پیش نہیں کرتے تھے۔ بہرحال حیات جاوید کو مدلل مداحی سمجھتا ہوں" ؛

مولانا شبلی نے یہاں جو رائے ظاہر فرمائی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہیرو کے "معائب دکھانا" "تنگ خیالی" اور "بد طینتی" نہیں۔ بلکہ یہ یوروپ کے "مذاق اور علمی ترقیوں" کی

اصل اور بنیاد ہے۔ نیز یہ کہ جہاں یہ وصف موجود نہ ہو۔ وہاں ہیرو کی "تصویر یک رُخی" ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ مولانا اس معاملے میں یورپ کے اصول کی پیروی پر زور دیتے نظر آتے ہیں۔ اور جہاں تک ہمارا خیال ہے۔ مولانا نے اس اصول کی پیروی کی اکثر جگہوں میں کوشش بھی کی ہے ؛

لیکن یہی مولانا شبلی مناقب عمر بن عبدالعزیز کے ریویو میں اس طریقۂ سوانح نگاری کو "فریب دہ"۔ "زیادہ قابل اعتراض"۔ "بلکہ خطرناک" خیال کرتے ہیں۔ آپ کا خیال ہے۔ کہ "قدیم طریقہ صرف سکوت کا مجرم تھا۔ لیکن موجودہ طریقہ درحقیقت خیانت اور خداعی ہے جو واقعہ نگاری سے بالکل دُور ہے" ؛

اسی ایک مثال سے واضح ہو جائے گا۔ کہ ہمارے مصنفین، مغربی اصول تنقید پر عمل پیرا ہونے میں کس درجہ مذبذب تھے۔ وہ ایک طرف اس کو "یورپ کے مذاق اور علمی ترقیوں" کی بنیاد قرار دیتے تھے۔ لیکن دوسری طرف اپنے ماحول کی رعایت سے اس کو "قابل اعتراض" بلکہ "خطرناک" بھی سمجھتے تھے ؛

یہ "زبان اُردو" کے عظیم الشان مصنف شبلی کا حال ہے۔ جس کی تصنیفات دوسرے الفاظ میں "کل" سرمایہ ادبیات اُردو" ہیں ؛

اُردو میں "معاصرین کی لائف" کی کتابیں خصوصاً زمانہ زیر تبصرہ میں بہت کم ہیں۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ مصنفین میں وہ اخلاقی جرأت موجود نہ تھی۔ جو معاصرین کے محاسن و معائب بیان کرنے کے متعلق ہونی چاہیئے ؛

ہاں اتنے عظیم الشان کام کی مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کی عزت صرف حالی کے حصے میں آئی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ہم اُردو میں "فن سوانح نگاری کی" امامت" کا مستحق بھی انہیں کو سمجھتے ہیں ؛

عام طور پر "تاریخ ادب" کے مصنفین نے اُردو میں بیاگرافی لکھنے والوں کی تعداد دو حضرات

تک ہی محدود رکھی ہے۔ یعنی مولانا حالی۔ اور مولانا شبلی۔ لیکن ایک حیثیت سے ہم اس تعداد کو بڑھا کر چار تک لے جا سکتے ہیں۔ یعنی ان کے ساتھ شرر اور مولوی چراغ علی کے نام بھی شامل کئے جا سکتے ہیں اگرچہ صحیح معنوں میں مولانا حالی ہی ایک ایسے بزرگ ہیں۔ جنہوں نے اپنا اکثر وقت اور اپنی اکثر توجہ سوانح نگاری کی طرف مبذول کی ؛

ہم یہاں ان کتابوں کی ایک فہرست پیش کرتے ہیں۔ جو عام طور پر "سوانح" کے تحت میں شمار کی جاتی ہیں ؛

مولانا حالی (۱) حیاتِ جاوید

(۲) یادگار غالب

(۳) حیاتِ سعدی

مولانا شبلی (۴) مولانا روم

(۵) بیان خسرو

(۶) شعر العجم

(۷) سیرۃ النبی

(۸) الفاروق

(۹) المامون

(۱۰) الغزالی

(۱۱) سیرۃ النعمان

مولوی چراغ علی (۱۲) بی بی ہاجرہ

(۱۳) ماریہ قبطیہ

لہ چونکہ اس مضمون کا تعلق "فقائے سرسید اور ان کی کتابوں" سے ہے۔ اس لئے اُردو کے بعض اور سیرۃ نگار مثلاً مولانا عبدالرزاق مصنف نظام الملک اور البرامکہ وغیرہ کو اس فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ؛

شرر (۱۴) سوانح بزرگان دین (جو مضامین شرر میں ہیں)

ان کتابوں میں سے حیات جاوید ایک خالص بیاگرافی ہے۔ یادگار غالب۔ حیات سعدی بابا ن خسرو۔ شعر العجم اور مولانا روم میں سوانح کے ساتھ ساتھ "ادبی تنقید" بھی ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے۔ کہ ان پر ادبی تنقید کے سلسلے میں تبصرہ ہونا چاہیئے۔ اگرچہ "سوانح مولانا روم" کو خود مولانا شبلی نے سلسلۂ کلامیہ میں شمار کرتے ہوئے اسے فلسفہ اور علم کلام کی کتاب قرار دیا ہے ؛

اسی طرح الغزالی سلسلۂ کلامیہ کی ایک کڑی ہے۔ اور سیرۃ النعمان سوانح عمری کے رنگ میں "فقہ اسلامی کی تاریخ" ہے ؛

سیرۃ النبی ، الفاروق ، اور المامون تاریخ کی کتابیں ہیں۔ کیونکہ ان کا اسلوب از سر تا پا تاریخی ہے۔ اور خود ان کے مصنف نے ان کو "تاریخ" قرار دیا ہے ؛

پس ان حالات میں ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ کہ ہم یادگار غالب۔ حیات سعدی وغیرہ کا ذکر سوانح میں کرنے کے بعد ان کو "ادبی تنقید" کے تحت میں بھی لائیں۔ الفاروق۔ سیرۃ النبی اور المامون کو خالص تاریخ کی کتاب سمجھیں۔ اور ان کے لئے وہی اصول تنقید تجویز کریں۔ جو کتب تاریخ کے لئے ضروری ہے۔ باقی رہی الغزالی اور سیرۃ النعمان، سوان پر سیرت اور فقہ و کلام ہر دو حیثیتوں سے نظر ڈالی جائے ؛

ہم اس سے پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ کہ اردو میں خالص جدید طرز کی کوئی مکمل اور جامع بیاگرافی موجود نہیں۔ حیات جاوید یقیناً ایک "مکمل بیاگرافی" کا اسلوب اپنے اندر لئے ہوئے ہے لیکن یہ بھی ایک ناکام کوشش ہے، مولانا شبلی کی کتابیں "مقدس نامور ان اسلام" کی سوانح پر مشتمل ہیں۔ لیکن ان کا رنگ "تاریخی" ہے۔ اور وہ "لائف اینڈ ٹائمز" کے طریقے پر لکھی گئی ہیں۔ اور پھر مذہبی پہلو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ جو اگرچہ اپنی جگہ بے حد مقدس اور متبرک کام ہے لیکن چونکہ ہمارے جذبات عقیدت ان بزرگوں کے متعلق تنقید کی اجازت نہیں دیتے۔ اور نہ ہم ان بزرگوں کی زندگی کو ایسی سطح پر سمجھتے ہیں۔ جہاں سے زید و بکر کا قلم تنقید ان کی ارفع و اعلیٰ زندگی پر اٹھ سکے۔ اس لئے

مولانا شبلی کا کام اگرچہ نازک ہے لیکن کئی ذمہ داریوں سے آزاد بھی ہے۔

تاہم ہمیں یہ دیکھنا ہے۔ کہ ہمارے مصنفین فرداً فرداً اپنے کام میں کس حد تک کامیاب ہوئے۔ جو فرائض ان پر بطور سوانح نگار عائد ہوتے تھے۔ ان کی ذمہ داریوں سے کہاں تک عہدہ برآ ہوئے۔ اور اس فن کے اصول و قواعد میں سے کن کن قاعدوں پر عمل پیرا ہوئے۔ یا کن کن شرائط کو ملحوظ نہ رکھ سکے۔ اور کیوں؟ ہم سب سے پہلے مولانا حالی کو لیتے ہیں۔

الطاف حسین حالی انصاری ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں متولد ہوئے۔ یہ امر معنی خیز ہے۔ کہ اس ہنگامہ خیز مقام کی خاک سے ایک ایسی متین اور خاموش شخصیت کا ظہور ہوا جس کی خاموشیاں اپنے اندر ایک انقلاب پنہاں رکھتی تھیں، اگرچہ ہم علمائے یورپ کی طرح ماحول کے اثرات کی ہمہ گیری کے مبالغہ کی حد تک قائل نہیں ہیں۔ تاہم یہ بات کسی حد تک بدیہی ہے۔ کہ کئی بار ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے مقام پانی پت سے اگر کوئی زندہ دل اٹھے گا۔ تو اس کی بصیرت اور نفسیات میں اس سرزمین کی انقلاب پرور تاریخ کے اسباق کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہوگا۔

حالی کی زندگی کے واقعات کو بہ تفصیل بیان کرنا ہمارے مقصد سے باہر ہے۔ مختصراً یہ کہ حالی کی تعلیم خالص مشرقی طریق پر ہوئی۔ اور انہوں نے چند مروجہ درسی کتابیں قدیم طرز کے اساتذہ سے پڑھیں۔

اس زمانے میں دہلی کالج پوری آب و تاب کے ساتھ چل رہا تھا۔ جو اس دور میں مغربی اور مشرقی تعلیم کے امتزاج کے اصول پر عامل تھا۔ حالی جب پہلی دفعہ دہلی گئے۔ تو انہوں نے وہاں بھی وہی قدیم درس اپنے سامنے رکھا۔ انہیں جدید طرز اور جدید خیالات سے اس درجہ بُعد تھا۔ کہ اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں اقرار کرتے ہیں۔ کہ "میں نے اس زمانے میں دہلی کالج کو آنکھ سے دیکھا تک نہیں"۔ کسے معلوم تھا۔ کہ جدید طرز کا اتنا مخالف کسی نہ کسی دن اُردو شاعری میں خود بھی ایک جدید روشن کا علم بردار ہوگا۔ اور عقائد میں معقول پسندی کا نقیب بن کر شہر بشہر پھرے گا اکر شمۂ قدرت اسی چیز کا نام ہے!

۱۸۵۷ء میں جو قیامت صغریٰ برپا ہوئی۔ اس میں مولانا حالی دہلی میں ہی قیام پذیر تھے۔ اس عہد میں غالب، ذوق اور شیفتہ بزم شعر و سخن کے لئے باعث زینت تھے، مولانا حالی ان کی صحبتوں سے فیض یاب ہوئے۔ لیکن وہ سب سے زیادہ شیفتہ کے رنگ میں رنگے گئے۔ سلاست اور سادگی جو مولانا کی نظم و نثر کی جان ہے، نواب شیفتہ ہی کے اثر سے ہے۔ حالی خود لکھتے ہیں کہ غالب عام طور پر لوگوں کو فکر شعر سے روکا کرتے تھے، لیکن ایک آدھ دفعہ میری غزل سن کر انہوں نے مجھے مشق سخن کو جاری رکھنے کا مشورہ دیا۔ حالی نے یادگار غالب لکھ کر مرزا کی اس استادانہ تربیت کو وہ خراج تحسین ادا کیا ہے۔ جو ہر استاد اور رہنما کے لئے باعث فخر ہے۔

مولانا حالی کے اسلوب نظم و نثر میں واقعیت، سلاست، اور حقیقت کا عنصر کسی حد تک "عربیت" اور عرب شاعروں کے مطالعہ مرہون منت بھی ہے۔ جن سے گہرا شغف اور جن کے کلام سے والہانہ دلچسپی مولانا کے لئے ان کی ابتدائی زندگی میں جاذب توجہ رہی ہے، مولانا کی اکثر تصانیف میں ہمیں عربی اشعار، عربی ضرب الامثال، اور عربی جملوں کا استعمال بلا تکلف نظر آتا ہے نمونہ کے طور پر حیات جاوید ملاحظہ ہو:

حالی کی زندگی میں وہ سال ایک انقلاب انگیز سال تھا۔ جبکہ وہ نواب مصطفےٰ خاں کے ہمراہ پہلی دفعہ سرسید احمد خاں سے ملاقی ہوئے اور دو چار ہوتے ہی مفتوح ہو گئے۔ سرسید بجا طور پر اس فخر کے مستحق ہیں۔ کہ جو ان کے دائرۂ اثر میں آیا۔ ان کے ہی رنگ میں ڈوب کر نکلا۔ اس کی کیفیت خود حالی ہی کی زبان سے سنیئے:۔

"چند روز اسی تردد میں یہ حال رہا۔ کہ ایک قدم آگے پڑتا تھا۔ دوسرا پیچھے ہٹتا تھا۔ ناگاہ دیکھا۔ کہ ایک خدا کا بندہ جو اس میدان کا مرد ہے۔ ایک دشوار گزار رستے میں راہ نورد ہے، بہت سے لوگ جو اس کے ساتھ چلے تھے۔ تھک کر پیچھے رہ گئے ہیں بہت سے ابھی اس کے ساتھ افتان و خیزان چلے جاتے ہیں۔ مگر ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی ہیں۔ پیروں میں چھالے پڑے ہیں۔ دم چڑھ رہا ہے۔ چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی

ہیں۔ لیکن وہ اولوالعزم آدمی جوان سب کا رہنما ہے، اسی طرح تازہ دم ہے۔ نہ اُسے رستے کی تکان ہے، نہ ساتھیوں کے چھوٹ جانے کی پرواہ ہے، نہ منزل کی دُوری سے کچھ ہراس ہے، اس کی چتونوں میں غضب کا جادو بھرا ہے، کہ جس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے۔ وہ آنکھیں بند کر کے اس کے ساتھ ہو لیتا ہے۔ اس کی ایک نگاہ ادھر بھی پڑی۔ اور اپنا کام کر گئی۔ بیس برس کے تھکے ہارے خستہ و کوفتہ اسی دشوار گزار رستے پر پڑ لئے۔ نہ یہ خبر ہے۔ کہ کہاں جاتے ہیں نہ یہ معلوم ہے۔ کہ کیوں جاتے ہیں۔ نہ طلبِ صادق ہے، نہ قدمِ راسخ ہے۔ نہ عزم ہے، نہ استقلال ہے، نہ صدق ہے نہ اخلاص ہے، مگر ایک زبردست ہاتھ ہے۔ کہ کھینچے لئے چلا جاتا ہے ؎

آن دل کہ رَم نمودے از خوبرو جوانان
دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے "[1]

انگلو عربک سکول میں مدرسی کے وقت سے آخر عمر تک وہ سرسید کے مداح اور رفیق کار رہے، اور بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنی زندگی میں جو گراں قدر علمی خدمات انجام دیں وہ سرسید مرحوم ہی کی تحریک و ترغیب کی وجہ سے سرانجام ہوئیں۔ مولانا کی شاعری نے اگرچہ بہت سے سرچشموں سے فیض حاصل کیا ہے جن کا ذکر اس سے پہلے آچکا ہے۔ تاہم مسدس جیسی بے نظیر نظم سید صاحب ہی کی فرمایش پر لکھی گئی تھی۔ بہرحال اس مسلمہ میں کسی کو اختلاف کی گنجایش نہیں ہے۔ کہ حالی نے جو کچھ لکھا۔ ایک جذبۂ قومی اور ملی سے متاثر ہو کر لکھا اور یہ جذبہ اسی مقدس بزرگ کا پیدا کردہ تھا ؛

(باقی دارد)

سید محمد عبداللہ

---

[1] دیباچہ مسدس حالی ۱۲۹۶ھ۔ علیگڈھ محمڈن پریس۔ ص ۳، ۴ ؛

اقتباس از آداب الحرب والشجاعۃ للمرو الروذی

کتاب آداب الحرب والشجاعۃ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے علم حرب پر ایک تصنیف ہے جس کا مصنف شریف محمد بن منصور ملقب بمبارکشاہ معروف بفخر مدبر[1] قریشی ہے، باپ کی طرف سے اس کا شجرۂ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے اور ماں کی طرف سے امیر بلکاتگین سے جو حاجب کبیر البتگین کے بعد غزنین میں تخت نشین ہوا[2]، شریف محمد نے آداب الحرب کو سلطان شمس الدین التمش کے نام پر معنون کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ۶۰۷ھ اور ۶۳۳ھ کے درمیان لکھی گئی جو التمش کی حکومت کا زمانہ ہے، اسی مصنف کی تاریخ مبارکشاہی بھی موجود ہے اور چھپ چکی ہے اس کے دیباچہ میں مصنف نے اپنا اور اپنے خاندان کا حال مفصل بیان کیا ہے، کتاب آداب الحرب ابھی تک طبع نہیں ہوئی۔ ریو نے فہرست مخطوطات موزہ برطانیہ ص ۴۸۷ ببعد پر اس کا حال مفصل دیا ہے وہاں دیکھنا چاہئے۔ آیندہ صفحات پر اس کتاب کے گیارھویں باب کا اکثر حصہ درج کیا جاتا ہے۔ اس سے کتاب کے مضامین اور مصنف کی طرز تحریر کا اندازہ ہو جائے گا۔ مصنف نے بہت سے مصطلحات فن حرب کا استعمال کیا ہے جو کتب لغت میں نہیں ملتے اسی طرح وہ پنجاب و سرحدی صوبہ کے متعدد جغرافیائی مقامات کا ذکر کرتا ہے جو ساتویں صدی میں موجود تھے مگر ان کا ذکر جغرافیائی، ادبی یا تاریخی کتب میں ہم تک نہیں پہنچا، متن برٹش میوزیم کے نسخہ پر مبنی ہے، اس کو حواشی میں آ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، یہ نسخہ غالباً سولھویں صدی میں لکھا گیا تھا۔ اچھا نسخہ ہے مگر اغلاط اس میں بہت ہیں، مقابلہ کے لئے ایشیاٹک سوسایٹی بنگال کا نسخہ استعمال ہوا ہے جو ب کے نام سے حواشی میں مذکور ہے۔ اس نسخہ کا مفصل حال آیوناف کی فہرست ۷۴۴ نمبر ۱۶۰۸ میں دیا ہے،

---

[1] اس مصنف کی بعض تصنیفوں میں بظاہر مدبر بجائے مدبر لکھا ہے [2] اسکے متن میں اختلاف ہے، قول معتبر یہ ہے کہ وہ ۳۵۵ سے ۳۶۴ تک حکمران رہا،

اس نسخہ میں بھی اغلاط بہت ہیں مگر دو نسخوں کے مقابلہ سے بعض عبارتوں کی تصحیح ممکن ہوسکی گو بعض مقامات دونوں میں مخدوش ہیں۔ ایک تیسرا نسخہ انڈیا آفس کے کتاب خانہ میں ہے مگر تادم تحریر اس نسخہ تک رسائی نہیں ہوسکی،

اڈیٹر

باب یازدھم

اندر فضیلت و خاصیت ہر سلاحی و ثواب کار بستن آن کہ ہر یک چہ جای بکار آید و خاصیت ہر یک چیست (۹۶ ب)

..... و ہیچ سلاح را آن خاصیت و فضیلت نیست کہ تیر

اندا ختن را از بہر آنکہ جملہ سلاحہا تا[1] دشمن نباشد (۹۷ ب) کار نتوان بست مگر تیر انداختن کہ (۹۷ ب)
بر دشمن بتوان انداخت و بر شکاری و بر پرندہ و بر ہدف و بر[2] جاس و بر ہر چہ خواہی بتوان
زد و در ہیچ حال بیکار و مہمل نیست و خصم را از [دور][3] دفع توان کرد و بزد و در حصار ہا قلعہا
و جنگ جایہا این سلاح بکار شود و تیر ناوک و عذر[4] رک و ملنک و آنگ[5] و انگسنگ
و نیم دانگ سنگ و جوال دوز و نیم جوال دوز ہمہ بابت حصار است و در این
جایگاہا بکار شود،

و سقراط گوید: اگر تیر انداختن و چوگان زدن ہیچ ہنر نیست[6] ہمین بس کند[7] کہ اندامہا
نرم کند و بندہا را بکشاید و گوشت تن مردم را سخت کند و بیفزاید و چشم را روشن کند و دست
و پای را راست دارد[8] و جنگ را بیاموزد و گرفتگی را بکشاید و مردم را دلیر کند و آرزوہا و
شہوتہا را برانگیزد و ہمت را بزرگ کند، و روا باشد کہ تیر را تقدیر خوانند، و کمانرا تدبیر،
و پیکان را مرگ پران و درفشان،

---

[1] آ: با، تصحیح از روی ب، [2] آ: برخاس، تصحیح از روی ب، [3] از روی ب، [4] عبد اعذرک
[5] آ: انگ ب: رفیک مشکوک است، [6] ب: نیستی، [7] آ: کنند، ب: شل تمن، [8] آ
آرد، تصحیح از روی ب، [9] آ: اورا، تصحیح از روی ب،

و ہرجائی و ہرجنگی را تیر از نوعی[1] باید و پیکان از نوعی دیگر تا کاری گر آید و اگر نہ صنایع و باطل باشد تیر انداختن، و درین معنی استادان در تیراندازی کتابہا کردہ اند و شرح آن باز گفتہ چنانکہ تیر زرہ را پیکان ماہی پشت و غلولہ باید، و ازان جوشن را ہمین پیکانہا باید، و ازان سپر چوبین و سپر شوشک[2] و سپر ترنی[3] نیزہ و سپر چچ[4] و سپر کرگ و سپر خدنگ ابیکان مودودی باید، و تیر پرنابی و حصار را پیکان غلولہ ماہی پشت و سہ سو باید و تیر خستان و بغلطاک[5] و برگستوان جامگی را پیکان بیلک[6] سپاناخی و برگ بید و تمتاجی[7] و لبط پای باید، و پوشیدہ را و برگستوان آہنین را تیر خدنگ و یا کلک و پیکان بیلک درشت پر باید، و

کمان

بر چند نوعست: چاچی و خوارزمی و پروانچی و غزنیچی و لوہوری و کروری و ہندوی و کوہی

امکان چاچی[8] تیز آید* و اہل ماوراء النہر بدان کار کنند، کمان خوارزمی کوتاہ خانہ و دراز گوشہ باشد و زہ از پوست اسپ کنند و ناتافتہ گرہ زنند و زہ سطبر باشد، و تیر خدنگ ہم سطبر بود و پیکان خرد[9] و از خم نیک نیاید و تیر لرزان رود و بسبب سبکی پیکان[10] و گرانی تیر، و کمان پروانچی و غزنیچی و لوہوری و کروری بابت تیر اندازان اختیار است، و کمان کوہی در کوہ[11] ہمایہ

---

[1] ب: نوعی دیگر، [2] فرہنگ آنند راج میں یعنی (اسماز چہار تار و ۲) تیہو دیا ہے، اور قریباً یہی معنی سٹائن گاس نے دیئے ہیں مگر معلوم نہیں سپر نے یہ نام کیوں پایا، سٹائن گاس نے لکھا ہے کہ اس چہار تار کا پیٹ بڑا اور گردن لمبی ہوتی ہے شاید کچھ ایسی ہی خصوصیتیں اس ٹھال میں بھی ہوتی ہونگی [3] ورب ندارد، [4] آ: حج، ب: چچ، چچ چوبی بلند پنج شاخہ مانند پنجۂ دست و دستہ ہم وار و کہ غلہ کوفتہ ربان بیاد و ہند و غربا نی را نیز گفتہ اند کہ بدان غلہ پاک کنند (فرہنگ آنند راج) سٹائن گاس نے اس کو چچ بھی لکھا ہے [5] ب: بغلطاق، [6] فرجی و برگستوان (پوشش کہ در روز جنگ می پوشیدہ اند و بر اسپ نیز برای حفظ می افگندہ اند) [6] ب: بیلکر، [7] ب: بیل، [8] تمتاج، Vermicelli [9] آ: لوصوری، ب مثل متن، [10] آ: تیر آمد، ب مثل متن، [11] آ: خورد، [12] آ: بکی، ب مثل متن، [13] آ: کوہیانہ، ب: کوہیا یہ،

شبریہی[1] وانباران[2]، وبہروج وپنجہ[3] گیر کنند وتمامت از شاخ پنجہ وبزکوہی کنند و ہیچ چوب نباشد ونیک آیندہ باشد، وکمان ہندوی ازنی نیزہ باشد وزہ کمان ہم از پوست نی نیزہ باشد وتیر نیک دور زود اما از نزدیک زخم سخت آید، وتیر ہندوی را بیشتر شاخہا باشد کہ در گزہ[4]، وجنبان[5]، اگر کسی ازان زخم یابد چون تیر بکشند بیشتر پیکان بسبب شاخہا بماند و در کشیدن آن نیک رنج بینند وبیشتر زہر[6] آلود کنند، وپیکان اہل کوہیانہ[7] ہندستان بیشتر از (۹۸ ب) استخوان باشد وآن چنان باشد کہ ہر استخوان[8] کہ یابند از گاہ وگاومیش و - (۹۸ ب) دراز گوش از استخوان ساق از مردار وکشتار[9] آزاد، کمینہ خرد ومزہلہاء تباہ[10] پیرو رند وہر استخوان کہ چرب باشد زہرناک باشد [چون][11] مدتی برآید ازان بر مثل پیکان بتراشند ودر گزہ[12] نہند وہرگاہ کہ بخواہند انداخت سر آن برجایی زنند تا قطرۂ ازان جدا شود چون کسی ازان زخم یابد واز ان استخوان اگر دد آدمی بماند بر مثل زہر مار باشد زخم را پارہ کنند وبجویند تا اندک چیزی اگرچہ بر مثل کالی[13] باشد بیرون بکشند، آنگاہ بہتر باشد کہ آنرا جری[14] خوانند، اگر کسی را بدست شود بخورد زود بہ شود اما ہر سال بدان وقت کہ زخم خوردہ باشد ہازان بادبشود وآنکس را نیک برنجاند واگر در آن وقت کہ زخم خوردہ باشد از مجامعت[15] کردن وجغرات وسیر[16] خوردن نگاہ ندارد[17] ہلاک شود، وتا دندان آدمی واستخوان او سیاہ نشدہ است امید ست کہ علاج کنند وجری[18] دہند نیک شود وہرگاہ کہ سیاہ شد آنکس ہلاک شود وآن

---

[1] آب: شیری، [2] آ: بنجہ کرب: بنجہ کیر، [3] آ: کزہ، ب: کرہ، یہ لفظ مشکوک ہے، گزۂ یعنی کمان خشک چوب دخمیدگی و چرخ تنگ سخت آواز (فرہنگ آنند راج) ہے شاید وہ مراد ہو، اگلی سطروں میں در کردن او تیر را کنہ شاندن بھی آیا ہے شاید گزہ ہو جسکی نسبت فرہنگ آنند راج میں ہے۔ نوی از تیر وپیکان باشد [4] کذا اور ہر دو نسخ، معلوم نہیں یہ کیا لفظ ہے چنبیدن یعنی جستن وخیز کردن ودگرفتن ہے مگر یہاں جنبان بظاہر کسی آلے کا نام ہے، [5] ب: زہر آلودہ [6] آ: کوہیانہ، ب: کوہیایہ، [7] ب: استخوانی، [8] آ: کشتا آزا ب: کشار آن، کشار یعنی کشتہ وندروح، [9] آمیں یہ لفظ کٹ گیا ہے۔ صرف بستانی ہے۔ تصحیح از روی ب، [10] از روی ب، [11] ب: کرہ، [12] ب: کنجدی، کال یعنی سریش یا کچلہ دگند نا ہے، [13] کذا در آبا المرکات ب: جری، بظاہر یہ ہندی لفظ جڑی ہے کسی خاص جڑی بوٹی کا نام نہیں ہے

[14] ب: معالجت، [15] ب: شیر، [16] ب: دار، [17] ب: جیزی

پیکانراہد ہانی [ہڈ ہانی] خوانند،

وتیرہاء ماوراء النہر وخراسان وعراق بیشتر خدنگ باشد، وبید وخدنگ نیک دور نرود بسبب گرانی امانام دار باشد، وتیر بید بسبب سبکی راست رود نازک باشد اگر زخمی سخت تر رسد تیر (۹۹) بشکند، ہیچ تیری دور [از] تر وسبکتر وکاری تر از کلک نباشد امانیک پختہ وجوشیدہ باید وکالبدزدہ تاب کشیدہ، اگر تیرانداز نیک باشد وکمان بلند وشست بہرام بداند وبر بیل آہنین وخود پولاد زند بگذرد، و

پر تیر

از دنب کرگس وعقاب نیک آید واگر نیابد پر چرغ وشاہین وموش خوار ونکلک وکلنگ وسرخاب وخروس وبط وغلیواژ وبوتیمار وشترمرغ ہم روا باشد، وتیری راکہ بر پرندۂ کہ بر درخت باشد پیکان [دو] پلک دوشاخ باید تا در شاخ باریک سخت نشود واگر بر شاخ رسد شاخ را ببرد، وتیرانداز باید کہ این دقایق را بداند ودراین باب شاگردی کردہ باشد دیبا موختہ واستادگشتہ کہ اگر جایی تیر گرد وکمانگر نباشد تیر راگزہ بداند [نشانہا وسوراخ داند کرد وپیکان نہاد وتیر را پر کرد وتاب کشید، واگر کمانرا گوشہ بگردد ویا خانہ بایستد یا درآید آتش دادن وبازستدن بداند، وزہ بستن وپیوند کردن بداند، وچہار بند بستن بداند، واگر جایی خزہ (؟) ودرز کند بداند بست،

واستادان ہر کمانی را دوزہ وہر زہی را دو انگشتوانہ نہادہ اند اگر یکی خطا افتد دیگری بجای او بایستد، و

انگشت وانہ

چند نوعست غازی وار ومیری وار وترکی وار، اما بہترین غازی وار باشد تا سر انگشت

---

۱ از ردی ب، ۲ قالب، ۳ آ: نیابد؛ ب مثل متن، ۴ آ: شترمرغ، تصحیح از ردی ب، ۵ آ: پلک؛ ب مثل متن، ۶ در ب ندارد و ۷ آ: گرہ بداند، ب: نثل متن، ۸ ب: واند نہاد، ۹ ب: بر، ۱۰ آ: بار، ب: باز، ۱۱ ب: خیرہ، ۱۲ ب: دکر، ۱۳ ب: سرن،

نزند که هرکسی تیراندازی [استاد][1] نباشد،

[تیر]

واگر بر دده[2] (۹۹ ب) انداز و زینهار برگ نیندازد که یازه بگسلد و یا کمان بشکند[3] (۹۹ ب)
(و) یا خلل افتد، واگر تیراندازی خواهد که بر تیراندازان کید کند زه کمان خود از پوست گرگ
۵ ساز و هرگاه که تیر از کمان[4] که زه از پوست گرگ باشد بیرون فرستد چون آواز[5] آن کمان بهر
کمانی که رسد[6] که از پوست گوزن و نیله گاو و اسب[7] باشد جمله بگسلد[8]،
واگر تیر پرتاب بگرواند زدران کوشد تا مگر تیر خصم را بنوعی چرب[9] تواند کرد تا دور
نرود و مبلغی از تیرهای دیگر پس ماند.

و تیر آماج را پیکان مودودی لیسیده و چهار پر باید و اندازهٔ نه مشت تیرانداز باید و بقول
۱۰ بعضی از استادان از زیر بغل تا سر انگشت سبابه باید و بقول بعضی از سر کتف تا سر انگشت میانگی،
و بقول بعضی هر دو مشت پیش گیرد و سر بر سر نهد از سر آرنج راست تا سر آرنج چپ به پیماید[10]،
اندازهٔ تیر آن قدر باشد، و حکم[11] انداز ان بیک چوبه تیر خصم ملک را بکشته و مصاف را بشکسته
اند چنانکه امیر بلکاتگین که از پس حاجب بزرگ ابتگین بادشاه غزنین شد و چهار سال ملک
۱۵ بود و خسر سلطان یمین الدوله محمود[12] غازی نور الله قبرهما که کاتب و مولف کتاب راحة الصدور و گان
باشد برفت و قلعت گردیز را محصر میکرد و موفق[13] را بشار داد (؟) چنانکه عادت روزگار ست
ترکان دران جنگ آهستگی میکردند امیر بلکاتگین (۱۰۰ ا) از خشم لشکر پیاده شد سپر[14] بچی در پیش او ۱۰۰ ا

---

[1] فقط در ب، [2] یعنی جانوران درنده، [3] آ: بشکند، ب: لبشکند، [4] کذا در هر دو نسخ؛ بجای کمانی که، [5] تقدیم و تاخیر در ب، [6] آ: برست، ب مثل متن، [7] در ب ندارد و، [8] و نیز ری (حیات الحیوان طبع ۱۳۲۳ھ) ۱: ۶۵۰ پر ہے، واذا علق وترمن ذنب (ای ذنب الذئب) علی شئ من الملاهی وضرب بها تقطعت جمیع اوتار النغم التی تکون علی الملاهی ولم یسمع لها صوت ..... وان اتخذ طبل من جلده وضرب به بین طبول تشققت الطبول کلها، [9] آ: جرب ب بحرب، [10] آ: بنماید، تصحیح از روی ب، [11] نقطب: حکم تیراندازان، [12] یمین پول نے بلکاتگین کا سال جلوس ۳۵۵ اور سال وفات ۳۶۲ دیا ہے۔ اس حساب سے اسکی حکومت، برس رہی مگر ٹوا کر تاتم نے اس کا سال وفات ۳۶۴ دیا ہے اور مدت حکومت دس سال رسلطان محمود دس، ۲)، ابتگین ۳۵۲ میں فوت ہوا اسکے بعد ابو اسحاق ابراہیم بادشاہ ہوا پھر بلکاتگین [13] نقطب: مسعود، فلب: موقف، جملہ کا مطلب واضح نہیں ہے، [14] آ: عجی، ب: مثل متن،

می داشتند و خود پیش حصار رفت و جنگی قوی کرد و نزدیک آمد که حصار بگیرند، حکم اندازی تیر ناوکی بینداخت، برجای شهید شد و لشکر بی مراد از آنجا باز گشت،

وقتی امیر ایاز بهندوستان بغزا رفت حصاری را در پیچیده لشکریان بیشتر بقلعه رفتند چنانکه لشکرگاه خالی شد، کافران از قلعه تاختن آوردند، امیر ایاز بدر حصار شد تا ایشانرا از بیرون آمدن باز دارد[1] و پیلی سپید بیرون آمد و در عقب او سوار بسیار، تیر اندازی بود بلند کمان، قادر دست، حکم انداز، ادراعلی بخاری گفتندی امیر ایاز او را گفت: یکی تیر لشکر شکن توانی انداخت. گفت: توانم، آیینه چینی بود بزرگ بر پیشانی پیل آویخته، بخاری تیری پیکان سه سوی بلولوی آب داده بزد بر آیینهٔ پیل، آیینهٔ پاره پاره شد، بانگ آیینه بفرسنگی برفت، پیل بتر سید، تیر دیگر بگشاد بزد بر چشم پیل، نیمهٔ تیر بسر پیل در رفت، پیل از در دآن زخم باز گشت و خلقی را زیر پای بگشت و دیگر لشکر هزیمت شد بجمار رفتند مسلمانان دل شکسته بودند هر یکی چون شیری گشتند و خلقی را بکشتند،

حکایت

وقتی سمرقندیان عاصی شدند، فایق[2] بیامد بر ایشان جنگ کرد کیمخت گری بود حکم انداز بوقی را بزد بموق در دهانش در رفت و از پس قفا بیرون شد، فایق گفت: زهی باریک (۱۰۰ ب) انداز! جوشن پوشی دیگر را بزد، بدیگر سو بیرون شد، فایق گفت: زهی نیک انداز! علم بکند، باز به بخارا رفت، امیر خراسان را گفت این شهر بجنگ نتوان گرفت [میگفت] دروغ میگویی، فایق گفت راست میگویم و دو گواه دارم، یکی تیری که بوقی را زد و دیگر تیری که جوشن پوش را زد و علما درمیان شدند (و) میان امیر و سمرقندیان آشتی دادند، باز پس از چند سال سمرقندیان عاصی شدند - فایق بیامد جنگ آغاز

---

[1] ب: دارند، [2] امرای سامانیه میں سے تھا - اس کا حال دیکھو سلطان محمود ص ۱۸۲ بعد بر

[2] ازروی ب،

کرد، تیری بیامد از دامن قبای او فرود آویخت* فایق گفت: ای فرزندان مژده
مرشما را که مردان بمردند زنان تیری اندازند، هله حمله کنید بسپاه فایق دل یافتند حمله کردند
درحال شارستان بستدند، ازین گفتیم که بداندازی گناهست

حکایت

امیر طغرل بک وچغربیک گفتندی که مابسبب یکچو بتیر بهزیمت بخراسان آمدیم و
آنچنان بود که بنجارا دیهی است که آنرا اخرامتین گویند و آن دیه ازان تیراندازانست،
غزان را بران دیه حرب افتاد، استادی بود تیراندازکه او را عبدالصمد کمانگر گفتندی،
غزان غلبه کردند. نه دیک آمد که دروازه بستانند وغارت کنند، ترکمانی بود جوشن پوشیده
در باغی بکنده بود وسپر کرده و امیر طغرل وچغری در پیش او ایستاده، تیری بزد ازین در
بگذشت جوشن پوش را بر سینه آمد بپشت بیرون شد ترکمان بیفتاد، طغرل وچغری (۱۰۱ و) — ۱۰۱ ا
بگریختند، چغری گفت، هرکه وی را زنده یا کشته بر من آرد او را بیست هزار درم بدهم،
خواجه امام شومانی گفت: این استاد را ازین حال بپرسیدم گفت: بران درسوراخی بود
آفتاب برپشت ترکمان بود از آن سوراخ در افتاد من باریک اندازی کردم تیر در آن

---

* ب: برآویخت، ب: هلا، اخف شهرستان وآن حصاریست که برگ دار و شهر نزرگ بکشند (فرهنگ آنندراج)،
ب: بیک، سلجوقی او را در النهر سے خراسان میں ۴۲۵ھ میں آئے (انسائکلوپیڈیا آف اسلام ۱: ۲۹۷ ب) اس لئے واقعہ
مندرجہ متن ۴۲۵ کے نواح میں واقع ہوا، ب: خرامتین، یہ وہی گاؤں ہے جو ابن سینا کا مولد تھا (کتاب الانساب،
میں اسکو خرمیثن اور معجم البلدان میں (۲: ۴۲۷ پر) خرمیثن ضبط کیا ہے، شومان والشجرو کے جنوب میں ایک قلعہ
ہے جس کو تیمور کے زمانہ میں حصار شومان کہتے تھے اور حصار یا حصارک بھی اس کا نام تھا اب بھی اس کو حصار ہی کہتے ہیں
عجب نہیں کہ امام شومانی سے مراد ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد الشومانی البلخی الملقب بزین الصالحین ہو جسکی نسبت سمعانی نے
لکھا ہے کہ وہ شمس الملک نصر (ثانی) بن ابراہیم الخاقان کا استاذ معلم تھا (نصر ۲، ۴۲ھ میں فوت ہوا (لین پول ص ۱۳۵) سمعانی نے
صرف دو شومانیوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک ۴۹۹ھ میں فوت ہوا اور دوسرا ابو عبداللہ محمد مذکور ہے جس کا سن وفات
اس نے نہیں دیا مگر شمس الملک کے زمانہ سے اس کا زمانہ قیاس میں آسکتا ہے

سوراخ انداختم ازمرد بگذشت ایشان پنداشتند کہ من تیر ہم از درد و ہم ازمرد گذاشتم فرع و ہول ایشان ازان بود،

وقتی علی تگین[1] بدر سمرقند رفت وجنگ کرد[2]، شارستان بگرفت، در آمد، بدر آہنین رسید، استادی بود تیر انداز کہ اورا احمد خیاط گفتندی سپاہ بدر آہنین[3] [رسید] او برخاست و بیامد در جنگ بایستاد، ترکی بود کہ اورا کیوغ[4] گفتندی، زرہی پوشیدہ و جوشنی[5] زبر آن پوشیدہ و خود (ی) عادی بر سر نہادہ و سپری برگرفتہ، و در پیش علی تگین سہ چہار ہزار غلام تاخ و فراجوپلی کشیدہ می آمدند، سمرقندیان بدر آہنین بیرون آمدند، استاد احمد تیر و کمان از شاگرد[6] بستد، تیری بہ بیوست، کو کیوغ[7] پای بنشیبی فرو نہاد* سرش از پس سپر برہنہ شد استاد تیر بر چشمک خود زد از خود و از سرش بگذشت، تو کیوغ[8] بیفتاد و جان تسلیم کرد، جملہ سمرقندیان حملہ کردند و در شہر ہر کہ در ون آمدہ بودند بیرون کردند مردمان
(۱۰۲ ب) شہر از شادی بانگ کردند و این چنین بانگ[9] ماوراءالنہر [یان] غیوکر کیوغ* خوانند، علی تگین بخارا باز رفت سبب شکستن لشکر و رستن شہری از غارت و رستن چند ہزار مسلمان جوان از کشتن[10] آن یک* چوبہ تیر بود واللہ الموفق..... واگر کسی گوید کہ یک مرد ہزار
(۱۰۳ ا) مرد (۱۰۳ ا) را از خود و فرزندان خود چون حصاری باز داشت آن جز تیر انداز نبودہ باشد و پیغامبر علیہ السلام می گوید علموا اولادکم السباحۃ والرمایۃ یعنی بیاموزید فرزندان

---

[1] علی تگین حاکم بخارا ایلک خانیوں میں سے تھا، وہ بغرا خان کا بھتیجا اور طغان خان کا بھائی اور سلطان محمود غزنوی اور قدر خان کا معاصر تھا ۴۲۵ کے آخر یا ۴۲۶ کے شروع میں فوت ہوا (دیکھیں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۱: ۲۹۷)۔ محمود اور علی تگین کی لڑائیوں کا حال سلطان محمود ص ۵۳ ببعد پر دیکھیں، [2] آ: جنگ، تصحیح از ردی ب، [3] سمرقند کا رقبہ بقول ابن الفقیہ ۶ ہزار جریب تھا (یعنی شہر اور رفض ملا کر) شہر کا رقبہ ۵ ہزار جریب، اس شہر کے اندرونی حصہ شہرستان کا رقبہ ۲½ ہزار جریب تھا، جامع مسجد اور قلعہ شہرستان کے اندر تھا، قلعہ کے دو آہنین دروازے تھے، دیکھیں ترکستان ص ۸۴، [4] آ: کوغ، ب: کوغ، ش: کوغ، آگے چل کر آ میں ایک جگہ کو کنوغ، ایک جگہ کو کیوغ لکھا ہے بہرحال یہ نام مشتبہ ہے، [5] ب: زبر، [6] آ: استاد، تصحیح تاردی ب، [7] آ: کو کنوغ، ب: کو کیوغ، ش: کو کنوغ، [8] آ: کو کنوغ، ب: کو کیوغ، [9] ب: ماوراءالنہریان است غیو کو کیوغ غیو (بزوزن دیو) مخفف غو لو ہے (غو سنگ افتد راج)، [10] آ: سبب الخ، ب: یک،

خود را تیر انداختن و آشنا کردن، و جای دیگری گوید ارمواد ارکبوا و ان ترموا خیرٌ لکم ان ترکبوا یعنی تیر اندازید و سواری کنید [و اگر تیر اندازید] بهتر از انکه سواری کنید....

تیغ

راجمشید بیرون آورده است و آن کفایت دکیاست او بوده است و او در این باب برجمله اهل عالم منت است و صد سال در آن کرد تا آهن از کوه و کان بیرون آورد و تیغ کردن فرمود و رعب و هیبت شمشیر بیش از دیگر سلاحهاست و سلاح ۱۰۳-ب مبارزان و دلاوران است و سلاح خفته است تا نلرزانی و بیدار نکنی کار نباید بست که خطا افتد و بشکند و اگر کسی گوید که از میان هزار مرد سلامت بیرون آمدم و هیچ کس گردن من نیارست گشت جز شمشیر دار نبوده باشد، و پیغامبر علیه السلام میفرماید که الجنة تحت ظلال السیوف بهشت در زیر سایهٔ شمشیرهاست و هیبت او بیش است چنانکه بحمله سلاحها ولایتی و ملکی بگیرند چنین گویند که این ملک و ولایت را بشمشیر گرفته ایم،

اما تیغ چند نوعست چینی و روسی و خزری و رومی و فرنگی و یمانی و سلیمانی و دشتاهی و علائی و هندی و کشمیری، جملهٔ تیغها نام دارند اما از همه تیغها هندی بهتر و گوهردار تر و برنده تر آید و آن چند نوعست پرالک و تراوته و روهنیا و مقبر(؟) و مان گوهر پرگس(؟) که آنرا بسبب بسیاری بند موج دریا خوانند قیمتی تر و طرایف تر از همه تیغها باشد

ب: ازدوی، ۲ آ: آخری، ب: فرزی، ۳ آ: عدالی، ب: شل متن، ۴ آ: کشمیری، ۵ آ: برالک ب: برالک، فرهنگ انندراج میں بحوالہ برہان اس کو فارسی لفظ کہا ہے اور لکھا ہے فولاد جوہردار را گویند عموماً و تیغ و شمشیر را خصوصاً، ۶ لغت میں نہیں ہے شاید ہندی لفظ تراوتی ہو جس کے معنی تیز رو کے ہیں، ۷ آ: اردہنیا، ب: اردہنیا فرهنگ انندراج میں اس کو باتانی مجہول بروزن بوسینا لکھا ہے اور اسکو فارسی لفظ بتایا ہے اور لکھا ہے ہمان روہنا است کہ بعربی آصن و پولاد جوہردار باشد کہ ازان شمشیر و خنجر سازند و بعربی گوہر شمشیر نیز آمدہ، روہنی بھی اسکو لکھا ہے، شائن گاس کے نزدیک روہینا بھی یہی ہے، ۸ ب: تقبر، گوالے صفحہ پر تبریہ لفظ لغت میں نہیں ہے ۹ آ: مان گوہر برگس، ب: مان کوہر برگس، ظاہر میں یہ ایک ہی لفظ ہے گوالے صفحہ پر گوہر کا لفظ خذف ہے۔ یہ تینوں لفظ لغت میں نہیں ہیں۔

و درمیان لشکر و خزینہ وزراد خانہ بادشاہی یکی ازان بیش نباشد و دیگر باحری[۲] و سورمان و تورمان باشد و در ہیچ ولایت تیغ پرالک و تراوتہ و روہینا و موج دریا نباشد مگر در زمین ہندوستان و این تیغہا برندہ تر از تیغہاء دیگر باشد بدانچہ اینہا خشک ترند و دیگر تیغہا چرا ست اگر در قصب[۳] تر کنند زخم نیک آید و در زمین خراسان و عراق بیشتر تیغ (۴-۱۰) باحری[۴] باشد نیک گوہر دار نباشد اما چرب باشد و در آسیب رسیدن زخم زدن کم شکند،

و در ہندوستان تیغ دیگر ست کہ آنرا بناہ[۵] خوانند و آن مصنوعست، آہنگران استاد بیرون آورده اند از نرم آہن دمس و نقرہ کنند و بسبب نقرہ فراخ گوہر آید و اگر بدان تیغ زخمی رسد آن زخم کم فراہم آید، و پرالک و تراوتہ و[۶] مان پرکس[۷] و[۸] مقبر بابت کمر شمشیر و[۹] زیر رکابی بادشاہانرا شاید، سورمان و[۱۰] تورمان افغانرا بیشتر باشد، و در ہندوستان حصاریست کہ آنرا کورج[۱۱] خوانند بر لب آب سند نزدیک کدہ و آہنگران استاد باشند و آہنگر کہ تیغ خواہد زد دو خفچہ از آہن پولاد بکشد بعد ازان ہر دو را نیک گرم کند و بلی را براست بتابد و دیگری را بچپ بتابد پس در گل گیرد یکشبانروز آنرا در کور نہد و بدمد تا ہر دو خفچہ بگدازد و بر یکدیگر سخت شود پس از گل برون کشد و تیغ زند و باندام کند، چون چرخ کند و دارد و دہد گوہر او بر مثل برگ خرما کہ بر درخت باشد ہمچنان پیدا آید و بس ظریف و نادر باشد جملہ رانگان و ٹھکران و مردمان قابل ہوس ببرند و زخم آن نیک برنده آید،

---

۱ ب: باد شاہان، ۲ ب: باجری، باجر عربی میں خون سرخ خالص کو کہتے ہیں مگر معلوم نہیں لفظ باحری اس سے لیا ہے یا کچھ اور لفظ ہے ۳ آ: درشت تر، ب: مثل متن، ۴ ب: باجری، ۵ بناہ یا پناہ لغت میں اس معنی میں نہیں ملا، ۶ آ: مان پرکس، ب: سورمان پرکس، ۷ کذا و. آ دب، ۸ آ: زیر رکابی، ب: زیر رکاب، ۹ تورمان وادی کابل کے ہندو شاہیہ خاندان کے بادشاہوں میں سے تھا جو ۸۶۳ء کے قریب تخت پر بیٹھا، کیا یہ تلوار اس کے نام پر تھی؟ ۱۰ کذا در آ ب: کدور، بظاہر کروڑ مراد ہے جو لیہ اور بھکر کے درمیان دریائے سندھ سے قریب واقع ہے،

قلاچوری[1]

سلاح ترکانست (۴۰۱ب) وکسانی که جنگ به نیزه کنند، و دراز تر از شمشیر (۴۰۱ب) برای این کار نهاده اند، و لژ بدان کرده اند تا در وقت زخم از پهنا نیفتد و زخم او بسبب کژی گران تر و برّان تر آید که اگر نیزه را خطایی افتد و بشکند همچون نیزه و تیغ کار توان بست،

ناچخ[2]

سلاح بادشاهانست که هم دوست را شاید هم دشمن را، دوست را از مهرهٔ ناچخ زنند و بجای گرز کار کند و دشمن را بر روی ناچخ زنند بجای شمشیر کار کند،

دشنه

سلاح عیاران پیشگان و جان بازان و دزدانست،

کٹارہ[3]

سلاح هندوان دنی باکان و غدارانست*،

شل و ژوپین

سلاح هندوان و افغانانست و کسانی که هم تیغ دارند و هم شل و ژوپین که چون بیندازند اگر کاری نیاید بشمشیر جنگ کنند،

پیل گش و نیم نیزه[4]

سلاح پیادگانست و کسان که سپر چخ و گرده[5] دارند و بر ور باحصار باشند،

---

[1] ب: قلاجولی، [2] ناچخ بمعنی تبر زین هست "و آن حربه ایست دسته دار که در پهلوی زین اسپ بندند ... شیخ نظامی گفته ٭ ز پولاد چین ناچخ ده منی بگردن بر از بهر گردن زنی، [3] آب: کتاره، [4] ب: پکان و غدّاران است [5] سٹائن گاس نے بفتح کاف دیا ہے اور کہا ہے کہ ایک سلاح کا نام ہے
[6] ب: کره، بظاہر گرده بمعنی چیزی مدور و گرد،

ونیزہ و خشت و دور باش و حربہ سلاح جاندار[1] است و کسانی کہ نگاہ بانی بادشاہان کنند و دشمنان را از (و) دور دارند،

نیزہ

سلاح ترکان و اعرابیان[2] است و سلاح بیدار است چون برگرفتی در حال کار توان بست، بابت سواران برگستوانی[3] است و اگر کسی گوید کہ یک مرد ہزار سوار را بزند و براند جز نیزہ دار نباشد، و در عرب مردی و زنی نیزہ باز بودند نیزۂ سمہری بمرو منسوبست و نیزہ رُدینی بزن، و ہر دو تن از جملہ مبارزان نامدار بودند، و در بحرین دیہی است کہ آنرا خط خوانند نیزۂ خطی بدان جای منسوبست، و در خراسان و عراقین بیشتر نیزہ از چوب بید کنند و آنرا پی بسیار زنند لعب[4] سواری و حلقہ ربودن را نیکست بدانچہ سبکست و ہر سلاح کہ سبکتر در جنگ یاری[5] گرتر* باشد، و اگر زخم از سرسنان وبن نیزہ برابر و باز پس زند زخم نیک آید اما اگر خواہد کہ مرد را بر دارد و یا از زین بر باید ناب نیارد و بشکند و در وقت کار مرد سراسیمہ شود و فرو ماند، اما ہیچ نیزہ بہتر از نی[6] نیزۂ ہندوستان نیست آنچہ زالست و میان پُر کار نیاید بدانچہ گران و دراز و پیچان آید، و سوار ببسب گرانی زحیر شود، نی نیزۂ مادۂ میان تہی نیک باشد بدانچہ سبک باشد، و لرزان و پیچان نشود، اگر سوار چابک باشد و این علم نیکو بیاموختہ باشد و میدانہا و آوردہا بداند چون میدان ملوک و رستم و اسفندیار و افراسیاب و میدان امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

---

[1] جاندار = سلاح دار، و نگہبان جان سلاطین کہ ہمیشہ با شمشیر در خدمت سلطان حاضر و متوجہ است (از فرہنگ انند راج) [2] آ: عرابیان، ب مثل متن، [3] ب: برکستوان، [4] آ: تعب، ب مثل متن، [5] آ، یاری کم تر، ب، یاری گیر تر، [6] در ب ندارد،

وزبیر عوّام [رضی اللہ عنہما] ہم سوار را بر توان[۲] داشت وہم از زمین دُر[۳] ربود[۴] در حملہ ہر کاری کند اگر آموختہ کند بر ہمگنان پیروز آید و ہیچ کس برو برنیاید، اگر شتا لنگ[۵] گرگ؛ سوراخ کند و برشتہ در زیر سُتان ببندد و بر مصافی حملہ کند ہمہ بشکنند و از و ہزیمت شوند

سپر و تبر زین

سلاح دیلمانست و بران (۱۰۵ ب) جنگ کنند سار و[۵] غ سلاح چوپانان و گلہ (۱۰۵ ب)
بانانست گُتھی[۶] آہن بستہ سلاح شتربانانست، تبر سلاح شبانان و جتانست، داس
سلاح کشاورزانست، جوا ہہ[۷] سلاح بشیان و بتراہیانست، بیل سلاح باغبانان
و آب دارانست، تیشہ سلاح درودگرانست، کارد سلاح قصابانست، کلند و کبی[۸]
سلاح گل کارانست، عصا سلاح اہل صلاح و سیاحانست، دیوارکن سلاح دُرود[۹] گران
و روغن گران و کدنی[۱۰] گرانست گرز و چابک و خود شکن و بل کا تکینی بابت کسانیست
کہ بر قوت بازوی خود اعتماد دارند و بر کسانی کہ کار بندند کہ جوشن و خفتان دزرہ و
جیورک دارند،

اگر مردی ہمہ سلاح ہا بدارد و شمشیر ندارد سلاح او ناقص باشد و ناتمام، و اگر

---

[۱] ازروی ب، [۲] ب: اقواعد، [۳] ب: درتواند ربود، [۴] آب: کرک، مگر حیاۃ الحیوان دمیری (طبع ۱۳۳۰ھ) ۱: ۶۵۰ پر ہے "وکعب الذئب الایمن اذا علق علی رأس رمح ثم اجتمع علیہ جماعۃ لم یصلوا الیہ ما دام الکعب معلقا علی رمحہ" [۵] ب: اسارع، یہ لفظ لغت میں نہیں ہے البتہ سارِیخ ہے (نوعی از سلاح است و آن چوبی باشد کہ بر سر آن چند زنجیر کوتاہ تعبیہ کنند و بر سر ہر زنجیر گوی از فولاد نصب سازند) [۶] ب: لتھی، یہ لفظ لغت میں نہیں ہے۔ شاید گُتھی ہو، [۷] اس جملہ کے معنی کچھ سمجھ میں نہ آئے۔ ب میں بتراہیانست کی بجائے تیراہیانست ہے، [۸] آ: لبی، ب: کسی، شاید یہ پنجابی لفظ کبی یا ہندی کسّی ہو، [۹] آ: درود کرانست، ب مثل متن، [۱۰] ب: کدنی کر، یہ لفظ لغت میں نہیں ملا،

شمشیر دارد و هیچ سلاحی[1] دیگر ندارد تمام باشد و هیچ نقصان اندرو نباشد،
خالد ولید روزی بنزدیک عمر خطاب رضی اللہ عنہما در رفت عمر او را گفت یا
خالد چه گونی اندر تیر؟ گفت نیکو سلاحی[2] است، دشمن را بدو از دور قهر توان کرد و از
خویشتن باز توان داشت، اما خطا بسیار کند، گفت چه گویی اندر نیزه گفت پشت و
پناه مرد است ولیکن خیانت بسیار کند و چون چهار انگشت سنان او از خصم بگذشت
ایمن شود و مرد[3] ایمن، و هرکس بران قدرت ندارد، گفت چگونهی اندر شمشیر گفت
(۱۰۶ ا) اینجاست که مادران بر فرزندان بگریند؛

و بر پشت اسپ آنگه شمشیر خواهد کشید دست راست بر قبضه باید نهاد و دست چپ
به معلق شمشیر و نیک بتابد، و پهلوی خویش نیک خم دهد و شمشیر بگردن اسپ راست
بیرون کشد، و زدن شمشیر را میان تافته باید و بغل کشاده و سه انگشت بر قبضه سخت
کند و زخم کشیده آرد و دست خوش دارد تا تیغ تاب نگیرد، این چنین زخم بزنده آید،
آنچنان کشیدن که یاد کردیم تمام و آسان از میان برآید و بیم بریدن اسپ نباشد،
چون شمشیر برون کشد اگر بر اسپ باشد هر کجا که شمشیر همی زند، اسپ می باید گرداند
و آن شمشیر که بزند هر چه سر شمشیر اندر نشیند بدراند و هر چه از سر شمشیر یک بدست[4]
فرودتر آید هم ببرد و هم بشکند و همه زخم شمشیر اندر یک بدست [است[5]] و هر چه از
سر شمشیر بدو بدست[6] فروتر بود در نشیند و بکوبد، و آن باقی شمشیر هر کجا رسد نه ببرد
و نه بدرد و نه بکوبد . . . . . .

---

[1] ب: سلاح [2] آ: صلاحی [3] ب: تا

[4] آ: دست، تصحیح از روئے ب، بدست بمعنی وجب است کہ کشادگی پنج انگشت و یک کف دست باشد و بتازی شبر خوانند

[5] از روی ب [6] ب: دست،

فہرستِ اوّل

اسماء اسلحہ و متعلقات آنہا

انگشتوانہ ۶۹ بعد — ترکی وار ۶۹، ۱۹
— غازی وار ،، — میری وار ،،
باجری (تیغ) ۷۵، ۵،
برگستوان جاگی و آہنین
۶۷، ۶، ۷،
بغلطاق ۶۷، ۵،
بلکاتگینی ۷۸، ۱۱،
بناہ (تیغ ہندی) ۷۵،
بوق ۷۱، ۱۴،
بیل ۷۸، — آہنین ۶۹، ۶،
پرالک (تیغ) ۴۷، ۱۴ — ۷۵، ۹،
پرِ تیر ۶۹، ۷ ۹۳،
پوشیدہ ۶۷،
پیکان — برگ بید ۶۷، —
بطپای — بیلک درشت پر
۶۷، — بیلک سپانگی
۶۷، — تتماجی ،، —
دوبیلک دوشاخ ۶۹، —
سہ سوی ۶۷، — سہ سوی
پولادی ۷۱، — غلولہ
۶۷، ۵، — ماہی پشت ،، —
مودودی ۶۷، ۵، — مودودی
لیسیدہ چہار پر ۷۰، —
ہڈہانی ۶۹، ۱،
پیل کش ۶۷، ۱۶،
تنبر ۷۸، تبرزین ۷۸، ۵،
تراوتہ (تیغ) ۴۷، ۱۴،
۷۵، ۹،
تورمان ۷۵، ۱۰، ۲،
تیر ۹۴، ۳
آفتنگ ۶۶، — بید ۶۹ بعد ۲
— پرتاب ۷۰، — پرتابی ۶۷، ۵،
— جوال دوز ۶۶، —
حصار ۶۷، ۵، — خدنگ
۶۷، ۱۳، ۶۹، ۲ —
دانگ سنگ ۶۶، —
عذرک ۶۶، — کلک
۶۷، ۶۹، ۴ — ملخک
۶۶، — ناوک ۶۶، —
نادکی ۷۱، ۲، — نیم جوال
دوز ۶۶، ۵، — ہندوی ۶۸، ۳،
تیشہ ۷۸، ۹
تیغ چینی ۴۷، ۱۲ — خزری ،،
روسی ،، — رومی ،،
سلیمانی ،، — شاہی ،،
علائی ،، — فرنگی ،،
کشمیری ،، — ہندی ۴۷، ۱۲ بعد
،، — یمانی ۴۷، ۱۲
جنبان ۶۸، ۴ بعد
جراحہ ۷۸، ۸،
جوشن ۶۷، ۳ ۷۲، ۸ ۷۸، ۱۲،
جیورک ۷۸، ۱۲،
چابک ۷۸، ۱۱،
چشمکِ خود ۷۳، ۹،

چہاربند ۶۹ ۱۴
حربہ ۷۷ ۱
خشت ۷۷ ۱
خفتان ۶۷ ۶ ۷۸ ۱۲
خودپولاد ۶۹ ۶
خودشکن ۷۸ ۱۱
وشنہ ۷۶ ۹
دورباش ۷۷ ۱
دیوارکن ۷۸ ۱۱
روہینیا (تیغ) ۷۴ ۱۴ ۷۵ ۲
زہ ۶۷ ۱۲ ۶۹ ۱۴ ببعد
۷۰ ۴ ببعد ۷۸ ۳
زیرکابی ۷۵ ۱۰
ژوپین ۷۶ ۱۳ ببعد
سپر ۷۸ ۵ — ۶۷ ۴
۶۷ ۱۷ — چچی ۷۰ ۱۶ —
چوبین ۶۷ ۴ — خدنگ ،، — شوشک ،، — کرگ ،، —
گردہ ۶۷ ۱۷ — نی نیزہ ۶۷ ۴
ساروغ ۷۸ ۶
سورمان (تیغ) ۷۵ ۲ ۱۰۱
شست بہرام ۶۹ ۵
شل ۷۶ ۱۳ ببعد
قراچولی ۷۳ قلاچوری ۷۶ ۱
کارد ۷۸ ۹
کالبد ۶۹ ۵
کٹارہ ۷۶ ۱۱
کزہ ۶۸ ۴ ۶۹ ۱۲
کلند ۷۸ ۹
کمان پروانچی ۶۷ ۱۰ ببعد — چاچی ،، — خوارزمی ،، — غزنیچی ،، — کروری ،، — کوہی ،، — لوہوری ،، — ہندوی ،،
کمرشمشیر ۷۵ ۹
کہی ۷۸ ۹
گتھی ۷۸ ۷
گرز ۷۸ ۱۱
مان گوہر پرتگس (تیغ) ۷۴ ۱۴ ۷۵ ۹
مقبر (تیغ) ۷۵ ۹
موج دریا (تیغ) ۷۴ ۱۵ ۷۵ ۲
ناچخ ۷۳ ۷۶ ۶ ببعد
نیزہ ۷۷ ۱۱ ۱۳ — خطی ۷۷ ۸ — ردینی ۷۷ ۱ سہری ۷۷ ۱
نیم نیزہ ۷۶ ۱۶

فہرستِ دوم

الفاظِ متفرقہ

آشنا کردن (= شناکردن) ۷۴ ۱
باریک انداز ۷۱ ۱۵ ، باریک اندازی ۷۲ ۱۳ ،
بدست (= وجب) ۷۹ ۱۴ ببعد ،
بیدار (سلاح) ۷۴ ۷ ، ۷۷ ۴

پرگردن (تیررا) ۶۹، ۱۳

(در) پیچیدن (حصار را) ۷۱، ۳

تاب کشیدن (تیر) ۶۹، ۱۳

تباہ (مزبلہ) ۶۸، ۷

تیز آمدن (کمان) ۶۷، ۱۱

جری (جڑی) ۶۸، ۱۱، ۱۵

جنگ جای ۶۶، ۷

چرب (تیغ) ۷۵، ۴

حلقہ ربودن ۷۷، ۱۰

خانہ ایستادن (یا درآمدنِ) کمان ۶۹، ۱۲

خزہ کردن جایی ۶۹، ۱۵

خشک (تیغ) ۷۵، ۳

خفتہ (سلاح) ۷۴، ۷

خفجہ ۷۵، ۱۲ بعد

دَدَہ (= جانور درندہ) ۷۰، ۷

زہرناک ۶۸، ۴

سواران برگستوانی ۷۷، ۲

شارستان ۷۲، ۳ ۷۳

عادی ۷۳، ۶

غیوکر کیوغ ۷۳، ۱۱

قطرہ (= نکڑا) ۶۸، ۹

کاری گر (= کارگر) ۶۷، ۱

کالی (= برنج ناپختہ وگندنا) ۶۸، ۱۱

کرگ (= کرگدن) ۷۷، ۳

کشتار (= زخمی، مردار) ۶۸، ۷

گرفتگی ۶۶، ۱۲

(بہ) گرواندا ختن (تیررا) ۷۰، ۷

گوشہ گردیدن (کمان را) ۶۹، ۱۳

لعب سواری ۷۷، ۹

نی مادہ ۷۷، ۱۴ ، نی نر ۷۷، ۱۳

ہلہ ۷۲، ۱

اڈیٹر

تنقید و تبصرہ

(۱) سلطنتوں کے باہمی برتاؤ کا دستور العمل یعنی قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں

مصنفہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ ڈی فل (پون) ڈی۔ لٹ (پیرس) لکچرار قانون بین الممالک۔ جامعہ عثمانیہ۔ مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ۔ حیدرآباد دکن۔ ۲۰۸ صفحہ۔ سائز ۴½ × ۶½ ؎

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب لکچرار قانون بین الممالک۔ جامعہ عثمانیہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے اُردو زبان میں یہ چھوٹی سی کتاب لکھ کر اس مضمون کے اُردو ذخیرہ کی بنیاد رکھی ہے ؎

ڈاکٹر صاحب چونکہ جامعہ عثمانیہ میں قانون بین الممالک کے استاد ہیں۔ اس واسطے انہیں اپنے لکچروں کے واسطے نوٹ تیار کرنے لازمی تھے۔ علم دوست لوگوں پر ڈاکٹر صاحب نے نوازش کی۔ کہ اپنے قیمتی خیالات کو کتاب کی صورت دے کر شائع کر دیا ؎

قانون بین الممالک کی اہمیت کا اندازہ اب رفتہ رفتہ ہمارے ملک میں بھی ہوتا جاتا ہے۔ اور لوگ جاننے لگے ہیں۔ کہ روزمرہ کی اخباری خبروں سے بھی صحیح نتیجہ نکالنے کے لئے اس شعبہ علم سے کچھ نہ کچھ واقفیت لازمی ہے۔ علاوہ ازیں جوں جوں ہندوستان میں تحریک آزادی ترقی کرتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ملک میں جدید اصلاحات کا دور جاری ہو رہا ہے۔ ہمارے ملک کے لوگوں میں بھی خیال پیدا ہو رہا ہے کہ ان کے ملک کی دنیا کی سلطنتوں اور ان کی سیاست میں ایک خاص اہمیت ہے۔ اپنے ملک کی عظمت کو قائم کرنے اور بین المللی تعلقات کو بڑھانے کے واسطے یہ لازمی ہے کہ ہمارے ملک کے تعلقات دوسرے ملکوں سے آہستہ آہستہ براہ راست قائم ہوں اور ان تعلقات کے قائم کرنے اور ان تعلقات کو مضبوط کرنے کے لئے لازمی ہے کہ ہمارے ملک کے ملکی حکمران اپنے ملک کے حقوق اور اس کی ذمہ داریوں سے خود اچھی طرح واقف ہوں اور عام لوگوں کو ان سے آگاہ کریں۔ اس کے واسطے لازمی ہے کہ قانون بین الممالک کی تعلیم کو ترقی دی جائے اور اس سلسلہ تعلیم کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے دوست ڈاکٹر حمید اللہ صاحب

کی طرح گئی اور لوگ اس مضمون کے مختلف حصّوں پر عُمدہ عمدہ تصانیف لکھ کر ملک کے سامنے پیش کریں۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں جو ۶۶ صفحات پر مشتمل ہے قانون بین الممالک کے اصولوں پر بحث کی گئی ہے۔ اور بقیہ حصّہ کتاب میں اس قانون کی عملی صورت پیش کی گئی ہے ؛

اصول کی بحث میں ڈاکٹر صاحب کے خیالات زیادہ تر جرمن اور فرانسیسی علماء کے نظریوں سے متأثر ہیں۔ اور اس میں انگریزی اور امریکن علماء اور حکومتوں کے نقطۂ نظر کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی گئی۔ یہ ایسا نقص ہے۔ کہ جس کی اہمیت کسی ایسی کتاب میں خاص طور پر بہت زیادہ ہے۔ جو کہ قانون بین الممالک سے علاقہ رکھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عموماً تمام کتاب میں جہاں کوئی اُصول بیان کیا گیا ہے وہاں اس بات کی کوشش نہیں کی گئی کہ اس اصول مختلف بڑی بڑی حکومتوں کے خیالات بھی بیان کر دیئے جاتے۔ حالانکہ قانون بین الممالک کی کسی بحث میں سب سے زیادہ قابل غور یہی بات ہوتی ہے۔ کہ مختلف سلطنتوں کے اس نظریہ اور اصول پر کیا خیالات ہیں۔ کیونکہ در اصل قانون بین الممالک مختلف سلطنتوں کے باہمی میل جول کا قانون ہے اور اس کے بنانے یا اس کی ترمیم و تنسیخ کا اختیار صرف سلطنتوں کو ہی ہے۔ اس واسطے سلطنتوں کے خیالات کا ذکر بہت ضروری امر ہے ؛

مصنف سے جن باتوں پر ہم کو اصولی اختلاف ہے۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر کر دینا لازمی ہے فٹ صفحہ ۳۲ پر فاضل مصنف نے تحریر فرمایا ہے "کہ ہر خود مختار سلطنت اپنا قانون بین الممالک خود بناتی ہے"۔ یہ ایسا نظریہ ہے۔ کہ اگر اس کو درست مان لیا جائے تو قانون بین الممالک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ قانون کے معمول میں پابندی کا جزو لازمی طور پر شامل ہے اور اس کی تبدیل و تنسیخ میں کسی ایک جزو کو مکمل آزادی نہیں دی جا سکتی ورنہ کسی قانون کا قیام ناممکن ہے۔ کسی ایک سلطنت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قانون بین الممالک کے کسی اصول کو خود بدل دے یا کسی بین الملکی پابندی کو از خود دوسرے ممالک پر عائد کر دے۔ قانون بین الممالک تمام سلطنتوں کا ایک ہی ہے اور اس میں کسی ایک سلطنت کو از خود زیادت یا تبدیل یا تنسیخ کا اختیار نہیں۔ رہا یہ سوال کہ بعض وقت کسی خاص جذبہ کے ماتحت سلطنتیں کسی خاص امر میں قانون بین الممالک کی پابندی نہیں

کرتیں۔ اور مسئلہ متنازعہ پر اپنے رویّہ کو اس صورت میں پیش کرتی ہیں۔ جس سے معلوم ہو کہ انہیں اصول قانون سے اتفاق نہیں۔ سوا ایسے واقعات کسی عام قانون کی ہستی کے خلاف دلیل نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسی کہ ہم اپنی ملکی مدنی زندگی میں روزمرہ دیکھ رہے ہیں کہ گمراہ اور مجرم لوگ ہر روز سینکڑوں کی تعداد میں قانون ملکی کو توڑتے اور اس کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود آج تک کسی شخص نے یہ دعوے نہیں کیا کہ مجرموں کا اقدام جرم اور قانون کو توڑنا خود قانون کی ہستی کا منافی ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ مجرموں یا قانون شکنوں کے لئے کوئی الگ سلسلہ قانون ہے ؛

مقولہ منرو کی بحث کے سلسلہ میں تحریر کیا گیا ہے کہ "شمالی اور جنوبی امریکہ کی آزاد مملکتیں مقولۂ منرو کے تحت ممالک متحدہ امریکہ کے تحت ہیں" (ف ۲۱ - صفحہ ۳۵)۔ یہ ایسا اصول ہے۔ کہ جس کی صحت سے حکومت برطانیہ نے ہمیشہ انکار کیا۔ اور خود جنوبی امریکہ کی آزاد سلطنتیں جس سے ہمیشہ انکاری رہی ہیں اور نہ ہی خود ممالک متحدہ امریکہ کا رویّہ اب یا پہلے ہمیشگی کے ساتھ ایسا رہا ہے۔ کہ اس کی بناء پر یہ کہا جا سکے کہ ممالک متحدہ امریکہ کو اس بات پر اصرار ہے۔ کہ براعظم امریکہ کی دوسری آزاد سلطنتیں کسی طرح سے ممالک متحدہ کے تحت ہیں۔ اس اصول کے بیان کرنے میں فاضل مصنف نے ممالک متحدہ امریکہ کی سیاسی پالیسی اور قانونی دعوے یا پوزیشن میں فرق نہیں کیا۔ یہ بات بالکل اور ہے۔ کہ اپنے مفاد کے پیش نظر جمہوریہ امریکہ نے ہمیشہ براعظم امریکہ کی آزاد سلطنتوں کی آزادی کو برقرار رکھنے کو اپنا سیاسی فرض سمجھا ہے۔ اور یہ بالکل اور بات ہے کہ مقولہ منرو کی وجہ سے جمہوریہ ممالک متحدہ اور دوسرے ممالک امریکہ میں کوئی رشتہ حاکم و ماتحت قائم ہو گیا ہے ؛

اس طرح اور بھی کئی ایک باتیں ہیں۔ کہ جن میں ہمیں فاضل مصنف کی رائے سے اتفاق نہیں ؛

ان تمام باتوں کے باوجود کتاب میں بعض خوبیاں بہت قابل قدر ہیں۔ اُردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے۔ کہ جس میں موجودہ قانون بین الممالک کے تذکرہ کے ساتھ اس کی سابقہ تاریخ کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور اس میں مسلمانوں کی سیاست کے وہ اثرات جو موجودہ قانون بین الملکی کے بنانے میں مُمد ہوئے ہوں انکا تذکرہ کسی حد تک کیا گیا ہو۔ یورپ کے علماء کا رویّہ عام طور پر یہ رہا ہے۔ کہ انہوں نے موجودہ قانون بین الملکی

کو روما کے قانون پریٹر پیریگرینس کے سوا بدیدا ور قدیم قانون قدرت یا قانون فطرت سے متعلق کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن کسی یوروپین صاحب علم نے اس بات کو واضح کرنے کی کوشش نہیں کی کہ کیونکر روما کا قانون موجودہ قانون بین الملکی میں مبدل ہوگیا۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے مسلمانوں کی تاریخ کو جاننے کی ضرورت ہے۔ اور مسلمانوں کی سیاست کے مطالعہ کے بعد ہی یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ کس ذریعہ اور کن تدریجی منازل سے گذر کر روما کا قانون لیس گینٹیم اور قدیم قانون قدرت گروشیس کا قانون اور موجودہ قانون بین الملکی بن گئے یہ مضمون ابھی بہت زیادہ حد تک تشنۂ بیان ہے۔ اور اس موضوع پر مستقل کتب کی ضرورت ہے ؛

کتاب کی دیگر خوبیوں میں ایک خوبی یہ بھی ہے۔ کہ ہندوستانی طالب علموں کے شوق میں اضافہ کرنے کے لئے اس میں بعض بعض جگہ ہندوستانی مثالیں اور نظیریں بھی دی گئی ہیں۔ لیکن خود ہندوستان کی پرانی اور ماضی قریب کی تاریخ پر ابھی بہت کم لوگوں نے قانون بین الملکی کے نقطۂ نظر سے غور کیا ہے یہ مضمون خود مستقل محنت اور کاوش کا محتاج ہے۔ اور تمنا ہے کہ کوئی صاحب ذوق اس طرف جلد توجہ کرے مصنف نے اس مختصر سی کتاب میں بین الملکی قانون کے تمام اہم مسائل پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے اور جہاں تک کتاب کے حجم کا تعلق ہے۔ اس نسبت سے مصنف اپنے ارادہ میں کامیاب رہا ہے لیکن کتاب کے مطالعہ کے بعد جو خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس کتاب سے زیادہ واضح اور جامع کتاب کا مطالعہ کیا جائے اور ہمیں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی اس تمنا سے قطعی اتفاق ہے۔ کہ اہل علم صاحبان کو کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ اس مختصر سے رسالے سے ترقی کرکے اس موضوع پر بہتر سے سے بہتر کتابیں لکھی جائیں اور ملک اور زبان کی خدمت کی جائے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب اس فن میں نقش اوّلین ہے اور اس کی خوبی اور عظمت اس کی اسی اولیت میں ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی قدردانی یہ ہوگی۔ کہ اور صاحبان ڈاکٹر صاحب موصوف کے قدم پر چل کر قانون بین الملکی کے مضمون پر ایک گراں قدر ذخیرہ اردو زبان میں پیدا کردیں ؛

کتاب کے اخیر میں ایک مفید انڈیکس اور شروع میں فہرست مضامین بھی ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے اغلاط و اعراب پر ایک نوٹ اپنی کتاب کے شروع میں تحریر کیا ہے۔ اور اس میں

یورپین زبانوں کے الفاظ کے اُردو میں صحیح ادا کرنے کے لئے بعض نئے اعراب والفاظ اردو زبان کے لئے تجویز کئے ہیں۔ ایک حد تک ڈاکٹر صاحب کو اس کوشش میں کامیابی ہوئی ہے۔ لیکن یہ امر ابھی زیادہ توجہ کا محتاج ہے۔ اور اس کا حل ایک شخص کی کوشش سے نہیں۔ بلکہ ملک کے علماء کے اتحاد عمل سے ہوگا ؛

اخیر میں ہم تمام قارئین تنقید سے التماس کریں گے۔ کہ وہ اپنے طور پر ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کتاب کا مطالعہ کریں۔ اور خود قانون بین الملکی جیسے دلچسپ علم سے واقفیت حاصل کریں (محمود علی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور)

(۲) کالیداس ۔ مصنفہ چودھری جے کرشن۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ (عالمگیر پریس۔ لاہور۔) ۱۹۳۷ء ۲۷×۱۷/۱۶ صفحہ ۱۴۴۔ قیمت عہ رفی جلد ؛

ہندوستان کے باغ ادب میں کالی داس ایک سرسبز و شاداب درخت ہے۔ جس کی ہمیشہ بہار سرسبزی، اور شادابی اس باغ میں سیر کرنے والوں کے دل و دماغ کو قرن ہا قرن سے فرحت بخش رہی ہے۔ اس کی بعض تصانیف کا اُردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ لیکن اس زبان میں ابھی تک ایسی کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی۔ جس میں اس ہندی ملک الشعراء کے مکمل حالات درج ہوں۔ چودھری جے کرشن ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل نے اس کمی کو پورا کیا ہے۔ اور خوب پورا کیا ہے۔ چودھری صاحب کی تصنیف تین باب میں منقسم ہے۔ باب اول۔ کالیداس کی سوانحعمری ہے۔ جس میں اس کے زمانہ وطن۔ قومیت۔ اعتقاد۔ تحصیل علم۔ شادی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی تصانیف ہندوستان کی تمدنی و ملکی حالت پر جو روشنی ڈالتی ہیں۔ اس پر نیز ایسے ہی دیگر امور پر بحث کی گئی ہے۔ دوسرے باب میں اس کے کلام کو پرانے و نئے معیار تنقید کی کسوٹی پر کسا ہے۔ تیسرے باب میں اس کی تصانیف کی فہرست۔ ان کے مضمون کا اختصار اور منتخب اشعار کا ترجمہ بطور نمونہ پیش کیا ہے۔ اس باب کے شروع میں سنسکرت شاعری پر ایک عام نظر ڈالی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی کالیداس کی تصانیف کا باہم مقابلہ کیا گیا ہے ؛

کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصنف نے اسے بڑی محنت سے تیار کیا ہے۔ اور

کالیداس کے متعلق کافی لٹریچر پڑھا ہے۔ صرف دو باتیں ایسی ہیں۔ جن کے متعلق محققین میں اکثر اختلاف رائے رہا ہے۔ اول کالیداس کا زمانہ۔ دوسرے بعض نظمیں جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ ان میں سے دوسری بات کے متعلق تقریباً آخری فیصلہ ہو چکا ہے۔ زمانہ کے متعلق ابھی تک دو رائیں ہیں۔ ہندوستان کی روایت کے مطابق اس کا زمانہ پہلی صدی قبل از مسیح کا ہے۔ لیکن یورپی فضلاء اسے چھٹی صدی مسیحی تک لے گئے ہیں۔ موجودہ تحقیق سے اس کا زمانہ چوتھی صدی مسیحی ٹھہرتا ہے۔ یعنی خاندان گپت کا زمانہ۔ کتاب ہذا کا مصنف ہندوستانی روایت کو درست تسلیم کرتا ہے۔ اور اپنا نتیجہ بھی اسی روایت پر مبنی کرتا ہے۔ جس پر دوسرے محققین کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ آخر الذکر راجہ بیر بکرماجیت والئے امین کی ہستی سے منکر ہیں۔ اس لئے ان کو کسی اور بکرماجیت کا سراغ لگانا پڑتا ہے۔ اور وہ ان کو چوتھی صدی مسیحی میں چندر گپت ثانی عرف بکرماجیت کے وجود میں مل جاتا ہے۔ اس کے عہد کے ایک کتبہ کا مضمون اور طریق شاعری کالیداس کے رگھو ونش کے ایک حصہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے ۔

ایک بات میں اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ سنسکرت کے جو الفاظ اس کتاب میں آئے ہیں۔ ان پر اعراب لگا کر ان کا صحیح تلفظ ظاہر کر دینا چاہیئے تھا۔ بعض الفاظ جو اردو زبان میں مشہور ہو چکے ہیں جیسے بکرماجیت۔ ان کو اسی صورت میں رکھنا چاہیئے تھا۔ دکرم آدتیہ (صفحہ ۸) لکھ کر اس کو ناقابل شناخت بنا دیا گیا ہے ۔

یہ کتاب اُردو لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔ اور دیگر سنسکرت ہندی مصنفین پر ایسی ہی کتابیں اردو زبان میں نکلنی چاہئیں۔ بلاشبہ ہندو مسلم اتحاد کو پیدا کرنے والے اسباب و ذرائع میں ایک دوسرے کی ادبیات کا مطالعہ بھی ایک زبردست سبب اور ذریعہ ہے۔ جیسا کہ حال ہی میں یونٹی کانفرنس کے موقعہ پر کسی صاحب نے فرمایا تھا۔ اس لحاظ سے چودھری صاحب کی تصنیف نہ محض ادبی بلکہ سوشل اور پولٹیکل اہمیت بھی رکھتی ہے ۔

(ڈاکٹر) بنارسی داس جین۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

(۳) A monograph on Moslem Caligraphy by M. Zia-ud Din — Lecturer in Islamic Studies, Visva-Bharati santi Niketan

Visva Bharati Studies No. 7. Pp. 12 + 72.

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، اس رسالہ کا موضوع اسلامی خطاطی ہے۔ علاوہ دیباچہ اور مقدمہ کے اس میں چھ مضامین شامل ہیں۔ (۱) قلم کوفی (۲) اسلامی سوسائٹی میں خطاط کا مقام (۳) قلم نسخ اور دوسرے اقلام۔ پہلے یہ مضامین مشہور تماہی رسالہ "وسوابھارتی" میں شائع ہوئے۔ پھر نومبر ۱۹۳۶ء میں ان کو کتابی صورت میں یکجا شائع کر دیا گیا۔ مواد کو واضح کرنے کے لئے جا بجا تمثیلی توضیحات دی گئی ہیں جن کی تعداد ۱۶۳ ہے۔ ان میں سے نو پورے صفحہ پر آئی ہیں۔ اس رسالہ میں اسلامی خطاطی کی خصوصیات اور تاریخ مجمل مگر مفید طور پر بیان ہوئی ہے۔ آخر میں مآخذ کی مفصل فہرست دی گئی ہے۔ طباعت نہایت اعلیٰ ہے۔ انگریزی زبان کا یہ رسالہ محنت اور وسیع مطالعہ کے بعد مرتب کیا گیا ہے اور طالبانِ فن کے لئے بہت مفید ہے۔ قیمت چار روپیہ۔ مکتبہ وسوابھارتی نمبر ۲۱ کارنوالس سٹریٹ کلکتہ سے طلب کیا جائے۔

(۴) **عصامی نامہ** تصنیف سید یوسف بی۔ اے (علیگ) حیدرآبادی جونیئر لیکچرار فارسی مدراس یونیورسٹی صفحات ۲ + ۲ + ۲۸، جی۔ ایس پریس، مدراس، اپریل ۱۹۳۷ء،

یہ منظوم رسالہ (فارسی) بطرزِ مثنوی گویا فتوح السلاطین تصنیف منظوم عصامی کا دیباچہ ہے۔ اس میں عصامی اور اُس کی منظوم تاریخ ہندوستان کا حال دیا گیا ہے۔ رسالہ میں دو دیباچے بھی ہیں۔ ایک فارسی نثر میں دوسرا انگریزی میں۔ سید صاحب کے قول کے مطابق عصامی کی نسبت عصام حاجبِ نعمان بن منذر شاہ حیرہ سے ماخوذ ہے۔ معلوم نہیں یہ اُن کا اپنا قیاس ہے یا خود عصامی نے اس کا ذکر کیا ہے[1]۔

بہرحال یہ دکن میں پیدا ہوئے اور ۷۵۰ھ میں انہوں نے علاء الدین حسن بہمن شاہ کے نام پر اسلامی فتوحات کی تاریخ لکھی جس میں سلطان محمود غزنوی کے حملوں سے لے کر اپنے زمانے تک کا حال درج کیا۔

---

[1] عربی میں کئی عصامیا و لاکن عظام میا مشہور رسل ہے، جس سے عصامی وسمنی کلمہ کے طور پر حاصل ہو سکتا ہے۔ عصامی کی نسبت عصام (علم) کی طرف بھی ممکن ہے۔ تعجب ہے کہ انساب سمعانی اور لباب السیوطی میں یہ نسبت مذکور نہیں۔ ایک ہی گھرانے کے متعدد مصنفوں کی نسبت عصامی رقم کی نظر سے گزری ہے کیمبرج یونیورسٹی میں تاریخ عصامی کا نسخہ ہے جس کا مصنف عبدالملک بن حسین بن عبدالملک العصامی المتوفی ۱۱۱۱ھ ہے (رک فہرست براون (ص ۲۴) و تکملہ فہرست ریو (مخطوطات عربیہ ص ۲۶)) تحفۃ فی علم العربیہ متممۃ لمسائل الجرومیۃ کا مصنف جمال الدین عصامی ہے (فہرست گوتھا ۱: ۲۹۸) جو ظاہر عبدالملک کا پردادا ہے، عبدالملک کا دادا۔ م ۱۰۳۷ھ بھی کثیر التصانیف تھا۔

فتوح السلاطین کا ایک نسخہ انڈیا آفس کے کتاب خانہ[1] میں ہے اور ایک نسخہ حیدرآباد دکن میں مولوی محمد غوث کے کتاب خانے میں بظاہر ان دونوں نسخوں سے سید صاحب موصوف نے اس نادر کتاب کو مرتب کیا ہے، اُمید ہے کہ مدراس یونیورسٹی اس کتاب کو طبع کرا کر ان قیمتی کہنہ آثار کو حیاتِ تازہ بخشیگی۔ ہر دست عصامی نامہ کے ذریعہ سے عصامی سے دُنیا کو روشناس کرنے کا سہرا سید یوشع کی کوشش کے سر ہے۔

(۵) - مجموعہ تحقیقات علمیہ جامعہ عثمانیہ ج ۳ - بابت ۱۹۳۵ء

یہ عثمانیہ یونیورسٹی کے ریسرچ بورڈ کا رسالہ ہے، جو سال میں ایک مرتبہ حیدرآباد دکن سے شایع ہوتا ہے۔ یہ اس مجموعہ کی تیسری جلد ہے جس کا حسب معمول ایک حصہ انگریزی اور دوسرا اُردو مضامین پر مشتمل ہے۔ غالباً یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ موجودہ جلد میں تحقیق علمیہ کا معیار اگر بلند نہیں ہوا تو پرانی شان میں کمی بھی نہیں آئی۔ اُردو کے حصے میں سب سے پہلا مضمون مولانا عبدالحق صاحب کا ہے جس کا عنوان یہ ہے: "پرانی اُردو میں قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں"۔ اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اُردو کی قدیم ترین تفسیر جو مولانا کو دستیاب ہوئی ہے دسویں صدی کے اواخر یا گیارھویں صدی کے اوائل کی تالیف ہے جو آمین کی یوسف زلیخا (۱۰۹۱ھ) کی طرح کی ہے۔ اس کی زبان گجراتی اُردو ہے، اور مذکورہ بالا کتاب سے ملتی جلتی ہے۔

مولانا نے اس کے علاوہ کچھ اور ترجموں کا بھی ذکر کیا ہے۔ حصہ اُردو میں ایک مضمون بعنوان "سیف الدولہ حمدانی" پروفیسر جمیل الرحمٰن صاحب ایم۔اے کا "عربوں کے تعلقات بیزنطینی سلطنت سے" ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کا اور "علاؤالدین خلجی کی سیرت اور مسلک" سید سراج الدین احمد صاحب لکچرار تاریخ جامعہ عثمانیہ کا ہے۔

انگریزی کے حصے میں زیادہ تر سائنٹیفک مضامین ہیں، جو جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ کرام کے لکھے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر یوسف حسین صاحب کا ایک مضمون "نادرشاہ کا حملہ اور نظام الملک کا ثالث بالخیر ہونا" نہایت دلچسپ اور محققانہ ہے۔

جامعہ عثمانیہ مستحق مبارکباد ہے جس کا ریسرچ بورڈ تحقیق علمیہ کے تعلق بہت دلچسپی لے رہا ہے اور اس کی مساعی جمیلہ سے ملکی زبان میں قابل قدر اضافہ ہو رہا ہے +

(ڈاکٹر) سید محمد عبداللہ ایم۔اے
پنجاب یونیورسٹی لائبریری

---

[1] اس نسخہ کا حال فہرست مخطوطات انڈیا آفس ص ۵۵۹ پر دیا ہے، مرتب فہرست کے نزدیک عصامی غالباً وہی خواجہ عبدالملک عصامی ہے۔ جس کا ذکر سپرنگر نے اپنی فہرست صفحہ ۸۱ پر کیا ہے۔

(۶) - **اسلامی طب** :- از جناب ابن مظہر قاضی معین الدین رہبر فاروقی، ضخامت ۲۰۷ صفحات سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت غیر مجلد ایک روپیہ، مجلد ایک روپیہ چار آنے۔ ملنے کا پتہ: بن برج ہاؤس، عابد بلڈنگ مصطفیٰ بازار حیدرآباد، دکن

علم طب کی جو خدمات مسلمانوں نے کی ہیں، طبی دنیا اس کے احسانات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی۔ عربوں یا مسلمانوں کی طبی خدمات پر دنیا کی بیشتر زبانوں میں تالیفات موجود ہیں، اور مزید کوششیں برابر جاری ہیں چنانچہ مختلف اہل قلم تحقیقی مقالے لکھتے رہتے ہیں اور بعض کتابیں تو ضخامت اور معلومات کے اعتبار سے بہت بلند درجہ رکھتی ہیں۔ یہاں ایک اہم فرانسیسی کتاب قابل ذکر ہے۔ فرانس کے قابل مؤلف Leclerc نے عربی علم طب کی تاریخ پر ایک نہایت مبسوط کتاب Histoire De La Medecine Arabe کے نام سے تالیف کی ہے، یہ کتاب پیرس میں ۱۸۷۶ء میں طبع ہوئی۔ اس میں عربی علم طب کے تاریخی ارتقار پر ترتیب وار بحث کی گئی ہے، اور صقلیہ، فارس، شام، مصر، مغرب اور اندلس غیرہ حکما کے حالات پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے عربی زبان میں تو اس موضوع پر بکثرت کتابیں قلمی اور مطبوعہ ملتی ہیں چنانچہ حال ہی میں حداد سامی کے قلم سے ۹۷ صفحات کا ایک مختصر مگر مفید رسالہ "مآثر العرب فی العلوم" طبیعیہ کے نام سے بیروت سے ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے۔ مگر اردو زبان میں اس موضوع پر بہت ہی کم سرمایہ موجود ہے، لیکن چند اہل ذوق حضرات نے اس جانب توجہ فرمائی ہے، اور آہستہ آہستہ یہ کمی پوری ہوتی نظر آرہی ہے چنانچہ مختلف علمی اور تحقیقی رسائل میں وقتاً فوقتاً طب عرب پر مضامین شایع ہوتے رہتے ہیں ضرورت تھی کہ کوئی باہمت اہل قلم اٹھیں اور اس موضوع پر ایک جامع کتاب لکھیں۔ قاضی رہبر فاروقی صاحب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ آپ نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اردو ادب میں ایک گرانقدر کتاب تالیف فرمائی ہے یہ کتاب اس سلسلہ کی آخری کڑی تو قرار نہیں دی جا سکتی مگر اس باب میں پہلی کامیاب کوشش ضرور ہے کتاب کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ لائق مؤلف نے اس کتاب میں ۸۷ مضامین پر قلم اٹھایا ہے، اور اختصار کے ساتھ بہت سی مفید معلومات یکجا جمع کر دی ہیں۔ کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، حصہ اوّل (از صفحہ ۱ تا ۸۷) میں عرب و دیگر سلاطین اور اطبار کی طبی مساعی کا ذکر ہے۔ بعض اہم مضامین درج ذیل ہیں:- علم طب کی ابتدا، طب ایام جاہلیت میں، بنی اُمیہ اور طب، طب خلفائے عباسیہ کی سیادت میں، ویدک کی مختصر تاریخ، علم ویدک کی کتابوں کے ترجمے، طب اسلامی آل ساسان کی سرپرستی میں سلجوقیہ دور میں طب کا اعجاز اندلس میں طب، مصری طب، عہد عثمانیہ میں طب؛ حصہ دوم (از صفحہ ۸۸ تا ۱۲۵) میں شمالی ہند کے بادشاہوں اور طبیبوں کے کارنامے مذکور ہیں اور حصہ سوم (از صفحہ ۱۲۶ تا ۲۰۷) دکن کے حکمرانوں اور دکنی طبیبوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ حصہ دوم میں سلطنت مغلیہ تک کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں، اگر حصہ سوم میں چند ایک معاصرین کا ذکر بھی آگیا ہے،

کتاب جابجا مفید معلومات سے لبریز ہے۔ مؤلف نے کتاب کی تالیف میں بہت محنت کی ہے اور مؤلف کا مقصد یہ ہے کہ ایک طرف تو "طب اسلامی کی وقعت لوگوں کی نظروں میں دوبارہ پیدا ہو جائے" اور دوسری جانب صاحبان فن کو ان کے اسلاف کے کارنامے سنا کر گرمایا جائے۔ دوران بحث میں بعض نادر طبی مخطوطات کے ذکر نے اس کتاب کی قدر و منزلت میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے، یہ امر موجب طمانیت ہے کہ علمی تحقیقات کے ساتھ ساتھ کتاب کی دلچسپی قائم رکھی گئی ہے، مختلف ادوار میں فن طباعت کی ترقیاں، آلات جراحی کی ایجادات، شفاخانوں کے قیام، اور اطبار کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ باوجود ان خوبیوں کے کتاب نہایت مختصر ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس موضوع پر اردو میں مبسوط اور جامع کتابیں لکھی جائیں،

قارئین کرام سے پُرزور سفارش ہے کہ وہ اس کتاب کا فہرست مطالعہ کریں تاکہ ایک طرف تو مؤلف کی حوصلہ افزائی ہو اور دوسری جانب آپ علم طب کے باب میں مسلمانوں بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کی گرانقدر اور بیش بہا خدمات سے آگاہ ہوں۔

عبدالقیوم - میکلوڈ سٹریک ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔ لاہور

(۷) - **الموسیٰ** (یادگار دلی) بابت خورداد ۱۳۴۶ھ فصلی :- الموسیٰ طلبۂ یونیورسٹی کالج حیدرآباد (دکن) کا علمی و ادبی رسالہ ہے۔ مجلس نمبر یادگار دلی ہے جو تقریب جشن دوصد سالہ آدم پختہ سید محمد دلی اورنگ آبادی المتخلص بہ دلی شایع ہوا ہے "یادگار دلی منانے کی تحریک ابتدا میں سٹی کالج کی بزم ادب کی طرف سے شروع ہوئی اور ایک مجلس منتظمہ بنا دی گئی جو جامعہ عثمانیہ و سٹی کالج کے بعض اساتذہ پر مشتمل تھی اس مجلس نے حیدرآباد و بیرون حیدرآباد کے سربرآوردہ اہل قلم کو اس موقعہ پر علمی اعانت و تعاون کی دعوت دی اور مختلف جامعات کے طیسانی و غیر طیسانی طلبہ سے "اردو شاعری میں ولی کا رتبہ" کے موضوع پر مسابقتی مضامین لکھنے کی درخواست کی اسکے علاوہ کئی اردو کے مخطوطات اور قدیم تصاویر کی نمایش کا اہتمام کیا ۳ یوم ولی کا پہلا اجلاس بصدارت نواب سالار جنگ بہادر ۴ فروری یوم چہارشنبہ کو ۴ بجے شام منعقد ہوا۔ سب سے پہلے نمایش کا افتتاح کیا گیا اسکے بعد اجلاس میں اطراف ہند سے مختلف ارباب علم کے بیانات پڑھے گئے پھر ظہیر اور مقالے سنائے گئے

دوسرے دن کا اجلاس ۵ بجے صبح سے ۱۲ بجے تک رہا اس کی صدارت نواب مہدی یار جنگ بہادر نے فرمائی یہ ولی کی کرامت سے کم نہیں کہ وفات سے دو سو سال بعد اپنے ابنائے وطن سے خراج تحسین وصول کیا" یہ خاص نمبر اس دو روزہ کارروائی کی روداد ہے جو تیس مقالات و خطبوں اور ۲۷۲ صفحات پر شامل ہے اکثر مقالے دکن کے باشندہ یا بیدمعروف ارباب قلم کے نوشتہ ہیں ولی کے حالات و سوانح حیات۔ اسکی طبیعت و شاعری اور تلامذہ نیز اسکی سیرت کے دیگر پہلوؤں پر کافی روشنی ڈالتے ہیں نظم نمبر میں سید سکندر علی صاحب وجد اور غلام طیب صاحب بیتاب اور مولوی محمد دمم محی الدین صاحب کی نظمیں اپنے حسن تخیل نزاکت ادا و اسلوب بیان کے لحاظ سے ارباب ذوق سے خراج تحسین وصول کرینگی

نمایش میں تقریباً پانسو مخطوطات جو تمام تر دکنی زبان سے تعلق رکھتے تھے منظر عام پر لائے گئے تھے۔ ان میں سے ۳۲۵ نسخوں کی ایک فہرست جو نمایش سے دو روز قبل تک دھول ہو چکے تھے شامل روداد ہذا ہے باقی کتابیں جو بعد میں آئیں بدقسمتی سے درج فہرست نہ ہوسکیں قدامت کے لحاظ سے مثنوی خوب ترنگ نوشتہ ۱۰۸۱ھ سیف الملوک و بدیع الجمال از ملا خواصی نوشتہ ۱۰۶۷ھ سب رس از ملا وجہی نوشتہ ۱۰۸۳ھ اور پھول بن از ابن نشاطی نوشتہ ۱۰۶۵ھ قابل ذکر ہیں نمایش میں ایک سو قلمی تصاویر قدیم و جدید بھی شامل تھیں جن میں سلاطین قطب شاہیہ و عادل شاہیہ اور ان کی بیگمات صوفیاء و اولیاء خاندان آصفیہ ان کے درباری عمائدین اور شہزادگان کی تصاویر شامل تھیں ہندوستان میں شاید یہ پہلا موقعہ ہے جو اتنے بڑے پیمانے پر نمایش دکنی قلمیات کی گئی ہے۔

طبقۂ صوفیہ اپنے بزرگوں کے عرس قدیم سے مناتا چلا آرہا ہے قدیم اساتذہ کی یادگار منانے کی رسم گو جدید ہے مگر نہایت مبارک ہے اس سے ہم میں صحیح وجدان ترقی پاتا ہے۔ اور بیداری کے آثار پیدا ہوتے ہیں۔ صحیح وطن پرستی اسی کا نام ہے اس مغرب زدگی کے دور میں ایسی تقریبات کا بروی کار آنا نہایت مبارک فال ہے۔

رسالہ ہذا نہایت اعلےٰ کاغذ پر چھپا ہے جابجا بلاک کی تصاویر سے جو تعداد میں چوبیس ہیں اس کی دلکشی میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔ لکھائی چھپائی نہایت نفیس۔ قیمت فی پرچہ عہ ملنے کا پتہ:- دفتر الموسیٰ سٹی کالج حیدرآباد (دکن)

(حافظ محمود شیرانی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور)

اسماء شعرا

(سلسلہ کے لئے دیکھیے میگزین بابت اگست ۱۹۳۶ء)

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۴ عدد (۲) بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۳۸ء عدد مسلسل ۵۲

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	کلام منوچہری ———	صوفی محمد ضیاء الحق گورنمنٹ کالج جھنگ	۳
۲	مولینا حالی کی کتب سوانح ———	سید محمد عبداللہ ایم۔اے۔ڈی۔لٹ	۲۹
۳	ترجمہ ادبیات ایران ———	سید اولاد حسین صاحب شاداں بلگرامی	۵۲
۴	راسا اور ابوالفضل ———	پروفیسر حافظ محمد محمود صاحب شیرانی	۵۹
۵	الحوادث الجامعہ فی المائۃ السابعہ ———	ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے۔پی ایچ۔ڈی	۶۸
۶	بابا فرید گنج شکر۔شیخ ابراہیم۔اور فرید ثانی	ڈاکٹر موہن سنگھ صاحب دیوانہ۔ایم۔اے	۷۵
۷	تنقید و تبصرہ ———	ادارہ ———	۸۲
۸	اسماء شعراء۔جن کا کلام لسان العرب میں درج ہوا ہے +	مولوی عبدالقیوم ایم اے، میکلوڈ عربک ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی	۶۵ تا ۹۶

نوٹ:۔ جملہ مضامین کے خیالات سے مجلس ادارت کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر چھپا اور بابو صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے۔ کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت، عربی، فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ٭

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائیں گے ٭

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اوّل عربی، فارسی، پنجابی، (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ٭

وقت اشاعت و قیمت اشتراک یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر، فروری، مئی، اگست[1] میں شائع ہوگا سالانہ چندہ حصہ اُردو کے لئے ۲؎ اور اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت سہ ماہی شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری مئی و ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے ٭

خط و کتابت و ترسیل زر خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ٭

محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ٭

قلم تحریر حصہ اُردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم۔ اے، اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ٭

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے ٭

کلامِ منوچہری

(گذشتہ سے پیوستہ)

مسمطات ۔ منوچہری اپنے کلام سے ایک کہنہ مشق شاعر معلوم ہوتا ہے اور اکثر عجیب عجیب قافیوں اور سادہ الفاظ کا استعمال کرتا ہے۔ اسکے علاوہ اس نے شعر گوئی کے نئے نئے طریقے نکالے۔ غالباً وہ سب سے پہلا فارسی شاعر ہے جس نے مسمط میں شعر کہا ہے۔ یہ نظم چند بندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہر بند میں چھ مصرع ہوتے ہیں جو ہم قافیہ ہوتے ہیں یا پہلے پانچ ہم قافیہ اور چھٹا یعنی آخری پہلے بند کے آخری مصرع کے ساتھ ہم قافیہ ہوتا ہے منوچہری کو مسمط کا موجد مانا گیا ہے اور اسے خود بھی اس بات پر ناز تھا چنانچہ کہتا ہے ؎ طاؤس مدیح عنصری خواند ہ دُرّاج مسمط منوچہری

ان مسمطات میں منوچہری نے واقعات کے بیان کرنے میں بالکل ایک نئی طرز استعمال کی ہے ایک مسمط میں اس نے انگوروں کی بیل کی نشو ونما سے لے کر شراب تیار ہونے تک کے تمام مختلف تغیرات کو تشبیہ کے پیرایہ میں بیان کیا ہے انگوروں کی بیل کو ایک ماں اور انگوروں کو اس کی متعدد بیٹیاں قرار دیا ہے باغبان ان بیٹیوں کو دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا ہے اور ان کو اکثر دیکھنے کے لئے آتا رہتا ہے اتفاقاً اسے چند روز کے لئے باہر کسی سفر پر جانا پڑتا ہے واپسی پر وہ دیکھتا ہے کہ بیٹیوں کے خوبصورت چہروں کا رنگ سیاہ پڑ گیا ہے۔ اور وہ تمام کی تمام حاملہ ہو گئی ہیں (شیرہ کی وجہ سے بوجھل ہو گئی ہیں) یہ معلوم کر کے اسے سخت صدمہ پہنچتا ہے اور وہ گمان کرتا ہے۔ کہ یہ لڑکیاں بدمعاش ہیں۔ لڑکیاں عذر کرتی ہیں لیکن وہ ان کی بات پر یقین نہیں کرتا۔ اور ان کے سر کاٹ ڈالتا ہے ....

یہی پیرایہ بیان آخر نظم تک چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ شراب تیار ہو جاتی ہے، اس طرز کا لطف نظم کے پڑھنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اسلئے چند منتخب شعر ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں ؎

شاخِ انگورِ کہن دخترکاں زادبسے — کہ نہ از درد بنالید و نہ برزد نفسے

ہمہ را زاد بیک دفعہ نہ پیش و نہ پسے — نہ ورا قابلۂ بود و نہ فریاد رسے

ایں چنین آساں فرزند نزاد است کسے

کہ نہ دردے بگرفتہ متواتر نہ تبے

چوں بنگہ کرد بداں دخترکاں مادر پیر — سیر بودند یکایک چہ صغیر و چہ کبیر

کردشاں مادر بستر ہمہ از سبز حریر　　نہ خورش داد مراں بچگاں زاد نہ شیر
نہ شغب کردند آں بچگاں نہ ہیچ نفیر
بچۂ گر سنہ دیدی کہ ندارد شغبے

بچگانش بنہادند تن خویش بر آب　　نہ جہیدند و نہ جستند ازاں بستر خواب
گرد کردند سرین محکم کردند رقاب　　رویہا یکسرہ کردند بزنگار خضاب
دادشاں رزباں پیوستہ شرابے چو گلاب
نشد از جانب شاں غائب روزے و شبے

گفت پندارم کاں دختر کاں آن من اند　　چوں دل و چوں جگر و چوں تن و چوں جان من اند
تا بباشند بریں رزد مہماں من اند　　رز فردوس من است ایشاں ضیوان من اند
دریں باغ دریں خان و دریں مان من اند
دارم اندر سر شاں سبز کشیدہ سلبے

در چو بکشاد و بداں دختر کاں کرد نگاہ　　دید چوں زنگی ہر یک را دو روئے سیاہ
جائے جائے بچہ تاباں چوں زہرہ و ماہ　　بچۂ سرخ چو خوں و بچۂ زرد چو کاہ
سرنگونسار ز شرم و رو تیرہ ز گناہ
ہر یکے با شکم حامل و پر نار لبے

رزباں را بد و ابروے بر افتاد گرہ　　گفت لاحول ولا قوۃ الا باللہ
ایں بلائے بچگاں در حق من آمدہ زہ　　ہمہ آلبستن گشتند بیک شب کہ دمہ
نیست یک تن بمیان ہمگاں ایدر بہ
این چنیں زانیہ باشند بچۂ ہر عنبے

دختران رز گویند کہ ما بے گنہیم　　ما تن خویش بدست بنی آدم ندہیم
ما ہمہ سر بسر آلبستن خورشیدوہیم　　ما تو انیم کہ از خلق جہاں دور جہیم

نتوانیم کہ از ماہ و ستارہ بر ہیم
زآفتاب و مہ ماں سُود ندارد ہر بے

روز ہر روزے خورشید بتابد بر ما خویشتن بر فگند بر تنِ ما و سرِ ما
چوں شب آید بر دو خورشید از محضرِ ما ماہتاب آید و بر چہرہ و پیکرِ ما
ویں دو تن دُور نگردند ز بام و درِ ما
نکند ہیچ کس ایں بے ادباں را ادبے

منوچہری کا ایک محبوب ترین موضوع

اِس نظم کے علاوہ اور بہت سی نظموں میں منوچہری زنگی، حمل، دایہ۔ شیر خوارگی اور دردِ زہ وغیرہ امور کا عام ذکر کرتا ہے، وہ تمام چیزوں مثلاً زمین، بادل، سیب، انار وغیرہ سب کو حامل خیال کرتا ہے مثلاً ؎

واندر شکمش خورد ک خورد ک دو سہ گنبد ٭ زنگی بچۂ خفتہ بہر یک چوں قار

یا مثلاً ؎ یک دختر دوشیزہ بدوزخ ننماید اِلّا ہمہ آلبستن و اِلّا ہمہ بیمار

خُم شراب کے بارہ میں کہتا ہے ؎

چو آبستاں اشکم آوردہ پیش چو خرمابُناں پہن فرقِ سرے

اس نے زمانہ اور موسم کو بھی حامل قرار دیا ہے ؎

زمانہ حاملِ ہجر است ولابُد نہد یک روز بارِ خویش حامل

اور ؎ باز جہاں خرم و خوب ایستاد مُرد زمستان و بہاراں بزاد

زمین اور مرغانِ چمن کے متعلق کہتا ہے ؎

خاک پنداری بماہ دمشتری آلبستن است مرغ پنداری کہ ہست اندر گلستاں شیر خوار
آں یکے گویا چراشد نارسیدہ چوں مسیح واں دگر بے شوے چوں مریم چرا بر داشت بار

بارش کے قطرے پھولوں کے بچّوں کے لئے دودھ کا کام دیتے ہیں ؎

وآں قطرۂ باراں سحر گاہے بنگر بطرفِ گُل ناشگفتہ بر سیار

همچو پستان پریروئے عروساں　　واندر سر پستان بشیر آمدہ ہموار

رات ہر روز ایک بچہ دیتی ہے ؎

شبے گیسو فرو ہشتہ بدامن　　پلاسش معجر و قمریش گرزن

بکردار زنے زنگی کہ ہر شب　　بزاید کودکے بلغاری آں زن

ایک انار کے ہاں تین سو لڑکیاں پیدا ہوتی ہیں ؎

آں نار ہمیدوں بزن حاملہ ماند　　واندر شکم حاملہ مشتے پسر انست

مادر بچہ را یا دو پسر آرد یا سہ　　وین نار چرا مادر سیصد بچگانست

انگور سیاہ است وچو ماہ است عجب نیست　　زیرا کہ سیاہی صفت ماہ رویانست

عیبش جز ایں نیست کہ آبستن گشتہ　　او نیز یکے دختر کے تازہ جوانست

بے شوے شود آبستن چوں دختر عمراں　　ویں قصہ بسے خوب تر و خوشتر ازانست

زیرا کہ گر آبستنِ مریم بدہاں بود　　ایں دختر زر از نہ لب است و نہ دہانست

آبستنیٔ دختر عمراں بہ پسر بود　　وآبستنیٔ دختر انگور بجانست

اس کے ہاں بادل بھی حامل ہے ؎

کنار آبداں گشتہ بشاخ ارغواں حامل　　سحاب ساجگوں گشتہ بطفل عاجگوں حبلیٰ

الغرض تقریباً تمام دیوان ایسے خیالات سے پُر ہے

منوچہری کی قوّتِ بیان

منوچہری غیر جاندار چیزوں کی تعریف اور بیان کرتے وقت ایک غیر معمولی ہستی معلوم ہوتا ہے۔ خواہ وہ چیز طبعی ہو مثلاً قوس قزح کا ظہور یا موسلا دھار بارش کا نزول وغیرہ اور خواہ مصنوعی مثلاً شمع یا قلم یا خم یا شراب وغیرہ۔ یہی حال نباتی اشیاء کے بیان کا ہے۔ مثلاً سیب۔ سنگترہ یا نارنگی وغیرہ۔ چنانچہ چند ایک مثالیں توضیح مقام

کا کام دیں گی ؎

بنگر بہ ترنج اے عجبے دار کہ چون است — بستانے سخت است و درازاست و نگون است
زردا ست و سپید است و سپیدش فزون است — زردیش برون است و سپیدیش درون است
چوں سیم درون است و چو دینار برون است — آگندہ براں سیم درون لؤلؤے شہوار

اپنے ممدوح کے ایک محل کا نقشہ یوں کھینچا ہے ؎

ایں قصر خجستہ کہ بنا کرد اسال — با غرفۂ فردوس بفردوس قرین است
چوں قدرِ تو عالی و چو روئے تو کشادہ — چوں عہدِ تو نیکوی و چوں طبعِ تو رزین است
چوبش ہمہ از صندل و از عودِ قماری — سنگش ہمہ از گوہر و یاقوت ثمین است
آبش ہمہ از کوثر و از چشمۂ حیواں — خاکش ہمہ از عنبر و کافور عجین است

اسی طرح ایک خم شراب کا ذکر یوں کیا ہے ؎

چنیں خواندم امروز در دفترے — کہ زندا ست جمشید را دخترے
سفالیں عروسے بمہر خدائے — بر و بر نہ زرّے و نہ زیورے
بہ بستہ سفالیں کمر ہفت ہشت — نگندہ بسر بر تنک معجرے
بسے خاک بہ نشستہ بر فرقِ او — نہادہ بسر بر گلیں افسرے
ہمی بوئے مشک آیدش از دہاں — چو بوئے بخور آید از مجمرے
بسا غرلب خویش بر دم فراز — مرا ہر بسے گشت چوں شکرے

ایک گھوڑے کی تعریف جو ممدوح نے اسے عطا کیا تھا ملاحظہ ہو ؎

آفریں زاں مرکب شبدیز نعل درخش روے — اعوجے مادرش و آں مادرش را یحموم شوے
گاہ بر رفتن چو مرغ و گاہ بچیدن چو مار — گاہ را ہواری چو کبک و گاہ برجستن چو گوے
چوں نہنگاں اندر آب و چوں پلنگاں بر جبال — چوں کلنگاں بر ہوا و ہمچو طاؤساں بکوے
ابر سیر و باد گرد و رعد بانگ و برق جہ — کوہ کوب و سیل برو شخ نورد و راہ جوے

چونکہ یہ گھوڑا بغیر زین کے ملا تھا اس لئے آخر میں کہتا ہے ؎

این چنیں اسپے مراد است بے زیں شہریار　　اسپ بے زیں آنچناں باشد کہ بے دستہ سبوے

آئندہ اشعار میں دنیا کی بے ثباتی اور انقلابات روزگار کا سماں دکھلایا ہے ؎

بہمانا چہ بد مہرو بد خو جہانی　　چو آشفتہ بازار بازارگانی

بدرد کساں صابری اندر و تو　　ببدنامئ خویش ہم داستانی

بہر کار کردم ترا آزمایش　　سراسر فریبی سراسر زبانی

وگر آزمایمت صد بار دیگر　　ہمانی ہمانی ہمانی ہمانی

غمیں ترکس آنکش غنی ترکنی تو　　فروتر کس آنکش تو برتر نشانی

ہمہ روز ویراں کنی کار مارا　　نترسی کہ یک روز ویراں بمانی

ستانی ہمی زندگانی زمردم　　از یرا درازت بود زندگانی

بزرق تو ایں بارغرہ نگردم　　گر انجیل و توراۃ پیشم بخوانی

ایک قصیدہ میں طلوع آفتاب، ہوا کے چلنے، بجلی کے چمکنے، کڑک، طوفان باران اور سیلاب وغیرہ امور طبعیہ کا نظارہ بدیں الفاظ پیش کیا ہے ؎

سر از البرز برزد قرص خورشید　　چو خوں آلودہ دزدے سر زمکمن

بکردار چراغ نیم مردہ　　کہ ہر ساعت فزوں گردد ز روغن

برآمد باد از اقصائے بابل　　ہبوبش خارہ در و بارہ آنگمن

تو گفتی کز ستیغ کوہ سیلے　　فرود آرد ہمی احجار صد من

ز روئے بادیہ برخاست گردے　　کہ گیتی کرد ہمچوں خز اد کن

بجستے ہر زماں از میغ برقے　　کہ کردے گیتئ تاریک روشن

چناں آہنگرے کز کورۂ تنگ　　بشب بیروں کشد رخشندہ آہن

خروشے برکشیدے تند تندر　　کہ موئے مردماں کردے چو سوزن

بلرزید سے زمیں از زلزلہ سخت — کہ کوہ اندر فتاد سے زو بگردن
تو گفتی ہر زمانے زندہ پیلے — بلرزاند ز رنج پشگاں من
فرو بارید بارانے ز گردوں — چناں چوں برگ گل بار وز گلشن
ز صحرا سیلہا بر خاست ہر سُو — دراز آہنگ و بچیپان و زمیں کن
نماز شامگاہاں گشت صافی — ز روئے آسماں ابرِ معکن

مندرجہ بالا اشعار ہمارے خیال میں نہائت اعلےٰ پایہ کے ہیں، اس سے بڑھ کر وضاحت کے ساتھ ایسے امُور کا نقشہ کھینچنا ناممکن ہے، اسی طرح موسم بہار کا ذکر تقریباً تمام شعرائے ایران نے کیا ہے، لیکن جو قدرتی تصویر منوچہری نے کھینچی ہے اس کی مثال متاخرین و متقدمین میں سے کسی سے بن نہیں آئی۔ وہ صرف گل و بلبل کے ذکر پر ہی اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ وہ سامعین کو ہر ایک درخت، پھل، پھول، پتے، شاخ اور تمام قدرتی چیزوں خصوصاً پرندوں کی طرف متوجہ کرتا ہے، چنانچہ ایک مسمط کے دو بند ملاحظہ ہوں جو موسم بہار پر ہے ؎

روئے گل سرخ بیاراستند — زلفکِ شمشاد بہ پیراستند
کبکاں بر کوہ بتگ خاستند — بلبلکاں زیر ستا خواستند
فاختگاں ہمبر بنشاستند — نائے زناں بر سر شاخ چنار
طوطیکاں بر گلکاں تاختند — آہوکاں گوش برافراختند
گور خراں میمنہا ساختند — زاغاں گلزار بہ پرداختند
بے دلکاں در پئے دل تاختند — با ترکانِ چگل و قندھار

ایک اور مسمط کا بھی یہی حال ہے۔ نمونہ یہ ہے ؎

کبکاں بے آزار کہ بر کوہ بلندند — بے قہقہہ کیبار نہ بینیم کہ خندند
جز خار بناں جانگہِ خود نہ پسندند — بر پہلو ازیں نیمہ بداں نیمہ بدندند
ہر ساعتگے سینہ بمنقار برندند — چوں جزع بر سینہ و چوں لبسد بہ منقار

ایک اور مسمط کا ایک بند ملاحظہ ہو ؎

چوک زشاخ درخت خویشتن آویختہ — زاغ سیہ بر دو بال غالیہ آمیختہ
ابر بہاری زدور اسپ بر انگیختہ — وز ہیم اسپ سیاہ لؤلؤ تر ریختہ
در دہن لالہ باد رنجیتہ و بیختہ — بیختہ مشک سیاہ ریختہ در ثمین

ایک قصیدہ میں بارش کا سماں دکھلایا ہے، کبھی دھیمی اور کبھی موسلا دھار۔ تالاب کی سطح پر اس کے قطرے گر کر مختلف شکلوں کے بلبلے پیدا کرتے ہیں ؎

آں قطرۂ باراں بیں از ابر چکیدہ — گشتہ سر بر برگ ازاں برگ بہ آثار
آویختہ چوں ریشۂ دستار چۂ سبز — سیمیں گرہے بر سر ہر ریشہ دستار
یا ہمچو زبرجد گوں یک دستہ سوسن — اندر سر ہر سوزن یک لؤلؤ شہوار
ہمچوں سر پستان پریروئے عروساں — واندر سر پستاں بر شیر آمدہ ہموار
بر برگ گل نسریں آں قطرۂ دیگر — چوں قطرۂ خوے بر رخ لعبت فرخار
واں دائرہا بنگر اندر شر آب — ہر گہ دراں آب چکد قطرۂ امطار
چوں مرکز پرکار است آں قطرۂ باراں — واں دائرۂ آب بسان خط پرکار

اسی طرح کسی چیز کے بیان میں وہ عُرفی اور جبلی کی طرح محض عام یا پیچیدہ تشبیہات واستعارات کو جمع نہیں کرتا بلکہ وہ ہمارے سامنے اس کا صحیح صحیح مرقع کھینچ دیتا ہے، چنانچہ ممدوح کے گھوڑے کی تعریف میں کہا ہے ؎

ہذا اسپ مجلل مرکب تازی نژاد — نعل او پروین فشاں و سم او خارا شکن
چوں زبانے اندر آتش چوں سلحفاۃ اندر آب — چوں نعائم در بیاباں چوں بہائم در رمن
رام زین و خوش عنان و کش خرام و تیز گام — شخ نورد و راہ جوے و سیل بر و کوہ کن
خشں با او لاغر و شبدیز با او کُند رو — ورد با او ارجل و یحموم با او اثر کہن

وہ تشبیہ واستعارات کے استعمال میں ایسا ماہر ہے۔ کہ باوجود کثرت کے وہ بالکل نئی اور مرکب

ہوتی ہیں - اس کے الفاظ فصیح اور تشبیہات دلکش اور مؤثر ہیں ۔

منوچہری کا لُغز اور چیستان

منوچہری نے بعض قصیدے لُغز میں کہے ہیں - جن میں ممدوح کی تعریف استعارات کے پیرایہ میں کرتا ہے ۔

مثلاً ؎

اے پیکرِ منوّر محمود رخ چگال — ثعبانِ آتشیں دم روئینہ استخواں
روشن درون و نقبہ دل و گرم و تُرش خاے — آتش نہاد خاکی و معمور دو دماں
ہمواره در فضائے تو ہم دیو و ہم پری — پیوستہ در ہوائے تو ہم پیر و ہم جواں
خاک است طینتِ تو و آب ہم مزاج — دلواست طالع تو و با حُوت ہم عناں
محروری و تو دفع حرارت کنی بآب — لیکن ترا بفرطِ رطوبت بود زیاں
در آب و آتشی ز دلِ گرم و چشمِ تر — چوں دشمنانِ خسرو کینہ سرِ و آستاں

لغز شمع

اے نہادہ بر میانِ فرقِ جانِ خویشتن — جسم مانندہ بجان و جانِ تو زندہ بہ تن
کوکبی آرے ولیکن آسمانی تست موم — عاشقی آرے ولیکن ہست معشوقت لگن
چوں بمیری آتش اندر تو رسد زندہ شوی — چوں شوی بیمار بہتر گردی از گردن زدن
تو مرا مانی بعینہ من ترا مانم درست — دشمن خویشیم ہر دو دوستدارِ انجمن
آنچہ من بر دل نہادم بر سرت بینم ہمی — آنچہ تو بر سر نہادی در دلم دارد وطن

مندرجہ ذیل[1] قصیدہ بھی شمع کی چیستان میں ہے ؎

چیست آں شخصے چو زریں سرو و چوں سیمیں بدن
خویشتن سوزاں و گریاں و گدازاں ہم چو من

---

[1] رضا قلی خاں کا خیال ہے کہ یہ قصیدہ منوچہری کا نہیں کیونکہ دو قصیدہ (۳۳ اور ۸۶) ایک ہی بحر و قافیہ میں ایک ہی مضمون پر ایک ہی شاعر سے عجیب معلوم ہوتے ہیں - اس کے خیال میں غالباً یہ قصیدہ رافی نیشاپوری کا ہے اور غلطی سے منوچہری کی طرف منسوب ہو گیا ہے (مجمع الفصحاء جلد اول صہ ۵۵۴) ۱۲ منہ

باغ او بزم سلاطیں جائے او صدر شہاں
بارِ او زرّیں سلاسل بیخ او سیمیں لگن
آختہ چوں خنجرِ ہندی زبانے واں زباں
ہر چہ بہ برّند پنداری کہ بہ گوید سخن

دیوان کی زبان

غزنوی دَور کے شعرا کی زبان اور موجودہ فارسی شعراء کی زبان میں تھوڑا سا فرق ہے۔ چنانچہ شاہ نامہ میں بے شمار الفاظ ملیں گے۔ جو یا تو متأخرین کے ہاں بالکل متروک ہو گئے یا ان کی صورت یا معنی میں کوئی تبدیلی ہو گئی۔ اسی طرح منوچہری کے کلام میں بھی ایسے الفاظ عام ہیں۔ ہم چند الفاظ کی فہرست ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ اور ان کے معانی بھی لکھتے ہیں۔ مگر یہ صرف بطور نمونہ ہے :۔

لفظ	معنی	لفظ	معنی
بکماز	شراب	نوز	ہنوز
زمی	زمیں	لاد	خاک
چار چارکردن	دشمن کا مقابلہ کرنا	نہمار	کثرت
مشاق	میثاق	کاہل	کتف
بارہ	اسپ	راح	مرہم
سرون	شاخ	چمچاخ	خمیدہ
سعتری	معشوق	ہین	سیلاب
کش	خوش	ہیون	شتر
شطب	میانِ تلوار	پرّ (مشدد)	پر
آہو	عیب	خشوک	بدمعاش
آژیر	نیار	گوارہ	گھوارہ

لفظ	معنی	لفظ	معنی
ستیخوں	استخواں	ہژریاں	ہوشیاری
لالا	دایہ	کرنا	میخ آہن
مخرقہ	دروغ	ظلیع	کریہ منظر
خربت	توند	برجاس	نشانہ
نوشجہ	گوارندہ	رنگ	زر

صنائع وبدائع

صنائع وبدائع کے استعمال کے لحاظ سے بھی منوچہری کا کلام دیگر شعرائے فارسی سے کم نہیں۔ چنانچہ چند مثالیں ملاحظہ ہوں :۔

تجنیس :۔ چو برگشت ازمن آں معشوقِ ممشوق ✦ نہادم صابری را سنگ بر دل

لف ونشر مرتب :۔

تیغ اُو رمح اُو وتیر اُو وگرز اُو — دست اُو وجام اُو وکلک اُو وپالہنگ
گاہِ ضرب وگاہِ طعن وگاہ رمی وگاہِ قید — گاہِ جُود وگاہِ بزم وگاہِ حظ وگاہِ جنگ

یا مثلاً گوش وپہلو ومیان وکتف وجبہہ وساق — تیز وفربہ ونزار وقوی وپہن ودراز

تنسیق الصفات :۔

رہ بروشخ شکن وشاہ دل وتیز عناں — خوش رو وسخت سم وپاک تن وجنگ آغاز
برقِ جہ باد گذر یورز دو وکوہ قرار — شیر دل پیل قدم گور تک آہو پرواز

مراعاۃ النظیر :۔

بوستاں چوں مسجد وشاخِ درختاں در رکوع — فاختہ چوں مؤذن وآوازِ اُو بانگِ نماز

ردالعجز علی الصدر :۔

دوساعد را حمائل کرد بامن — فرو آویخت ازمن چوں حمائل

اور سے افاضل نزدِ تو نازند ہموار — کہ زی فاضل بود قصدِ افاضل

اور:- درزغن ہرگز نباشد قبر اسپ راہوار ٭ گرچہ باشد چوں صہیل اسپ آواز زغن

جمع :- مجلسے سازم بار بط وچنگ ورباب ٭ با ترنج وبہی ونرگس وبانقل وکباب

حسن التعلیل :- ستانی ہمی زندگانی زمردم ٭ ازیرا درازت بود زندگانی

سیاقۃ الاعداد :-

نہ یکے ونہ دو ونہ سہ وہشتاد ودو بیست ہرگز ایں درخت بسودن نتواند عربے

جمع وتقسیم :-

کنار آبداں گشتہ بشاخ ارغواں حامل سحاب ساجگوں گشتہ بطفل عاجگوں حُبلیٰ

یکے چوں دیدۂ یعقوب ودیگر چوں رُخ یوسف سہ دیگر چوں دلِ فرعوں چہارم چوں کفِ موسیٰ

یہ تمام قصیدہ اسی صنعت میں ہے ٭

اطراد :- ملک شیر دل پل تن پیل نشیں بوسعد بن ابوالقاسم بن ناصر دیں

ترصیع :- کاتبت راگو نویس وخازنت راگو بسنج ناصحت راگو گزار وحاسدت راگو گزار

یا ہر دوگر یانیم وہر دوزرد وہر دو در گداز ہر دو سوزانیم وہر دو فرد وہر دو ممتحن

یا ژالۂ باراں زدہ بر لالۂ نعماں نقط لالۂ نعماں شدہ از ژالۂ باراں نگار

تجنیس مزدوج :-

بارخت اے دلبر عیار یار نیست مرا نیز دگر بار بار

دوزخِ رخشانِ تو گلنار گشت بر دل من رخنہ گلنار نار

چشمِ تو خونخوارہ وہر جادوئے ماندہ ازاں چشمک خونخوار خوار

بندہ وفادار وہوا خواہِ تُست بندہ ہوا خواہ ووفادار دار

دادکن اے کودک وبردار جور منبر پیش آور وبردار دار

اے تو دل آزار ومن آزردہ دل دل شدہ زآزار دل آزار زار

ذوقافیتین :- ساقی بیاکہ امشب ساقی بکار باشد ٭ زاں دہ مراکہ رنگش چوں گل انار باشد

مے دہ چہار ساغر تا خوشگوار باشد — زیرا کہ طبع عالم ہم بر چہار باشد
ہم طبع را بہ بندش فرزانہ وار باشد — تا نہ خروش باشد تا نہ خمار باشد
نے نے دروغ گفتم ایں چہ شمار باشد — بارے نہ بیند خوردن کم از ہزار باشد

تمام قصیدہ اسی صنعت میں ہے ؛

موسیقی و ترنم - برخیز ہاں اے جاریہ بے دنگ و بالیہ — آراستہ کن مجلسے از بلخ تا ارمینیہ
آمد خجستہ مہرگاں جشن بزرگ خسروان — نارنج و نار و ارغواں آورد از ہر ناحیہ

یا اے لعبت حصاری شغل دگر نداری — مجلس چرا نسازی با دہ چرا نیاری
یا اے نہادہ بر میان فرق جان خویشتن — جسم مانندہ بجان و جان تو زندہ بتن
اور نوروز بر نگاشت بصحرا بہ مشک و مے — تمثالہائے عزہ و تصویرہائے مے
اور جہانا چہ بد مہر و بد خو جہانی — چو آشفتہ بازار بازارگانی
یا سلام علیٰ دار اُمِّ الکواعب — بتان سیہ چشم عنبر ذوائب
اور ہمی ریزد میان باغ لؤلؤہا بزیورہا — ہمی سوزد میان راغ عنبرہا بمجمرہا

اس کے علاوہ اور بہت سی مثالیں جمع کی جاسکتی ہیں ؛

خاتمہ الغرض منوچہری کا کلام واقعیت اور فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بے نظیر ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ایران کے فلک سخنوری پر ایک رخشندہ ستارہ ہے جو انشاء اللہ ابد الاباد تک چمکتا رہے گا۔ اگر اس کے صرف اس کلام کا انتخاب کر کے جو طبعی امور مثلاً بادل، سیلاب، ہوا، صحرا، پھل، پھول اور جانوروں کے نغموں وغیرہ پر مشتمل ہے، ایک مجموعہ تیار کیا جائے تو وہ ایک قدرتی فلسفیانہ شاعری کا ایک اعلیٰ نصاب معلوم ہوگا۔ اگرچہ اس نے کوئی مثنوی نہیں لکھی جو ہماری قوت بیان میں بہت حد تک اضافہ کرتی تاہم تقریباً تمام قصائد میں اس کا طرز بیان کچھ ایسا ہے کہ ایک صاحب فراست آدمی جو کچھ ہم تک پہنچا ہے اس سے بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے ؛

(باقی دارد)

تتمہ ۱

اختلافات قرأت کی فہرست

ہم صدر مضمون میں لکھ چکے ہیں۔ کہ منوچہری کے کلام کی اشاعت بہت عام نہیں ہوئی۔ اگرچہ دولت شاہ کا خیال ہے۔ کہ دیوان منوچہری ایران میں عام طور پر شائع ہے۔ مگر ہماری نظر سے صرف تین مطبوعہ ایڈیشن اور ایک قلمی نسخہ گذرا ہے۔ ہم نے وعدہ کیا تھا کہ اخیر مضمون پر ہم تینوں مطبوعہ ایڈیشنوں کے اختلافات قرأت کی فہرست پیش کریں گے۔ چنانچہ پہلا ایڈیشن مطبوعہ طہران ہے۔ جسے میرزا حسن خوانساری نے ۱۸۷۹ء میں مرتب کیا۔ دوسرا ایڈیشن مطبوعہ مشہد ہے۔ جو ۱۸۹۴ء میں طبع ہوا اور تیسرا مطبوعہ پیرس ہے جو ۱۸۸۶ء میں طبع ہوا۔ اس کے شروع میں ایک تاریخی دیباچہ اور آخر میں جرمنی زبان میں پورا ترجمہ اور نوٹ موجود ہیں۔ یہ بہترین ایڈیشن خیال کیا جاتا ہے۔ ایڈیشن مطبوعہ مشہد نامکمل ہے۔ جس میں صرف پہلے ۶۴ قصائد موجود ہیں۔ ذیل میں ہر سہ ایڈیشن کے اختلافات کی فہرست دی جاتی ہے:-

	پیرس ایڈیشن	طہران ایڈیشن	مشہد ایڈیشن
قصیدہ ۱			
شعر ۹	ہمہ دیدہ زعبہرہا	ہمہ دیدہ زعنبرہا	ہمہ دیدہ زعبہرہا
۱۰	گل دوروچنان چون مہرہا بر دوپیکرہا	گل دورویہ چناں چوں قمرہا در دوپیکرہا	گل دورویہ چناں مہرہا در دوپیکرہا
۱۵	برشاخ	در باغ	برشاخ
۱۸	نیکو بہارستاں	زیبا نگارستاں	زیبا نگارستاں
	خراماں	کرازاں	کرازاں
۱۹	باختہا	بخاورہا	بخاورہا
۲۰	بہ حلم تو	بہ حکم تو	بہ حکم تو
قصیدہ ۲			
۳	چوں	کے	کے

۶ ؎ یکے پیرہن	بتن پیرہن	بتن پیرہن
۱۳ ؎ دہانش	دہانش	دہانش
قصیدہ ۴ ؎ ۱ خونِ انگور	آبِ انگور	
۱۰ ؎ قدح	قدم	
قصیدہ ۶ ؎ ۶ ریزش	چنگش	
۸ ؎ صواب است	ثواب است	
قصیدہ ۷ ؎ یرقان است	خفقان است	خفقان است
۲۰ ؎ عیبِ تنش این است	عیبش جز این نیست	عیبِ تنش این است
۴۲ ؎ شریاں	رگ را	رگ را
قصیدہ ۸ ؎ ۳۳ غائب نشود	بیروں نرود	بیروں نرود
قصیدہ ۹ ؎ ۶ جعد	زلف	زلف
۲۰ ؎ مصر	روم	مصر
قصیدہ ۱۱ ؎ ۱۱ کمان	کمند	کمند
قصیدہ ۱۲ ؎ ۱۱ درکارہاء دنیا	باکارہاء عقبیٰ	درکارہاء دنیا
۲۳ ؎ نوبہار	روزگار	روزگار
۳۱ ؎ ایزد	یزداں	ایزد
قصیدہ ۱۴ ؎ ۳۲ باغ بہاری	بادِ بہاری	بادِ بہاری
قصیدہ ۱۶ ؎ ۳۳ اعتقاد	اقتباس	اختیار
قصیدہ ۱۷ ؎ ۲۲ زود آتشِ بلند	زیں آتشے سیاہ	زیں آتشے بلند
قصیدہ ۳۱ ؎ ۲۳ از میغ	چوں میغ	زاں میغ
قصیدہ ۳۴ ؎ ۶ راحت	ہستی	دست

قصیدہ ۳۵ / ۴۸	خیل الاخسرین	خیل الآخرین
قصیدہ ۳۷ / ۹	بے شراک	بے شراک
قصیدہ ۶۸ / ۴۲	قیصر	قیس
قصیدہ ۸۶ / ۹	پری پیکر	نکو پیکر
قصیدہ ۹۱ / ۲	بدخوی	بدخواہ
قصیدہ ۹۲ / ۴	بادہ	بمذہب

ہم نے طوالت کے خوف سے صرف چند ایک اختلافات پر اکتفا کیا ہے۔ ورنہ فہرست اختلافات تقریباً اس سے دس حصے زیادہ لمبی ہے۔

تتمہ ب

تشخیص اغلاط

صفحہ / سطر	غلط	صحیح
۵ / ۸	کبک بر	کبک نر
۷ / ۵۸	دربارت	دربارت
۸ / ۱۱	بوسہ دادہ	بوسہ بدادہ
۱۲ / ۳	کشید	کشیداو
۱۶ / ۲۲	ماہ رویان است	ماہ روان است
۱۹ / ۲۰	برگل بر باز	برگل وبر بار
۲۷ / ۱۵	بقول عمل	بقول وعمل
۳۶ / ۱۴	بخاری	بخواری
۴۷ / ۲۲	دوانند	دواند

صفحہ / سطر	غلط	صحیح
۶ / ۳۱	بہار	بہارے
۶ / ۵۸	استقامت	استقامتہا
۱۱ / ۱۴	اورا	ورا
۱۵ / ۲۱	دیگر	دگر
۱۸ / ۲۲	و	ور
۲۶ / ۱۴	ربانش	زبانش
۳۳ / ۶	زندباف زندخواں	زندباف وزندخواں
۴۴ / ۶	'کردی' اور 'زنیسو' کے درمیان واو چاہیئے	
۵۱ / ۱۹	برگل سرخ	بگل سرخ

صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۵۲/۱۵	ہرگز	مرگز
۵۳/۱۰	بُود	بُد
۵۴/۱۶	بیش صد	بیش ازصد
۵۴/۱۹	بہ معذورم	نہ معذورم
۵۶/۸	بررہ	برہ
۵۷/۳	منکّر	منکَر
۱۸/	چاکرد	چاکر
۶۳/۲	دلخواہن	دلخواہاں
۶۴/۴	'دل' اور 'رستم' کے درمیان واؤ چاہیئے	
۱۱/	گرچنو	گرچہ تو
۶۴/۴	چنیں	چونیں
۷/	نہند	نہد
۷۷/۱۸	حرکت	حرکات
۸۳/۴	خورشید	خورشیدے
۱۲/	ابجدار وکل من	ابجدراو کلمن
۸۷/۸	توتن ہمی پوشی بر پیرہن	توتن پوشی ہمی بر پیرہن
۹۱/۱	کش خرام شیر گام	کش خرام وتیز گام
۹۲/۳	حورا	جوزا
۹۳/۲	'بے حذر' اور 'از' کے درمیان 'باشد' زیادہ کرو +	

صفحہ/سطر	غلط	صحیح
۹۵/۲۴	'مدح' اور 'تشبیہ' کے درمیان داؤ زیادہ کرو	
۹۶/۱۱	الا بصعنك	الا ھبی بصعنك
۱۰۲/۸	'او' اور 'وحیہ' کے درمیان واؤ بڑھاؤ	
۱۰۳/۱۳	دورخ	دوزخ
۱۰۷/۸	ماویہ	ماریہ
۱۱/	روز	روزے
۱۱۹/۱۸	سپاری	سیاری
۱۲۱/۹	نشینی	بہ نشینی
۱۲۲/۴	'د' اور 'گل' کے درمیان 'با' زیادہ کرو۔	
۱۲۴/۱۶	ضمیراں	ضمیراں
۱۲۵/۱۷	'مرحکے' کے بعد 'است' زیادہ کرو +	
۱۲۶/۹	مہترکہتر	مہتروکہتر
۱۲۷/۹	ہستی	بینی
۱۲۸/۲۱	مسہد	مشہد
۱۳۰/۳	معشوق ومعشوق	معشوق ومشوق
۱۳۱/۱۴	اودہانش	اوہم دہانش
	یاقوت بیجادہ	یاقوت وبیجادہ
۱۳۲/۸	بپرسیدے	نترسیدے
۱۳۵/۹	زشتی	زشت
۱۳۷/۱	گر	اگر

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۱۴۱/۱	ازرمنی	زرمینی
۱۴۲/۴	وہنی	ہنی
۱۴۶/۲	'جنتہ العدن' اور 'چہارم' کے درمیان واؤ چاہیئے	
/۲۱	'بے درد' اور 'دوم' " " "	
۱۵۰/۱۴	نیرزد	بیرزد
۱۵۲/۱۵	گلاب لولو	گلابِ خوش ولولو
۱۵۵/۲	برند	بزند
۱۵۵/۴	'سر' اور 'پہلو' کے درمیان واؤ ڈالو	
۱۵۶/۲۴	کس را	کسے را
۱۵۷/۱۴	خارجہاں	خارجیاں
۱۵۹/۵	از	ز
۱۶۱/۱	چوی	چوں
/۲	آویحت	آویخت
/۳	بچگاں را	بچگاں
	'دور' اور 'بے قد' کے درمیان 'ہمہ' بڑھاؤ	
/۱۱	بچگاں نہ ہیچ نفیر	بچگان ونہ نفیر
/۱۴	چُوں زائد ہے	
/۱۶	دہانشاں	رہاشاں
۱۶۲/۱۳	درخوش	رزخویش
۱۶۷/۲۱	نہادہ	بنہادہ

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۱۶۸/۹	'پسر' اور 'خویش' کے درمیان 'از' بڑھاؤ	
/۱۰	'درون' اور 'کردہ' کے درمیان واؤ ڈالو	
/۲۲	بندہ	پسندہ
۱۶۹/۱۴	شوکہ	گوشہ
/۱۷	معبود	مسعود
۱۷۳/۱۴	اوحرب	ابوحرب
/۲۲	مسکن	مسکنش
۱۷۴/۹	روندہ	دردروندہ
۱۷۶/۹	نماز	نمازے
/۲۴	'وگاہ' میں واؤ زیادہ ہے	
۱۷۸/۴	سہ یکے	تُوسہ یکے
۱۷۹/۲۴	عروس	عروسے
۱۸۱/۱۵	زمین بوقلموں	زمیں برنگ بوقلموں
۱۸۳/۱	خف	بخف
/۲	نازوخلف	نازوصلف
۱۸۴/۲۲	بروبرد	برُوبزد
۱۸۷/۸	نفرمود	نفرمودی
/۲۱	خوردن	خورد
۱۸۸/۲۱	برچید	برچد
/۲۴	بسر	بسرش

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۱۸۹/۸	دیگر	دگر
۲۱/	'گرد' اور 'دشتہا' کے درمیان 'ہمہ' بڑھاؤ	
۱۹۰/۱	برج	برجِ حمل
/۷	اندر	اند
۱۹۴/۵	کاراز اصل	کارراز اصل
۱۹۵/۱۲	از	ز
۱۹۶/۲۲	خروش	اخروش
۱۹۷/۳	راستیش	راست پشتش
/۱۰	تو	دہ
۱۹۹/۳	زندوافاں	زندبافاں
/۱۴	اوراست	است اورا
۲۰۰/۲۲	کزد	کرد

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۲۰۱/۲	بخوروشید	بخروشید
/۱۴	معشوقہ	معشوق
/۱۶	دوز	دور
/۱۹	بالشکر	بلشکر
۲۰۵/۱	را	ار
/۱۱	طنبورہ	طنبور
۲۰۷/۱۶	لختے	لختکے
۲۰۹/۱۲	نبید بخورد	اونبید خورد
۲۱۰/۵	آنجائکہ می بائی	آنچنانکہ می بائی
۲۱۵/۱۲	مدیح	مدائح
۲۱۶/۱۷	'دندان' اور 'شاعر' کے درمیان 'آں' بڑھاؤ	
۲۲۱/۱۴	'چہارشنبہ' اور 'روز بلا' کے درمیان 'کہ' زیادہ کرو	

تتمۂ ج

کچھ اشعار جو نسخہ ہائے مطبوعہ میں نہ تھے۔ مگر کسی اور جگہ دیکھنے میں آئے۔ ذیل میں دیئے جاتے ہیں :-

(۱) غزل

غرابا مزن بیشتر زیں نعیقا — کہ مہجور کردی مرا از عشیقا
نعیق تو بسیار و ما را عشیقی — نباید بیک دوست چندیں نعیقا
ایا رسمِ اخلالِ معشوقِ وافی — شدی زیرِ سنگِ زمانہ سحیقا

غدیرہ برفت از تو و کرد منزل بمقراۃ سقط اللوے وعقیقا
خوشا منزلا خرما جائگاہا کہ آنجاست آں سرو بالا رفیقا
بود سرو در باغ و دارد بمن ہمی بر سر سرو با نے انیقا
ایا لہف نفسی کہ ایں عشق با من چنیں خانگی گشت وچوں من عتیقا
ز خواب ہوا گشت بیدار ہر کس نخواہم شدن من ز خوابش مفیقا
بداں شب کہ معشوقِ من مرتحل شد دلے داشتم ناصبور و قلیقا
فلک چوں بیابان و مہ چوں مسافر منازل منازل مجرّہ طریقا
بریدیم بداں کشتیٔ کوہ لنگر! مکانے بعید و فلاتے سحیقا

(کتاب العجم فی معاییر اشعار العجم صفحہ ۴۰۷)

(۲) غزل

اے بت زنجیر زلف اے آفتابِ نیکواں طلعتِ خورشید داری قامتِ فرد و سیاں
نافریدا یزد ز خوبانِ جہاں چوں تو کسے دلربا و دلفریب و دلنواز و دلستاں
گرت خوانم ماہ ماہی ورت خوانم سرو سرو گرت خوانم حور حوری ورت خوانم جاں جاں
مشک جعد و مشک خط و مشک ناف و مشکبو خوش بباغ و خوش سرود و خوش کنار و خوش زباں
رُوت از گل درج دارد و رحبت از عنبر طراز مشکت از مہ نافہ دارد و ماہمت از مشک آسماں
ہم بُت زنجیر جعدی ہم بتِ زنجیر زلف ہم بتِ لالہ حبینی ہم بتِ لالہ رُخاں
ایں روان و جانِ من دائم ز تو با خرّمی ایں سرا و باغ من دائم ز تو چوں گلستاں

(قلمی نسخہ دیوان منوچہری موجودہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صفحہ ۱۳۴)

(۳) فرد

آرندۂ ثناءِ تو جان من است زانک پروردۂ مکارمِ اخلاق تو منم

(قلمی نسخہ دیوان منوچہری موجودہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صفحہ ۱۳۳)

(۴) فرد

ز تیغ و زکینت حزیں شد عدو زوا شادِ تو شاد گردد دلے

(قلمی نسخہ دیوان منوچہری موجودہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صفحہ ۱۳۳)

(۵) فرد

عجب دل تنگ و غمخوارم زحد گذشت تیمارم تو گوئی در جگر دارم دو صد یا بیخ گرگانی

(قلمی نسخہ دیوان منوچہری موجودہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صفحہ ۱۳۳)

(۶) قصیدہ ۸۳ کا ایک شعر

قلمی نسخہ میں قصیدہ ۸۳ کے دسویں شعر کے آگے یہ شعر زائد ہے :-

واں مرغکِ لبط ہمچوں ختنی کافور بربستہ بشاخ در ہم سنبل و ہم عنصل

(ایضاً - صفحہ ۱۰۶)

تتمّہ

منوچہری کے ممدوحین کی فہرست

(۱) ابو سعید سلطان مسعود بن یمین الدولہ محمود غزنوی ؛

(۲) شمس الوزراء احمد بن عبد الصمد وزیر سلطان مسعود غزنوی ؛

(۳) خواجہ فضل بن محمد الحسینی ؛

(۴) فلک المعالی امیر منوچہر بن قابوس بن وشمگیر دیلمی ؛

(۵) ملک الشعراء حکیم ابو القاسم حسن المتخلص بہ عنصری ؛

(۶) خواجہ ابو الحسن احمد بن حسن میمندی ؛

(۷) خواجہ علی بن محمد ؛

(۸) خواجہ احمد وزیر سلطان ؛

(۹) خواجہ ابوالعباس ؛

(۱۰) سپہ سالار مشرق علی بن عبید اللہ الشہیر بصادق ؛

(۱۱) خواجہ محمد ؛

(۱۲) خواجہ ابوحرب محمد مختبار ؛

(۱۳) ابوالحسن بن علی بن موسیٰ عمرانی ؛

(۱۴) خواجہ ابوسہل زوزنی دبیر سلطان مسعود ؛

(۱۵) ابورجیح بن ربیع ؛

(۱۶) اسد بن حارث بن منصور امام جبلان ؛

(۱۷) خواجہ خطیر ؛

(۱۸) خواجہ طاہر ابومنصور ؛

(۱۹) خواجہ عمید سلطان وزیر سلطان مسعود ؛

(۲۰) شاہ ابوالمظفر ؛

(۲۱) خواجہ خلف ؛

اثنائے مضمون میں منوچہری کے قصیدہ پر تنقید کرتے وقت ہم نے وعدہ کیا تھا۔ کہ آخر مضمون میں ہم قبلہ والد صاحب[1] بزرگوار کا قصیدہ پیش کریں گے۔ جو آپ نے منوچہری کے مندرجہ ذیل قصیدہ کے جواب میں لکھا تھا ؎

الا یا خیمگی خیمہ فرو ہل کہ پیش آہنگ بیروں شد زمنزل

چنانچہ قبلہ بزرگوار کا قصیدہ درج ذیل ہے :-

الا اے سارباں بربند محمل کہ شد خورشید رامحمل بمنزل

---

[1] حضرت علامہ اصغر علی صاحب روحی سابق پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور - ۱۲ ؛

سبک بردار سر از بالش خواب — که نالاں شد جرس ہا در قوافل
دلم زافسردگی از کار رفتہ است — سرت گردم مشو از چارہ غافل
بگلبانگ حدی برکش نوائے — کہ بندِ صبر دل بردارد از دل
نشستن فارغ از دل دور میداں — چو زو ناخن بدل یا دِ منازل
توقف را مثل دانی چہ آرم — غبار خاطرِ محمول[1] و حامل
دریں منزلگہم آرامِ جاں نیست — بہ نخجتی کن زمامِ سیر عاجل
عدیلم گو بزن بالپشتِ من پشت — بحمل پیکرِ جوزا مماثل
بزجر سانح و بارح[2] مزن فال — مینديش از وعیدِ تلخ عاذل
مرا با وعدۂ عرقوب مفریب — نیارم تاب ہمپیانِ مماطل
فلک در التماس مہلت[3] آمد — دمادم میدمد در گوشِ اہمل
دلے چوں شوقم آمد کار فرما — برآوازِ جرس گوید کہ عجّل[4]
خرامانند در کہسار کبکاں — سرایانند بر گلبن عنادل
دریں کہسار و طرفِ لالہ زارش — طنابِ خیمہ را پیوند بگسل
بہارِ مرغزارِ دامن کوہ — بکوئے دوست می بینم مزابل
دری وادی منم خضر رہِ خضر — وَکَم مِن عَالِمٍ یُهدِیهِ جَاهِل
مہارِ نخجتیم در دستِ من نہ — رفیقم گر نہ فَاللّٰهُ کَافِل
رہِ باریک و تاریکِ بیاباں — ہزبراں سہمگیں گرگاں مصاول
بزنگِ گورِ ظالم تیرہ و تنگ — بسان عرصۂ محشر زلازل

---

[1] محمول راکب و حامل مرکوب ۱۲ منہ

[2] سانح و بارح کہ اہل عرب بداں فالِ نیک و بد می گیرند ۱۲ منہ

[3] مہلت دہ ۱۲ منہ

[4] جائے خاکروبہ انداختن ۔ ۱۲ منہ

مغاک و تل و بیم دزد و سیلاب ظلام و برق و رعد و ابر باطل
بپایاں می برم دشت و جبل را من و ایں جملہ رنج راہ و بازل
ببوئے وصل یار دلنواز ے چہ خوش باشد بشب قطع مراحل
بویژہ آنکہ خلاقش لقب کرد بدیوان ازل فخر الاماثل
محمدؐ انجمن آرائے ہستی سرور حلقۂ بزم اوائل
جبینش نور وحدت را ہم آغوش چو در آیات قرآنی فواصل
حدوث آمد قدم را دوش با دوش وجودش بر زخے در ہر دو حائل
نبودے گر ہرش گر اصل آدم ملک کے آمدے بر سجدہ مائل
فراز قبۂ خضرا بر آمد بروں رفت از حد عالی و سافل
نگاہ ورا بہ تگ می راند در راہ سوارے کآمدش جبریلؑ راحل
بکشف سر کنہ ذات بیچوں بصدر لامکاں خواندش کہ انزلؐ
قدر سر بر خط فرمان رائش قضا را حجتش تحصیل حاصل
نژادش پاک از آلودگیہا چو آبے کش چکانند از جنادل
بلے از نور محضش آفریند جمیل الوجہ محمود الخصائل
بخلوت خانۂ مطلق ھو اللہ بمحفل خوش لقا شیریں شمائل
دل و دستش ز فیض لایزالی زہے کان عطا بحر فواضل
سرور سینہ اش ناز نیماں بہار خاطرش نزل ارامل
کسے کز خنجرش زخمے نخورد است بہ تیغ جور گردوں باد بسمل
بدامانش در آویزائے نگوں بخت چو مقبل نیستی مگذر ز مقبل
بدریائے کہ ہر موجش بلائے است مشو بے دَبِّ یَسْتَحْیِی وَسَائِلْ

ل خاصۃ - ۱۲ منہ ف امام الانبیاء ۱۲ منہ ۲ فرد آ - ۱۲ منہ

بطوفانگاہِ آشوب حوادث — بساحل برشدن کاریست مشکل
پر دتا آشیاں کے مرغکِ زار — کہ در کنجِ قفس ماند از جبائل
شہنشاہا دو عالم بارگاہا — بعرضِ حاجتم گستاخ سائل
نہالِ شوقِ تو در گلزمینے — نشاند ستم چو نخل اندر خمائل
شمارِ شوق سرکش را پس از مرگ — دہد از خاکِ من شکلِ انامل
بود ورد تو فرضِ عین لاریب — فرائض جملہ بے وردت نوافل
بزیرِ نیلگوں کاخِ مقرنس — نیابم جز بدرگاہِ تو موئل
دو صد لفرین فرست اے خواجہ گر من — گزینم دیگرے بر تو مجامل
دل از مہرِ کساں پرداخت اینک — بشغلے غیرِ یادت نیست شاغل
سوارہ می برد چوں بادِ نکبا — ہیونِ عمرِ بے صوتِ جلاجل
گزیدہ بہرۂ عمرم چو گندشت — نمکش بر حرفِ سعیم خطِ باطل
کسے کو بر لبِ دریا نشیند — عجب گر تشنگی میرد بساحل
بحکمِ وحی لَا تَنْهَرْ زیرداں — بجاں می پودۂ ہموارہ عامل
زبذلِ لطف نگذشتی سرِ مو — چو شوخے بر زباں میرانِ اعدل[1]
نبودے گر یداللہ دستِ پاکت — کجا ناپاک رامی بود غاسل[2]
خَلِیلِیَّ ارْجِعَا یَوْمًا فَفُوْلَا — اِلٰی مَا یَنْتَهِی سَیْرُ الرَّوَاحِلْ
سَقَانَا الدَّهْرُ کَاْسًا مِنْ اُجَاجٍ — فَهَلْ یَا قَوْمِ مِنْ عَذْبِ الْمَنَاهِلْ
فَشِمْنَا بَرْقَ طَیْبَةَ مِنْ بَعِیْدٍ — فَاَعْجَلَنَا عَنِ الْمَرْعٰی الرَّوَامِلْ
فَلَمَّا اَنْ وَرَدْنَاهَا عِطَاشًا — سَقَانَا مِنْ نَدَی الْکَفَّیْنِ وَابِلْ

---

[1] اشارہ بہ بذوالخویصرۂ خارجی - ۱۲ منہ
[2] اشارہ بقصۂ اعرابی کہ مہمان آنحضرت صلعم بود و شب تخمہ کرد و ۱۲ منہ
[3] مدینۂ منورہ - ۱۲ منہ

بحق ہر دو نور چشم زہراؓ — شہید خنجر و زہر ہلاہل
چو بر بندم ازیں دیر فنا رخت — سرافرازم کن از ایمان کامل
چو رو آرم بمیدان قیامت — بگردون نامۂ عصیاں حائل
ز ہول یجعل الولدان شیبا — بدر روز ہمہ شیران بابل
بگوشم در رسد اقرء کتابک — تنم لرزد ز اہوال نوازل[1]
بفرماتا مرا آزاد سازند — ز بیم آتش و جمر سلاسل
چو خواندم ما غنی عنہ ماله — کہ در پیش است منزلہائے ہائل
ہم از لطف تو میدانم کہ روحی — بہ بزم سفلہ طبعاں نیست نازل
ز نیرنگ کلام من بفرد — فسون سامری و سحر بابل
ولے جز نکتہ داں کے باز داند — مقام ابن وائل راز باقل[2]
دگر ہنگام آں آمد کہ نازند — خزاعہ زادگاں در بزم وعبل[3]
منوچہری گر از ایراں زمین است — عجب نبود ز پنجابش مقابل
منوچہری نباشد چہرہ با من — ندارد جز طبع جوز ماثل
بلے او بود دُرّ تاج مسعود[4] — منم خرمہرہ دار افتادہ در گل
ولے زانجا کہ مداح رسولم — دو صد مسعود را سنجم بنائل
ز فیض جود اُو می نازم امروز — بعز و دولت انعام شامل

نوٹ ۔ آخر کے چھ سات شعر تبلا رہے ہیں ۔ کہ یہ قصیدہ منوچہری کے جواب میں لکھا گیا ہے ۔ اور یہ کہ منوچہری سلطان مسعود کا درباری شاعر تھا ۔ نہ کہ سلطان محمود کا جیسا کہ ہم اصل مضمون میں اس موضوع پر بالتفصیل بحث کر آئے ہیں ۔

صوفی محمد ضیاء الحق گورنمنٹ کالج جھنگ

---

[1] حولوث ۔ ۱۲ منہ [2] مروے است غیر فصیح از اہل عرب ۱۲ منہ [3] دعبل خزاعی شاعر یست مشہور ۱۲ منہ
[4] سلطان مسعود غازی غزنوی ۱۲ منہ

مولانا حالی کی کتبِ سوانح

حیاتِ جاوید

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ نومبر سنہ ۱۹۳۷ء)

حیاتِ جاوید اگرچہ تاریخی لحاظ سے حیاتِ سعدی وغیرہ کے بعد آتی ہے لیکن اہمیت اور قدر و قیمت کے خیال سے ہم سوانح عمریوں میں سب سے پہلے اسی کو لیتے ہیں۔ کیونکہ اگرچہ ابنائے روزگار نے اسکو چنداں شرف قبول نہیں بخشا۔ اور اس کے متعلق جو بدگمانی ملک و قوم میں پھیل چکی تھی۔ وہ اس کے محاسن کے بے نقاب کئے جانے میں حارج ہوئی۔ پھر بھی ہمارے لئے (جو خوش قسمتی سے اس پُرآشوب زمانے سے بہت دور ہیں) سب سے زیادہ قابل توجہ امر یہ ہے۔ کہ جن بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کے طفیل اس عظیم و جلیل شخصیت کی بزرگی جلوہ عام پر نہ آسکی۔ وہ آہستہ آہستہ بہت حد تک رفع ہو چکی ہیں۔ پھر کونسا امر مانع رہ جاتا ہے۔ کہ ہم پرانی لکیر سے ہٹ کر اس گراں قدر تصنیف کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھیں۔ اور انصاف اور تحسین کی کسوٹی ہاتھ میں لے کر کھوٹے اور کھرے کو خوب پرکھ کر یہ فیصلہ نہ کریں۔ کہ فرزندان عصر نے اس کے متعلق جو رائے ظاہر کی۔ اس میں منصفانہ تنقید کا حصہ زیادہ تھا۔ یا ماحول کے اثرات سے پیدا شدہ سوءِ ظن کا!

سرسید احمد خاں (جن کی لائف حیاتِ جاوید کا موضوع ہے) ایک جامع اوصاف شخص تھے۔ ان کی زندگی گوناگون مشاغل اور ہنگاموں کا مرکز اور ہزارہا عزائم اور مہمات کا منبع رہی ہے۔ پس ایک ایسی متنوع اور "یک سد و ہزار سودا" زندگی جس کی جزئیات پر عبور حاصل کرنے کے لئے نصف صدی بلکہ پورے ایک دَور کا لٹریچر پڑھنا ضروری ہو۔ آسانی سے نہیں لکھی جاسکتی۔ اگرچہ خود سرسید جب

پہلے پہل ان سے ان کی لائف کی ترتیب کے متعلق ذکر کیا جاتا۔ تو اکثر فرمایا کرتے۔ کہ "میری لائف میں سوا اس کے کہ لڑکپن میں خوب کبڈیاں کھیلیں۔ کنکوّے اڑائے۔ کبوتر پالے۔ ناچ مجرے دیکھے اور بڑے ہو کر نیچری۔ کافر اور بے دین کہلائے۔ اور رکھا ہی کیا ہے" لیکن کون نہیں جانتا۔ کہ سرسید نے ان بظاہر انکسار آمیز لیکن پُر حقیقت الفاظ میں اپنی شاندار زندگی کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے ان کا مطلب سوا اس کے کیا ہے۔ کہ ان کی لائف کا ابتدائی زمانہ "بشریت" کی تکمیل میں گذرا۔ اور آخری حصہ دین، مذہب اور قوم کی فلاح و بہبود کی کش مکش میں بسر ہوا ؛

پس ایک ایسے شخص کے سوانح لکھنے کی ذمہ واری اتنی آسان اور اس کی زندگی کے اختلافی پہلوؤں میں منصفانہ محاکمہ اتنا سہل نہ تھا۔ ایک طرف یہ مشکل کہ جس شخص نے مذہب، اخلاق، معاشرت، تعلیم۔ سیاست۔ لٹریچر۔ تنقید معاشرت، غرض حیاتِ انسانی کا کوئی پہلو ایسا نہیں، جس پر اپنے خیالات ظاہر نہ کئے ہوں۔ اسکے حالات کے دریائے بے پایاں کو سمیٹے تو کون؟ اُدھر یہ دقت کہ جس شخص نے چالیس برس تک تعصب اور جہالت سے نہ ختم ہونے والی جنگ جاری رکھی۔ تقلید کی جڑ کاٹی نکتہ چینی کی بنیاد رکھی، جو رسوم صدیوں سے چلی آتی تھیں، ان کو باطل کیا۔ جن عقائد کا نام اصول دین رکھ لیا گیا تھا۔ بدلائل ثابت کیا۔ کہ وہ فرع بھی نہیں۔ زمانہ مشرق کی طرف جا رہا تھا تو اس نے مغرب کا رخ کیا نتیجہ یہ کہ کسی نے اسے راست باز کہا کسی نے کاذب۔ کسی کے نزدیک وہ ہمدرد قوم ٹھیرا۔ کسی کے خیال میں دشمن دین و ملت، ایک طرف یہ آوازیں اُٹھ رہی تھیں۔ کہ مجدد دین آگیا، دوسری طرف یہ غل ہو رہا تھا کہ یہی دین میں بدعت کا دروازہ کھولنے والا ہے۔ یہی فاسق و فاجر۔ بلکہ صریح کافر ہے۔ یہ اختلاف! یہ نزاع! یہ مناظرہ! اس میں ثالث بالخیر کے فرائض انجام دے تو کون!

یہ بارِ گراں حالی نے سر پر اٹھایا۔ اور اس کی ذمہ واریوں سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہو کر ایک ایسی تصنیف یادگار چھوڑی۔ جو سوانح نگاری کے فن میں پہلی منظم اور باقاعدہ کتاب کہی جا سکتی ہے ؛

مولانا سے قبل کرنل گریہم نے بھی انگریزی زبان میں ایک لائف لکھی۔ لیکن اس کے متعلق یہ رائے ظاہر کی گئی ہے۔ کہ وہ ایک مکمل بیاگرافی ہونے کا دعوے نہیں کر سکتی۔ اسی طرح حاجی اسمٰعیل خاں رئیس دتاولی کی تحریک سے منشی سراج الدین صاحب مالک و مہتمم "چودھویں صدی" نے لائف کی داغ بیل ڈالی۔ اور بہت حد تک اس کے لئے میٹریل جمع کر کے اس کو ایک خاص حد تک مرتب بھی کیا۔ لیکن وہ شائع نہ ہو سکی ؛

مولانا حالی نے ان دونوں سوانحعمریوں کے محاسن و معائب سے فائدہ اٹھایا۔ ان کی خوبیوں کو اپنی کتاب میں جذب کیا۔ اور ان کی کمزوریوں سے احتراز کیا ؛

مولانا کو سرسید کی لائف لکھنے کا خیال پہلے پہل اس وقت پیدا ہوا۔ جبکہ وہ کالج کی بنیاد رکھ چکے تھے۔ اگرچہ ان کا حال ابھی تک "پہلی رات کے چاند کا سا تھا۔ کہ کسی نے دیکھا کسی نے دیکھا ہی نہیں"۔ تاہم ملک میں ان کی خدمات کی قدر پیدا ہو چکی تھی۔ اس زمانے میں کچھ سوال مرتب کر کے برائے جواب مولانا نے سرسید کے پاس روانہ کئے۔ لیکن انہوں نے لائف کے خیال کو پسند نہیں کیا۔ بعض دوسرے لوگوں نے بھی یہی رائے دی۔ کہ سرسید کی لائف ان کی زندگی میں لکھنی مناسب نہیں۔ چنانچہ یہ ارادہ موقوف ہو گیا ؛

لیکن یہ ارادہ ہمیشہ مولانا کے دل میں موجود رہا۔ اور آخر کار انہوں نے ۱۸۹۴ء میں علیگڈھ میں اسی غرض سے قیام کیا۔ اور اس وسیع ذخیرۂ معلومات سے فائدہ اٹھایا۔ جو وہاں موجود تھا۔ نیز منشی سراج الدین صاحب کا مسودہ بھی حاصل کیا گیا۔ اس کے علاوہ اس وسیع اور مصروف زندگی کے حالات کو جمع کرنے کے لئے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ۔ تہذیب الاخلاق اور سید صاحب کی جملہ تصانیف کو کھنگالا۔ ان کے خطوں۔ ان کے دوستوں کے بیانات، انگریزی اخباروں، موافق اور مخالف رسالوں اور مدبران سلطنت کی تحریروں کا ایک ایک حرف پڑھا، اور اس سے مفید مطالب کا استقصا کیا گیا۔ اور ان کا نچوڑ اور خلاصہ نکال کر حیاتِ جاوید کے اوراق میں بند کر دیا۔ حالی کے ایک دوست کے اس بیان میں کوئی مبالغہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ اگر اس تمام ذخیرے

کو مرتب کیا جاتا تو اس کی وسعت کا احاطہ کرنے کے لئے کئی ضخیم جلدوں کی ضرورت ہوتی ۔

حیاتِ جاوید دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصّہ میں زندگی کے حالات اور کارنامے بقید و ترتیب تاریخی درج کئے گئے ہیں۔ اور دوسرے حصّے میں کارناموں پر تبصرہ کیا گیا ہے اور ان کی مجموعی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ کتاب کے مفصل مضامین کا اندراج اگرچہ یہاں بہت نامناسب خیال نہ کیا جاتا۔ لیکن اس کو موجب تطویل اور بے ضرورت خیال کرتے ہوئے۔ اس موقعہ پر نظر انداز کیا جاتا ہے سرسید کی زندگی کے متعلق ہم نے گذشتہ اوراق میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا ماخذ بہت حد تک حیاتِ جاوید ہی ہے نیز سیّد صاحب کی زندگی خود اتنی مستغنی از تعریف اور ان کے کارنامے اتنے بالا از تعارف ہیں۔ کہ یہاں ہم اس کو حذف کرتے ہوئے اس کے لئے معافی چاہتے ہیں اور اس تصنیف کے مقصد اصلی یعنی حیاتِ جاوید کی تنقید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ۔

ایڈمنڈ گوس، انسکلوپیڈیا برٹانیکا میں 'بیاگرافی' کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

"Biography is a faithful portrait of a soul in its adventures through life."

یعنی "بیاگرافی" موضوع کی ہو بہو تصویر ہو۔ جو مکمل ہونے کے علاوہ حقیقت پر مبنی ہو۔ اور اس تمام تصویر کشی میں منتہائے نظر صرف صداقت کی ترجمانی ہو۔ پھر اس کے لئے ضروری ہے کہ مظاہر کی نقاشی کے ساتھ ساتھ موضوع کی اندرونی "شخصیت" اور "انفرادیت" بھی پوری صفائی کے ساتھ نمایاں کی جائے ۔

ان صفات جہار گانہ کی طرح بعض اور اوصاف بھی ایسے ہیں۔ جو سوانح نگار کے لئے بیحد ضروری ہیں۔ مثلاً یہ کہ تصادم آرا کے وقت اخلاقی جرأت کا ثبوت دیتا ہو اور بیرونی اثرات سے بالکل متاثر نہ ہوتا ہو۔ موضوع کے معائب اور کمزوریاں دکھانے میں اسی طرح واقعیت کا خیال رکھے۔ جس طرح محاسن کے بیان میں۔ موضوع کی شخصیت کی تصویر کشی میں ذاتی رجحان کو دخل نہ دیتا ہو۔ اور جذباتی، سیاسی، اور مذہبی محرکات سے وہ ہیرو کو واقعہ اور حقیقت کے

خلاف نمایاں نہ کرے۔ سوانح نگار کا مقصد محض "یادگار" ہی نہ ہو۔ کیونکہ اس عیب سے بیاگرافی ایک اچھی بیاگرافی کے پایہ سے گر جاتی ہے۔ اور سب سے آخری بات یہ کہ ان ضروریات کے ساتھ ساتھ مصنف اس کو اسلوب بیان، ترتیب، اور واقعات کے حسن انتخاب سے ایک ادبی شاہکار بنائے

یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اب تک حیات جاوید کے متعلق موافق اور مخالف آراء کا اظہار ہو چکا ہے۔ جس کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے ؛

یہ بالکل قدرتی بات ہے۔ کہ سرسید احمد خاں کے تمام کاموں اور کارناموں کی طرح ان کی لائف کی اچھائی اور برائی کے متعلق شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگرچہ ان کے قدردانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد ملک میں پیدا ہو گئی ہے۔ اور اس وقت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ تاہم چونکہ سید صاحب نے مذہب، اور سیاست دونوں میں ایک جدید خیال اور "دبستان" کی بنیاد رکھی ہے جس سے اصولاً ایک گروہ کو دیانت دارانہ اختلاف تھا۔ اور اب تک ہے۔ اس لئے حیات جاوید کے متعلق اظہار رائے میں بھی قدرتی طور پر تنقید کرنے والے حضرات دو گروہوں میں منقسم ہو گئے ہیں ؛

ہمیں سب سے پہلے خود مصنف کے خیالات سن لینے چاہئیں۔ کہ انہوں نے اس کتاب کی تصنیف میں کیا خاص اصول مدنظر رکھا۔ اور کونسے آداب اور قواعد ہیں۔ جن کی پیروی ضروری سمجھی گئی۔ حیات جاوید کے دیباچہ میں مولانا حالی فرماتے ہیں :۔

"اگرچہ ہندوستان میں جہاں ہیرو کے عیب و خطا کا معلوم ہونا اس کی تمام خوبیوں اور فضیلتوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ کہ کسی شخص کی بیاگرافی کریٹیکل طریقہ سے لکھی جائے اس کی خوبیوں کے ساتھ اس کی کمزوریاں بھی دکھائی جائیں۔ اور اس کے عالی خیالات کے ساتھ اس کی لغزشیں بھی ظاہر کی جائیں۔ چنانچہ اسی خیال سے ہم نے جو دو ایک مصنفوں کا حال اب سے پہلے لکھا ہے۔ اس میں جہاں تک ہم کو معلوم ہو سکیں۔ ان کی اور ان کے کلام کی خوبیاں ظاہر کی ہیں۔ اور ان کے پھوڑوں کو کہیں ٹھیس نہیں لگنے دی۔ لیکن اول تو

ایسی بائیوگرافی چاندی سونے کے ملمع سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی . . . . . الخ

لیکن ہم کو اس کتاب میں اس شخص کا حال لکھنا ہے۔ جس نے چالیس برس برابر تعصب۔ اور جہالت کا مقابلہ کیا ہے . . . . . ہم میں وہ پہلا شخص ہے جس نے مذہبی لٹریچر میں نکتہ چینی کی بنیاد ڈالی ہے۔ اس لئے مناسب ہے۔ کہ سب سے پہلے اسی کی لائف میں اس کی پیروی کی جائے۔ اور نکتہ چینی کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ اگرچہ سرسید کے معصوم ہونے کا نہ ہم کو دعوے ہے۔ اور نہ اس کے ثابت کرنے کا ہم ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن اس بات کا ہم کو خود بھی یقین ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں۔ کہ اوروں کو بھی اس کا یقین دلائیں۔ کہ سرسید کا کوئی کام سچائی سے خالی نہ تھا۔ اور اس لئے ضرور ہے۔ کہ ان کے ہر کام کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ کیونکہ سچ میں اور صرف سچ میں یہ کرامت ہے۔ کہ جس قدر اس میں زیادہ کریدگی جاتی ہے۔ اسی قدر اس کے جوہر زیادہ آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں "

ہم اس طویل اقتباس کی معافی چاہتے ہیں۔ لیکن اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی۔ کہ اپنی تصنیف کے متعلق خود مصنف کا بیان زیادہ وقیع سمجھا جایا کرتا ہے۔ اس بے حد قیمتی اور پُر معنی عبارت میں مولانا حالی نے سوانح عمری کا نظریہ، اپنی مشکلات، پہلی سوانح عمریوں کے نقائص اور موجودہ تصنیف کا اصول کا ریبان کر دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے :-

۱ - چونکہ ہمارا ماحول ابھی تک یورپ کے کرٹکل طرز سوانح نگاری کے لئے سازگار نہیں ہے۔ اس لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ کہ سوانحعمری یورپ کے طریقے پر لکھی جائے ؛

۲ - پہلی سوانحعمریوں (یعنی حیات سعدی اور یادگار غالب) میں صرف محاسن ظاہر کئے ہیں

۳ - حیات جاوید میں نکتہ چینی کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اگرچہ سرسید نے جو کام کیا۔ اس کی بنیاد سچائی پر ہے۔ اس لئے سوانح نگار کا فرض ہے۔ کہ اوروں کو بھی اس کا یقین دلائیں۔ کہ وہ جو کچھ کرتے تھے۔ سچائی کے ساتھ کرتے تھے۔ بہرحال ان کے خیالات، عقاید، اور کاموں پر نکتہ چینی ضروری ہے ؛

سطور بالا سے یہ ظاہر ہوگیا ہوگا۔ کہ حالی، ہیرو کے معائب و محاسن کی یکساں بے نقابی کو ضروری سمجھتے ہیں۔ علے الخصوص سرسید کے متعلق اس پر عمل کرنا ضروری ہے ؛

اس میں کچھ شبہ نہیں۔ کہ جہاں تک سرسید کی بیرونی زندگی اور خارجی واقعات کی تصویر کا تعلق ہے۔ حیاتِ جاوید ایک جامع کتاب ہے۔ پہلے ذکر آچکا ہے۔ کہ سید صاحب کی لائف پیدائش سے لے کر وفات تک۔ گویا ایک پوری صدی کی تاریخ ہے۔ ہمارا مصنف خاندان اور خاندانی ماحول سے ابتدا کرتے ہوئے ان کی رحلت تک اپنے ہیرو کے ساتھ ساتھ سفر کرتا نظر آتا ہے۔ اور اس انتہائی مصروفیت کی زندگی کے کسی کارآمد لمحے میں کہیں بھی ساتھ نہیں چھوڑتا۔ سید صاحب دہلی کے سادات کے ایک معزز گھرانے میں متولد ہوئے۔ ان کی طفلی کے واقعات، خاندانی روایات، شرفائے دہلی کے رسوم و رواج جن میں سید صاحب پرورش پاتے ہیں۔ سب کے سب پوری سلاست۔ اور پاکیزگی کے ساتھ مصنف کے قلم سے نکلے ہیں۔ پھر اس دور سے گذر کر عنفوانِ شباب کا رنگین زمانہ آجاتا ہے۔ اس میں والدہ کی زبردست نگرانی اور تربیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ تقریب بسم اللہ کی جزئیات کا حال بتانے کے بعد تعلیم کا مفصل حال بتایا گیا ہے۔ تعلیم کی قیود اور پابندیوں سے گذر کر جوانی کی لغزشوں اور رنگینیوں کا ذکر آتا ہے۔ اور ان عیش و نشاط کی مجالس کی تفاصیل بیان کی ہیں۔ جن میں عام طور پر اس زمانے کے نوجوان زندگی کی بہاریں گذارا کرتے تھے۔ جن کے متعلق خود سرسید فرماتے ہیں۔ کہ "ہم بھی اس رنگ میں مست تھے۔ ایسی گہری نیند سوتے تھے۔ کہ فرشتوں کے بھی اٹھائے نہ اٹھتے تھے۔" لیکن دفعتہً بڑے بھائی کا انتقال ہوجاتا ہے جس سے سید صاحب کے خیالات میں ایک انقلاب پیدا ہوجاتا ہے۔ اور اب وہ پرانی شوخیاں مولویت اور زہد میں تبدیل ہونے لگتی ہیں ؛

بہرحال ہمارا مصنف سید صاحب کی زندگی کے ہر دور کے متعلق نہایت دلچسپ اور پُر از معلومات جزئیات بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ اور نہایت خوبی سے اپنے موضوع کی شخصیت کی تدریجی رفتار ترقی کا حال قارئین کے سامنے رکھتا جاتا ہے۔ اس پہلی منزل کے بعد ملازمت شروع ہوتی ہے۔

اس کے مختلف مدارج کی ساری تفصیلات مہیا کی گئی ہیں۔ مختلف ملازمتوں کے دوران میں کارکردگیوں کے واقعات بھی جمع کئے گئے ہیں۔ زمانہ غدر جو کہ ان کی زندگی اور ملازمت کا نہایت نازک دور تھا۔ پوری جامعیت کے ساتھ مفصل لکھا گیا ہے۔ فتحپور۔ دہلی۔ رہتک۔ بجنور۔ غازی پور۔ بنارس۔ علی گڈھ جہاں کہیں سید صاحب بسلسلہ ملازمت تشریف لے جاتے ہیں۔ مصنف ان سب مقامات کے متعلق ان کی خدمات اور فرائض منصبی کے حالات شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتا ہے، اور اپنی عبارت کو اقتباسات کے ساتھ مربوط کرتا چلا جاتا ہے ؛

چونکہ کتاب کا پہلا حصہ ان کی زندگی کے موٹے موٹے واقعات کا خاکہ ہے۔ اس لئے انہوں نے اس تاریخی ترتیب سے ملازمتوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ سید صاحب کی تصنیفی کوششوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ غرض اس طریق سے یہ بخوبی نظر آتا جاتا ہے۔ کہ ان کے تصنیفی رجحان کی ابتدا کہاں سے ہوئی۔ اور کس طرح حالات اور اثرات اور ماحول کے بدلتے رہنے سے ان کے رجحان میں بھی اہم انقلابات آتے رہے۔ گویا ہم جام جم۔ انتخاب الاخوین اور تحفہ حسن سے جو سید صاحب کی ابتدائی تصانیف ہیں۔ آہستہ آہستہ بلند ہوتے ہوتے ان کے ساتھ خطبات احمدیہ اور تفسیر القرآن تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور سید صاحب کی ان تبدیلیوں کے اسباب اور محرکات خارجی بھی تدریجاً ہماری سمجھ میں آتے جاتے ہیں ؛

مندرجہ بالا سطور میں یہ ذکر آچکا ہے۔ کہ مصنف نے سید صاحب کے ماحول کے اثرات کا مفصل حال کتاب میں درج کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ نادانستہ طور پر اس زمانے کی معاشرت رسوم ورواج، اور اوضاع واطوار زندگی کی ایک تاریخ سی بن گئی ہے۔ جو اگرچہ بیاگرافی کے ساتھ گہرا اور لاینفک تعلق تو نہیں رکھتی۔ لیکن بیاگرافی کی تکمیل کے لئے بہرحال ممدات میں سے ہے۔ حیات جاوید کا ابتدائی حصہ جس میں سید صاحب کے خاندانی حالات، تعلیمی واقعات اور شرفا کی سوسائٹی کے قصے ہیں۔ کتاب کی افادی حیثیت میں بہت اضافہ کرتا ہے ؛

مولانا حالی نے جس ڈھنگ سے اس وسیع ذخیرۂ معلومات کو چند صفحات میں جمع کر دیا ہے

اگرچہ اس سے بعض نقائص بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کا ذکر آگے چل کر کہیں آئے گا۔ لیکن اس سے ایک فائدہ یہ ہو گیا ہے۔ کہ موضوع کی پوری شخصیت جہاں تک کہ اس کے مظاہر کا تعلق ہے کمال صحت کے ساتھ نمایاں ہو گئی ہے۔ گویا حیات جاوید کے اوراق میں ہمیں سرسید اپنی عظیم و جسیم بزرگانہ شخصیت کے سمیت نظر آتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کبھی سرسید عمارتوں کے کتبات پڑھنے کے لئے چھینکوں پر لٹک رہے ہیں۔ اور مولانا صہبائی گھبرا جاتے ہیں۔ اور ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔ کبھی غدر کے پر آشوب فتنوں کے اندر "نامحمود خاں" کے ساتھ الجھتے دکھائی دیتے ہیں۔ کبھی مسٹر بیڈن فارن سکرٹری حکومت ہند کے ساتھ اسباب بغاوت ہند کے متعلق پُر جوش مباحثہ ہو رہا ہے۔ کہیں سائنٹیفک سوسائٹی کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا ہے کہیں خطباتِ احمدیہ کے لئے "خواب و خور حرام ہو رہا ہے"۔ اور خطوں میں لکھا جا رہا ہے۔ کہ "ظروف خانگی بھی بیچ کر خطبات کے لئے رقم مہیا کرو"۔ پھر تہذیب الاخلاق میں قوم و ملک کے اخلاق کی اصلاح و تہذیب کے ہنگامہ پرور مضمون چھپ رہے ہیں۔ اور مولوی امداد علی اور علی بخش خاں کے ساتھ معارضے ہیں۔ اب وہی سرسید ہیں۔ کہ علی گڈھ کالج میں چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اور "زندہ دلان پنجاب" سے روپیہ وصول کر رہے ہیں۔ کچھ وقت اور گذرتا ہے۔ کہ سمیع اللہ خاں سے تُو تُو مَیں مَیں کرتے سنائی دیتے ہیں۔ آخر میں کبھی نہ خاموش ہونے والی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ کہ "اب وہ وقت قریب ہے۔ کہ ہمیشہ چُپ رہنا ہوگا۔ اس لئے خاموش رہنے کی عادت ڈالتا ہوں"۔ تا آنکہ ۲۴ مارچ ۱۸۹۸ء کو "یہ سیماب مجسّم" سپرد خاک کر دیا جاتا ہے ؛

اس کے بعد قوم، ملک، ابنائے وطن اور حکومت کی طرف سے جو ماتم ہوتا ہے، وہ پورے پورے اقتباسات کی شکل میں کتاب میں درج کیا گیا ہے۔ تاکہ اس جوش و خروش کی گہرائی اور وسعت کا اندازہ ہو سکے۔ جو اس نامور بزرگ کی وفات کے غم نے پہنائے عالم میں پیدا کیا ؛

کتاب کا دوسرا حصہ اور بھی جامع۔ دلکش اور پُر از معلومات ہے۔ سید صاحب کے اوصاف و محاسن، ان کی خدمات، ان کی تحریکوں کی سپرٹ۔ ان کے اخلاق و عادات اور تصنیف و

تالیف کے طریقے اور دیگر بے شمار مباحث و مضامین ایسے ہیں۔ جن میں سید صاحب کی شخصیت اور سیرت بہت حد تک نمایاں کی گئی۔ مفصل اقتباسات جو بعض جگہ طبیعت کے لئے بار ہیں۔ سوانح کی جامعیت کو قایم رکھنے کا مقصد پورا کر رہے ہیں ؛

سرسید نے اپنی زندگی میں مذہب، معاشرت اور سیاست کو اپنا مرکز توجہ بنائے رکھا۔ حیات جاوید ضمنی طور پر اپنے زمانے کی سوسائٹی کے قلب و دماغ اور معاصرین کے رجحان مذہبی و نفسی پر بھی ایک طرح کا تبصرہ ہے۔ یہ کتاب ہمارے سامنے اس ماحول کی پوری صورت نمایاں کرتی ہے۔ جس میں سید صاحب نے اپنے مشن اور تحریک کی ابتدا کی اور اس حد تک اسکو زیور تکمیل سے آراستہ بھی کر دیا۔ حیات جاوید کو پڑھکر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا ہم اس زمانے کی سیر کر رہے ہیں ؛

جدید کتابیں جو خالص فنی نقطہ نگاہ سے لکھی جاتی ہیں۔ ان میں ان اثرات کا سراغ بھی لگایا جاتا ہے جنہوں نے "ہیرو" کی ذہنیت، رجحان اور جماعتی شعور کے بنانے میں کوئی حصہ لیا ہو۔ اگرچہ خالص فنی خیال سے ہم شاید حالی کی اس کتاب کو اس معیار کے مطابق مکمل ثابت نہ کر سکینگے لیکن اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ہمارے مصنف نے اپنی اس کتاب میں ان اثرات خارجی اور ان کے عمل اور ردِ عمل دکھانے کی بہت حد تک کامیاب کوشش کی ہے۔ خاندان کا اثر۔ بچپن میں والدہ کی تربیت کا اثر، سیاسی وقایع اور مذہبی انحطاط کا اثر، شادی کا اثر، بیوی کے مرجانے کے بعد متاہل نہ ہونے کا اثر، تصنیفی رجحان کی پختگی کے اسباب، غرض بے شمار بحثیں حیات جاوید میں ایسی مل جائیں گی۔ جن کے صحیح ہونے میں ہم کوئی کلام نہ کر سکیں گے۔ "اثرات کا سراغ لگانا" اگرچہ حالی کی جدت نہیں۔ لیکن چونکہ حالی کے زمانے میں یورپ کی ادبیات کی وساطت سے اس اصولِ تصنیف کا علم ہندوستان میں مصنفین کو ہو چکا تھا۔ اس لئے یہ کامیاب بالیقین ان کی تصنیف کے محاسن میں سے ہے Application ؛

ایک اور ضروری سوال ابھی باقی ہے۔ اور وہ یہ کہ۔ مولانا حالی نے جو تصویر سرسید کی بنائی ہے کیا یہ ان کی مکمل اور ہو بہو تصویر ہے ؟ گذشتہ سطور میں ہم لکھ آئے ہیں۔ کہ حیات جاوید

جہاں تک شخصیت کے مظاہر کا تعلق ہے۔ ایک جامع کتاب ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں اس میں یہ نقص نظر آتا ہے۔ کہ یہ سرسید کی "شخصیت" کے ساتھ ساتھ ان کی نفسیات کے بیان کرنے سے اکثر قاصر رہی ہے۔ اس میں سید صاحب کے مشن، ان کے کارناموں، ان کی خدمات اور ان کے مشاغل و فرائض پر ایک مفصل تبصرہ تو ضرور ملے گا۔ لیکن "بشریت" کے خدوخال نمایاں کرنے کی بہت کم کوشش کی ہے۔ دراصل اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حالی کا مقصد اس کتاب کے لکھنے سے یہ ثابت کرنا تھا۔ کہ سید صاحب کہاں تک اپنے مشن میں حق بجانب تھے اور کہاں تک اس میں کامیاب ہوئے؟ پس جہاں تک غرض و غایت اصلی سے بحث ہے۔ حالی اس میں کامیاب ہوئے۔ لیکن "بشریت" کا بے نقاب کرنا نہ ان کے مقاصد میں تھا۔ نہ انہوں نے اس کی کوشش کی۔

اگرچہ ہم ضرورت سے زیادہ یورپ اور ان کے اصول تنقید کی نقالی کو پسند نہیں کرتے لیکن بہ ایں اعتبار کہ خود حالی نے اس طرز سوانح نگاری کو سراہا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہیں۔ کہ انگریزی زبان کی بعض عمدہ سوانح عمریوں میں بڑے بڑے ہنگاموں اور معرکوں کی زندگی کے بین السطور میں مصنفین کو "بشریت" کی جو رنگینیاں نظر آئی ہیں۔ اور بشری محاسن و معائب کے جو خصائص ان کو مل سکے ہیں۔ وہ انہوں نے بلا تکلف اپنی بیاگرافیوں میں درج کرتے ہوئے اپنے موضوع کی "شخصی" اور "ذاتی" زندگی کو زیادہ نمایاں کیا ہے۔ سر جان سٹریچی نے ملکہ وکٹوریہ کی جو لائف لکھی ہے۔ وہ ہمارے اس خیال کی تائید کے لئے کافی ہے۔ حیات جاوید کے سلسلے میں ہماری یہ توقع غالباً حد سے بڑھی ہوئی مغرب پسندی نہ سمجھی جائے گی۔ کیونکہ یہ شرط خود مولانا کے نزدیک سوانح نگاری کے لئے ضروری ہے۔ یہ چیز یورپ کے "ملامت پسندوں" کے اس طریقے سے جدا ہے۔ جو عیوب کے بے محابا اعلان و افشار پر فخر کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ حضرت فرائڈ Freud کے جدید طریقہ "تجزیہ نفسی" سے بھی مختلف ہے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ کتاب میں اس حسن کو ظاہر کرنے کے لئے روزمرہ کے وہ واقعات یا

نجی خطوں کے وہ شگفتہ اور بے ساختہ لکھے ہوئے فقرات جن میں کاتب اپنی ذات یا خودی یا انجام سے غافل ہوتا ہے۔ بہت کارآمد ہوتے ہیں۔ سنجیدہ تحریریں اور باقاعدہ سوچی اور سمجھی ہوئی گفتگوئیں جن کا تعلق زیادہ تر انسان کی سوشل ذمہ دارانہ پبلک زندگی سے ہوتا ہے۔ وہ لطف نہیں پیدا کر سکتیں۔ جو پرائیویٹ زندگی کے بعض لطائف سے ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے سرسید کے خطوط بھی بہت حد تک Serious خشک اور پُر از متانت ہیں۔ اور ان سے بھی ہمارا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ اس سے بظاہر مولانا حالی کے لئے ایک جائز عذر موجود ہے۔ کہ ایک ایسا شخص جس کی زندگی سراپا متانت، یکسر مقصد، مکمل تبلیغ و تحریک ہو۔ اس کی لائف میں یہ آب و رنگ آئے تو کہاں سے؟ لیکن اگر ہمیں معاف کیا جائے۔ تو یہ عرض کیا جائے۔ کہ یہ کسی حد تک اس اسلوب اور رجحان طبع کے طفیل بھی ہے۔ جو حالی کا خاصہ ہے۔ سرسید کی متین اور سنجیدہ زندگی کے لئے حالی کی متانت سے زیادہ کسی اور چیز کی ضرورت بھی تھی۔ اور وہ جوش بیان اور شگفتگی ہے جس سے حالی کسی حد تک محروم ہیں۔

نہ صرف یہ کہ سید کی زندگی کو ان دلچسپ ذاتی اور "بشری" جزئیات سے پُر لطف نہیں بنایا گیا بلکہ یہ بھی ہے۔ کہ ایسی جزئیات ہیں بھی بہت کم! لوکہارٹ کی "لائف اف سکاٹ" اور باسول کی "لائف اف جانسن" کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ ان میں روزمرہ کے معمولی واقعات سے زندگی کے خاکہ میں خوبصورت رنگ بھر آگیا ہے۔ لیکن حالی کی کتاب ان بیل بوٹوں سے بہت حد تک خالی ہے۔ بچپن کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ یا شاید عنفوان شباب کا حال۔ بے شک پُر لطف ہے۔ اخلاق و عادات، اور طرز تصنیف و تالیف کا باب دلکش ہے۔ لیکن مفصل نہیں۔

اب جہاں تک "اخلاقی جرأت" کا سوال ہے۔ مولانا حالی اس وصف سے ایک بہت بڑی حد تک متصف تھے۔ اگرچہ ان کا عام لب و لہجہ اپنی معاشری زندگی میں اور تصانیف میں بھی نرم تھا۔ لیکن صداقت کو نمایاں کرنے اور موضوع کے عیوب کو ظاہر کرنے میں اپنے عام اسلوب کے ماتحت انہوں نے اکثر مقامات پر اخلاقی جرأت کا ثبوت دیا ہے۔ خود ان کا سرسید احمد خاں کے ساتھ

ان کے مشن میں شامل ہونا ان کی تحریکات میں ان کی ہم نوائی کرنا اور سب پر مستزاد یہ کہ ان کا ایک ایسے مختلف فیہ موضوع کو اپنی تصنیف کا موضوع بنانا اس کا ثبوت ہے ۔ کہ ان میں صداقت کو نمایاں کرنے کی اخلاقی جرأت تھی۔ اگرچہ "ماحول" اور "فضا" سے مرعوب ہونے کا خود اقرار کرتے ہیں "اور کڑی بیاگرافی لکھنے کو" ہندوستان میں بے کار خیال کرتے ہیں۔ جہاں "ہیرو" کے ایک عیب یا خطا کا معلوم ہونا اس کی تمام خوبیوں اور فضیلتوں پر پانی پھیر دیتا ہے"۔

مولانا شبلی نے حیات جاوید کے متعلق جو شدید نکتہ چینی کی ہے۔ اس کے ساتھ اتفاق یا اختلاف کرنا تو محض اصول و مبانی کے معیار پر ہو سکتا ہے۔ لیکن ان کا لب و لہجہ قدرے سخت ہے "حیات جاوید کو میں لائف نہیں۔ بلکہ کتاب المناقب سمجھتا ہوں اور وہ بھی غیر مکمل"۔ پھر فرماتے ہیں کہ "یہ مدلل مداحی ہے"۔ پھر ارشاد ہوتا ہے "یہ یک رُخی تصویر ہے۔ اور اکثر لوگوں کا خیال ہے ۔ کہ کسی کے معائب دکھانے تنگ خیالی اور بد طینتی ہے"۔ اگر اس آخری فقرے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے ۔ کہ یہ مولانا حالی کا خیال ہے۔ تو یہ واقعات کے خلاف ہے۔ کیونکہ مولانا "بیاگرافی" کے لئے اس وصف کو ضروری سمجھتے تھے۔ اور ان کے نزدیک محاسن کے ساتھ معائب دکھانے ضروری ہیں۔ علی الخصوص "سرسید" کے تمام اعمال پر نکتہ چینی کرنا ان کے نزدیک بہت ضروری ہے۔ کیونکہ انہوں نے "ہی نکتہ چینی" کی بنیاد رکھی ہے۔ مولانا اس اصول کے قایل تھے۔ اور انہوں نے اس کا نمایاں الفاظ میں دعوے کیا ہے۔ ہاں اس بارے میں مشرقیت ضرور آڑے آتی ہے ۔ جو مولانا شبلی کے نزدیک (اور ہمارے نزدیک بھی) ایک خوبی ہے ؛

لیکن دیکھنا یہ ہے۔ کہ واقعی مولانا نے اس اصول کی پابندی کرتے ہوئے سرسید کے محاسن و معائب کا پلہ برابر رکھا ہے۔ اور ان کے ذاتی کیریکٹر کے علاوہ ان کے پبلک کیرکٹر کی خامیوں کو بے نقاب کیا ہے ؛

اگر معاصرین پر جنبہ داری اور گروہ بندی کا الزام درست بھی ثابت ہو جائے۔ تو موجودہ نسلیں جو اپنی عصبیت میں شاید اس قدر شدید نہ ہوں۔ حالات گذشتہ کا صحیح جائزہ لیتے ہوئے غالباً کسی

رائے پر پہنچ سکتی ہیں۔ آج سرسید کے مشن، ان کی تحریکات کے فوائد اور نقصانات، ان کے مذہبی خیالات اور سیاسی عقاید کا عمل اور ردِ عمل ہمارے سامنے ہے۔ حالات کے مطالعہ کے بعد ہم بہ جرأت کہہ سکتے ہیں۔ کہ مولانا حالی نے جو تصویر سید صاحب کی پیش کی ہے۔ وہ ہو بہو نہ تھی۔ اور ان میں عقیدت اور محبت کو شامل کیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے۔ کہ ان اقوال و عقاید کے لئے جو تاویلات کی گئی ہیں۔ ان کے خلاف بھی قوم کے شعور اور ضمیر نے عرصہ ہوا۔ بغاوت کردی ہے۔ مولانا شبلی سید صاحب کی جماعت کے ایک ممتاز فرد تھے۔ لیکن غالباً سب سے پہلے وہی تھے جنہوں نے سید صاحب کے خیالات و عقاید سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے قوم کے لئے فکر کی ایک نئی راہ کھولی ؛

لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہم کہیں گے۔ کہ مولانا حالی نے صداقت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہوگا۔ ان کا اعلےٰ معیارِ زندگی، ان کا پاکیزہ اخلاق، ان کی سادہ اسلامیت سب اس بات کی شاہد ہیں۔ سید صاحب کے ساتھ انہیں جو خلوص تھا۔ ان کے جوشِ اسلامی اور حبِ قوم سے ان کے دل میں جو ولولۂ محبت پیدا ہوتا تھا۔ ان کے کارناموں اور مخالفین کی ضد اور جہالت کا جو اثر ان کے قلب پر ہوتا تھا۔ اس کا تقاضا تھا۔ کہ وہ اپنے "محبوب" رہنما کے متعلق بادلِ نخواستہ بھی کوئی ایسی بات نہ لکھیں۔ جس میں ان کی نیت اور فعل پر شبہ ہو سکے۔ حالی کچھ تو فضا اور ماحول سے مجبور تھے۔ جہاں ہیرو کے نقائص سننے کی لوگوں کی عادت ہی نہیں۔ کچھ انہوں نے تنقید کے ایک اصول پر ضرورت سے زیادہ عمل فرمایا۔ جس کو اپنے "موضوع کے ساتھ دلچسپی اور ہمدردی" کہا جاتا ہے۔ پس بقول مہدی حسن مرحوم "ایک شریف نے ایک شریف ترانسان کی ہمدردانہ سرگذشت لکھی ہے"۔ مولانا حالی نے سید صاحب کی جن باتوں کو سراہا ہے۔ اور جن اختلافی معاملات میں ان کی جنبہ داری کی ہے۔ ان میں واقعی مولانا کی دیانت دارانہ رائے یہی ہوگی۔ خواہ آج مکان و زمان کے اس وقفہ کی حالت میں ہمیں دونوں بزرگوں سے اختلاف کرنے کی گستاخی کرنی پڑے ؛

ہماری مشرقی عقیدت کا تقاضا ہے۔ کہ ہم سرسید اور مولانا حالی دونوں بزرگوں کے کارناموں پر نکتہ چینی نہ کریں۔ اور بقول مہدی حسن مرحوم اس "ہمدردانہ سرگذشت" کے اوراق کو داغدار نہ بنائیں۔ لیکن افسوس کہ یورپ سے ہم لوگوں کو جو "ایمان بالغیب" ہوگیا ہے۔ اور یورپ نے جس فن تنقید کے "تریاق" یا "اثر مسموم" کو ہم میں پھیلا دیا ہے۔ وہ مجبور کر رہا ہے۔ کہ قوم اور ملک کی رائے بعض مباحث و معاملات میں "ہیرو" کے بعض کاموں سے اختلاف کرے ؛

سید صاحب کی زندگی میں بعض واقعات ایسے ہیں۔ جن سے ان کی ذات ہمیشہ سے بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کا محل بنی ہوئی ہے۔ اور مشکل یہ ہے۔ کہ حیات جاوید کی تاویلات اور بیانات کے باوجود وہ غلط فہمیاں ملک میں موجود ہیں۔ اگرچہ یہ بھی صحیح ہے۔ کہ مرور زمانہ نے ان میں سے بعض کو تجربہ کی روشنی میں صاف کر دیا ہے ؛

بعض اختلافی مسائل جو مابہ النزاع ہیں۔ وہ یہ ہیں :-

(۱) "آیام غدر" میں سید صاحب کا طرز عمل ؛

(۲) سید صاحب کا "مغربی تمدن" کو پسند کرنا۔ اور اس کے بعض پہلوؤں کو اختیار کر لینا ؛

(۳) سید صاحب کا مذہب کو معقولات کے تابع کر دینا۔ اور بعض ایسے عقاید کا انکار جو مسلمات میں سے تھے۔ اور بعض کا اقرار جو دین میں پہلے موجود نہ تھے ؛

(۴) سید صاحب کا آخری عمر میں سید محمود کے ہاتھ میں کھیلنا اور پرانے رفقا سے اختلاف، ٹرسٹی بل کے واقعات ؛

(۵) سید صاحب کا انڈین نیشنل کانگرس سے الگ رہنا۔ اور مسلمانوں کے لئے الگ سیاسی حکمت عملی کا وضع کرنا ؛

سید صاحب نے ایام غدر میں جو طرز عمل اختیار کیا۔ اور ضلع بجنور میں باغیوں سے جس طریق سے صف آرائی کی۔ وہ باغیوں کے نقطۂ نگاہ سے یقیناً قابل مذمت تھا۔ اور اب بھی جو لوگ اس لڑائی کو "بغاوت" سے زیادہ کچھ سمجھتے ہیں۔ وہ سید صاحب کی کارروائیوں کو اچھا نہیں سمجھتے

لیکن ہمیں یہاں اس سے بحث نہیں۔ ہم مولانا حالی کی اس رائے کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔ کہ سید صاحب نے عاقبت بینی کے خیال سے نہایت دیانت دارانہ یہی ضروری سمجھا۔ کہ باغیوں کی مخالفت کی جائے۔ لیکن یہ عذرات اس بات کو جائز نہیں ٹھہراتے۔ کہ سید صاحب "تاریخ سرکشی بجنور" میں محمود خاں رئیس بجنور کو "نامحمود خاں" کہہ کر پکاریں ؛

سید صاحب مغرب اور مغربی تمدن کے اس درجہ دلدادہ ہو گئے تھے۔ کہ نہ صرف اس کے مظاہر سے ان کو دلچسپی تھی۔ بلکہ اس کی "سپرٹ" کے بھی عاشق تھے۔ سید صاحب نے اس محبت اور وابستگی کی وجہ سے جو "لباس و طعام و مکان اور طرز ماندوبود اور طرز معاشرت وغیرہ" انگریزی طریقے پر اختیار کر لیا تھا۔ حالی اس کو "تعلیم یافتہ ترکوں کا طریقہ" کہتے ہیں۔ حالانکہ حیات جاوید کے اوراق میں ترکوں کی محبت کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ یہ اس بات کی شہادت ہے۔ کہ ہیرو کے بعض عیوب یا بعض خصائص کو اچھے رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ ہندوستانیوں نے جس وسیع پیمانے پر اب مغربی تمدن کو اختیار کر لیا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ امر چنداں قابل اعتراض نہیں رہا۔ لیکن چونکہ اس زمانے کی سوسائٹی میں یہ طریقہ بود و ماند پسندیدہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے حالی نے اس کو ایک مغرب لباس بنانے کی کوشش کی ہے ؛

سید صاحب نے انگلستان سے ایک خط میں لکھا "کہ ہندوستان کے لوگ انگریزوں کے ساتھ تہذیب و شائستگی میں وہی نسبت رکھتے ہیں۔ جو ایک وحشی بدصورت ایک لایق اور خوبصورت آدمی کے ساتھ رکھتا ہے"۔ مولانا حالی کا سکوت بلکہ بامعنی تاویل بیداری ہندوستان کے موجودہ دور میں گرفت سے بالکل باہر نہیں۔ ہمارا خیال ہے۔ کہ مولانا حالی نے سید صاحب کی حد سے بڑھی ہوئی مغرب پسندی اور "تفرنج" کو صحیح رنگ میں پیش نہیں کیا۔ بلکہ ان تمام حالات کو وہ روغن دینے کی کوشش کی ہے۔ جو قابل قبول ہو۔ اسی طرح جہاز پر گردن مروڑی ہوئی "مرغی وغیرہ کے متعلق جس قدر ازالہ شبہات کیا گیا ہے۔ وہ بھی فرائض سے غفلت کا ثبوت ہے اور ایک طرح کی وکالت ہے ؛

لہ حیات جاوید۔ ص ۴۲۳ ؛

سید صاحب نے مذہب اور عقل کی جنگ ٹالنے کی باہم مصالحت کے سلسلے میں جو اجتہادات کئے ہیں۔ ان کے متعلق صرف اتنا لکھنا کافی خیال کیا گیا ہے۔ "اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ ہر مسئلہ مختلف فیہ کی نسبت جو کچھ سر سید نے لکھا ہے۔ وہی صحیح ہے۔ اور ہر ایک اختلاف میں انہی کی رائے صائب ہے۔ لیکن . . . ." جہاں کہیں مولانا حالی نے کسی کمزوری کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ایک بڑی سی "لیکن" لکھ کر کمزوری کو محاسن میں تبدیل کرنے کی کوشش بھی کر دی ہے۔ سید صاحب کے اکثر اجتہادات سے حالی کو شدید اختلاف تھا۔ اور ان کے نزدیک سید صاحب غلطی پر تھے لیکن اس کو ظاہر کرنے میں چشم پوشی کو روا رکھا گیا ہے۔ ان تمام معاملات میں حالی یہ فرماتے ہیں کہ اس سے مذہب کو سائنس کے حملوں سے بچانا مقصود تھا۔ لیکن نصف صدی گذر چکنے کے بعد بھی کون کہہ سکتا ہے۔ کہ "مذہب" سائنس کے حملوں سے بچ گیا۔ ہاں ہم میں مغرب پسندی ضرور پیدا ہو گئی۔ اور مذہب کو دیکھنے کے لئے مغربی زاویۂ نگاہ اختیار کر لیا گیا۔

اسی طرح دیسی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنانے اور علوم مشرقیہ کو زندہ کرنے کے مسئلے میں مولانا حالی نے سید صاحب کو ایک ایسے رنگ میں پیش کیا ہے۔ جو آج کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

سید صاحب آخری عمر میں سید محمود کی رائے سے بے حد متاثر ہو جاتے تھے۔" قانون ٹرسٹیان" کے سلسلے میں سید صاحب نے جس ضد اور سختی کا ثبوت دیا ہے۔ اس سے کالج کے وقار اور شہرت اور خود ان کے سکونِ دل کو بہت صدمہ پہنچا۔ انہوں نے اس بل کو منظور کرانے کے لئے جو جائز و ناجائز طریقے اختیار کئے۔ وہ اس جلیل القدر شخصیت کے شاندار محاسن کے پہلو میں زیبا نہیں معلوم ہوتے۔ نواب وقار الملک جو سید صاحب کے زبردست مداح لیکن اس بل کے معاملے میں ان کے مخالف تھے۔ ایک پمفلٹ میں لکھتے ہیں[1]۔

"کہ صرف اسی پر قناعت نہیں کی گئی۔ کہ مروت سے ہی کام نکل سکے۔ بلکہ اس سے زیادہ کارروائی ہوئی ہے۔ میں نے بچشم خود سید صاحب کی وہ تحریر بھی دیکھی ہے اور سید صاحب نے اس کو مخفی

---

[1] وقار حیات - ص ۳۹۵

بھی نہیں رکھا۔ کوئی دقیقہ اس بات کے لئے اٹھا نہیں رکھا ہے۔ کہ رائے دینے والے سید محمود کے حق میں رائے دیں۔ رائے دینے والوں کو یہاں تک خوف دلایا گیا ہے۔ کہ اگر وہ سید صاحب کی تجویز سے اتفاق نہ کریں گے۔ تو سید صاحب صرف سکرٹری کے عہدے سے ہی استعفا نہ دیں گے۔ بلکہ جو مدرسہ کے متعلق اس وقت تک ہوا ہے۔ اس سب کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیں گے۔" الخ

ان دنوں میں سید صاحب کی طبیعت میں جو کمزوری اور ضد پیدا ہو گئی تھی۔ وہ یہاں تک بڑھ گئی تھی۔ کہ "اب جو آپ کے قلم سے ناں نکل گئی۔ تو خدا ہی ہے۔ جو اس کی جگہ ہاں نکلے"[1]

ان تمام تنازعات میں مولانا حالی سید صاحب کی "ڈسپاٹک طبیعت" کا اقرار کرتے ہوئے اُن کے طرز عمل کو کسی حد تک "استحسان" کا لباس پہنانا چاہتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں[2]۔ کہ "اگر فرض کر لیا جائے۔ کہ سر سید کی رائے اس باب میں خطا پر تھی۔ تو بھی جب ٹرسٹی بل قاعدہ کے موافق پاس ہو چکا تھا۔ تو کالج کے ہوا خواہوں کو اسے سر پر رکھنا چاہیئے"۔ ہوا خواہان کالج کے بارے میں جو ارشاد ہوا۔ بجا اور درست! لیکن سید صاحب کے متعلق ہم کیا قطعی رائے قایم کریں۔ کہ اس شور و شر میں حق بجانب تھے۔ یا غیر حق بجانب!

حالانکہ واقعات یہ ہیں۔ کہ اس زمانے میں خود مولانا حالی سید صاحب کی مخالفت میں دوسروں کے ساتھ شریک تھے۔ اور ان دنوں کالج کی اصلاح کے متعلق جو سلسلہ مضامین اخبارات میں نکلنے کو تھا۔ مولانا حالی کا نام بھی ان میں ہوتا[3]۔ لیکن حیات جاوید میں جو پاس ادب ملحوظ ہے۔ وہ مشرقی عقیدت اور خاطر داری کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ ع

نام نیک رفتگاں ضائع مکن تا بماند نام نیکت برقرار

ایک لحاظ سے یہ بھی قابل داد ہے!!

---

[1] وقار حیات۔ ص ۴۱۸ - نواب وقار الملک کا ایک خط۔

[2] حیات جاوید۔ ص ۱۹۲ [3] وقار حیات۔ ص ۴۲۰

سید صاحب نے انڈین نیشنل کانگرس سے مسلمانوں کو من حیث القوم الگ رکھا۔ گویا درحقیقت انہوں نے (سید صاحب نے) مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا۔ کہ ایک خاردار جھاڑی میں جو شاید اوروں کے لئے درخت بار دار ہو۔ ان کا دامن الجھنے نہیں دیا[1]۔ اگرچہ آج بھی اسلامی سیاست کا رجحان ادھر ہی ہے۔ لیکن اب ہوا کا رُخ تبدیل ہو گیا ہے۔ اور حالات میں اس قدر انقلاب آگیا ہے۔ کہ سید صاحب کی رائے پر دیر تک قایم رہنا ممکن ہے مضر ثابت ہو۔ کیونکہ اب تو "اسیران قفس" نے "بہ نخل خانہ صیاد آشیان بستند" کے مصداق حکومت کے مسند پر قدم رکھ دیا ہے +

مولانا حالی پر اس خاص معاملہ میں بھی بطور رسوائے نگار ہمارا یہ اعتراض ہے۔ کہ انہوں نے سید صاحب کی اس رائے کے لئے اپنی طرف سے جو تاویلات پیش کی ہیں، یہ کام ان کے فرائض سے خارج تھا +

اس تمام بحث کے بعد نتیجہ صاف ظاہر ہے۔ کہ مولانا حالی نے سید صاحب کی یہ لائف اگرچہ مفصل اور تمام حالات کی جامع لکھی ہے۔ اور کسی نہ کسی جگہ دبی زبان سے ان کے طرز عمل اور رائے کی مخالفت بھی کی ہے۔ لیکن ہے "ہمدردانہ"۔ بلکہ "بے حد ہمدردانہ" اور بعض جگہ سعی تاویل کی وجہ سے واقعی "مدلل مداحی" معلوم ہوتی ہے +

یہ صحیح ہے۔ کہ "تنقید" کا معنی قطع و برید اور تنقیص نہیں۔ بلکہ "ہمدردانہ تبصرہ" ہے لیکن "ہمدردانہ" سے مطلب یہ ہے۔ کہ ہم "موضوع" کو اس کے ماحول اور خاص حالات سے مجبور پا کر اس کی مشکلات پر ہمدردی سے نظر ڈالیں۔ اور اس کے نقطۂ نگاہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ نہ یہ کہ وہ نقایص جو مسلّم طور پر نمایاں ہوں۔ اور ان میں شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ ان کی بھی تاویل کریں۔ سید محمود صاحب کے حق میں سید صاحب کی مسامحت اور مولانا حالی کی اس کے متعلق تاویل بلکہ خاموشی ناقابل درگذر ہے +

مولانا نے حیات جاوید کے باب "ریفارمیشن" میں سید صاحب کے مصلح، مجدد یا رفارمر ہونے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ وقایع نگاری نہیں۔ بلکہ وکالت ہے (ص ۳۸۲ - ۳۸۶)

---

[1] حیات جاوید۔ ص ۳۰۴

اسی محبت کے جوش میں فرماتے ہیں "۔ علمائے سلف میں سے کسی شخص نے عام اصلاح کا ارادہ نہیں کیا" (ص ۳۷۷) حالانکہ مسلمانوں کی تاریخ اس کی تردید کر رہی ہے +

مسلمانوں کی انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے متعلق جو مخالفت تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ قرار دیتے ہیں۔ کہ مسلمان "ابتدائے اشاعت اسلام سے جس ملک میں گئے۔ اور جہاں جاکر رہے مستثنیٰ صورتوں کے سوا کبھی ان کو غیر ملک اور غیر قوم کی زبان سیکھنے کی طرف توجہ نہیں ہوئی" (ص ۲۶۶) آپ فرماتے ہیں۔ کہ "وہ طبعی مناسبت جو تیرہ سو برس سے ان میں متوارث چلی آتی تھی۔ ایک اجنبی زبان کو سیکھنے کی ان کو اجازت نہ دیتی تھی"۔ (ص ۲۶۷) حالانکہ ایران، ہندوستان اور چین کی مثالیں اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ کہ مسلمان جہاں گئے۔ انہوں نے کچھ عرصہ کے بعد ملک کی دیسی زبانوں کو اپنایا۔ اور ان میں وسیع لٹریچر پیدا کیا۔ ہاں اس کلیہ کے کچھ مستثنیات بھی ہیں +

ہم حیات جاوید کے معنوی محاسن و نقائص کے موازنہ سے فارغ ہو چکے۔ اب صرف یہ دیکھنا باقی ہے۔ کہ اس تصنیف کی ظاہری خصوصیات کیا ہیں؟ اور یہ کہاں تک ایک ادبی تصنیف قرار دی جاسکتی ہے؟ یہاں بطور جملہ معترضہ یہ عرض کر دینا ضروری ہے۔ کہ یورپ میں (جس کی ہم اعلانیاً یا عملاً تقلید کرتے ہیں۔ خواہ اقرار باللسان نہ ہو) بیاگرافی کا موجودہ رجحان یہ ہے کہ بیاگرافی کی خوبی میں form کا بہت زیادہ حصہ نہیں[1]۔ بلکہ اصل چیز جو ضروریات میں سے ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ "موضوع" کی واقعی اور حقیقی تصویر کھینچی جائے۔ اور اس میں صداقت کا پورا خیال رکھا جائے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ماننا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ موضوع کی ہو بہو تصویر بنانے کے لئے بہرحال قلم، الفاظ اور ترتیب الفاظ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے۔ کہ تصنیف کو ایک ادبی شاہکار بنانے کے لئے واقعیت اور صداقت کا خون نہیں ہونا چاہیئے +

اسی خیال کے ماتحت ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کہ حیات جاوید کی ظاہری خصوصیات یعنی ترتیب مضامین، اسلوب بیان، اور زبان کا سرسری جائزہ لے لیں۔ اگرچہ یہ وہ مضمون ہے جس کے متعلق اردو ادب کے مورخین بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں ہمارے لئے ان کی خوشہ چینی شاید چنداں

---

[1] Harold Nicolson

معیوب نہ سمجھی جائے ؛

حیات جاوید ایک طویل اور ضخیم تالیف ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ یہ ضخامت اُس حد سے بڑھے ہوئے جوش عقیدت کے سبب ہو۔ جس کا ذکر گذشتہ سطور میں آچکا ہے۔ ہم مصنف کے ممنون ہیں کہ ان کی مساعی سے سرسیّد کی طویل اور پُرازواقعات زندگی کے مفصل حالات ہمیں مل گئے ہیں۔ جو موانع بوجہ معاصر ہونے کے انہیں حاصل تھے۔ یا جو نظر ان کی اس زمانے کی تاریخ، ماحول۔ اور علمی ادبی اور سیاسی سرگرمیوں کے متعلق تھی۔ وہ کسی بعد میں آنے والے کو قدرتاً حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ اندریں حالات یہ مبارک بات ہوئی۔ کہ سید صاحب کی لائف کا بیش بہا ذخیرہ ہمارے ادب میں پیدا ہو گیا ہے۔ ملک میں حالی کی ذات اور ان کے کارناموں کے متعلق جو خوشگوار دلچسپی نشوونما پا رہی ہے۔ کیا ہم اس سے یہ توقع رکھ سکتے ہیں۔ کہ کوئی فاضل حیات جاوید کا ملخص تیار کرتے ہوئے اُردو ادب میں قیمتی اضافہ کریں گے۔ جس سے سرسیّد اور مولانا حالی کی ارواح پُرفتوح کو مسرّت حاصل ہو گی۔ اور ملک اور ادب پر احسان ہو گا ؛

حیات جاوید کے مطالعہ سے باوجود اس کی ضخامت اور طویل الذیل ہونے کے ایک طرح کا فائدہ ضرور ہوتا ہے۔ کہ اس سے سیّد صاحب کی لائف کا حال زیادہ تفصیل کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتا ہے لیکن اس بات کا کچھ جواب نہیں۔ کہ بعض اوقات لمبے لمبے اور پے در پے اقتباسات بار خاطر ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ان کے مضامین کو سمیٹا جاتا۔ تو شاید زیادہ دلکشی پیدا ہو جاتی ؛

کتاب سہولت کے خیال سے دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ پہلے حصے میں سید صاحب کی زندگی کے واقعات اور کارنامے (علمی۔ مذہبی۔ سیاسی) گنائے گئے ہیں۔ حصّہ دوم میں انہی کارناموں پر مفصل تبصرے ہیں۔ اس ترتیب اور تقسیم سے تکرار، اور طول پیدا ہو گیا ہے۔ اور یہ بھی ضخامت کو بڑھانے والا ایک عنصر ہے۔ اصولاً تو اس تقسیم پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا لیکن بیگرافی میں ادبی، سیاسی، اور علمی تنقید کا عنصر ضرورت سے زیادہ داخل ہو گیا ہے (جو بجائے خود

بہت قابل قدر ہے) ۔

اسلوب بیان کی خصوصیات وہی ہیں۔ جو ایک لمبی کتاب کے لئے ضروری ہیں۔ فقرے سادہ لیکن طویل، بیان منطقیانہ اور مدلّل، تحریر سے صداقت، خلوص، ہمدردی، اور یک رنگی ظاہر ہورہی ہے، ہر ہر پیراگراف سے مولانا حالی کی شخصیت جلوہ گر ہو رہی ہے۔ مصنّف کو اپنے "ہیرو" کے متعلق جو گہری واقفیت ہے۔ اس کا راز ہر ہر سطر سے آشکارا ہوتا ہے۔ اس لئے بعض بعض بیانات میں مصنف کا اضطراب تفصیل اور جامعیت کے لئے چھلک رہا ہے ۔

کتاب میں سیّد صاحب کی علمی، ادبی، سیاسی، اور مذہبی سرگرمیوں کا ذکر ہے۔ اور اس سلسلے میں کئی موقعوں پر خالص فنی اور اصطلاحی بحث و تمحیص کی ضرورت پڑی ہے۔ لیکن بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے عام اسلوب کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ وہی سادگی، وہی پاکیزگی، وہی متانت قایم رکھتے ہیں۔ تفسیر القرآن کے متعلق جو تنقید و تبصرہ ہے۔ اس میں خالص دینی اصطلاحات کا آنا ناگزیر ہے لیکن کوشش یہی ہے۔ کہ جو لکھا جارہا ہے آسانی سے سمجھا جائے ۔

مولانا کی علمی اور پبلک زندگی کی سب سے بڑی شان یہ ہے۔ کہ ان میں "خود پسندی" بالکل نہیں۔ سرسیّد کی لائف میں جن کے ساتھ عمر کا بہت سا حصہ انہوں نے بسر کیا۔ اس بات کے بیشمار مواقع تھے۔ کہ وہ سیّد صاحب کے کارناموں کے ضمن میں اپنی شہرت علمیت اور بڑائی کا صور بھی پھونکیں۔ لیکن سوائے چند شاذ مقامات کے ان کا اپنا ذکر اس ضخیم کتاب میں کہیں نہ ملے گا ۔

اس خوبی کے ساتھ ایک وصف یہ بھی ذکر کرنے کے قابل ہے۔ کہ انہوں نے طعن و تعریض سے اکثر احتراز کیا ہے، مولانا حالی نے حیاتِ جاوید میں مولانا شبلی کے رسالہ "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" پر جو اظہار رائے کیا ہے اس میں نارضگی یا مخالفت کا شائبہ تک نہیں لیکن یہی مولانا شبلی ہیں جنہوں نے حالی کی حیاتِ جاوید کے متعلق جو شدید نکتہ چینی کی ہے۔ اس کا لب و لہجہ درشتی کی طرف مائل ہے۔ مقالات میں امام ابن تیمیہ کے ذکر میں مجدد کے اوصاف و شرائط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "لیکن آج کل صرف یورپ کی تقلید کافی ہے"۔ (ص ۲۶۸) مولانا حالی نے سیّد صاحب کے مجدد یا ریفارمر ہونے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ یہ اس پر چوٹ ہے[1]۔ اس قسم کی

---

[1] اس بحث کے لئے مشہور انشاپرداز مہدی جن کا مضمون "شبلی حالی کی معاصرانہ چشمک" ملاحظہ ہو ۔

تعریضیں حالی کی تحریروں میں بہت کم پائی جائیں گی ۔

کہا جاتا ہے کہ مولانا حالی اپنے اسلوب بیان میں سرسید کے مقلد تھے ۔ اور غالباً یہ زیادہ غلط نہیں، سید صاحب کی تحریروں میں عالمانہ صفائی نہیں تھی ۔ مولانا حالی کی تحریروں میں علمیت کی شان نظر آتی ہے، ہاں سید صاحب کی طرح الفاظ کی تراش خراش، تشبیہ و استعارہ کے تکلفات، شاعری اور خیال آرائی، بات کم اور عبارت طویل، قافیہ پیمائی اور جادو طرازی، ان کی کتابوں میں نہ ملے گی ۔ نظم و نثر دونوں میں انہوں نے اپنے اس شعر پر عمل کیا ہے ؎

صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو

حیات جاوید میں مولانا کا طرز تحریر تشریحی ہے ۔ مثلاً ایک واقعہ بیان کرتے ہیں ۔ پھر اس کی تشریح اور توجیہ کے لئے بہت سا وقت صرف فرماتے ہیں جس سے ان کی یہ کتاب "تبلیغی" بن گئی ہے لیکن یہ نقص شاید صرف حیات جاوید میں پایا جاتا ہے، اس معاملے میں حیات سعدی اور یادگار اور مقدمہ شعر و شاعری بے عیب ہیں ۔ کیونکہ وہاں "ہیرو" کی صفائی پیش کرنے کے لئے انہیں اتنی بے قراری نہیں ۔

موجودہ تصنیف میں ایک خاص بات بہت نمایاں ہے (اور شاید دوسری تصانیف بھی کسی حد تک اس میں شریک ہیں) اور وہ یہ ہے ۔ کہ بعض جگہ بے موقع "وعظ و نصیحت" شروع کر دیتے ہیں، اور مسلمانوں کو حسن اخلاق اور ہمدردی قوم پر ابھارتے ہیں جس سے یہ سوانحعمری "یادگاری" اور "تبلیغی" بن جاتی ہے لیکن یہ چیز اس زمانے کے ماحول اور کتاب کے مقصد کے مطابق ہے ۔ کیونکہ اس عہد کے اکثر مصنف اسی طریق عمل کے پابند ہیں ۔

حالی میں "جوش بیان" کی کمی ہے ۔ سید صاحب کو ۱۸۵۷ء کے ماحول میں دکھاتے ہیں لیکن تمام واقعات کا ذکر اس سکون سے کر رہے ہیں، گویا کہ وہ ایک قوم کا خفیف سا اضطراب تھا جس نامور شخصیت کی سوانح کے لئے وہ حیات جاوید جیسی کتاب لکھتے ہیں ۔ اس کی وفات کی تقریب پر صرف معاصرین کے مراثی اور ماتمی تقریروں اور تحریروں پر اکتفا کرتے ہیں ۔ اور زبان قلم مارے شدت غم کے بعض رسمی الفاظ سے آگے نہیں بڑھتی ۔

گذشتہ سطور میں سٹائل کی جن کمزوریوں کا ذکر کیا گیا ہے ۔ ان کے لئے مستثنیات تلاش کی جا سکتی ہیں ۔ لیکن ہر کلیہ کے لئے مستثنے کا ہونا ضروری ہے ۔

سید محمد عبداللہ

(ترجمہ)

ادبیاتِ ایران

ایران فی الحال جادۂ ترقی ادبیات میں اکثر ممالک سے بہت پیچھے ہے۔ دوسرے ممالک میں مرور دہور سے ادبیات نے تنوع پیدا کر لیا ہے اور اسی پر تو تنوع سے تمامی طبقاتِ ملت کی روحوں کو اپنا مسخر کر لیا ہے۔ اور ہر مرد و عورت طفل و جوان و پیر اور امیر و غریب سب کو رغب پڑھنے پر بنا دیا ہے۔ جو باعث ترقی معنوی افراد قوم ہو گیا۔ لیکن ایرانی بدبختی سے جادۂ اسلاف سے قدم باہر رکھنے کو مایہ تخریب ادب جانتے ہیں۔ اور عموماً وہی جوہر استبدادی سیاسی ایرانی جو دنیا میں مشہور ہے۔ در بارہ ادبیات بھی دیکھا جاتا ہے چنانچہ جب کوئی لکھنے والا قدم اٹھاتا ہے۔ تو اس کی نظر صرف گروہ ادبا و فضلا پر منحصر رہتی ہے۔ اور ادنیٰ توجہ بھی دوسرے گروہ کی طرف نہیں ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جو تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور سادہ و بے تکلف عبارات لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ یہ بھی پیش نظر نہیں ہوتے۔ مختصر یہ کہ ڈیا کرسی ادبی کے پاس تک نہیں پھٹکتے ۔

اس میں شک نہیں۔ کہ یہ مسئلہ مخصوص ایران ایسی سلطنت کے لئے کہ جہاں کی جہالت و عدم اعتناء ہر طرح کی ترقی گروہ مردم کے لئے مانع ہے بہت زیادہ سرمایہ افسوس ہے۔ کیونکہ وہ لوگ جو علم و دانش سے بہرہ رکھتے ہیں۔ اور سالک مسالک حقایق رہ کر راہ کسب قوت و غذا روحی میں منہمک ہیں۔ لیکن وہ اشخاص کہ لغو اء ھم کالانعام بل ھم اضل میں شامل ہیں۔ اگر کوئی ان کی فکر نہ لے اور ان کی پرواہ نہ کرے۔ تو یہ تا قیام قیامت جہل و ذلت و تاریکی میں حیران و سرگردان رہیں گے ۔

اکثر ممالک متمدنہ میں اسی قسم کے خیالات باعث تاسیس تعلیم عمومی جبری ہوئے ہیں۔ یعنی ارباب علم و بینش و فضل و کمال کو یہ منظور ہوا۔ کہ عوام بھی مراتب علم و معرفت سے بہرہ یاب ہو جائیں

اگر ایسا نہ ہو۔ اور اہل فضل یہ خیال کریں کہ آخر کار خود عوام خوبہائے علم کو سمجھ کے اس کے کسب و تحصیل کے درپے ہوں گے۔ اور کسی پر لازم نہیں ہے کہ اپنے اوقات عزیز کو ان کی اصلاح میں صرف کرے۔ ہرگز ایسا نہیں کہ عوام اپنے آپ اس قسم کے خیالات میں پڑیں۔ اگر یہ ادعا مبنی بحقیقت ہوتا تو اب تک ایرانی کب کے باسواد ہو گئے ہوتے۔ بجائے اس کے کہ تقریباً دو فیصدی بھی پڑھے لکھے نہیں ہیں کم سے کم ایک تہائی یا چوتھائی قوم ایرانی پڑھی لکھی ہوتی۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے ہمارے ہموطن اشخاص اعیان و زرگان و تجار میں سے جنہیں ہر طرح کے اسباب حاصل ہیں پھر بھی اب تک ایک شخص ایسا نہیں کہ ایک مہینہ بھی اپنے اوقات کا تحصیل نوشت و خواند میں صرف کرے اور کور سوادی ہی بہم پہنچالے ؛

خلاصہ یہ کہ ہمارے ملک میں ارباب قلم وقت تحریر عموماً عوام سے صرف نظر کر لیتے ہیں۔ اور اسی انشاء غامض اور عوام نفہم کا تتبع کرتے ہیں۔ باوجودیکہ ممالک متمدنہ کی یونیورسٹیوں میں کہ جن کے سررشتہ ترقی ہاتھ لگ گیا ہے انشاء سادہ و بے تکلف اور عوام فہم ہی کو تمام اقسام انشاء پر اختیار کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس ملک کے لوگ مدرسوں کے پڑھے ہوئے ہیں۔ اور انشاء مشکل کے سمجھنے میں چنداں عاجز نہیں۔ پھر بھی انشاء سادہ ان کے نزدیک مستحسن اور ممدوح ہے۔ اور لکھنے والے ہمیشہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے وہی زبان رائج اور معمولی جسے لوگ کوچہ و بازار میں بولتے ہیں۔ اسی کو تعبیرات و اصطلاحات متداولہ کے ساتھ لباس ادبی میں لایا جائے اور نکات صنعتی سے آراستہ کر کے تحریر میں لایا جائے۔ حتےٰ کہ علمائے متبحر بھی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ اپنی تصنیفات اور تحریرات کو جہاں تک ہو سکے زبان سادہ میں لکھیں۔ علاوہ ازیں بیشتر علماء مطالب کے سمجھانے میں علمی حقایق کو پیرایہ حکایت میں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ عالم و منجم مشہور **فلاماریون** فرانسیسی کہ زمانہ موجودہ کے مشہور ترین علماء میں سے ہے بہت سے مسائل مہمہ علم ہیئت و نجوم و ریاضی کو بطور افسانہ و ناول بیان کرتا ہے۔ اور یہ ناول فی الحال اکثر زبانوں میں ترجمہ ہو گئے ہیں۔ اور دنیا ان سے مستفیض اور بہرہ مند ہو رہی ہے

حالانکہ اگر وہ چاہتا تو صرف اپنے ہمسر علما و فضلا کو طرف خطاب قرار دیتا اس صورت میں اس کا وقت کم صرف ہوتا۔ لیکن اس کی صدا اُن چند علما کے کان تک پہنچتی جن کو مخصوصاً ہیئت و نجوم سے تعلق خاطر ہے۔ حالانکہ اس وقت اس کی آواز تمام دنیا میں گونج رہی ہے۔ اور کروڑوں بنی نوع انسانی کی جانیں اسرار طبیعی اور ادراک حسن بے نہایت آفرینش سے آشنا ہو کر لذت یاب ہو رہی ہیں ۔

جب کسی کی توجہ ادبیات حالیہ فرنگستان پر ہو تو ممکن ہے۔ کہ نظر اولی میں کثرت افسانہ کو ۔ جو فی الحال رکن اعظم ادبیات فرنگستان ہے۔ اس بات پر محمول کرے کہ ادبیات فرنگستان خرابی و نقصانات کی طرف جا رہے ہیں۔ درصورتیکہ بے شک و شبہ کسی زمانہ میں اور دنیا کے کسی حصہ میں ترقی ادبی جو اب فرنگستان میں ہے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ زندگانی اہل فرنگ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی یہ امر بہت واضح ہو جاتا ہے کہ کتاب بھی مثل چھری۔ کانٹا۔ جراب اور رومال کے ان کے لوازم حیات سے ہو گئی ہے۔ بے شک اس کا عمدہ سبب انشاء کا صورت افسانہ و حکایت میں آجانا ہے ۔

افسانہ سے علاوہ منافع مذکورہ کے دوسرے اہم فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ درحقیقت اُن لوگوں کے لئے جنہیں کسب معاش میں روزانہ زحمت اٹھانا پڑتی ہے وقت فرصت انشاء رومانی مدرسہ کا کام دیتا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ مدرسہ میں جا کر اُن معلومات کی تکمیل نہیں کر سکتے جو فی الحال روز بروز ترقی پذیر ہیں۔ اور نہ ان کا دماغ ہی اتنا ہوتا ہے کہ علمی اور فلسفی کتابوں کا مطالعہ کر کے معرفت حاصل کریں۔ مگر افسانہ زبان شیریں اور طرز دلکش و لذت بخش سے بہت سے لازم اور مفید معلومات ہم کو سکھاتا ہے۔ جس سے دماغ اور جان کو تازگی اور فرحت و نشاط حاصل ہوتی ہے۔ چاہے وہ معلومات تاریخی یا علمی ہوں یا فلسفی و اخلاقی ۔

علاوہ اس کے ایک قوم کے لوگ جو اختلاف شغل و کار و معاشرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے حالات خیالات حتی کہ جزئیات نشست و برخاست سے بھی ناواقف ہوتے ہیں افسانہ ایک دوسرے کے حالات سے واقف اور ایک دوسرے کے نزدیک کر دیتا ہے۔ مثلاً ایک شہری نہیں

جاتا کہ دیہات میں دولہن دولھا کے گھر کس طرح جاتی ہے۔ اور دیہاتی کو نہیں معلوم کہ شہر کی عورتیں دن کیسے بسر کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ شہر کے فقراء اسی شہر کے اغنیاء کے کاروبار سے اور اس کے برعکس متموّل اور بڑے لوگ ماتحتوں اور خادموں کی زندگانی سے بے خبر ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود ہمارے ایران میں بڑے بڑے شہروں کے رہنے والوں کے کان تک ایک دوسرے کے اوضاع و اخلاق و عادات کے حالات نہیں پہنچتے ہیں۔ مثلاً ہوسکتا ہے کہ باشندگان قوچان نہ جانتے ہوں کہ طہران میں بقرعید کیونکر ہوتی ہے۔ اور باتوں کا قیاس اسی پر کرلو۔ افسانہ ایک قوم کے گروہ ہائے مختلفہ کو ایک دوسرے سے آگاہ اور آشنا بنا دیتا ہے۔ شہری کو دیہاتی سے۔ ملازم حکومت کو تاجر سے۔ کرد کو بلوچی سے۔ قشقائی کو گیلک سے۔ پابند شریعت کو صوفی سے۔ صوفی کو زردشتی (آتش پرست) سے۔ زردشتی کو بابی سے۔ طلبہ کو پہلوانوں سے۔ کچہری والے کو بازاری سے نزدیک کرکے ہزاروں اختلاف مغائرت تعصب آمیز کو جو بوجہ جہالت و نادانی و عدم آشنائی ایک دوسرے کے درمیان پیدا ہوئے ہیں دُور کر دیتا اور رشاد دیتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ تمام اقوام و ممالک کے حالات تمدنی و اندرونی و روحانی سے واقف اور خبردار ہونا چاہتے ہیں۔ اور کتب تاریخی نہیں پڑھنا چاہتے ہیں کہ جو صرف زندگانی سیاسی و فوجی ایک ملک و قوم کی اور وہ بھی بطور ناقص و ناکافی بتاتی ہیں، تو سیع اور مطمئن ہونا چاہیں کوئی طریقہ اس ملک و ملت کے حالات معلوم کرنے کا اس ملک کے افسانہ پڑھنے سے بہتر نہیں ہے۔ جیسا کہ فی الحال مثلاً کوئی خان کرد جو کسی دامن کوہ میں وسط کردستان میں رہتا ہے۔ افسانہ کے وسیلہ سے بہت کچھ جزئیات معاشرت و رسوم اہل آئس لینڈ سے واقف ہوسکتا ہے۔ جو دنیا کے سرے پر وسط بحر اوقیانوس میں واقع ہے اور ممکن ہے کہ اب تک وہاں کسی ایرانی کا قدم نہ پہنچا ہو۔ اور اسی طرح اس کے برعکس ؛

کہہ سکتے ہیں۔ کہ کسی قوم و ملت کے حالات اخلاقی اور خصائل مخصوصہ کے دکھانے کے لئے افسانہ سے بہتر کوئی آئینہ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ دُور بیٹھ کے ملت روسیہ کے پہچاننے کے لئے تولستوئی اور دوستوبوسکی کی کتابوں کے پڑھنے سے بہتر کوئی وسیلہ نہیں ہے۔ اسی طرح

اگر ایک شخص ایرانیوں کو جاننا چاہے تو مورپر کی کتاب **حاجی بابا** اور **جنگ نرکمان** اور **قنبر علی** مصنفہ **کاؤنٹ کوبینو** سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوسکتی ۔

چونکہ انسان عموماً افسانہ ایسی چیزوں کے پڑھنے کی طرف راغب اور ذاتاً مائل ہے۔ لہٰذا اس کے وسیلہ سے ہر طرح کی سیاسی یا علاوہ سیاسی تبلیغ (پروپگنڈا) کی جاسکتی ہے۔ اگر الجزائر میں سنکوبیچ لہستانی ایسے ماہر مصنف ہوتے کہ ان کے افسانے یوروپ اور امریکہ میں مشہور ہوتے تو ہر ایک افسانہ سو فوجوں اور بہت سے فصیح و بلیغ لکچروں کا کام دیتا جس طرح سنکوبیچ کے رومانوں نے لوگوں کی محبت و شفقت کو اس سلطنت اور قوم کی طرف جذب اور مائل کیا۔ اور عام اہل دنیا کی فکروں کو ان کا معین و مددگار بنا دیا ۔

سب سے بڑھ کے فائدہ افسانہ اور انشاء رومانی کا یہ ہے جو ایک قوم اور سلطنت کی زبان کو عاید ہوتا ہے۔ فقط انشاء رومانی ہی ہے جو خواہ بشکل کتاب یا تھیٹر یا اخبار مواقع استعمال کلمات و محاورات و ضرب الامثال و ترکیب کلام مختلف و لہجہ ہائے گوناگون پیدا کرتا ہے۔ حتےٰ کہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک ملت کے مختلف طبقات کی گفتار کا گرامونون ہے۔ حالانکہ انشائے قدیمی (کلاسیک) اور علمی اس خدمت سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا ہے۔ اور شاذ و نادر اُن کلمات کے استعمال کا موقع پیدا کرسکتا ہے۔ جو اس کی دسترس سے باہر ہیں۔ مثلاً کم اتفاق واقع ہوتا ہے کہ ایک قصیدہ یا غزل گو شاعر کہ یہ دونوں صنف کلام ایران میں مرغوب تر ہیں عید نوروز کے موقع پر یا دربارہ شکار ایسی نظم لکھے کہ جس میں نوروز اور شکار کے تمام کلمات و اصطلاحات و تعبیرات وغیرہ جو شکار اور نوروز کے مناسب ہیں کسی قصیدہ یا قطعہ میں صرف کرے۔ اگر ایسا ارادہ بھی کرے تو مجبوراً بہت سے کلمات اور تعبیرات اہم سے اسے صرف نظر کرنا پڑے گا۔ کیونکہ بعض کلمات مناسب وزن شعر ہوں گے اور بعضے فصاحت قصیدہ سے خارج ۔

یہ دائرہ کلمات و تعبیرات کے محدود ہونے ہی کا سبب ہے کہ اغیار جو فارسی کو کتابیں پڑھ کے حاصل کرتے ہیں باوجودیکہ اس سہل زبان کی تحصیل میں ایک مدت دراز صرف کر دیتے ہیں

پھر بھی جب ہم سے فارسی بولتے ہیں۔ تو ہم ایرانیوں کو ان کی فارسی پر بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے مثلاً عثمانی کہ تعلیم و تعلم زبان فارسی ان کے مدارس میں لازمی ہے۔ انہیں چند الفاظ دوست اور معشوقہ کے لئے معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے یار۔ دلدار۔ جاناں۔ دلبر۔ نگار وغیرہ۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ یہ یار مثلاً چمٹے سے آگ جان میں لگاتا ہے۔ یا اس کی ضرب دست چہرہ رقیب گستاخ پر چک اور کشیدہ (تھپیڑ) کہلاتی ہے ؛

میں خود ایک عثمانی ترک سے ملا جس کو ہزارہا اشعار دیوان شعراء ایران کے زبانی یاد تھے باوجود اس کے ہم مجبور ہوئے کہ اپنے سادہ مطالب کو فرانسیسی میں ایک دوسرے سے ادا کیئے کیونکہ اس کی فارسی ہم اور ہماری فارسی وہ کمتر سمجھتا تھا۔ اس کا سبب ظاہر ہے کہ ایسی کتابیں جو زبان حال رائج میں لکھی گئی ہوں ان کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ جن سے وہ فارسی سیکھیں۔ اور ہمارے انشا پرداز عموماً اپنی کسر شان سمجھتے ہیں کہ نثر میں لکھیں۔ اور اگر نثر لکھنا بھی چاہتے ہیں تو طرز تحریر گلستان سے قدم باہر نہیں رکھتے ؛

باربیہ دومینار مشہور مستشرق فرانسیسی تمثیلات میرزا فتح علی آخوند کے ترجمہ کے مقدمہ میں کسی ایسی کتاب کے نہ ہونے کے بارہ میں جو زبان فارسی معمولی میں لکھی گئی ہو۔ اور یوروپین طالب علموں کو فارسی سیکھنے میں کام آئے لکھتے ہیں :۔

خود اہل مشرق سے درخواست کرنا چاہیئے کہ ایک نمونہ اور سرمشق اپنی زبان رائج کا ہمارے لئے مہیا کریں لیکن بدقسمتی سے اس قسم کی کتابیں خود ان کے پاس کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ اور ایسے شخص کے لئے جو قواعد اور ذوق ادبی عالم اسلام سے آشنا ہے۔ یہ کی نثر زبان رائج کی کسی طرح سزاوار تعجب نہیں۔ جب چونکہ عالم اسلام میں اگر کوئی شخص بولنے کے موافق کوئی کتاب یا اخبار لکھنا چاہے۔ تو اس میں وہ اپنی کسر شان اور توہین اور آمیزش در مقدسات اور حکم خیانت در علم معانی و بیان سمجھتا ہے اور ایسی سعی لغو اور باطل ہوتی ہے۔ کیونکہ موجب لعن وطعن ہوتا ہے ؛

تعجب اس بات کا ہے کہ تمام اس عہد آخر میں ہمیشہ مصنفین جیسے حسن علی خان امیر نظام

ومیرزا ابوالقاسم قائم مقام ومیرزا عبدالوہاب نشاط جو صاف اور سادہ لکھا کرتے تھے اور متقدمین کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ بایں ہمہ مورد تحسین عام ہوئے اور ان کے مصنفات میں سے جو ہاتھ آیا متعدد بار چھپ چکا ہے۔ پھر بھی ہمارے ادیب اس سے تنبہ حاصل نہیں کرتے اور ان کا خوف کسی طرح زائل نہیں ہوتا ؛

المختصر ہم نے جو یہ کہا کہ انشاء حکایتی استعمال کلمات کے لئے بہترین انشا ہے ظاہر ہے کہ جب کلمات اور لغات رائجہ کسی جگہ محفوظ ہو جائیں گے اور ان کے محل استعمال معین اور واضح ہونگے تو کسی وقت میں اور تعبیرات قدیم درمیان سے اُٹھ جائیں گے اور ان کی جگہ نئے کلمات اور تعبیرات لے لیں گے اور کتاب ہائے افسانہ وقصہ بہترین خزانہ ہو جائیں گے۔ حتیٰ کہ زبان کے لئے کتب لغات و فرہنگ سے بھی بہتر ہونگے۔ کیونکہ لغات چاہے کتنا ہی مفصل اور مشرح ہوں۔ پھر بھی محل استعمال لغات و اصطلاحات جیسا کہ چاہیئے معلوم نہیں ہوتا۔ حالانکہ افسانہ برعکس لغات کملحقہ اس امر سے عہدہ برآ ہوتا ہے ؛

علاوہ اس کے بہت سے کلمات وتعبیرات و اصطلاحات و اشارات لسانی ایسے بھی ہیں جو ہرگز کتب لغات میں نہیں آسکتے۔ جیسے کہ وہ کلمات جو عموماً مشہدی اور اوباشوں میں معمول ہیں ؛

(باقی دارد)

شادال

راسا اور ابوالفضل

پنڈت موہن لال وشنولال پنڈیا اپنے مضمون میں جس کا خلاصہ ہم اپنی پہلی قسط میں درج کر آئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ 'چند چھندو رمن مہیما' میں جو سمت ۱۶۲۹ بک مطابق ۱۵۷۲ء سنہ ۹۸۰ھ کی تالیف ہے۔ مذکور ہے کہ سمت ۱۶۲۷ بک ۱۵۷۰ء میں جلال الدین اکبر پادشاہ نے پرتھی راج راسو اپنے دربار کے شاعر گنگ جی سے سنی تھی۔

یہ بیان اگر صحیح ہے۔ تو ظاہر ہے کہ راسا جلال الدین اکبر کے عہد میں موجود تھا لیکن جو تاریخ پنڈت جی دے رہے ہیں وہ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اس تاریخ میں ایک یا دو دہائی کا فرق ہو تو کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ ہندویات میں اکبر کا شغف اس عہد سے بعد کا قصہ ہے۔

بعض وجوہ ہمارے پاس ایسے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ راسا اکبر کے عہد میں موجود تھا۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اسی زمانہ میں وجود میں آیا ہو۔ ابوالفضل کے بعض بیانات سے جن کی تفصیل ذیل میں آتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ راسا کے بعض مطالب سے واقف ہے۔ لیکن یا تو راسا اس کی موجودہ شکل میں اس کے پاس نہیں ہے یا کوئی اور تالیف جس کے مضامین راسا سے ملتے جلتے ہیں۔ مگر بعض امور میں تناقض اس کے سامنے ہے۔

ابوالفضل مسلمانی تاریخ کے ان بیانات سے جو شہاب الدین کے [illegible] میں مفصل ملتے ہیں اعراض کر کے ہندی مآخذ کی سند پر کہتا ہے کہ پرتھی راج نے شہاب الدین کو سات مرتبہ شکست دی اور آٹھویں مرتبہ اس سے مغلوب ہوا۔ چنانچہ :-

"ہندی نامہا برگوید ہفت بار (بہ) سلطان پیکار آراست و شکست داد۔ پانصد و ہشتاد و ہشت ہجری نزدیک تھانیسر ہشتم بار در برابر گرفتار شد (ص ۵۳ آئین اکبری مرتبہ بلاکمین) سلطان سے پہلے (بہ) میرا اضافہ ہے۔ جو قلمی نسخہ کی سند پر کیا گیا ہے۔

یہ بیان یقیناً راسا کے بیانات کے مخالف ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شہاب الدین نے بیس سے زیادہ مرتبہ پرتھی راج سے شکست کھائی۔ پکڑا گیا اور زرِ فدیہ دے کر رہا ہوا۔ ابوالفضل کا بیان ممکن ہے کہ ہیر مہاکاویہ سے ماخوذ ہو جو کہا جاتا ہے سمت ۱۲۴۶ بکرمی کی تالیف ہے۔ اس کے بعد ابوالفضل گویا ہے:۔

"راجہ راصد گونامور ملازم بود۔ ہر یکے راسامنت گفتے۔ شگفت کاری اینان در کابد گفت در نگنجد و عادت و خرد نپذیرد"۔ یہ اشارہ ہے ان سامنتوں کے ان مبالغہ آمیز اوصاف کی طرف جو راسا میں ان کی طرف منسوب ہوئے ہیں۔ مثلاً سات آدمی باری باری لڑکر شام تک سات ہزار آدمی قتل کرتے ہیں۔ ایک ایک وار میں کئی کئی دشمنوں کی گردنیں اڑا دیتے ہیں۔ ایک ہی ضرب میں ہاتھی کی سونڈ اڑ جاتی ہے۔ ان سامنتوں کے سر اگرچہ تن سے جدا ہو جاتے ہیں لیکن دھڑ بدستور جنگ میں مصروف رہتا ہے اور مشکل تمام ٹھنڈا پڑتا ہے۔ اسی لئے ابوالفضل کہتا ہے کہ ان قصوں کو عقل قبول نہیں کر سکتی۔ مگر قرین عقل مسلمانی تاریخ کے بیان کو ٹھکرا کر ہندو بیان کو ترجیح دینا اور پھر عقل کا سوال اٹھانا ہمارے نزدیک ابوالفضل کی زیادتی ہے۔

اکبر کا یہ زبردست مؤرخ راسا کے اس مشہور قصہ سے بھی واقف معلوم ہوتا ہے۔ جس میں جے چند والی قنوج راجسوجگ مناتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جے چند اس تقریب کے موقعہ پر تمام راجاؤں کو دعوت دیتا ہے۔ سب آتے ہیں مگر پرتھی راج شرکت سے انکار کرتا ہے۔ جے چند اس کا مجسمہ بنوا کر اسے بطور دربان کھڑا کر دیتا ہے۔ پرتھی راج اس توہین پر مشتعل ہو کر پانسو گھڑ چڑھوں کے ساتھ یلغار کرتا ہوا قنوج پہنچ کر اپنا بت اٹھا لے جاتا ہے جے چند کی لڑکی یہ خبر سن کر پرتھی راج پر نادیدہ عاشق ہو جاتی ہے۔ باپ کو پتہ لگتا ہے۔ وہ گھر سے نکال دیتا ہے پرتھی راج کو ان باتوں کی خبر لگتی ہے۔ وہ چاند بھاٹ کو جے چند کے دربار میں جانے کے واسطے آمادہ کر کے خود معہ اپنے سامنتوں کے بھیس بدل کر ملازم کی حیثیت سے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اور موقعہ پا کر قنوج کی شہزادی کو لے کر نکلتا ہے۔ پرتھی راج کے وہ سامنت مختلف

بہروپوں میں اس کے ساتھ تھے۔ ان میں سے ایک ایک سامنت جے چند کی فوجوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے گوبندرای گہلوت سدراہ ہوا اور بڑے معرکے انجام دے کر مارا گیا اس نے سات ہزار آدمی مارے۔ اس کے بعد رنگھ دیو اور چاندا اور پنڈیر اور سارو ہول سولنکی اور پالہن دیو کچھواہہ مع دو بھائیوں کے عجیب و غریب کارہای نمایاں سرکرکے راہی عدم ہوئے۔ علے ہذا باقی سامنتوں پر گذری۔ اور سب کے سب راہ میں کام آئے اور راجہ مع چاند ابھاٹ اور دو بھائیوں کے اپنی نئی رانی کو لے کر دلّی پہنچ گیا۔ ابو الفضل کی اصل عبارت ذیل میں درج ہے :۔

"چنان برگزارند راجہ جے چندر اٹھور فرماں روای ہندوستان در قنوج دادگری کردی و دیگر راجہا لختے نیایش بدو نمودی و از فراخی مشرب بسیاری ایرانی و تورانی پرستار بودی (یہ اشارہ ہے مسلمانی فوجوں کی طرف جو جے چند کے ہاں ملازم بتائی جاتی ہیں) سگالش جگ راجسو فراپیش گرفت و در سر انجام آن شد و ناگزران او آنست کہ راجہا بخدمت گری قیام نمایند تا دیگ شوئی و آتش فروزی بدینہا باز گردد۔ و نیز دران انجمن گزین دختر خود را بہ بہین راجہ پیوند بخشد۔ راجہ پتھورا نیز سگالش رفتن داشت ناگاہ یکی را بر زبان رفت۔ با وجود سلطنت چوہان اندیشۂ راجسو اور اسزاوار نبود۔ راجہ آتش حمیت بر افروخت و باز ماند۔ راجہ جے چند بلشکر کشی رو آورد۔ کارد یدگان درازی کار و زدیکی ساعت گذارده باز آوردند و بچارۂ انجام این جشن پیکر راجہ پتھورا از طلا ساختہ بدربانی نشاندند۔ راجہ ازین آگہی بر آشفت و با پانصد گزیدہ مرد بلرز ناشناساں رہ نوردید و ناگہانہ بدان ہنگامہ در پیوست۔ آن تمثال را برداشت۔ فراوان مردم را جان بشکردہ ہا۔ پیمائی باز گردید۔ دختر راجہ کہ آمادۂ دیگرے بود از شنید داستان مردانگی شیفتۂ پتھورا شد و تن بدان نداد۔ پدر رنجیدہ از شبستان بیرون آورد و از برای او منزلی جداگانہ برساخت۔ پتھورا ازین آگہی بر شورید و بخواہش پیوند او برگشت و بدین قرار گرفت کہ چاندا باد فروش کہ از دوستداران بارلیست؛ بعنوان نیایش گری پیش جے چند رود و راجہ با برخی گزیدہ مردم آئین ملازمان ہمراہ باشد۔ شوق اندیشہ

بکروار آورد و بدین طلسم ہوش مندی وجادوی مردانگی جویای آرزومند را برگرفت و بشگرف کاری وتیزدستی بملک خود بازگردید و آن صد سامنت را بگوناگون لباس ہمراہ داشت۔ یکی پس ازدیگری استادہ فوجہا بشکست نخستین گوبند رای گہلوت بجنگ ایستاد و کارنامہا بجا آوردہ فروشد ہفت ہزار کس درآویزہ او بسیلاب نیستی درشدند۔ سپس زرسنگھ دیو و چاندا و پندیر و سارو ھول سولنکی و پالہن دیو کچھواہہ باہر دو برادر اولین روز یکی پس ازدیگری شگرف کارہا کردہ نقد زندگی بمردانگی سپردند۔ وآن راد مردان کارزار ہمہ در راہ فروشدند و راجہ باچاندا باد فروش و دو برادر اد عروس بدہلی آوردہ جہانی بشگفت زار افتاد" (ص ۵۳۲)۔

میں اس تمام بیان کا راسا کے بیان سے بخوف طوالت مقابلہ نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ راسا میں جزویات اور آرائشی حصہ کی اس قدر بھرمار ہے کہ اس سے ایک سیدھا سادا مسلسل بیان لینا ایک داستان لکھنے کے مترادف ہے۔ اس لئے میں پہلے دن کی جنگ کے بعض خط وخال یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ تاکہ ناظرین ان کا فرق خود ملاحظہ کرلیں۔ اس کے لئے راسو سار کو میں نے اپنا رہبر بنالیا ہے اور بے حد اختصار سے کام لیا ہے۔

"سات ہزار لچھہ فوج نے جن کے افسر میر ہمام اور میر گردان تھے ساونتوں پر حملہ کیا۔ ان کی روک تھام کے لئے گوبند رای گہلوٹ دونوں ہاتھوں میں دو تلواریں لے کر آگے بڑھا اور دو دستہ شمشیر زنی شروع کر دی۔ اور دم بھر میں کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ آخر میر ہمام خاں سے اس کا مقابلہ ہوا۔ میر نے اس پر تومر (گرز یا نیزہ) کا وار کیا اور چاہتا تھا کہ کمان ڈال کر کھینچ لے۔ گوبند رای بروقت اچھل کر الگ ہوگیا اور وار خالی دیا۔ اس پر میر نے بالک کا ہاتھ مارا۔ لیکن بجائے زیر ہونے کے اپنے دشمن پر جھپٹا۔ میر نے ایسا نیزہ مارا کہ کلیجہ کے پار نکل گیا۔ راجپوت نے اس پر بھی کونت کا ہاتھ مارا۔ اتنے میں میر نے اس کا سر اڑا دیا۔ سر تو گر گیا مگر دھڑ نے آفت مچادی۔ کٹار کے ایک ہی وار میں میر کو تومر دہ صد سالہ بنا دیا اس کے بعد چار اور میروں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اتنے میں آراس (آرائش) کا نیزہ کلیجہ میں لگا اور گہلوٹ کا تن بے سر لاش بن کر

گر پڑا۔ مسلمانی فوج اب زور باندھ کر آگے بڑھی ۔

ادھر سے بچّون رای نے مورچہ لیا۔ اس کے مقابلہ کو پانسو مسلمان سپاہی بڑھے۔ یہ دیکھ کر کیہر رای۔ کنتھیر پرمار۔ بیپار رای۔ پڈھیار۔ بھوہارا رای چندیل۔ بھوپ کچّھارای چالک ۔ اور واہیا نرسنگھ رای پانچ سامنت پیدل ہو کر اس کی امداد کو آئے۔ اور حریف کو للکارا۔ خوب ہتیار چلا۔ گھمسان کا معرکہ رہا۔ آخر میں بچّون رای کا سر کٹ کر الگ جا گرا۔ مگر دھڑ نے وہ کارنمایاں کیا جسے دیکھ کر دیوتا بھی عش عش کرنے لگے۔ اس نے دم بھر میں ساری مسلمان فوج کو تتر بتر کر دیا۔ بچّون رای کے ختم ہوتے ہوتے تیسرا پہر ختم ہو چکا تھا ۔

اب حریف کی طرف سے باگھ رای بگھیلا اور میر کمود خاں نے ساونتوں پر یورش کی۔ اس طرف سے چند پنڈیر نے ہتیار کیا۔ اور مست ہاتھی کی طرح دشمن کی فوج میں گھس گیا۔ ہزاروں میروں کو کاٹتا چھانٹتا میر کمود خاں کے مقابلہ میں آیا۔ میر نے اس کے بھالا مارا ادھر سے چند نے سیل مارا۔ دونوں کے وار بھرپور پڑے اور دونوں کا کام تمام ہو گیا ۔

پنڈیر کے کھیت رہتے ہی ادھر سے کرمبھ رائے نے اور اُدھر سے باگھ رای بگھیلے نے ہتیار سنبھالے اور دونوں ایک دوسرے کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ پہلے تلواروں سے لڑے جب تلواریں ٹوٹ گئیں۔ کٹاریں پکڑیں اور وار چلے۔ اس گھمسان میں بچّون رائے کا سیرن میر سے سامنا ہو گیا۔ سیرن نے بچّون کے سینے میں نیزہ پیل دیا۔ جس سے بچّون رای بے جان ہو کر زمین پر گرا۔ مگر گرتے گرتے حریف کے تلوار کا ہاتھ مار تا گیا ۔

بچّون رای کو گرتا دیکھ کر نرسنگھ رای واہیا سیرن کے مقابلہ میں آیا۔ سیرن نے پہلے تو اس پر بان (تیر) چلایا۔ لیکن جب وہ بان کو خاطر میں نہ لایا۔ تب اس نے تلوار کا وار کیا۔ اتنے میں نرسنگھ کا ہاتھ بھی چل چکا تھا۔ الغرض دونوں ڈھیر ہو گئے ۔

کرمبھ رای کے مرنے پر اس کا سگا بھائی پلہن میدان میں اترا۔ اور خوب داد شجاعت دے کر آخر کار ہلاک ہوا ۔

اس کے بعد بچّون رای کا فرزند ملے سنگھ چار تلواریں باندھ کر حریف پر دوڑا۔ کرمبہ کے خاندان کے اور دو چار بھائی بیٹے اس کے ساتھ تھے۔ اس بہادر نے ایسی صف شکنی کی۔ کہ دشمن کی فوج نے بھی اس پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے۔ اس نے جس سوار کے ہاتھ مارا زرہ بکتر سمیت کاٹ کر گرا دیا۔ ایک ہی ہاتھ میں کئی کئی زبردست جوانوں کی گردنیں کاٹ دیتا تھا۔ میر اور سامنت دونوں اس کی دلاوری کی داد دیتے تھے۔ زخمی بچّون رای بھی اپنے فرزند کی بہادری دیکھ کر پھولوں نہیں سماتا تھا۔ اس کے ساٹھ گہرے زخم آئے۔ تب کہیں وہ بے جان ہو کر گرا ؛

اب دشمن نے اس جماعت پر ہاتھیوں کو ریل دیا۔ کنہ چوہان اسی وقت تلوار لے کر ان ہاتھیوں کی طرف جھپٹا۔ وہ ان سینکڑوں ہاتھیوں سے اس طرح لڑ رہا تھا۔ جیسے کوئی پہلوان اکھاڑے میں اپنے پٹھوں کو زور کراتا ہو۔ زبردست ہاتھی اس کی شمشیر کا زخم چکھ کر چیخ اُٹھتے۔ کالے کالے ہاتھیوں میں اس کی تلوار بادلوں میں بجلی کی طرح کوند رہی تھی۔ ان کے زخموں سے خون جھرنے کی طرح بہ رہا تھا۔ اس خونی دریا میں کٹی سونڈیں مگرمچھ اور ڈھالیں کچھوے معلوم ہوتی تھیں۔ اُدھر کنہ یہ قہر ڈھا رہا تھا ؛

ادھر سارنگ رای سولنکی غنیم کی فوج کے سرتن سے جدا کر رہا تھا۔ جس میر پر اس کا ہاتھ پڑا۔ سر خربوزے کی طرح کٹ کر دُور جا گرا۔ آخر کئی دشمنوں نے مل کر اسے موت کے گھاٹ اُتارا۔ اتنے میں اندھیرا بھی ہو چکا تھا۔ اور جنگ ختم ہوئی ؛

آج کی جنگ میں دشمن کے سات ہزار سلمان۔ دو ہزار گھوڑے اور بہت سے ہاتھی کام آئے اور ادھر صرف سات سامنت کھیت رہے۔ رات کے وقت لاشیں اٹھائی گئیں۔ اور نرسنگھ رای واہیا۔ گوبند رای گہلوت۔ چند پنڈیر۔ سارنگ رای سولنکی۔ پلہن رای سالما۔ سورملے سنگھ وغیرہم کی لاشیں جب سامنے لاکر رکھی گئیں تو پرتھی راج روتا ہوا زخمی بچّون رای کے لپٹ گیا۔ گوبند رای ابھی تک سسک رہا تھا ؛

ابوالفضل کا بیان بظاہر راسا کے بیان پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر غور کی جائے تو ان میں کافی اختلاف موجود ہے۔ آئین اکبری میں گوبند رای اور راسا میں گوبند رای ہے۔ جو بقول ابوالفضل تن تنہا سات ہزار آدمی قتل کرتا ہے۔ راسا میں یہ تعداد ساتوں ساونتوں کی کارگذاری کا نتیجہ ہے۔ آئین میں چند پنڈیر ایک فرد واحد کو دو شخص مانا گیا ہے۔ یعنے چاند علٰحدہ اور پنڈیر علٰحدہ آئین میں سارد ھول سولنکی راسا میں سارنگ رای سولنکی ہے۔ آئین میں نرسنگھ دیو راسا میں نرسنگھ رای ہے۔ آئین کی رو سے ان سات ساونتوں کے یہ نام ہیں :-

(۱) گوبند رای گہلوٹ (۲) نرسنگھ دیو (۳) چاندا (۴) پنڈیر (۵) سارد ھول سولنکی (۶) پالہن دیو (۷) برادر پالہن دیو (۸) برادر پالہن دیو ۔ اس طرح آٹھ ساونت بنتے ہیں اور ابوالفضل سات بتاتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ چاندا پنڈیرا ابوالفضل کے نزدیک ایک شخص ہے۔ جس کو اس کے مرتب نے دو شخص بنا دیا اور آئین کے مذکورۂ بالا متن میں چاندا اور پنڈیر کے درمیان واؤ غلط لایا گیا ہے لیکن راسا کا متن بھی ایسے نقائص سے پاک نہیں - راسا کے تفصیلی بیان میں یہ ساونت مارے جاتے ہیں ۔

(۱) گوبند رای گہلوت (۲) بچن رای (بار اوّل) (۳) چند پنڈیر (۴) بچن رای (بار دوم) (۵) نرسنگھ رای (۶) کرمبہ (۷) پلہن (۸) ملے سنگھ (۹) سارنگ رای سولنکی۔ مگر مقتولین کی فہرست میں صرف چھ نام ملتے ہیں یعنے (۱)، (۵)، (۳)، (۹)، (۷)، (۸)۔ یہاں ہم سمجھتے ہیں کہ فہرست میں بچن رای کی شمولیت جس کو راسو سار میں دو مرتبہ مقتول دکھایا گیا ہے - بالکل غیر ضروری ہے وہ قتل نہیں ہوتا اور آیندہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف زخمی ہوتا ہے باقی نام آئین اور راسا میں تقریباً مماثل ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ آئین میں پالہن کے دو بھائیوں کے نام نہیں دیئے گئے جو راسا میں موجود ہیں۔ یعنے کرمبہ اور ملے سنگھ ۔

ابوالفضل اپنا سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس واقعہ کے ایک سال بعد سلطان شہاب الدین نے جے چند والی قنوج کے ساتھ دوستی کر لی اور لشکر لے کر لڑنے آیا۔

اور پرتھی راج کا بڑا علاقہ فتح کرلیا۔ پرتھی راج اپنی نئی رانی پر اس قدر فریفتہ تھا۔ کہ اس کو دنیا و مافیہا کا مطلق ہوش نہیں تھا۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ شہاب الدین کی آمد کی اس کو اطلاع دے سکتا آخر اراکین دولت نے جمع ہوکر چاندا کو ساتوں ڈیوڑھیوں سے پار کر کے حرم سرا میں بھجوایا۔ وہ پرتھی راج کو ہوش میں لایا۔ پرتھی راج اپنی گذشتہ فتوحات پر مغرور حسب معمول تھوڑا سا لشکر لے کر میدان کارزار میں جا دھمکا۔ لیکن اب وہ بات نہیں رہی تھی۔ اس کے دل چلے سامنت پیوند خاک ہو چکے تھے ادھر معاملات سلطنت بالکل ابتر و درہم تھے اور جے چند جو ہمیشہ ایسے موقعوں پر اس کی امداد کرتا رہتا تھا۔ اُلٹا اس کے دشمن کا مددگار ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرتھی راج نے بُری طرح شکست کھائی۔ گرفتار ہوا اور شاہ اسے غزنین لے گیا۔ چنانچہ آئین :۔

"از بخت برگشتگی راجہ بدان مہین بانو شیفتہ شد و از ہمہ واپرداخت۔ چوں سالی برین گذشت سلطان شہاب الدین ازین داستان باراجہ جے چند طرز دوستی پیش نہاد۔ سپس لشکر ہا فراہم آوردہ بہ پیگار برآمد۔ لبسیاری جابر گرفت۔ کس را یارای گذارش چہ کہ دسترس نبود۔ آخر اولیای دولت فراہم آمدہ چاندا را از ہفت درگذرانیدند و او بجرم سرادر شدہ لختے راجہ را بشورش درآورد۔ و از غرور فیروزی لبسان ہر بار قدری لشکر فراہم آوردہ کارزار پیش گرفت۔ چون دلاوران والا پسیج درین مرتبہ نبودند و کار سلطنت از رونق افتادہ بود وجے چند کہ ہمواره کمک می کرد۔ برخلاف پیشین مددگار غنیم شد۔ درین نا وردگاہ راجہ گرفتار آمد و سلطان دستگیر کردہ بغزنین برد" (صفحہ ۵۳۲)

اس بیان کا اکثر حصہ اگرچہ معتبر تاریخ کی رو سے بے بنیاد ہے مگر ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اس موقعہ پر بھی ابوالفضل راسا کی خوشہ چینی میں مصروف ہے۔ اس کے بعد ابوالفضل اسی قصہ کو لے بیٹھتا ہے۔ جس میں اندھا پرتھی راج چاندا بھاٹ کی نشان دہی سے آواز پر تیر مار کر سلطان کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔ یہ روایت بھی یقیناً اس کو راسا سے ملی ہے۔ وہو ہذا :۔

"چاندا از حقیقت منشی و وفاداری بغزنین شتافت و سلطان را ملازمت نمود و نوازش یافت و بہ پختہ کاری راجہ را دریافت و در زندان و مسازی نمود۔ گفت چنان بخاطر میرسد کہ من نزد سلطان

تیراندازی ترا برگویم۔ اومیل تماشہ خواہد کرد۔ دران زمان کار اورا بساز۔ قرار داد بجای آمد وسلطان را تیر دوزگر دانید۔ ہوا خواہان راجہ وچاندارا ازہم گذرانیدند (صفحہ ۵۳۲ آئین اکبری)

سلطان کی سات مرتبہ شکست کا قصہ اگرچہ ابوالفضل نے ہندو روایت کی بنا پر تسلیم کرلیا ہے مگر بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ سلطان معزالدین محمدؒ بن سام کے سوانح حیات میں ان شکستوں کے لئے کوئی مناسب موقعہ نظر نہیں آتا۔

جے چند کے لشکر میں مسلمانی فوجوں کا موجود ہونا پھر بیان واقع نہیں معلوم ہوتا۔ ایسے ابتدائی زمانہ میں قلب ہندوستان میں مسلمانوں کا پایا جانا غیر اغلب ہے۔ سواحلی مقامات پر البتہ مسلمان موجود ہیں لیکن ہندو رزمیہ کا یہ بیان صدائے بازگشت ہے۔ اس عہد کی جب مسلمان ہندوستان میں آباد ہوکر ہندوؤں کے ساتھ ملی جلی زندگی کے عادی ہوگئے ہیں اور فوجی خدمات کے لئے عام طور پر پسند کئے جاتے ہیں۔

سلطان شہاب الدین کا اندھے پرتھی راج کے تیر سے مارے جانے کا قصہ بھی غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سلطان موصوف حسب بیان طبقات ناصری ملاحدہ کے ہاتھ سے غزنیں جاتے وقت منزل دمیک پر مارا جاتا ہے۔ قطعہ ذیل جو کسی ہمعصر شاعر کے قلم کا نوشتہ ہے۔ طبقات میں محفوظ ہے:۔

شہادت ملک بحر و بر معزالدین کز ابتدائے جہان مثل او نیامد یک

سوم ز غرۂ شعبان بسال شش صد و دو فتادہ در رہ غزنیں بمنزل دمیک

طبقات سے بھی قدیم سند ہمارے پاس فخر مدبر کی سلسلۃ الانساب کی ہے جو بعہد قطب الدین ایبک تالیف ہوتی ہے اور جس کا دیباچہ ڈینی سن راس نے تاریخ فخرالدین مبارک شاہ کے نام سے ۱۹۲۷ء میں چھاپا ہے۔ اس تالیف میں بھی سلطان کا قتل منزل دمیک میں بتایا گیا ہے۔ چنانچہ:۔

"وچون بمنزل گاہ دمیک رسید حکم و تقدیر ایزدی عزاسمہ کہ در ازل براندہ بود و قرنی زیادت غازی بحق شہید شد و برحمت خدای پیوست" (صفحہ ۲۹ تاریخ فخرالدین مبارک شاہ ۱۹۲۷ء۔ طبع رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن)

محمود شیرانی

الحوادث الجامعہ فی المأتہ السابعہ

مئی ۱۹۳۵ء کے اورینٹل کالج میگزین میں میں نے ایک مضمون "علامہ ابن الفوطی" پر شائع کیا تھا۔ ان کی تصانیف کی فہرست میں ایک کتاب موسوم بہ "حوادث المأتہ السابعہ" کا ذکر اس مضمون میں[1] ہے۔ جس کا پورا نام حاجی خلیفہ نے "الحوادث الجامعہ والتجارب النافعہ فی المأتہ السابعہ" لکھا ہے۔ ۱۹۳۲ء میں المکتبۃ العربیہ بغداد نے اس کتاب کو شائع کیا تھا۔ لیکن مضمون مذکور کو لکھتے وقت مجھے اس کے چھپ چکنے کا علم نہ تھا ورنہ میں اس وقت ضرور اس کو معرض بحث میں لاتا۔ مطبوعہ اڈیشن کے ناشر استاد مصطفیٰ جواد ہیں۔ جنہوں نے اپنے دیباچے میں کتاب اور اس کے مصنف کو ناظرین سے روشناس کیا ہے۔ شروع میں چار صفحے کا ایک مقدمہ محمد رضا الشبیبی سابق وزیر معارف کا لکھا ہوا ہے۔

کتاب مذکور (جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے) ساتویں صدی کے حوادث پر مشتمل ہے اور عربی کی دیگر کتب تواریخ کی طرح واقعات کو بہ ترتیب سنین لکھا گیا ہے۔ جس قلمی نسخے سے اس کو طبع کیا گیا ہے وہ ناقص الاوّل ہے لہٰذا مصنف کے نام اور تاریخ تالیف کا کہیں ذکر نہیں۔ ۶۲۶ھ کے واقعات کے بیچ میں کہیں سے شروع ہوتا ہے۔ اور ۷۰۰ھ کے اخیر پر تمام ہوتا ہے۔ یہ واحد قلمی نسخہ ابتداءً شام کے ایک فاضل عیسائی مستشرق جرجس صفا کے کتب خانے میں تھا جس نے ۱۹۱۳ء میں رسالہ المشرق میں اس پر ایک مضمون لکھا۔ اور اس میں بتلایا کہ وہ بظاہر مصنف کا خود نوشتہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں جا بجا جملوں کو کاٹ کر ان کی اصلاح کی گئی ہے۔ اور بعض صفحوں پر سادہ ورق چپکا کر ساری عبارت کو بدل کر دوبارہ لکھا گیا ہے۔ بعض جگہ پورا صفحہ یا اس کا کچھ حصہ خالی چھوڑ دیا گیا ہے وغیرہ۔ اس کے کچھ عرصہ بعد

---

[1] دیکھو میگزین مذکور ص ۶

اس نسخے کو مصر کے مشہور فاضل اور رئیس احمد تیمور پاشا نے جرجس صفا سے خرید لیا۔ اور اس کی ایک عکسی نقل مکتبۃ الاوقاف العراقیہ بغداد کو بطور ہدیہ بھیجی۔ اسی نقل سے یہ مطبوعہ اڈیشن شائع کی گئی ہے ۔

افسوس ہے۔ کہ کتاب کی طباعت عمدہ نہیں ہوئی اور متن کی تصحیح میں بھی زیادہ توجہ صرف نہیں کی گئی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کتاب کا اور اس کے مصنف کا نام دریافت کرنے میں تحقیق و تفتیش سے کام نہیں لیا گیا۔ ہمارے نزدیک یہ امر بدرجۂ غایت مشکوک ہے کہ یہ کتاب "الحوادث الجامعۃ" ہے اور یہ کہ اس کے مصنف ابن الفوطی ہیں ۔

ناشر کے پاس جو دلیلیں اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ہیں کہ یہ کتاب "الحوادث الجامعہ فی المائۃ السابعۃ" ہے۔ وہ نہایت ضعیف ہیں اور کچھ ایسی قابل توجہ نہیں ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ کتاب کے متن میں ۶۲۶ھ سے ۷۰۰ھ تک کے واقعات تو موجود ہیں اور دو جگہ پر مصنف نے یوں لکھا ہے۔ کہ "ہم اس واقعہ کو اوپر بیان کر آئے ہیں"۔ اور ان اوپر بیان کئے ہوئے واقعات میں سے ایک واقعہ ۶۱۴ھ کا ہے اور دوسرا ۶۱۶ھ کا۔ جس سے ظاہر ہے کہ کتاب غالباً ساتویں صدی کے آغاز سے شروع کی گئی ہے۔ لہٰذا "حوادث المائۃ السابعۃ" کا نام اس پر صادق آتا ہے اور یقیناً یہ وہی کتاب ہے جس کے مولف ابن الفوطی ہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ۶۹۶ھ کے واقعات میں جہاں مصنف نے سلطان غازان خان کے بغداد آنے اور مدرسہ مستنصریہ کا کتب خانہ دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔ وہاں یہ الفاظ لکھے ہیں "فدخل خزانۃ الکتب ولمحھا" یعنی سلطان کتب خانے میں داخل ہوا اور اسکو ملاحظہ کیا۔ چونکہ اس زمانے میں ابن الفوطی اس کتب خانے کے لائبریرین تھے۔ اس لئے ان الفاظ سے فوراً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ انہی کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خاص طور سے کتب خانے میں داخل ہونے اور معائنہ کرنے کا ذکر وہی شخص کرے گا۔ جس کا اس ذکر سے کوئی خاص مقصد ہو یعنی اس کو کتب خانے کی تخصیص منظور ہو۔ سوائے لائبریرین کے ایسی تخصیص کس کو منظور ہوگی ؟

پہلی دلیل تو بالکل بے وزن پا ہے۔ اگر مصنف نے ۶۱۴ھ اور ۶۱۶ھ کے واقعات کی طرف اشارے کئے ہیں۔ تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکلا۔ کہ کتاب ۶۰۱ھ کے واقعات سے شروع ہوتی ہے؟ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک ایسی تصنیف کا جزء ہو جو کئی جلدوں میں لکھی گئی ہو اور عربی تواریخ کے عام قاعدے کے مطابق آدمؑ کے وقت سے شروع ہوتی ہو۔ ایسی تصنیف میں ۶۱۴ھ اور ۶۱۶ھ کے واقعات کی طرف اشارہ کرنے سے کونسی چیز مانع ہوگی؟ دوسری دلیل بھی اگرچہ بظاہر بے معنی ہے تاہم اس کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایک قطعی جواب موجود ہے۔ میں نے اپنے پہلے مضمون میں جس کا اوپر حوالہ دیا جا چکا ہے واضح طور سے یہ دکھلا دیا ہے۔ کہ ابن الفوطی کے عہدۂ لائبریرین کا زمانہ ۶۹۴ھ سے پہلے ختم ہو چکا تھا۔ اور یہ کہ جب سلطان غازان خان کتب خانۂ مستنصریہ کو دیکھنے آیا ہے تو اس وقت ابن الفوطی نہیں بلکہ جمال الدین یاقوت الخازن وہاں کے لائبریرین تھے۔ البتہ وہ ان کی معیت میں اس وقت کتب خانے میں موجود ضرور تھے[1]

سطور ذیل میں میں ان وجوہات کو بیان کرتا ہوں جن کی بنا پر میرا یہ قیاس ہے۔ کہ یہ کتاب ابن الفوطی کی "الحوادث الجامعۃ" نہیں ہے۔

علامہ ابن الفوطی کے مختصر حالاتِ زندگی یہ ہیں۔ کہ وہ ۶۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ۶۵۶ھ میں جب ہولاکو خان نے بغداد کو تاراج کیا تو یہ قیدیوں میں گرفتار ہو گئے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی نے ان کو رہا کرایا اور اپنے ساتھ مراغہ لے گئے۔ سات آٹھ برس تک ان کو پڑھایا لکھایا۔ پھر اپنے کتب خانے کا خازن مقرر کر دیا۔ ۶۷۹ھ تک وہ اس خدمت پر مامور رہے پھر بغداد چلے آئے اور اپنی زندگی کا باقی حصہ وہیں گذارا۔ ۷۲۳ھ میں فوت ہوئے۔

خواجہ نصیر الدین طوسی نے جتنا بڑا احسان ان پر کیا وہ بیان بالا سے ظاہر ہے۔ کہ نہ صرف ان کو غلامی کی زندگی سے بچا لیا بلکہ اپنی تعلیم و تربیت سے ان کو علامۂ عصر بنا دیا۔ اسی وجہ سے وہ اپنی کتاب "تلخیص مجمع الآداب" میں جہاں کہیں خواجہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے نام کے ساتھ

---

[1] اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۵ء ص ۱۶ ح ۲

"مولانا" یا "مولانا السعید" کے الفاظ اضافہ کرتے ہیں[1]۔ لیکن مطبوعہ "الحوادث الجامعہ" میں جہاں خواجہ نصیر الدین کی وفات کا ذکر ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔ "و توفی بعدہ خواجہ نصیر الدین ابوجعفر محمد بن الطوسی فی ثامن عشر ذی الحجۃ"[2]۔ صرف چھ یا سات سطریں لکھی ہیں۔ جن میں خواجہ کے ساتھ اپنے ذاتی تعلق کا ذکر تک نہیں کیا اور نہ اس مختصر عبارت سے ذرہ بھر بھی یہ پایا جاتا ہے کہ لکھنے والا اس کی وفات سے متاثر ہے۔ صاف معلوم ہو رہا ہے کہ چلتے چلتے ایک معمولی واقعہ کی طرح چند سطروں میں اس کا ذکر کر کے آگے بڑھ گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ایک دو مقام پر خواجہ کا ذکر کرتا ہے۔ ایک جگہ تو صرف اتنا لکھا ہے کہ "وصل السلطان اباقاخان الی بغداد و فخدم الامراء والعساکر وخواجہ نصیر الدین طوسی"[3] اور دوسری جگہ بیان کیا ہے کہ ۶۶۲ھ میں خواجہ نصیر الدین طوسی بغداد میں وارد ہوئے۔ پھر واسط اور بصرہ گئے اور رصدگاہ مراغہ کے لئے بہت سی کتابیں خریدیں۔ "فیھا (یعنی فی سنۃ ۶۶۲) وصل نصیر الدین محمد الطوسی الی بغداد . . . . ثم انحدر الی واسط والبصرۃ وجمع من العراق کتبا کثیرۃ لأجل الرصد"[4]۔ ہمیں معلوم ہے۔ کہ ۶۶۲ھ میں ابن الفوطی رصدگاہ مراغہ کے کتب خانے میں خازن کے عہدے پر مامور تھے۔ لیکن اس عبارت سے معلوم ہو رہا ہے۔ کہ لکھنے والے کو خواجہ سے یا رصدگاہ کی لائبریری سے کوئی مخصوص دلچسپی یا لگاؤ نہیں ہے ٭

علامہ تاج الدین علی بن انجب الساعی (المتوفی ۶۷۴ھ) ابن الفوطی کے شیخ تھے۔ اور محی الدین یوسف بن الجوزی حدیث میں ان کے استاد تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے ذکر میں بھی "الحوادث الجامعہ" کے مصنف نے ان کا اپنے ساتھ کوئی تعلق ظاہر نہیں کیا۔ ابن الساعی کی وفات پر لکھتا ہے:۔ "وفیھا توفی تاج الدین علی بن أنجب بن عبد اللہ المعروف بابن الساعی المؤرخ وکان مولدہ سنۃ ثلاث وتسعین وخمس مائۃ . . . . "[5]، ابن الجوزی کا نام اسطرح

---

[1] دیکھو اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۵ء ص ۱۳، ۱۴، ۱۵ [2] صفحہ ۳۸۰، [3] صفحہ ۳۷۵ [4] صفحہ ۳۵۰

[5] صفحہ ۳۸۶ ٭

لیتا ہے :۔ "وتولی العمل فی ذلک استاذ الدار محی الدین یوسف بن الجوزی۔ ۔ ۔ ۔ ۔"[1] واقعۂ بغداد میں جو مشاہیر قتل ہوئے ان کی فہرست میں ابن الجوزی کا نام صرف اس طرح لکھا ہے :۔ "ومحیی الدین بن الجوزی استاذ الدار" ساتویں صدی کا ایک ذی علم اپنے استادوں کے نام ایسی لاپروائی اور بے توجہی سے ہرگز نہیں لے سکتا ۔

۶۵۶ھ میں بغداد کی الم ناک تباہی کے وقت ابن الفوطی وہاں موجود تھے ۔ اور انہوں نے وہ محشر خیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ۔ اس وقت ان کی عمر ۱۴ - ۱۵ برس کی تھی ۔ یہ وہ عمر ہے جبکہ ایسے واقعات کا اثر دل پر نہایت گہرا اور دیرپا ہوتا ہے ۔ خصوصاً جبکہ دیکھنے والا خود بھی مورد آفات بنا ہو ۔ انہوں نے اپنے گھر کی بربادی اپنے سامنے دیکھی اور خدا جانے اپنے اعزہ و اقارب میں سے کتنوں کا خون اپنی آنکھوں سے بہتے دیکھا ہوگا ۔ اور سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ خود ان خونخوار تاتاریوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر غلام بنائے گئے ۔ ایسے عبرت انگیز ذاتی تجربوں کے بعد ہم کو ضرور ان سے توقع ہونی چاہیئے ۔ کہ وہ خرابی بغداد کا ایک مؤثر نوحہ ہمیں سنائیں گے ۔ وہ خود شاعر تھے ۔ اور شاعروں کے قدردان تھے ۔ طبیعت یقیناً حساس پائی ہوگی ۔ یا خیر اگر اپنے بیان میں شاعری نہ بھی دکھاتے تاہم اپنے ان چشم دید واقعات کا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ تو کرتے ۔ برخلاف اس توقع کے انہوں نے ۶۵۶ھ کے حوادث کو خاصا اختصار کے ساتھ لکھا ہے[2] ۔ اور کہیں کسی جملے سے یہ نہیں پایا جاتا ۔ کہ لکھنے والا ان سب باتوں کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا یا ان سے متاثر ہوا تھا ۔ بلکہ اس کے عمومی انداز بیان سے اس کی بے تعلقی خاصی واضح ہوتی ہے ۔

۶۵۷ھ میں ہولاکو خاں نے مراغہ میں جو رصدگاہ خواجہ نصیر الدین طوسی کے لئے بنائی اور جہاں ابن الفوطی نے اپنی زندگی کا مفید ترین حصہ اور وہ بھی اکیس برس کا طویل زمانہ گذارا ۔ اس کا ذکر "الحوادث الجامعہ" میں اس قدر اختصار کے ساتھ کیا گیا ہے ۔ کہ ہم بجنسہ ان الفاظ کو

---

[1] صفحہ ۲۱۰ ۔ [2] صفحہ ۲۲۸ ، [3] ص ۳۲۳ - ۳۲۷ ۔

یہاں لکھ دیتے ہیں :-

"وفیہا (یعنی فی سنۃ ۶۵۷ھ) وضع نصیر الدین طوسی الرصد بمراغہ و عین فیہ جماعۃ یتولون عملہ الی ان انتحر فی سنۃ اثنتین و سبعین"[1]

کیا یہ مناسب موقع نہ تھا۔ کہ ابن الفوطی اس مقام پر رصد کا ذکر ذرا زیادہ دلچسپی کے ساتھ کرتے۔ اور ایسے الفاظ میں کرتے کہ کسی نہ کسی طرح اس کے ساتھ ان کا ذاتی تعلق ظاہر ہوتا؟

۶۷۹ھ میں عطا ملک جوینی نے ابن الفوطی کو مراغہ سے بغداد بلا لیا اور تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کیا[2]۔ ساتھ ہی وہ مدرسہ مستنصریہ کی وسیع لائبریری کے خازن بھی مقرر کئے گئے۔ "الحوادث الجامعہ فی المائۃ السابعۃ" ضرور ہے۔ کہ انہوں نے ۷۰۰ھ کے بعد لکھی ہوگی۔ ۶۷۹ھ اور ۷۰۰ھ کے درمیان جو واقعات رونما ہوئے وہ ان کے چشمدید تھے۔ اس لئے طبعی طور پر ہمیں یہ اُمید تھی۔ کہ ان واقعات کو وہ سابقہ واقعات کی نسبت زیادہ مفصل لکھیں گے۔ لیکن حالت برعکس ہے ۶۵۶ھ تک کے واقعات کو مصنف نے جس تفصیل کے ساتھ لکھا ہے وہ بعد کے واقعات میں نہیں ہے اور جوں جوں زمانہ آگے بڑھ رہا ہے بیان زیادہ مختصر ہوتا جاتا ہے۔ شروع شروع کے سالوں میں ہر سال کے حوادث آٹھ آٹھ دس دس صفحوں میں مرقوم ہیں۔ برخلاف اس کے آخری سالوں کو (خصوصاً ۶۹۰ھ کے بعد) ایک ایک دو دو صفحوں میں ختم کر دیا ہے۔ یہ صورت حالات ابن الفوطی کے مصنف ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔

لیکن سب سے قوی دلیل جو ہم اس بارے میں پیش کر سکتے ہیں یہ ہے۔ کہ "الحوادث الجامعہ" کی مطبوعہ ایڈیشن کے شروع میں قلمی نسخے کے ایک صفحے کا فوٹو نمونۂ خط کے طور پر دیا گیا ہے۔ اوپر ہم کہہ چکے ہیں۔ کہ فاضل ایڈیٹر کے نزدیک قلمی نسخہ مصنف کا خود نوشتہ ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں وہ علامہ ابن الفوطی کے خط کا نمونہ ہے۔ میں نے اپنے سابق مضمون میں تلخیص مجمع الآداب مؤلفہ ابن الفوطی کی جلد خامس پر تبصرہ کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ وہ علامہ موصوف کے اپنے ہاتھ کی لکھی

---

[1] ص ۳۴۱، [2] اورنٹیل کالج میگزین ص ۱۶ [3] میگزین مذکور ص ۰

ہوئی ہے۔ وہ اس وقت مخدومی پرنسپل محمد شفیع کے کتاب خانے میں ہے۔ اور انہوں نے اورینٹل کالج میگزین بابت اگست ۱۹۳۷ء میں اس کے دو صفحوں کا فوٹو گراف شائع کیا ہے۔ خطاطی کے ان دو نمونوں کو پہلو بہ پہلو رکھ کر مقابلہ کرنے سے فوراً یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ وہ ایک ہی شخص کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہرگز نہیں ہیں۔ الحوادث الجامعہ والا نمونہ یقیناً ابن الفوطی کے زمانے سے بہت بعد کا خط ہے۔ ہم اس بات کے ماننے سے انکار نہیں کرتے کہ وہ مصنف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہوگا۔ لیکن وہ مصنف ابن الفوطی نہیں۔ بلکہ تقریباً ایک صدی بعد کا کوئی آدمی ہے جیسا کہ نمونہ خط سے ظاہر ہے۔

آٹھویں اور نویں صدی میں مصر و شام میں بہت سی تاریخی کتابیں لکھی گئیں اور ان میں سے بعض بہت بڑے پیمانے پر ہیں۔ ہمارا قیاس ہے کہ مطبوعہ کتاب ان میں سے کسی کا ایک جزو ہے۔ میں نے پوری کتاب کو شروع سے آخر تک دیکھا۔ لیکن افسوس کہ کہیں بھی مصنف نے اپنا یا اپنی کسی اور تصنیف کا ذکر نہیں کیا۔ جس سے اس کا کچھ حال معلوم ہو سکتا۔

فاضل ایڈیٹر کے دیباچے سے علامہ ابن الفوطی کے متعلق بعض نئی اطلاعات میسر ہوئیں جن کو یہاں لکھ دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اس کو میرے سابق مضمون کا تتمہ سمجھنا چاہیئے۔

"تلخیص مجمع الآداب" ابن الفوطی کی جلد خامس جس کا ابھی ذکر ہوا مصنف کی خود نوشتہ ہے۔ محمد رضا الشبیبی نے مطبوعہ کتاب پر جو مقدمہ لکھا ہے اس میں وہ اطلاع دیتے ہیں کہ اس کی چوتھی جلد کہ وہ بھی مصنف کی خود نوشتہ ہے۔ دمشق میں دار الکتب الظاہریہ میں موجود ہے[1]۔

علامہ ابن الفوطی کی تالیفات مجموعی طور پر تقریباً تین سو جلدوں میں تھیں[2]۔ جن کو ضرور ہے۔ کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوگا۔ لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ان تین سو جلدوں کے علاوہ انہوں نے دوسرے مصنفوں کی کتابوں کو اور خاصی ضخیم کتابوں کو اپنے قلم سے نقل کیا! فاضل ایڈیٹر نے اپنے مقدمے میں ذیل کی عبارت

---

[1] صفحہ ب [2] دیکھو میرا پہلا مضمون +

صفدی اور ابن حجر کے حوالے سے لکھی ہے :-

قال الصفدی ..... عنی بالحدیث (یعنی ابن الفوطی) وقرأ بنفسه وکتب بخطه کثیرا من الکتب القدیمة، قال ابن حجر: ملکت بخطه خریدة القصر للعماد الکاتب فی اربع مجلدات فی قطع الکبیر (کذا) قدمتها لصاحب الیمن فأثابنی علیها ثوابا جزیلا" [1]

ایسے بزرگوں کو اپنے وقت میں چھاپہ خانوں کی کیا ضرورت تھی ؟

محمد اقبال

بابا فرید گنج شکر۔ شیخ ابراہیم اور فریدثانی

اس مضمون کو ڈاکٹر موہن سنگھ صاحب نے بہت محنت سے مرتب کیا ہے۔ اس کے بعض حصے خصوصیت کے ساتھ ان اصحاب کے لئے اہمیت رکھتے ہیں۔ جو اصلی پنجابی متون سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ اس مضمون کو بغیر کسی قابل ذکر تصرف کے بعینہٖ چھاپ دیا گیا۔ تاکہ مضمون نگار کا نقطۂ نظر پوری طرح سے واضح ہو۔ بعض اکابر صوفیہ کا ذکر اس طریق کے مطابق نہیں ہے۔ جو ہم میں متعارف ہیں مگر ایک غیر مسلم مضمون نگار اگر اس سے پوری طرح مانوس نہ ہو تو باعث تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ قارئین کرام سے توقع ہے کہ وہ "خذ ما صفا" پر عمل پیرا ہونگے ۔ ایڈیٹر

۱۔ جس سوال کا حل مطلوب ہے۔ وہ یہ ہے کہ گورو نانک کی ملاقات ان تین درویشوں میں سے کس سے ہوئی اور آدگرنتھ اور بابا نانک کی جنم ساکھیوں میں جو کلام فرید سے منسوب ہے۔ وہ کس کا یا کن کن کا ہے ۔

---

[1] صفحہ س ۔

۲- جن کتب سے ہم نے مندرجہ ذیل جواب کی ترتیب میں استناد کیا ہے۔ وہ یہ ہیں :-

ا۔ گورو گرنتھ صاحب کا قلمی نسخہ جو کرتار پور میں ہے۔ اور جس کے اختتام میں ۱۶۰۴ء ثبت ہے ۔

ب۔ باباناتک کی ایک سوانح عمری جو پنجاب یونیورسٹی کے قلمی نسخہ ۴۱۴۱ میں شامل ہے۔ اس نسخہ کی تاریخ تحریر ۱۷۰۱ء ہے ۔

ج۔ خلاصۃ التواریخ جو ۹۶-۱۶۹۵ء میں تحریر ہوئی ۔

د۔ کہیں کہیں ہم نے سیر الاولیا۔ اخبار الاخیار۔ فوائد الفواد۔ تاریخ فرشتہ۔ آئین اکبری۔ اور تحقیقات چشتی سے استصواب کیا ہے اور اقتباسات لئے ہیں ۔

۳- باباناتک کا عہد حیات ۱۵۳۸-۱۴۶۹ء ہے۔ گورو امرداس تیسرے گورو کا ۱۵۷۴-۱۴۷۹ء اور گورو ارجن دیو گورو گرنتھ صاحب کے مؤلف کا ۱۶۰۶-۱۵۶۳ء ۔

۴- پہلے ہم شیخ فرید الدین ثانی سے نپٹ لیتے ہیں۔ خلاصۃ التواریخ (دہلی ۱۹۱۸ء) میں مرقوم ہے (صفحہ ۳۴-۳۵) :-

" سہرند۔ از شہرہائے دیرین از اعمال سامانہ سلطان فیروز شاہ در زمان فرماں روائی خویش سنہ ہفت صد و شصت ہجری آں را از سامانہ جدا ساختہ پرگنہ علیحدہ مقرر ساخت و روز بروز آبادی و رونق آں زیادہ گشت۔ اگرچہ دراں خطہ بسیارے از نزدیکان درگاہ الٰہی خوابگاہ دارند اما از اولیائے زمان حال شیخ فرید الدین ثانی و شیخ محمد معصوم کابلی دراں شہر آسودہ اند و ایں ہر دو اولیائے عظام در زمان حضرت شاہ جہاں بادشاہ (۱۶۵۸-۱۶۲۷ء) بہدایت خلائق کامروا بودند و طوائف انام از دست آوردہ بہرۂ دینی مے اندوختند۔ اکنوں از اولاد ایشاں سجادہ نشین ہستند "

۵- اوپر کی تحریر سے ہم یہ استنباط کرتے ہیں کہ ۱۶۰۴ء میں تالیف شدہ آدگرنتھ میں جو کلام شیخ فرید کی طرف منسوب ہے وہ ان کا نہیں ہے اور نہ وہ شلوک جن پر

تنقید کے رنگ میں نانک (۱۴۶۹-۱۵۳۸) اور امرداس (۱۴۷۹-۱۵۷۴) نے جوابی شلوک لکھے (جو نیچے درج ہوں گے) شیخ فرید ثانی کا کلام ہے (فرید ثانی کے زمانہ کے لئے دیکھو نمبر ۹ نیچے جہاں مزید تائیدی ثبوت دیا ہے) ؛

۶ - ۱۷۰۱ء میں نقل شدہ جنم ساکھی (ب) میں یوں درج ہے (صفحات $\frac{۵۸۴}{۲ او ۱}$ - $\frac{۵۸۹}{۱}$ ساکھی نمبر ۱۷) :-

"راوی کے اس پار اور ویاہ (بیاس) کے آدھ میں ماجھ کے بیچ میں جنگل ہیں جنگل ہیں اُتراہ (تیراہی؟) پٹھانوں کے گاؤں تھے۔ اُن میں بابا نانک آنکلا۔ دو تین کوس تک اُجاڑ تھی۔ وہاں کے پٹھانوں کا پیر بابا فرید تھا۔ فرید کے تخت پر براہم (ابراہیم) بالا راجہ تھا۔ اس کا مُرید لکڑیاں چُننے کے لئے آیا ہُوا تھا۔ کامل درویش۔ خبردار۔ خدا کا پیارا پیر کے حکم کے مطابق لکڑیاں چننے کے لئے آیا تھا۔ اس اُجاڑ میں باباجی بیٹھے تھے۔ مردانہ رباب بجا رہا تھا۔ مردانہ نے سلوک پڑھا . . . ."

۷ - انڈیا آفس۔ لندن۔ کے ایک قلمی نسخہ کی ایک فوٹو زنکوگراف کردہ جلد (ڈیرہ دون ۱۸۸۵ء) یونیورسٹی لائبریری۔ لاہور میں ہے۔ اس "جنم ساکھی (د) بابا نانک" کو سترھویں صدی عیسوی کے نصف اول کی تصنیف قرار دیا جاتا ہے۔ اس میں لکھا ہے (صفحہ ۲۱۴-۲۱۶) :-

"راوی چناؤ (چناب) دیکھ کر اجاڑ میں سے ہو کر چلا۔ پٹن دیس میں آنکلا۔ پٹن سے تین کوس پر اُجاڑ تھی۔ وہاں آ بیٹھا۔ مردانہ ساتھ تھا۔ پٹن کا پیر شیخ فرید تھا۔ اس کے تخت پر شیخ برہم (ابراہیم) تھا۔ اُس کا ایک مُرید صبح کے وقت لکڑیاں چُننے آیا تھا۔ اس کا نام شیخ کمال تھا"

کامل درویش کے بجائے اس نسخہ میں شیخ کمال تحریر ہے (دیکھو نمبر ۳۶ ب نیچے)

۸ - بھائی گورداس بھلہ کی تاریخ وفات ۱۶۳۷ء ہے۔ ۱۵۷۹ء میں اس نے سکھ دھرم قبول کیا۔ اس کے قلم سے ایک وار ہے۔ جو حالاتِ نانک پر مشتمل ہے۔ اُس وار میں

یوں لکھا ہے۔ (دار نمبر ۱۔ پوڑی نمبر ۴۴): اچل وٹالہ (ضلع گورداسپور) کے میلے سے بابا ملتان کی زیارت کے لئے گیا۔ وہاں ملتان کا پیر دودھ کا کٹورا بھر کر لایا۔ بابا نے بغل سے چنبیلی کا پھول نکال کر دودھ سے لبالب بھرے کٹورے کے اوپر رکھ دیا۔ ملتان کی زیارت کر کے بابا کرتارپور آیا ؛

۹۔ بابا فرید گنج شکرؒ کی تاریخ وفات مختلف کتابوں میں مختلف لکھی گئی ہے۔ بیل (اوری انٹیل بایوگرفیز) ۱۲۶۵ء تسلیم کرتا ہے اور صاحب خلاصۃ التواریخ روز شنبہ پنجم محرم سال ششصد وشصت وہفت ہجری یا ۱۲۶۴ء۔ گیانی لدھا سنگھ فرید کوٹی نے اوری انٹیل کالج میگزین بابت ماہ فروری ۱۹۳۳ء میں ایک مضمون شائع کیا تھا۔ اس میں اس نے شیخ فرید کا شجرہ دیا ہے۔ لکھا ہے کہ یہ شجرہ شیخ شاہ محمد غوثؒ سے جو اس وقت چلّہ بابا فرید گنج شکر واقعہ ریاست فرید کوٹ میں گدی نشین ہیں۔ حاصل ہوا۔ اس شجرہ (نسابولی) کی رُو سے شیخ ابراہیم دسویں پشت متصوّر ہوتے ہیں۔ اگر فی کس ۲۵ برس کی میعاد زیست تعیین کریں تو ابراہیم کا زمانہ بابا گنج شکر کی تاریخ وفات سے ۲۲۵ برس بعد قرار پاتا ہے یعنی ۱۲۶۵ + ۲۲۵ یا ۱۴۹۰ء کے قریب قریب شروع ہوتا ہے۔ اور یہ زمانہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جنم ساکھی قلمی محررہ ۱۷۰۱ء کے مطابق گورو نانک اپنے پہلے سفر کے دوران میں دوآبہ باری کے علاقوں کی سیاحت کر چکے تھے ؛

۱۰۔ پس ہماری رائے میں بابا نانک کے ہم عصر شیخ براہم یا ابراہیم تھے۔ انہی سے نانک کی ملاقات ہوئی اور نانک کو شاید پہلے پہل انہی سے وہ کلام ملا جس کے متعلق تحقیق کا ہم اب آغاز کرتے ہیں۔ اس نظریہ کی تائید میں وہ شجرہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے جو پاک پٹن کے گدی نشینوں کے قول کے مطابق ہے (دیکھو نمبر ۳۶ ب نیچے) اس فہرست میں شیخ ابراہیم کی گدی نشینی کی تاریخ $\frac{۹۴۰ھ}{۱۵۳۳ء}$ ہے۔ گورو صاحب اس وقت حیات تھے ؛

۱۱۔ اوپر ہم کنایۃً عرض کر چکے ہیں۔ کہ نانک اور امر داس ہر دو کو فریدؒ سے منسوب کلام سے اظہار اختلاف کرنا پڑا اور طرفین کے شلوک پڑھنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ نانک اور امر داس کا

کلام" جوابی" ہے ۔

۱۲ - رہی یہ بات کہ کیا وہ کلام تحریر کی صورت میں نانک اور امرداس تک پہنچا یا کسی کی زبان سے جس کلام کے مضمون سے انہوں نے اختلاف رائے کی بنا پر جوابی شلوک کہے یا کہ وہ کلام خود مصنف کی زبان سے اُن تک پہنچا۔ کیا وہ اشعار جو جنم ساکھی ب میں شیخ ابراہیم نے نانک سے کہے لکھے ہیں وہ خود شیخ ابراہیم کے تھے یا اس گدی کے قائم کرنے والے فرید کے تھے۔ بہرکیف اگر جنم ساکھی اور آدگرنتھ دونوں میں درج اشعار میں فرید کا نام موجود ہے تو ہمیں یہ شک کرنے کی کوئی گنجایش نہیں کہ وہ خود ابراہیم کے بھی ہو سکتے ہیں ۔

۱۳ - اب ہم جنم ساکھی ب کے اشعار کو لیتے ہیں اور نمبر ۱۴ میں انہی اشعار کی اس صورت کو لینگے جس میں وہ شری گورو گرنتھ صاحب مؤلفہ ۱۶۰۴ء میں درج ہو چکے تھے ۔

(۱) نانک - جنم ساکھی ب : آپے پٹی، قلم آپ، اُپر لیکھ بھی توں
ایکو کہئے نانکا دوجا کاہے کوں

(۲) شیخ ابراہیم - اک صاحب تے ڈوہ ہادی
ہنوں کیہڑا سیوی (یں) تے کیہڑا دی (یں)

(۳) نانک - ہک صاحب ہکا حد - ہکو سیویں دوجے رد
دوجا کاہے سمریئے جمے تے مرجائے ہکو سمرو نانکا جل تھل رہیا سمائے

(۴) ابراہیم :- پاڑ پٹولا دھج کریں کملڑی پہراں ۔ جنی ویسیں سہہ ملے تھوں سیتی ویس کراں

(۵) نانک - کاہے پٹولا دھج کریں کملڑی پہریں کائے ۔ گھر ہی بیٹھیاں سہہ ملے جے چیت رکھیں ٹھائے
گھر ہی سندھ ویس پرینت سار سمالے ۔ نانک بلدیاں ڈھل نہ ہوئی جے نیت اس کرمے

(۶) ابراہیم - نڈی تھی نہ راویا وڈی تھی گیٹاس ۔ دھن کوکیندی گور پئی تے سہہ نہ ملیا اس

(۷) نانک - محل کنجی مروڑی کالی منوں کسدھ ۔ جے گنٹر ہوون تاں چیروے نانک اوگن سندھ

(۸) ابراہیم - کون سوا گھر کون گن کون سو نیاں منت ۔ کون سویس میں کریں جت وس آوی کنت

(۹) ۱- نون سُوا کھر کھون گن جیہا منیاں منت ہ ایہ ترے سینیں ویس کریں تاں مس آوی کنت
سیوا کرے جو کنت کی کنت تسی کا ہوئے ہ گربی کنت نہ پائیے بھاویں کھری سوالیو ہوئے
سیوا تس بھاوی جسا کوں ندر کرئے ہ نانک سبھے سہیاں پرے کنت تسی کا ہوئے
جنم ساکھی (د) ہیں اوپر ہی کی عبارات ہیں ؛

۱۴ - شلوک نمبر ۶ گورو گرنتھ صاحب میں یوں ہے :-

فریدا اندھی کنت نہ راویو ڈوہی تھی میاس
دھن کونکیندی گور میں تیں سہہ ناں ملیاس

نمبر ۴ یوں ہے :-

فریدا پاڑ پٹولا دھج کریں کنبڑی پہریوں ؛ جنی ویسیں سہہ ملے سہی ویس کریوں

نمبر ۵ - جو نمبر ۴ کا جواب ہے - وہ گورو نانک دیو سے نہیں بلکہ گورو امرداس (۱۵۷۴ -
۱۴۷۹) سے منسوب ہے - اس جوابی شلوک کے پہلے محلہ ۳ لکھا ہے - نیز جوابی کلام نمبر ۵ کا
دوسرا شلوک گورو گرنتھ صاحب میں پہلے شلوک کے ساتھ درج نہیں - دوسرا شلوک کہاں پر ہے
یہ میں ابھی تک معلوم نہیں کر سکا ؛

یہی شلوک کبیر کے مجموعہ کلام میں معمولی اختلاف کے ساتھ ملتا ہے (دیکھو میری انگریزی کتاب
کبیر اینڈ دی بھگتی موومنٹ) ؛

نمبر ۸ اور نمبر ۹ کے متعلق یوں ہے کہ نمبر ۹ کا دوسرا اور تیسرا شلوک پہلے کے ساتھ گورو گرنتھ
صاحب میں درج نہیں - اور نمبر ۸ بالکل وہی عبارت ہے - فرید لفظ دونوں مجموعوں میں نہیں - نہ
ہی گورو گرنتھ صاحب کے مطابق سوال و جواب دونوں میں نانک ہی کا نام ہے - اگرچہ نمبر ۸ سالم اور
نمبر ۹ کا پہلا شلوک "سلوک فریدجی" کے عنوان سے درج ہیں ؛

۱۵ - گورو گرنتھ صاحب میں اس طرح کے اختلافی اور جوابی شلوک ایک طرف فرید کے علاوہ کبیر
سے بھی متعلق ہیں - اور دوسری طرف نانک اور امرداس کے علاوہ گورو ارجن دیو مؤلف آدگرنتھ کے

قلم سے بھی موجود ہیں۔ ذیل کی اطلاعات معنوی اور تاریخی اعتبار سے نہایت مفید اور دلچسپ ہیں:۔

فرید:۔

فریدا کالی جنیں نہ۔ راویا دھولی راوے کوئے کر سائیں سیوں پر ہڑی رنگ نویلا ہوئے

گورو امرداس:۔

فریدا کالی دھولی صاحب سدا ہے جے کو چت کریئے آپنا لائیاں پرم نہ لگ ای جے لوچے سبھ کوئے
ایہہ پرم پیالہ خصم کا جیں سہاوے تیں دئے

فرید:۔

فریدا رتی رت نہ نکلے جے تن چیرے کوئے جو تن رتے رب سیوں تن تن رت نہ ہوئے

گورو امرداس:۔

ایہ تن سبھو رت ہے رت بن تن نہ ہوئے جو سہہ رتے آپنے تت تن لو بھو رت نہ ہوئے
بھے پئے تن کھین ہوئے لو بھو رت وچوں جائے جیوں بینتر دوات سدھ ہوئے توں کاغذ ہوئے رت میل گوائے
نانک تے جن سوہنے جے رتے ہر رنگ لائے

فرید:۔

فریدا پاڑ پٹولا دھج کریں کنبلڑی پہرے اوں جنی ویسیں سہہ ملے سے ای ویس کرے اوں

گورو امرداس:۔

کائے پٹولا پاڑ تی کنبلڑی پہریئے نانک گھر ہی بیٹھیاں سہہ ملے جے نیت راس کریئے

فرید:۔

فریدا من میدان کر ٹوئے پٹے لاہ اگے مول نہ آوسی دوزک سندی بھاہ

گورو ارجن دیو:۔

فریدا خالق خلق میں خلق وسے رب ماہیں مند اکسنوں آکھئے جاں نس بن کوئی ناہیں

فرید:۔ فریدا میں جانیا دکھ مجھ کوں دکھ سبائیے جگ اوچے چڑھ کے دیکھیا تاں گھر گھر ایہا اگ

(باقی دارد) موہن سنگھ دیوانہ

تنقید و تبصرہ

(۱) "ندیم" مدیر سید ریاست علی ندوی .. چندہ سالانہ للکھ ر ..... ملنے کا پتہ:۔
دفتر "ندیم" خانقاہ منعیہ، رام ساگر روڈ، آگیا

یہ صوبہ بہار کا مشہور علمی و ادبی اُردو ماہنامہ ہے۔ جسے اب سید ریاست علی ندوی مرتب فرما رہے ہیں۔ سید ریاست علی ندوی اپنی رفاقت دار المصنفین، اعظم گڈھ کے زمانہ میں کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں، اور تاریخ صقلیہ کی تالیف و تدوین کے سلسلے میں آپ کی محنت و کاوش، اور قابلیت و لیاقت ایک دنیا سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔ "ندیم" کے یہ مرتب جدید شاندار مقاصد و عزائم لے کر اُٹھے ہیں، امید ہے کہ آپ کی ادارت میں "ندیم" بہت جلد ترقی کر کے ملک کے کامیاب علمی و ادبی رسائل میں ممتاز حیثیت حاصل کرے گا اور صوبہ بہار کے علم و ادب میں قابل قدر اضافہ کا موجب ہوگا۔

پیش نظر پرچہ نومبر ۱۹۳۷ء کا نمبر ہے۔ نظم و نثر دونوں کا معیار اچھا خاصہ ہے۔ تصویروں کے انتخاب میں بھی حسن ذوق کا ثبوت دیا گیا ہے۔ علمی و تاریخی مضامین میں "ہندوستان کے عہد اسلامی میں تعلیم کا نظام" اور "اسپین موجودہ خانہ جنگی سے پہلے" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ افسانوں میں "میرا نامہ اعمال" بھی قابل تعریف ہے۔

رسالہ کی ظاہری دلفریبیوں کے نقطۂ نظر سے کاغذ تو عمدہ ہے، مگر کتابت میں عمدگی اور پاکیزگی کی اور زیادہ ضرورت ہے تاکہ یہ رسالہ صوبہ کے مستقبل کے رسائل کے لئے بہترین نمونہ بن سکے۔

اہل بہار سے ہماری پُر زور درخواست ہے۔ کہ وہ "ندیم" کو پڑھیں، خود خریدیں، اور اپنے احباب کو خریدنے کی ترغیب دلائیں، تاکہ سید ریاست علی اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے صوبہ کی علمی اور ادبی خدمات بجا لا سکیں۔

عبد القیوم (میکلوڈ عربک ریسرچ سٹوڈنٹ)

(۲) واقعاتِ اظفری (ص ۲۰۲ - طباعت عمدہ، دلپسند ٹائپ، قیمت دو روپیہ آٹھ آنے - ملنے کا پتہ - مدراس یونیورسٹی -)

اس حقیقت سے کسے انکار ہو سکتا ہے - کہ روزنامچے، خود نوشت سوانح عمریاں، اور سفرنامے جس قدر دلچسپ ہوتے ہیں - اسی قدر مفید اور پُراز معلومات بھی ہوتے ہیں اس میں شبہ نہیں - کہ خود نوشت سوانحعمریوں میں بعض نقائص بھی ہوتے ہیں - اور بعض اوقات ان کے صفحات میں تصنّع کے اثرات پائے جاتے ہیں - تاہم اگر سوانح نگار، حقیقت کو ملحوظِ خاطر رکھنے والا ہو - تو یہ صنف سوانح عمری کی سب اصناف سے زیادہ مقبول ہو سکتی ہے ؛

خاندانِ مغلیہ کی یہ ایک عجیب خصوصیت تھی - کہ اس کے افراد اگر ایک طرف شجاعت وجرأت میں ممتاز تھے - تو دوسری طرف ذوقِ علم سے متصف اور زیورِ حکمت سے آراستہ بھی تھے تیمور کی توزک، حسین بیقرا کی مجالس العشاق، الغ بیگ کی زیج، حیدر گورگان کی تاریخ رشیدی بابر اور جہانگیر کی تزوکات، اورنگ زیب کے رقعات، داراشکوہ کی تصانیف، جہان آرا کی مونس الارواح وغیرہ، زیب النسا کی شعروشاعری ہمارے دعوے کی دلیل ہے ؛

اورنگ زیب کے بعد اگرچہ سلطنت مغلیہ میں انحطاط آگیا - اور خاندان تیموریہ کے افراد ان پرانے اوصاف سے خالی ہوتے گئے - تاہم کچھ نہ کچھ مٹے ہوئے نشان اب بھی باقی تھے - اس دور میں بھی مغل شاہزادے شعروسخن کا شوق کیا کرتے تھے - اور ان میں سے بعض صاحبِ تصانیف بھی تھے ؛

مدراس یونیورسٹی کا شعبہ فارسی واُردو ہمارے شکریہ کا مستحق ہے - کہ اس کی سرپرستی میں خاندانِ مغلیہ کے ایک غیر معمولی فرد کی ایک تصنیف منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی - زیرِ تبصرہ کتاب واقعات اظفری میرزا محمد ظہیر الدین علی بخت گورگانی کی فارسی تصنیف کا اُردو ترجمہ ہے - اظفری شاہ عالم بادشاہ دہلی کے ہم جد اور ہم عصر تھے - ۱۱۷۲ھ میں قلعۂ دہلی میں پیدا ہوئے - اور وہیں تعلیم حاصل کی - تیس سال تک اس زمانہ کی نامبارک رسم کے مطابق قلعہ معلّی میں قید رہے اس کے

بعد وہاں سے روپوش ہو کر جے پور۔ انبیر، لکھنؤ اور بنگالہ گئے اور بالآخر مدراس میں مقیم ہو گئے اور وہیں انتقال کیا۔

شاہ عالم ثانی کا عہد ایک دور اختلال تھا۔ اس میں مرہٹہ گردی، غلام قادر روہیلہ کا تخت دہلی پر متمکن ہونا اور تیموریوں کا بالکل بے بس ہو جانا ایسے واقعات ہیں جن پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ تاہم ظفری کو قلعہ معلی کے اندرونی واقعات سے جو واقفیت ہے۔ وہ شاید کسی اور کو نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ واقعات ظفری میں بعض حالات زیادہ مفصل ملتے ہیں خصوصاً غلام قادر کی حرکات ناشایستہ کا ذکر نہایت شرح وبسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔

ظفری کی بعض اور تصانیف میں بھی یہ محسوس کیا جاتا ہے۔ کہ اس کے دل میں تیموری خاندان کی تباہی کا درد بہت گہرا ہے۔ اور وہ محسوس کرتا ہے۔ کہ تیموریوں میں ترکی حیات کی کمی ہو گئی ہے۔ اس کتاب میں شاہ عالم بادشاہ کی وعدہ خلافیوں کو اپنے خاندان کے زوال کا ایک سبب قرار دیتا ہے۔ ظفری نے غلام قادر روہیلہ کے ہنگامہ میں بادشاہ کی بہت سی خدمات انجام دیں لیکن ہنگامہ کے فرو ہو جانے کے بعد کوئی صلہ نہ ملا۔

حقیقت یہ ہے کہ ظفری کی یہ کتاب اس تاریک دور کے بہت سے پوشیدہ اسرار کو بے نقاب کرے گی چونکہ اس میں سیر و سفر کے حالات بھی ہیں۔ اس لئے اس کی جغرافیائی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا قلعہ معلی کے جزئیات، اس زمانے کے معتقدات اور دیگر رسوم و رواج پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ ظفری نے انگریزوں کے اخلاق و عادات کا جو مرقع اس کتاب میں کھینچا ہے۔ اس سے اس کے مطالعہ و مشاہدہ کی گہرائی کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ موجودہ تصانیف کے علاوہ ظفری کی دوسری تصانیف کا حال بھی اس کتاب سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے۔

ظفری اپنے زمانے کی رسم کے مطابق بعض واقعات کو بہت پھیلا کر لکھتا ہے۔ حالانکہ ان کی اہمیت کچھ زیادہ نہیں۔ لیکن یہی اس زمانے کا مذاق تھا۔

زیر تبصرہ کتاب، ظفری کی فارسی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے۔ جو جناب عبدالستار صاحب منشی فاضل نے کیا۔ اور اب جناب مولوی محمد حسین صاحب محوی صدیقی کی نظر ثانی کے بعد شایع ہوا ہے۔ ترجمہ جیسا کہ توقع تھی عمدہ اور رواں معلوم ہوتا ہے جس کی خوبی کی ایک علامت یہ بھی ہے۔ کہ بادی النظر میں یہ ترجمہ معلوم نہیں ہوتا۔

سید محمد عبداللہ

۳۔ صحیفۃ التکوین

(مصنفہ ہز ہائینس محمد ناصر الملک والیٔ چترال۔ ص ۲۷۰۔ طباعت کتابت اعلیٰ مصوّر ظاہری زیب و زینت کے لحاظ سے بہت عمدہ۔ قیمت ۲ روپیہ ۸ آنے۔ مجلد کی قیمت ۳ روپے ملنے کا پتہ۔ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور)

ایک مغربی محقق کا قول ہے۔ کہ گذشتہ ایک صدی کے دوران میں یورپ کے افکار و تصوّرات کو جس قدر ڈارون کے نظریۂ ارتقا نے متاثر کیا اتنا کسی اور خیال نے نہیں کیا۔ یہی وہ عقیدہ ہے۔ جس نے مذہب پر تنقید و تبصرہ کی تحریک کو تقویت دی۔ یہی وہ علمی مسئلہ ہے۔ جس نے یورپ میں "استعماری رجحانات" کو بڑھا کر ان کو ایک حقیقتِ ثابتہ بنا دیا۔ اور یہی وہ نظریہ ہے جس نے اس استعماری اجارہ داری کو قائم رکھنے کے لئے جنگی سپرٹ کو نشو و نما دی۔

۱۸ ویں ۱۹ ویں صدی میں، ایشیا کے ممالک میں مشرق و مغرب کی جو آویزش رونما ہوئی، اس کا ایک خاصہ یہ تھا۔ کہ یورپ نے مشرق اور مشرقیات کو بے حد متاثر کیا۔ اور یہ اثر سیاسیات کے علاوہ مذہب اور دینیات تک پر حاوی ہو گیا۔

اسلامی ممالک میں جدید گروہ نے مذہب اور سائنس میں تطبیق دینے کی کوشش کی اور وہ مسائل جن کی طرف خاص توجہ کی گئی۔ ان میں سے ایک مسئلہ ارتقا بھی تھا۔ اس گروہ میں سرسیّد اور علامہ شبلی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ہمارے اپنے زمانے میں جناب عنایت اللہ خان صاحب المشرقی نے اپنی کتاب "تذکرہ" میں "ارتقا" کے علمی اصول کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

جو حضرات علمی مسائل کو قرآن سے ثابت کرنے کے خیال میں منہمک ہیں۔ ان کی کاوشوں کو بعض اکابرِ علم زیادہ پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ سائنس کے اکتشافات اکثر نظری ہوتے ہیں۔ اور ان میں روز بروز تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ تاہم علمی رجحان رکھنے والوں کی طرف سے

قرآن مجید کے عمیق مطالعہ کا یہ شوق و شغف کچھ کم لائق تحسین نہیں ؛

ہز ہائینس والئے چترال ہمارے خاص شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے فرماں روائی اور علم دوستی کو باہم تطبیق دیتے ہوئے ایک ایسی کتاب لکھی ہے۔ جسے بجا طور پر اسلامی لٹریچر میں ایک بیش بہا اضافہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے ؛

"صحیفۃ التکوین" دراصل حیاتیات کے اہم مسئلہ کے متعلق ہے۔ جس میں کائنات کی تخلیق، زندگی کی ابتدا اور ارتقا سے بحث ہے۔ مصنف نے دیباچۂ کتاب میں اس امر کی وضاحت فرمائی ہے۔ کہ اس کتاب کی غرض و غایت یہ نہیں ہے کہ سائنسدانوں کے نظریات کو بزور تاویل قرآن مجید سے ثابت کیا جائے۔ بلکہ یہ اقدام اس حقیقت کی بنا پر ہے۔ کہ چونکہ سائنسدانوں کے بعض تجربات و مشاہدات، قرآن مجید کے ارشادات کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان مسائل کا بیان کر دینا یا ان کی تشریح کر دینا کسی طرح بھی قرآن مجید کی تقدیس اور بزرگی کے منافی نہیں۔ علی الخصوص جبکہ گذشتہ زمانے میں بعض اکابر ائمہ و صوفیہ نے بھی قرآن کی تشریح و توضیح کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ مثلاً امام فخر رازی امام راغب اصفہانی، و دیگر اشاعرہ کرام نے اپنے زمانے کے علمی مسلّمات کو قرآن کی روشنی میں بامعان نظر دیکھ کر اپنے نتائج تحقیق کو تصنیفات کی صورت میں پیش کیا ہے ؛

ہمیں یہ اقرار کرنا پڑتا ہے۔ کہ مصنف نے "مسئلہ ارتقا" کے متعلق جہاں تک کہ اسکا تعلق مغربی کشف حقایق سے ہے۔ گہری واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ پھر جہاں تک کہ اس کا تعلق آیات قرآنی کے ساتھ تطبیق سے ہے۔ وہ بھی کافی غور و تفکر اور مطالعہ کے اثرات کی حامل ہے۔ اگرچہ "نظم" علمی مسائل کے بیان کے لئے کوئی موزون اور تسلی بخش ذریعۂ اظہار خیال نہیں۔ تاہم موجودہ کتاب کے سلسلے میں کہا جا سکتا ہے۔ کہ شعر و قافیہ کی دشواریوں نے وضاحت کے راستے میں کوئی خاص مشکلات نہیں پیدا کیں ؛

یہ کتاب ارتقائے حیات کے مختلف مراحل کا جس شرح و بسط کے ساتھ ذکر کرتی ہے

اس کی جزئیات سے بحث کرنے کی یہاں گنجایش نہیں۔ ہم یہاں صرف ایک اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جس میں ہمارے فاضل مصنف اور شاعر نے سب کچھ کہنے کے باوجود دامن احتیاط کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا ؛

عام خیال تو یہ ہے۔ جو ڈارون کے نظریہ نسل انسانی کی ایک خاص بات ہے۔ کہ انسان اپنے ابتدائی ادوار زندگی میں بندر یا نسناس تھا یا اس سے مماثل تھا۔ اور اسی سے اس نے ترقی کی ہے۔ بظاہر یہ خیال قرآن حکیم کے عقیدہ خلافت بشری سے ٹکراتا نظر آتا ہے لیکن ناظرین ہمارے مصنف کی حس دینی سے ضرور متاثر ہوں گے۔ جب وہ مندرجہ ذیل اشعار میں حضرت ڈارون سے اختلاف کرتے دکھائی دیں گے :۔

در اروپا ڈارون فرزانہ لیک ازدین خدا بیگانہ
کرد او انکار ذات کبریا گفت از خود کرد عالم ارتقا
گفتۂ او را نسازی صرز جان نیست انسان ہرگز از بوزینگان
قربت انسان با بوزینہ نیست بین این دو رشتہ دیرینہ نیست

آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق ارشاد ہوتا ہے :۔

نزد من پیدائش ابو البشر بود چون عیسیٰ ز مادر بے پدر
ہر چہ خواہد خالق ارض و سما می شود ز انسان بلا چون و چرا

فاضل مصنف لکھتے ہیں۔ کہ میں نے ابلیس اور آدمؑ کے جنت سے نکلنے کے واقعہ کو بھی منظوم کیا تھا اور تمام اسرار کی پردہ کشائی کا ارادہ تھا۔ لیکن جمہور سے ڈر کر میں نے حذف کر دیا ہے۔

بہر تسکین دل ملائے من شد تلف آن لؤلؤئے لالائے من
آنچہ قرآن گفت آمنا بگو منکشف گردد در معنی بہ تو

وہ چھپے ہوئے اسرار جن کے متعلق آیات قرآنی نے صراحت نہیں کی اور فہم انسانی نے

مختلف ادوار میں انکے متعلق مختلف تصوّرات قائم کئے ہیں۔ مصنّف کی نظر سے اوجھل نہیں۔ ان میں مصنف کی ساری دلیل" واللہ اعلم بالصواب" پر ختم ہو جاتی ہے ،

جہاں کتاب میں بے شمار خوبیاں ہیں۔ وہاں ہمارے خیال میں اس بات کی بھی ضرورت تھی۔ کہ کتاب کے دیباچہ میں مصنف ذرا زیادہ عام فہم الفاظ میں مسئلہ ارتقا کی باریکیوں سے پردہ اٹھا دیتے۔ تاکہ علما کے علاوہ عوام بھی کتاب سے فائدہ اٹھاتے۔ کیونکہ یہ نظریہ جس قدر زیادہ مشہور ہے۔ اسی قدر مشکل اور پیچیدہ بھی ہے ،

امید ہے۔ کہ وہ فارسی دان حضرات جنہیں دینی اور علمی گتھیوں کے سلجھانے کا شوق رہتا ہے۔ اس کتاب کا خیر مقدم کرتے ہوئے مصنف کے ذوق اور جستجو کی داد دیں گے، دوسری طرف وہ ارباب علم جن کو خلق انسان کے متعلق مغربی نظریوں سے آگاہی مطلوب ہے اس کتاب سے ضروری معلومات حاصل کر سکیں گے ،

سید محمد عبداللہ

اسماء شعرا

(جن کا کلام لسان العرب میں درج ہوا ہے)

سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت نومبر ۱۹۳۷ء

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۴ عدد (۳)	بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۳۸ء	عدد مسلسل ۵۳

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	دیارِ عرب کے مغربی سیاح	ڈاکٹر عنایت اللہ ایم۔ اے، پی ایچ ڈی	۳
۲	عہدِ شمسی کا ایک مؤرخ شاعر	آغا عبدالستار خاں ایم۔ اے ریسرچ سکالر	۱۱
۳	بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ	ڈاکٹر موہن سنگھ صاحب دیوانہ ایم۔ اے	۲۵
	شیخ ابراہیم اور فرید ثانی		
۴	شبلی فکر جدید سے کیونکر روشناس ہوئے؟	سید محمد عبداللہ ایم۔ اے۔ ڈی لٹ	۳۸
۵	تنقید و تبصرہ	ادارہ اور دیگر صاحبان	۴۹
۶	فہرست اسماء شعرا جن کا کلام لسان العرب میں درج ہوا ہے	مولوی عبدالقیوم ایم۔ اے، میکلوڈ عرب	۹۷ تا ۱۳۶
		ریسرچ سٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی۔	
۷	مطلع السعدین (سلسلے کے لئے دیکھیں ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین بابت فروری سنہ ۱۹۳۶ء)	اڈیٹر	۲۲۵ تا ۲۴۰

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور بابو صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

نوٹ: ضمیمہ ہذا عرب کے مغربی سیاحوں کے متعلق ہے جو اس نمبر کے ساتھ تقسیم ہوا ہے۔

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد اس رسالے کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم شرقیہ کی تحریک کو تا حدِ امکان تقویت دی جائے۔ اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوقِ تحقیق پیدا کیا جائے۔ جو سنسکرت۔ عربی فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ؛

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں۔ غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائیں گے ؛

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصوں میں شائع ہوتا ہے حصہ اول عربی، فارسی، پنجابی (بحروف فارسی) حصہ دوم سنسکرت، ہندی، پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے ؛

وقت اشاعت و قیمت اشتراک یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست[1] میں شائع ہوگا ؛ سالانہ چندہ حصہ اُردو کے لئے ۴ر اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کے وقت وصول ہوگا کسی سہ ماہی کے رسالہ کے نہ پہنچنے کی شکایت رسالہ شائع ہونے کی تاریخ سے ایک ماہ کے اندر دفتر میں پہنچ جانی چاہیئے۔ ورنہ ایسی شکایت پر غور نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک ماہ کی مدت فروری و مئی و ستمبر اور نومبر کے آخر سے شمار کرنی چاہیئے ؛

خط و کتابت و ترسیل زر خریدِ رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ؛

محلِ فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ؛

قلم تحریر حصہ اُردو کی ادارت کے فرائض پرنسپل محمد شفیع ایم۔ اے، اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ؛

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اسلئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے ؛

دیارِ عرب کے مغربی سیّاح

(۱۱) سر رچرڈ برٹن

(Sir Richard Burton)

سر رچرڈ برٹن نے پچھلی صدی میں انگلستان میں بحیثیت ایک نڈر سیاح اور متبحر زبان دان کے بہت شہرت حاصل کی۔ وہ ایشیا اور افریقہ کے بعض ایسے کم غیر معروف حصّوں میں پہنچا جہاں ابھی تک کسی مغربی سیاح کا گزر نہیں ہوا تھا۔ یہاں ہمیں صرف اس کی سیاحت عرب سے سروکار ہے۔

برٹن ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں تھا۔ جبکہ اس نے عرب کی سیاحت کا ارادہ کیا۔ اپریل ۱۸۵۳ء میں وہ اسکندریہ پہنچا۔ یہاں اس نے نہ صرف مشرقی لباس اختیار کیا بلکہ شیخ عبداللہ نام اختیار کر کے مشرقی نشست و برخاست اور عربی طرزِ معاشرت کی عادت ڈالی۔ اسکندریہ سے قاہرہ آیا۔ تحریری عربی وہ اس سے پیشتر ہندوستان میں سیکھ چکا تھا۔ قاہرہ پہنچ کر اس نے مزید بول چال کی مشق پیدا کی اور بالآخر دیگر مصریوں کے ساتھ ایک چھوٹے سے جہاز میں سوار ہو کر ساحل حجاز کی طرف روانہ ہوا اور ینبوع کے بندرگاہ پر اترا۔ یہاں سے حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ مدینہ پہنچا اور ایک مدنی کے ہاں قیام کیا اور روضہ شریفہ۔ مسجد قبا اور دیگر مقدس مقامات کی زیارت کی۔ برٹن نے مدینہ کی آب و ہوا، وہاں کی مخلوط آبادی، باشندوں کے عادات و خصائل، طرزِ معاشرت اُن کے مکانات اور مشاغل کی اپنے سفرنامہ میں بہت دلچسپ تفصیل لکھی ہے۔ مدینہ سے وہ شامی قافلہ کے ساتھ جس میں تقریباً سات ہزار لوگ شامل تھے، درب الشرقی کے راستہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس سے پہلے اس راستہ سے کسی مغربی سیاح نے سفر نہیں کیا تھا۔ کیونکہ برکہارٹ اس سے پیشتر ساحل کے ساتھ ساتھ درب السلطانی کے راستہ سے گیا تھا۔

برٹن نے شہر مکہ، حرم شریف اور مناسک حج کی خوب تصویر کھینچی ہے۔ اس سے پہلے برکہارٹ ان کو تفصیلاً بیان کر چکا تھا۔ اس لئے برٹن کے لئے سوائے اس کے چارہ نہ تھا۔ کہ وہ برکہارٹ کی تفصیل کا اعادہ کرے۔ چنانچہ اس نے مؤخر الذکر کے صحت بیان کی بجا تعریف کر کے بالعموم اس پر صاد کیا ہے، اور اس کے بیان پر صرف چند ایسے مقامات کی تفصیل کا اضافہ کیا ہے۔ جو مکہ کے نواحی میں ہیں اور جن کو برکہارٹ نے نہیں دیکھا تھا۔

اختتام حج اور مکہ میں چندے قیام کرنے کے بعد برٹن جدہ کے راستہ سے واپس وطن لوٹا اور اپنے حالاتِ سفر میں ایک کتاب لکھی جس کا نام ذیل میں درج[1] ہے۔ اس کا سفرنامہ بذاتِ خود ایک اہم اور لائق یادگار کارنامہ تھا۔ مگر اس کا سفرنامہ بھی اس سے کچھ کم قابلِ ذکر نہیں۔ ملک عرب پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان پر برٹن کے سفر نامہ کو کئی لحاظ سے فوقیت حاصل ہے۔ جو شے برٹن کے مشاہدہ میں آئی، اس نے اس کی نوکِ قلم سے ہو بہو تصویر کھینچ دی ہے اور وہ عربوں کی جبلّت اور سرشت کو ایسی اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ ان کے اوضاع و اطوار۔ اور عادات و خصائل کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے میں غیر معمولی طور پر کامیاب ثابت ہوا۔ علاوہ ازیں اس کے زورِ بیان اور ظرافت کی چاشنی نے اس کے سفرنامہ کو اور بھی زیادہ دلآویز بنا دیا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے ایک ہسپانی عُرف علی بیگ، برکہارٹ اور دیگر اشخاص نے حرمین کی زیارت کی تھی مگر اُن کے نام اور کارنامے عوام کے ذہن سے اُتر چکے تھے۔ اور جب برٹن کا دلچسپ اور بدیع المثال سفرنامہ شائع ہوا تو عوام نے یہی خیال کیا کہ اہلِ یورپ میں سے برٹن پہلا شخص ہے، جسے اپنی زبان دانی، حوصلہ مندی اور جرأت کی بدولت مسلمانوں کے مقدس ترین مقامات کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔

مگر علمی اور جغرافی لحاظ سے برٹن کے سفر کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں۔ کیونکہ برکہارٹ اور دیگر سیاح حجاز میں سفر کر چکے تھے اور وہاں کے جغرافی اور معاشرتی کوائف بیان کر چکے تھے۔

---

[1] *A Pilgrimage to al-Medina and Mecca* (London, 1855)

برٹن کا اصل مقصد یہ تھا۔ کہ اگر ممکن ہو تو حجاز پہنچ کر وہاں ضروری ذرائع و وسائل حاصل کر کے ربع الخالی کو قطع کرے۔ مگر وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ خود بدویوں کا بھی اس بیابان میں گزر ہوتا ہے۔ لہٰذا اسے اپنے منصوبہ کو ترک کرنا پڑا۔ ربع الخالی کو قطع کرنا برٹن کے ہموطن برٹرم ٹومس کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

سفر حجاز کے تقریباً پچیس سال بعد برٹن کو ارض مدین میں تحقیقات کرنے کا موقعہ ملا۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔ کہ اگرچہ زمانہ قدیم میں مدین کے گرد و نواح میں مختلف قیمتی معدنیات خصوصاً سونے کی خاطر لوگ عرصہ تک کھدائی کرتے رہے تھے۔ مگر ان کی کھدائی محض سطحی تھی۔ اور معدنی ذخیرہ کے ختم ہو جانے کے سبب سے یا مناسب آلات کے موجود نہ ہونے کے باعث یہ کام مدت سے بند ہو چکا تھا۔ جن دنوں مصر میں خدیو اسمٰعیل پاشا حکمران تھا۔ ایک مصری تاجر اس علاقہ سے کچھ ریت لایا جس میں سونا ملا ہوا تھا۔ برٹن بھی اُن دنوں مصر میں تھا۔ اس نے فوراً یہ نتیجہ نکالا کہ مدین کے علاقہ میں اب بھی ضرور سونے کی کان ہوگی۔ خدیو کو جب ان حالات سے اطلاع ہوئی تو اس نے برٹن کو مدین جانے اور حکومتِ مصر کی طرف سے وہاں کھدائی کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ برٹن چند رفیقوں اور ایک حراستی دستۂ فوج کے ساتھ روانہ ہوا۔ مدین کے علاقہ میں پہنچ کر دیکھا کہ متعدد مقامات پر کھدائی کے نشانات موجود ہیں۔ مگر یہ کھدائی محض سطحی تھی۔ علاوہ ازیں اس نے اٹھارہ شہروں کے کھنڈر دیکھے جہاں صرف دیواروں کی بنیادیں اور بھٹیوں کے چند ایک نشان موجود تھے۔ یہاں اُسے کچھ قدیم سکے بھی ملے۔ مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہاں تانبا بھی کثیر مقدار میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ چاندی، سونے اور لوہے کے بھی آثار ملے۔ برٹن نے اپنے سفر مدین کے حالات اور نتائج تحقیقات کو حسب ذیل دو کتابوں میں قلمبند کیا ہے[1]۔

---

[1] *Gold Mines of Midian* (London, 1878);
The Land of Midian Revisited (London 1879);

برٹن نے بلاد الصومال اور وسط افریقہ کی بھی سیاحت کی تھی۔ علم جغرافیہ کے لحاظ سے یہ سفر خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ مگر اُن کا بیان ہمارے موضوع سے خارج ہے ۔

برٹن بحیثیت الف لیلہ کے مترجم کے بھی خاصی شہرت کا مالک ہے۔ اگرچہ اُس سے پہلے علاوہ دیگر فرنگی مترجموں کے اڈورڈ لین نے اس کا انگریزی ترجمہ تین جلدوں میں لنڈن سے ۱۸۴۱ء میں شائع کیا تھا۔ مگر یہ ترجمہ مکمل نہ تھا۔ کیونکہ لین نے یا تو بعض حکایات کو مختصر کر دیا تھا اور یا ایسے مقامات کو جہاں عریاں بیانی اور فحش نگاری تھی۔ بالکل قلمزد کر دیا تھا۔ برٹن نے نہ صرف اس مشہور مجموعہ حکایات کا من وعن ترجمہ کیا۔ بلکہ توضیح مطالب کے لئے اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر اسنے بہت سے حواشی کا اضافہ کیا۔ ان میں سے بعض حواشی ایسے معاملات پر ہیں۔ جو بالعموم معرض بحث میں نہیں آتے یا انہیں زبان قلم پر لانے سے احتراز کیا جاتا ہے ۔

(۱۲) پالگریو

(Palgrave)

پالگریو قومیت کے لحاظ سے انگریز اور باپ کی طرف سے یہودی النسل تھا۔ برٹن کے سفر حجاز کے تقریباً دس سال بعد دیار عرب میں وارد ہوا۔ اس کی سیاحت کا مقصد غالباً سراغرسانی اور جاسوسی تھا۔ کیونکہ وہ خود ہی اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے۔ کہ اس کے تمام اخراجات سفر کی کفالت نپولین سوم شہنشاہ فرانس نے کی تھی۔ ان دنوں نہر سویز کے اجراء کا مسئلہ درپیش تھا۔ ممکن ہے کہ شاہ مذکور کو اسی مناسبت سے دیار عرب کے سیاسی حالات دریافت کرنا مقصود ہو اور وہ سویز کے متصل علاقوں کے عربی شیوخ اور امیروں کو اپنا حلیف بنانا چاہتا ہو ۔

بہرحال پالگریو ایک شامی شخص کے ہمراہ عربی نام اور عربی لباس اختیار کر کے معان (جنوبی فلسطین) سے روانہ ہو کر وادی سرحان کے راستہ سے الجوف کے مشہور نخلستان میں پہنچا۔ اور وہاں اپنے آپ کو ایک شامی طبیب ظاہر کیا اور تقریباً تین ہفتے مقیم رہا۔ اس سے پہلے والن بھی الجوف

سے گذر چکا تھا۔ پالگریو نے الجوف کا جو بیان اپنے سفرنامہ میں دیا ہے۔ وہ وائن کے بیان سے بالعموم مطابقت رکھتا ہے۔ مگر زیادہ مفصل ہے۔ وہاں سے اس نے بنورشید کے پایۂ تخت حائل کا رُخ کیا اور راستہ میں صحراء نفود کو قطع کیا۔ پالگریو پہلا مغربی سیاح ہے جس نے وہاں کے فلج یعنی گھوڑے کی نعل کی شکل کے ریتیلے گڑھوں کو دیکھا اور نفود کے بیان میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ بعد کے سیاحوں نے اس قسم کے گڑھوں کے ساتھ جو اس صحرا کے خصوصیات سے شمار ہوتے ہیں زیادہ اعتناء کیا ہے۔ یہ گڑھے جن کو عرب لوگ فلج کہتے ہیں۔ کئی گز گہرے اور مدوّر شکل کے ہوتے ہیں۔ محققین کے درمیان ان کی اصل اور طرز ساخت میں اختلاف ہے۔ مگر قرینِ قیاس یہی امر ہے۔ کہ یہ گڑھے باریک اور گہری ریت پر زور دار ہوا کے مسلسل اثر سے پیدا ہوتے ہیں۔ فلج کی مخصوص شکل یہ ہے۔ کہ اس کی گہرائی کے تین اطراف بلند مدوّر ٹیلے سے محصور ہوتے ہیں۔ اور چوتھی جانب ہوا کے رُخ پر خالی ہوتی ہے۔ اس قسم کے گڑھے یا ٹیلے مغربی پنجاب کے ریتیلے علاقوں میں بھی چھوٹے پیمانہ پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

صحراء نفود کو قطع کر کے پالگریو بنو شمر کے علاقہ کے مشہور شہر حائل میں پہنچا۔ جہاں اُن دنوں بنو رشید کی حکومت تھی۔ حائل دو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ جن کے قدیم نام اجاؔ اور سلمیٰ ہیں اور جن کو آجکل مجموعی طور پر جبل شمر کہتے ہیں۔ کیونکہ ایک عرصہ سے قبیلہ شمر وہاں آباد ہے۔ بنو رشید نے حسن تدبیر سے ایک منظم اور پُر امن حکومت قائم کر رکھی تھی۔ جس سے وہاں کی آبادی میں روز افزوں ترقی اور فارغ البالی اور تجارت میں خوشحالی رونما تھی۔ پالگریو یہاں کئی ماہ تک مقیم رہا۔ اور چند مرتبہ حائل کے امیر کی خدمت میں بھی باریاب ہُوا اور اپنے اختیار کردہ پیشہ طبابت کے واسطہ سے اُسے وہاں کے تقریباً ہر طبقہ کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہُوا۔ اپنے سفرنامہ میں اس نے وہاں کے نخلستانوں، لوگوں کے ذرائع معاش اور ان کی گھریلو زندگی کو تفصیل سے بیان کیا ہے[1]۔

---

[1] Narrative of a Year's Journey through Central and Eastern Arabia (London 1865);

حائل سے پالگریو نجد کی طرف چلا اور علاقہ قصیم کے شہروں بُریدہ اور عنیزہ سے ہوتا ہوا نجد کے پایۂ تخت ریاض میں پہنچا۔ پالگریو وہاں سات ہفتے مقیم رہا اور وہاں کے مذہبی عقائد و اعمال، اور عام طرزِ زندگی کا مطالعہ کرتا رہا۔ بالآخر لوگوں نے اور خصوصاً اہلِ حکومت نے اُسے شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا۔ اندریں حالات وہ اپنے ساتھی کے ہمراہ ایک رات چپکے سے ریاض سے نکل پڑا اور مشرقی ساحل کا رُخ کیا۔

پالگریو شہری زندگی کا عادی اور طبعاً ایک آسایش پسند شخص تھا۔ چنانچہ اس نے ساحلی علاقہ کے نخلستانی شہروں مثلاً خصوف، حسا اور قطیف وغیرہ میں جہاں کے لوگ نسبتاً خوشحال، حضری زندگی کے ناز و نعمت کے خوگر اور وہابیت کے تشدد سے نفور تھے۔ بڑے مزے کے دن گذارے پالگریو نے اپنے سفرنامہ میں ان کی طرزِ زندگی کو تفصیلاً بیان کیا ہے اور اُن کی معاشرت کی تعریف میں رطب اللسان ہے مگر اہلِ بادیہ کے لئے اس کے پاس کسی قسم کی ہمدردی یا ستائش نہیں۔

علم جغرافیہ کے لحاظ سے پالگریو کی سیاحت کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ اس نے کوئی بڑا اکتشاف نہیں کیا۔ بلکہ مختلف اقطاعِ عرب کی جو جغرافی کیفیت اس نے لکھی ہے بعد کے سیاحوں کے بیان سے مقابلہ کرنے پر مشکوک ٹھہرتی ہے۔ یا تو وہ خلافِ حقیقت ہے یا مبالغہ آمیز۔ اس کی زیادہ تر یہی وجہ ہے کہ سیاحت میں اس کے پیشِ نظر کوئی علمی غرض نہ تھی۔ دورانِ سفر میں اس نے جغرافی تحقیقات اور علمی تدقیقات سے سروکار نہ رکھا تھا اور واپسی پر اپنا سفرنامہ محض اپنے حافظہ کی بنا پر لکھا تھا۔

حضری عربوں کی معاشرت اور عادات کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ مصنف کے دلآویز اندازِ بیان کے سبب سے بہت دلچسپ ہے اور بعد کے سیاحوں نے اس کی تصدیق بھی کی ہے۔ مگر افسوس کہ ملک کے جغرافیہ اور دیگر امور کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے۔ اس پر کلیتہً اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

(۱۳) گوارمانی

(Guarmani)

پالگریو کی سیاحت کے تھوڑی ہی مدت بعد ایک دیگر مغربی سیاح (گوارمانی) کو تقسیم کے علاقہ تک ان تمام دیارِ عرب میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ جہاں پالگریو کا گذر ہوا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے۔ کہ شہنشاہِ فرانس کو (غالباً پالگریو کی رپورٹ کا واسطہ سے) اپنے اصطبل کے لئے عربی نسل کے اصیل گھوڑوں کو اُن کے اصلی وطن سے منگوانے کا شوق چرایا۔ ان کی خرید کے لئے اس کی نگاہِ انتخاب گوارمانی پر پڑی جو قومیت کے لحاظ سے اطالوی تھا اور القدس (یروشلم) میں ایک مغربی حکومت کے گماشتہ کی حیثیت سے ایک عرصہ دراز تک مقیم رہ چکا تھا۔ بلکہ اس سے پیشتر بھیس بدل کر وہ اندرونِ عرب میں الجوف تک سفر بھی کر چکا تھا۔

چنانچہ ۱۸۶۴ء کے آغاز میں اس نے اندرونِ عرب کا راستہ لیا۔ شام کے مشرق میں قبیلہ رُوَلہ آباد ہے۔ چونکہ اس قبیلہ اور اس کے سردار کے ساتھ اس کے اچھے مراسم تھے۔ اس لئے اُن کی حفاظت اور حمایت میں صحرائے نفود کے کنارے ہوتا ہوا وہ جلد تیماء تک جا پہنچا۔ اور وہاں مسلمانی وضع اختیار کر کے اپنا نام خلیل آغا رکھا اور اپنے آپ کو ترک ظاہر کیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ میں والیٔ دمشق کا گماشتہ ہوں اور سلطانی اصطبل کے لئے گھوڑے خریدنے آیا ہوں۔ تیماء کے جنوبی حرّہ کو قطع کر کے گوارمانی خیبر کے مقام پر پہنچا۔ وہ پہلا مغربی سیاح ہے جو اس مشہور اور قدیم نخلستان میں وارد ہوا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں اتنے حبشی آباد ہیں کہ وہ بلاد السودان کا ایک قطعہ معلوم ہوتا تھا۔ امیر حائل کی طرف سے وہاں ایک حبشی امیر مقرر تھا۔ جو گوارمانی کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا۔ چونکہ یہاں گھوڑے نہ تھے اسلئے اس نے قصیم کا رُخ کیا۔ یہاں عُنیزہ میں عبداللہ نجدی ڈیرے ڈالے ہوئے تھا۔ اس نے نووارد کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا اور معاندانہ انداز اختیار کیا۔ اسلئے گوارمانی کو مجبوراً واپس حائل آنا پڑا۔

حائل اور اس کے نواحی میں گوارمانی بلا روک ٹوک پھرتا رہا۔ اگرچہ اس سے پہلے والن اور پالگریو بھی حائل میں رہ چکے تھے۔ مگر اُن کی واقفیت اور علم صرف حائل کے شہر اور وہاں کے باشندوں تک محدود تھا۔ مگر گوارمانی نے جبل شمر کے نواحی میں تمام قریوں اور قبیلہ شمر کے بدویوں کو چل پھر کر دیکھا۔ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جبل شمر کے مغرب میں بہت سے قریے ہیں جو دراصل قبیلہ مذکور کی قوت و اقتدار کا اصلی مرکز ہیں ؛

وایسی پر گوارمانی نے اطالوی زبان میں اپنا سفرنامہ لکھا۔ جس کا عنوان ذیل میں درج ہے اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس میں اس نے اپنے فراہم کردہ جغرافی معلومات اور دیگر ذاتی مشاہدات اور واقعات بے کم و کاست صحیح صحیح قلمبند کئے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ سیاحت میں علاقہ شمر میں ایسا امن و امان قائم تھا کہ وہاں کا سفر و سیاحت اس کے وطن اٹلی سے بھی زیادہ بے خطر تھا۔ گوارمانی نے اگرچہ پالگریو کی طرف اشارہ نہیں کیا مگر بہت سی باتوں میں اس کے سفرنامہ سے پالگریو کے بیانات کی تصحیح ہوتی ہے۔ چونکہ اسے شمالی نجد میں اِدھر اُدھر کئی دفعہ آنے جانے کا اتفاق ہوا اور اس کے پاس ایک اچھی کمپاس (قطب نما) بھی تھی۔ اسلئے اس کی اطلاعات سلسلہ ہائے کوہ کے رُخ اور مقامات کے محل وقوع اور ان کے باہمی فاصلہ کے متعلق اپنے پیشرو سیاحوں کے بیانات کی نسبت زیادہ درست اور قابل اعتماد ہیں۔ اسی لئے اس کے بیانات اور فراہم کردہ معلومات جغرافیہ نگاروں کے لئے شمالی نجد اور شمالی حجاز کا نقشہ تیار کرنے میں بہت مفید ثابت ہوئی ہیں ؛

عنایت اللہ

(ملتان)

Carlo Guarmani, Il Neged settentrionale:
Itinerario da Gerusalemme a Aneizeh nel Cassim (Jerusalem, 1866)
Northern Nejd, translated by D. Carruthers. (London, 1917);

عہدِ شمسی کا ایک مؤرخ شاعر

مولانا منہاج الدین ابو عمر عثمان بن مولانا سراج الدین محمد العجوبۃ الزمان بن مولانا منہاج الدین عثمان بن ابراہیم بن عبد الخالق الجوزجانی طبقاتِ ناصری کے مؤلف جو منہاج سراج منہاج کے مختصر نام سے مشہور ہیں۔ اعلےٰ پایہ کے مؤرخ ہونے کے علاوہ فن شعر میں ایک خاص رتبہ رکھتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ان کا کوئی دیوان موجود نہیں اور اگر موجود تھا بھی تو زمانہ کی دستبرد سے ہم تک نہیں پہنچا۔ غالب احتمال یہی ہے کہ نہیں تھا۔ اسلئے کہ ان کے معاصرین یا خود مؤلف نے جہاں اپنے حالات یا دیگر امور کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اس کے متعلق اشارۃً تک بھی نہیں کیا۔ ہاں یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ایک بلند رتبہ شاعر تھے۔ کیونکہ ان کی تالیف میں نہ صرف مدحیہ قصائد ملتے ہیں۔ بلکہ بعض موقعوں پر چند رباعیات اور قطعات بھی نظر آتے ہیں۔ زمانۂ حبس کی ایک نظم کے چند اشعار بھی دستیاب ہوتے ہیں۔ یہ مجموعہ اس فن میں ان کی مہارت تامہ پر کافی دال ہے ؛

منہاج سراج منہاج کی زندگی کے مکمل حالات ان کی اپنی زبانی جا بجا طبقات میں ملتے ہیں۔ میجر راورٹی نے نہایت کد و کاوش سے انہیں یکجا جمع کر کے اپنے انگریزی ترجمہ طبقات جلد دوم کے خاتمہ میں درج کر دیا ہے اور جن کا اعادہ یہاں محقق کی نظر میں اگرچہ نامناسب معلوم ہوگا۔ لیکن اس موقع پر جبکہ مولانا کی شاعری کا تبصرہ منظور ہے۔ یہاں ان حالات کا بر سبیل اختصار تذکرہ ناموزوں نہ ہوگا ؛

مصنف کے اپنے بیان کے مطابق ان کے والد جو اس وقت فیروزکوہ میں سلطان غیاث الدین محمد سام کی خدمت میں تھے۔ ۵۹۱ھ میں سلطان بہاؤ الدین سام والئے بامیان و طخارستان کی خواہش پر سلطان غیاث الدین سے اجازت لے کر بامیان چلے آئے۔ یہاں بڑا اعزاز پایا اور قاضی فوج کے عہدے پر سرفراز ہونے کے علاوہ دو مدرسوں اور ان کے اوقاف کے

متولی قرار دیئے گئے اور حسن خدمات کے صلہ میں انعام واکرام سے بھی مالامال ہوئے - یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ہمارے مولانا کی عمر تین برس کی تھی ؛

ان کی والدہ سلطان غیاث الدین محمد سام کی دختر شہزادی ماہ ملک الملقب بہ جلال الدنیا والدین کی دودھ شریک اور ہم مکتب تھی اور چونکہ وہ شہزادی کی خدمت میں رہتی تھی - اس لئے مولانا نے بھی شاہی حرم کی فضا میں پرورش پائی اور یہاں ہی تربیت حاصل کی اور سن بلوغ تک اسی بارگاہ میں رہے[1] - چنانچہ ایک موقع پر بسبیل تذکرہ فرماتے ہیں - کہ ۶۰۷ھ میں میں فیروزکوہ میں سلطان کے محل کے دروازے پر کھڑا تھا - جب امیر منکورس زرد سوار خوں چکاں توبرہ لٹکائے - ملک رکن الدین محمود کا سر نیزہ میں ڈالے آیا اور محل کے اندر داخل ہو گیا[2] ؛

۶۲۴ھ میں جب ان کی عمر بروئے حساب ۳۵ سال کی بنتی ہے - وہ پہلی مرتبہ ہندوستان پہنچتے ہیں[3] ؛

ناصر الدین محمود کی تخت نشینی کے موقع پر جو ۶۴۴ھ میں وقوع پذیر ہوتی ہے - ایک مدحیہ قصیدہ لکھتے ہیں[4] ؎

بیست سالست تا کہ منہاج سراج خستہ را
در دعا گوئی ایں حضرت فراز پاشش است

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ان کو ہندوستان میں رہتے بیس سال گذر چکے تھے ؛

خود منہاج سراج منہاج نے اپنی تاریخ پیدائش کا کہیں ذکر نہیں کیا - مگر سہ سالگی اور نہ زدہ سالگی[5] کے حساب سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی پیدائش ۵۸۹ھ کے قریب ہوئی - یہ وہ زمانہ ہے - جب ان کا خاندان سلطنت کے پایہ تخت فیروزکوہ میں مقیم تھا اور سلطان غیاث الدین محمد سام کی حکومت کا دور تھا - ۵۹۱ھ میں ان کے والد تو بامیان کی طرف چلے گئے - لیکن مولانا اپنی والدہ کے ساتھ شہزادی ماہ ملک کے محل میں رہے اور شہزادی کے التفات سے شاہی حرم میں امیرزادوں کی طرح

---

[1] طب ۱۰۳ [2] طب ۸۵، ۱۲۸ [3] طب ۸۸ [4] طب ۱۴۲، ۱۷۲ [5] طب ۲۰۲ [6] طب ۱۰۱ - [7] طب ۸۸

پرورش پاتے رہے۔ شہزادی ماہ ملک خود علم دوست تھیں۔ انہوں نے محل میں ایک کتب خانہ بھی جمع کر رکھا تھا۔ اس کتب خانہ میں مولانا نے ۶۰۲ھ میں فخر الدین مبارک شاہ مروروذی کی کتاب منظوم "نسبت نامہ" دیکھی تھی[1]۔ جیسا کہ وہ اپنی تالیف میں ذکر کرتے ہیں۔ ان بعض مشاہدات سے ظاہر ہے کہ وہ چودہ سال تک شاہی محل میں زیر سرپرستی ملکہ ماہ ملک تربیت پاتے رہے۔ بلکہ ۶۰۷ھ میں بھی ہم انہیں ان کے بیان کے مطابق فیروزکوہ میں مقیم دیکھتے ہیں:

مولانا نے مختلف مقامات کا سفر کیا ہے۔ چنانچہ ۶۱۷ھ میں وہ حصار تولک میں موجود ہیں اور ان کے بھائی شہر و حصار فیروزکوہ میں[2]۔ تو ۶۱۸ھ میں ولایت کزلیو تمران میں۔ پھر اسی سال غور واپس آتے ہیں[3]۔ اس کے بعد ۶۲۱، ۶۲۲ھ میں دو بار حصار تولک سے رسالت کے فرائض انجام دینے کے لئے قہستان جاتے ہیں اور تیسری بار ۶۲۳ھ میں ملک رکن الدین بختیار کی طرف سے ملک تاج الدین بنا لنگین شاہ سیستان کے پاس پہنچتے ہیں۔ اور ان کی طرف سے اسی سال بادشاہ قہستان کے ہاں سفیر بن کر جاتے ہیں۔ مگر وہاں سے پھر خبیصار میں ملک رکن الدین کے پاس اقامت گزین ہوتے ہیں۔ لیکن اسی سال ہندوستان کے سفر کا عزم کر کے ملک سے اجازت لے کر سامان سفر کی خریداری کے لئے فراہ میں پہنچتے ہیں۔ اس وقت بنا لنگین قہستانی ملاحدین سے جنگ کر کے شکست خوردہ آتا ہے اور چاہتا ہے کہ معارف سے کسی فرد کو شمس الدین مختشم فرمانروہ قہستان سے مصالحت و معاہدہ کرا دینے کے لئے بھیجے مگر اس کے ملازمین میں سے اس کام پر جانے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ اتنے میں اسے مولانا کے فراہ کے قریب پہنچنے کی خبر ملتی ہے۔ وہ ایک ساز والا گھوڑا اور امراء اور ملازمین کو ان کے استقبال کے لئے روانہ کرتا ہے۔ اور مولانا کو اپنے پاس بلاتا ہے اور انہیں سفیر بنا کر ملک رکن الدین کو ان کے ہمراہ کرتا ہے۔ مختشم اس وقت نیہ میں اپنے لشکر کے ساتھ تھا۔ مولانا قہستان سے نیہ واپس آتے ہیں اور شرائط صلح طے کر کے واپس لوٹتے ہیں۔ بنا لنگین انہیں دوبارہ جانے کے لئے کہتا ہے۔

---

[1] طب ص ۲۸ [2] طب ص ۳۴۴ [3] طب ص ۱۵۲، ۳۴۴

لیکن وہ انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ قید میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ مگر ملک رکن الدین کی مداخلت سے رہائی حاصل کرتے ہیں[1]۔

۶۲۴ھ میں وہ خراسان سے غزنی اور سمقان [بنیان (راورٹی)] کے راستے کشتی کے ذریعہ روز سہ شنبہ ۲۶ جمادی الاولیٰ کو اُچہ پہنچتے ہیں۔ اسی سال ذی الحجہ کے مہینے میں اُچہ کے مدرسہ فیروزی کی عنان انتظام ان کے سپرد کر دی جاتی ہے اور ساتھ ملک ناصر الدین قباچہ کے صاحبزادے بہرام شاہ کی افواج کے قاضی مقرر ہوتے ہیں۔ یکم ربیع الاولیٰ ۶۲۵ھ کو شمس الدین التمش کی افواج اُچہ کی طرف پیشقدمی کرتی ہیں اور ۲۷ جمادی الاولیٰ کو اُچہ اور ۲ جمادی الآخر کو قلعہ بکر فتح ہوتا ہے۔ اس کے بعد شاہی فوجیں رمضان ۶۳۵ھ میں دہلی روانہ ہوئیں اور مولانا بھی سلطان کے ساتھ دہلی آ گئے۔ جہاں ۶۳۹ھ تک مقیم رہے[2]۔ اسکے بعد گوالیار کی مہم پر سلطان کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ گیارہ ماہ تک گوالیار کا محاصرہ جاری رہا۔ اس اثنا میں مولانا نے ۹۵ مرتبہ تذکیر گوئی کی[3]۔ ان مجالس میں خود سلطان حاضر ہوتا۔ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر مولانا نے سلطان کے حکم سے امامت نماز کا فرض ادا کیا اور خطبہ پڑھا۔ سلطان نے خلعت سے سرفراز کیا۔ ۲۶ ماہ صفر ۶۳۰ھ کو قلعہ گوالیار فتح ہوا اور مولانا وہاں کے قاضی خطیب۔ امام، محتسب اور باقی تمام امور شرعیہ کے حاکم مقرر ہوئے اور تشریفات فاخرہ اور انعامات وافرہ عطا ہوئے[4]۔

۶۳۵ھ میں بعہد سلطان رضیۃ الدین وہ گوالیار سے دہلی چلے آئے اور اسی سال شعبان کے مہینے میں سلطان نے دہلی کے مدرسہ ناصریہ کا انتظام اور عہدۂ قضائے گوالیار ان کے سپرد کئے[5]۔

۶۳۷ھ میں معز الدین بہرام شاہ بن التمش تخت نشین ہوا۔ امراء و وزراء نے حلف وفاداری اٹھایا۔ سلطان کو سیدھا سادھا حاکم سمجھ کر وزیر نے من مانی کارروائیاں کرنی شروع کیں۔ سلطان کو

---

[1] طب ص ۳۶، ۴۱۴، ۴۱۶ [2] طب ۱۴۲، ۱۴۴ [3] طب ۱۷۵ [4] طب ۱۷۵، ۲۴۹ [5] طب ۱۸۸، ۲۵۶

علم ہوا تو بہت جھنجھلایا اور عنان سلطنت سنبھالنے کے درپے ہوا - دو سال تک برابر عجیب فتنے برپا رہے - ۶۳۹ھ میں لاہور پر مغلوں کی یورش ہوئی جس میں وہ کامیاب ہوئے۔ سلطان نے یہ خبر سنی تو سراسیمہ ہوا اور لوگوں کی ہمدردی بروئے کار لانے کے لئے دہلی میں قصر سفید میں ایک اجتماع کروایا - جہاں مولانا کو وعظ کرنے کا حکم دیا - اس کے بعد سلطان نے مولانا کو شنبہ کے دن ۱۰ جمادی الاولی ۶۳۹ھ میں پہلی بار دہلی کا بلکہ تمام قلمرو کا قاضی مقرر کیا اور تشریف وعواطف سے ممتاز کیا[1] اسی سال دہلی میں فساد برپا ہوا - سلطان کی زندگی خطرہ میں پڑ گئی - مولانا نے اور دوسرے امرا نے اس فتنہ کے فرو کرنے میں پورا پورا حصہ لیا لیکن بے سود رہا - خود مولانا پر قاتلانہ حملہ ہوا - چونکہ مسلح تھے - اس لئے حملہ آور کو جرات نہ ہوئی[2]

مولانا اس صورت حالات میں ۶۴۰ھ میں لکھنوتی چلے جاتے ہیں[3] - جہاں سے ۶۴۳ھ میں دوشنبہ ۴ ارماہ صفر کو طغانخان کی معیت میں واپس دہلی آتے ہیں - اسوقت علاؤالدین مسعود شاہ بن رکن الدین فیروز شاہ سریر آرائے دہلی تھا - الغ خان اعظم کی سفارش پر پنجشنبہ ۱۷ ارماہ صفر ۶۴۳ھ کو یعنی تین روز بعد حدود دہلی - مدرسہ ناصریہ اور اس کے اوقاف کی تولیت اور گوالیار کی قضا اور جامع مسجد کی تذکیرات پہلے کی طرح ان کے سپرد ہو گئیں اور ایک گھوڑا مع زین خلعت میں مرحمت ہوا[4]

یکشنبہ ۲۳ محرم ۶۴۴ھ کو سلطان ناصر الدنیا والدین محمود بن التمش تخت سلطنت پر متمکن ہوا - اس بادشاہ کے زمانہ میں مولانا دو بار قاضی ممالک ہندوستان مقرر ہوئے - ایک دفعہ ۶۴۹-۶۵۱ھ اور دوسری دفعہ ۶۵۳ھ میں - اور ۶۵۲ھ میں 'صدر جہاں' کے خطاب سے سربلند ہوئے[5] - مولانا نے اور بھی دیگر سیاسی واقعات میں حصہ لیا ہے جن سے ہمیں ان کی بلند شخصیت کی شناخت میں بہت مدد ملتی ہے - اور ثابت ہوتا ہے کہ یہ اپنے زمانہ کی بلند پایہ ہستی تھے ؛

---

[1] طبقات ۱۹۵ [2] طبقات ۱۹۶-۱۹۷ [3] طبقات ۲۴۳-۲۴۴-۲۶۳ [4] طبقات ۲۰۰ [5] طبقات ۲۱۹ ؛

وہ طبعاً خدا دوست تھے اور اہل اللہ کی صحبت میں کافی وقت گذارتے۔ غوثی نے اپنے تذکرہ گلزار ابرار میں انہیں مشائخ کے زمرہ میں شامل کیا ہے اور اس امر پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ کیوں مولانا نے اپنی تاریخ میں اولیاء کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ اعتراض صوفیانہ نقطۂ نظر سے ہے۔ طبقات مولانا مؤرخ کی حیثیت سے لکھنے بیٹھے تھے اور اس میں انہوں نے ایک تاریخ دان کے فرائض بجالانے کی کوشش کی ہے اور یہی شاید مناسب بھی تھا ؛

۶۵۸ھ میں انہوں نے طبقات کو ختم کر دیا[1]۔ اور اپنے بادشاہ ناصر الدین محمود ۶۴۴ھ تا ۶۶۴ھ کے نام پر اسے معنون کیا[2] اور اس کے نام پر ہی اس کا نام طبقات ناصری رکھا۔ اس کا کچھ حصہ الغ خاں اعظم کی خدمت میں جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے ہندوستان کا فرمانروا ہوتا ہے۔ پیش کیا تو اس نے بیس ہزار جیتل اور بہت کچھ انعام مرحمت فرمایا۔ خود سلطان ناصر الدین نے اس تالیف کے پیش ہوتے وقت اپنے کندھے کی چادر اتار کر مولانا کے کندھے پر ڈال دی اور انعام میں ایک گاؤں اور دس ہزار جیتل دیئے جانے کا حکم دیا[3] ؛

۶۵۸ھ کے بعد مولانا کے واقعاتِ حیات و ممات کی بابت ہم کو کوئی اطلاع نہیں۔ تکمیل کتاب کے وقت ان کی عمر ۶۹ سال کی ہوتی ہے۔ اگرچہ وعدہ کیا ہے کہ زندگی رہی تو باقی حالات بھی سپرد قلم کئے جائیں گے[4]۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ ان کو موقع نہ ملا۔ جس سے ہم خیال کرتے ہیں کہ طبقات کے عنقریب بعد وہ رحلت گرائے عالم جاودانی ہوئے۔ سید علی حسن نے اپنے تذکرہ[5] میں ان کی عمر ہشتاد و چہار سال لکھی ہے۔ اگر یہ روایت کسی صحیح ماخذ پر مبنی ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا پندرہ سال اور جیئے۔ لیکن نہ معلوم یہ وقت کہاں گذارا۔ اور کیا کرتے رہے ؛

اب وقت آگیا ہے۔ کہ ہم مولانا کی شاعری پر ایک نگاہ ڈالیں۔ بدقسمتی سے یہ موضوع عدم دستیابی مواد کی بنا پر بہت کچھ تشنہ رہتا نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں مولانا کی کوئی یادگار باقی نہیں

---

[1] طبقات ۳۶۶-۳۵۲ [2] طبقات ۴ [3] طبقات ۴۵۲ [4] طبقات ص ۲۲ [5] صبح گلشن ؛

یہ وہ زمانہ تھا۔ جب خاندان شمسی کی حکومت کی ابھی ابتدا تھی اور ان کی تمام تر توجہ نئی فتوحات اور قیام سلطنت اور انتظام مملکت کی طرف مبذول تھی۔ ایسی مصروفیت کے وقت میں سلاطین کا طبقۂ شعرا کی طرف متوجہ ہونا قدرے مشکل تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہم کو اس زمانے کی شعری یادگاریں کم دستیاب ہوتی ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ کسی شاعر کا دیوان تک نہیں ملا۔ تاج الدین ریزہ، محمد عوفی، حسن نظامی مصنف تاج المآثر اور سلطان ناصر الدین قباچہ کے دربار کے چند شعراء کے اشعار نہایت قلیل تعداد میں ملے ہیں +

اسی جماعت میں ہمارے مولانا کا بھی شمار ہونا چاہیئے۔ ان کو اول تو ہندوستان کے عہدۂ قضا وتذکیر و درباداری سے ہی فرصت نہیں تھی اور جو وقت ان سے بچتا۔ دیگر امور کے علاوہ تصنیف وتالیف میں صرف ہوتا۔ 'ناصری نامہ' لکھا اور 'طبقات ناصری' تالیف کی۔ ان مشاغل کے ساتھ ساتھ ہم خیال کرتے ہیں۔ شعر گوئی کا مشغلہ بھی موقع بموقع جاری تھا۔ اگرچہ شعر گوئی ان کا پیشہ نہیں تھا۔ لیکن تذکیر گوئی کی طرح یہ فن بھی ان کو اپنے والد سے ورثہ میں ملا تھا۔ ان چند لفظا سے جو ہمیں طبقات اور دیگر تذکیروں سے ملتے ہیں۔ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ فن شعر میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے اکثر قصائد سے جو سلاطین کی تخت نشینی کے موقعوں پر انہوں نے تصنیف کئے اور جن کا بہت کم حصہ بدقسمتی سے ہم تک پہنچا ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ درباری شاعر بھی تھے +

مولانا کی طبیعت کا رجحان شعریات کے علاوہ تصوف کی چاشنی سے بھی ذوق یاب تھا ان کی مجالس تذکیر میں جو نہایت دلچسپ ہوتیں اور جن میں لوگوں کا کثرت سے ہجوم رہتا۔ انکی رباعیات جو تمام کی تمام صوفیانہ خیالات سے مملو تھیں حاضرین کے قلوب کو جذب کرنے میں ایک خاص تاثیر رکھتی تھیں۔ مولانا عبدالحق محدث دہلوی کا قول ہے "شیخ قاضی منہاج جرجانی صاحب طبقات ناصری بزرگ بود واز افاضل روزگار از اہل وجد وسماع بود۔ چوں قاضی شد این کار استقامت گرفت"[1] +

[1] اخبار الاخیار ص ۹۰

شیخ نظام الدین اولیاء (۶۳۴-۷۲۴ھ) فرماتے ہیں۔ کہ میں ہر دوشنبہ کو ان کی مجلس تذکیر میں حاضر ہوتا۔ ایک دن حسب معمول ایک تذکیر میں شامل تھا۔ مولٰنا نے یہ رباعی پڑھی ؎

لب بر لب لعل دلبران خوش کردن　　وآہنگ سر زلف مشوش کردن
امروز خوش ست ولیکن فردا خوش نیست　　خود را چو خسی طعمۂ آتش کردن

میں سنتے ہی بے خود ہو گیا اور تقریباً ایک ساعت اسی طرح بے ہوشی کی حالت میں پڑا رہا[1]۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منبر پر ان کے وعظ و تذکیر نرے خشک مسائل شرعیہ کے بیانات کے حامل نہیں ہوتے تھے بلکہ مولٰنا اپنے شعر و سخن کی امداد سے بڑی حد تک ان کو پُر ذوق و پُر لطف بنا دیتے تھے۔ سلطان ناصر الدین محمود کی سلطنت کے دائمی قیام کے لئے دعا کرتے ہوئے یہ رباعی طبقاتِ ناصری میں لکھتے ہیں[2] ؎

شہ را خضر از جام ساقی باد　　ایوان درش چو چرخ نہ طاقی باد
نام طبقات تا در جہاں باقیست　　محمود شہ ناصر دیں باقی باد

مولٰنا کے قصائد اپنے انداز اور اپنی نوعیت میں ایک جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سلاست اور روانی موجود ہے۔ ان کی بندش قدما کی طرح پیچدار نہیں ہوتی۔ اگرچہ بعض وقت ان میں مشکل الفاظ آجاتے ہیں۔ ان قصائد کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تشبیب و تمہید کی پابندی سے آزاد ہیں۔ طوالت اور حشو و زوائد سے پاک ہیں۔ کل قصیدہ بغیر تکلفات کے سیدھے سادے طریق سے چند مدحیہ اشعار پر ختم ہو جاتا ہے ؛

اب ہم ان قصائد کا ذکر کریں گے جو مولٰنا نے مختلف مواقع پر کہے۔

ملک ناصر الدین ابوبکر بن سیف الدین سوری بن ملک شہاب الدین بن حسین حاکم مدائن غور کی خدمت میں مولٰنا نے چند سال گذارے اور ۶۱۸ھ میں غالباً جب وہ غور کی طرف روانہ ہونے والے تھے تو ملک ناصر الدین سے ایک طولانی قصیدہ کے ذریعے جس میں اپنی شادی کے

---

[1] اخبار الاخیار ۹۱　[2] طب ص ۲۵۲　[3] طبقات میں "شہاب" لکھا ہوا ہے۔ جو نہ عروض سے اور نہ معنی کے لحاظ سے ٹھیک بیٹھتا ہے ؛

حالات بھی درج کئے تھے - ایک گھوڑے کے عطیہ کے لئے درخواست کی - ملک وہ قصیدہ پڑھ کر بہت خوش ہوا اور ان کی استدعا کے مطابق ایک سہ سالہ زردہ اسپ عنایت کیا ؛

افسوس ہے - کہ مولانا نے اپنے اس دلچسپ قصیدہ کا ایک شعر بھی کہیں درج نہیں کیا ۶۲۳ھ میں جب مولانا نیالتگین کی سفارت پر قہستان جانے سے انکار کرتے ہیں اور ۴۳ بن کے لئے قید کر دیئے جاتے ہیں - مولانا نے اپنے قید کے حالات پر مشتمل ایک حبسیہ قصیدہ نہایت دلکش پیرایہ میں قلمبند کیا[1] - یہ قصیدہ چونکہ کتاب کی تالیف کے وقت موجود نہ تھا اسلئے صرف ان چند اشعار پر ہی اختصار کیا ہے ؛ -

تا کی بلور اشک مرا چرخ زمردی — بر کہربا ہی روی دھدلون لبدی
آہم چو دود عود قماری است بی عجب — ای آب دیدہ گر تو گلاب مصعدی
بی دود سیر یرتم سیہ ونی بدی چرا[2] — محبوسم و اسیر بکوہ صفہندی (صفیدی)
سیمرغ نیستم من و این کہ نہ کوہ قاف — طوطی وحبس خوش نبود تا بسر بدی
منہاج راہ راست تو در رہ کشادہ بہ — بر قلعہ راہ راست نیاید ز مسندی

۶۳۷ھ میں جب معزالدین بہرام شاہ تخت پر بیٹھا اور امراد ملوک نے بیعت کی منہاج بھی اس زمرہ میں شامل تھے - چنانچہ بیعت کے موقع پر یہ قصیدہ سلطان کی تعریف میں لکھ کر خدمت میں پیش کیا[3]

زہی در شان تو منزل ز لوح آیات سلطانی — ببین در رایت شاہی علامات جہانبانی
معزالدین والدنیا غیث الخلق تا خلقی — سلیمان سانت در فرمانست ہم انسی و ہم جانی
اگر سلطانی ہند است ارث دودہ شمسی — بحمد اللہ ز فرزندان تو ئی التمش ثانی[4]

---

[1] طب ص ۴۷ [2] قلمی نسخہ میں " نی شہرست و نی بدی چرا " - میں یہ لکھا ہے - میں اس کی تصحیح سے عاجز ہوں ؛ [3] طب ص ۱۹۱ ؛ [4] اپنے طبقات کے مطبوعہ نسخے میں سب جگہ التمش مرقوم ہے - لیکن اشعار بالا میں عروض کے لحاظ سے یہ نام التمش صحیح ہے - افسوس ہے کہ تمام موجودہ مؤرخین نے اسے التمش ہی لکھا ہے اور غلط العام زبان زد خلائق ہے

چو دیدنت همه عالم که برحق وارث ملکی — ورت را قبله گه گردند هم قاضی و هم دانی
چو منهاج سراج این است خلقان را دعائی تو — که یارب بر سریر ملک و دولت جاودان مانی
به نهمت راست چون نیزه خنان گردند هم عالم — که جز در طرهٔ پرچم نه بینند کس پریشانی

مولانا نے اس قصیدہ کے صرف انہی ابیات پر قناعت کی ہے ؛

جب سلطان ناصرالدین محمود شاہ ۶۴۴ھ میں تخت نشین ہوا۔ سلطنت کے تمام فاضل و اماثل نے دعا و ثنا کہی۔ منہاج نے بھی کچھ نظم و نثر موقع کی مناسبت کے لحاظ سے دل کھولکر سلطان کی مدح میں لکھی۔ یہ چند اشعار اس قصیدہ سے منقول ہیں[1] ؛

آن شهنشاهی که حاتم بذل و رستم کوشش است — ناصر دنیا و دین محمود بن التمش است
آن جهانداری که سقف چرخ از ایوان او — در علو مرتبت گوئی فرودین پوشش است
فرق فرقدسا و راست و دست و پای دولتش — فرتاج است و نگین و زیب تخت و بالش است
سکه را از القاب میمونش چه اندازه است فخر — خطبه را از اسم همایونش چه مایه نازش است
راحت دلها است روح عهد او با روح خلق — بندگی دودمانش زانکه در آمیزش است
چاکر ایوان او هر جا که ترک و تازکی — بندهٔ فرمان او هر جا که هند و گبرش است
وارث ملک بحق دیدش ز سلطان شمس الدین — هر کرا از انصاف در چشم بصیرت بینش است
دولتش حسادرا در هر زمان صد شومت است — صولتش احباب را در هر مکان صد آرش است
گرچه بشگفتش گل دولت ولی از صد یکی — چون نهال است او که باغ ملک را نو بالش است
تیغ زنگاریش چون شنگرف ریز آمد مطیع — شاخ و برگ نقش عمر دشمنان در ریزش است
از مهیب زخم گرز گاو سارش بیں که چون — راکب شیر فلک در لرزه و در تابش است
تا نوای بزم ملکش راست شد زیر او فتاد — حاسد اندر چنگ غم چون زیر اندر نالش است
گاه گشت از انقلاب جور باد ایمن چو کوه — در پناه عهد عدلش چون که هر آرامش است

---

[1] طبقات ص ۲۰۲ ؛

ای شہنشاہی کہ ذیل عفو و دست بذل تو — محرم و محتاج را ہم پوشش و ہم پاشش است
بیت سالست تا کہ منہاج سراج خستہ را — در و عاگوئی این حضرت فراز پاشش است
از برائی نصرت و تائید شاہ بندگانش — در و غا در کوشش است و در دعا در خواہش است
محور چرخ جلالت باد خاک درگہت — تا کہ خاک و چرخ در آرامش و در جنبش است
گردش اہل زمین بر وفق فرمان تو باد — تا بر و ج آسمان گردزمین در گردش است

اور دوسرا حسب ذیل ہے [1]:-

شاہ را چون نام خویش عاقبت محمود باد — نصرت و تائید حق با عزم او مشدود باد
دوستان را زیب بقا و دشمنان را زیب فنا — نفع و ضر در بخشش و در کوشش موجود باد
در جہاں باب اماں از عدل او مفتوح باد — باب بیدادی بہ عہدش مغلق و مسدود باد
چوں حسودش شد بطالع از فلک منحوس و رد — طالع او در پناہ ایزدی مسعود باد
سفرۂ ملک جہاں را دو وۂ او شمع بس — چہرۂ اعدای او در دیدہا چوں دود باد
اہل ایمان را ز خیر و راتیش امن و امان است — سایہ بان دین حقند ظل شاں ممدود باد
مقصدش بر فضل حق چوں تکیہ گہ دارد مدام — بی توقف شاہ را حاصل ہمہ مقصود باد
خاتم سرش چون نقش عدل و احسان یافتہ است — شاہد بخت جوان بر تاج او مشہود باد
دولتش بر مدت احمد مبارک آمدہ است — ملک محمودی بمیمونی مسلم زود باد
داعی این سلطنت منہاج را ورد این دعا — تا کہ باد و خاک و آب و آتش است مورود باد

۶۵۸ھ میں خراسان سے ہلاکو مغل پسر تولی بن چنگیز خان کے ایلچی دہلی کی طرف آئے تو انہیں سلطان ناصر الدین کے حکم سے منازل مارو تہ کے قریب اتارا گیا اور اس اثنا میں انکے استقبال کے لئے ایک شاندار دربار سجایا گیا۔ جب یہ لوگ دربار میں پہنچے تو دربار کی شان و شوکت اور چمک دمک دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ منہاج نے اسی موقعہ پر یہ قصیدہ لکھا جسے کسی راوی نے پڑھا تھا [2]

---

[1] طب ۲۰۴ [2] طب ۳۱۹

قد صادف الرضوان ایام الوری — من روح هذا البزم للسلطان
لازال یبقی فی جلالة ملکه — ومزید امکان ورفعة شان

زهی جشنی کزو اطراف چون خلد بریں گشته — خهی بزمی کزو اکناف عدل راستین گشته
زترتیب نهاد و رسم و آئین و نشاط او — تو گفتی عرصهٔ دهلی بهشت هشتمین گشته
زفر ناصر الدین شاه محمود بن التمش — ملک نزدش دعاخوانده فلک پیشش زمین گشته
شهنشاهی که در عالم بفیض فضل ربانی — سزای چتر شاهی لایق تخت و نگین گشته
چو خاقانان کمین آور چو سلطانان دین پرور — بدل ماحی کفر است و بجان حامی دین گشته
مبارک باد بر اسلام این بزم شه عالم — کزین ترتیب مندوستان بسی خوشتر زچین گشته
مهین از جمله شاهان باد هر بنده زدرگاهش — چو منهاج سراج از جان دعاگوی کمین گشته

طبقات کو ناصر الدین محمود کے نام سے موسوم کرتے وقت منہاج نے ایک دلپذیر پیرایہ میں چند اشعار لکھے اور اسمیں اپنی غلطیوں کے لئے معافی کا طالب ہوا۔ چنانچہ [1]

هرچه کردم سماع بوشتم — اصل نقل و سماع گوش بود
درگذار د خطا چو دید کریم — زانکه با عز و عقل و هوش بود
هرکه اوذوق مهتری دریافت — نزد صبرش صبر چو نوش بود
دامن عفو پروریش مدام — دره حلم عیب پوش بود
بدعایاد دارد ش منهاج — گرچه اندر نفس خموش بود

طبقات کا ایک نسخہ منہاج نے الغ خان اعظم کی خدمت میں پیش کیا تو خان اعظم نے ۲۰ ہزار جیتل اور ماہی صباحی، ایک دستہ سنجاب اور ایک دستہ روباہ روانہ فرمایا۔ منہاج نے شکرانہ کے طور پر یہ قطعہ کہا [2] اور اس نسخہ کی پشت پر تحریر کر دیا۔

شهریار جهان الغ خان آنکه — خان البزرست و شاه سمک

---

[1] طبقات ۳ [2] طبقات ۴۵۳

ہرکہ از حضرتش قبولی یافت — پیش ہرگز نگشت رو بفلک
پیش او کیست حاتم طائی — نزد او چیست یحیی برمک
کرد از لوح خاطر منہاج — غصہ دہر را باحسان حک
بشنو د این سخن زمن ہمہ خلق — از طریق یقین نہ از رہ شک
نود نہ مرا است قسم کرم — دیگر ہزا ہمہ ازاں صدیک
ہر دعائی کہ گویمش از جان — کند آمین آن بصدق ملک

طبقات کے علاوہ ان کی ایک اور اہم یادگار ناصری نامہ ہے جو نظم میں ہے۔ مولانا نے کئی موقعوں پر طبقات میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس تالیف کا نام سلطان ناصرالدین محمود کے نام پر ناصری نامہ رکھا گیا۔ ۶۴۵ھ میں ناصرالدین محمود مع الغ خان اعظم پانی پت سے ہوتے ہوئے قنوج کی حدود میں پہنچتا ہے وہاں قلعہ نندنہ (راورٹی تلسندہ) کو سر کرنے میں لگ جاتا ہے اور آخر فتح کرتا ہے[1]۔ مصنف نے اس کتاب میں اسی مہم کے چشم دید واقعات نظم کئے ہیں۔ نہایت افسوس سے کہا جاتا ہے۔ کہ اس تالیف کا کوئی نسخہ اب تک دریافت نہیں ہوا

قاضی منہاج سراج عربی زبان میں کافی دسترس رکھنے کے علاوہ عربی شعر کہنے پر بھی قادر تھے۔ انہوں نے امام یحیی بن اعقب رض کے عربی قصیدہ کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے[2] اسکے علاوہ ایک فارسی قصیدہ کی ابتدا میں جو پہلے درج ہو چکا ہے انہوں نے دو شعر عربی میں بھی رقم فرمائے چنانچہ[3]

قد صادف الرضوان ایام الوری — من روح ھذا البزم للسلطان
لازال یبقی فی جلالۃ ملکہ — ومزید امکان ورفعۃ شان

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض تذکروں میں جن میں ہفت اقلیم، صبح گلشن، اور گلزار ابرار قابل ذکر ہیں۔ ہمارے مضمون کے موضوع قاضی منہاج سراج اور ان کے والد سراج منہاج کے ناموں میں تخلیط پیدا کر کے باپ کی رباعیات بیٹے کے نام درج کر دیں۔ اسی طرح مجمع النفائس،

---

[1] طب ۲۱۰ [2] طب ۴۳۰ [3] طب ۳۲۰

اور گل رعنا میں بیٹے کی تصنیف باپ کے حوالے کر دی گئی ہے۔ یعنی سراج منہاج کو مؤلف طبقات ناصری لکھ دیا ہے۔ جو ایک صریح غلطی ہے اور جو کچھ کہ محمد عوفی نے مولانا سراج کے متعلق لکھا۔ وہی انہوں نے مولانا منہاج کے بارے میں تحریر کر دیا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ وہ بعض تذکروں میں لاہوری لکھے گئے ہیں۔ درانحالیکہ مولانا منہاج خود اپنے ساتھ جوزجانی لکھتے ہیں۔ جو گوزگان کا معرب ہے ؛

مولانا منہاج نے طبقات میں اپنے والد کی جائے پیدائش کے بارے میں کچھ نہیں لکھا لیکن محمد عوفی معاصر وقت نے ان کی جائے ولادت لاہور اور مقام منشاء سمرقند بتایا ہے اور انہیں 'ملک الکلام' اور 'فصیح العجم' کے خطاب سے یاد کیا ہے[1]۔ خود مولانا منہاج بھی انکو 'اعجوبۃ الزمان' اور 'افصح العجم'[2] لکھتے ہیں۔ ان کی چند رباعیات کا اندراج یہاں بیجا نہ ہوگا ؛

آن دل کہ ز ہجر درد ناکش کردی　　وز ہر شادی کہ بود پاکش کردی
از خویش تو آگہم کہ ناگہ ناگہ　　آوازہ در افتد کہ ہلاکش کردی

دل را بر خ خوب تو میل افتادست　　جان دیدہ بر امید لبت بکشادست
چشم آب زان خاک درت خواہد بود　　گر عمر وفا کند قرار این دادست

جب سلطان معز الدین سام نے ۵۸۱ھ میں لاہور پر لشکر کشی کی اور فتح پائی تو مولانا سراج کو ہندوستان کے عہدۂ قضا پر مقرر کیا۔ لیکن انہوں نے تھوڑا وقت یہاں گذارا۔ انکی وفات ۵۹۰ھ اور ۶۰۰ھ کے درمیان ہوئی۔ جب وہ سلطان غیاث الدین سام کی طرف سے خلیفہ الناصر الدین اللہ کی خدمت میں سفارت پر جا رہے تھے[3] ؛

آغا عبد الستار خاں

---

[1] لباب الالباب جلد اول ص ۲۸۲　[2] طبقات ۱۱۶　[3] طبقات ۶۷ ؛

بابا فرید گنج شکرؒ شیخ ابراہیم اور فریدثانی

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت فروری ۱۹۳۸ء)

گوروارجن دیو:-

فریدا بھوم رنگاولی منجھہ وسولا باگ — جو جن پیر نوازیا تناں انج نہ لاگ

گوروارجن دیو:-

فریدا عمر سہاوڑی سنگ سوزمی دیہہ — ورلے کیئی پائین جناں پیارے نیہہ

گوروارجن دیو:-

فریدا گرب جناں وڈیائیاں دھن جوبن آگاہ — خالی چلے دھنی سیوں ٹبے جیوں میہاہ

گوروارجن دیو:- فریدا کنت رنگاولا وڈا وے مختاج - اللہ سینتی رتیاں ایہہ سچاواں ساج

" " " فریدا دُکھ سُکھ اِک کر دل تے لاہ وکار - اللہ بھاوے سو بھلا تاں لبھی دربار

" " " فریدا دُنی وجائی وجدی توں بھی وچ نال - سوئی جیونا ں جدا جس اللہ کردا سار

" " " فریدا دِل رتا اِس دُنی سیوں دُنی نہ کیتے کم - ایتھے نفیراں گاکھڑی سو پائیے پورکرم (شلوک ۱۱۱)

۱۶ - گوروگرنتھ صاحب میں شلوک نمبر ۱۱۲، ۱۱۳ جہاں سلوک فرید جی کے عنوان کے نیچے درج ہیں وہاں وہ گورونانک کی بانی کے نیچے بھی کسی دوسری جگہ گورو گرنتھ صاحب میں درج ہیں

۱۷ - شلوک نمبر ۱۱۸ میں فرید کا نام موجود ہے ؛

۱۸ - شلوک نمبر ۱۱۴ سے لے کر ۱۳۲ تک سوائے شلوک نمبر ۱۱۸ کے جس میں فرید کا نام ہے اور ۱۲۱ کے جس میں 'نانک' آتا ہے - باقی سب میں نہ نانک آتا ہے نہ فرید ؛

۱۹ - جنم ساکھی ب کے مطابق ۱۲۶ شیخ ابراہیم نے کہا اور ۱۲۷ اسکے جواب میں بابا نانک نے کہا

۲۰ - پڑھنے والوں پر یہ پوشیدہ نہ رہے کہ فرید سے منسوب شلوکوں میں ہر ایک میں فرید نہیں آیا۔ مثلاً نمبر ۳، ۵، ۲۵، ۳۰، ۳۱، ۴۰، ۴۵، ۶۴، ۶۵، ۷۲، ۷۷، ۸۴، ۸۶، ۹۱،

۹۲، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰ میں فرید کا نام نہیں ۔

اگرچہ ذیل کے شلوک گورو نانک، گورو امرداس، یا گورو ارجن دیو سے منسوب ہیں۔ مگر ان میں فرید کا نام آتا ہے۔ بطور خطاب مخاطب کے ۔

۱۳، ۷۵، ۸۲، ۸۳، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱ ۔

۲۱۔ ذیل کے شلوک جوابی معلوم ہوتے ہیں۔ جوابی اشعار میں کہیں نانک کا نام ہے، کہیں نہیں۔ اُن پر محلہ یعنی کس گورو کی تصنیف ہے۔ درج نہیں، ان کو پہلے گورو نانک ہی سے منسوب کیا جانا چاہیئے۔ یہ اطلاع جنم ساکھیوں کی اطلاعوں پر اضافہ سمجھئے ۔

فرید۔ ۳۱ سُہرے ڈھوئی ناں لہے پیئے ناہیں تھاؤں ۔ پروا نڑی نہ کھپئی دھن سوہاگن ناؤں

نانک۔ ۳۲۔ سابُرے پیئے کنت کی کنت اگم اتھاہ ۔ نانک سو سہاگنی جو بھاوے بے پرواہ

فرید۔ ۶۴۔ کلر کیری چھپڑی آئے اُلتھے ہنجھ ۔ چُنجھو بوڑن ناں پویں اُڈن سندی ڈنجھ

نانک۔ ۶۵۔ ہنس اُڈر کو دھرے پیا لوک وڈارن جائے ۔ گہلا لوک نہ جانڈا ہنس نہ کو دھر اکھائے

فرید۔ ۸۵۔ فریدا دُکھاں سیتی دیہہ گیا سُولاں سیتی رات ۔ کھڑا پکارے پاتنی بیڑا پکّر وات

نانک۔ ۸۶۔ لمی لمی ندی وہے کنڈھیں کیرے ہیت ۔ بیڑے نوں پکّر کیا کرے جے پاتن رہے سچیت

فرید۔ ۹۱۔ کاگا کرنگ ڈھنڈولیا سگلا کھائیا ماس ۔ اے دوئے نیناں مت چھوہو پر دیکھین کی آس

نانک۔ ۹۲۔ کاگا چونڈہ پنجر اہیے تاں اُڈر جا ہیں ۔ جت پنجرے میر اسہہ وسے ماس نہ تدو کھاہیں

فرید۔ ۱۱۲۔ پہلے پہرے پھلڑا پھل بھی کھچّیا رات ۔ جو جاگن لہن سے سائیں کنوں دات

نانک۔ ۱۱۳۔ داتیں صاحب سندیاں کیا چلّے تس نال ۔ اِک جاگندے ناں لہن اِکناں سُتیاں دیئے اُٹھال

فرید۔ ۱۱۹۔ تن تپے تنور جیوں بالن ہڈ بلن ۔ پیریں تھکاں سر جلاں جے موہہ پری ملن

نانک۔ ۱۲۰۔ تن نہ تپائے تنور جیوں بالن ہڈ نہ بال ۔ سر پیریں کیا پھیڑیا اندر پری نہال

فرید۔ ۱۲۱۔ ہوں ڈھونڈیندی سجناں سجن میندے ناں ۔ نانک اللہ نہ لکھئے گور مکھ دیئے وکھال

فرید ۱۲۲۔ ہنساں دیکھے ترندیاں بگاں آیا چاؤ ۔ ڈُب موئے بگ بپڑے سر تل اُپر چاؤ
۱۲۳۔ میں جانیاں ڈوہنس ہے تاں میں کیا سنگ ۔ جے جاناں بگ بپڑا جنم نہ بھیڑیں انگ
نانک۔ ۱۲۴۔ کیا ہنس کیا بگلا جاکوں ندر دھرے ۔ جے تس بھاوے نانکا گوں ہنس کرے
فرید۔ ۱۲۹۔ اِک پھکاناں گالائے سبھناں میں سچا دھنی ۔ حیاؤ نہ کیہی ٹھاہ مانک سبھا مولویں
نانک۔ ۱۳۰۔ سبھناں من مانک ٹھاہن مُول مچا نگواں ۔ جے تو پُر یادی سبک حیا وہ ٹھاہے کہیں دا

۲۲۔ اپنی اس رائے کی تائید میں کہ "سلوک شیخ فرید کے" کے نیچے جو شلوک گورو گرنتھ صاحب میں درج ہیں۔ اُن میں سے کچھ شلوک جن میں نانک کا نام نہیں آتا اور جن کا مضمون جوابی رنگ میں ڈوبا ہُوا ہے۔ ضرور نانک۔ پہلے گورو۔ کے ہیں۔ ہم ذیل کی اطلاع پیش کرتے ہیں اور اِس ثبوت کی طرف سکھ صاحبان کی توجہ بھی دلاتے ہیں ۔

گورو گرنتھ صاحب میں "سلوک واراں تے ودھیک" کے عنوان کے نیچے ذیل کے شلوک گورو نانک دیو کی تصنیف سے درج ہیں۔ یہی شلوک پھر "شلوک شیخ فرید کے" کے نیچے درج ہیں ۔

تن نہ تپائے تنور جیوں بالن ہڈ نہ بال ۔ سر پیریں کیا پھیڑیا اندر پری سمال ۔ ۱۸
سبھنیں گھٹیں سہہ وسے سہہ بن گھٹ نہ کوئے ۔ نانک تے سوہاگنی جناں گورمکھ پرگٹ ہوئے ۔ ۱۹

نمبر ۱۸ "سلوک شیخ فرید کے" میں نمبر ۱۲۰ ہے اور فرید کے نمبر ۱۱۹ کے جواب میں سری راگ وار میں گورو نانک صاحب کے قلم سے مترشح یہ شلوک بتایا گیا ہے :۔

واتیں صاحب سندیاں کیا چلے تس نال ۔ اِک جاگندے نال نہ اکناں سُتیاں دیئے اٹھال

یہی شلوک "سلوک شیخ فرید کے" کے نیچے نمبر ۱۱۳ ہے۔ یعنی فرید کے نمبر ۱۱۲ کا جواب ۔ اسی سری راگ وار میں گورو نانک دیو کا یہ شلوک ہے :۔

کیا ہنس کیا بگلا جاں کوں ندر کرے ۔ جو تس بھاوے نانکا گوں ہنس کرے

"یہ سلوک شیخ فرید کے" میں نمبر ۱۲۴ ہے۔ فرید کے نمبر ۱۲۳ کے جواب میں ۔

۲۳۔ جنم ساکھی منقول ۱۷۱۸ء میں شیخ ابراہیم اور گورو نانک کے درمیان گفتگو کے سلسلہ میں منسلک اشعار پر ایک نظر پھر دوڑائی جاتی ہے (دیکھو نمبر ۱۳ اوپر) ؛

آپے پٹی قلم آپ، آپ لیکھ بھی توں ایکو کہیئے نانکا دُوجا کاہے کوں

یہ گورو گرنتھ صاحب میں ایک جگہ تحریر ہے۔ وار راگ ملار میں ؛

شیخ ابراہیم کا سوال "اک صاحب تے . . . . روی" گورو گرنتھ صاحب میں کہیں درج نہیں نہ ہی نانک کے اس سوال کے جواب کا پہلا یا دوسرا حصہ درج ہے ؛

ابراہیم کا دوسرا منظوم سوال یا بیان کبیر سے بھی منسوب ہے۔ گورو گرنتھ صاحب میں یہ "سلوک شیخ فرید کے" کے نیچے درج ہے۔ اور وہاں پر لفظ "فریدا" شروع میں ہے۔ یعنی یہ شعر شیخ فرید کا ہے نہ کہ شیخ ابراہیم کی تصنیف۔ نمبر اس کا ۱۰۳ ہے۔ مگر بخلاف جنم ساکھی کے، اس کا جواب نانک کی تصنیف نہیں۔ بلکہ تیسرے گورو امرداس صاحب کے قلم سے ہے اور الفاظ شلوک کے گورو گرنتھ صاحب میں جنم ساکھی کے الفاظ سے مختلف ہیں۔ گورو گرنتھ صاحب میں اس کا نمبر ۱۰۴ ہے۔ شلوک یوں ہے امرداس جی کا :۔

کاہے پٹولا پاڑتی کنبلڑی پھریئے نانک گھر ہی بیٹھیاں سہجے جے نیئے اس کیئے

چار کے بجائے دو ہی مصرعے ہیں ؛

شیخ ابراہیم کا کہا ہوا تیسرا شلوک بھی گورو گرنتھ صاحب کے مطابق فرید کا شلوک ہے۔ شروع میں فریدا ہے۔ وہاں اس کا نمبر ۵۴ ہے اور عبارت قدرے مختلف ہے جنم ساکھی سے :

فریدا نڈھیں کنت نہ راویو ڈی تھی موٹیاسی دھن کو کیندی گورمیں تیں سہہ ناں ملیاس

اس کا جواب نانک کی طرف سے "سلوک فرید" کے نیچے درج نہیں۔ بلکہ گورو گرنتھ صاحب میں راگ مارو کی وار میں تحریر ہے۔ جس کی عبارت یوں ہے :۔

محل کچھی مٹروڑی کالی منوں کسدھ جے گن ہوون تا پررئے نانک اوگن مندھ

جنم ساکھی اور گورو گرنتھ صاحب میں کوئی فرق نہیں ؛

شیخ ابراہیم کا کہا ہوا چوتھا شلوک گورو گرنتھ صاحب میں نمبر ۱۲۶ "سلوک شیخ فرید کے" کے نیچے درج ہے ذرا سے اختلافِ الفاظ کے ساتھ :۔

کون سُوا کھر کون گُن کون سو منیاں منت کون سو ویسو ہوں کرئیں جت وس آوے کنت

مگر فرید کا نام اس میں نہیں ۔ اس سے یقینی طور پر کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ یہ کس کا شلوک ہے۔ اس کے جواب میں شلوک نمبر ۱۲۷ گورو گرنتھ صاحب میں اوپر کے شلوک کے بعد درج ہے ۔ مگر اس میں نانک کا نام نہیں اور جنم ساکھی کے برخلاف چھ مصرعے نہیں ۔ صرف دو ہی مصرعوں کا ایک شلوک ہے :۔

نِون سُوا کھر کھون گُن جیبیہا منیاں منت اے ترے بھینیں بِرکتا وس آوی کنت

۲۴۔ ہم نے اوپر دیکھا کہ گورو گرنتھ صاحب میں کس قدر احتیاط ۔ تحقیق اور جامعیت سے کام لیا گیا ہے۔ "سلوک شیخ فرید کے" کے زیرِ عنوان جو جوابی شلوک سکھ گورو صاحبان کے درج ہوئے ۔ اُنہیں گورو صاحبان کی بانی میں مختلف راگوں کے نیچے دوسری جگہوں پر گورو گرنتھ صاحب میں درج کر دیا تاکہ شک و شبہ کی گنجایش نہ رہے ۔ مثال کے طور پر گورو ارجن دیو جی نے فرید کے شلوکوں کے جواب میں چند ایسے بھی شلوک کہے جن میں فرید سے خطاب تھا ۔ یعنی شروع میں لفظ فریدا آتا تھا ۔ اس سے یہ شک گذر سکتا تھا ۔ کہ شاید یہ جوابی شلوک خود فرید ہی کے ہوں ۔ گورو صاحب نے اپنے یہ جوابی شلوک فریدا لفظ والے ، اپنے کلام میں کسی دوسری جگہ درج کر دیئے ۔ تاکہ پڑھنے والوں کو دھوکا نہ ہو ۔ یہی برتاؤ کبیر کے جواب میں کہے اپنے شلوکوں سے گورو ارجن دیو نے کیا ۔ ایسے شلوکوں سے جن میں کبیر سے خطاب کی وجہ سے لفظ کبیرا شروع میں رکھا تھا ۔ مگر ساتھ ہی اس بات کا احساس کر لیا تھا کہ اغلب ہے ۔ کہ پڑھنے والے اس شلوک کو کبیر کی اپنی تصنیف مان لیں ۔

بابا فرید کا ایک غضب کا مؤثر شلوک تھا :۔

فریدا میں جانیا دُکھ مجھ کو دُکھ سبائیے جگ اوچے چڑھ کے دیکھیا تا گھر گھر ایہا اگ

اُس کے جواب میں گورو ارجن دیو نے لکھا :-

فریدا بھوم رنگاوڑی منجھ وسولا باگ
جو جن پیر نواجیا تناں اینج نہ لاگ

'سلوک شیخ فرید کے' میں بھی اس شلوک کے پہلے محلہ ۵ لکھ دیا اور اس شلوک کو الگ بھی رام کلی کی وار میں درج کر دیا۔ یہی حال نیچے کے شلوک سے کیا۔ جو فرید کے ایک دوسرے شلوک کے جواب میں کہا تھا ؛

گورو ارجن دیو :-

فریدا عمر سہاوڑی سنگ سوہنڑی دیہہ وڑے کے ای پائین جہاں پیارے نیہہ

یہی بات گورو امر داس کے جوابی شلوکوں کے متعلق گورو گرنتھ صاحب میں واضح کر دی گئی ہے بابا فرید کا شلوک نمبر ۱۲ ہے جس کے جواب میں گورو امر داس جی نے اشعار نمبر ۵۲ کہے۔ وہ جوابی اشعار "سلوک شیخ فرید" کے نیچے بھی درج ہیں۔ اور رام کلی کی وار میں بھی تحریر ہیں۔ گورو امر داس جی کی دوسری بانی کے ساتھ ؛

۲۵ - اوپر کے ثبوتوں سے یہ واضح ہوا۔ کہ گورو گرنتھ صاحب میں درج "شلوک شیخ فرید کے" کسی مسلمان درویش فرید کے تھے۔ جو گورو نانک دیو (۱۵۳۸ - ۱۴۶۹) - گورو امر داس (۱۵۷۴ - ۱۴۷۹) - اور گورو ارجن دیو (۱۶۰۶ - ۱۵۶۳) کے زیر مطالعہ رہے۔ یہ شلوک نہ شیخ ابراہیم کے ہیں نہ ہی فرید ثانی کے۔ جس کسی درویش کے ہیں وہ فرید ۱۴۶۹ سے پہلے گذر چکا تھا۔ پندرھویں صدی یا اس سے پہلے کے ایک مسلمان فقیر کا ملتانی زبان کا کلام ہر لحاظ سے زیادہ سے زیادہ تحقیق۔ توجہ۔ اور تحسین کا مستحق ہے ؛

۲۶ - یہاں تک تو ہم نے شلوکوں ہی کا ذکر کیا ہے۔ گورو گرنتھ صاحب میں 'فرید' کا اور کلام بھی ہے جس کی طرف مسلمان محققوں کی توجہ اب تک مبذول نہیں ہوئی۔ شمالی ہندوستان میں ہندی اور اردو زبانوں کے ارتقا اور ترویج اور تعمیر پر اس فرید کے کلام سے کافی سے زیادہ روشنی پڑ سکتی ہے۔

فرید کی دوسری بانی تین راگوں کے نیچے گورو گرنتھ صاحب میں درج ہے۔ اب تک ہم شلوک ملاحظہ کرتے رہے ہیں۔ اس شلوک کو دوہا اور ساکھی بھی کہا گیا ہے۔ جیسے کبیر کے دوہے جنہیں خود کبیر ساکھیاں کہتا ہے۔ دوہے کے علاوہ ایک اور نظمی صورت ہے۔ جسے پادیا پدیا شبدیا شبد پد کہتے آئے ہیں۔ اور جو شلوک کے ساتھ خاص و عام میں مقبول و منظور ہوئی۔ اس شبد کے اجزائے تعمیر ان نمونوں سے ہویدا ہوں گے ؎

راگ آسا۔ شبد نمبر ۱۔

(آسا راگ میں ملتانی کلام نہایت کثرت سے لکھا جاتا ہے۔ یہ راگ اس علاقہ سے خاص نسبت رکھتا ہے۔ اور بیشتر اس راگ میں کہی ہوئی چیزوں میں ملتانی کا عنصر غالب ہے جیسا کہ گورو گرنتھ صاحب میں درج سکھ گورؤں کے کلام سے ظاہر ہے۔ پوشیدہ نہ رہے۔ کہ ہر ایک راگ کا جس طرح خاص خاص مضمون سے تعلق ہے۔ اسی طرح اس کا خاص تعلق خاص بولی، خاص علاقہ یا دیس، خاص وقت اور خاص عروضی صورت سے بھی ہے)؎

آسا شیخ فرید جیو کی بانی

دلوں محبت جنہہ سیئی سچیا جنہہ من ہور کھ ہور سے کانڈھے کچیا (۱)
رتے عشق خدائے رنگ دیدار کے وسریا جنہہ نام تے ہوئے بھار تھئے (۱)

رہاؤ

آپ لئے لڑلائے درد درویش سے تنہہ دھن جنیدی ماؤ آئے سپھل سے (۲)
پروردگارا پار اگم بے انت توں جنہاں کھپا تا سچ چماں سیر موں (۳)
تیری پنہ خدائے توں بخشندگی شیخ فریدے خیر دیجے بندگی (۴)

نمبر ۲ آسا

بولے شیخ فرید پیارے اللہ لگے ایہ تن ہوسی خاک نمانی گور گھرے (۱)
آج ملاوا شیخ فرید ٹاکم کو بنجڑیاں منوں مچندڑیاں (۱)
رہاؤ

جے جاناں مرجائیے گھم نہ آئیے جھوٹھی دنیا لگ نہ آپ وِنجائیے (۲)
بولئے سچ دھرم جھوٹھ نہ بولئے جو گورو سے واٹ مریداں جو لئے (۳)
چھیل لنگھندے پار گوری من دھیریا کنچن وَنے پاسے کلوت چیریا (۴)
شیخ حیاتی جگ نہ کوئی تھیر رہیا جس آسن ہم بیٹھے کیتے بیس گیا (۵)
کتنک کونجاں چیت ڈوساون بجلیاں سیالے سوہندیاں پرگل بانھڑیاں (۶)
چلے چلن ہار وچارا لئے منوں گنڈھیندیاں چھ ماہ ترندیاں ہک کھنو (۷)
جیہیں پچھے اسمان فریدا کھوٹ کن گئے جالن گوراں نال اُلامے جی سہے (۸)

(۲)

راگ سُوہی

(جو کچھ آسا راگ کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اس کا اطلاق راگ سوہی پر بھی سمجھنا چاہیئے)

شبد نمبر ۳ راگ سوہی بانی شیخ فرید جی کی

تپ تپ لوہ لوہ ہاتھ مروڑوں باول ہوئی سو سہہ لوروں
تیں سہہ من میں کیا روس مجھ اوگن سہہ ناہی دوس (۱)
تیں صاحب کی بیں سار نہ جانی جوبن کھوئے پاچھے پچھتانی (۱)

رہاؤ

کالی کوئل توں کت گن کالی اپنے پرتیم کے ہوں بربے جالی
پریں سہونی کت سکھ پائے جا ہوئے کرپال تاں پربھ ملائے (۲)
ودھن کھوہی مندھ اکیلی ناں کو ساتھی ناں کو بیلی
کر کرپا پربھ ساد سنگ میلی جاں پھر دیکھاں تاں میرا اللہ بیلی (۳)
واٹ ہماری کھری اُڈینی کھنیوں تکھی بہت پئینی
اُس اوپر ہے مارگ میرا شیخ فریدا پنتھ سہارسویرا (۴)

(۱)

نمبر۴ سُوہی للت

بیڑا بندھ نہ سکیو بندھن کی ویلا بھر سر ورجب اوچلے تب ترن دُہیلا (۱)
ہتھ نہ لائے کُنبھڑے جل جاسی ڈھولا (۱)

رہاؤ

اِک آپی نے پتلی سہہ کیرے بولا دُدھا تھنیں نہ آوئی پھر ہوئے نہ میلا (۲)
کہے فرید سہیلیو سہہ الائسی ہنس چلسی ڈُمناں ایہ تن ڈھیری تھیسی (۳)
(۲)

۲۷۔ کیا یہ شیخ فرید جس کا کلام اوپر درج ہوا۔ اور جو گورو نانک سے پہلے ہو چکا تھا۔ شیخ بابا فرید الدین گنج شکر اجودھنی یا پٹنی ہے ؟

اس سوال کا فیصلہ کرنے کے لئے ہمیں کلام مرشیخ فرید مندرجہ گورو گرنتھ صاحب کے مضامین اور زبان دونوں پر غور کرنا ہوگا۔ اور اس بات کا جواب بھی دینا ہوگا کہ کیا فرید گنج شکر کے زمانہ سے پہلے یا اسی عصر میں کسی اور مصنف نے پنجابی (لاہوری۔ ملتانی وغیرہ) میں کوئی نظم و نثر تصنیف کی ؟ کیا شیخ فرید کا کلام 'ملتانی' ہے ؟ کیا اس کلام کی اندرونی مضمونی شہادت ایسی ہے ۔ جو فرید کے حالات، عادات، خیالات سے جو تذکروں میں درج ہیں۔ کوئی تطابق رکھتی ہے ؟ کیا گورو نانک۔ گورو امرداس۔ گورو ارجن دیو کو بابا فرید گنج شکرؒ کے کچھ حالات معلوم تھے ؟ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ چونکہ انہوں نے دوسرے نامور، معروف بھگتوں کے کلام کے جمع کرنے میں نہایت تحقیق اور تدقیق اور احتیاط سے کام لیا ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ فرید الدین ملقب بہ گنج شکرؒ المشہور بابا فرید یا شیخ فرید کے کلام کے جمع کرنے میں بھی اسی احتیاط اور تجسس کو روا رکھا ہوگا ؟ کیا گورو نانک کو جو کہ ملتان اور تلمبہ وغیرہ علاقوں میں کافی دیر تک سیاحت کرتے رہے۔ یہ معلوم نہ تھا کہ اُن اطراف میں فرید الدین گنج شکر بابا فرید کے نام سے مشہور ہے۔ اور ان شیخ بابا فرید کا کلام لوگوں کی زبانوں پر ہے ؟ کیا اس بات کا امکان نہیں ہے کہ بابا نانک نے بابا فرید کا کچھ کلام فرید کے

جانشین یا خلیفہ ابراہیم سے حاصل کیا ہو ؟

ہوسکتا ہے کہ کچھ کلام گورو امرداس نے بھی جو نانک سے دس ہی برس بعد تولد ہوئے۔ اور جنھوں نے بابا سے انتیس برس بعد رحلت فرمائی جمع کیا ہو ؟ یا کچھ اشعار گورو ارجن دیو نے گورو گرنتھ صاحب کی تالیف و ترتیب کے وقت بہم پہنچائے ہوں ؟

۲۸۔ پہلے ہم بابا فریدالدینؒ ملقب بہ گنج شکر کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد کلام شیخ فرید کا کل درج کرینگے معہ اردو ترجمہ کے۔ پھر مقابلہ کریں گے۔ کہ کیا یہ کلام بابا فرید گنج شکر کا ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد کلام کی لسانی خصوصیات پر غور کریں گے۔ سارے کلام کا انڈکس تیار کریں گے۔ آخر میں فرید کے عہد سے پہلے کے مصنفین اور اس کے قریبی معاصر اور بعد میں آنے والے شعرا کا کچھ ذکر معہ مضمون و لسانی مقابلہ کے کریں گے ؛

پرنسپل محمد شفیع صاحب نے مشورہ دیا ہے کہ حالات بابا فرید کے لئے سیر الاولیا کو دوسرے تذکروں پر ترجیح دینی چاہیئے۔ یہ تذکرہ مولانا امیر خورد خلیفہ حضرت سلطان المشائخ نے ۷۹۸ھ ۱۳۹۷ء میں تصنیف کیا۔ اس تذکرہ کے بیانات کی تائید و تردید کے لئے ہم تاریخ فرشتہ اور فوائد الفواد (امیر حسن) سے مدد لے سکتے ہیں۔ 'سیر الاولیاء' لالہ چرنجی لال حینی رئیس قدیم درگاہ حضرت نظام الدین اولیا واقع غیاث پور نے دہلی سے ۱۸۸۵ء میں شایع کی ؛

سیر الاولیا سے ضروری فارسی عبارات اخذ کرکے نیچے دی جاتی ہیں :۔

"شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین . . . . جد بزرگوار شیخ قاضی شعیب باسہ پسر و اتباع دخیل در دیار لاہور تشریف آوردند در قصبہ قسور (قصور) نزول فرمودند۔ . . . . بعدہٗ قضائے کھتوال کہ از ملتان نزدیک است بقاضی شعیب مفوض شد و آنجا سکونت کرد۔ حق تعالےٰ از دودمانِ ایں بزرگ بادشاہے (فرید) را پیدا آورد۔ . . . منقول است کہ شیخ (فرید) از عنفوانِ جوانی کہ قوت کامرانی است بعبادت و محبتِ باری تعالیٰ مشغول گشت و ترکے بہ یک باری پیش گرفت و از خویش و پیوند جدا شد۔ چوں نیت صادق بود۔

ہم دریں حال شیخ بجہتِ تعلیم در ملتان رفت .... شیخ در مسجدے فرود آمد . . .
قطب الدین بختیار از اوش در ملتان رسیدہ . . . وخلاصۂ ایں سخن ایں مصراع است کہ
دریں باب بر زبانِ سلطان المشائخ گذشتہ است مصرع بیرونِ دروں بہ کہ درونِ بیروں ٭
شیخ (فرید) فرمود من ذوقے کہ در آں جامۂ پارہ داشتم دریں جامۂ تو نیافتم۔
بعد آنکہ بخلافت شیخ قطب الدین مخصوص شد وخلق ہجوم کرد و مطلوب ستر بود از شہر (دہلی)
در ہانسی رفت۔ آنجا ساکن شد و مجاہدہ و مشغولی ظاہر و باطن مشغول گشت وخود را مستور
مے داشت و نمے خواست کہ ہیچ آفریدہ بر حال او مطلع شود . . . . جاہا شیخ شیوخ العالم
ریگیں و پارہ بود . . . چوں در ہانسی علمت و کرامت شیخ خلق را روشن شد ازیں جا نیز
طرف کھتوال رفت کہ وطن قدیم آبا و اجداد ایں بادشاہِ دیں بود و مدتے آنجا مشغول بود . . .
پس پشت نمازگاہ کھتوال مشغول مے باشد۔ . . . شیخ جلال الدین تبریزی آں انار پارہ
کرد و خوردن گرفت۔ شیخ (فرید) صایم بود افطار نکرد . . . . از آنجا در اجودہن آمد کہ مقامے
مجہول بود۔ بروایتے شانزدہ سال و بروایتے بیست و چہار سال تا آخر عمر در اجودہن ماند
وآں مقام بوجود مبارکِ او قبلۂ ہندوستان و خراسان شد . . . در کھتوال کہ معاش کمتر
باشد و مقامے مجہول است ساکن گشت۔ چوں آں مقام از ملتان نزدیک است آنجا مستور
نماند۔ بارہا خواستے کہ از آنجا ہم برود در لاہور کہ خراب است و آبے رواں دارد سکونت سازد
فی الجملہ آخر عمر در اجودہن گذرانید۔ مقصود ازیں حکایت آں است کہ خود را مستور داشت۔
و در اشتہار نکوشید۔ بارہا بر زبانِ مبارک ایں بیت رفتے ؎ ہر کہ در بند نام و آوازہ است
خانۂ او بروں دروازہ است . . . . در ہانسی . . . در آں ایام شیخ (فرید) را روزۂ داؤدی
بود . . . بخاطرِ شیخ علی گشت کہ چہ نیکو بودے کہ شیخ (فرید) را صومِ دوام بودے . . . . .
شیخ (فرید) گفت آنچہ بر خاطرِ خاصگانِ حق گذشت تکفل کردم . . . کار شیخ (فرید) دیگر بود
ترکِ خلق گرفت۔ و دشت و بیابان اختیار کرد۔ یعنی در اجودہن ساکن گشت۔ بنانِ درویشانہ

بچیزہائے کہ درآں دیار خیزد چوں پیلو و مانند آں قانع گشت . . . یعنی پیوستہ در باز بودے وطعام و نعمت موجود۔ از کرم خدا۔ و آئندہ و روندہ را ازاں نصیب شدے . . . . ظاہر و باطن یک روش داشت . . . . بیشتر افطارِ شیخ (فرید) بشربت بودے . . . بعدہٗ پیش از نماز دو نان بروغن چرب کردے و بیاورندے۔ آں دو نان کم از یک آثار بودے یک نان پارہ کردے بحاضراں رسانیدے و یک نانِ دیگر خود خوردے۔ و ازیں نان خاص ہم کسے را کہ خاسے ہم نصیب کردے۔ بعد از ادائے نماز شام مشغول شدے۔ بعد ازاں مائدہ پیش او آوردندے و طعام از ہر لون بودے۔ چوں طعام خرج شدے پیش طعام دیگر نخوردے مگر باز بوقت افطار روز دیگر . . . یک شب بوقت استراحت . . . کھٹے جنگلی راست کردند۔ ہماں گلیم کہ برآں روز نشستے ہماں بالائے کھٹ انداختندے۔ چنانچہ آں گلیم تا پایاں نے رسید۔ آنجا کہ موضع پائے مبارک ایشاں بود شقہ آوردندے و نہادندے کہ اگر آں شقہ بالا کشیدے آں موضع از بستر خالی ماندے . . . و یک عصائے بود کہ از قطب الدین یافتہ بود آں را مے آوردند و جانب سر آں کھٹ مے داشتند۔ شیخ (فرید) بداں متکا کردے و استراحت فرمودے۔ و بداں دست فرود آوردے و تقبیل کردے . . . شیخ (فرید) بیشتر نانِ زنبیل خوردے البتہ بوقت افطار یک دو پکا لہ نانِ زنبیل پیش بودے . . . . وقتے برائے شیخ (فرید) خادم یک دانگ را نمک وام کرد۔ شیخ بنور باطن دریافت فرمود دریں طعام بوئے تصرف مے آید . . . . روا نباشد کہ من ایں طعام بخورم ۔ . . . چوں وقتِ افطار شد در خانہ خدمت شیخ چیزے موجود نبود کہ از آں افطار شود شیخ (فرید) را حرم بسیار بود۔ وقتے نیز حرم ایشاں بخدمت شیخ آمد و گفت خواجہ امروز فلاں پسر از سبب گرسنگی در معرض ہلاکت شدہ است۔ شیخ سر از مشغولی برآوردند و فرمودند مسعود بندہ چہ کند۔ اگر تقدیر حق در آید و از جہاں سفر کند رسنے در پائے او بندی و بیرون بیفگنی و بیائی۔ بعدہٗ سلطان المشائخ فرمودند خواجہ کہ خوش خورد و خوش خُسپد و عوے محبتِ خدا

کند دروغ گفتہ باشد ؛

شیخ (فرید) خواست کہ مجاہدہ پیش گیرد ... سہ روز چیزے نخورد ... سہ روز دیگر طے کرد ... چوں وقت افطار شد ہیچ طعامے پیدا نشد۔ تا یک پاس شب گذشت۔ ضعف غالب تر شد۔ دست مبارک جانب زمیں فراز کرد و چند سنگ ریزہ کہ از زمیں برداشت در دہان مبارک خود انداخت۔ آں سنگ ریزہ از برکت دہن مبارک او شکر شد ... باخویش گفت نباید کہ از غایت ضعف از طاعت باز مانم۔ باز چند سنگریزہ بستد در دہن انداخت شکر شد ... آنچہ از غیب برسد بداں افطار کنی ... شیخ قطب الدین (شیخ فرید را) فرمود کہ ہلا برو چلہ معکوس بردار۔ چلۂ معکوس آں باشد کہ چہل روز یا چہل شب ہائے خود برشتہ بندند و در چاہے سرنگوں خدائے تعالےٰ را عبادت کنند ... شیخ (فرید) عزیمت چلہ معکوس مصمم فرمود لیکن بنوعے کہ ایں معنی مستور ماند۔ بعدہٗ در طلبِ مقامے شد کہ آنجا مسجدے باشد۔ و در دہن آں مسجد چاہے و نزدیک آں چاہ درختے کہ شاخ آں درخت بر سر آں چاہ رسیدہ باشد و در آں مسجد مؤذنے باشد متدین۔ لایق صحبتِ درویشاں باشد و صاحب سر ایشاں ؛

... شیخ ایں چنیں مقامے ... تفحص کردند ... تا آنکہ در خطہ اُچہ رسید۔ آنجا مسجدے یافت ... مؤذنے کہ نام او خواجہ رشید الدین ... بعدہٗ سرنگون خود را

(باقی دارد)

موہن سنگھ دیوانہ

شبلی فکر جدید سے کیونکر روشناس ہوئے؟

ایک مصنف اور شاعر اپنے سفر زندگی میں جن جن واقعات و حالات سے دوچار ہوتا ہے۔ ان کا اثر اس کے لوح قلب پر نقش ہوتا جاتا ہے۔ اور یہ نقوش آہستہ آہستہ اس کے رجحان کو ایک خاص نہج پر ڈھالنے میں ممد ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ دیکھتا ہے۔ اس کو محسوس کرتا ہے۔ پھر یہی حسیات، ایک خاص ذہنی حالت۔ اور ایک خاص تصور کی شکل اختیار کر لیتے ہیں ؛

اگرچہ مولانا شبلی کی ابتدائی تعلیم و تربیت پرانے طریقے پر ہوئی۔ لیکن خارجی واقعات اور معاشرتی ماحول ان کے تصورات اور رجحانات میں وقتاً فوقتاً بعض نمایاں انقلاب پیدا کرتے رہے جن کا سمجھنا اور اندازہ لگانا، ہمارے لئے نہایت ضروری ہے ؛

شبلی کی ابتدا یہ تھی۔ کہ انہیں دنیا میں وہابیوں کی تردید سے زیادہ کوئی مشغلہ دلچسپ نظر نہ آتا تھا۔ اسکا مقابلہ اس معراج کمال سے کیجئے جب یہی شبلی ہمارے سامنے ایک بلند پایہ محقق، ایک بے نظیر مؤرخ اور ایک بے مثال ماہر علم کلام کی حیثیت سے جلوہ گر ہوتے ہیں ؛

فضل و کمال کی یہ منزل کیونکر طے ہوئی؟ اس کا سراغ لگانے میں آج ہم بعض خارجی واقعات کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے شبلی کے رجحان پر گہرا اثر ڈالا اسکے ساتھ ہی ہم یہ بھی بتائینگے کہ شبلی یورپ کے افکار سے کیونکر واقف ہوئے؟

ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ کہ شبلی شروع میں ایک متعصب حنفی تھے اسکات المقتدی میں جو وہابیوں کی تردید میں ایک عربی رسالہ ہے۔ وہی پرانا زاویہ نگاہ نظر آتا ہے، مولانا کی ایک قدیم اردو تحریر امام کے پیچھے نماز باجماعت میں فاتحہ نہ پڑھنے کے مسئلہ پر موجود ہے۔ جس میں سادگی اور برجستگی تو ضرور ہے۔ لیکن اس سے یہ اندازہ کرنا نہایت مشکل ہے۔ کہ ان جزئیات ہی کو اصول دین سمجھنے والا شبلی کسی دن ہندوستان کا

بہترین مصلح ادب اور نقادِ اسلامیات بنے گا ۔

ہندوستان اور مسلمانانِ ہندوستان جس دَور سے گذر رہے تھے ۔ اس کا ان اوراق میں بار بار اعادہ ہو چکا ہے ۔ اُن پر سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ ذہنی اور علمی انحطاط بھی غالب تھا ۔ تقلید اور اشخاص پرستی مسلمانوں پر اس درجہ مستولی تھی ۔ کہ اس سے سرِ مُو انحراف کرنے والا بیک جنبشِ قلم دین سے خارج ہو سکتا تھا ۔ غرض مسلمانوں کی علمی ضمیر بے حد مضطرب تھی اور ان کا سیاسی شعور نہایت ناپختہ ۔ ان دنوں اسلام کی تاریخ ، روایات اور کلچر پر دو طرف سے حملے ہو رہے تھے اِدھر مسیحی مبلغین مناظرانہ رنگ میں اسلامی تعلیم کا تجزیہ اور تخریب کر رہے تھے ۔ اُدھر یورپ میں مستشرقین کی نوزائیدہ جماعت ، جدید اصول تنقید کے مطابق اسلام اور اس کے تمدن پر حملے کر رہی تھی ۔ سرسید احمد خان مرحوم سب سے پہلے اس معاملے میں مدافعت کے لئے سینہ سپر ہوئے ۔ انہوں نے ہی سب سے پہلے اس چیز کی طرف توجہ کی ۔ کہ یورپ کے حملوں کا جواب یورپ ہی کے طریقہ پر ہونا چاہیئے اور اسلام اور علوم اسلام کی حفاظت کے لئے مغربی اصول سے کامل واقفیت کی ضرورت ہے ۔ سید صاحب نے مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کو جو رواج دیا ۔ اس سے علاوہ سیاسی اور مقامی اغراض کے ایک غرض یہ بھی تھی ۔ کہ مسلمان یورپ کے دلائل سے باخبر ہوں اور پھر ان ہی دلائل سے یورپ کا مقابلہ کریں ۔ چنانچہ خود انہوں نے خطباتِ احمدیہ کو مرتب کیا اور اپنے معاصرین کے لئے ایک شاہراہ عمل تجویز کر دی ۔

لیکن افسوس کہ سید صاحب علوم اسلامیہ سے کما حقہٗ واقف نہ تھے ۔ وہ اس مدافعانہ جنگ میں مغرب اور مغرب کے اصول کی طرف زیادہ مائل ہو گئے ۔ ان کا ماحول اسلامی نہ تھا ۔ وہ جب منقولات سے جواب پیدا نہ کر سکتے تھے ۔ تو مغربی طرز کا اجتہاد کر لیتے تھے ۔ ان کے ترکش کے اکثر تیر مغربی زہر میں بجھے ہوئے تھے ۔ جن کا اثر

بعض اوقات خود تیز انداز پر ہو جاتا تھا۔ پھر انگریزی تعلیم کا اثر جسقدر زیادہ پھیلتا جاتا تھا۔ اسی قدر شکوک و اوہام دین کے متعلق زیادہ ہوتے جاتے تھے۔ سید صاحب نے آزادی اور عدم تقلید کا جو سبق سکھایا۔ اس سے نوجوان طبقہ میں لا ادریت اور دہریت پھیلنے لگی۔ جس کے آثار خود سید صاحب نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے تھے۔

کارکنانِ قضا و قدر کو یہ منظور ہوا کہ بندول کا ایک طالب علم شبلی جو ابھی ابھی کنز اور قدوری کی بھول بھلیاں میں مبتلا تھا۔ اس عظیم الشان فرض کی ادائگی اپنے ذمہ لے اور بیک وقت دونوں دشمنوں کا مقابلہ کرے۔ اِدھر علما میں آزادی کی سپرٹ پیدا کرے اور اُدھر یورپ کے سیلاب کا مقابلہ کرے۔

۱۸۸۲ء میں ہمارا نوعمر مولوی اپنے بھائی محمد مہدی کو کالج میں داخل کرانے کے لئے علیگڈھ گیا۔ وہاں سرسید احمد خان سے ملاقات ہوگئی۔ دونوں کی فطرت کو ایک دوسرے کی پیاس تھی۔ سید صاحب نے مولانا کو کالج کی پروفیسری پیش کی جو قبول کر لی گئی۔ شبلی کی زندگی میں اس واقعہ سے ایک اہم انقلاب آیا۔ اگر خدانخواستہ سید صاحب کالج کی پروفیسری نہ پیش کرتے۔ یا شبلی اس کو قبول نہ کرتے۔ تو آج دنیا شبلی کو اس حیثیت سے نہ جانتی اور وہ بیش بہا تصنیفات بھی موجود نہ ہوتیں جو آج ہمارے علم و ادب کی رونق ہیں۔

اگرچہ شبلی کی طبیعت میں علمی مذاق قدرت کا عطیہ تھا جس کی ابتدائی تربیت انہوں نے پہلے تو ان نامی گرامی اساتذہ کے زیر سایہ کی اور پھر اعظم گڑھ کے "فیاض کتاب فروش" کی دکان کے ایک گوشہ میں اس کو اور جلا ملی۔ تاہم جب وہ دارالعلوم میں پہنچے تو وہاں انہیں ہر طرف ایک نئی دنیا نظر آئی۔ اِدھر نوجوانان کالج تھے۔ جو نئے نئے ولولے لے کر میدان میں آئے ہوئے تھے۔ اور جن کی زبان پر سید صاحب کی تلقین کی بدولت "قوم قوم" کے الفاظ بطور ورد جاری تھے۔ اُن کی پُرجوش

گفتگوئیں، ان کے بلند ارادے، ان کے جذبات وحسیات سب کے سب زندہ دل اور بیدار دماغ شبلی کو تڑپانے کے لئے کافی تھے ؛

اس ساز وسامان اور رونق بزم سے کہیں زیادہ میر مجلس کی عظمت اور انکی بینظیر ہمت اور جوش، جو اپنے خلوص کی وجہ سے مُردہ دلوں میں زندگی کی لہر دوڑا رہی تھی ان کے خطبات، ان کا علوم اسلامیہ کو از سر نو زندہ کرنے کا خیال، بیرونی حملوں کا تسلی بخش جواب دینے کی زبردست خواہش، نازک احساس شبلی کے سوز وساز میں کیوں اضافہ نہ کرتیں ؛

سیّد صاحب کا کتب خانہ مشرق ومغرب کی بہترین اور منتخب کتابوں کا مجموعہ تھا۔ شبلی کے علمی ذوق وشوق کو پورا کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کس چیز کی ضرورت تھی۔ ایک خط میں لکھتے ہیں "میں جس حالت میں ہوں۔ اچھا ہوں۔ سیّد صاحب نے اپنے کتب خانہ کی نسبت مجھے عام اجازت دے رکھی ہے۔ اور اس وجہ سے مجھ کو کتب بینی کا بہت عمدہ موقع حاصل ہے[1]"۔ پھر فرماتے ہیں "سید صاحب کے پاس تاریخ اور جغرافیہ عربی کی چند ایسی کتابیں ہیں۔ جن کو حقیقت میں میں کیا بڑے بڑے لوگ نہیں جانتے ہوں گے[2]" ؛

یہیں انہوں نے ۱۸ ویں صدی کے نامور مؤرخ گبن کی شہرۂ آفاق کتاب کا مطالعہ کیا۔ جس کے اثرات کا ہم آئندہ صفحات میں پتہ چلائیں گے ؛

شبلی اس کتب خانہ کی الماریوں کے پاس گھنٹوں کھڑے کھڑے مطالعہ کرتے اور جب تھک جاتے تو وہیں بیٹھ جاتے ؛

سیّد صاحب کے دائرۂ علمیہ میں ایک انگریز بزرگ بھی تھے۔ جن کو دنیا آرنلڈ کے نام سے جانتی ہے۔ لیکن ہم ان کو مصنف "پریچنگ اف اسلام"، شبلی کے فرنچ

---

[1] مکاتیب جلد ۱۔ ص ۶۰ [2] ایضاً۔ ص ۶۰ ؛

کے استاذ اور سفر روم و شام میں جہاز کے ہم سفر کے طور پر جانتے ہیں۔ کالج کا یہ دور بھی ایک مبارک دور تھا۔ جس میں مذاکرۂ علمی کے لئے ان بزرگوں کا عجیب و غریب اجتماع اتفاقات زمانہ نے قایم کر دیا تھا۔

اسی زمانے میں آرنلڈ نے اپنی کتاب "پریچنگ اوف اسلام" لکھی۔ جس کے سلسلے میں شبلی سے استفادہ ہوتا رہا۔ اس کتاب کا عام رجحان وہی ہے۔ جو علیگڈھ کا اور اس عہد کا مسلم رجحان ہے۔ یعنی یہ کہ مذہب کی عام مقبولیت اور اس کی اعلےٰ تعلیم ہی اس کے سچا ہونے کا ثبوت ہے۔ اسلام دنیا میں بزور شمشیر نہیں پھیلا بلکہ اس کی اصولی سادگی اور فطری پاکیزگی اس کی اشاعت کا سبب ہوئی۔ کتاب کے وسیع مضامین کو دیکھ کر جن میں تاریخی معلومات کا ایک بیش بہا ذخیرہ موجود ہے۔ یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ اس میں مدرسۃ العلوم کے پروفیسر شبلی کا کتنا حصہ ہوگا۔ اس کے برعکس شبلی کی کتابوں میں جہاد کی تعلیم کے متعلق جو دھیما رجحان پایا جاتا ہے۔ اسکو "پریچنگ" کے اصول سے کس قدر مطابقت ہے۔ شبلی نے آرنلڈ سے فرنچ۔ اور آرنلڈ نے شبلی سے عربی زبان سیکھی۔

سفرنامہ کی سطور میں شبلی نے آرنلڈ کے ساتھ اپنے پُرمحبت تعلقات کا جن الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ اس سے اس اثر کا پتہ چلانا مشکل نہیں۔ جو صاحب موصوف نے ہمارے مورخ پر ڈالا ہوگا۔

بعض حلقوں میں یہ غلط فہمی ایک پختہ خیال کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ کہ شبلی یورپ کے اثرات سے بالکل آزاد تھے۔ یہ لوگ غالباً اس کوشش سے یہ مقصد رکھتے ہیں۔ کہ اس طریق سے شبلی کے اجتہاد اور مذہبی رتبہ کو ثابت کریں۔ افسوس ہے۔ کہ یہ خیال بہت حد تک غلط ہے۔ انسان خارجی اثرات کی مخلوق ہے یہی اثرات جو بتقاضائے مشیت ایزدی اشخاص و افراد سے دوچار ہوتے ہیں۔ زندگی

کے سارے رجحان اور رفاقت کو تبدیل کرتے ہیں۔ شبلی کے متعلق بھی یہی ہوا۔ اور اگر شبلی ان اثرات سے متاثر نہ ہوتے تو ممکن ہے کہ آج یہ سطور لکھنے کی نوبت نہ آتی ؛

آئندہ صفحات میں ہم ان مغربی اثرات کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کریں گے یہاں صرف اس قدر کہنا کافی ہے۔ کہ شبلی کی زندگی پر علاوہ ملک کے سیاسی ماحول اور مسلمانوں کے انحطاط کے سب سے زیادہ اثر مغرب کا پڑا۔ یہ اور بات ہے کہ شبلی نے ان اثرات کو، اپنی اسلامی طبیعت اور اسلامی روایات سے کس طرح تطبیق دی۔ لیکن شروع سے لے کر آخر تک شبلی نے مغربی رجحان کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کیا ڈاکٹر لائٹنر کی کتاب "سنین اسلام" نے شبلی کے لئے ایک خفیف سی راہ عمل پیدا کی اور پہلے پہل مغربی طرز کی ایک تالیف کا ولدادہ بنایا ؛

خطبات احمدیہ نے یہ بتایا۔ کہ یہی فرض موجودہ وقت کا اہم ترین فرض ہے۔ سید صاحب نے شبلی میں مغربی اثرات کو قبول کرنے کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت پیدا کر دی۔ یورپ کی خدمت علم اور علوم اسلامیہ کی قدردانی اور نادر کتابوں کی اشاعت نے تعصب کو دور کر دیا اور شبلی کے قلب میں "مشرق و مغرب کے امتزاج" کی خواہش بیدار ہو گئی۔ چنانچہ شبلی کا تمام سرمایہ تصنیف اسی ایک خواہش کا مظہر ہے ؛

بہر حال کالج کے سارے زمانہ قیام میں شبلی مغربی اثرات کے اندر کھیلتے رہے اور ان کی مشرقی فطرت اس قوت کو اپنے سانچے میں ڈھالتی رہی۔ چنانچہ اسی کے نقوش، صبح امید (۱۸۸۴ء)۔ مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم (۱۸۸۷ء)۔ رسائل اور المامون وغیرہ میں صاف طور پر نمایاں ہیں۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے ؛

۱۸۹۲ء میں شبلی نے الفاروق کے لئے ذخیرۂ معلومات جمع کرنے اور بعض نادر کتب کا پتہ چلانے کے لئے روم، مصر اور شام کا سفر اختیار کیا۔[1] یہی خیال تھا جس نے

---

[1] سفرنامہ ص ۱ ؛

اول اول اس سفر کی تحریک دل میں پیدا کی۔ کیونکہ یہ یقین تھا۔ کہ مصر و روم میں اسلامی تصنیفات کا جو بقیہ رہ گیا ہے۔ ان سے ایک ایسا سلسلہ تالیف ضرور تیار ہو سکتا ہے"۔ لیکن اس سیر و سیاحت کے دوران میں شبلی کی زیادہ تر توجہ ان ممالک کے علمی تمدنی اور کلچرل حالات کے مطالعہ کی طرف مبذول رہی۔ ان امور کے متعلق شبلی نے جگہ جگہ پھر کر مختلف "پرابلم" پر غور کیا۔ اور اکثر چیزوں کے اسباب و علل کے دریافت کرنے کی کوشش کی ؛

یہ عجیب بات ہے۔ کہ ان اسلامی سلطنتوں کی سیاحت کے دوران میں اور اس کے بعد شبلی کے تصورات مختلف مسائل کے متعلق تقریباً وہی رہے۔ بلکہ جو نقوش اور جو آب و رنگ پہلے ذرا ہلکا تھا۔ اب تیز تر ہو گیا۔ یعنی ہندوستان میں قوم کی بے بسی کا جو احساس ستا رہا تھا۔ اس نے ترکی اور روم اور شام میں پہنچ کر اور بھی مجروح کر دیا شبلی نے محسوس کیا۔ "کہ سلطنت کی حیثیت سے اگر قطع نظر کی جائے۔ تو مسلمانوں کی حالت وہاں بھی کچھ زیادہ مسرت اور اطمینان کے قابل نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ بہت سی باتوں میں ہندوستان کے مسلمانوں کے قریب قریب ہے"[1] ؛

ہندوستان میں شبلی جس امتزاج جدید و قدیم کے لئے ہمہ تن سرگرم عمل تھے مصر اور روم و شام میں پہنچ کر اس مقصد کے حل کرنے کے مسائل پر بخوبی غور ہوتا رہا۔ نئی تعلیم کے متعلق جو شکایت ہندوستان میں تھی۔ وہاں بھی جدید جماعت کو اسی مرض کا شکار پایا۔ پرانی تعلیم میں جو کمزوریاں یہاں نظر آتی تھیں۔ ان کی حالت وہاں بھی کسی طرح بہتر نہ تھی۔ شبلی یہ محسوس کرتے تھے۔ کہ "وہاں پرانی تہذیب اور نئی تہذیب میں ابھی تک رقابت ہے۔ اور دونوں سے مل کر کوئی مرکب مزاج پیدا نہیں ہوا" ؛

---

[1] سفرنامہ۔ ص ۸ ؛

حقیقت یہ ہے۔ کہ اس زمانے میں تمام اسلامی ممالک میں سیاسی اور ملی زندگی میں ایک انقلاب یکساں طور پر برپا تھا۔ اور اس انقلاب کے اسباب ہر جگہ تقریباً ایک ہی تھے۔ یعنی سلطنت کے فرق کے علاوہ تمام ملکوں میں قدیم و جدید کے درمیان اثرات مغرب کے ماتحت ایک کشمکش برپا تھی۔ اور ملک و قوم میں ابھی تک وہ صلاحیت پیدا نہ ہوئی تھی۔ جو قلب ماہیت کیا کرتی ہے۔ ان تمام مشاہدات کا خلاصہ صرف اس قدر ہے۔ کہ شبلی کے دماغ نے ہندوستان میں جو صالح مغربی اثرات قبول کئے تھے انکا رنگ مغرب میں زیادہ گہرا ہو گیا۔ اور ان کا جو حصہ غیر معتدل تھا اور جس کے خلاف شبلی کی ضمیر میں ایک ہیجان یہاں پیدا ہو چکا تھا۔ ان ممالک کی سیر و سیاحت نے اس خفیف ہیجان کو ایک باقاعدہ اور زبردست "احتجاج" کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ غرض یہ کہنا غلط نہیں۔ کہ یہ مغربی سیر و سیاحت بھی دراصل شبلی پر خارجی اثرات پڑنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوئے ؛

مصر ایک عرصہ سے اسلامی دنیا میں دماغ کا درجہ رکھتا ہے۔ علی الخصوص اس زمانے سے جب کہ نپولین اعظم کی کشور کشائیوں نے مصر کو بھی فتح کئے بغیر نہ چھوڑا۔ یہی دور تھا۔ جبکہ یہ ملک پہلی دفعہ مغربی اثرات سے روشناس ہوا۔ مصر جدید کے بانی محمد علی پاشا نے تمام سوسائٹی کی بنیاد نئے اصولوں پر رکھنے کی جوان تھک کوششیں کی ہیں۔ ان کی تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں۔ اس کے بعد وہاں کے علما و فضلا نے علوم و فنون کے اندر نئی روح پھونکنے کے لئے شبانہ روز محنتیں کیں۔ پریس کی آزادی اور علوم کے نظریہ ہائے جدید نے مصر کو اسلامی دنیا میں اثر و تاثیر کا ایک نہایت ہی خوشگوار سرچشمہ بنا دیا اور باوجودیکہ جامعہ ازہر ابھی تک قدیم نظام تعلیم کے ساتھ وفادارانہ وابستگی رکھتا تھا۔ ملک میں "مغرب پسند" علما کی ایک بہت بڑی جماعت پیدا ہو چکی تھی۔ جس کی کوششوں کے طفیل انگریزی لٹریچر کا ایک منتخب سرمایہ عربی زبان

میں منتقل ہو چکا تھا۔ اور بہت سی" اور نجل تصانیف" بھی شایع ہو کر اکناف واطراف ملک میں پھیل چکی تھیں ؛

ہندوستان بھی مصر کے اس اثر سے محفوظ نہ تھا۔ اور سیاسی حالات نے مصری اور ہندوستانی مسلمانوں کے تعلقات کو اور بھی مضبوط بنا رکھا تھا پس شبلی ان اثرات سے کیسے بچ سکتے تھے ؛

مصر سے جو لٹریچر شایع ہوتا تھا۔ شبلی اس کو منگوایا کرتے تھے۔ وہاں کی تعلیمی اور علمی تحریکوں کی رفتار کا بغور مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔ "نصاب تعلیم میں برسوں غور کر چکا ہوں۔ مصر کی اصلاحات کو دیکھتا رہتا ہوں۔ وہاں سے جدید کتابیں جواب تک کسی کے پاس نہیں پہنچیں۔ ان کو منگوایا گیا ہے"[1] وہاں کے علماء سے خط وکتابت برابر جاری رکھتے تھے۔ سید رشید رضا مصری جو المنار کے ایڈیٹر تھے۔ شبلی کی دعوت پر ندوہ میں تشریف لائے۔ ایک علمی بحث ومباحثہ کے وجہ سے خود مصر بھی مولانا کی ذات سے بخوبی روشناس ہو چکا تھا۔ مصر کے مشہور مؤرخ جرجی زیدان نے اپنی کتاب" تمدن اسلام کی تاریخ" میں شبلی کی علمی بزرگی کو تسلیم کیا ہے۔ اور تصانیف شبلی سے حوالے نقل کئے ہیں۔ اس تصنیف پر شبلی نے ایک تنقید عربی زبان میں لکھی تھی جو المنار میں شایع ہوئی ؛

ان تفاصیل سے ہمیں صرف اس قدر غرض ہے۔ کہ شبلی کی ذہنی تربیت میں مصر کا کچھ کم حصہ نہیں۔ اور درحقیقت مصر ہی" مغربی اصول علمی" سے شبلی کی واقفیت کا ایک واسطہ تھا۔ انگریزی کی بہت سی کتابیں جو شاید شبلی کے مطالعہ میں نہ آسکتیں۔ عربی کے توسط سے ہندوستان پہنچیں۔ اور شبلی نے ان کے مطالب سے استفادہ کیا۔ کارلائل کی کتاب" ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ" عربی لباس میں ہی شبلی کے پاس آئی

---

[1] مکاتیب۔ ج ۱۔ ص ۱۵۲ ؛

جنھوں نے اس کا مطالعہ کیا۔ اور اس سے بہت فائدہ اٹھایا۔ ایک خط میں لکھتے ہیں "کارلائل کی کتاب کا عربی میں ترجمہ ہوگیا ہے۔ اچھا ترجمہ کیا ہے۔ میرے کام کی چیز ہے[1]" یہ کیونکر شبلی کے کام کی چیز تھی۔ آئندہ سطور میں اس کے اثرات کا ہم ذکر کرینگے۔

مصر میں الیڈ کا ترجمہ ہوتا ہے۔ شبلی کی نظر سے گذرتا ہے۔ فرید وجدی اسلام کے ثبوت اور فلسفہ حال کی تطبیق پر مصر سے ایک پرچہ نکالتے ہیں۔ شبلی اس کو بہت پسند کرتے ہیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں "ماہوار نکلتا ہے۔ زور کا پرچہ ہے اور واقعی عمدہ ہے۔ ایڈیٹر فرنچ اور جرمن زبان کا ماہر ہے[2]"

ان تعلقات نے شبلی کے دل و دماغ پر کیا اثر ڈالا؟ مختصراً یہ کہ یورپ کے مآخذ زیادہ آسانی کے ساتھ شبلی کی نظر سے گذرے۔ اور انھوں نے ذاتی مطالعہ سے یورپ کے اصول علمی کے متعلق رائے قائم کی۔ علمی زاویہ نگاہ میں ناقدانہ بصیرت پیدا ہوئی۔ جو وسعت مطالعہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور جو علمی ماحول کی تنگی سے یقیناً محدود ہو جاتی۔ شبلی کے "رجحان معقولیت" کو ترقی ہوئی۔ شبلی کی سیاسی حسیات جو ان کی اکثر تصانیف کی جان ہیں۔ زیادہ بیدار ہوئیں اور "بین الاقوامی اسلامیت" کا جذبہ جو حیات شبلی کے دور آخر میں ہندوستان اور دیگر اسلامی ممالک میں بہت نشو ونما پا چکا تھا۔ زیادہ مشتعل ہوا۔

شبلی کے شاگردوں اور دوستوں کی ایک بہت بڑی جماعت انگریزی تعلیم سے بہرہ ور تھی۔ ان کے اپنے خاندان میں انگریزی تعلیم کا رواج عام ہو چکا تھا۔ ان کے حقیقی بھائی مہدی اور جنید وکیل تھے۔ ان کے چچا زاد بھائی مولانا حمید الدین مشرقی اور مغربی تعلیم کے جامع تھے۔ پھر دوستوں میں شیخ عبد القادر ایم۔ اے (الفنسٹن کالج بمبئی)۔ ایم مہدی حسن (مصنف افادات)۔ سید نواب علی ایم اے (بڑودہ کالج) اور عطیہ فیضی۔ شاگردوں میں سید سلیمان اور مولانا عبد الماجد وغیرہ سب انگریزی سے واقف

[1] مکاتیب۔ ج ۱۔ ص ۲۱۱ [2] مکاتیب۔ ج ۱۔ ص ۱۴۹

تھے۔ شبلی کی زندگی کی یہ ایک عجیب و غریب خصوصیت ہے۔ کہ اس کا اکثر و بیشتر حصہ علمی افادہ و استفادہ، اور شاگردوں کی تربیت میں گذرا۔ مولانا نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کے علمی مذاق کی اصلاح کے لئے جو کچھ کیا۔ اس کا مختصر سا خاکہ ہمکو مکاتیب سے مل سکتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پُر لطف بات یہ ہے۔ کہ شبلی اپنی تصانیف کی ترتیب و تحریر کے دوران میں اپنے ان انگریزی دان دوستوں اور شاگردوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔ عربی اور اُردو ترجموں کے ذریعے جن مغربی تصانیف تک پہنچنا مشکل تھا ان کے مطالب اور معانی ان لوگوں کے ذریعے معلوم کئے۔ کسی کو لکھا "فارسی شاعری میں تخیل کی چند مثال حسب خیالاتِ یورپ لکھ بھیجو"۔ مولانا حمید الدین کو شکایت کے لہجے میں لکھتے ہیں "کاش حکمائے یورپ کے خیالات سے واقف کرتے"۔ عبد الماجد سے میور۔ ولہاوزن۔ نولدیکی اور فارسٹر کی کتابوں اور تحقیقات کا خلاصہ مانگتے ہیں۔ شیخ عبد القادر کو لکھتے ہیں "زمیہ یا اخلاقی شاعری پر انگریزی کا نمونہ چاہتا ہوں"۔

غرض قدم قدم پر اپنی اس نو تربیت یافتہ جماعت سے یورپ کی کتابوں کے سلسلے میں فائدہ اٹھاتے نظر آتے ہیں۔ جس سے ایک طرف تو یہ مقصد تھا۔ کہ یہ لوگ بھی اسی ذوق سے متصف ہو جائیں۔ جو اُن کا اپنا خاصہ تھا۔ اور دوسری طرف یہ کہ ان کی توجہ کسی وقت یورپ کے اثرات سے غافل نہ رہے۔ جن کے سلسلے میں انہوں نے مدت سے "خذ ما صفا دع ما کدر" پر عمل کر رکھا تھا۔ اس انہماک کے پیش نظر، ہمارے مصنف اور مؤرخ کی بیدار مغزی سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔

جس نے تصنیف و تالیف پر قلم اٹھانے سے پہلے، ہر مسئلہ و مضمون کے متعلق مشرق اور مغرب کے بنیادی اصول کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اور پھر ہر مسئلہ کے متعلق ایک نقادانہ رائے قائم کی۔

سید محمد عبد اللہ

تبصرہ و تنقید

۱۔ ہندوستان کے قدیم فارسی شعراء

(۴۲۱ھ تا ۶۷۹ھ)

(از ڈاکٹر اقبال حسین صاحب ایم اے، بی۔ ایل، پی ایچ ڈی، فارسی لکچرر پٹنہ کالج)

یہ مسرت کا مقام ہے۔ کہ ہندوستان کے قدیم شعرای فارسی کے متعلق تحقیقات کا شوق ملک میں پیدا ہونے لگا ہے اور زیادہ خوشی اس امر کی ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں کے سند یافتہ اس کی طرف اپنی توجہ مبذول کرنے لگے ہیں۔ ڈاکٹر وحید مرزا عربی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی نے حضرت امیر خسرو کی حیات و مصنفات پر ایک عالمانہ تبصرہ بزبان انگریزی تالیف کیا۔ جس کو پنجاب یونیورسٹی نے اپنے مصارف سے طبع کیا۔ سید یوشع جونیر لکچرر فارسی مدراس یونیورسٹی نے فتوح السلاطین تالیف ۷۵۰ھ کا دیباچہ بنام عصامی نامہ حال ہی میں شائع کیا ہے۔ اب ڈاکٹر اقبال حسین ایم۔ اے، بی۔ ایل، پی ایچ۔ ڈی فارسی لکچرر پٹنہ کالج نے امیر خسرو کے پیشروؤں پر ایک انگریزی مقالہ سپرد قلم کیا ہے۔ جو مع دیباچہ و انڈکس وغیرہ چھوٹی تقطیع کے دو سو چونتیس صفحات پر شامل ہے اور اس وقت ہمارے زیر تبصرہ ہے۔ اس رسالہ کی تعریف میں اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ مقالہ ہذا ہمارے ملک کے مشہور استاد ڈاکٹر عظیم الدین کی رہبری اور سر ڈینی سن راس اور ڈاکٹر ہادی حسن کے قیمتی مشوروں کے ساتھ طیار ہوا ہے۔ پٹنہ یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے واسطے پیش کیا گیا اور منظور ہوا اور اسی یونیورسٹی نے اسے طبع کیا۔ قدیم شعرائے ہند پر قلم اٹھانا کوہ کندن و کاہ برآوردن کا مترادف ہے اور ڈاکٹر اقبال حسین اس سنگلاخ اور

بنجر زمین میں اپنی تیشہ زنی اور جگر کاوی پر مستحق مبارکباد ہیں ۔

یہ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ خالص مشرقی موضوعات پر بھی ہمارے نونہال ہندوستانی یونیورسٹیوں کے ناروا اور غیر مفید ضوابط کی بنا پر انگریزی زبان میں اپنے مقالے لکھنے پر مجبور کئے جاتے ہیں۔ جن سے ملکی زبانوں کے ابھرنے اور ترقی پانے کی کوئی امید نہیں ہوسکتی۔ ہمیں رنج بھی ہوتا ہے اور ہنسی بھی آتی ہے۔ جب ہم مقالہ نگار کو سلطان شمس الدین التمش کے پورے نام "السلطان الاعظم شمس الدنیا والدین ابو المظفر التمش" کے ترجمہ کے ساتھ بعبارتِ ذیل کشمکش میں مصروف پاتے ہیں :۔

The mighty sultan, sun of the Empire and the Faith, Conquest laden Iltutmish."

اگر ڈاکٹر صاحب نے "ابو المظفر" کا ترجمہ 'کانکوئسٹ لیڈن' (فتح سے لدا) کر دیا تو اس میں ڈاکٹر صاحب کا کیا قصور ہے۔ قصور ان ضوابط کا ہے۔ جو ہمیں انگریزی لکھنے اور پھر متعارف انگریزی لکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا ۔

مقالۂ ہذا میں چھ شاعروں ابو عبداللہ النکتی۔ ابو الفرج رونی۔ مسعود سعد سلمان۔ تاج الدین ریزہ۔ شہاب مہرہ۔ اور عمید سنامی کا مذکور ہے اور جس قدر ذرائع معلومات ان شعرا کے لئے میسر ہیں۔ ڈاکٹر اقبال حسین نے ان سے پورا پورا استفادہ کیا ہے۔ اور سارے مواد کو ایک خوش اسلوبی کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ اہل پنجاب کے لئے شاید یہ اطلاع موجب اطمینان ہو کہ ڈاکٹر صاحب کی فہرست کے ان چھ شعرا میں سے چار پنجاب سے علاقہ رکھتے ہیں۔ یعنے ابو عبداللہ النکتی۔ ابو الفرج رونی۔ مسعود سعد سلمان۔ عمید سنامی ۔

ڈاکٹر صاحب نے شاید ہندوستان زائی کی شرط قائم کر کے اس عہد کے دیگر شعرا کو اپنی فہرست سے خارج کر دیا ہے۔ تاہم ہم سمجھتے ہیں کہ حمید الدین مسعود بن سعد شالی کوب جو بقول عوفی "احرار خطۂ لوہور (لاہور)" سے تعلق رکھتا ہے اور مولانا سراج منہاج لوہوری المولد

کا داخل تو ان کی فہرست میں ضروری تھا۔ بلکہ ہم تو یہ بھی کہیں گے۔ کہ ایسے بیرونی شعرا جنکی شاعری ہندوستان کی سرزمین میں پرورش اور نشو ونما پاتی ہے۔ ہندی نژاد شعرا کے ساتھ ساتھ ہندی کے استحقاق میں دوش بدوش ہیں۔ اگر قطب الدین ایبک۔ التمش۔ بلبن اور بابر کا شمار سلاطین ہند میں ہوسکتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ وطنیت کے تنگ خیال کی بنا پر ان شعر گویوں کو ہندی شاعروں کے طبقے سے خارج رکھا جائے۔ اسی خیال نے شاید انہیں ملتان کے تمام شعراء کو جو ناصر الدین قباچہ کے دربار سے متعلق تھے (مثلاً شمس الدین محمد کاتب بلخی فضلی۔ ضیاء الدین سجزی وغیرہم) اپنی فہرست میں شامل کرنے سے باز رکھا ہے۔ قباچہ کو علم و فضل و شعر و سخن سے خاص وابستگی تھی۔ اور اس کے دربار میں اچھے اچھے فضلا و شعرا جمع تھے۔ اور اس کثرت سے تھے۔ کہ مجد الدولہ سید الافاضل نے ایک علیحدہ تذکرہ ان کے ذکر میں تالیف کیا تھا اور نمونہ کلام بھی کثرت سے دیا تھا۔

جس قدر شعرا ڈاکٹر صاحب نے لئے ان کے تعلق میں بھی تمام مباحث کے ساتھ کافی داد نہیں دی گئی۔ ابو الفرج کے دیوان کو اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جاتا تو اس عہد کے سیاسی و تاریخی و دیگر مسائل پر نئی روشنی پڑتی۔ وہ افغانوں اور جاٹوں (جت) کو مشرک لکھ رہا ہے جس سے ظاہر ہے کہ افغان اور جاٹ اس وقت تک من حیث القوم مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس کے ہاں سب سے پہلے دہلی۔ میرٹھ (میرت) اور بدایوں (بوداوں) کا ذکر آتا ہے۔

ابو الفرج کے باپ کا نام مسعود ہے۔ مگر یہ کونسا مسعود ہے۔ ایک مسعود رازی ہے جسے سلطان مسعود شہید نے اس جرم میں کہ اس نے سلجوقیوں کی بڑھتی طاقت کے توڑنے کا ایک قصیدہ میں مخلصانہ مشورہ دیا تھا ؎

مخالفان تو موران بدند مار شدند برآر زود ز موران مار گشتہ دمار

جو مسعود کو برا معلوم ہوا۔ ہندوستان میں جلا وطن کر دیا۔ بعد میں ایک قصیدہ کی بنا پر

۴۳۱ھ میں اگرچہ قصور معاف کر دیا اور تنخواہ جلم (جیلم) کے معاملہ پر مقرر کر دی۔ مگر حکم دیا کہ ہندوستان ہی میں رہے اور غزنی نہ آنے پائے۔ ادھر خود ابوالفرج اپنے باپ کو مسعودی کے نام سے یاد کرتا ہے اور امیر سیف الدولہ محمود سے اپنے نام پر اس کی تنخواہ کی بحالی کا مستدعی ہے۔ چنانچہ

کزو جوہی کہ داشت مسعودی　　کند آزاملک بدان تمکین

ص۲۵ پر سیف الدولہ محمود کے ایک جشن کے سلسلہ میں مسعود سعد سلمان کے دیوان سے ایک تاریخ دے کر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ابوالفرج نے اس کی تاریخ نہیں دی۔ مگر ابوالفرج نے جو ایک تاریخ دی تھی ڈاکٹر صاحب نے اس پر بھی نظر التفات نہیں ڈالی وہو ہذا :۔

خسرو ابندہ را بلو ہاور　　در مدیح تو شعرہاست متین
ہر یکی کردہ راوی انشاد　　در سنہ اربع ستہ وتسعین

آخری لفظ کی قرأت میں اختلاف ہے سبعین اور تسعین بھی قلمی نسخوں میں ملتا ہے۔ جس میں تسعین تو صریحاً غلط ہے۔ ستہ کی جگہ مایہ بھی ملتا ہے۔ جس سے مراد ۴۶۰ھ یا ۴۶۶ھ ہو سکتا ہے ؛

بعض موقعوں پر غیر ضروری مباحث داخل کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً صفحات ۱۵، ۲۷ و ۲۸ پر سلطان ابراہیم غزنوی کے جلوس و وفات کے سنین کے تعلق میں مختلف اقوال نقل ہوئے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ابراہیم ۴۵۰ھ یا ۴۵۱ھ میں تخت نشین ہوا۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ اس کا سال جلوس ۴۵۰ھ ہے۔ اگرچہ متعدد آخذ گنا دیئے۔ مگر یہ فیصلہ نہیں کیا۔ کہ اس کی تخت نشینی کا صحیح سال کیا ہے۔ ابراہیم کے جلوس کے لئے سب سے قدیم اور معتبر مؤرخ ابوالفضل بیہقی ہے۔ اس نے یہ تاریخ بدیں الفاظ دی ہے :۔

"روز دوشنبہ نوزدہم صفر سنہ احدی وخمسین واربعمائۃ"۔ (۱۹ صفر ۴۵۱ھ مطابق

۶ر اپریل ۱۰۵۹ء)۔

اس طرح ابراہیم کی وفات کے لئے ہر دو روایت ۴۸۲ھ و ۴۹۲ھ تحریر کرنا۔ اور مؤخر الذکر سال کی تصدیق کے لئے برٹش میوزیم کے سکوں کی شہادت پیش کرنا ہمارے نزدیک تحصیل حاصل ہے۔ کیونکہ آج ایسا کوئی شخص موجود نہیں جو ابراہیم کی وفات ۴۸۲ھ میں تصوّر کرتا ہو۔

صلا ابوالفرج رونی کی وفات کے متعلق مختلف اقوال دیئے کہ صحف ابراہیمی میں ۴۸۹ھ مرآت عالم میں ۴۸۲ھ۔ نشتر عشق میں ۴۹۰ھ۔ جن میں آخری تاریخ ڈاکٹر کی نگاہ میں صحت کے زیادہ قریب ہے اور کہ وہ ۴۹۲ھ کے بعد تک زندہ رہا۔ ہمارے نزدیک تصویر کا نیم رخ دکھانا ہے۔ اگر ہم ڈاکٹر کی جگہ ہوتے تو اس استدلال کو جہاں انہوں نے ختم کیا ہے۔ وہاں سے یوں شروع کرتے۔ کہ سلطان مسعود ثالث ۴۹۲ھ میں تخت نشین ہوتا ہے اور ابوالفرج رونی نے اس کی مدح میں سولہ سترہ کے قریب قصائد اور چند قطعات لکھے۔ جو اس کے دیوان میں موجود ہیں۔ اس لئے ابوالفرج کو مسعود کے جلوس سے بدرجۂ اقل چند سال بعد تک زندہ رہنا چاہیئے۔ وہ مسعود کی تاجپوشی کے موقعہ پر قصیدہ لکھتا ہے۔ دوسرے قصیدہ میں شاہ موصوف کے اک دنتے ہاتھی کی طرف تلمیح ہے ؎

بشکل پیل یک دندش نگہ کن نعم چون پیل یکدندش ہزار است

"یک دند"۔ اک دنتا۔ 'دند' پنجابی شکل ہے ہندی 'دانت' کی۔ ایک قصیدہ یورش قنوج کے ذکر میں ہے۔ شاہ موصوف ہندوستان میں 'موہند' کے قریب سے جو کوہ سوالک میں ایک درہ کا نام ہے۔ گذرتا ہوا ہمیشہ ہر بایہ ؟ کو عبور کر کے 'سنکت' ہوتا ہوا قنوج پہنچتا ہے اور 'ملہی' والی قنوج سے کچھ پیل و مال پر صلح کر کے واپس ہوتا ہے۔ ایک دعائیہ قصیدہ میں فتح قنوج اور نشاط صید کی سبارکباد دی جاتی ہے۔ ایک قصیدہ اس وقت لکھا ہے۔ جب مسعود افغانوں اور جاٹوں کو عید قربان کے ایام میں سزا دیتا ہے۔ ایک قصیدہ شاعر نے اس وقت نظم کیا۔

جب غزنیں ہیں بارگاہ خلافت سے بادشاہ کے لئے 'عہد ولوا' آیا ہے۔ اور شہر میں عام خوشیاں منائی جارہی ہیں (ہمارے قیاس میں خلیفہ المستظہر کی یہ سفارت مسعود کے پاس ۴۹۴ھ سے قبل نہیں پہنچ سکتی) ایک قصیدہ کسی جدید عمارت کی تعریف میں ہے۔ جو مسعود نے اپنے لئے بنوائی۔ موسم سرما کی آمد پر ایک اور قصیدہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں شاعر بادشاہ کو غزنیں کے سرد سیر سے ہندوستان کے گرم سیر کی طرف جانے اور قنوج و بنارس فتح کرنے کی تحریص کرتا ہے۔ ایک دعائیہ قصیدہ کسی غزو کی مبارکباد میں تحریر ہوا ہے۔ جس کی خوشی میں جشن بھی منایا جاتا ہے۔ دو قصیدے غالباً لاہور میں مسعود کی دوبارہ آمد پر مرقوم ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اور دیگر قصاید ابوالفرج نے خاص خاص موقعوں پر لکھے ہوں گے۔ جن کے لئے ایک مدت درکار ہے۔ ادھر مسعود کے باپ ابراہیم کی تعریف میں ابوالفرج کے ہاں کل چھ سات قصیدے ملتے ہیں جس سے بظاہر یہی قیاس قایم کیا جاسکتا ہے کہ ابراہیم کے مقابلہ میں ابوالفرج کی شاعری کا زمانہ مسعود کے عہد میں زیادہ گزرا ہے۔ اگرچہ اور توجیہیں موافق و مخالف لائی جاسکتی ہیں مگر ان واقعات کی بنا پر یہ استدلال قابل قبول ہوگا۔ کہ مسعود کی شان میں یہ قصیدے شاعر نے کئی سال کے عرصے میں لکھے ہوں گے۔ اس لئے ابوالفرج کو مسعود کی تخت نشینی سے جو ۴۹۲ھ میں ہوتی ہے کئی سال بعد تک زندہ رہنا چاہیئے۔

اس مدت کی حدبندی کے لئے ہم دو تاریخیں پیش کرتے ہیں (۱) شاعر نے سلطان مسعود کی شان میں جشن آبان کے موقعہ پر جب ایام عید بھی تھے۔ ایک قصیدہ لکھا ہے ؎

شاہ را روی بخت گلگوں باد　　جشن آبان بر وہمایوں باد

آبان اور عید کی تلمیح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جشن ۱۰ آبان ۴۷۱ھ یزدجردی کو منایا گیا ہوگا۔ جو ۱۱ ذی الحجہ ۴۹۵ھ کے مطابق ہے۔ (۲) ایک اور قصیدہ میں (مع آمد آن تیر ماہ سرد سخن) جو خواجہ ابوسعد بابو کی مدح میں ہے۔ شاعر نے فارسی مہینے 'تیر' اور 'روزہ کشائی وعید' کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قصیدہ ہذا ایسے سنہ میں لکھا گیا ہوگا۔ جب تیر اور رمضان

اکھٹے آئے ہیں۔ ۱۰ تیر ۴۷۳ھ یزدجردی کو تاریخ یکم رمضان ۴۹۷ھ واقع ہوتی ہے۔ ان تاریخوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ابوالفرج رونی ۴۹۷ھ تک تو زندہ ہے اور کوئی تعجب نہیں اگر پانچویں صدی کے اختتام تک بقید حیات ہو۔ ہمارے نزدیک یہ استدلال بہ نسبت اُس استدلال کے جس میں زیادہ تر متأخر تذکرہ نگاروں کے اقوال و آرا منقول ہیں زیادہ قرین صحت اور فیصلہ کن ہے ۔

ص۲۷ ۔ ابوالفرج کے پہلے ممدوح ابراہیم کے ذکر میں ڈاکٹر نے اس کے خطابات اور تاریخ جلوس و وفات پر بحث کرنے کے سوا اور کوئی کام کی بات نہیں کہی ۔

ص۲۹ ۔ ابوالفرج کے دوسرے ممدوح علاء الدین مسعود کے تذکرہ میں بھی کوئی بات نہیں پیدا کی ۔ وہی تاریخ جلوس و وفات اور خطابات پر بحث ہے۔ زیادہ زور اس بات پر صرف ہوا ہے۔ کہ تاریخ روضۃ الصفا میں جلال الدولہ جو اس کا خطاب درج ہے ۔ بالکل غلط ہے۔ اس کے لئے سکوں تک کی شہادت پیش ہوئی ہے ۔

ص۳۱ ۔ تیسرا ممدوح سیف الدولہ ہے۔ ڈاکٹر اگر چاہتے تو اس کے متعلق خواجہ مسعود سعد سلمان اور ابوالفرج رونی کے دیوانوں کے مطالعہ سے ہندوستان میں اسکے کارناموں کی تفصیل دے سکتے تھے ۔

(۴) خواجہ منصور بن سعید بن احمد بن حسن میمندی (۵) ثقۃ الملک طاہر بن علی بن مشکان (۶) ابونصر پارسی (۷) خواجہ ابوسعد بابو (۸) ابوالقاسم خاص (۹) ابورشد رشید خاص (۱۰) عبدالحمید بن احمد بن عبدالصمد (۱۱) محمد بہروز پر ڈاکٹر نے کام کے اور قیمتی نوٹ لکھے ہیں ۔

(۱۲) نجم الدین ابا حلیم زریر شیبانی کو ڈاکٹر سلطان مسعود بن ابراہیم کے عہد کا سپہ سالار مانتے ہیں ۔ حالانکہ وہ سلطان ابراہیم کے عہد میں تھا۔ وہ ایک ادنے سپاہی کے درجہ سے ترقی کرتے کرتے سپہ سالار ہند بن گیا۔ اس کے کارنامے دورِ محمودی کی یاد دلاتے ہیں

وہ ایک طرف بنارس (بارنسی) اور دوسری طرف سومنات پہنچا ہے۔ تھانیسر (تانیسر) کو مغلوب اور قنوج کو زیر کر چکا ہے۔ میرٹھ (میرت) اس کے حلقۂ اثر میں ہے اور انکی دہلی کی سزادہی کے لئے جس نے میرٹھ پر تاخت کی تھی طیاری میں مصروف ہے۔ اتنے میں سلطان ابراہیم کی آمد کی خبر پہنچتی ہے۔ زریر کی تقصیر کا ہمیں علم نہیں مگر وہ باغی و غدار قرار دیا جاتا ہے اور ایک قلعہ میں پناہ لیتا ہے۔ جہاں سے محاصرہ کے بعد گرفتار ہو کر ابراہیم کے سامنے لایا جاتا ہے اور موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے ؛

یہاں ہم کچھ اشعار جو اجلیم کے انجام پر روشنی ڈالتے ہیں۔ خواجہ مسعود کے دیوان سے نقل کرتے ہیں :-

بگو بدان کہ خلاف خدا یگان خواہد — کہ کارنامۂ بے مغز را یکی برخوان
نگاہ کن کہ چو بر خویشتن بہ پیچد ازوی — چگونہ روی بدو داد محنت و حرمان
شدش فرمش آنخال کآمد از جا جرم — نمد قبائی پوشیدہ پارۂ خلقان
براہ مرکب او بود پیرلاشہ خری — زچوب کردہ رکاب و زلیف کردہ عنان
ہمہ فراغت او آنکہ گرم خفتی شب — ہمہ تنعم او آنکہ سیر خوردی نان
لباس خویش پشم و بساط زمش خاک — سلیح و آلت خاشاک و نان و انبان
بفر دولت و اقبال شہریار اجل — بقدر و نسبت بگذاشت تارک زکیوان
چو یافت از ملک شرق زور و زہرہ شیر — بدو سپرد ملک مرغزار ہندستان
ز رزم جویان داشت چہل ہزار سوار — چو تیغ آختہ قدد چو نیزہ بستہ میان
ولایتی کہ بدو داد خسرو عالم — ہزار رای فزون بود در نواحی آن
بطول بود ز مہیارہ تا بآسارو — بعرض بود ز کشمیر تا بہ سیبستان
چو مار پیچان بودی ز حد تبش رای — چو برگ لرزان بودی زنوک تیرش خان
چو از قبائل نسبت ہمی بشیبان کرد — شدند بر فلک از مفخرش بنی شیبان

بدان سپاہ و بدانخواستہ فریفتہ شد — بگشت در سر بیہوش و مغز او عصیان
بہ نیم ساعت کفران نہ ہر چہ نعمت داشت — ہمی نشاندش آری چنین کند کفران
طلوع بودش چون نجم و نجم نام و نسب — غروب باشد آری پس از طلوع بدان
بقرب خسرو شد محترق چنین باشد — ہر آنستارہ کہ با آفتاب کرد قران
کدام حصن زہند او حصار خواست گرفت — کہ نہ بدولت سلطان براوی شد زندان
چو فوجی از سپہ شاہ روی داد بدو — ہمہ نشاط وی اندو گشت و سود زیان
غریو موکب خسرو چو گرد حصن بجاست — گرفت سخت گریبان بخت او خذلان
سعادت ملک او را فروگشید ز حصن — بغل دو دست و ہمی خواست نیہ رو امان
شکوہ شاہ بخم کرد چون کمان پشتش — گلوی او بزہ اندر کشید ہمچو کمان

(دیوان مسعود سعد سلمان ص ۱۴۴، طبع ایران، ابوالقاسم خوانساری ۱۲۹۶ھ)

ابا علیم کے حسرتناک انجام کے بعد غالباً ایالت ہند سیف الدولہ محمود کے سپرد ہوتی ہے جو ابراہیم کا خلف اکبر تھا۔

انوری پر ابوالفرج کے اثر کے متعلق کافی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور خوب لکھا ہے مگر ایک بات رہ گئی۔ انوری نے ابوالفرج کے تتبع میں جو قصیدے لکھے ہیں۔ ان کا تذکرہ نہیں کیا۔

ص ۶۷ سے ص ۱۴۶ تک مسعود سعد سلمان کا تفصیلی مذکور ہے۔ اس شاعر کے باب میں جو اطلاع ڈاکٹر صاحب نے دی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی اپنے مضمون میں جو خواجہ مسعود پر لکھا ہے دے چکے ہیں۔ ان بیانات کی تکرار اور دوبارہ چھان بین کی بجائے اگر ڈاکٹر مسعود کے ہاں ایسے امور پر جو ہند و غزنہ کے تعلقات اور ہندوستانی معاملات سے متعلق ہیں توجہ دیتے تو ان کے لئے نیا زمینہ اور ہمارے لئے معلومات کا جدید ماخذ بن جاتا۔

مسعود کے والد سعد سلمان کے ذکر میں ایک امر قابل اضافہ ہے کہ وہ ۴۲۷ھ میں بعہد سلطان مسعود شہید جب شہزادہ مجدود والی ہند مقرر ہوتا ہے۔ مستوفی کے منصب پر سرفراز ہوکر ہندوستان آتے ہیں۔ تب سے یہ خاندان اس سرزمین میں آباد ہوگیا۔ تاریخ بیہقی میں آتا ہے "ووی را شہزادہ مجدود حاجب باسپاہ داود و بو منصور پسر ابو القاسم علی لوکی از دیوان ما باوی بدبیری رفت و سعد سلمان بہ مستوفی، و حل وعقد سرہنگ محمد بستد"

ص ۸۶۔ محمد بھیلیم (Mohammad Bhylim) یہ نام پڑھ کر ہر شخص چونک اٹھے گا۔ طبقات ناصری میں رجوع کرنے سے معلوم ہوا کہ محمد باہلیم ہے۔ مگر فخر مدبر نے کتاب آداب الحرب میں جو بعہد سلطان شمس الدین التتمش تصنیف ہوئی ہے محمد باحلیم مذکور ہے اور یہی شکل صحیح ہے۔ آداب الحرب میں سلطان بہرام شاہ اور محمد باحلیم کی جنگ کا قصہ بھی تفصیلاً مرقوم ہے۔ ولایت ملتان (مولتان) کے ایک کانو کیکوڑ کے پاس جس کے ایک طرف پانی اور دلدل تھا۔ یہ جنگ واقع ہوئی۔ محمد باحلیم کا اکثر لشکر اس دلدل میں تلف ہوگیا۔

ص ۱۰۵ و ص ۱۰۶۔ چالندر۔ ڈاکٹر نے اپنے مقالہ میں جہاں کہیں اس شہر کا ذکر کیا۔ چُالندر، باجیم فارسی لکھا ہے۔ اور یہ نہیں بتایا کہ کس مقام کا نام ہے۔ ہم سمجھتے ہیں۔ کہ مرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی کی تقلید میں انہوں نے یہ قرأت اختیار کی جو غلط ہے۔ لیکن مرزا ایرانی ہیں اور ہندوستان کے جغرافیے سے ناواقف۔ صحیح نام جالندھر ہے۔ جو پنجاب کے ضلع جالندھر کا صدر مقام ہونے کے علاوہ لدھیانہ اور امرتسر کے درمیان شمال مغربی ریلوے کا اسٹیشن اور صوبہ پنجاب کا مشہور و معروف شہر ہے۔

مسعود سعد سلمان کے تذکرہ میں ڈاکٹر صاحب بڑی حد تک میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی کے فاضلانہ رسالہ "مسعود سعد سلمان" کے ممنون ہیں جس کا پروفیسر براون نے انگریزی زبان میں ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ مگر اس ممنونیت کا اظہار نہیں کیا گیا۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ بغیر

ایسے رہبر کامل کے مسعود سعد سلمان کے سفر حیات کی منازل اور ان کے نشیب و فراز طے کرنا ڈاکٹر صاحب کے لئے نہایت دشوار ہو جاتا۔ تاہم میرزا کی طرف ان کا رویہ حریفانہ ہے۔ وہ میرزا کے رسالہ کا اسی وقت زیادہ ذکر کرتے ہیں۔ جب اس سے اختلاف منظور ہوتا ہے ایسی حالت میں اکثر وہ اپنا راستہ گم کر جاتے ہیں۔ ہم یہاں بخوف طوالت اس بیراہہ روی کی ایک آدھ مثال پر قناعت کرتے ہیں :۔

(۱) صفحہ ۵ عفو سلطان نامدار رضی برشب من فگند نور قمر

اس شعر کی سند پر میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے یہ رائے قایم کی کہ خواجہ مسعود کو پہلی قید سے جو دہ سالہ تھی سلطان ابراہیم غزنوی نے اپنی زندگی ہی میں رہا کر دیا تھا اور ہر شخص ان کی رائے کے ساتھ اتفاق کرے گا۔ خود شاعر کے اپنے بیان سے زیادہ کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے۔ مگر ہمارے ڈاکٹر اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

" سلطان رضی سے میرزا محمد خاں کی مراد سلطان ابراہیم ہے۔ اگرچہ بعض غیر مشہور تاریخوں میں سلطان ابراہیم کو 'سلطان رضی' کے نام سے یاد کیا گیا ہو مگر رضی اس موقع پر اسم صفت کی حیثیت سے استعمال ہوا ہے اور سلطان ابراہیم مراد نہیں۔ نہ اس کے بے شمار سکوں پر یہ خطاب پایا جاتا " صفحہ

ڈاکٹر اس حد تک تو سچے ہیں۔ کہ ابراہیم کے سکوں میں یہ نام (رضی) نہیں ملتا اور ملتا بھی کہاں سے جب اس کی زندگی میں یہ خطاب اس کے لئے استعمال ہی نہیں ہوا۔ ہمارے ڈاکٹر اس لفظ کے حقیقی مفہوم سے ناآشنا ہیں اور اسی لئے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ متوفی سلاطین کے لئے ضابطہ تھا۔ کہ سرکاری دفاتر اور تاریخوں میں خاص خاص ناموں سے یاد کئے جاتے تھے۔ فارسی میں یہ قاعدہ بنو سامان کے عہد سے رائج ہے۔ احمد بن اسمٰعیل سامانی کو 'امیر شہید' نصر بن احمد کو 'امیر سعید'۔ نوح بن نصر کو 'امیر حمید'۔ عبدالملک کو 'امیر سدید' سلطان محمود کو 'امین' ہمایوں کو 'جنت آشیانی' اکبر کو 'عرش آشیانی' اور عالمگیر کو 'خلد مکان' کہتے تھے اسی طرح

ابراہیم بن مسعود غزنوی وفات کے بعد 'سلطان رضی' کے نام سے یاد کیا گیا۔ مسعود کے شعر بالا میں 'سلطان رضی' سے مراد یقیناً ابراہیم غزنوی ہے اور میرزا محمد کا نظریہ بالکل صحیح ہے۔

ڈاکٹر کا یہ مقولہ کہ 'رضی' غیر متعارف تاریخوں میں آتا ہوگا۔ پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ کیونکہ اکثر معتبر تاریخوں میں اس کا استعمال ہو رہا ہے۔ طبقاتِ ناصری سے ایک مثال عرض ہے

"وتختِ سلطنت بہ سلطان رضی' ابراہیم علیہ الرحمۃ رسیدہ بود۔" (ص۴۳)

(۲) ص۲۵ تا ص۲۸ مسعود سعد سلمان نے کسی ابوالفرج کے خلاف ایک قطعہ لکھا ہے جس کا پہلا شعر ہے ؎

ابوالفرج شرم نامدت کہ بخبث　　بہ چنین حبس و بندم افگندی

اس سے ظاہر ہے کہ یہ ابوالفرج ہمارے شاعر کو قید میں ڈلواتا ہے۔ اس ابوالفرج کے متعلق مسعود کے تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے۔ اکثر نے شاعر مشہور ابوالفرج رونی کا نام لیا ہے۔ میرزا محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے مسعود کے دیوان سے دو ابوالفرج تلاش کئے پہلا یحییٰ ابوالفرج رونی اور دوسرا ابوالفرج نصر بن رستم جو نائب دیوان ہند ہے۔ یہ مسعود کی قید ثانی کا ذکر ہے جو واقعہ سلطان مسعود کے دور میں پیش آتا ہے۔ میرزا نے نمبر اول کو تو اس بنا پر خارج کر دیا کہ مسعود کے قطعات سے ثابت ہوتا ہے کہ دونو شاعروں میں گہرے دوستانہ تعلقات تھے اور نمبر دوم کو یوں بری کر دیا کہ سلطان سابق کے عہد میں وفات پا چکا تھا۔ جیسا کہ اس کے مرثیے سے جو خود خواجہ مسعود نے لکھا ہے ثابت ہوتا ہے۔ یہ مرثیہ مطبوعہ دیوان میں شامل نہیں۔

ہمارے ڈاکٹر ان امور کو جاننے کے باوجود ایک نہایت عجیب اور نرالے استدلال سے ابوالفرج نصر بن رستم کو مسعود کی قید کا مجرم گردانتے ہیں۔ قطعہ مذکورہ کے آخری شعر میں وہ مسعود کی ایک دھمکی

زود خواہی درود بے شبہت　　بر تخمی کہ خود پراگندی

نقل کر کے کہتے ہیں۔ کہ مسعود کی یہ دھمکی بالآخر کچھ عرصہ بعد اپنا رنگ لائی جیسا کہ اشعار آیندہ سے جو شاعر نے ابوالفرج نصر بن رستم کو لکھے ہیں ظاہر ہوتا ہے :۔

اے کینہ ور زمانۂ غدار خیرہ سار — بر خیرہ تیرہ کردہ بسا بر تو روزگار
بر بندگان اگر بہ ستیز است کار تو — بر خواجۂ عمید چرائی ستیزہ کار
بر نصر رستم از چہ ستمگار گشتۂ — در مہتری نبود ستمگر بہ ہیچکار
آن بوالفرج کہ داد جہانرا ز غم فرج — اکنون ہم از جہان تو برآری ہمی دمار

مگر ڈاکٹر یہ بیان نہیں کرتے کہ اس دھمکی نے آخر کیا گل کھلایا۔ قصہ مختصر ان اشعار اور قطعہ کی بنا پر نیز اس بنا پر کہ مطبوعہ دیوان میں ابوالفرج نصر بن رستم کا نام قطعہ مذکورہ کی سرخی میں درج ہے ڈاکٹر کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ ابوالفرج نصر بن رستم ہے جو ابونصر پارسی کی تباہی اور اس کے متعلقین کی (جن میں مسعود سعد سلمان بھی شامل ہے) قید و بند کا بانی کار تھا۔

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ڈاکٹر صاحب ابیات بالا کی روشنی میں کس طرح اس خلاف توقع نتیجہ پر پہنچے۔ ان اشعار سے برخلاف اس کے کہ مسعود کی کسی دھمکی کی ایفا مترشح ہو ابوالفرج نصر بن رستم کے ساتھ شاعر کی دلی ہمدردی اور غمخواری ثابت ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابوالفرج اپنے عہدۂ امارت سے معزول ہو گیا ہے اور شاعر اس کی تسلی اور دلدہی میں یہ قصیدہ لکھتا ہے۔ ابتدا میں زمانہ کو خطاب کرتا ہے کہ تیری بیباکیوں نے ہماری اوقات تلخ کر دی ہے خیر ہم غریبوں کو تو جتنا جی چاہے ستالے مگر خواجہ عمید نصر بن رستم پر کیوں ظلم روا رکھتا ہے۔ اس نے تو اپنے دور امارت میں کبھی ستم سے کام نہیں لیا۔ وہی ابوالفرج جس نے دنیا کو ظلم سے نجات دی اور تو اب بھی بدستور دنیا کی ہلاکت میں مصروف ہے۔ اس کے بعد شاعر اپنے ممدوح کو خطاب کر کے کہتا ہے کہ چاند کو گھٹنے سے شرم نہیں محسوس نہیں کرنی چاہیئے۔ گھٹنے ہی سے بڑھنا اس کو نصیب ہوتا ہے اور چودھویں کا چاند بن جاتا ہے۔ گردش فلکی ہمیشہ نحوست میں قائم نہیں رہے گی سعادت کی طرف بھی کروٹ بدلے گی۔ آخر ایک دن تیری مراد بر آئے گی

اور دنیا تیری ترقی پر ناز کرے گی، چنانچہ

اے چون مہ چہاردہ در کاہش و کمی — مہ راز کاستن نبود ہیچ ننگ و عار
مہ ار ہمہ تمام نکاہد از انچہ ہست — آخر بر آید از فلک ارچہ نزار و زار
آخر فزوں شود کہ فزونی ز کاستست — وز پستی آروش بہ بلندی دہ و چہار
این گردش فلک نہ ہمہ بر نحوستست — آخر سعادتیست درین خیر و مدار
آخر بکام دل رسی و ہوائے دل — آخر زمانہ با تو کند باز افتخار

(دیوان مسعود ص۱۰۰ - طبع ابوالقاسم خوانساری ۱۲۹۶ھ)

یہ اشعار ڈاکٹر صاحب کے منقولۂ بالا اشعار کے عین بعد آتے ہیں - اور قصیدہ اس دعا پر ختم ہوتا ہے ؎

عز و بقات باد و سرت سبز و تن درست — دل شاد و شاد کام و تن آباد و شاد خوار
مسپار دل باندہ و گیتی ہمی سپر — مگذر تو از جہان و جہان خوش ہمی گذار (ص۱۰۱)

مطبوعہ دیوان میں قطعہ مذکور کا ابوالفرج نصر بن رستم کے نام کے ذیل میں دیا جانا کوئی معتبر سند نہیں - یہ دیوان بالکل غیر منتقدانہ حالت میں طبع ہوا ہے - متن بے حد سقیم ہے اور سرخیوں میں بھی کئی موقعوں پر غلط اندراج ہیں - قطعہ کے متعلق دیوان کی تنہا شہادت کافی نہیں اور قطعہ اپنی سرخی کی تائید میں بھی نہیں - لیکن جب میرزا محمد اطلاع دے چکے کہ ابوالفرج نصر بن رستم سلطان ابراہیم کے عہد میں وفات پا چکا اور مسعود نے اس کا مرثیہ بھی لکھا - اس واضح اور صاف اطلاع کے بعد ڈاکٹر کا نصر بن رستم کو اس کی وفات سے کئی سال بعد ظہور پذیر ہونے والے حبس مسعود سعد سلمان کے لئے ماخوذ کرنا بالکل بے معنی معلوم ہوتا ہے - ڈاکٹر یا تو مرزا کے بیان کی تردید کر کے ثابت کرتے کہ ابوالفرج معلوم مسعود کی قید دویم کے وقت زندہ موجود تھا یا بجائے قطعہ کی سرخی پر اعتبار کرنے کے دیوان مسعود کے مخطوطات کی ورق گردانی کرتے اور یہ دکھاتے کہ وہ مرثیہ وجود ہی نہیں رکھتا - میرزا محمد کا اس مرثیے کے اشعار نہ دینا ان کی ثقاہت پر حرف

نہیں لاتا۔ اور نہ ان کے بیان کی اہمیت کو گھٹاتا ۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر کے دعوے کے واسطے بھی کوئی معقول وجہ یا قرینہ موجود ہے؟ دیوان میں رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالفرج نصر بن رستم 'عمید ملک' 'سالار' اور 'صاحب دیوان ہند' (وزیر دیوان ہند) ہے۔ مسعود نے اس کی شان میں آٹھ قصیدے لکھے ہیں۔ وہ اس کو نہایت ادب اور احترام کے ساتھ خطاب کرتا ہے۔ اپنا سرپرست اور مربی تسلیم کرتا ہے۔ اس کا لہجہ نہایت مخلصانہ اور نیازمندانہ ہے اور شاعر پر اس کے احسانات مسلّم ان قصاید میں کسی ناخوشگوار واقعہ کی طرف تلمیح تک نہیں جس کی بنا پر مسعود اس ممدوح کے خلاف اپنی ابرو پر شکن لاتا یا شکایت سے لب آشنا کرتا۔ یہی نہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس کے زوال دولت کے وقت بھی شاعر اس کے ساتھ وفادار رہا ہے۔ جیسا کہ ابیات بالا سے ظاہر ہے۔ پھر مراتب زندگی اور دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے دونوں میں نمایاں فرق ہے۔ خلاصہ یہ کہ ایک امیر کبیر اور سالار صاحب اقتدار اور دوسرا اس کا مداح اور متوسل۔ ادھر قطعۂ بالا میں جس ابوالفرج کو شاعر نے خطاب کیا ہے وہ یقیناً شاعر کا ہم رتبہ بلکہ کم رتبہ ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ شاعر کے ساتھ سلوک و احسان کرتا الٹے شاعر نے اس کے ساتھ سلوک کئے ہیں۔ چنانچہ مسعود اسی قطعہ میں کہتا ہے :-

شد فراموش کز برای تو باز من چہ کردم زنیک پیوندی

یعنے میں نے اپنی شرافت سے تیرے ساتھ جو سلوک کئے۔ تو نے سب کو نسیاً منسیا کر دیا کیا ایک رئیس اعظم اور امیر محترم کو اس طرح سے خطاب کیا جا سکتا ہے۔ یہ شعر بھی قابل غور ہے

تا من اکنون زغم ہمی گریم تو بہ شادی زدور میخندی

کہ میں تو غم میں رو رہا ہوں اور تو مجھے روتا دیکھ کر دور سے کھڑا کھڑا ہنس رہا ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں کیا غمزدہ مسعود کا یہ نالہ ایک امیر والاجاہ کے خلاف فریاد خوانی کا پتہ دیتا ہے یا ایک سنگدل حریف کے برخلاف جو اپنے رقیب کو پامال ہوتا دیکھ کر جوش مسرت میں

بغلیں بجانے لگتا ہے۔ پورے قطعہ کی زبان۔ اس کا اسلوب بیان اور جذبات سب اس خیال کے مؤید ہیں کہ ان کا مخاطب ایک بے وفا دوست اور ہمسر ہے نہ کہ کوئی امیر جلیل القدر ہم ایک شعر اور نقل کرتے ہیں ؎

وین چنین قوتی تراست کہ تو پارسی را کنی شکاوندی

اور اب تو تیرا حوصلہ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ (ابونصر) پارسی کی گردن میں لگ گیا ہے۔ اس شعر سے بھی ہمارے خیال کی تائید مزید ہوتی ہے ؎

یہاں ایک اور امر کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ جب ایالت ہند عضد الدولہ شیرزاد کے سپرد ہوئی۔ ابونصر پارسی عمید ملک اور نائب مقرر ہوا۔ یہ وہی منصب ہے جس پر ہم ابوالفرج نصر بن رستم کو بھی سرفراز دیکھتے ہیں۔ یعنے وہ عمید ملک اور وزیر دیوان ہند ہے ابوالفرج رونی اور مسعود کے قصائد سے یہ امر واضح ہے۔ ظاہر ہے کہ دو شخص ایک وقت میں اسی ایک خدمت پر مامور نہیں ہو سکتے۔ اس دقت کو دور کرنے کے لئے لامحالہ ہمیں ان کے زمانوں میں فرق ماننا پڑے گا۔ ادھر شیرزاد کے دور کے منصبداروں کی فہرست میں جو مسعود کی مثنوی میں محفوظ ہے۔ ابونصر پارسی کا نام ملتا ہے۔ مگر ابوالفرج نصر بن رستم کا نام موجود نہیں۔ اس سے بھی ان کے زمانوں میں تقدیم و تاخیر لازم آتی ہے۔ لہذا ہم کہیں گے۔ کہ ابوالفرج نصر بن رستم ابراہیم کے دور میں اور ابونصر پارسی مسعود کے عہد میں نائب ہند تھے۔ جب ان کا زمانہ مختلف لازم آگیا تو ان وزیروں کا اسی ایک معاملہ میں بحیثیت فریق مخالف حصہ لینا تقریباً دشوار ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم ابوالفرج نصر بن رستم کو اس قطعہ کا مخاطب تسلیم نہیں کر سکتے ؎

ہمارا ان دو مثالوں سے یہ دکھانا مقصود تھا۔ کہ ڈاکٹر نے جہاں جہاں میرزا سے مختلف الرای ہونے کی کوشش کی ہے مطلق کامیابی حاصل نہیں کی۔ بلکہ اسے مشکلات میں گرفتار ہو گئے ؎

باقی رہا یہ سوال کہ اس قطعہ کا مخاطب کونسا ابوالفرج ہے۔ ہم اس کے متعلق صرف اسی قدر کہیں گے۔ کہ یا تو ہمیں ایک تیسرا ابوالفرج تسلیم کرنا پڑے گا یا پھر ابن احمد رازی کا ہمنوا ہو کر ابوالفرج رونی پر شبہ کی نظریں دوڑانی پڑیں گی۔ ڈاکٹر کو اعتراض ہے کہ ابن احمد نے افسانہ تراش لیا۔ ممکن ہے کہ افسانہ ہو مگر اس افسانہ کے لئے گنجایش ضرور موجود ہے ہو سکتا ہے کہ ابوالفرج رونی نے سعایت کی ہو ع بود ہم پیشہ با ہم پیشہ دشمن۔ رشک و حسد شعرا کی عام خصوصیت ہے۔ خود مسعود سعد سلمان اپنے پہلے حبس کے متعلق تو صاف صاف ایک شاعر ہی کو ملزم قرار دے رہا ہے۔ وہ سلطان ابراہیم سے مخاطب ہے :۔

ہمی ندانم خود را گناہی و جرمی — مگر سعایت تلبیس دشمن مکار
زمن تبرسدای شاہ خصم ناقص من — کہ کار مدح بمن باز گردد آخر کار

(دیوان ص ۸۶)

ان اشعار کے ساتھ جب صاحب ہفت اقلیم نے اس قطعہ کو بھی دیکھا۔ جس میں ابوالفرج کا نام مذکور ہے۔ تو وہ قدرتاً اسی نتیجہ پر پہنچا کہ یہ ابوالفرج رونی ہے۔ جس نے غریب مسعود کو قید میں ڈلوایا۔ اس لئے تذکرہ نگاروں کا یہ اعتقاد اسقدر گمراہ کن نہیں جسقدر ڈاکٹر سمجھے ہیں۔ لاہور میں اس وقت چوٹی کے شاعر صرف دو تھے۔ پہلا مسعود سعد سلمان اور دوسرا ابوالفرج رونی۔ جب مسعود شکایت کرتا ہے کہ میرے ہم پیشہ شاعر نے برنبائے رشک میری بدگوئی کی تاکہ منصب مداحی پر میری بازیجالی نہ ہو سکے۔ تو ظاہر ہے کہ تذکرہ نگاروں کی نگاہیں قدرتاً ابوالفرج رونی پر اٹھیں گی۔

ص ۱۱۱۔ ڈاکٹر کا اعتقاد ہے۔ کہ مسعود نے اگرچہ ملک ارسلان کی شان میں قصائد لکھے لیکن اس کو شاہی عنایت حاصل نہیں ہوئی۔ البتہ اس کے جانشین بہرام شاہ کے دور میں مسعود سعد سلمان ندیمان خاص میں شامل ہے۔ یہ بادشاہ شعرا کا بڑا قدردان تھا اور مسعود کا زمانہ اس کے دربار میں آسایش و راحت سے بسر ہونے لگا۔

مگر دیوان پر سرسری نظر ڈالنے سے قضیہ بالکل برعکس معلوم ہوتا ہے۔ بہرام شاہ کی تعریف میں قصائد کی تعداد چار سے زیادہ نہیں۔ ادھر ملک ارسلان کی شان میں چھ عدد غزلیات وقطعات کے علاوہ بارہ قصائد ملتے ہیں۔ ان قصائد میں اس کا انداز بڑی حد تک غیر مکلفانہ ہے۔ کبھی وہ اپنے متعلق کبھی دوسروں کے متعلق عرض ومعروض میں مصروف ہے۔ ایک قصیدہ میں وہ اپنے پرانے دوست ابونصر پارسی کی وفات کا ذکر کرتا ہے ؎

بونصر پارسی ملکا جان تو سپرد　　زیر امنرای مجلس عالی جزآن نداشت (ص ۲۱)

پھر اس کے اخلاق ومحاسن بیان کر کے کہتا ہے کہ اس نے ترسٹھ سال کی عمر میں جان دی۔ مرتے وقت اس کے آخری الفاظ شاہ کی مدح وثنا میں تھے۔ مرحوم مجھ پر خاص طور سے مہربان تھا۔ ہم میں دوستی کا یہ سلسلہ چالیس سال سے قائم تھا۔ اب بادشاہ کو چاہیئے۔ کہ اس کی اولاد کی عزیز داشت سے غافل نہ رہے۔

ارسلانی قصائد میں شاعر ایک سے زیادہ مرتبہ اپنی قید کے واقعہ کی طرف تلمیح کرتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ سلطان مسعود کے اواخر عہد سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک موقعہ پر کہتا ہے ؎

ای شاہ جہان فلک ندانست　　آنگاہ کہ بر تنم جفا کرد
چون دید مرا بخدمت تو　　دانست کہ آن جفا خطا کرد (ص ۶۳ دیوان)

دوسری جگہ کہتا ہے :-

در انتظار رحمت وفضل تو ماندہ ام　　ای کردہ روزگار ترا دولت انتظار
داند خدای عرش کہ گیتی قرار داد　　کز رنج دل نیابم شبہا ہمی قرار
من بندہ سال سیزدہ محبوس ماندہ ام　　جان کندہ ام زمحنت در حبس ودر حصار
زین زنہیار خوار فلک جان من گریخت　　در زنہارت ای ملک زنہار دار
در بندہای تنگ وخشن ماندہ مستمند　　در بندہای سخت بتر ماندہ سوگوار (ص ۹۴ دیوان)

اب وہ اپنی بے نوائی اور قرض کے متعلق گویا ہے :-

دارم ہزار دشمن و یکجان و بیم تن — لیکن گذشتہ وام من از ہشتصد ہزار
پیر ضعیف عالم و درویش عاجزم — بر پیری و ضعیفی من بندہ رحمت آر
گیرم گناہگارم واللہ کہ نیستم — نہ عفو کردہ گنہے ہرگز نہ بگار

ان گذارشات سے روشن ہے کہ ملک ارسلان کے ساتھ شاعر کے تعلقات بہت خوشگوار تھے اور اس کے ساتھ اس کی بہت توقعات وابستہ ہیں ۔

اکثر تذکرہ نگاروں نے مسعود کا سال وفات ۵۱۵ھ مانا ہے ۔ ڈاکٹر برخلاف جمہور تقی کاشی کی تقلید میں ۵۲۵ھ لکھتے ہیں ۔ جس کے واسطے کوئی معقول وجہ تو موجود نہیں ۔ بہرام شاہ ۵۱۲ھ میں تخت نشین ہوتا ہے ۔ اس کی مدح میں مسعود نے کل چار قصیدے لکھے ہیں ۔ جن سے قیاس ہوتا ہے کہ بہرام شاہ کے عہد میں ہمارا شاعر دیر تک زندہ نہیں رہا ۔ اسلئے جو لوگ اس کی وفات ۵۱۵ھ میں بیان کرتے ہیں ۔ انکی رائے صحت کے قریب ہے ۔

مقالہ کا جو حصہ مسعود کی شاعری اور اس کی خصوصیات سے تعلق رکھتا ہے ۔ ہماری رائے میں نہایت مفید اور قیمتی کارگذاری ہے ۔ اگرچہ اس میں بھی اضافہ کی گنجایش محسوس ہوتی ہے ۔ عروضی نقطۂ نظر سے خواجہ مسعود کے ہاں بعض جدید اوزان ملتے ہیں اور ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں ۔ جن کو ہندی اثرات کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے مثلاً بارہ ماسہ یا دوازدہ ماہہ جسے خواجہ نے غزلیات شہوریہ کے نام سے یاد کیا ہے اور غزلیات اسبوعیہ و ایامیہ اور شہر آشوب ۔ نظموں کی یہ قسمیں ۔ سرزمین پنجاب میں فارسی اور ہندی کے روابط کی یادگار ہیں اور فارسی شاعری کے مورخ کے لئے ان کا جائزہ لینا ازبس ضروری ۔ فارسی میں ان نظموں کی روشناسی سے یہ امر توصاف روشنی میں آجاتا ہے کہ خواجہ مسعود ہندی کی ان اقسام نظم سے یقیناً واقف تھے اور تذکرہ نگاروں کا یہ دعوے کہ خواجہ مسعود نے ہندی میں بھی ایک دیوان یادگار چھوڑا بے بنیاد نہیں معلوم ہوتا ۔

یہاں ہم ایک پالغز کا بھی ذکر کر دینا چاہتے ہیں۔ جو ڈاکٹر صاحب کو پیش آئی۔ تاج ریزہ کے ذکر میں وہ لکھتے ہیں کہ "تقی اوحدی اور رضا قلی خاں نے انوری کے بعض اشعار تاج ریزہ کی طرف منسوب کر دیے ہیں۔ مثلاً یہ قصیدہ :۔

افزود با ز رونق ہر مرغزار گل　　چون زیر یافت نالۂ ہر مرغزار گل

حالانکہ دیوان انوری میں موجود ہے۔ تاج کے حوالے کر دیا ہے۔" ص۱۶۰

ہماری رائے میں یہ قصیدہ تاج کا ہے نہ انوری کا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ اہل مطبع نے کسی غلط فہمی کی بنا پر نہ صرف یہی قصیدہ بلکہ تاج ریزہ کے کئی اور قصیدے کلیاتِ انوری میں شامل کر لئے۔ یہ غلطی قدیم ہے اور انوری کے بعض مخطوطات میں بھی موجود ہے۔ تاج کے قصائد زبان کی سادگی و سلاست اور داخلی شہادت کی بنا پر انوری کے کلام سے جس کی خصوصیت تکلف۔ دقت بیان اور حسن ادا ہے۔ بآسانی پہچانے جا سکتے ہیں قصیدۂ بالا التمش کے فرزند غیاث الدین محمد کی تعریف میں ہے اور اس کا نام متن میں موجود ہے۔ اسی غیاث الدین کی مدح میں ایک اور قصیدہ ہے جو کلیاتِ انوری میں ص۸۵ پر پایا جاتا ہے۔ اس کا مطلع ہے :۔

ساقی بیا کہ وقت میے لعل روشن است　　میدان خاک تیرہ کنون سبز گلشن است

التمش کا مدحیہ قصیدہ جو ڈاکٹر نے ص۱۵۱-۱۵۴ پر نقل کیا ہے۔ کلیات انوری میں ص۱۳۳ پر مع مطلع موجود ہے۔ یہی نہیں بلکہ کلیات انوری میں دو قصیدے (ص۸۳ اور ص۳۶) سلطان رکن الدین فیروز کی تعریف میں اور دو قصیدے (ص۸۷ و ص۱۳۶) نظام الملک قوام الدین محمد جنیدی کی ثنا میں ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک قصیدے میں شاعر اپنی ہندی نژادی کے متعلق گویا ہے :۔

مولد و منشا بمین در خاک ہندستان مرا　　نظم و نثرم بین کہ بر آب خراسان آمدہ است

(ص۸۹ کلیات انوری)

ایک اور قصیدہ غالباً شہزادی رضیہ سلطانہ کی شان میں لکھا ہے۔ جب التتمش زندہ ہے :۔

راضی زتواے رضیۃ الدین ٭ حق قادر ذوالجلال اکرم (ص ۲۸۱ کلیات انوری)

ہم نے کسی قدر تفصیل سے اس موضوع پر رسالہ اُردو (اپریل ۱۹۲۴ء) میں بحث کی ہے۔ جو ص ۲۲۷ سے شروع ہوتی ہے۔ لہذا یہاں اس مختصر پر قناعت کی جاتی ہے ٭

سنام کا تلفظ فی زمانہ بضم اول ہے۔ قدیم تلفظ بضم اول و تشدید دوم ہے۔ سب سے پہلے اس قصبہ کا ذکر عثمان مختاری کے ایک قصیدہ میں آتا ہے جب مسعود ثالث نے اس پر حملہ کیا ہے :۔

خبر رسید کہ اندر نواحی سُنّام ٭ سر حصاری کو داشت با ستارہ قران

سنام ریاست پٹیالہ کی عملداری میں پٹیالہ سے ۳۴ میل جانب مغرب نظامت کرمگڑھ میں لدھیانہ جاکھل ریلوے پر واقع ہے ٭

تاج ریزہ۔ شہاب مہرہ۔ اور عمید سنامی کے سلسلہ میں تمام ذرائع سے ضروری اطلاع فراہم کر لی گئی ہے اور ہمیں یقین ہے کہ ایک دراز عرصہ تک ان شعرا پر جو کچھ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے۔ اس پر جدید اضافہ نہیں ہو سکے گا ٭

یہ بعض اختلافی اور اضافی امور جو ہم نے گذشتہ صفحات میں درج کئے۔ ان سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم ڈاکٹر صاحب کی مساعی کی قدر و اقعی شناخت سے قاصر ہیں۔ بلکہ یہ مقصد ہے۔ کہ مقالے کی دوسری اشاعت کے وقت ہماری ان گذارشات پر بھی غور کر لی جائے

شعرا کا کلام نقل کرتے وقت متن کی تصحیح میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔ اور پروف تو بڑی عجلت سے پڑھے گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے غلطیاں جا بجا نظر آتی ہیں۔ چند مثالیں عرض ہیں :۔

ص ۹ پر النکتی کا شعر۔ ببطراز قد و خرخری زلفین دراز ٭ رستخیز ہمہ خوبان طراز و خزراست

بحالت موجودہ پہلا مصرعہ نہ صرف مہمل بلکہ خارج از وزن ہے۔ وزن کی خاطر ہمیں "بطراز (ی) قدو خرد (خیزی) ی زلفین دراز" پڑھنا ہوگا۔ لیکن دوسرے مصرعہ میں 'طراز' اور 'خزر' کا استعمال مقتضی ہے۔ کہ پہلے مصرع میں بھی یہ الفاظ آنے چاہئیں۔ اس صورت میں ہمیں مصرع اوّل میں یوں ترمیم کرنی ہوگی ع بطراز (ی) قد (ی) او (آن خزری لف) دراز"

ص۵۱ ۔ انوری کا شعر ؎ و یحک ای صورت منصورۃ باغی نہ سرای الخ

مصرع ہذا میں 'منصورۃ' کی جگہ 'منصوریہ' چاہیئے۔ جو شہر طوس کے ایک باغ و عمارت کا نام ہے۔ اس کا ذکر معاصر تاریخوں میں بکثرت آتا ہے۔ انوری نے کئی موقعوں پر اپنے اشعار میں منصوریہ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ؎

منصوریہ ہرگز ت درآمد بضمیر　　کآید بدرت موکب میمون وزیر

تاریخ جہانگشای جوینی (جلد سوم ص۳۴ و ص۱۰۴) میں بھی اس کا مذکور آتا ہے ؛

پروف کی بعض غلطیاں ذیل میں بقید صفحہ و سطر دی جاتی ہیں :۔

صفحہ و سطر	غلط	صحیح	صفحہ و سطر	غلط	صحیح
۲۲/۷	کہ مسعود	کہ سعد مسعود	۱۵۸/۵	نبات	بنات
۲۲/۸	اشارتی	اشعاری	۱۵۸/۱۶	عطرگر	عطرکز
۱۵/۴	خیرہ ساز	خیرہ سار	۱۵۹/۲	بمن	یمن
۶۱/۴	لطالع	بطالعی	۱۵۹/۳	روی و	رودلی
۶۲/۱۱	کہ	گہ	۱۶۸/۶	معانی	امانی
۶۳/۴	بیالاید	بپالاید	۱۶۸/۹	بگیرم	نگیرم
۷۷/۱	لہاور	لہاور	۱۶۹/۶	ستائی	ستانی
۱۳۲/۳	برآمد	برآمد (ابہ؟)	۱۶۹/۷	شد	شدہ
۱۳۳/۱۲	عناد	عناء	۱۶۹/۹	طبعم	طمعم

صفحہ وسطر	غلط	صحیح	صفحہ وسطر	غلط	صحیح
۱۷۱/۱	دم کوزۂ	دم کورۂ	۱۹۳/۵	خونین	خونی
۱۷۱/۵	بشبیہہ	بشبہ	۱۹۴/۴	تیزتر	تیزپر
۱۷۱/۱۲	اول	زاول	۱۹۴/۱۸	سوزپسر	سوگ پسر
۱۹۳/۱	چنگ بندد	چنگ وبندو	۱۹۵/۹	مینازو	میسازو؟
۱۹۳/۳	رشک او	رشک چنگ او			

کتاب پر قیمت درج نہیں۔ مصنف سے پٹنہ کالج پٹنہ کے پتہ سے مل سکتی ہے ؛

"ش"

۲۔ فارسی ادب کی تلمیحات واشارات

برائے امیدواران امتحانات یونیورسٹی ازمیٹرک تا ایم اے زبان انگریزی

(از جناب زال شہریار رستم ایرانی بی۔ اے، ایس۔ ٹی سی، مدرس فارسی سینٹ میریز ہائی سکول ایس بی ۱۰)

اس رسالہ میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ فارسی ادب کی مستعمل تلمیحات مذہبی۔ تاریخی وافسانوی مع ضروری تشریح درج ہیں۔ جن کا جاننا ہر فارسی آموز کے واسطے لازمی ہے جو لوگ انگریزی کے ذریعے فارسی سیکھتے ہیں۔ ان کے لئے رسالہ ہذا بڑی حد تک مفید ثابت ہوگا۔ اس کے تریپن صفحات ہیں۔ جن میں تین سو چودہ تلمیحات کی شرح دی گئی ہے ان میں ایک چوتھائی ایسی ہیں جو مکرر آئی ہیں۔ اصطلاحات پہلے فارسی خط میں بعدہٗ انگریزی خط میں دی ہیں۔ انگریزی تلفظ میں ہمارے خیال میں بہت کچھ ترمیم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً مہ پُر مہر گیاہ کو 'meher-e-Goyah' ناقۂ صالح کو 'Naqa-ye-Saleh' اور نامہ سیاہ کو 'Nameh-ye-Siyeh' اور نخشب کو 'Nakh-shab' قلمبند کیا ہے۔ بعض اوقات اسی لفظ کے ایک سے زیادہ تلفظ

دیے ہیں۔ مثلاً ۱۷ میں سبکتگین کو سبکتگین Sabahtagin اور ۱۳۹ میں سُبُکتگین Sabuktegin تحریر کیا ہے۔ اگر کوئی بدگمان اعتراض کرے تو زال شہریار رستم صاحب ایرانی کہہ سکتے ہیں کہ ہیں نے دو تلفظ دیئے اور تم دونوں سے مطمئن نہیں۔ اور سچ بھی تو ہے آخر آٹھ آنے میں جو اس رسالہ کی قیمت ہے اور کتنے تلفظ دیئے جاتے۔ بابل کے متعلق بھی جناب مؤلف نے اور تسامح سے کام لیا ہے یعنے ۳۱ میں بابل اور ۷۵ میں بابُل اور ۳۰۱ میں بابی کو ' بابُلی' Babli رقم کیا۔ تلفظ میں ایسا تصرف انگریزی خواں ہندوستانی کیا کم کیا کرتے ہیں پھر ہم کس منہ سے مؤلف کی جو ایرانی ہیں شکایت کریں ؛

چغلخوری اخلاقی لحاظ سے ایک بدنما عیب ہے مگر تبصرہ نگار میں ہنر اسلئے ہم مبصر کے اس مبارک وصف یعنے غمازی سے کام لے کر عرض کرتے ہیں کہ صاحب رسالہ کے نزدیک ۱۶۰ میں 'دم جلیسی' اور 'سجادم' ایک دوسرے کے مرادف ہیں ۱۱۴ میں 'رستم دستان' کو بلا اضافت لکھا ہے مصنف کی رائے میں جو سفید ہاتھی رستم نے ہلاک کیا تھا وہ بادشاہ کا تھا اگرچہ فردوسی کی روایت سے خود سپہدار زال یعنے رستم کے باپ کا تھا۔ کہ پیل سپید سپہبد زبند۔ رہا گشتے آمد بمردم گزند۔ اسی طرح اسفندیار مؤلف کے نزدیک ایران کا بادشاہ ہے حالانکہ تخت ایران کے ارمان میں وہ رستم سے جنگ کرکے مارا جاتا ہے ۱۲۹ میں ایاز کو محمود کا حبشی غلام بتایا ہے اگرچہ ہمیں ایسی کوئی روایت معلوم نہیں۔ اسکے نام ایاز اویاق سے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ ترکی الاصل ہے۔ فرخی ؎ امیر جنگجو ایاز اویاق۔ دل و بازوی خسرو روز پیکار ۱۳۹ میں سبکتگین کو غزنوی خاندان کا بانی بتایا ہے اگرچہ مورخین الپتگین کو یہ عزت دیتے ہیں ؛

ہم امید کرتے ہیں۔ کہ یہ اور اسی قسم کی دیگر اغلاط کی جو سرزد ہوئی ہیں صاحب رسالہ اشاعت ثانی میں تصحیح کر دینگے۔ ہم نے یہاں رسالہ کی انگریزی کی خامیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھا ہے۔ ٹائپ اور چھپائی اعلیٰ اور آٹھ آنے میں جو اسکی قیمت ہے۔ طالب علموں کے لئے یہ سودا برا نہیں ؛

ملنے کا پتہ :- حاجی آغا شیرازی و فرزندان کتاب فروشان۔ عمر کھاڈی بمبئی ۹

"ش"

۳۔ مکاتیب غالب

، بہ اضافہ مقدمہ و حواشی از منشی امتیاز علی صاحب عرشی ناظم کتابخانہ ریاست رامپور (بسلسلہ مطبوعات کتابخانہ رامپور نمبر ۱۰) مطبوعہ قیمہ بمبئی ۱۹۳۷ء صفحات ۳۲۰ (فہرست مضامین ۲ صفحہ + تقریب ۱۶ صفحہ + دیباچہ ۱۶۷ صفحہ + مکاتیب ۱۲۱ صفحہ + فہرست اشخاص و مقامات و جرائد ۱۱ صفحہ + تصحیح و استدراک ۳ صفحہ) تصاویر علاوہ، قیمت للعہ، مطبوعہ قیمہ بمبئی یا جناب مصنف سے طلب کیا جائے +

دنیا میں شہرت و ناموری کا معاملہ بہ ظاہر بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے ایسے لوگوں کی کمی نہیں - جو اپنی زندگی میں اتنے مشہور و ہر دلعزیز تھے۔ کہ کوئی مجلس ادب و شعر ان کے نام کو طراز انعقاد بنائے بغیر عوام کی طرف سے گرمجوشانہ پذیرائی کی توقع نہیں رکھ سکتی تھی۔ لیکن جب وہ دنیا سے رخصت ہو گئے تو آہستہ آہستہ ان کی شہرت بھی ختم ہو گئی - اور اب ان کے نام صرف تذکروں کے صفحات بڑھانے کا سروسامان ہیں +

چند لوگ ایسے بھی ہیں - جن کے لئے زندگی میں ان کی حیثیت و مرتبہ یا تمنا و آرزو کے مطابق استقبال کا بندوبست نہ ہو سکا۔ لیکن جب وہ اپنی حیات مستعار کی مقررہ میعاد کو پورا کر کے موت کی آغوش میں چلے گئے تو ان کے لئے مستقل شہرت و ہر دلعزیزی کے دروازے وا ہو گئے۔ یعنی ان کی آنکھیں بند ہو گئیں تو دنیا کی آنکھیں کھلیں - اور ان کے کام کی اہمیت کا صحیح احساس پیدا ہوا +

مروجات کے پابند | لیکن غور کیا جائے - تو یہ صورت حالات بالکل قدرتی معلوم ہوتی ہے - دوسرے دوائر علم و عمل کی طرح ادب و شعر کا شیوہ اختیار کرنے والوں کی بھی دو قسمیں ہیں - بڑا گروہ ایسا ہے جو صرف اپنے ماحول کی عام طلب کا جواب مہیا کر دینا ہی حقیقی کام سمجھتا ہے - یہ لوگ اپنے عہد اور مقام کے

مروجہ مرغوبات سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ وقت کے بازار میں جس جنس کی خرید زیادہ پاتے ہیں۔ اس کی دکان آراستہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ یعنی وہ محض عام رجحانات کی ترجمانی پر قناعت کر لیتے ہیں۔ یہ طرز عمل قدرتی طور پر ان کے لئے وقتی شہرت کا سامان بن جاتا ہے۔ لیکن جب وقت بدل جاتا ہے۔ رجحانات و مرغوبات میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی ان کی حاصل کی ہوئی شہرت بھی مٹ جاتی ہے یا کم ہو جاتی ہے۔

نئے دور کے رہنما اس کے برعکس جو لوگ وقت کے عام مالوفات میں محصور نہیں رہتے۔ بلکہ مذاق زمانہ کے ممکنات ارتقا کا صحیح اندازہ کر کے نئے راستے نکالتے ہیں۔ اور اپنے محدود زمان و مکان کی حدوں کو توڑ کر وسیع تر زمان و مکان پیدا کرتے ہیں۔ ان کو طبعاً اپنے عہد میں اتنی شہرت و ہر دلعزیزی حاصل نہیں ہوتی جس کے وہ ہر اعتبار سے مستحق ہوتے ہیں۔ لیکن جب زمانہ ترقی کرتے کرتے ان لوگوں کے نتائج طبع کی سرحد میں پہنچ جاتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی ان کی شہرت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ یہ شہرت و ہر دلعزیزی ان کے نتائج طبع کی پائداری اور ان کے پیدا کردہ زمان و مکان کی وسعت کے برابر ہوتی ہے

ہندوستان کے اردو شاعروں اور ادیبوں میں سے غالب کا تعلق اسی آخری گروہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس کی قدر و منزلت اس کی زندگی سے کہیں بڑھ کر اس کی موت کے بعد شروع ہوئی۔ اور تدریجاً اس میں اضافہ ہو رہا ہے

غالب کا مقام غالب نے خود کہا تھا ؎

کوکبم را در عدم اوج قبولے بودہ است شہرت شعرم بہ گیتی بعد من خواہد شدن

یہ پیشگوئی میرے نزدیک اسی پختہ احساس کا نتیجہ تھی۔ کہ زمانے کا مذاق ضرور بدلے گا۔ اور اس تبدیلی کے بعد لازماً اس کے کلام کی حقیقی اہمیت دنیا پر

پوری طرح آشکارا ہو جائے گی۔ اُردو کے گذشتہ شعراء میں غالبؔ کے سوا کون ہے جس نے اپنے بلند تخیل اور دلکش انداز بیان سے اُردو شاعری کے لئے ایک ایسا جامع اور بدیع سانچہ مہیا کیا۔ جو بعد کے دور کی تمام ضرورتوں اور تمام تقاضوں کو پورا کر دینے کی صلاحیت رکھتا تھا؟ دنیا کی ترقی رُک نہیں گئی۔ اور خدا جانے بعد کو آنے والی نسلوں کی ضرورتیں کس قسم کی ہوں گی۔ لیکن تصوّر کا نقاش نئی نئی ضرورتوں کے جتنے نقش مہیا کر سکتا ہے۔ ان سب کو سامنے رکھ لینے کے بعد بھی کم از کم میرا اندازہ یہی ہے۔ کہ غالبؔ کا کلام (اس سے میرا مقصود وہ کلام ہے۔ جو "غالبیت" کا صحیح مرقع ہے) کبھی بھی پرانا نہ ہوگا جس طرح مثلاً ذوقؔ یا دوسرے شعرا کا کلام پُرانا معلوم ہونے لگا ہے ؛

غالبؔ کی ہر دلعزیزی کے مظاہر غالبؔ کے ساتھ اعتناء و توجہ کی افزایش کے عملی نمونے ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اس کے مختصر سے اُردو دیوان کے کئی نہایت پُر تکلف ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ دورِ حاضر کے مشہور مصوّر خان بہادر چغتائی کو اپنے کمالِ مصوری کی نمایش کے لئے کسی جامع اُردو مرقع کی تلاش ہوئی۔ تو ان کی نظرِ انتخاب بھی اسی دیوان پر پڑی۔ جس کے اشعار کی تعداد صرف اٹھارہ سو بتائی جاتی ہے۔ اس دیوان کی اتنی شرحیں لکھی گئیں۔ کہ دُنیا کے صرف معدود شاعروں کے کلام کے ساتھ اس قسم کے شغف کی مثالیں مل سکتی ہیں ؛

غالبؔ کی مفصّل سوانح عمریاں لکھی گئیں۔ اس کے کلام کو بہ اعتبار سنین مرتب کرنے کی کوششیں ہوئیں۔ اس کی ایک ایک چیز ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالی اور شائع کی گئی۔ اس سلسلے کی تازہ کڑی "مکاتیبِ غالبؔ" ہے جس پر سرسری تبصرہ موجودہ مقالہ کا موضوع ہے ؛

مکاتیبِ غالبؔ دربار رام پور کے ساتھ غالبؔ کا گہرا تعلق بارہ برس قائم رہا۔ اس دور میں اس نے فرمانروایان رام پور کی خدمت میں جو عرائض بھیجے۔ وہ

شاہی دارالانشاء میں محفوظ تھے۔ اعلیحضرت فرمانروائے رام پور کی علم نوازی اور ان کے قابل وزیر اعظم جناب بشیر حسین صاحب زیدی کی توجہ فرمائی سے غالب کے تبرکات کا یہ گرانبہا ذخیرہ ستر پچہتر برس کے بعد منظر عام پر آیا ہے۔ کتابخانہ رام پور کے فاضل ناظم جناب امتیاز علی صاحب عرشی نے اسے انتہائی کاوش و اہتمام کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ اور اس پر ایک مبسوط و مفصل دیباچہ رقم فرمایا ہے۔ کتاب ٹائپ میں چھپی ہے۔ اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ طباعت کی دیدہ زیبی کے اعتبار سے اوّل درجے کی اُردو کتابوں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔

کتاب کی عام کیفیت پوری کتاب کے صفحات قریباً سوا تین سو ہیں۔ ایک سو ترانسی ۱۸۳ صفحے کا دیباچہ ہے۔ ایک سو اکیس ۱۲۱ صفحوں میں غالب کے مکاتیب آئے ہیں۔ جن کی کل تعداد ۱۱ ہے۔ آخر میں تین انڈکس ہیں۔ ایک رجال و افراد کے متعلق۔ دوسرا مقامات کے متعلق اور تیسرا کتب، وجرائد کے متعلق، چار عکس ہیں۔ ایک غالب کا۔ دوسرا فردوس مکان نواب یوسف علی خان بہادر ناظم کا تیسرا خلد آشیان نواب کلب علی خان بہادر کا۔ چوتھا عکس غالب کے ایک خط کا ہے۔ کتاب پر مبسوط حواشی ہیں۔ جن میں مکاتیب غالب کے ہر مبہم یا کم واضح پہلو کو پوری طرح واضح کر دیا گیا ہے۔ خود فرمانروایان رام پور کے بعض جوابی مکاتیب کے اقتباسات بھی دیئے گئے ہیں۔ تاکہ غالب کی متعلقہ تحریر کے مفہوم کا کوئی پہلو بھی مخفی نہ رہے۔ اور اس کی بعض گزارشات کے ضمن میں دربار کی طرف سے جو انتظامات ہوئے۔ وہ بھی سامنے آجائیں۔

مکاتیب کی تفصیل غرض کتاب نہ محض اسی اعتبار سے قابل قدر ہے۔ کہ یہ غالب کی غیر مطبوعہ تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اور اس میں کلام غالب کے بعض غیر مطبوعہ فارسی اور اُردو قطعات بھی موجود ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے بھی قابل قدر ہے۔ کہ اس میں ترتیب و تہذیب کا ایک بلند معیار پیش کیا گیا ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں۔ کہ اس

میں غالبؔ کے کل ایک سو ستّرہ مکاتیب ہیں۔ جن کا اجمالی مرقع درج ذیل ہے:۔

مکتوب الیہ	تعداد مکاتیب	کیفیت
نواب یوسف علی خان ناظمؔ مرحوم	۴۲	پانچ فارسی میں باقی سب اُردو میں
نواب کلب علی خان مرحوم	۶۵	ایک فارسی میں باقی سب اردو میں
نواب زین العابدین خان عرفؔ کلن میاں	۲	اُردو میں
میر منشی رام پور	۶	〃
خلیفہ احمد علی صاحب احمدؔ رام پوری	۱	〃
مولوی محمد حسن خاں صاحب مالک مطبع	۱	〃

کتاب کی عام حیثیت کے اس سرسری بیان کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ تبرکات غالبؔ کے اس نئے گنجینہ کی علمی و ادبی حیثیت کے متعلق بھی چند گزارشات پیش کر دی جائیں ؎

خطوط غالبؔ کی خصوصیات | غالبؔ کے مکاتیب کی خصوصیات کے استقصاء کا یہ موقع نہیں۔ لیکن چند خصوصیات عام طور پر نمایاں ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) غالبؔ کا انداز نگارش و انشاء بے حد دلکش۔ بدیع اور بے تکلف ہے۔ اس کی کوئی مثال اس سے پیشتر کے ادیبوں یا اس کے معاصروں میں نہیں ملتی۔ اس کے بعد کے اکابر علم و ادب کے خطوط کے جو مجموعے چھپ کر ہمارے سامنے آئے ہیں ان میں سے بھی کسی کا انداز نگارش دلربائی میں غالبؔ کے برابر نہیں پہنچتا۔ غالبؔ کے زمانے تک مقفیٰ نثر کا عام دستور تھا۔ لیکن اس میں بڑے تکلّفات سے کام لیا جاتا تھا۔ آج ان عبارتوں کو پڑھا جائے تو وہ حد درجہ اُلجھی ہوئی اور بے مزہ معلوم ہوں گی۔ غالبؔ کے ہاں بھی جا بجا مقفیٰ نثر موجود ہے۔ لیکن اتنی دلکش ہے کہ گویا دوران نگارش میں بغیر کسی عزم و اہتمام کے خود بخود قافیے پیدا ہو گئے ؎

(۲) غالبؔ کے مکاتیب میں اس کے عہد کے مختلف حالات کا جو ذخیرہ

موجود ہے۔ وہ کسی دوسرے ادیب و نثر نگار کی تحریرات میں نہیں ملتا ؛

(۳) غالبؔ کے مکاتیب میں خود اس کی زندگی کے حالات کا بہت بڑا مواد موجود ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ کہ غالب کے خطوط نہ تو اس غرض سے لکھے گئے تھے کہ اس عہد کا تاریخی یا معاشرتی مرقع مرتب ہو جائے اور نہ ان خطوط کا مقصود یہ تھا کہ آئندہ چل کر یہ غالبؔ کے سوانح حیات کے ماخذ بن جائیں۔ لیکن غالبؔ کا اسلوب بیان ایسا ہے۔ کہ وہ بے تکلف اپنا اور اپنے ماحول کا نقشہ جا بجا پیش کرتا جاتا ہے ؛

(۴) غالبؔ کے مکاتیب میں علمی نکات کا کافی ذخیرہ موجود ہے ؛

مکاتیب غالب کی حیثیت | "مکاتیب غالبؔ" کے بیشتر خطوط ایسے ہیں۔ جن کو محض رام پور والے مستقل وظیفے یا موقت عطیات کی رسیدیں سمجھنا چاہیئے بعض خطوط ایسے ہیں۔ جن میں غالبؔ نے اپنی ضروریات پیش کی ہیں۔ لیکن بقیہ خطوط غالبؔ کے انداز تحریر کی محولہ بالا خصوصیات کا بہت اچھا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ یعنی ان میں علمی نکات بھی ہیں۔ غالبؔ کے حالات کے متعلق بھی مواد موجود ہے۔ اس کے عہد کے بعض معاشرتی اور دوسرے پہلو بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ اور زیادہ تر خطوط میں اس کا دلکش انداز نگارش بھی قائم ہے۔ اس وجہ سے خطوط غالبؔ کا یہ نیا ذخیرہ بلاشبہ قابل قدر ہے۔ افسوس کہ میں قلت فرصت کے باعث تمام خصوصیات کی مثالیں پیش نہیں کر سکتا۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں ؛

خلعت غالب کی تفصیل | غالبؔ کی مطبوعہ تحریرات میں خلعت کا کئی جگہ ذکر آیا ہے۔ لیکن اس کی تفصیل اب تک صرف اس قدر معلوم تھی۔ کہ جبغہ سرپیچ اور مالائے مروارید کے علاوہ "سات پارچے" ملا کرتے تھے۔ "مکاتیب غالبؔ" کے ایک خط سے ان سات پارچوں کی تفصیل پہلی مرتبہ معلوم ہوئی ہے۔ یعنی :-

(۱) کمخواب کا ایک تھان (۲) بنارسی تھان سنہری بوٹوں والا (۳) بنارسی سیلا (۴) الوان

کی چادر کنارہ کلابتون (۵) کناویز کا تھان (۶) الوان کی چادر بے کنارہ (۷) دوشالہ ۔

مکاتیب کا دیباچہ | حواشی کے علاوہ "مکاتیب غالب" کا دیباچہ بڑا جامع اور فاضلانہ ہے۔ اس میں غالب کی زندگی کے مختلف پہلو صرف رام پوری مکاتیب کی بناء پر بیان کئے گئے ہیں۔ دیباچہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ غالب کی وفات کے قریب اس پر آٹھ سو روپے کی رقم بہ طور قرض موجود تھی جس کے اتارنے کے لئے وہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں چند مرتبہ فرمانروائے رام پور کی بارگاہ میں درخواستیں پیش کر چکا تھا اور غالب کی وفات کے بعد اس کی بیگم صاحبہ نے جہاں اپنے گزارے کے لئے دربار رام پور میں درخواستیں بھیجیں۔ وہاں اس آٹھ سو روپے کی رقم کے لئے بھی چند مرتبہ عرض کیا۔ یہ درخواستیں بھی دارالانشاء میں موجود ہیں۔ ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ سرکار انگلشیہ نے غالب کی وفات کے بعد اسکے وظیفہ کی رقم اسکے متبنے حسین علی خان (ابن زین العابدین خان عارف) کے نام منتقل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور بیگم صاحبہ کو اس شرط پر ماہوار دس روپے کی رقم دینی منظور کی تھی۔ کہ وہ کچہری میں پہنچکر اسے وصول کیا کریں۔ لیکن بیگم صاحبہ نے اس سے انکار کر دیا۔ فرمانروائے رام پور نے بیگم صاحبہ کی درخواستوں کے جواب میں نواب مرزا خان داغ کو زبانی حکم دے دیا تھا لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ اس حکم کا مفاد کیا تھا ۔

بعض مسامحات | بہرحال "مکاتیب غالب" مختلف اعتبارات سے غالب کے متعلق لٹریچر میں بڑا قیمتی اضافہ ہے لیکن یہ گزارش غالباً غیر مناسب نہیں سمجھی جائے گی کہ اس مجموعہ کی ترتیب میں فاضل مرتب سے بعض مسامحتیں بھی سرزد ہو گئیں۔ مثلاً معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب کتاب کے وقت غالب کے غیر مطبوعہ فارسی کلام کا وہ مجموعہ ان کے پیش نظر نہ تھا جو "سبد چین" کے نام سے کلیات کے بعد چھپا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ "سبد چین" کے مجموعہ کی بعض نظموں کو غیر مطبوعہ قرار دیا گیا ہے "یا مکاتیب" کے صفحہ ۴۷ کے حاشیہ میں نواب یوسف علی خان بہادر ناظم کے غسل صحت

کے متعلق چھ شعر کا جو قطعہ تذکرہ "انتخاب یادگار" کے حوالے سے درج ہے۔ اس کے متعلق تحریر فرمایا گیا ہے کہ اس میں سے ایک شعر ساقط ہے حالانکہ "سبد چین" میں یہ قطعہ چھپا ہوا موجود ہے اور اس کے اشعار چھ یا سات نہیں۔ بلکہ پینتیس ۳۵ ہیں۔ بعض اور مسامحتیں بھی ہیں لیکن ان سے کتاب کی قدر و قیمت یا فاضل مرتب کی محنت، دیدہ ریزی اور کمال ترتیب و تحشیہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ انکی یہ سعی ہر اعتبار سے مستحق احترام ہے۔ **غلام رسول مہر بی اے،**

۴۔ فہرس کتب خانہ سٹی کالج ۔ مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۸ء۔

یہ سٹی کالج حیدرآباد دکن کی عربی فارسی اور اردو کتابوں کی ایک اجمالی فہرست ہے۔ جسے جناب غلام رسول صاحب مددگار گورنمنٹ سٹی کالج حیدرآباد نے مرتب کیا ہے جیسا کہ فہرست نگار نے اپنے دیباچہ میں وضاحت کی ہے اس کتب خانہ کی کتابوں کی ترتیب "کو من تقسیم" کے مطابق ہے۔ یہی اصول کار اس فہرست کی ترتیب میں بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ عربی فارسی اور اردو کتابوں کا ذکر الگ الگ کیا گیا ہے۔ جہاں تک سرسری طور پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے مرتب کی محنت قابل داد ہے لیکن افسوس ہے کہ "ذیلی تقسیم" میں تاریخ اشاعت و طباعت کے تقدم و تاخر کا کوئی خاص لحاظ نہیں رکھا گیا۔ مزید برآں جا بجا غلطیاں بھی نظر آتی ہیں جن میں سے بعض کو کاتب کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً آغانی (بجائے اغانی) فہیانی (بجائے ذبیانی) الشبھی (بجائے الشہبی) وجاہت شاداں (بجائے وجاہت شادانی) الشرقونی (بجائے الشرتونی) وغیرہ وغیرہ۔ امید ہے کہ مرتب کی محنت کی قدر کی جائے گی۔

سید محمد عبداللہ

اسماء شعرا

جن کا کلام لسان العرب میں درج ہوا ہے

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی میگزین بابت فروری ۱۹۳۸ء)

فہرست اسماء شعرا

جن کے

اشعار لسان العرب میں بطور شواہد درج

ہوئے ہیں

عرضِ حال

لسان العرب[1] عربی زبان کی ضخیم اور بغایت مفید کتاب ہے مؤلف نے الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے بہت سے الفاظ کے استعمال کی سند اشعار، محاورات اور قرآن وحدیث سے پیش کی ہے۔ اس سلسلے کی اہم کڑی شاعروں کے نام اور ان کے اشعار ہیں اور یہ اس لئے کہ اس شعبۂ ادب کا اکثر حصّہ تو حوادثِ زمانہ کی نذر ہو گیا، اور جو بچ گیا وہ مختلف کتابوں میں کچھ اس طرح بکھرا ہوا ہے کہ اس کا جمع کرنا بہت دشوار ہے۔ "لسان العرب" اس کمی کو ایک حد تک پورا کرنے میں ممد و معاون ہو سکتی ہے۔ بہت سے شاعروں کے نام جو دیگر کتب میں نہیں ملتے "لسان العرب" میں موجود ہیں، اسی طرح اکثر اشعار۔

یہ کتاب سنہ ۱۳۰۰ھ میں بیس ضخیم جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی۔ جن شعرا کے اشعار شواہد کے طور پر درج ہوئے ہیں۔ ان کی اور قوافی کی فہرست اس سے پہلے مرتب نہیں ہوئی۔ اس لئے استاذ مکرم پرنسپل محمد شفیع صاحب کی تجویز کو انہی کے زیرِ ہدایت میں نے عملی جامہ پہنانے کے لئے اس کام کو شروع کر دیا۔ فہرست شعرا کو مکمل کر لیا ہے۔ اور اس کو باقساط ہدیہ ناظرین کیا جائے گا انشاء اللہ تعالےٰ۔ فہرست قوافی کو دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے (۱) پوربیت (۲) مصرع۔ یہ بھی التزام کیا گیا ہے۔ کہ شعر کا بحر بھی ساتھ ساتھ بتلا دیا جائے۔ یہ فہرست اب زیرِ تالیف ہے۔

عبد القیوم
میکلوڈ عربک ریسرچ سٹوڈنٹ

---

[1] فاضل مؤلف جمال الدین ابو الفضل محمد بن مکرم الافریقی المصری المعروف بابن منظور (۶۳۰ — ۷۱۱ھ مطابق ۱۲۳۲ — ۱۳۱۱ء) کے مفصل حالات کے لئے دررِ کامنہ: ابن حجر، حسن المحاضرہ اور بغیتہ الوعاۃ: سیوطی، شذرات الذہب: ابن عماد، وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

فہرس اسماء الشعرا

ذیل میں "لسان العرب" کے اُن شعرا کی فہرست درج کی جاتی ہے جن کے اشعار کے ساتھ مؤلف نے ناموں کا بھی ذکر کیا ہے۔

نوٹ: (۱) خط کشیدہ ہندسے یہ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ اس صفحہ پر شاعر کا نام ایک سے زائد مرتبہ مذکور ہے (۲) (۹) یہ نشان مشکوک مقامات ظاہر کرتا ہے۔

ا

آدم مولی بلعنبر ۱۸: ۱۰،

اَبَانَ الدُّبَیْرِیّ ۲: ۳۰۵، ۸: ۱۹۲، ۱۵: ۱۷۹، ۱۶: ۹۳، ۱۴۴، ۱۷: ۳۷، ۲۳۳، ۳۳۳،

ابن اَبَانَ الدُّبَیْرِیّ ۱۶: ۱۲۷، (نیز ملاحظہ ہو۔ رَکّاض بن اَبَانَ الدبیری)

ابراھیم بن عمران الانصاری ۲: ۱۷۰، ۱۱: ۴۱۴،

ابراھیم بن ھَرْمَۃ ۔ ملاحظہ ہو۔ ابن ھَرْمَۃ۔

الاَبْرَش (ھو مُخَرِّج بن حَسّان) ۱۸: ۱۲،

الاَبْیَرد الیَرْبُوعی ۱۱: ۲۱۷، ۲۳۹، ۳۶۱،

الاَجْدَع ۱۸: ۱۲،

الاَجدع بن مالك بن مسروق بن الاجدع ۱۰: ۵۸، ۲۴۳، ۱۷: ۱۰۲، ۱۹: ۱۶۴،

الاَجْدَع الھَمْدانی ۱۰: ۱۱۵، ۱۸: ۲۷۳، ۲۰: ۲۰۸،

الاجلح بن قاسط ۹: ۳۹،

احمد بن جندل السعدی ۴: ۴۱۲،

الأحمر ٤: ١١٦، ٦: ٣٣٩،
ابن احمر (هو عمرو بن احمر) الباهلي ١: ١١٨، ١٢٥، ١٧٠، ٢٠٣، ٢٥٥،
٢٨٦، ٣٥٤، ٣٩٢، ٤١٥، ٤٢٧، ٢: ٣٦، ٧٢، ٩٦، ٢٤٠، ٢٧٧، ٢٨٩،
٣٠٧، ٣٤١، ٣٤٤، ٤٥٥، ٤٧٦، ٣: ١٧، ٨٥، ٩٦، ١٧٠، ٢١١، ٢١٨، ٢٦٣،
٣١٦، ٣٢٩، ٣٦٢، ٣٨٣، ٣٩٦، ٤٢٣، ٤٧٦، ٤: ٥٠، ٨٠، ١٠١، ١٩١، ١٩٦،
٢٦٥، ٣٥٢، ٣٩٥، ٤١٣، ٤٢١، ٤٣٠، ٤٤٦، ٥: ٢٤، ٣٥، ٤٤، ٥٩،
١١٣، ١٣٣، ١٨٣، ٢٠٧، ٢١٨، ٢١٩، ٢٢٩، ٢٣٣، ٢٣٤، ٢٩١، ٢٩٣، ٢٩٨،
٣١٢، ٣٤٠، ٣٦٥، ٣٦٨، ٣٧٠، ٣٩٤، ٤٠٥، ٦: ٤٤، ٤٦، ٨٩، ٩٤، ١٤٢،
٢٢٧، ٢٢٨، ٢٣٢، ٢٤٢، ٢٥٢، ٢٥٥، ٢٦١، ٢٨٣، ٢٨٤، ٢٩١، ٣٢٨، ٣٩٨،
٤٢٤، ٤٢٦، ٧: ٤٩، ٥٥، ٥٧، ٧٢، ٧٧، ١٤٣، ٢١٢، ٢١٤، ٢٣٨، ٢٤٣،
٣١٣، ٣٢١، ٣٢٩، ٣٥٨، ٣٨٣، ٨: ١٦، ١٨، ٩٢، ١٠٧، ١٠٨، ١١٢، ١٧٨،
٢٠٤، ٣٢٦، ٣٨١، ٩: ١٥، ٤٢، ٤٩، ١٧١، ١٨٥، ١٩٦، ٢٠٢، ٢٣٧ (؟)،
٢٩٣، ٢٩٨، ٣٦٥، ٣٨١، ٤٢٧، ٤٤٢، ٤٨٤، ١٠: ١٤، ٣٩، ٥٢، ٦٨،
١٦٥، ٢٠٠، ٢٢٥، ٢٤٨، ٢٨٧، ٣٥٥، ٣٦٢، ١١: ٢، ٥٨، ١٠١، ١١٧، ١٢١،
١٨١، ١٩٨، ٢١٢، ٢٥٩، ٢٦٤، ٢٨٤، ٢٩٥، ٢٩٦، ٣٧٨، ٤٢١، ١٢: ٨٠،
٨٤، ٨٨، ٩٤، ٩٦، ١١١، ١٥٠، ١٧١، ٢٤٣، ٢٦٦، ٣٨٤، ٤٠١، ١٣: ٧٠،
٧٩، ٨٣، ١٠٧، ١٢٣، ١٤٠ (؟)، ١٨٢، ١٩٧ (؟)، ٢٤٠، ٢٤٥، ٢٤٦، ٢٦٢،
٣٠٤، ٣٠٨، ٣٠٩، ٣٢١، ٣٢٤، ٣٥١، ٣٦٣، ٣٦٨، ١٤: ٥٧، ٨٣،
١٨٢، ٢١٣، ٢١٩، ٢٣١، ٢٣٣، ٢٣٨، ٣٢٩، ٣٣٩، ١٥: ١٧، ٣٩، ١٠٧،
١٥١، ٢٣٥، ٢٣٦، ٢٤٢، ٢٥٥، ٣٣٣، ٣٦١، ١٦: ٢٤، ٩٧، ١٥٢، ١٥٣،
٢٤٠، ٢٤٧، ٢٥٣، ٢٧٥، ٢٨٣، ١٧: ٢، ٩، ٣٣، ١٠٢، ١٥٤، ١٩٧، ٢٠٥،

۲۴۹، ۳۰۵، ۳۱۳، ۳۲۱، ۴۵۰، ۱۸: ۵، ۷۲، ۸۱، ۹۱، ۹۳، ۱۴۸،
۱۵۰، ۱۷۶، ۱۸۱، ۲۳۵، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۸۵، ۲۸۷، ۳۰۹، ۱۹: ۱۹،
۵۶، ۶۶، ۱۸۱، ۱۱۷، ۱۲۹، ۱۵۷، ۱۷۷، ۱۸۸، ۲۱۷، ۲۶۷، ۲۸۲، ۳۵۱، ۳۶۱،
۲۰: ۴۲، ۴۹، ۵۶، ۸۶، ۱۱۳، ۱۲۴، ۱۴۷، ۱۸۶، ۲۳۱، ۲۴۸، ۲۵۱،
۲۷۶، ۲۸۵، ۳۰۳،

ابن احمر البجلی ۳: ۳۷۶، ۱۹: ۲۸۲،

الاحمر النحوی ۱۹: ۸۰،

الاحنف ۱۵: ۳۷۴، ۱۶: ۳۰۱،

الاحوص ۱: ۹۵، ۲: ۳۵۴، ۴: ۴۱۷، ۶: ۵۴، ۹: ۶۲، ۲۰۷، ۳۵۲،
۳۶۷، ۴۹۰، ۱۰: ۵۰، ۱۱۱، ۱۹۰، ۲۹۸ (؟)، ۱۲: ۴۰۰، ۱۵: ۱۸۷، ۳۶۷،
۱۶: ۵۴، ۱۷: ۱۱۰، ۴۲۰، ۴۵۲، ۱۹: ۴، ۳۶، ۱۲۶، ۲۰: ۳۴۶،

ابوالاحوص ۱۷: ۲۴۸،

ابوالاحوص الریاحی ۱۷: ۲۱۹،

الاحوص بن محمد الانصاری ۶: ۱۶۳، ۲۲۲،

الاحوص الیربوعی ۱۵: ۲۰۷،

الاخول الکندی ۱۹: ۲۴۲،

اُحَیحَة ۱: ۴۶۱، ۱۳: ۳۳۰، ۴۹۲، ۵۱۷، ۱۴: ۳۰۹، ۱۹: ۱۴،

اُحَیحَة بن الجُلاح الانصاری ۵: ۴۲۸، ۱۰: ۵۴، ۱۱: ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۳:
۳۹۷، ۴۴۳، ۴۹۰، ۱۴: ۳۱، ۱۵۱، ۳۳۰ (؟)، ۱۷: ۴۹، ۱۹: ۲۹۳،
(نیز ملاحظہ ہو اُحَیحَة)

ابوالاخزر (؟) ۹: ۴۳۵، (نیز ملاحظہ ہو ابوالاخزر الحمانی)

ابو الأخزر الحماني (اسمه قتيبة) ٦: ٤٢٨، ٧: ٦٨، ٩: ٣٠٦، ١٥: ١٣٤،
١٦، ٤١٦: ١٦: ١١٠، ١٣٨، ٢٦٠، ١٧: ٢٢٨؛
ابو اخزم الطائي ١٣: ٣١٤، ١٥: ٦٧،
الاخزم بن قارب الطائي ١١: ٣٥٢ (؟)،
اخضر بن عباد المازني الجاهلي ١٥: ١٣؛
الاخضر بن هبيرة الضبي ٣: ٢٥٢، ٩: ٢١٨،
الاخطل (هو غياث بن غوث) ١: ٨٥، ١٤١، ١٥٨، ١٨٠، ٢٣٢، ٣٣٣، ٣٤٧،
٤٠١، ٤٢٨، ٤٣٥، ٤٦٦، ٤٦٧، ٤٧٦، ٢: ٤، ١٠٠، ١١٥، ٢٠٠، ٢٠٣،
٢١٦، ٢٧٨، ٢٩٥، ٣٣٠، ٣٣٣، ٤٠٥، ٤٥٧، ٤٦٧، ٣: ٩٣، ١٥٩، ١٧٣،
٤٣١، ٤٣٤، ٤٣٥، ٤٥٠، ٥٠٠، ٤: ٧٤، ٩٢، ١١١، ١٢٩، ١٥٣، ٣١٣،
٣٢٧، ٣٥٦، ٣٥٧، ٤٠٥، ٤٣٥، ٤٥٢، ٥: ٥، ٢٨، ٦٧، ١٥٧،
١٧٠، ١٧٤، ١٨٠، ٢٠٨، ٢٢٢، ٢٢٨، ٢٤١، ٢٤٧، ٢٦٩، ٣٤٦، ٣٥١،
٤٠٧، ٦: ٢، ٨، ٣٣، ٣٤، ٣٥، ٥١، ٦١، ٨١، ٩١، ١١٢، ١٢٥، ١٤٧،
١٤٩، ١٥٢، ١٥٥، ١٦٤، ٢١٩، ٢٢٢، ٢٢٧، ٢٢٨، ٢٣٣، ٢٣٤، ٢٤٠،
٣٤٥، ٣٦٠، ٧: ١٥، ٢٦، ٣٩، ٤٥، ٤٨، ٦٠، ١١٨، ١٢٨، ١٧١، ٢٢٢،
٢٥١، ٢٥٢، ٢٧٦، ٢٨٠، ٢٩٢، ٤١٠، ٤١٤، ٤١٩، ٤٢٤، ٤٣٤،
٨: ١٣، ١٦، ٣٥، ٣٦، ٧٣، ١٣٥، ١٧٩، ٢٢٢، ٢٩٧، ٣٠٠، ٣٠٨، ٣٨٢،
٣٩٨، ٩: ١٧٥، ٢٠٥، ٢٥٨، ٣٣١، ٣٦٥، ٣٩٤، ٤١٧، ٤٢٩، ٤٤٩،
١٠: ٤٨، ٦٩، ٨٣، ٢٣١، ٢٨٥، ٣٣٨، ٣٣٩، ٤١٩، ١١: ١٨، ٧١،
٧٥، ١٣٤، ١٦٥، ٣٢١، ٤٢٣، ١٢: ١٢، ٢٠، ٢٢، ٤٣، ٥٢، ٥٥، ٥٧،
٧٨، ٩٨، ١٣٣، ١٤٦، ١٥٣، ٢٣٤، ٢٤٥ (؟)، ٢٥٠، ٢٦٢، ٣٠٤،
٣٤٧، ٣٥٣، ١٣: ٥٦، ٨٥، ٩٣، ١٤٦، ١٦٩، ١٧٥، ١٩٥، ٢٧٩،

۳۱۳، ۳۶۶، ۳۷۷ (؟)، ۳۹۹، ۴۰۵، ۴۲۴، ۴۲۷، ۴۵۲، ۴۸۱،
۱۴: ۲۳ (؟)، ۳۴، ۴۵، ۵۶، ۶۲، ۶۸، ۸۳، ۱۲۷، ۱۳۹، ۱۸۲،
۲۰۲، ۲۵۸، ۲۷۷، ۳۰۲، ۳۱۷، ۳۶۶، ۱۵: ۲۳، ۳۸، ۵۱، ۷۲،
۱۱۱، ۱۳۲، ۱۵۵، ۱۶۳، ۱۷۶، ۲۲۰، ۲۴۵، ۲۷۸، ۳۱۳، ۳۴۶،
۳۸۴، ۴۳۲، ۱۶: ۶، ۷، ۴۶، ۴۷، ۱۱۲، ۱۴۴، ۲۲۴، ۲۴۱،
۲۴۹، ۲۶۸، ۱۷: ۷، ۲۸، ۱۰۶، ۱۸۷، ۲۱۳، ۲۸۹، ۲۹۲، ۲۹۸،
۳۴۳، ۳۹۰، ۱۸: ۴۷، ۱۱۰، ۱۴۰، ۱۸۱، ۱۹۹، ۲۵۵، ۲۷۰، ۲۷۹،
۱۹: ۴۰، ۵۵، ۶۱، ۸۰، ۸۱، ۱۵۳، ۱۶۱، ۲۱۹، ۲۲۱ (؟)، ۲۶۲،
۳۰۹، ۳۱۰، ۳۴۰، ۲۰: ۳۳، ۹۱، ۱۱۱، ۱۴۲، ۱۵۲، ۱۶۲، ۱۶۳،
۱۸۳، ۲۳۵، ۲۷۵، ۳۴۲، ۳۴۳؛

الاخطل بن ربیعة ۱۴: ۳۲۸؛

الاخفش بن شِهاب ۱: ۲۴۰؛

الأَخْنَس ۱۶: ۲۴۳؛

الأَخْنَس بن شِهاب التغلبی ۱: ۴۴۵؛

الاخوص ۱۳: ۲۰۷، ۴۶۷؛

ابوالاخوص الریاحی ۱۳: ۱۲۴؛

الاخوص بن عبد اللہ الریاحی ۱۶: ۲۳۴ (؟)؛

الأَخْيَل الطائی ۸: ۳۷۳، ۱۹: ۱۹۷، ۲۰: ۲۱۱؛

الأَخْيَلِيَّة — ملاحظہ ہو لیلی الاخیلیة

ادھم بن الزَّعْرَاء ۱۳: ۱۵۲ (نیز ملاحظہ ہو ادھم بن ابی الزعراء)

ادھم بن ابی الزعراء ۱۰: ۱۳۳، ۱۶: ۷؛

ابن اذينة ١٠ : ١٤٠ ؛
ارطاة بن سُهَيّة ٦ : ١٩٩، ٧ : ١٩ (؟) ، ٤١٥ ؛
الأرقط — ملاحظ هو حُمَيد الارقط
الأُرَيقط — ١٣ : ٦٥ (؟) ؛ (نيز ملاحظ هو حُمَيد الارقط)
الازدية ١٢ : ١٩٥ ؛
الأزرق بن طرفة بن العَمَرّد الفراهيدي ١٣ : ٤٠ (؟) ؛
الأزرق العَنبري ١٣ : ٣٨٧ ؛
ازنم الفزاري ١٤ : ١٣١ ؛
أُسامه بن الحارث الهُذَلي ١ : ٤٦٦ (؟) ، ١٠ : ٢١٨ ، ١٤ : ١٥٧ : (نيز ملاحظ هو اسامة الهذلي)
أُسامة بن حبيب الهذلي ١ : ٢٥٢ ، ٤ : ١٥٦ ، ١٦٦ ، ٩ : ١٧٢ ، ٤٥٥ ، ١٠ : ٣٤١ ، ١٧ : ٤٤٦ ؛ (نيز ملاحظ هو أُسامة الهذلي)
أُسامة الهُذلي ١ : ٤٦٣ ، ٢ : ١٠ ، ٢٧٣ ، ٤ : ٣٩٨ ، ٦ : ١٢١ ، ٧ : ١١٢ ، ١٤٠ ، ٨ : ٣٥٨ ، ٩ : ٢٨٩ ، ٢٩١ ، ٣٠٠ ، ١٠ : ٢٢١ ، ٣٩٧ ، ٤٢٢ ، ٤٢٥ ، ١١ : ١٥٥ ، ٣٦٤ ، ١٢ : ٢٩٤ ، ١٣ : ٩٨ ، ١٥ : ١١١ ، ١٧ : ٣٢٥ ، ٤٣٠ ، ١٨ : ٢٩١ ، ٣١٧ ، ١٩ : ١٧٩ ، ٢٦٥ ؛
ابو اسحٰق ١٣ : ٢٨٥ ؛
اسحٰق بن ابراهيم الموصلي ١ : ٥٢ ؛
اسحٰق بن خلف ١٢ : ٤٦ (؟) ؛
اسحم ٣ : ٨٠ ؛
أَسَد بن ناعِصة ١ : ٣٠٨ ، ٢ : ٦٠ ؛

لسان ۲ ناغصة، معجم الشعرا بالعين

الاسدی ۴: ۱۸۹، ۸: ۱۵۲، ۹: ۲۷۶ (؟)، ۱۰: ۸۸، ۱۳: ۱۰۷ (؟)، ۱۱۷، ۳۹۹، ۱۷: ۲۱۱، ۱۸: ۲۲۲، ۲۰: ۱۰۴، ۲۸۳؛

الأَسْعَرُ الجُعْفِيّ ۶: ۳۲، ۱۳: ۳۰۱، ۱۶: ۲۵۴، ۲۰: ۲۵۴؛

الأَسْعَرُ بن حُمْران ۱۵: ۲۸۶ (؟)؛ (نیز ملاحظہ ہو الاسعر الجعفی)

ابن الأَسْلَت — ملاحظہ ہو ابوقیس بن الأَسْلَتِ السَّلَمِی

الأَسلح بن قِصاف الطَّهَوِیّ ۱۴: ۳۲۸؛

أَسْمَاء بن خارجة ۱: ۴۸، ۷: ۳۱۵، ۱۱: ۱۱۲؛ ۱۳: ۶، ۲۷۰، ۱۴: ۲۱۲، ۱۹: ۱۵۴؛

ابواسماء بن الضَّرِیبَة ۱۴: ۳۶۰، ۳۶۱ (؟)؛

الاسود (؟) ۹: ۳۹۴، ۴۳۱، ۱۰: ۹۰، ۴۴۵، ۱۴: ۲۶۳؛

ابوالاسود ۲: ۶۷، ۳: ۲۱۷، ۷: ۱۳۷، ۱۳: ۲۶۷، ۴۷۴، ۱۷: ۲۵۸، ۱۹: ۴، ۱۷۶؛

ابوالاسود الاسدی ۱۳: ۷۲؛

ابوالاسود الدُّؤَلِیّ ۲: ۳۵۴، ۵: ۲۳۲، ۷: ۴۲۴، ۹: ۳۲۷، ۱۰: ۲۶۳، ۱۱: ۳۷۷، ۱۲: ۱۶۵، ۱۳: ۲۸۲، ۱۷: ۱۶۸، ۲۵۳، ۱۸: ۲۳۳، ۱۹: ۱۵۱، ۱۷۱؛

ابواسود العِجْلیّ ۳: ۱۰۴، ۴۷۰، ۸: ۲۷۳، ۳۱۶ (؟)، ۱۰: ۹۸، ۱۱: ۶۷، ۱۳: ۴۳، ۱۰۳، ۳۹۷، ۱۵: ۳۱۷، ۱۷: ۳۵، ۲۰: ۱۴؛

الاسود بن عُمارة النَّوْفلیّ ۱۵: ۲۹۳؛

الأَسْوَد بن يَعْفُرَ ۱: ۱۳۰، ۱۶۸، ۳۷۳، ۲: ۲۱۳، ۳۰۱، ۳: ۱۳۰، ۴: ۹۷،

۱۴۴، ۱۹۴، ۲۰۸، ۲۹۴، ۳۱۵، ۳۳۰، ۵: ۱۵۶، ۷: ۹۰، ۹۲،
۳۸۳، ۸: ۱۲۶، ۹: ۶۶، ۱۹۶، ۲۰۵، ۱۰: ۱۷۳، ۴۴۳، ۱۱:
۱۴۵، ۲۷۲، ۳۰۰، ۳۲۵، ۱۲: ۳۷، ۱۶۶، ۲۵۹، ۳۲۹، ۳۹۶،
۱۳: ۱۷۲، ۴۲۰، ۱۴: ۱۱۱، ۱۴۴، ۲۴۲، ۳۷۱، ۳۷۸، ۱۵: ۱۹۳،
۲۳۸، ۱۶: ۷۴، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۷: ۲۰۳، ۴۳۹، ۱۸: ۲۶، ۴۴،
۲۷۱، ۱۹: ۸۴، ۱۹۶، ۲۰: ۳، ۱۹، ۲۶، ۶۶، ۱۰۵، ۲۶۴، ۲۷۱،
(نیز ملاحظہ ہو۔ ابن یَعْفُر)
أُسَيْد بن الحُلاحِل ۴: ۲۷۴؛
أُسَيْد بن عَنْقاء الفَزارِيّ ۱۵: ۲۰۵؛
ابو أُسَيْدَة التَّمِيمِيّ ۷: ۱۵۹؛
الأَسْتَرُ النَّخَعِيّ ۷: ۴۱۸؛
الأشجع السُّلَمِيّ ۵: ۳۲؛
الأَشْجَعِيّ ۱: ۲۲۴، ۲: ۸۵؛
أشرس بن بَشّامَة الحَنْظَلِيّ ۲: ۹۸؛
الأَشْعَر الجُعْفِيّ ۳: ۱۷۱؛ ۴: ۲۷۰، ۳۶۱، ۸: ۲۹۱، ۱۲: ۱۳۲ (؟)؛
(نیز ملاحظہ ہو الاسعر الجعفی)
الأَشْعَر الرَّقَبان الاسدی ۴: ۲۳، ۶: ۱۵۸؛
الاشعری الجعفی — ملاحظہ ہو الاشعر الجعفی
الأَشْهَب بن رُمَيْلَة ۳: ۱۰۳، ۴: ۱۲۲، ۱۷: ۱۹۹، ۱۸: ۲۵۹، ۲۰: ۱۱۲؛
الاشیم بن معاذ بن سنان (المعروف بالاقرع) ۱۰: ۱۴۲؛
الاصبغ ۱۷: ۳۸۱؛

الاصمعی ۳: ۱۸، ۴: ۳۵۲، ۷: ۴۲۲؛

الاَضْبَطبن قُرَیع (بن عوف) السَّعْدیّ ۳: ۳۸۱، ۱۴: ۲۸۴، ۲۰: ۱۴۹؛

ابن الاِطْنابَة ۳: ۳۳۱، ۱۹: ۱۵۵؛

اُطَیط ۱۳: ۱۲؛

الاعرج الطائی ۵: ۶۲؛

الاعرج المغنی ۴: ۱۲۲؛

الاعز بن مانوس ۱۵: ۲۵۴؛ (معجم الشعراء الاغر)

الاعشی ۱: ۲۵، ۲۷، ۵۷، ۶۳، ۶۴، ۱۲۶، ۱۶۴، ۱۹۹، ۲۰۷، ۲۵۴، ۲۸۶،
۲۹۵، ۲۹۶، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۶۵، ۳۷۷، ۳۸۹،
۴۳۷، ۴۴۱، ۴۵۱، ۴۷۰، ۴۹۱، ۲: ۸، ۱۳، ۱۵، ۱۷، ۲۰، ۳۰، ۴۹،
۵۵، ۶۴، ۶۵، ۱۲۵، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۹۱، ۲۰۵،
۲۱۲، ۲۱۶، ۲۲۲، ۲۳۳، ۲۵۶، ۲۸۳، ۲۸۹، ۲۹۱، ۳۱۴، ۳۲۴،
۳۳۰، ۳۳۷، ۳۵۴، ۳۷۵، ۴۳۰، ۴۳۵، ۴۳۷، ۳: ۶، ۱۴،
۳۰، ۳۵، ۵۴، ۶۵، ۷۶، ۸۰، ۹۳، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۱۸، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۷۲،
۲۳۵، ۲۳۸، ۲۶۵، ۲۶۸، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۹۱، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۸، ۳۱۶،
۳۲۱، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۶۰، ۳۶۴، ۳۸۱، ۳۹۴، ۳۹۹،
۴۰۰، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۱۹، ۴۲۲، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۳۸، ۴۵۷، ۴۵۸،
۴۶۵، ۴۷۲، ۴۷۴، ۴: ۷، ۵۴، ۵۷، ۶۴، ۶۹، ۸۰، ۸۵، ۹۲، ۹۷،
۱۰۷، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۳۵،
۱۹۴، ۲۰۸، ۲۱۰، ۲۱۵، ۲۱۷، ۲۳۰، ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۶۸، ۲۸۲، ۲۹۸،
۳۱۴، ۳۳۹، ۳۴۴، ۳۵۷، ۳۶۳، ۳۶۷، ۳۷۱، ۳۷۸، ۳۸۶، ۴۲۴،

۱۱۲، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۹، ۱۵۴، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۷، ۱۷۱، ۲۰۳،
۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۵۹، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۹، ۲۷۰،
۲۷۳، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۸۰، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۹۱، ۲۹۲،
۳۰۰ (ذ)، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲،
۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵،
۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷،
۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹،
۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳،

۳۰۷، ۲۸۶، ۲۸۳، ۲۴۹، ۲۴۷، ۲۳۸، ۲۳۷، ۲۱۲، ۲۱۱، ۳۰۴،
۳۷۶، ۳۶۵، ۳۵۰، ۳۳۹، ۳۳۵، ۳۳۲ (ئ)، ۳۱۵، ۳۱۴، ۳۰۹، ۳۰۸،
۲۰۶، ۲۲، ۱۲، ۴: ا، ۴۲۵، ۴۲۱، ۴۱۵، ۴۰۶، ۳۸۸، ۳۸۵، ۳۷۸،
۲۴، ۲۶، ۲۲، ۱۲، ۴: ا، ۴۲۵، ۴۲۱، ۴۱۵، ۴۰۶، ۳۸۸، ۳۸۵، ۳۷۸،
۱۲۳، ۱۰۷، ۹۵، ۹۳، ۹۰، ۸۷، ۷۷، ۷۱، ۶۱، ۵۲، ۴۵، ۴۴، ۳۱، ۲۷،
۱۸۹، ۱۸۷، ۱۷۸، ۱۷۳، ۱۳۵، ۱۳۴، ۱۲۸، ۱۲۴،
۳۳۰، ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۴۵، ۳۷۱، ۳۹۶، ۳: ۶، ۸، ۱۴، ۲۱، ۲۲، ۲۴، ۳۵، ۳۸،
۱۹۹، ۲۴۷، ۲۶۴، ۲۷۸، ۲۸۶، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۲۵،
۱۴۴، ۱۵۴، ۱۷۴، ۱۸۲، ۱۹۱، ۲۱۲، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۳۵، ۲۳۹، ۲۴۰،
۳۳۳، ۳۴۲، ۳۵۳، ۳۵۸، ۳۶۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۸۵، ۳۹۹،
۴۰۰، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۱۰، ۴۲۲، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۵۰، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۶۶،
۲۷، ۲۵: ۴، ۵۱۵، ۵۰۸، ۵۰۵، ۶۹۴، ۱۸۳، ۴۷۳، ۴۷۸، ۴۷۹،
۱۴۳، ۱۴۸، ۲۲۴، ۱۰۸، ۱۰۳، ۹۵، ۹۴، ۸۷، ۸۲، ۶۹، ۶۰، ۵۴، ۵۱، ۱۴، ۳۰
۲۲۵، ۲۱۴، ۲۰۰، ۱۹۶، ۱۹۱، ۱۸۷، ۱۷۱، ۱۶۹، ۱۵۷، ۱۴۱،
۳۴۵، ۳۴۸، ۳۶۴، ۳۸۷، ۳۸۸، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۶۴، ۴۶۰، ۴۵۴،
۹۰۶، ۵: ۵، ۶۳۷، ۶۳۹، ۳۶۷، ۳۶۵، ۳۵۱، ۳۴۳،
۵۵، ۵۷، ۵۷۱، ۶۷۱، ۶۷۴، ۶۸۷، ۶۹۴، ۷۰۱، ۷۱۴، ۷۳۷، ۷۴۱، ۷۴۴،
۱۲۳، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۱، ۱۶۷، ۱۷۱،
۲۰۶، ۲۱۵، ۲۲۱، ۲۴۲، ۲۴۵، ۲۵۲، ۲۶۴، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۸۴، ۲۸۸، ۲۹۳،
۳۲۵، ۳۳۲، ۳۴۵، ۳۵۰، ۳۵۷، ۳۶۰، ۳۶۴، ۳۶۷، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۳، ۳۷۶،
۴۰۱، ۴۰۴، ۴۰۷، ۴۱۰، ۴۱۲، ۴۱۴، ۴۱۶، ۴۱۸، ۴۲۰، ۴۲۲، ۴۲۴، ۴۲۶،
۴۳۲، ۴۳۴، ۴۳۶، ۴۳۸، ۴۴۰، ۴۴۲، ۴۴۴، ۴۴۶، ۴۴۸، ۴۵۰، ۴۵۲، ۴۵۴،
۴۶۲، ۴۶۴، ۴۶۶، ۴۶۸، ۴۷۰، ۴۷۲، ۴۷۴، ۴۷۶، ۴۷۸، ۴۸۰، ۴۸۲، ۴۸۴،
۴۹۲، ۴۹۴، ۴۹۶، ۴۹۸، ۵۰۰، ۵۰۲، ۵۰۴، ۵۰۶، ۵۰۸، ۵۱۰، ۵۱۲، ۵۱۴،
۵۲۲، ۵۲۴، ۵۲۶، ۵۲۸، ۵۳۰، ۵۳۲، ۵۳۴، ۵۳۶، ۵۳۸، ۵۴۰، ۵۴۲، ۵۴۴،
۵۵۲، ۵۵۴، ۵۵۶، ۵۵۸، ۵۶۰، ۵۶۲، ۵۶۴، ۵۶۶، ۵۶۸، ۵۷۰، ۵۷۲، ۵۷۴،
۶۰۲، ۶۰۴، ۶۰۶، ۶۰۸، ۶۱۰، ۶۱۲، ۶۱۴، ۶۱۶، ۶۱۸، ۶۲۰، ۶۲۲، ۶۲۴،
۶۳۲، ۶۳۴، ۶۳۶، ۶۳۸، ۶۴۰، ۶۴۲، ۶۴۴، ۶۴۶، ۶۴۸، ۶۵۰، ۶۵۲، ۶۵۴،
۶۶۲، ۶۶۴، ۶۶۶، ۶۶۸، ۶۷۰، ۶۷۲، ۶۷۴، ۶۷۶، ۶۷۸، ۶۸۰، ۶۸۲، ۶۸۴،
۶۹۲، ۶۹۴، ۶۹۶، ۶۹۸، ۷۰۰، ۷۰۲، ۷۰۴، ۷۰۶، ۷۰۸، ۷۱۰، ۷۱۲، ۷۱۴،
۷۲۲، ۷۲۴، ۷۲۶، ۷۲۸، ۷۳۰، ۷۳۲، ۷۳۴، ۷۳۶، ۷۳۸، ۷۴۰، ۷۴۲، ۷۴۴،
۷۵۲، ۷۵۴، ۷۵۶، ۷۵۸، ۷۶۰، ۷۶۲، ۷۶۴، ۷۶۶، ۷۶۸، ۷۷۰، ۷۷۲، ۷۷۴،
۷۸۲، ۷۸۴، ۷۸۶، ۷۸۸، ۷۹۰، ۷۹۲، ۷۹۴، ۷۹۶، ۷۹۸، ۸۰۰، ۸۰۲، ۸۰۴،
۸۱۲، ۸۱۴، ۸۱۶، ۸۱۸، ۸۲۰، ۸۲۲، ۸۲۴، ۸۲۶، ۸۲۸، ۸۳۰، ۸۳۲، ۸۳۴،
۸۴۲، ۸۴۴، ۸۴۶، ۸۴۸، ۸۵۰، ۸۵۲، ۸۵۴، ۸۵۶، ۸۵۸، ۸۶۰، ۸۶۲، ۸۶۴،
۸۷۲، ۸۷۴، ۸۷۶، ۸۷۸، ۸۸۰، ۸۸۲، ۸۸۴، ۸۸۶، ۸۸۸، ۸۹۰، ۸۹۲، ۸۹۴،
۹۰۲، ۹۰۴، ۹۰۶، ۹۰۸، ۹۱۰، ۹۱۲، ۹۱۴، ۹۱۶، ۹۱۸، ۹۲۰، ۹۲۲، ۹۲۴،
۹۳۲، ۹۳۴، ۹۳۶، ۹۳۸، ۹۴۰، ۹۴۲، ۹۴۴، ۹۴۶، ۹۴۸، ۹۵۰، ۹۵۲، ۹۵۴،
۹۶۲، ۹۶۴، ۹۶۶، ۹۶۸، ۹۷۰، ۹۷۲، ۹۷۴، ۹۷۶، ۹۷۸، ۹۸۰، ۹۸۲، ۹۸۴،
۹۹۲، ۹۹۴، ۹۹۶، ۹۹۸، ۱۰۰۰، ۱۰۰۲، ۱۰۰۴، ۱۰۰۶، ۱۰۰۸، ۱۰۱۰، ۱۰۱۲، ۱۰۱۴،
۱۰۲۲، ۱۰۲۴، ۱۰۲۶، ۱۰۲۸، ۱۰۳۰، ۱۰۳۲، ۱۰۳۴، ۱۰۳۶، ۱۰۳۸، ۱۰۴۰، ۱۰۴۲، ۱۰۴۴،
۱۰۵۲، ۱۰۵۴، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، ۱۰۶۰، ۱۰۶۲، ۱۰۶۴، ۱۰۶۶، ۱۰۶۸، ۱۰۷۰، ۱۰۷۲، ۱۰۷۴،
۱۰۸۲، ۱۰۸۴، ۱۰۸۶، ۱۰۸۸، ۱۰۹۰، ۱۰۹۲، ۱۰۹۴، ۱۰۹۶، ۱۰۹۸، ۱۱۰۰، ۱۱۰۲، ۱۱۰۴،
۱۱۱۲، ۱۱۱۴، ۱۱۱۶، ۱۱۱۸، ۱۱۲۰، ۱۱۲۲، ۱۱۲۴، ۱۱۲۶، ۱۱۲۸، ۱۱۳۰، ۱۱۳۲، ۱۱۳۴،
۱۱۴۲، ۱۱۴۴، ۱۱۴۶، ۱۱۴۸، ۱۱۵۰، ۱۱۵۲، ۱۱۵۴، ۱۱۵۶، ۱۱۵۸، ۱۱۶۰، ۱۱۶۲، ۱۱۶۴،
۱۱۷۲، ۱۱۷۴، ۱۱۷۶، ۱۱۷۸، ۱۱۸۰، ۱۱۸۲، ۱۱۸۴، ۱۱۸۶، ۱۱۸۸، ۱۱۹۰، ۱۱۹۲، ۱۱۹۴،
۱۲۰۲، ۱۲۰۴، ۱۲۰۶، ۱۲۰۸، ۱۲۱۰، ۱۲۱۲، ۱۲۱۴، ۱۲۱۶، ۱۲۱۸، ۱۲۲۰، ۱۲۲۲، ۱۲۲۴،
۱۲۳۲، ۱۲۳۴، ۱۲۳۶، ۱۲۳۸، ۱۲۴۰، ۱۲۴۲، ۱۲۴۴، ۱۲۴۶، ۱۲۴۸، ۱۲۵۰، ۱۲۵۲، ۱۲۵۴،
۱۲۶۲، ۱۲۶۴، ۱۲۶۶، ۱۲۶۸، ۱۲۷۰، ۱۲۷۲، ۱۲۷۴، ۱۲۷۶، ۱۲۷۸، ۱۲۸۰، ۱۲۸۲، ۱۲۸۴،
۱۲۹۲، ۱۲۹۴، ۱۲۹۶، ۱۲۹۸، ۱۳۰۰، ۱۳۰۲، ۱۳۰۴، ۱۳۰۶، ۱۳۰۸، ۱۳۱۰، ۱۳۱۲، ۱۳۱۴،
۱۳۲۲، ۱۳۲۴، ۱۳۲۶، ۱۳۲۸، ۱۳۳۰، ۱۳۳۲، ۱۳۳۴، ۱۳۳۶، ۱۳۳۸، ۱۳۴۰، ۱۳۴۲، ۱۳۴۴،
۱۳۵۲، ۱۳۵۴، ۱۳۵۶، ۱۳۵۸، ۱۳۶۰، ۱۳۶۲، ۱۳۶۴، ۱۳۶۶، ۱۳۶۸، ۱۳۷۰، ۱۳۷۲، ۱۳۷۴،
۱۳۸۲، ۱۳۸۴، ۱۳۸۶، ۱۳۸۸، ۱۳۹۰، ۱۳۹۲، ۱۳۹۴، ۱۳۹۶، ۱۳۹۸، ۱۴۰۰، ۱۴۰۲، ۱۴۰۴،
۱۴۱۲، ۱۴۱۴، ۱۴۱۶، ۱۴۱۸، ۱۴۲۰، ۱۴۲۲، ۱۴۲۴، ۱۴۲۶، ۱۴۲۸، ۱۴۳۰، ۱۴۳۲، ۱۴۳۴،
۱۴۴۲، ۱۴۴۴، ۱۴۴۶، ۱۴۴۸، ۱۴۵۰، ۱۴۵۲، ۱۴۵۴، ۱۴۵۶، ۱۴۵۸، ۱۴۶۰، ۱۴۶۲، ۱۴۶۴،
۱۴۷۲، ۱۴۷۴، ۱۴۷۶، ۱۴۷۸، ۱۴۸۰، ۱۴۸۲، ۱۴۸۴، ۱۴۸۶، ۱۴۸۸، ۱۴۹۰، ۱۴۹۲، ۱۴۹۴،
۱۵۰۲، ۱۵۰۴، ۱۵۰۶، ۱۵۰۸، ۱۵۱۰، ۱۵۱۲، ۱۵۱۴، ۱۵۱۶، ۱۵۱۸، ۱۵۲۰، ۱۵۲۲، ۱۵۲۴،
۱۵۳۲، ۱۵۳۴، ۱۵۳۶، ۱۵۳۸، ۱۵۴۰، ۱۵۴۲، ۱۵۴۴، ۱۵۴۶، ۱۵۴۸، ۱۵۵۰، ۱۵۵۲، ۱۵۵۴،
۱۵۶۲، ۱۵۶۴، ۱۵۶۶، ۱۵۶۸، ۱۵۷۰، ۱۵۷۲، ۱۵۷۴، ۱۵۷۶، ۱۵۷۸، ۱۵۸۰، ۱۵۸۲، ۱۵۸۴،
۱۵۹۲، ۱۵۹۴، ۱۵۹۶، ۱۵۹۸، ۱۶۰۰، ۱۶۰۲، ۱۶۰۴، ۱۶۰۶، ۱۶۰۸، ۱۶۱۰، ۱۶۱۲، ۱۶۱۴،
۱۶۲۲، ۱۶۲۴، ۱۶۲۶، ۱۶۲۸، ۱۶۳۰، ۱۶۳۲، ۱۶۳۴، ۱۶۳۶، ۱۶۳۸، ۱۶۴۰، ۱۶۴۲، ۱۶۴۴،
۱۶۵۲، ۱۶۵۴، ۱۶۵۶، ۱۶۵۸، ۱۶۶۰، ۱۶۶۲، ۱۶۶۴، ۱۶۶۶، ۱۶۶۸، ۱۶۷۰، ۱۶۷۲، ۱۶۷۴،
۱۶۸۲، ۱۶۸۴، ۱۶۸۶، ۱۶۸۸، ۱۶۹۰، ۱۶۹۲، ۱۶۹۴، ۱۶۹۶، ۱۶۹۸، ۱۷۰۰، ۱۷۰۲، ۱۷۰۴،
۱۷۱۲، ۱۷۱۴، ۱۷۱۶، ۱۷۱۸، ۱۷۲۰، ۱۷۲۲، ۱۷۲۴، ۱۷۲۶، ۱۷۲۸، ۱۷۳۰، ۱۷۳۲، ۱۷۳۴،
۱۷۴۲، ۱۷۴۴، ۱۷۴۶، ۱۷۴۸، ۱۷۵۰، ۱۷۵۲، ۱۷۵۴، ۱۷۵۶، ۱۷۵۸، ۱۷۶۰، ۱۷۶۲، ۱۷۶۴،
۱۷۷۲، ۱۷۷۴، ۱۷۷۶، ۱۷۷۸، ۱۷۸۰، ۱۷۸۲، ۱۷۸۴، ۱۷۸۶، ۱۷۸۸، ۱۷۹۰، ۱۷۹۲، ۱۷۹۴،
۱۸۰۲، ۱۸۰۴، ۱۸۰۶، ۱۸۰۸، ۱۸۱۰، ۱۸۱۲، ۱۸۱۴، ۱۸۱۶، ۱۸۱۸، ۱۸۲۰، ۱۸۲۲، ۱۸۲۴،
۱۸۳۲، ۱۸۳۴، ۱۸۳۶، ۱۸۳۸، ۱۸۴۰، ۱۸۴۲، ۱۸۴۴، ۱۸۴۶، ۱۸۴۸، ۱۸۵۰، ۱۸۵۲، ۱۸۵۴،
۱۸۶۲، ۱۸۶۴، ۱۸۶۶، ۱۸۶۸، ۱۸۷۰، ۱۸۷۲، ۱۸۷۴، ۱۸۷۶، ۱۸۷۸، ۱۸۸۰، ۱۸۸۲، ۱۸۸۴،
۱۸۹۲، ۱۸۹۴، ۱۸۹۶، ۱۸۹۸، ۱۹۰۰، ۱۹۰۲، ۱۹۰۴، ۱۹۰۶، ۱۹۰۸، ۱۹۱۰، ۱۹۱۲، ۱۹۱۴،
۱۹۲۲، ۱۹۲۴، ۱۹۲۶، ۱۹۲۸، ۱۹۳۰، ۱۹۳۲، ۱۹۳۴، ۱۹۳۶، ۱۹۳۸، ۱۹۴۰، ۱۹۴۲، ۱۹۴۴،
۱۹۵۲، ۱۹۵۴، ۱۹۵۶، ۱۹۵۸، ۱۹۶۰، ۱۹۶۲، ۱۹۶۴، ۱۹۶۶، ۱۹۶۸، ۱۹۷۰، ۱۹۷۲، ۱۹۷۴،
۱۹۸۲، ۱۹۸۴، ۱۹۸۶، ۱۹۸۸، ۱۹۹۰، ۱۹۹۲، ۱۹۹۴، ۱۹۹۶، ۱۹۹۸، ۲۰۰۰، ۲۰۰۲، ۲۰۰۴،
۲۰۱۲، ۲۰۱۴، ۲۰۱۶، ۲۰۱۸، ۲۰۲۰، ۲۰۲۲، ۲۰۲۴، ۲۰۲۶، ۲۰۲۸، ۲۰۳۰، ۲۰۳۲، ۲۰۳۴،
۲۰۴۲، ۲۰۴۴، ۲۰۴۶، ۲۰۴۸، ۲۰۵۰، ۲۰۵۲، ۲۰۵۴، ۲۰۵۶، ۲۰۵۸، ۲۰۶۰، ۲۰۶۲، ۲۰۶۴،
۲۰۷۲، ۲۰۷۴، ۲۰۷۶، ۲۰۷۸، ۲۰۸۰، ۲۰۸۲، ۲۰۸۴، ۲۰۸۶، ۲۰۸۸، ۲۰۹۰، ۲۰۹۲، ۲۰۹۴،
۲۱۰۲، ۲۱۰۴، ۲۱۰۶، ۲۱۰۸، ۲۱۱۰، ۲۱۱۲، ۲۱۱۴، ۲۱۱۶، ۲۱۱۸، ۲۱۲۰، ۲۱۲۲، ۲۱۲۴،
۲۱۳۲، ۲۱۳۴، ۲۱۳۶، ۲۱۳۸، ۲۱۴۰، ۲۱۴۲، ۲۱۴۴، ۲۱۴۶، ۲۱۴۸، ۲۱۵۰، ۲۱۵۲، ۲۱۵۴،
۲۱۶۲، ۲۱۶۴، ۲۱۶۶، ۲۱۶۸، ۲۱۷۰، ۲۱۷۲، ۲۱۷۴، ۲۱۷۶، ۲۱۷۸، ۲۱۸۰، ۲۱۸۲، ۲۱۸۴،
۲۱۹۲، ۲۱۹۴، ۲۱۹۶، ۲۱۹۸، ۲۲۰۰، ۲۲۰۲، ۲۲۰۴، ۲۲۰۶، ۲۲۰۸، ۲۲۱۰، ۲۲۱۲، ۲۲۱۴،
۲۲۲۲، ۲۲۲۴، ۲۲۲۶، ۲۲۲۸، ۲۲۳۰، ۲۲۳۲، ۲۲۳۴، ۲۲۳۶، ۲۲۳۸، ۲۲۴۰، ۲۲۴۲، ۲۲۴۴،
۲۲۵۲، ۲۲۵۴، ۲۲۵۶، ۲۲۵۸، ۲۲۶۰، ۲۲۶۲، ۲۲۶۴، ۲۲۶۶، ۲۲۶۸، ۲۲۷۰، ۲۲۷۲، ۲۲۷۴،
۲۲۸۲، ۲۲۸۴، ۲۲۸۶، ۲۲۸۸، ۲۲۹۰، ۲۲۹۲، ۲۲۹۴، ۲۲۹۶، ۲۲۹۸، ۲۳۰۰، ۲۳۰۲، ۲۳۰۴،
۲۳۱۲، ۲۳۱۴، ۲۳۱۶، ۲۳۱۸، ۲۳۲۰، ۲۳۲۲، ۲۳۲۴، ۲۳۲۶، ۲۳۲۸، ۲۳۳۰، ۲۳۳۲، ۲۳۳۴،
۲۳۴۲، ۲۳۴۴، ۲۳۴۶، ۲۳۴۸، ۲۳۵۰، ۲۳۵۲، ۲۳۵۴، ۲۳۵۶، ۲۳۵۸، ۲۳۶۰، ۲۳۶۲، ۲۳۶۴،
۲۳۷۲، ۲۳۷۴، ۲۳۷۶، ۲۳۷۸، ۲۳۸۰، ۲۳۸۲، ۲۳۸۴، ۲۳۸۶، ۲۳۸۸، ۲۳۹۰، ۲۳۹۲، ۲۳۹۴،
۲۴۰۲، ۲۴۰۴، ۲۴۰۶، ۲۴۰۸، ۲۴۱۰، ۲۴۱۲، ۲۴۱۴، ۲۴۱۶، ۲۴۱۸، ۲۴۲۰، ۲۴۲۲، ۲۴۲۴،
۲۴۳۲، ۲۴۳۴، ۲۴۳۶، ۲۴۳۸، ۲۴۴۰، ۲۴۴۲، ۲۴۴۴، ۲۴۴۶، ۲۴۴۸، ۲۴۵۰، ۲۴۵۲، ۲۴۵۴،
۲۴۶۲، ۲۴۶۴، ۲۴۶۶، ۲۴۶۸، ۲۴۷۰، ۲۴۷۲، ۲۴۷۴، ۲۴۷۶، ۲۴۷۸، ۲۴۸۰، ۲۴۸۲، ۲۴۸۴،
۲۴۹۲، ۲۴۹۴، ۲۴۹۶، ۲۴۹۸، ۲۵۰۰، ۲۵۰۲، ۲۵۰۴، ۲۵۰۶، ۲۵۰۸، ۲۵۱۰، ۲۵۱۲، ۲۵۱۴،
۲۵۲۲، ۲۵۲۴، ۲۵۲۶، ۲۵۲۸، ۲۵۳۰، ۲۵۳۲، ۲۵۳۴، ۲۵۳۶، ۲۵۳۸، ۲۵۴۰، ۲۵۴۲، ۲۵۴۴،
۲۵۵۲، ۲۵۵۴، ۲۵۵۶، ۲۵۵۸، ۲۵۶۰، ۲۵۶۲، ۲۵۶۴، ۲۵۶۶، ۲۵۶۸، ۲۵۷۰، ۲۵۷۲، ۲۵۷۴،
۲۵۸۲، ۲۵۸۴، ۲۵۸۶، ۲۵۸۸، ۲۵۹۰، ۲۵۹۲، ۲۵۹۴، ۲۵۹۶، ۲۵۹۸، ۲۶۰۰، ۲۶۰۲، ۲۶۰۴،
۲۶۱۲، ۲۶۱۴، ۲۶۱۶، ۲۶۱۸، ۲۶۲۰، ۲۶۲۲، ۲۶۲۴، ۲۶۲۶، ۲۶۲۸، ۲۶۳۰، ۲۶۳۲، ۲۶۳۴،
۲۶۴۲، ۲۶۴۴، ۲۶۴۶، ۲۶۴۸، ۲۶۵۰، ۲۶۵۲، ۲۶۵۴، ۲۶۵۶، ۲۶۵۸، ۲۶۶۰، ۲۶۶۲، ۲۶۶۴،
۲۶۷۲، ۲۶۷۴، ۲۶۷۶، ۲۶۷۸، ۲۶۸۰، ۲۶۸۲، ۲۶۸۴، ۲۶۸۶، ۲۶۸۸، ۲۶۹۰، ۲۶۹۲، ۲۶۹۴،
۲۷۰۲، ۲۷۰۴، ۲۷۰۶، ۲۷۰۸، ۲۷۱۰، ۲۷۱۲، ۲۷۱۴، ۲۷۱۶، ۲۷۱۸، ۲۷۲۰، ۲۷۲۲، ۲۷۲۴،
۲۷۳۲، ۲۷۳۴، ۲۷۳۶، ۲۷۳۸، ۲۷۴۰، ۲۷۴۲، ۲۷۴۴، ۲۷۴۶، ۲۷۴۸، ۲۷۵۰، ۲۷۵۲، ۲۷۵۴،
۲۷۶۲، ۲۷۶۴، ۲۷۶۶، ۲۷۶۸، ۲۷۷۰، ۲۷۷۲، ۲۷۷۴، ۲۷۷۶، ۲۷۷۸، ۲۷۸۰، ۲۷۸۲، ۲۷۸۴،
۲۷۹۲، ۲۷۹۴، ۲۷۹۶، ۲۷۹۸، ۲۸۰۰، ۲۸۰۲، ۲۸۰۴، ۲۸۰۶، ۲۸۰۸، ۲۸۱۰، ۲۸۱۲، ۲۸۱۴،
۲۸۲۲، ۲۸۲۴، ۲۸۲۶، ۲۸۲۸، ۲۸۳۰، ۲۸۳۲، ۲۸۳۴، ۲۸۳۶، ۲۸۳۸، ۲۸۴۰، ۲۸۴۲، ۲۸۴۴،
۲۸۵۲، ۲۸۵۴، ۲۸۵۶، ۲۸۵۸، ۲۸۶۰، ۲۸۶۲، ۲۸۶۴، ۲۸۶۶، ۲۸۶۸، ۲۸۷۰، ۲۸۷۲، ۲۸۷۴،
۲۸۸۲، ۲۸۸۴، ۲۸۸۶، ۲۸۸۸، ۲۸۹۰، ۲۸۹۲، ۲۸۹۴، ۲۸۹۶، ۲۸۹۸، ۲۹۰۰، ۲۹۰۲، ۲۹۰۴،
۲۹۱۲، ۲۹۱۴، ۲۹۱۶، ۲۹۱۸، ۲۹۲۰، ۲۹۲۲، ۲۹۲۴، ۲۹۲۶، ۲۹۲۸، ۲۹۳۰، ۲۹۳۲، ۲۹۳۴،
۲۹۴۲، ۲۹۴۴، ۲۹۴۶، ۲۹۴۸، ۲۹۵۰، ۲۹۵۲، ۲۹۵۴، ۲۹۵۶، ۲۹۵۸، ۲۹۶۰، ۲۹۶۲، ۲۹۶۴،
۲۹۷۲، ۲۹۷۴، ۲۹۷۶، ۲۹۷۸، ۲۹۸۰، ۲۹۸۲، ۲۹۸۴، ۲۹۸۶، ۲۹۸۸، ۲۹۹۰، ۲۹۹۲، ۲۹۹۴،
۳۰۰۲، ۳۰۰۴، ۳۰۰۶، ۳۰۰۸، ۳۰۱۰، ۳۰۱۲، ۳۰۱۴، ۳۰۱۶، ۳۰۱۸، ۳۰۲۰، ۳۰۲۲، ۳۰۲۴،
۳۰۳۲، ۳۰۳۴، ۳۰۳۶، ۳۰۳۸، ۳۰۴۰، ۳۰۴۲، ۳۰۴۴، ۳۰۴۶، ۳۰۴۸، ۳۰۵۰، ۳۰۵۲، ۳۰۵۴،
۳۰۶۲، ۳۰۶۴، ۳۰۶۶، ۳۰۶۸، ۳۰۷۰، ۳۰۷۲، ۳۰۷۴، ۳۰۷۶، ۳۰۷۸، ۳۰۸۰، ۳۰۸۲، ۳۰۸۴،
۳۰۹۲، ۳۰۹۴، ۳۰۹۶، ۳۰۹۸، ۳۱۰۰، ۳۱۰۲، ۳۱۰۴، ۳۱۰۶، ۳۱۰۸، ۳۱۱۰، ۳۱۱۲، ۳۱۱۴،
۳۱۲۲، ۳۱۲۴، ۳۱۲۶، ۳۱۲۸، ۳۱۳۰، ۳۱۳۲، ۳۱۳۴، ۳۱۳۶، ۳۱۳۸، ۳۱۴۰، ۳۱۴۲، ۳۱۴۴،
۳۱۵۲، ۳۱۵۴، ۳۱۵۶، ۳۱۵۸، ۳۱۶۰، ۳۱۶۲، ۳۱۶۴، ۳۱۶۶، ۳۱۶۸، ۳۱۷۰، ۳۱۷۲، ۳۱۷۴،
۳۱۸۲، ۳۱۸۴، ۳۱۸۶، ۳۱۸۸، ۳۱۹۰، ۳۱۹۲، ۳۱۹۴، ۳۱۹۶، ۳۱۹۸، ۳۲۰۰، ۳۲۰۲، ۳۲۰۴،
۳۲۱۲، ۳۲۱۴، ۳۲۱۶، ۳۲۱۸، ۳۲۲۰، ۳۲۲۲، ۳۲۲۴، ۳۲۲۶، ۳۲۲۸، ۳۲۳۰، ۳۲۳۲، ۳۲۳۴،
۳۲۴۲، ۳۲۴۴، ۳۲۴۶، ۳۲۴۸، ۳۲۵۰، ۳۲۵۲، ۳۲۵۴، ۳۲۵۶، ۳۲۵۸، ۳۲۶۰، ۳۲۶۲، ۳۲۶۴،
۳۲۷۲، ۳۲۷۴، ۳۲۷۶، ۳۲۷۸، ۳۲۸۰، ۳۲۸۲، ۳۲۸۴، ۳۲۸۶، ۳۲۸۸، ۳۲۹۰، ۳۲۹۲، ۳۲۹۴،
۳۳۰۲، ۳۳۰۴، ۳۳۰۶، ۳۳۰۸، ۳۳۱۰، ۳۳۱۲، ۳۳۱۴، ۳۳۱۶، ۳۳۱۸، ۳۳۲۰، ۳۳۲۲، ۳۳۲۴،
۳۳۳۲، ۳۳۳۴، ۳۳۳۶، ۳۳۳۸، ۳۳۴۰، ۳۳۴۲، ۳۳۴۴، ۳۳۴۶، ۳۳۴۸، ۳۳۵۰، ۳۳۵۲، ۳۳۵۴،
۳۳۶۲، ۳۳۶۴، ۳۳۶۶، ۳۳۶۸، ۳۳۷۰، ۳۳۷۲، ۳۳۷۴، ۳۳۷۶، ۳۳۷۸، ۳۳۸۰، ۳۳۸۲، ۳۳۸۴،
۳۳۹۲، ۳۳۹۴، ۳۳۹۶، ۳۳۹۸، ۳۴۰۰، ۳۴۰۲، ۳۴۰۴، ۳۴۰۶، ۳۴۰۸، ۳۴۱۰، ۳۴۱۲، ۳۴۱۴،
۳۴۲۲، ۳۴۲۴، ۳۴۲۶، ۳۴۲۸، ۳۴۳۰، ۳۴۳۲، ۳۴۳۴، ۳۴۳۶، ۳۴۳۸، ۳۴۴۰، ۳۴۴۲، ۳۴۴۴،
۳۴۵۲، ۳۴۵۴، ۳۴۵۶، ۳۴۵۸، ۳۴۶۰، ۳۴۶۲، ۳۴۶۴، ۳۴۶۶، ۳۴۶۸، ۳۴۷۰، ۳۴۷۲، ۳۴۷۴،
۳۴۸۲، ۳۴۸۴، ۳۴۸۶، ۳۴۸۸، ۳۴۹۰، ۳۴۹۲، ۳۴۹۴، ۳۴۹۶، ۳۴۹۸، ۳۵۰۰، ۳۵۰۲، ۳۵۰۴،
۳۵۱۲، ۳۵۱۴، ۳۵۱۶، ۳۵۱۸، ۳۵۲۰، ۳۵۲۲، ۳۵۲۴، ۳۵۲۶، ۳۵۲۸، ۳۵۳۰، ۳۵۳۲، ۳۵۳۴،
۳۵۴۲، ۳۵۴۴، ۳۵۴۶، ۳۵۴۸، ۳۵۵۰، ۳۵۵۲، ۳۵۵۴، ۳۵۵۶، ۳۵۵۸، ۳۵۶۰، ۳۵۶۲، ۳۵۶۴،
۳۵۷۲، ۳۵۷۴، ۳۵۷۶، ۳۵۷۸، ۳۵۸۰، ۳۵۸۲، ۳۵۸۴، ۳۵۸۶، ۳۵۸۸، ۳۵۹۰، ۳۵۹۲، ۳۵۹۴،
۳۶۰۲، ۳۶۰۴، ۳۶۰۶، ۳۶۰۸، ۳۶۱۰، ۳۶۱۲، ۳۶۱۴، ۳۶۱۶، ۳۶۱۸، ۳۶۲۰، ۳۶۲۲، ۳۶۲۴،
۳۶۳۲، ۳۶۳۴، ۳۶۳۶، ۳۶۳۸، ۳۶۴۰، ۳۶۴۲، ۳۶۴۴، ۳۶۴۶، ۳۶۴۸، ۳۶۵۰، ۳۶۵۲، ۳۶۵۴،
۳۶۶۲، ۳۶۶۴، ۳۶۶۶، ۳۶۶۸، ۳۶۷۰، ۳۶۷۲، ۳۶۷۴، ۳۶۷۶، ۳۶۷۸، ۳۶۸۰، ۳۶۸۲، ۳۶۸۴،
۳۶۹۲، ۳۶۹۴، ۳۶۹۶، ۳۶۹۸، ۳۷۰۰، ۳۷۰۲، ۳۷۰۴، ۳۷۰۶، ۳۷۰۸، ۳۷۱۰، ۳۷۱۲، ۳۷۱۴،
۳۷۲۲، ۳۷۲۴، ۳۷۲۶، ۳۷۲۸، ۳۷۳۰، ۳۷۳۲، ۳۷۳۴، ۳۷۳۶، ۳۷۳۸، ۳۷۴۰، ۳۷۴۲، ۳۷۴۴،
۳۷۵۲، ۳۷۵۴، ۳۷۵۶، ۳۷۵۸، ۳۷۶۰، ۳۷۶۲، ۳۷۶۴، ۳۷۶۶، ۳۷۶۸، ۳۷۷۰، ۳۷۷۲، ۳۷۷۴،
۳۷۸۲، ۳۷۸۴، ۳۷۸۶، ۳۷۸۸، ۳۷۹۰، ۳۷۹۲، ۳۷۹۴، ۳۷۹۶، ۳۷۹۸، ۳۸۰۰، ۳۸۰۲، ۳۸۰۴،
۳۸۱۲، ۳۸۱۴، ۳۸۱۶، ۳۸۱۸، ۳۸۲۰، ۳۸۲۲، ۳۸۲۴، ۳۸۲۶، ۳۸۲۸، ۳۸۳۰، ۳۸۳۲، ۳۸۳۴،
۳۸۴۲، ۳۸۴۴، ۳۸۴۶، ۳۸۴۸، ۳۸۵۰، ۳۸۵۲، ۳۸۵۴، ۳۸۵۶، ۳۸۵۸، ۳۸۶۰، ۳۸۶۲، ۳۸۶۴،
۳۸۷۲، ۳۸۷۴، ۳۸۷۶، ۳۸۷۸، ۳۸۸۰، ۳۸۸۲، ۳۸۸۴، ۳۸۸۶، ۳۸۸۸، ۳۸۹۰، ۳۸۹۲، ۳۸۹۴،
۳۹۰۲، ۳۹۰۴، ۳۹۰۶، ۳۹۰۸، ۳۹۱۰، ۳۹۱۲، ۳۹۱۴، ۳۹۱۶، ۳۹۱۸، ۳۹۲۰، ۳۹۲۲، ۳۹۲۴،
۳۹۳۲، ۳۹۳۴، ۳۹۳۶، ۳۹۳۸، ۳۹۴۰، ۳۹۴۲، ۳۹۴۴، ۳۹۴۶، ۳۹۴۸، ۳۹۵۰، ۳۹۵۲، ۳۹۵۴،
۳۹۶۲، ۳۹۶۴، ۳۹۶۶، ۳۹۶۸، ۳۹۷۰، ۳۹۷۲، ۳۹۷۴، ۳۹۷۶، ۳۹۷۸، ۳۹۸۰، ۳۹۸۲، ۳۹۸۴،
۳۹۹۲، ۳۹۹۴، ۳۹۹۶، ۳۹۹۸، ۴۰۰۰، ۴۰۰۲، ۴۰۰۴، ۴۰۰۶، ۴۰۰۸، ۴۰۱۰، ۴۰۱۲، ۴۰۱۴،
۴۰۲۲، ۴۰۲۴، ۴۰۲۶، ۴۰۲۸، ۴۰۳۰، ۴۰۳۲، ۴۰۳۴، ۴۰۳۶، ۴۰۳۸، ۴۰۴۰، ۴۰۴۲، ۴۰۴۴،
۴۰۵۲، ۴۰۵۴، ۴۰۵۶، ۴۰۵۸، ۴۰۶۰، ۴۰۶۲، ۴۰۶۴، ۴۰۶۶، ۴۰۶۸، ۴۰۷۰، ۴۰۷۲، ۴۰۷۴،
۴۰۸۲، ۴۰۸۴، ۴۰۸۶، ۴۰۸۸، ۴۰۹۰، ۴۰۹۲، ۴۰۹۴، ۴۰۹۶، ۴۰

۵۸، ۷۴، ۷۸، ۹۷، ۹۹، ۱۲۹، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۰، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۵۳، ۱۶۲،
۲۱۳، ۲۲۶، ۲۲۹، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۴۵، ۲۵۰، ۲۵۴، ۲۵۷، ۲۶۳، ۲۶۴،
۲۶۸، ۲۷۵، ۲۷۸، ۲۸۷، ۳۰۲، ۷ا: ۵، ۸، ۱۰، ۱۳، ۱۲۲، ۱۳۲، ۱۶۶،
۱۷۵، ۱۸۶، ۱۸۸، ۱۹۰، ۲۰۴، ۲۰۹، ۲۳۵، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۷۰، ۲۹۷،
۳۰۳، ۳۰۷، ۳۱۳، ۳۱۸، ۳۲۹، ۳۳۴، ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۴۹، ۳۵۰،
۳۶۲، ۳۶۸، ۳۹۰، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۲۶، ۴۶۰، ۴۶۲، ۸ا: ۱۸،
۳۶، ۴۶، ۷۵، ۸۲، ۸۳، ۸۶، ۸۹، ۱۰۷، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۰، ۱۷۳، ۱۷۹، ۱۹۹،
۲۰۵، ۲۱۹، ۲۲۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۹ا: ۱۵، ۳۲، ۴۸، ۶۳، ۷۶،
۶۸، ۶۹، ۷۴، ۸۳، ۹۱، ۱۰۰، ۱۰۹، ۱۲۰، ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۸۵، ۱۹۵، ۱۹۸، ۱۹۹،
۲۳۷، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۷، ۲۶۱، ۳۰۶، ۳۴۱، ۳۵۱، ۳۵۸،
۳۶۰، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۳، ۲۰ا: ۲۰، ۳۴، ۷۳، ۹۶، ۱۱۶، ۱۲۲، ۱۳۱،
۱۴۰، ۱۴۴، ۱۶۹، ۱۷۷، ۱۸۹، ۲۰۴، ۲۱۸، ۲۳۲، ۲۳۵، ۲۵۱، ۲۶۳،
۲۶۴، ۲۶۸، ۲۷۸، ۲۹۰، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۴، ۳۰۸، ۳۱۱، ۳۲۰، ۳۷۵،
۳۷۶؛

اعشى باهِلَةَ ۱: ۱۸۰، ۲: ۱۲، ۴۶۳، ۵: ۱۴، ۶: ۱۶، ۱۳۱، ۲۸۳، ۳۳۵،
۳۴۳، ۷: ۲۰۰، ۹: ۱۵۶، ۳۹۷، ۱۰: ۲۸۴، ۱۱: ۴۰۹، ۱۴، ۱۸۶، ۱۹۹،
۱۷: ۲۷۰، ۲۷۱، ۱۸: ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۲۵۸، ۹ا: ۳۱۶؛

الأعشى الحِرْمازيّ ۱: ۲۰۸، ۳۷۲ (؟)، ۱۰: ۳۴۳؛

اعشَى عُكْلٍ ۱۰: ۴۵؛

اعشَى فَهْمٍ ۳: ۲۸۳ (؟)؛

اعشى بني مازن ۱: ۳۷۲، ۱۰: ۴۳۸؛

اعشی همدان ۳: ۴۸۳، ۱۷: ۱۹۴؛
اعصر بن سعد بن قیس عیلان (هوابوباهلة) ۶: ۲۵۷، ۹: ۳۰۶؛
الاعلم بن جرادة السعدی ۱۹: ۵؛
الاعلم بن عقیل الجاهلی ← ملاحظہ ہو ابوحرب بن عقیل
الاعلم الهذلی (هوحبیب بن عبدالله) ۱: ۳۱، ۵۵، ۲۸۸، ۳۰۸، ۲: ۱۱۵، ۳۲۷، ۳: ۱۸۵، ۴: ۱۹۹، ۵: ۲۱۰، ۲۲۷، ۲۳۵، ۴۱۸، ۶: ۲۵۱، ۷: ۲۱۳، ۳۶۴، ۱۱: ۱۰۱، ۳۶۰، ۱۲: ۳۷۳، ۱۳: ۲۰۲، ۳۵۲، ۴۵۸، ۱۷: ۲۲۹، ۲۴۱، ۳۲۴، ۱۸: ۷۵، ۱۹: ۱۵۹، ۲۰: ۱۲؛
الاعور بن براء ۱۲: ۲۴، ۱۸: ۱۲؛
الاعور الشنی ۱۷: ۸۵، ۱۸: ۱۰۱، ۲۰: ۲۱۵(؟)؛
الاعور الکلبی ۵: ۱۱۷؛
الاعور النبهانی ۸: ۸۳، ۱۷: ۲۱۵، ۲۱۶؛
الاغر بن عبدالله بن الحارث ۱۶: ۱۴۷؛
الاغلب العجلی ۱: ۲۲۳، ۲۳۱، ۳۲۵، ۳۷۴، ۳: ۴۰۵، ۴۳۷، ۴۸۸، ۴: ۲۴۷، ۳۳۸، ۵: ۷۳(؟)، ۲۰۱، ۳۰۷، ۴۲۶، ۶: ۳۵۰، ۴۳۵، ۷: ۱۱۷، ۱۵۵، ۸: ۳۰۳، ۳۱۳، ۴۱۰، ۹: ۸۴، ۱۲۵، ۲۵۹، ۱۰: ۲۱۴، ۳۷۶، ۱۱: ۳۲، ۲۰۶، ۱۲: ۲۳۱، ۳۴۲، ۳۶۳، ۱۳: ۲۱۴، ۱۴: ۳۶۷، ۱۵: ۷۴، ۱۰۴، ۳۳۷، ۳۴۴، ۳۵۴، ۴۲۱، ۱۶: ۵۳، ۱۷۸، ۲۳۴، ۱۷: ۴۲، ۱۹۱، ۱۸: ۱۲۱، ۲۱۲، ۱۹: ۱۹۰، ۳۶۸، ۲۰: ۲۶۲، ۲۷۰؛
اُفنون التغلبی ۱۲: ۱۴۰، ۱۳: ۲۲۹، ۱۴: ۵۱، ۳۲۳، ۱۷: ۳۶۳، ۱۹: ۲۵۵(؟)، ۲۰: ۲۸۵؛

(امیون کی بجائے امنون پڑھنا چاہیئے)؛
الأَقْوَهُ الأَوْدِيّ ۱: ۲۹۱، ۲: ۶۸، ۱۷۷، ۲۴۱، ۲۹۵، ۳: ۳۳۱، ۴۷۰، ۴:
۴۲، ۳۸۹، ۵: ۱۲۶، ۶: ۲۳، ۱۳۵، ۳۱۱، ۷: ۳۵۲، ۴۰۳، ۴۰۹،
۸: ۶۳، ۶۷، ۱۳۱، ۹: ۷۵، ۳۵۴، ۱۱: ۷۷، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۷۳، ۱۴:
۴۵، ۱۵۵، ۱۸۹، ۲۸۵، ۳۷۸، ۱۵: ۸۶، ۱۱۵، ۲۶۴، ۱۷: ۳۱۵،
۲۰: ۱۱۴، ۲۲۵؛
الأَقْرَع — ملاحظہ ہو - امشیم بن معاذ بن سنان
الأُقَيْبَل القَيْنِيّ ۷: ۹۱، ۱۶: ۱۴۶؛
أُقَيْش بن دُهَيْل الكِلْبِي ۲۰: ۱۰۵؛
الأُقَيْتِشِرُ الأَسَدِيّ (هُوَ المُغِيرَة بن الأَسْوَد) ۴: ۴۳۳، ۷: ۲۶۳،
۱۷: ۴۴۸، ۱۸: ۱۹۸؛
أَكْثَم بن صَيْفِيّ ۱۱: ۱۰۴ (؟)؛
ابن الأكوع ۸: ۳۳۸، ۱۱: ۲۵۳؛
إِمْرُؤُ القَيْس ۱: ۴۱، ۵۲، ۶۱، ۱۵۶، ۲۰۰، ۲۱۹، ۲۳۹، ۲۴۴، ۲۵۳،
۲۷۵، ۲۹۱، ۲۹۶، ۳۰۷، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۲۴، ۳۳۴، ۳۳۹، ۳۴۰،
۳۶۶، ۳۷۶، ۳۸۵، ۳۹۱، ۴۹۰، ۲: ۷، ۹، ۱۶، ۲۳، ۳۱، ۴۰، ۴۶، ۴۹،
۸۹، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۲۱، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۶، ۱۷۰، ۱۸۵، ۱۹۱، ۲۰۹،
۲۳۵، ۲۴۱، ۲۶۲، ۲۶۶، ۲۸۱، ۲۹۷، ۳۲۸، ۳۸۸، ۴۱۵، ۴۱۸،
۴۳۱، ۳: ۸، ۱۰، ۵۹، ۸۴، ۱۳۴، ۱۳۸، ۱۶۰، ۱۶۷، ۱۷۲، ۱۸۹، ۲۲۱،
۲۴۹، ۲۵۱، ۲۸۰، ۲۸۸، ۲۹۵، ۳۵۳، ۴۱۳، ۴۴۹، ۴۸۲، ۴: ۳۴،
۴۲، ۵۳، ۵۶، ۷۹، ۱۰۴، ۱۳۵، ۱۴۱، ۱۷۱، ۲۳۲، ۲۶۱، ۲۹۳، ۳۲۰،

۱۹۰، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۸، ۲۰۵، ۲۰۷، ۲۲۷، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۹، ۲۵۶، ۲۶۲،
۲۷، ۱۸۲، ۸۹، ۹۹، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۸، ۱۲۴، ۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۵۱، ۱۶۲، ۱۸۴،
۱۴۱، ۱۸۲، ۲۰۷، ۲۲۷، ۲۳۶، ۲۵۱، ۳۱۰، ۳۲۵، ۳۲۸، ۳۹۳، ۳۹۷، ۴۱۸،
۱۳: ۱۳، ۲۴، ۲۶، ۳۱، ۳۲، ۳۷، ۳۸، ۴۶، ۶۲، ۶۴، ۱۲۶، ۱۲۹، ۱۳۷،
۲۲۳، ۲۲۶، ۲۵۳، ۲۵۸، ۲۷۴، ۲۹۱ (ی)، ۳۰۲، ۳۰۸، ۳۳۰، ۳۳۶،
۲۲۴، ۲۵۱، ۱۱: ۳، ۷، ۳۷، ۴۲، ۶۶، ۶۷، ۷۶، ۱۱۳، ۱۷۲، ۱۸۵، ۱۹۹،
۳۵۶، ۳۶۲، ۳۶۴، ۳۸۱، ۳۸۴، ۳۹۰، ۳۹۸، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۱۳، ۴۱۴،
۴۸۵، ۴۸۶، ۴۹۷، ۵۰: ۷۱، ۹۶، ۹۷، ۱۷۵، ۱۹۹، ۲۱۲، ۲۷۲، ۲۷۸،
۲۴۴، ۲۵۴، ۳۰۸، ۳۳۶، ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۶۳، ۳۹۸، ۴۰۴، ۴۲۸، ۴۷۴، ۴۷۸،
۲۵، ۳۱، ۴۸، ۵۰، ۵۳، ۱۰۳، ۱۱۴، ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۹۰، ۱۹۲، ۱۹۵، ۲۳۹،
۳۵۳، ۳۵۸، ۳۶۹، ۱۷۳، ۲۷۳، ۳۷۳، ۳۸۱، ۳۸۶، ۳۹۳، ۴۰۳، ۹: ۹،
۲۷۲، ۲۹۲، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۷، ۳۲۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۴۳، ۳۴۸، ۳۴۹،
۶۹، ۶۷، ۱۹، ۷۹، ۱۲۵، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۳۸، ۲۴۲، ۲۶۸، ۲۷۴،
۱۵۲، ۱۹۱، ۲۷۸، ۳۴۲، ۳۶۷، ۳۹۱، ۴۳۹، ۴۰۱، ۴۰۲، ۸: ۱۷، ۱۸، ۵۰،
۷: ۱۹، ۶۷، ۸۴، ۹۰، ۴۹، ۱۰۵، ۱۱۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۶۸، ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۹۱،
۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۸، ۳۳۷، ۳۴۲، ۳۵۹، ۴۰۸، ۴۳۹، ۴۱۰، ۴۱۷، ۴۱۹،
۲۲۳، ۲۳۰، ۲۳۶، ۲۴۹، ۲۶۱، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۶۹، ۲۷۳، ۲۹۸، ۳۰۵،
۳۵، ۶۹، ۷۲، ۷۶، ۸۵، ۹۱، ۹۴، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۳۳، ۱۷۲، ۱۷۶، ۱۷۸، ۲۰۸،
۱۹۱، ۲۳۹، ۳۴۰، ۳۶۲، ۳۶۷، ۳۸۴، ۴۰۵، ۶: ۶، ۸، ۱۲، ۱۴، ۲۳،
۹۰، ۹۲، ۱۱۲، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۷۳، ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۹۶، ۱۹۹، ۲۴۰، ۲۴۵، ۲۵۵،
۳۶۴، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۸۱، ۴۲۴، ۴۷۰، ۵: ۲۷، ۲۸، ۵۵، ۶۹، ۱۷۶، ۱۷۷،

۲۸۴، ۳۶۹، ۳۵۲، ۳۴۸، ۳۳۰، ۳۱۳، ۳۰۵، ۲۹۶، ۲۷۷، ۲۷۴،
۳۲، ۲۴، ۲۱، ۹: ۴|، ۵۱۳، ۵۰۱، ۴۶۸، ۴۵۳، ۴۵۱، ۳۹۴، ۳۸۷،
۱۸۲، ۱۷۸(؟)، ۱۶۹، ۱۶۶، ۱۶۵، ۱۲۴، ۱۲۲، ۱۱۷، ۸۰، ۷۷، ۷۴، ۵۲،
۲۷۲، ۳۵۷، ۳۴۲، ۳۳۴، ۲۸۷، ۲۷۳، ۲۵۹، ۲۲۴، ۲۲۳
۲۸۳، ۲۶۰، ۲۴۴، ۲۳۸، ۱۸۹، ۱۷۳، ۱۲۶، ۶۷، ۶۶، ۶۰، ۱۷
۵۴۱۱، ۳: ۴|، ۴۲۶، ۳۵۴، ۳۴۹، ۳۴۵، ۳۴۰، ۳۱۸، ۳۰۱(؟)، ۲۹۵
۲۹۹، ۲۸۶، ۲۳۴، ۲۰۸، ۲۰۳، ۱۹۵، ۱۴۷، ۱۴۳، ۹۷، ۹۱
۲۱۱، ۲۰۴، ۱۸۲، ۱۶۹، ۱۶۳، ۱۵۵، ۱۰۴، ۹۷، ۸۷، ۸۳، ۷۱، ۳۱
۳۳۰، ۳۲۹، ۲۹۲، ۲۸۴، ۲۷۹، ۲۶۱، ۲۶۰، ۲۳۹، ۲۳۷، ۲۲۰
۱۳۴، ۱۰۴، ۵۸، ۲۹، ۲۴: ۸|، ۴۵۶، ۳۷۲، ۳۶۸، ۳۵۵
۳۰۹، ۲۶۲، ۲۵۶، ۲۵۴، ۲۵۳، ۲۴۳، ۲۲۵، ۲۲۰، ۱۸۹، ۱۷۵
۲۰۷، ۲۰۳، ۲۰۱، ۱۹۷، ۱۹۲، ۱۸۷، ۱۶۳، ۱۴۴، ۱۳۷، ۱۱۷، ۸۸: ۹|
۵۶، ۵۷(؟)، ۴۰: ۳۵۶، ۳۵۰، ۳۱۶، ۲۶۷، ۲۶۶، ۲۴۹، ۲۴۱، ۲۳۹
۲۴۲، ۲۳۳، ۲۱۷، ۲۰۲، ۱۹۶، ۱۷۵، ۱۵۳، ۱۴۹، ۱۳۹، ۷۸، ۷۶، ۶۸، ۶۱
۳۷۵، ۳۷۴، ۳۶۵، ۳۳۳، ۳۱۱، ۲۹۷، ۲۸۵، ۲۴۵
امرؤ القيس بن عابس الكندى ۲: ۸۴(؟)، ۷: ۳۸۸(؟)؛ ۵|: ۱۸۷، ۱۸:
۲۵۶، ۲۰: ۲۰(؟)؛
اُمَيَّة (؟)|: ۳۸۴، ۴۱۶، ۲: ۱۹۰، ۲۹۲، ۳: ۲۹۸، ۳۰۰، ۴: ۱۲۵، ۲۲۹، ۴۲۵،
۴۴۴، ۵: ۳۲، ۲۸۸، ۶، ۲۴۷، ۲۴۷، ۷: ۲۳، ۳۳۰، ۸، ۵۷، ۴۰۷؛
۹: ۶۸، ۱۳۵، ۲۲۰، ۲۳۲، ۲۷۴، ۳۲۳، ۱۱: ۲، ۲۶۳، ۱۲: ۳۶۶|: ۹۵،
۱۶۰، ۲۲۹، ۴۱۵، ۴۴۹، ۴۵۷، ۴|: ۲۳۱، ۱۵، ۶۶، ۱۸۳، ۲۱۴، ۲۷۶،

۳۲۸، ۳۵۸، ۴۰۹، ۱۶: ۲۳، ۲۸، ۱۲۰، ۱۷: ۳۵۸، ۴۲۵، ۱۸:
۲۴۷، ۲۵۷، ۱۹: ۲۰۲، ۳۱۵، ۳۴۱، ۳۶۱، ۲۰: ۱۶۹؛

اُمَیّہ بن حُرثان ۲: ۴۵۲؛

اُمیّہ بن خَلَف ۱۷: ۳۵۷؛

اُمیّہ بن ابی الصّلت الثّقفیّ ۲: ۴۷۹، ۳: ۱۶۶، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۸۲،
۴: ۱۰۵، ۱۱۳، ۲۰۳، ۲۵۵، ۳۶۷، ۵: ۳۶۰، ۳۸۵، ۴۰۸، ۴۱۸، ۶: ۲۰، ۵۰،
۸: ۷۲، ۷۳ (؟)، ۳۴۳، ۹: ۸۲، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۹۴، ۲۲۱، ۲۵۸، ۳۵۶، ۱۰:
۲۵، ۴۵، ۱۱: ۲۳۱، ۳۰۳، ۱۲: ۱۹۸، ۲۷۱، ۳۸۶، ۱۳: ۸۶، ۱۸۰، ۳۹۶،
۵۱۶، ۱۴: ۲۷۲، ۱۵: ۲، ۱۱۰، ۱۲۸، ۲۹۵، ۳۶۴، ۴۱۱، ۱۷: ۱۰۴، ۱۰۵،
۱۹: ۱۲۲، ۳۱۹، ۲۰: ۵۰، ۱۴۹، ۱۶۸؛ (نیز ملاحظہ ہو اُمَیّۃ)

اُمَیّۃ بن ابی عائذ الھُذَلیّ ۱: ۱۴۲، ۳۰۰، ۳۷۸، ۲: ۲۸۸، ۴۷۶، ۳: ۲۸۷،
۴۲۸، ۴: ۱۳۸، ۱۶۴، ۱۹۶، ۲۴۸، ۵: ۲۶۶، ۶: ۱۵۹، ۷: ۶۶،
۱۸۳، ۱۸۸، ۳۹۶، ۸: ۱۲۹، ۲۶۸، ۲۷۲، ۲۸۵، ۲۸۹، ۲۹۶، ۳۰۵، ۳۴۰،
۳۵۴، ۱۰: ۴، ۲۰۰، ۱۱: ۲۰، ۹۲، ۱۳۲، ۱۳۹، ۱۵۰، ۱۲: ۲۰۸، ۳۵۴،
۱۳: ۱۶، ۱۳۶، ۱۹۳، ۲۵۸، ۲۶۶، ۳۶۸، ۴۴۴، ۵۱۲، ۱۴: ۲۴، ۵۰،
۲۱۰، ۲۳۷، ۳۴۰، ۱۵: ۲۰۲، ۱۶: ۲۲۸، ۲۲۹، ۱۷: ۵۸، ۱۱۸،
۱۸: ۱۰۱، ۲۱۴، ۲۷۴، ۱۹: ۲۳۲، ۲۰: ۱۱۳؛ (نیز ملاحظہ ہو اُمَیّۃ)

امیّۃ الھذلی ۔ ھو امیۃ بن ابی عائذ الھذلی

ابن الانباری ۵: ۲۱۹؛

اَنَس بن زُنَیم اللیثی ۱۰: ۲۶۳، ۱۲: ۲۳؛

انس بن العباس بن مرداس ۱۲: ۱۰۸ (؟)؛

اَنَس بن مُدرِك (او مدرِكة) الخَثعَمِی ۵: ۱۷۸، ۱۰: ۲۵۹، ۱۱: ۱۶۶؛
(آغانی وخزانة: مدرکة، کتاب الشعر: مدرک)
اَنَس بن نهیکٍ ۳: ۳۳۳؛ (نُهَیک کی بجائے نَهِیک پڑھنا چاہیئے)
اَنَس بن ابی نواس المُحاربی ۱۵: ۱۱۴؛
الانصاری ۲: ۲۸۲، ۵: ۳۴۷، ۷: ۳۴۲، ۱۷: ۲۵، ۲۰: ۲۶۴؛
اُنَیف بن جَبَلة ۱۳: ۴۲، ۱۵: ۳۸۷؛
اِهَابُ بن عُمَیر ۱: ۱۷۷، ۷: ۲۷۲، ۱۳: ۶۹؛
اوهثم بن سُمَیّ المُنقَری ۷: ۲۰۳؛
اوس (؟) ۱: ۳۴۱، ۲: ۱۴۰، ۲۸۰، ۳۹۵، ۳: ۹۹، ۱۹۸، ۳۳۱، ۳۹۳،
۴۵۱، ۴۶۷، ۴: ۱۴۰، ۱۷۹، ۱۹۲، ۵: ۳۷۶، ۶: ۱۳۹، ۱۵۲، ۱۷۰، ۲۲۶،
۴۱۵، ۷: ۳۵۲، ۸: ۳۰۸، ۳۳۵، ۹: ۱۲۶، ۲۰۱، ۲۸۷، ۱۰: ۶۹، ۱۱۸، ۱۸۹،
۴۱۵، ۴۳۵، ۱۱: ۱۵، ۴۱۷، ۱۲: ۹۹، ۱۲۳، ۲۲۵، ۱۳: ۱۷، ۶۷، ۱۲۵، ۱۹۱،
۲۱۰، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۶۵، ۳۶۶، ۳۸۴، ۳۸۹، ۴۷۳، ۴۷۶، ۵۱۸، ۱۴: ۲۷،
۱۶۵، ۲۱۱، ۲۲۶، ۳۷۵؛ ۱۵: ۲۰۰، ۲۱۴، ۳۱۰، ۳۳۹، ۳۷۳، ۳۹۴، ۱۶: ۴۴،
۱۴۱، ۱۴۴، ۱۷: ۱۸، ۱۲۱، ۲۳۱، ۲۶۲، ۳۲۴، ۳۸۸، ۱۸: ۱۷۵، ۳۱۰،
۱۹: ۳۴، ۱۰۶، ۱۵۴، ۱۸۵، ۳۱۴، ۳۱۷، ۳۵۷، ۳۶۷، ۲۰: ۴۸، ۲۰۵،
۲۵۵، ۲۸۳، ۳۲۰، ۳۵۱؛
اَوس بن حارثة بن لأم الطائی ۲: ۲۲۲؛
اوس بن حَجَر ۱: ۶۷، ۸۲، ۲۰۶، ۲۲۵، ۲۹۷، ۳۱۴، ۳۳۲، ۲: ۴۰۲، ۵۶،
۶۱، ۸۰، ۱۹۸، ۲۱۴، ۲۴۱، ۲۶۶، ۲۷۸ (؟)، ۲۸۰، ۳: ۳۶، ۴۶، ۱۱۰، ۴۸۶،
۴: ۵۲، ۱۹۹، ۲۰۲، ۲۶۳، ۵: ۱۶۱، ۲۲۳، ۳۴۵، ۳۷۷، ۴۰۴،

۶: ۱۳۷، ۱۴۱، ۵۸، ۱۵۶، ۲۱۸، ۳۰۱، ۴۴۷، ۷: ۵۵، ۶۸، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۲۱۶، ۲۸۶، ۸: ۳۳، ۵۲،
۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۵، ۱۳۰، ۲۱۳، ۹: ۸۸، ۱۰۰، ۱۳۴، ۲۰۳، ۲۳۶، ۲۷۳، ۳۶۰، ۳۹۲، ۴۰۲، ۱۰:
۸۲، ۱۰۵، ۱۱۱، ۱۲۰، ۱۳۴، ۱۳۸، ۱۶۹، ۱۹۶، ۲۰۳، ۲۱۶، ۲۱۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۳۴، ۳۳، ۳۵،
۵۳، ۵۴ (؟)، ۵۶، ۷۴، ۱۰۰، ۱۲: ۹۳، ۱۰۵، ۱۴۸، ۱۶۶، ۲۴۴، ۲۶۶،
۳۳۷، ۳۸۵، ۱۳: ۲۳، ۶۷، ۱۰۸، ۱۵۱، ۴۱۵، ۴۶۹، ۴۷۸، ۱۴: ۴۰، ۴۲،
۱۶۶، ۲۳۸، ۱۵: ۳۷، ۶۱، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۴۷، ۱۵۲ (؟)، ۱۶۷، ۲۷۳، ۲۹۸،
۴۱۰، ۱۶: ۳، ۲۶، ۵۴، ۷۳، ۸۶، ۱۷: ۳۳، ۹۶، ۱۱۸، ۱۲۲، ۱۴۶،
۲۱۷، ۲۴۸، ۲۹۳، ۴۵۶، ۱۸: ۷۹، ۹۳، ۲۱۰، ۲۴۵، ۲۷۶، ۳۰۸،
۱۹: ۱۷۳، ۱۹۷، ۳۳۷، ۲۰: ۱۹، ۱۰۸، ۱۷۳، ۱۹۰، ۲۰۴، ۲۲۵، ۲۹۹،

(نیز ملاحظہ ہو اَوس)

اَوْس بن نُہَیر ۱۲: ۲۵۳؛

اَوْس بن غَلْفاء الہُجَیْمی ۲: ۲۳، ۳: ۳۴۱، ۹: ۲۰، ۱۱: ۲۳۱،
۱۵: ۳۳۶، ۱۶: ۲۰؛

اَوْس بن مَغْراء التَّمِیمِی السَّعْدِی ۱: ۲۱، ۲۶۳، ۶: ۳۵۹، ۷: ۱۹۱،
۸: ۱۰۲، ۱۱: ۳۰، ۱۴۷، ۱۳: ۳۹۶، ۱۴: ۲۸۴، ۱۵: ۳۹۵، ۱۷: ۹،
۱۸: ۱۳۳؛

اَوْفی بن مَطَر المازنی ۱: ۵۹، ۱۳: ۲۳۱؛

اِیاس بن الاَرَتّ ۲: ۱۱۶، ۴: ۱۱۹، ۱۵: ۴۲۵؛

ایاس الخیبری ۴: ۴۱۵؛

ایاس بن سَہْم الہُذَلی ۳: ۱۸۱؛

ایاس بن مالک بن عبد اللہ المُعَنّی ۶: ۳۸۶؛

أيمن بن خُرَيم الاسدی ۹: ۲۶۱، ۱۴: ۵، ۱۵: ۳۷، ۳۸۸؛
أيوب بن عَبَايَة (او عَبَاية) ۶: ۴۲۴، ۸: ۳۶۷، ۱۳: ۸۰، ۳۳۵،
۱۴: ۶۲؛ (آغانی میں عباية لکھا ہے)

ب

باعث بن مُرَيم اليَشكُرِی ۱۳: ۳۴۳، ۱۵: ۳۸۲ (؟)؛
الباهلی ۴: ۱۱۳، ۶: ۲۵۹؛ ۷: ۳۰۰، ۱۳: ۵۱۹، ۱۸: ۳۳، ۱۹: ۲۷۹؛
بُثَيْنَة ۱۶: ۲۹۲؛
ابوبُثَيْنَة الهُذَلِی ۳: ۲۷۹، ۸: ۴۳، ۱۳: ۵۶؛
بُجَيْر بن زهير المُزَنِی ۳: ۳۳۳؛
بُجَيْر بن عبد الله بن سلمة القشيری ۴: ۴۳۹؛
بُجَيْر بن عَنَمَة الطائی ۱۵: ۱۸۹ (؟)، ۲۰: ۳۴۷؛ (عنمة کی بجائے عنمة
پڑھنا چاہیے)
بُجَيْر بن أُقَيْ بن حُجْر ۱۳: ۱۸۴؛
البَحْتَری الجَعْدی ۱۳: ۱۶۴؛
بَحْدَج ۵: ۱۸، ۱۹، ۲۶، ۲۹، ۳۱، ۳۳، ۱۴: ۱۷۵، ۱۸: ۸؛
بَدْر بن حمراء الضَّبِّی ۶: ۴۴۵؛
ابوبدر السُّلَمِی ۱۰: ۳۳۴، ۱۲: ۲۶۳، ۱۶: ۹۳؛
بدر بن عامر الهذلی ۳: ۲۳، ۷: ۲۲۰، ۹: ۱۷۰، ۱۶: ۲۴۸، ۱۷: ۱۷۸؛
بديع الزَّمَان ۳: ۶۷؛
البراء بن عازب الضبی ۱۹: ۱۳۸؛
ابن براقة الهَمْدَانی ۳: ۸۹، ۹: ۲۴۴؛

البُرج بن مُسْهِر الطائی ۱۰: ۱۲۷، ۱۱: ۳۷۳؛ ۱۲: ۱۱۴، ۱۶: ۵۰، ۱۸: ۶۶، ۲۰: ۶۹؛
البُرجُمی ۱۱: ۱۹۷؛
ابو بردۃ ۵: ۲۳۲؛
البُرَیْق الهُذَلی ۱: ۲۱۰، ۲۹۸، ۴۶۸، ۲: ۱۴۲، ۳: ۱۹۱، ۵: ۱۵۱، ۶: ۸۰، ۲۱۲، ۷: ۱۶۵، ۴۰۵، ۱۰: ۱۲۲، ۴۳۵، ۱۱: ۳۲، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۴۵، ۱۲: ۳۳۲، ۱۵: ۳۴۹، ۳۵۶ (؟)، ۱۶: ۵۰، ۱۲۰، ۱۹: ۱۰۱، ۱۴۹؛
بَسّامۃ بن حَزْن ۸: ۳۹۷؛ (بسّامۃ کی بجائے بشامۃ پڑھنا چاہیئے)
بسّامۃ بن الغدیر ۹: ۱۶۴؛ (بسامۃ کی بجائے بشامۃ پڑھنا چاہیئے)
بشّار ۱: ۱۷۵، ۴: ۴۵۷، ۷: ۳۶۵، ۹: ۱۷، ۱۳: ۲۶۷، ۲۰: ۱۹۲ (؟)؛
بَشّار بن بُرْد ۱: ۲۳، ۴۲۷ (؟)، ۱۱: ۲۲۶؛ (نیز ملاحظہ ہو بشار)
بشامۃ بن حرِی النَهْشَلی ۱۹: ۲۴۷؛
بشامۃ بن حَزْن النَهْشَلی ۱۳: ۱۲۳، ۲۰: ۲۱؛ (نیز ملاحظہ ہو بسامۃ بن حزن)
بشامۃ بن الغدیر النهشلی ۱۳: ۲۵۰، ۲۷۱؛ (نیز ملاحظہ ہو بسامہ بن الغدیر)
بِشْر (؟) ۱: ۲۲۸ (؟)، ۲۴۱، ۳۳۴، ۴۲۵، ۲: ۹۰، ۱۶۳، ۲۴۲، ۳: ۳۱۷، ۳۴۸، ۴: ۲۶۴، ۵: ۲۲، ۲۳، ۳۷۰، ۶: ۲۳۶، ۳۳۲، ۳۴۰، ۴۳۸، ۷: ۱۰۳، ۲۴۰، ۴۲۴، ۸: ۲۸۷، ۲۸۸، ۹: ۳۴۹، ۳۶۵، ۲۴۲، ۲۳۵، ۳۴۰، ۱۰: ۱۵، ۲۴، ۹۸، ۱۱۹، ۱۱: ۷۵، ۱۲۹، ۱۲: ۷۲، ۸۷، ۲۳۴، ۱۳: ۳۲، ۴۸۵، ۱۴: ۴، ۱۶۳، ۲۷۱، ۳۵۱، ۱۵: ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۳، ۱۹۸، ۲۲۹، ۲۳۷، ۳۸۷، ۴۱۰، ۴۱۳، ۱۶: ۶۱، ۱۴۱، ۱۷: ۳۲۴، ۱۸: ۲۵۱، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۸۴، ۲۸۶، ۱۹: ۲۳، ۸۴، ۱۴۸، ۲۲۱، ۲۰: ۱۸۳،

۲۳۸؛
بِشْر بن ابی خازم الاسدی ۱: ۱۳۵، ۲۱۷، ۲۵۳، ۳۲۱، ۳۴۴، ۳۸۲، ۲: ۲۹،
۶۷، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۶۹، ۲۳۹، ۲۴۰، ۳۰۵، ۳۷۷، ۳: ۲۳۸،
۲۴۹، ۳۴۸، ۳۵۳، ۳۹۰، ۴۰۱، ۵: ۸۴، ۳۵۹؛ ۶: ۹۱، ۲۰۶، ۲۹۸،
۳۰۵ (۹)، ۳۴۰، ۴۳۸، ۷: ۶۰، ۱۰۵، ۱۲۹، ۲۳۳ (۹)، ۳۱۸، ۳۳۳،
۸: ۱۴۹، ۱۶۰، ۹: ۲۵۴، ۳۷۰، ۴۹۷، ۱۰: ۹۸، ۲۵۳، ۴۱۵،
۱۱: ۳۰، ۴۱، ۵۶، ۱۴۱، ۱۸۵، ۲۱۱، ۲۴۱، ۲۷۱، ۳۴۴، ۴۱۰، ۱۲: ۲۵۹،
۲۷۸، ۲۸۰، ۱۳: ۱۶۸، ۱۵: ۳۴، ۱۰۱، ۱۷۵، ۲۰۲، ۲۰۹، ۲۲۹، ۲۳۳،
۲۹۱، ۳۸۲، ۱۷: ۳۵، ۱۲۴، ۱۴۱، ۴۰۳، ۱۸: ۳، ۴۶، ۱۹: ۱۹،
۲۱۹، ۲۸۱، ۲۹۹، ۳۲۰، ۲۰: ۴۵، ۶۹، ۱۶۹، ۱۸۹، ۲۸۱، ۳۰۴؛
(نیز ملاحظہ ہو بِشْر)
بِشْر بن سُفْیان التَّرَاسِیّ ۸: ۷؛
بِشْر بن المُعْتَمِر ۳: ۲۶۸، ۸: ۲۶۰، ۱۱: ۲۸۹؛
بشر بن المغیرۃ بن المہلب بن ابی صُفْرۃ ۱۰: ۳۶؛
بشر بن النَّکْث ۱۰: ۳۱۰؛ (نیز ملاحظہ ہو بشیر بن النکث)
بُشَیْر بن ابی حمام العَبْسِیّ ۹: ۱۷۳؛
بشیر بن عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک الانصاری ۱۷: ۳۰۷؛ ۱۹: ۲۶۲؛
(بشر کی بجائے بشیر پڑھنا چاہیئے) ۲۰: ۸۱؛
بشیر الفَرْنَبِرِیّ ۱۵: ۹۱؛
بشیر الفَرَمِیرِیّ ۱۱: ۲۰۷، ۱۶: ۱۵۷، ۱۷: ۲۲۵، ۱۸: ۱۹۹؛
بشیر بن النَّکْث ۴: ۳۱۷، ۵: ۳۷۳، ۹: ۳۵۴، ۱۱: ۱۱۱، ۱۴: ۲۴۱؛

۱۸: ۲۸۲؛
البعیث بن عمرو بن مُرّۃ بن وُدّ بن زید بن مرّۃ الیَشکُری ۱۷: ۲۹۴؛
(البعیث کی بجائے النعیث پڑھنا چاہیئے: معجم الشعراء)
البَعِیْث المُجاشِعی (ھوخِداش بن بشر) ۱: ۷۷، ۳۸۱، ۲: ۵۹، ۳۵۴، ۳۹۵، ۴۲۲، ۳: ۲۶۰، ۲۶۹، ۲۹۲، ۴۰۴، ۴۱۳، ۴: ۲۰، ۳۶۴، ۵: ۷۵، ۱۲۴، ۶: ۲۵۴، ۲۷۱، ۲۸۹، ۴۲۶، ۷: ۳۷۳، ۸: ۱۸، ۱۱۸، ۹: ۳۵، ۱۵۹، ۲۰۸، ۳۲۵، ۴۷۴، ۴۸۸ (؟)، ۴۹۸، ۱۰: ۸۰، ۱۵۱، ۱۶۱، ۱۹۱، ۲۹۲، ۱۱: ۱۱۳، ۲۵۲، ۴۲۵، ۱۳: ۸۳، ۳۸۹، ۳۹۳، ۴۲۳، ۱۴: ۳۵۳، ۱۵: ۴۱، ۱۳۴، ۱۵۹، ۱۹۷، ۴۲۱، ۱۶: ۴۸، ۱۴۶، ۱۷: ۹۶، ۱۳۰، ۳۴۷، ۱۸: ۱۱۱، ۳۱۷، ۱۹: ۳۰۲، ۳۰۸؛
بَعْثَر بن لَقِیط ۱۰: ۱۱۵؛
البُعَیْث الجُمَحِی ۱۵: ۳۲۶؛
ابو البقرات النخعی ۱۳: ۲۷۶؛
بُقَیْلَۃ الاکبر (ابو المِنْہال الاشجعی) ۱۳: ۴۸۶؛ (نیز ملاحظہ ہو نُفَیْلَۃ الاکبر اور ابو المنہال)
ابو بکر بن الاسود ــــ ملاحظہ ہو۔ ابن شعوب اللیثی
بکر بن زید القُشَیْری ۳: ۴۳۶؛
ابو بکر الصدیق (رض) ۲: ۲۰۱، ۱۵: ۱۷۲؛
بُکَیْر اَصَمّ بنی الحرث بن عباد ۱۰: ۳۵۱؛
بلال (رض) ۱۳: ۱۲۷، ۴۲۹، ۱۵: ۲۲۴؛
بلال بن جریر ۳: ۱۵۵، ۱۰: ۴۶، ۱۳: ۳۳۹؛

بَلْعَاء بن قيس ۶: ۸۱؛

البَوْلانِيّ ۱۱: ۲۲۵، ۱۳: ۱۶۰، ۴۹۵، ۵۰۶، ۱۴: ۲۱۹، ۱۸: ۸۶، ۱۰۲؛

بَبِيْهَس بن صُرَيم الجُرْمِيّ ۸: ۷؛

بَبِيْهَس بن صُهَيْب، ابو المقدام ۱۳: ۳۶۵، ۱۷: ۱۸۰؛

بَبِيْهَس العُذْرِيّ ۳: ۳۷۴؛

ت

تَأَبَّطَ شَرًّا ۱: ۹۴، ۲۶۴، ۳۵۰، ۴۱۷، ۴۶۷، ۲: ۲۱۹، ۲۳۹، ۲۹۷، ۴۶۴، ۳: ۲۸۳ (؟)، ۴: ۱۲۶ (؟)، ۳۱۳، ۳۸۷، ۵: ۱۸۶، ۱۹۴، ۶: ۳۰۰، ۴۱۸، ۷: ۱۴۲، ۳۱۹، ۸: ۲۷۸، ۹: ۵۷، ۱۵۹، ۴۰۰، ۱۰: ۲۵، ۱۱: ۱۰۲، ۱۸۲، ۲۶۳، ۴۲۴، ۱۲: ۸۴، ۱۵۶، ۳۴۷، ۳۶۰، ۱۳: ۹۶، ۲۱۲، ۲۲۳ (؟)، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۶۲، ۳۷۷، ۳۸۵، ۴۴۹، ۴۷۴، ۵۱۳، ۱۴: ۱۰۵، ۲۱۲، ۲۱۷، ۳۵۰، ۱۵: ۳۰۱ (؟)، ۱۶: ۷۹، ۱۷: ۸۰، ۱۵۰، ۱۷۵، ۲۱۸، ۱۸: ۷۷، ۱۹: ۴۱، ۲۱۴، ۲۷۶، ۳۵۹، ۲۰: ۱۶۱، ۲۰۳؛

أُخْت تَأَبَّطَ شَرًّا ۱۵: ۱۲۷؛

أُمّ تَأَبَّطَ شَرًّا ۲: ۱۵۹، ۱۴: ۲۴؛

تُبَّع ۱: ۲۱۳، ۲۲۸ (؟)، ۳۵۲ (؟)، ۴: ۱۲۵، ۳۶۸؛

التَّعْلبي ۱: ۳۰، ۳: ۳۶۳، ۶: ۲۸۴، ۹: ۳۴، ۲۰: ۲۱۷؛

تَلْتَمَ بنت الغَوْث ۱۸: ۶؛

أبو تمّام ۷: ۲۶، ۲۰: ۳۲۲؛

تَمِيم ۶: ۱۹۸، ۹: ۴۵۰؛

تمیم بن ابیّ بن مقبل ۱۲: ۳۱۳، ۱۳: ۲۸۵؛
تمیم بن العَمَرّدِ بن عامر بن عبد شمس ۱: ۱۳۵؟، ۱۲: ۶۸؛
تمیم بن مُقْبِل ـــ ملاحظہ ہو ابن مُقْبِل
التمیمی ۱۰: ۲۳۴، ۲۰: ۱۵۹؛
التوأم الیشکری ۸: ۹۰؛
تَوْبة بن الحُمَیِّر ۳: ۳۶۰، ۵: ۱۳۲، ۶: ۴۰۲، ۹: ۳۳۶، ۳۵۵؛
تَوْبة بن مُضَرِّس العَبْسی ۱۳: ۱۲؛
ابوتَوْبة ـــ ملاحظہ ہو میمون بن حَفْص
تیم ۱۲: ۸۶؛
التیمی ۱۴: ۲۶۹؛

ث

ثابت بن قُطْنة ۱۰: ۱۰۴؛
ثَروان العُکلی ۱۳: ۸؛
ثعلب بن صُعَیْر المازنی ۱۵: ۱۷؛ (ثعلب کی بجائے ثعلبة پڑھنا چاہیئے. نیز ملاحظہ ہو ثعلبہ بن صعیر)
ثعلب بن عبید ۱: ۳۹، ۲۰: ۱۶؛ (نیز ملاحظہ ہو ثعلبة بن عبید)
ثعلب بن عمرو العبدی ۱۳: ۱۰۶؛ (ثعلب کی بجائے ثعلبة پڑھنا چاہیئے، نیز ملاحظہ ہو ثعلبة بن عمرو)
ثعلب بن اَوس الکلابی ۹: ۴۲۱، ۴۲۳؛
ثعلبة بن صعَیْر (او صعیرة) المازنی ۶: ۴۶۳، ۹: ۴۵۲، ۱۳: ۳، ۹، ۱۷، ۳۵۳، ۱۸: ۳۱۴، ۲۰: ۱۱۹، ۳۰۶؛

ثعلبة بن عُبَيْد العدوی ۱: ۶۹، ۲: ۴۸۴، ۷: ۱۳۳، ۱۷: ۲۴، ۱۹: ۱۴۱، ۲۰: ۱۶۶؛
ثعلبة بن عمرو ۱۳: ۱۵۵، ۱۸: ۳۰۶؛
ثمامة بن المخبر السَّدُوسی ۳: ۶، ۱۲: ۲۵۵؛

ج

جابر ۱۲: ۲۶۵؛
ابن جابر ۲: ۳۰۹؛
جابر اخو بنی معاویة بن بکر التغلبی ۱۲: ۵۱؛
جابر بن التَّغلب (الطائی) ۷: ۲۰۶؛
جابر الثعلبی ۱۵: ۲۶۷: (نیز ملاحظہ ہو جابر بن حُنَیّ)
جابر بن حُرَیْش ۱۷: ۱۸۵؛
جابر بن حُنَیّ الثعلبی ۸: ۱۰۵: (الثعلبی کی بجائے التغلبی پڑھنا چاہیئے، معجم الشعراء ص ۲۰۷، کتاب الشعر ص ۷۰)
جابر بن رألان السِّنْسِنی ۹: ۵۷؛
جابر بن سُحَیم (بن وَثیل) ۸: ۴۷ (؟)، ۱۵: ۱۷۰؛
جابیة بن بدر ۱۹: ۲۱۸؛
جامع بن مُرْخِیَة الکلابی ۴: ۱۵۸ (؟)، ۳۱۰؛
جَبَلة ۲: ۲۹۱؛
جُبَیْہا الاسدی ۵: ۲۸۳، ۱۳: ۳۰۲؛
جُبَیْہا الاسلمی ۱۵: ۲۸۴: (نیز ملاحظہ ہو جُبَیْہا الاشجعی)
جُبَیْہا الاشجعی ۳: ۳۱، ۶: ۷۰، ۲۰۴، ۱۱: ۳۹۰، ۴۱۵، ۱۶: ۲۵۵؛
جثامة اللیثی ۲۰: ۹۰؛

الجحّاف بن حکیم ۴: ۱۰۸، ۳۰۳، ۱۵: ۲۹۸؛
جحدر ۱: ۲۷۶، ۳: ۶۰، ۱۰: ۱۹۰، ۱۲: ۳۰۲؛
جحدر بن مالك الحنظلی ۱۲: ۳۰۲؛
جحدر الیمانی ۲۰: ۲۹۷؛
جحیش بن سالم ۹: ۲۸۴؛
الحذامی ۱۹: ۳۰۶؛
جذع بن سنان الغسّانی ۷: ۳۰۸؛
ابن جذل الطعان ۷: ۱۹۰، ۱۰: ۹۸، ۱۲: ۳۹۵؛
جذیمة الابرش (والابرص) ۳: ۱۰، ۵۱، ۱۳: ۳۸۹، ۲۰: ۴؛
ابو الجراح ۸: ۳۶، ۱۴: ۳۴۹، ۱۹: ۹؛
جران العود (هو عامر بن الحارث) ۱: ۲۶۲، ۴۵۷، ۲: ۱۱۷، (۹)، ۳: ۲۷۶،
۴۲۱، ۴۶۳، ۴: ۳۰، ۷: ۱۶۷، ۱۰: ۴۰۴، ۱۱: ۴۵، ۱۹۴، ۱۲: ۳۷۶،
۱۳: ۲۳۱، ۳۵۸، ۴۶۴، ۱۴: ۱۹۷، ۲۱۵، ۲۱۸، ۱۵: ۴۹، ۱۶: ۲۳۹،
۱۷: ۱۴۸، ۱۶۸، ۱۸: ۱۰۵، ۱۴۷، ۲۰: ۴۳؛
الجرّامی ۱۷: ۳۹۳؛
الجرنفش ۱۷: ۹۳؛
جری الکاهلیّ ۷: ۳۸۴، ۸: ۶؛
جریبة بن الأشیم ۲: ۱۹۹، ۱۶: ۱۱۰؛ (نیز ملاحظه هو جریبة الفقعسی)
جریبة الفقعسی ۱۴: ۱۸۰،
جریر ۱: ۱۴، ۱۷، ۲۸، ۸۴، ۱۸۱، ۲۱۸، ۲۳۴، ۲۶۰، ۲۸۳، ۲۸۶،
۲۹۳، ۳۴۳، ۳۷۴، ۴۰۱، ۴۲۱، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۴۹، ۴۵۹، ۴۶۹،

٦٥، ٤٤، ٦٤، ٥٧، ٠٠١، ٣٠١، ٧٠١، ٩٠١، ٧٤١، ١٩١، ٩٩١، ٢٠٩،
٢٣٩، ٩٤٩، ٥٧٩، ٦٧٩، ٧٠٩، ٥٣٩، ٤٧٩، ٥٤٩، ٤٩٩، ٥٠: ٩، ٩٩، ٤٥،
١٤٩، ٧٤٩، ٤٠٩، ٤٤٩، ٧٠٤، ٣٠٤، ٥٣٤، ٥٥٤، ٧٥٤، ٣٦٤، ٤٠٤، ٤٤٤،
٥٤٤، ٩٤٤، ٤٤٤، ٥٢٥، ٤٠٥، ٥٢٥، ٤٣٥، ٧٣٥، ٧٤٥، ٥٧٥، ٤٨٥،
٥: ٢٤، ٤٤، ٥٠، ٤٩، ١٩، ٤٩، ٩٩ (؟)، ٧٩، ٥١١، ٣٤١، ٩٩١،
٧٠١، ٢٠٢، ٤٤٢، ٩٤٤، ٥٧٤، ٤٢٤، ٠٢٥، ٣٤٠، ٤٣٤، ٧٣٤، ٧٥٤،
١١، ٥٩، ٠٣، ٥٤، ١٩، ٧٩، ٥٩، ٢٧، ٩١١، ٢٢٩، ٤٩، ٤٣١، ٤٨١،
٤٢٤، ٥٢٤، ٩٧٤، ٤٧٤، ٠٣٤، ٤١٤، ٧٣٤، ١٩٤، ١٩٤، ٩٤٤، ٧: ٣، ٧٥،
٦: ٥، ١٠، ٧٣، ٥٩، ٤٣، ٩٧، ٩٤١، ٥٤١، ٩٧١، ٣٠٢، ٤٢٥،
٣٠٤، ٤٩٤، ٥٤٤، ٠٧٤، ٧٣٤، ٤٨٤، ٩٨٤، ٩٩٤، ٩٤٤،
٧٤، ٥٣، ٤٥، ٥٥، ٧٠١، ٩١١، ٠٢١، ٥٢١، ٧٣١، ٥٩١، ٥٥١، ٠٨١، ٧٣١،
٥٩٤، ٤٧٤، ٩٥٤، ٣٠٩، ٥١٣، ٣٠٤٩، ٧٥٣، ١٧٣، ٢٢٤، ٨: ٧،
٤٧٤، ٩٧٤، ٢٧٤، ٥: ٩٠١، ٤٣١، ٥٨١، ٤٧١، ٢٠٢، ٩٠٤، ٥٢٤، ٥٢٤،
٢٤٤، ٧٣٤، ٤٤٤، ٩٤٤، ١٩٤، ٥٩٤، ٠٥٩، ٧٥٩، ٤٨٤ (؟)، ١٧٤،
٧٨١، ٩٢٤، ٤٤٤، ٠٧٤، ٧٧٤، ٥٧٤، ٠٠٣، ٩٠٣، ٣١٤، ٤٣١،
٩: ١١، ٨١، ٥٤، ١٩، ٩٩، ٩٩، ٧١١، ٢٢١، ٤٣١، ٩٠١، ٩٩١، ٤٧١، ١٧١،
٠٧٣، ٠٥٩، ٩٩٤، ٦٩٤، ٧٣٤، ٥٧٤، ٠٩٤، ٤٧٤، ٣٩٤، ٩٠٥،
٧٠١، ٢٠١، ٧٩١، ٩٧١، ٤٢٢، ٦٢٢، ٧٠٣، ٧٧٣، ٥١٤، ٥٣٤، ٩٧٤،
١٥٤، ٩٩٤، ٧٦٤، ٣: ٢، ١٩، ٧٤، ٥٩، ٢٧، ٨٧، ٧٧، ٥٧، ٩٩،
٢١٤ (؟)، ٥٢٤، ٧٣٤، ٣٠٤، ٧٠٤، ٩٩٤، ٢٢٤، ٤٤٤، ٣٤٤،
٧٧٤، ٥٧٤، ٩: ٢، ٩٩، ٧١، ٥١، ٣٣، ٤٤، ٧٤١، ٢٥١، ٩٩١، ٧٠٢،

٣٢٨، ٢٩٤، ٢٩٢، ٢٩١، ٢٧٢، ٢٧٤، ٢٦٩، ٢٦٤، ٢٣٩، ٢١٥،
٣٤٠، ٣٤٧، ٣٦٩، ٣٧٣، ٣٨١، ٤٢٢، ٤٢٩، ١١: ١١، ١٣، ١٥،
١٩، ٤٩، ٥٧ (؟)، ٧٦، ٨٣، ٨٥ (؟)، ١١٤، ١٤٣، ١٧١، ١٨٢، ٢٠٥،
٢٠٨، ٢٢٦، ٢٧٢، ٢٨٥، ٢٩٩، ٣٠٤، ٣١٠، ٣٢٩، ٣٥١، ٣٥٢،
٣٥٧، ٣٨٣، ١٢: ٥، ٢٨، ٣٥، ٤٢، ٤٣، ٥٧، ١٣٣، ١٧٥، ٢٣٣،
٢٣٨، ٢٧٠، ٣٥٠، ٣٥٢، ٣٥٣، ٣٧٥، ٣٧٦، ٣٧٨، ٤٠٥، ١٣: ٣٧،
٤٣، ٧٠١، ١١٣، ١١٦، ١١٩، ١٢٢، ١٢٨، ١٤٣، ٢١٩، ٢٣٧، ٢٤٠، ٢٥٠،
٢٧٢، ٢٧٩، ٣٠٣، ٣٠٦، ٣١٠، ٣١٦، ٣٢١، ٣٧٣ (؟)، ٣٨٦، ٣٨٨،
٣٩٣، ٤٢٤، ٤٣٢، ٤٣٧، ٤٧٠، ٤٩٠، ٤٩٦، ٥٠٦، ١٤: ٢١،
٢٣، ٣٥، ٥٠٠، ٥٣٠، ٦٠، ١٤١، ١٩٣، ١٩٩، ٢٠٥، ٢٠٩، ٢١٧،
٢١٨، ٢١٩، ٢٢٦، ٢٤٨، ٢٦٥، ٢٧٨، ٢٩٢، ٣١٥، ٣١٧، ٣١٩،
٣٢٤، ٣٤٣، ٣٤٤، ٣٤٧، ١٥ | : ٣٣، ٣٥، ٤٣، ٥٧، ١٠٠، ١٠٧،
١٢٠، ١٢٣، ١٢٥، ١٣٤ (؟)، ٢١٧، ٢٢٠، ٢٢٣، ٢٣٣، ٢٣٩، ٢٤٩،
٢٥٦، ٢٥٨، ٣١٤، ٣٣٥، ٣٣٩، ٣٤١، ٣٤٩، ٣٦٧، ٣٦٩، ٣٧٢،
٣٨٠، ٣١٨، ٤٠٢، ١٦: ٢٩، ٣٧، ٤١، ٥١، ٩٣، ١٠٨، ١٢٥، ١٥٠،
١٥٢، ١٦٧، ١٨٥، ٢١١، ٢٥٧، ٢٥٩، ٢٦٣، ٢٧٤، ٢٩٦، ٣٠١،
١٧: ٢٠، ٢٢، ٤٢، ٨٢، ٩٠، ١٠٤، ١١٠، ١٥٠، ١٥٥، ١٧٩، ١٩٩،
٢١٥، ٢٢٢، ٢٢٧، ٢٥٠، ٢٥٤، ٢٥٨، ٢٩١، ٢٩٢، ٢٩٤، ٣١٦،
٣٢٥، ٣٤٠، ٣٩٠، ٤٥١، ١٨: ١٢، ١٠٤، ١٠٨، ١١٥، ١٢١، ٢٢٢، ٢٢٤،
٢٢٨، ٢٢٩، ٢٣٨، ٢٤٥، ٢٤٨، ٢٤٩، ٢٥٣، ٢٩٤، ٢٩٥، ١٩: ٥٩،
٩٥، ١٠٤، ١٨١، ١٨٧، ٢٠٣، ٢١٦، ٢٢٠، ٢٢٢، ٢٢٩، ٣٠١، ٣٢٤،

٣٧٧، ٢٠: ٤٧، ٤٨، ٨٢، ٩٣، ١٥٢، ١٨٤، ٢٤٧، ٢٦٣، ٢٦٤، ٢٦٩، ٣٢١، ٣٦٠،
٣٦٤، ٣٦٩؛
جد جرير، ملاحظہ ہو الخطفی
جرير بن الخطفی ملاحظہ ہو جرير
جرير الضبّی ٥: ٩٧؛
جرير بن عبد الله البجلی ١٣: ٤٨؛
جرير بن عبد المسيح ـــ ملاحظہ ہو المُتلمِّس
جرير العجلی ١٢: ٢٤٥ (؟)؛
جَزْء بن الحارث ٤: ٤١٥، ١٦: ٢٣٩؛
جَزْء بن رباح الباهلی ١١: ٣١٢ (؟)، ١٢: ٢٦١؛
جسّاس بن قُطَيب ٩: ٢٠٦، ٢٠٩، ٢٧٣، ١٥: ٢٨٩؛
جِعْثِنة بن جوّاس الرّبعیّ ٧: ١١٥؛
جعدة بن عبد الله السُّلمی ٥: ٧٥: (یہ مصرع لُقَيْطَة الاکبر کا ہے)
الجعدی ـــ ملاحظہ ہو النابغة الجعدی
جعفر بن عُلْبة الحارثی ٨: ٤٠١، ١٣: ٣٥٢، ٣٥٣، ١٩: ٣٦٣؛
الجعفی ١٦: ٢٧٧، ٢٠: ٢٩؛
جعونة العجلی ١١: ١٧٧؛
الجُعَيْد المُرادیّ ٢: ٢٦١؛
ابو جِلْدَة ٥: ٢٩٩؛
الجُلَيْح ١٥: ٢٣٥؛
جمال الدين بن مالک ١٠: ٣٤٨؛
الجَمُوح الظّفَرِیّ ٤: ١٧١، ١٧٢، ٦: ٢١٩؛

الجَمُوح الهُذَلِيّ ٢ : ٣٣٦ (؟)، ١٠ : ٢٩٤ ؛

الجُمَيْح ١ : ٣٣٨، ٢ : ٣٥، ٣ : ٤٧٥، ٧ : ٢٧٤، ١٣ : ٩٤، ٣٥٣، ١٥ : ٥٧ ؛

الجُمَيْح بن سُدَيٍّ التَّغْلِبِيّ ١٨ : ٢٩٠، ١٩ : ٦٤ ؛

الجُمَيْح بن الطَّمَّاح الأسدي ١ : ١٨٤ (؟)، ٣ : ٢٨٨، ٩ : ٢١٤، ١٣ : ٢٤٢، ١٨ : ١٥١، ١٩٨ (؟) ؛

الجُمَيْح بن مُنْقِذ ١ : ٢٧٤، ٣١٨ ؛

جَمِيل (؟) ١ : ١٤١، ٢ : ٢٧٥، ٣٥٤، ٣ : ٢٨، ١٣٤، ٣٨٩، ٤ : ٢٤٤، ٣٩٧، ٥ : ٧٩، ٦ : ٣٣٩، ٤٢٩، ١٠ : ٢٢٨، ٢٦٠، ٢٧٧، ١٢ : ٣٠، ٦٢، ٢٤٢، ٢٦٥ (؟)، ٢٧٣، ٣٩٧، ١٣ : ١٢٧، ٣٨٤، ١٥ : ٤٠، ١٦٩، ١٦ : ٦، ١٩٠، ١٧ : ١٧٢، ١٧٧، ٣٢٧، ٤٢٧، ٤٤٥، ١٨ : ٦٣، ٢٢٤، ٢٩٨، ١٩ : ٣٦٠، ٣٧٥، ٢٠ : ١٧٧ ؛

جَمِيل بن مَرْثَد المَعْنِيّ ١٣ : ٣٢٤ ؛

جميل بن مَعْمَر ٣ : ١٦١ (؟)، ١٢ : ٨٣، ١٤ : ٨٣، ١٦ : ٢٢٢ ؛

جُنادة بن عامر ٩ : ٣٧٣، ١٢ : ١٦٢، ١٥ : ٨٤ ؛

ابن جُنْدَب ٤ : ٣٣٣ ؛

أبو جُنْدَب الهُذَلِيّ ٤ : ٢٢، ٨٥، ٥ : ٣٣٧، ٦ : ٤٨، ٧ : ٢٣٧، ٩ : ٢٨٢، ١٠ : ١٥٣، ١١ : ٤٠، ١١٥، ٢٤٤، ١٤ : ٢٨٠، ١٥ : ٢٥٢، ٣٣١، ٣٤١، ١٧ : ٢٤٨، ٤٤٨، ١٨ : ١٩٥، ٢٩٢، ١٩ : ٥٤ ؛

جَنْدَل (؟) ١ : ٢٤٨، ٢ : ١٤، ١٥٩، ٣ : ٣٩، ٤٦، ١٣٦، ٢٠٩، ٤ : ١٠٢، ١٧٠، ٢٤٨، ٤٠٦، ٥ : ١٨٢، ٦ : ١٥١، ١٦٥، ٧ : ٣٧٨، ٨ : ١٣٨، ٩ : ٢٤٩، ١٠ : ٣٢١، ١٢ : ٢٧، ٧٧، ٢٥٦، ٢٦٠، ١٤ : ١٠٧، ٢١٤،

۱۵: ۶۴، ۱۷: ۴۲۹؛
جَنْدَل بن الراعی۔ ھو جَنْدَل بن عُبَیْد بن حُصَیْن
جَنْدل بن عُبَیْد بن حُصَیْن ۲: ۲۶ (؟)، ۲۲۰ (؟)، ۱۰: ۳۷۸، ۱۷: ۲۳۷،
۲۰: ۲۷۳؛
جَنْدَل بن المُثَنّی الحارِثی الطُّھَوِیّ ۲: ۵۲، ۱۷۵، ۱۸۹، ۳: ۱۳، ۶۵، ۷۹،
۱۰۴، ۱۱۳، ۱۲۵، ۱۵۳، ۱۶۱، ۱۶۳، ۱۷۶، ۲۱۴، ۴۰۹، ۵: ۱۸۱، ۴۸۷،
۳۳۴، ۹: ۳۲۲، ۳۲۸، ۱۱: ۷۹، ۱۵۰، ۲۹۲، ۳۰۱، ۳۵۰، ۳۹۴،
۱۳: ۱۰۵، ۳۵۱، ۱۴: ۴، ۱۴۲، ۱۵: ۱۷۴، ۱۶: ۲۵۸، ۱۷: ۱۰۶،
۱۸۱، ۳۳۰، ۱۸: ۷۴، ۹۲؛
جَنُوب الھُذَلِیَّة (اُخت عمرٍو ذی الکلب) ۱: ۲۶۵، ۳۶۲، ۴۱۸، ۴۵۲،
۱۴: ۱۹۴، ۲۴۸، ۱۹: ۱۱۰، ۱۶۰،
ابوجھل بن ھِشام ۱۳: ۵۵، ۱۷: ۸۵، ۱۷۳؛
جَھْم بن سَبَل ۴: ۲۷۷، ۱۴: ۱۱۵، ۱۵: ۱۰۹، ۳۹۷؛
جَھْم بن شِبْل ۱۳: ۲۶۳، ۳۴۴؛ (دونوں جَھْم ایک دوسرے سے ملتے جلتے
ہیں لسان ص ۳۴۴ ج ۱۳)
ابوجھمة الذھلی ـــــ ملاحظہ ہو ابوجھیمة الھذلی
الجُھَنی ۱: ۱۵۴، ۱۲۰: ۲۴۴؛
ابوجُھَیْمَة الذھلی ۸: ۵۹، ۱۰: ۱۹۷، ۱۳: ۷۶، ۲۷۵، ۲۰: ۱۳۳؛
جُھَیْنَة بن جندب بن العنبر بن عمرو بن تمیم ۱۱: ۳۰۰؛
جَوّاس (؟) ۱۵: ۱۰۶ (؟)؛
جَوّاس بن حَبّان الازدی ۱۱: ۱۱۴؛

جَوّاس بن قُطَل ۹: ۱۵۵، ۱۵: ۲۰۸؛
جَوّاس بن نُعَیم الضَّبّی ۱: ۵۸؛
جواس بن نعیم (احد بنی الهُجَیم بن عمرو بن تمیم) المعروف بابن ام نهاس ۱۹: ۲۲؛
جَوْذابة بن عبد الرحمٰن بن عبد الله بن الجراح ۱۷: ۹۵؛
جُوَیّة ۳: ۳۱۸؛
جُوَیّة بن عائذ النَّصْری ۸: ۳۰۲، ۱۴: ۳۱۱؛

ح

حاتم — ملاحظہ ہو حاتم الطائی
ابو حاتم ۱۸: ۱۴۶؛
حاتم بن حَبّاش ۱۵: ۶۰؛
حاتم الطائی ۲: ۱۶۵ (؟)، ۳۰۴ (؟)، ۴: ۷۳، ۲۶۳، ۳۰۰، ۴۶۳، ۵: ۳۱۸، ۶: ۱۳۲، ۲۲۲، ۲۴۸، ۲۹۴، ۷: ۱۷۰ (؟)، ۳۸۱، ۸: ۸۴، ۹۱، ۱۰: ۵۰، ۱۱: ۱۷۳، ۱۹۴، ۱۲: ۳۴۲، ۱۳: ۲۰۹، ۱۵: ۱۴۴، ۱۶: ۱۷۶ (؟)، ۱۷: ۲۱۰، ۳۶۷، ۴۴۲، ۴۶۱، ۱۸: ۶۸، ۱۱۹، ۱۹: ۵۵، ۶۵، ۱۷۵، ۲۰: ۶۴، ۴۷؛
حاتم بن مُدْرِک ۹: ۱۱۵؛
حاجب بن حَبیب الاَسَدی ۱۱: ۳۱۶؛
حاجب بن زُبَیّان ۱۰: ۹۵؛
حاجب الفیل ۱۷: ۲۲۴؛

حاجب المازنی (او المزنی) ١٣: ٣٥٥، ٣٨٦، ١٧: ٢٢١؛
حاجز السَّروی ١٣: ٢٢٣، ١٤: ٢٢٣؛
حاجِزُ بن الجَعْد ٨: ٢١٢: (تاج العروس ٤: ٢٢٨ حاجز بن الجعيد)
حاجز بن الجُعَيْد الازدی اللص ١٠: ٢٢٤، ٣٤٣؛
حاجز بن عوف ٩: ٣ (؟)؛
الحارثة الغَطَفانی (هو قُطْبة بن اوس) ٥: ١٩٨، ٣٦٦، ٧: ٣٦٨، ٩: ٥٩، ٣٥٩،
١٥: ١١٣، ١٨: ٢٦٧؛
الحارث ١٩: ٣٥٧:
الحارث بن امية ٣: ٣٤٩؛
الحارث الجُرهُمی ١٦: ٢٦٤ (؟)؛
الحارث بن حِلِّزة ١: ٣٢٢، ٣٨٤، ٤٢٩، ٣: ١٠١، ١٢٠، ١٥١، ١٩٦، ٢١٦، ٢٥٥،
٢٧٦، ٤: ٨، ١٢٠، ٥: ٧٨، ٢٤١، ٣٠٨، ٩: ٢١١، ٣٠٣، ٣٠٥، ٣١٤،
٧: ١٩٥، ٨: ١٠٩، ١٦٢، ٢٢٥، ٢٥١، ٣١٢، ٣٢٦، ١٠: ١٨٥، ٢٨٩، ٣٠٢،
٣٣١، ١١: ٣٦، ٧٩، ١٢: ٤٢، ٣١٧، ١٩١، ٢٤٧، ٣٧٨، ١٣: ٢١، ٢٨٦،
٣٩٨، ١٥: ٢٢٠، ٢٢٢، ١٦: ٣٧، ١٧: ٦٣، ٢٨٤، ١٨: ٥٥، ٢٠٤،
١٩: ٣٣، ٢٠٤، ٢٥٥، ٣٣٣، ٣٨٠، ٢٠: ٢٣، ٧١، ١٢٢، ١٢٨، ٢٨١،
الحارث بن خالد بن العاص ١٦: ٥٣، ١٧: ٢٦١؛
الحارث بن خالد المخزومی ٢: ٢٤، ١٠: ٣٤٣، ١٢: ٢١٧، ١٧: ٢٢٠،
١٨: ٣٧، ١٩: ٤٥، ١٤٦، ٣٦٢، ٣٦٨؛
الحارث بن دَوْس الإيادی ١٣: ٦٥؛
الحارث بن زهير العبسی ١٢: ١١٠، ١٧: ٣١٩؛

الحارث بن طُفَيل ۱۹: ۳۴۸؛

الحارث بن ظالم المُرّيّ ۱۶: ۴۵، ۱۸: ۲۵۲؛ (الحارث حاء سے ہے۔ نہ کہ جیم سے)

الحارث بن عَبّاد ۸: ۳۵۰، ۱۶: ۶۸، ۱۷: ۱۶۹؛

الحارث بن عمرو ـــ ملاحظہ ہو ابو مکعت الاسدی

الحارث بن مُضَرِّب (هو ابو مزاحم العُقَيْلي) ۷: ۲۸۲، ۱۳: ۴۲۳؛ ۱۹: ۲۴؛

الحارث بن وعلة ۱۴: ۴۰، ۲۷۵، ۱۹: ۱۰۴؛

الحارث بن وَعْلَةَ الجَرْمي ۶: ۲۰۵ (۹)، ۱۱: ۱۱۶؛

الحارث بن وَعْلَة الذُّهلي ۱: ۴۴۸، ۱۰: ۱۳۵، ۱۳: ۱۲۵، ۱۴: ۳۵۵؛

حارثة بن بدر ۸: ۳۷۲، ۱۴: ۲۶۸؛

الحارثي ۱۱: ۳۰۸، ۱۹: ۹۲؛

ابن حازم ۱۸: ۱۵۴؛

حباب بن عمّار السُّحَيْمي ۱۶: ۲۶؛

ابن حَبْناء التميمي ۲: ۴۶، ۵: ۸۳، ۴۰۸ (؟)، ۶: ۲۱۴، ۸: ۱۵۵، ۱۰: ۲۳۶، ۴۰۴، ۱۶: ۱۶۸، ۱۸۱، ۱۸: ۲۹، ۱۹: ۳۷۴؛

حبيب بن أَوْس ۱۴: ۳۲۷؛

ابن حبيب الشيباني ۹: ۱۸۴؛ (۱۳: ۱۳ یہی شعر ابو حبیب الشیبانی کی جانب منسوب ہے)

ابو حبيب الشيباني ۱۳: ۱۳، ۱۴: ۲۳۶، ۱۷: ۴۴؛

حبيب بن عبد الله الهذلي ـــ ملاحظہ ہو الاعلم

الحبيب القُشَيْري ۱۶: ۲۱۷، ۲۷۹؛

حبيب بن المرء (؟) ۱۴: ۱۵۷، ۱۸: ۳۰۸؛

الوحَيْبة الشيباني ۱۱: ۳۱۸، ۱۶: ۲۳۸،

حُبَيْنَة بن طريف التغلبي ٣: ٨٣، ٩: ٢٢٩؛
الحجاج ٥: ١١١، ٣٣٤، ١٥: ٢٨؛
ابو الحجاج ١٢: ٣٨٨ (؟)؛
حجر ٥: ٢٠٩؛
حُجْر بن جَبيلة ١٢: ٣٥٤؛
حُجْر بن خالد (احد بني قيس بن ثعلبة) ٩: ٣٦٩، ١١: ٣٩٦؛
حَجِل بن نضلة (قاموس میں حنظلة ہے) ١٩: ١٢٠؛
حُجَيَّة بن المضرّب ١٠: ٣٥٠؛
حدير (عبد بني تميمة من بني قيس بن ثعلبة) ١٤: ٣٢٨؛
ابن حذّاق العبدي ٩: ٤٥٠؛ (نیز ملاحظہ ہو سويد بن حداق العبدي)
الحذلمي ١١: ١١٦، ١٤: ٣١٦، ١٥: ٤٤، ١٦: ٦، ١٥٢، ٢٢٤، ٢٦٩؛
١٧: ٩٩، ٢٩٧، ٣٦٦، ٤٠٧؛
حُذَيفة بن انس الهُذَلي ١: ٤٠٣، ٥: ٢١٧، ٦: ٢٨٧، ٨: ١١٩ (؟)، ١٦: ٢٤١؛
الحَرام ١٢: ٣٢٢؛
الحرب بن عُقَيْل الاعلم الجاهلي ٣: ٣٨٤؛
الحُرّة بنت النعمان بن المنذر ١١: ٢٤٦، ١٦: ٢١٣؛
الحُرمازي ٦: ٣٠٦، ١٠: ٣٠٦، ٣٣٢؛
حَرْمَلة بن حكيم ١٤: ٢٣١؛
حرملة بن المنذر ـــ ملاحظہ ہو ابو زبيد الطائي
حَرِيّ بن ضَمْرَة ٩: ١٠٠؛
حُرَيث بن جبلة العُذري ٥: ٣٨٠ (؟)، ٩: ٢٣٤ (؟)؛

حُرَیث بن زید الخیل ۱۸: ۳۸؛
حُرَیث بن عَتّاب النَّبْهانیّ الطائیّ ۳: ۵۰۹، ۱۲: ۲۲۲، ۱۹: ۳۴۹، ۲۰: ۲۰۰،
(معجم الشعراء لم زبانی: عتاب کی بجائے عناب)
ابو حُزابة الولید بن حنیفة ۸: ۸۳ (؟)، ۱۸: ۲۳۸؛
ابو حزام العُکلی ۷: ۳۰۰؛
ابن ام حَزْنَة ۲: ۲۵۰؛
الحزین الکنانی هو عمرو بن عبد وُهَیب ۶: ۱۰ (؟)
۱۶: ۲۶۹؛
الحزین اللیثی ۱۵: ۳۰۶ (؟)؛
حَسّان بن ثابت الانصاری ۱: ۵۷، ۸۶، ۱۳۴، ۱۷۰، ۳۲۶، ۳۸۶، ۳۸۷،
۴۷۷، ۲: ۷۱، ۹۳، ۱۶۶، ۲۲۶، ۳۵۴، ۴۷۸، ۳: ۸۷، ۳۰۳، ۳۸۳،
۳۹۱، ۵۰۷، ۴: ۶، ۴۴، ۵۵، ۱۰۶، ۱۴۷، ۲۴۰، ۲۵۰، ۳۸۸، ۴۳۰، ۵: ۱۶۴،
۱۶۶، ۱۸۴، ۲۳۹، ۲۴۳، ۲۷۳، ۳۰۴، ۴۱۷، ۶: ۱۸، ۳۳، ۷:
۲۸، ۴۷، ۷۱، ۲۳۶، ۲۵۲، ۲۵۷، ۲۷۷، ۳۱۹، ۳۳۰، ۳۹۷،
۸: ۳۴، ۴۴، ۲۰۶، ۲۳۹، ۲۷۱، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۹۵، ۹: ۳۲، ۴۹،
۱۳۰، ۱۸۰، ۲۰۴، ۲۴۴، ۲۹۷، ۳۲۶، ۳۵۹، ۳۶۳، ۳۶۷، ۴۲۲،
۱۰: ۷۸، ۱۲۰، ۲۶۹، ۲۷۱، ۳۵۵، ۳۷۹، ۴۳۸، ۱۱: ۱۱۶، ۳۰۸،
۳۱۲، ۳۱۸، ۳۸۰، ۱۲: ۶۳، ۷۱، ۱۰۷، ۱۹۰، ۲۱۲، ۲۴۷، ۳۲۱،
۳۳۷، ۴۰۵، ۱۳: ۲۶، ۴۲، ۲۴۳، ۳۶۱، ۳۶۶، ۴۷۶، ۱۴: ۳۸،
۶۸، ۸۳، ۱۳۹، ۱۵۸، ۳۰۴، ۳۳۲، ۳۴۵، ۱۵: ۴۶، ۸۱، ۸۴، ۱۶۸،
۱۶۹، ۱۹، ۲۶۲، ۳۹۸، ۴۰۶، ۴۲۳، ۱۶: ۱۸، ۲۴۳، ۲۷۶، ۲۸۹،

١: ١٧، ٣٨، ٥٥، ١٦٨، ١٨٧، ١٨٩، ٣٢١، ٣٣٧، ٤٠٨، ١٨: ٤٤،
٥٠، ٧٧، ٧٩، ١٠٠، ١٢٨، ١٤٧، ١٦٩، ١٩: ١٠٣، ١٣٨، ٢١١، ٣٠٦،
٣٦٦، ٢٠: ٥٧، ٨١، ١٤٧، ١٥٨، ١٥٩، ٢٤٧، ٣٦٣؛
حَسَّان بن حَنظلة ١٤: ١٠٠ (؟)؛
حَسَّان بن ربيعة الطائى ١٣: ٤٤١؛
حَسَّان بن نشبة ٦: ٤٤٨، ٩: ٣٣٢؛
حَسَّان بن يَعْلَى العَنْبَرى ١١: ٤٢٩؛
ابو الحَسْحاس ٤٠٨؛
الحسن بن عُرْفطة ١٧: ٢٤٥، ٢٤٦؛
الحسن بن مُزَرِّد ١: ٢٧١؛
الحسن بن هانئ ١: ١٩٧؛
حُسَيْل بن سُبَيْح الضَّبّىّ ٨: ٦٧؛
الحسين بن مُطَيْر الاسدى ٣: ٧٢، ٧٣، ١٤٦، ٢١٥، ٩: ٦٣، ١٦٤،
١٠: ٢٢٠، ١٢: ٢٢٠؛ ١٥: ٢٢١، ١٩: ٢٢٧؛
حُصَيْب الهُذَلِىّ ٢: ٣٧١؛
الحُصَيْن بن بكير الرَّبَعِىّ ٧: ١١٨، ١٦: ١٥٠؛
الحُصَيْن بن الحُمام المُرِّى ٥: ٨، ١٣٤، ٦: ٦٩ (؟)، ١٥: ١٣٢،
١٨: ٢٩٤؛
الحُصَيْن بن القَعْقاع ٢: ٣٥٢، ٤: ٣٤٨؛
الحُصَيْنِىّ ١٩: ٣٤٤؛
حَضْرَمِىّ بن عامر الاسدى ١: ٤٠، ٣٧٢، ٨: ٣١٣، ١٣: ٦٩،
١٤: ١٦٤، ١٧: ٦١، ٢٠: ٣١٥ (؟)؛

الخُضَيْن بن المُنْذِر ... الشَّيْبَانِي ٩ : ٣٣١، ٣٣٨، ١٦ : ٢٨٠؛
خُطَايِط بن يَعْفُرَ ١٦ : ١٧٦ (؟)؛ (نيز ملاحظہ ہو ابن يَعْفُر)
حطام المُجَاشِعِيّ ٥ : ١٩٦، ١٨ : ١٢٣؛
الحُطَم القَيْسِيّ ١٦ : ١٢٦ (؟)؛
الحُطَيْئَة ١ : ٢٤٥، ٣٠٦، ٣٧٥، ٤٠٨، ٢ : ٦٨، ٩٣، ٢٠٩، ٣ : ٨٤، ٩٧، ١٥٤، ٢٠٢، ٢١٠، ٢٤٦، ٢٥١، ٣٦٣، ٣٦٤، ٣٨٦، ٤ : ٣٩، ١٤٨، ٢٠٨، ٢٨٩، ٣٤٨، ٣٧٢، ٣٨٣، ٥ : ٦٢، ٨٠، ٢٤٦، ٢٧٨، ٣٢٢، ٣٩٢، ٤٢٧، ٦ : ٤، ٩٣، ١٠٧، ١٧٢، ٢٢٩، ٣٩٠، ٧ : ٤٧، ٧٣، ٨٤، ٨٥، ٣٦٠، ٤٠٦، ٤١٣، ٨ : ٨٤، ١٠٦، ١١٥، ١٢١، ١٢٨، ١٣٣، ١٣٤، ٢٠٨، ٢٧٩، ٢٨٩، ٩ : ٧، ١١٩، ٤٢٥، ١٠ : ٣٧، ١١٥، ١٩٦، ٣٥٦، ٣٥٩، ٤٣٥، ٤٣٦، ١١ : ٤٠، ١١٨، ٣٥١، ٣٩٨، ١٢ : ٩٧، ٣٥١ (؟)، ٣٩٩، ١٣ : ٥، ٥٦، ٩٩، ١١٠، ١٣١، ٤٠٧، ١٤ : ٩١، ١٥٩، ٣٤٢، ١٥ : ٢٠، ١٣٢، ١٣٩، ١٦٢، ١٩٢، ٢٥٧، ٣٠٩، ٣٤٠، ١٦ : ٢٠٦، ٢٨٦، ١٧ : ١٨، ٢٨، ٢٤٣، ٢٥٧، ٢٧٠، ٣٩٠، ٤٠٢، ٤٣٢، ١٨ : ١٧، ٣٢، ٣٦، ٥١، ٥٢، ١٠١، ١٥٥، ٢٣٤، ١٩ : ٦٣، آ٩، ١٣٧، ١٤٣، ١٤٩، ٢٨٦، ٢٩٢، ٢٠ : ٢١، ٨٥، ١٥٠، ١٥١، ١٧٠، ٢٧٦، ٢٧٨، ٢٩٩، ٣٧٤؛
حَفْص الأُمَوِيّ ١٠ : ٢٣٩، ١١ : ١٣؛
ابن ابی الحُقَيْق ١٣ : ٣٠٨، ١٦ : ٥، ١٩ : ١٠١؛
ابن أُمّ الحكم ١٦ : ٩٢؛
الحكم الحَضْرَمِيّ ٣ : ٤٧٦؛
الحكم الخُشَنِيّ ٩ : ٢٧٨، ١١ : ٢٢٩، ١٦ : ١٠٧؛

الحكم بن عَبْدَلِ الأَسَدِيّ ١٠ : ٢٨٧ ؛
لحكم بن مُعَيَّةَ ٩ : ٤٠٢ ؛
حكيم الدِّيلي ١٩ : ٨٦ ؛
حَكِيم بن مُصْعَب ١٦ : ٢٩٨ ،
حكيم بن مُعَيَّةَ الرِّبْعِيّ (التميمي) ٧ : ٩٣ ، ١٠ : ٢٤ ، ١٠٤ (؟) ، ١٨٨ ،
١٢ : ٥١٨ ، ١٩ : ٤١ ، ٢٠ : ١٥٧ ؛
الحَلاَّل (ابن عم الراعي) ٦ : ٦٨ (؟) ؛
حَلْحَلَة بن قيس بن أَثْيَمَ ٩ : ٢١٧ ، ١٢ : ٣٥٣ ؛
ابن حِلِّزَة — ملاحظة حارث بن حلزة
حَمَّاد الراوية ١١ : ١٦٥ (؟) ؛
بنت الحُمَارِس ٥ : ٣٧ (؟) ، ١٤ : ٢٣٤ ، ٢٠ : ٢٧٠ ،
حِمَاس بن قيس بن خالد الكناني ١٣ : ٣٦٠ ، ١٥ : ٨٢ ؛
الحُمام بن الدُّهَيْقِين ٩ : ٥٨ ؛
حُمْران ذو الغُصَّة ١٢ : ٣٨٨ (؟) ؛
حَمْزة [عَمّ النبي (ص)] ١٣ : ٤٩٠ ؛
حَمْزة بن بِيض ٨ : ١٥٢ ، ٣٩٨ ؛
حمل بن حارث الحارثي ١٥ : ١٧٥ ؛
حُمَيْد (؟) ١ : ١٢٦ ، ٤٠٥ ، ٢ : ١٤ ، ٣٨ ، ٣ : ٣٢٧ ، ٤ : ٢٣٣ ، ٣٥٧ ،
٥ : ٥٧ ، ٩٣ ، ٤٢٧ ، ٦ : ٣٢٢ ، ٣٩٩ ، ٤٠٨ ، ٤٦٤ ، ٧ : ٢١٠ ، ٢٤٧ ،
٨ : ٢٠ ، ٢٦٣ ، ٣٨٠ ، ٩ : ٣٧ ، ٤١ ، ١٠٥ ، ٢٩١ ، ٣٤٧ ، ١٠ : ٢٥٧ ؛
١١ : ٢١٦ ، ١٢ : ٢٣٥ ، ٢٩٨ ، ١٣ : ١٣٩ ، ٤٢٧ ، ١٤ : ٥١٨ ، ١٥ : ١١٩ ، ١٤٠

۱۶: ۱۰۵، ۱۷: ۶۲، ۱۲۰، ۱۴۷، ۳۴۲، ۱۸: ۳۴، ۱۹: ۲۱۹، ۳۰۸،
۲۰: ۳۳، ۳۲۷؛
حُمَیْد الاَرْقط ۱: ۳۳۳، ۲: ۱۸۰، ۳: ۱۷۵، ۲۷۳، ۴: ۳۴۶، ۵: ۲۳۱،
۲۹۲، ۶: ۱۸۸، ۷: ۴۲۹، ۸: ۴۰۶، ۹: ۱۲۳، ۱۸۷، ۲۲۲، ۲۵۱، ۲۸۰،
۳۰۲، ۳۵۳، ۱۰: ۱۷۷، ۳۲۶، ۳۷۳ (؟)، ۱۱: ۴۶، ۱۲: ۲۰۰، ۲۱۲،
۲۱۸، ۱۳: ۵۳، ۶۵ (؟)، ۳۶۸، ۱۴: ۱۴۳، ۱۵: ۵۹، ۱۴۷، ۲۹۴،
۱۶: ۱۳۰، ۱۵۲، ۱۹۲، ۲۱۲، ۱۷: ۳۸، ۱۸۸، ۲۵۰، ۲۷۹، ۳۲۲، ۴۵۱،
۱۸: ۱۵، ۱۶، ۱۱۶، ۲۷۲، ۱۹: ۵۷، ۲۰: ۹۴، ۲۵۳،
۲۸۰؛
حُمَیْد بن ثَوْر الہلالی ۱: ۳۴، ۱۱۹، ۱۵۵، ۲۳۰، ۲۵۴، ۲۶۲، ۳۳۵، ۳۴۶،
۳۸۰، ۲: ۹۴ (؟)، ۲۸۸، ۳۴۳، ۴۲۱، ۳: ۱۱۸، ۱۷۲، ۱۷۹، ۱۹۹، ۲۰۲،
۲۱۰، ۲۱۶، ۳۰۹، ۳۴۰، ۳۷۷، ۴۶۹، ۴۷۸، ۴۹۰، ۴: ۱۰۲، ۱۸۹، ۲۲۹،
۲۳۶، ۲۴۲، ۲۵۷، ۲۹۱، ۳۹۳، ۴۲۸، ۴۸۳، ۵: ۲۱۵، ۲۳۸، ۲۵۶،
۲۵۷، ۶: ۳، ۳۷، ۴۲، ۵۴، ۲۰۰، ۲۵۲، ۲۷۶، ۳۶۶، ۷: ۱۳۷،
۱۵۶، ۲۶۸، ۲۶۹، ۳۴۰ (؟)، ۴۲۸، ۴۲۹ (؟)، ۸: ۲۵، ۸۷، ۱۳۶،
۱۴۶، ۲۸۱، ۲۸۷، ۳۶۲، ۳۷۶، ۹: ۱۸۴، ۲۲۲، ۲۲۹، ۳۲۵، ۴۰۱،
۴۳۴، ۴۳۹، ۴۵۰، ۴۷۴، ۱۰: ۲۰، ۷۸، ۱۰۹، ۱۹۶، ۲۰۰، ۲۳۰، ۲۹۶،
۳۷۳، ۱۱: ۳۶، ۶۷، ۱۲۳، ۱۶۰، ۱۶۲، ۲۲۹، ۲۷۹، ۳۶۰، ۳۷۸،
۴۲۳، ۱۲: ۳۶، ۱۸۰، ۳۱۴، ۱۳: ۳۵۵، ۱۴: ۴۳۱، ۲۳۲،
۳۰۸، ۳۲۸، ۱۵: ۱۱، ۱۴۷، ۱۹۹، ۱۳۳، ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۰۹، ۲۴۰، ۲۸۹، ۳۲۶، ۳۳۴،

۴، ۳۹۴، ۱۶: ۳۰، ۷۹، ۱۸۸، ۱۹۱، ۱۷: ۵، ۶۲، ۱۱۳، ۱۳۶، ۱۸: ۱۴۲،
۳۱۰، ۱۹: ۳۰، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۳۱، ۳۳۳، ۳۷۶، ۲۰: ۲۳، ۳۳، ۶۲،
۱۲۵، ۲۰۱؛ (نیز ملاحظہ ہو حُمَیْد)
حُمَیْد بن ابی شِعاذ الضَّبّیّ ۴: ۴۲۳؛
ابوحَنْبل الطائی ۹: ۳۹۱؛
حُنْدُج بن حُنْدُج المُرّی ۱۳: ۲۱۴؛
حنش بن مالك ۱: ۱۵۸، ۱۰: ۳۸۲؛
حَنْظَلة الخیر بن ابی رُهْم ۴: ۱۰۰ (؟)؛
حَنْظَلة بن فاتِك الاسَدِیّ ۵: ۲۳؛
حَنْظَلة بن مصبح ۴: ۹۲، ۱۶: ۲۱۸؛
حُنَیّ بن جابر التَّغلبی ۱۸: ۱۸؛
الحُوَیْدِرَة ۸: ۲۷۶، ۱۴: ۱۵، ۱۵: ۲۶۹، ۱۶: ۱۶۶، ۱۷: ۲۲۷، ۱۸: ۶۷؛
جَبّان بن جُلْبة المُحارِبی ۱۸: ۴۱؛
ابوحَبّان الفَقْعَسی ۷: ۲۳۳ (؟)؛
حَیّة بن خلف الطائی ۴: ۶؛
ابوحَیّة النُّمَیْری ۱: ۴۳، ۲: ۷۲، ۱۸۵، ۳: ۱۹۴، ۲۱۶، ۲۲۷،
۴: ۳۸۰، ۴۰۲، ۵: ۲۱۶، ۹: ۱۶۱، ۹۹، ۳۴۸، ۱۰: ۲۹۸، ۱۱: ۲۹۱،
۴۱۲، ۱۲: ۱۸۶، ۱۳: ۶۳، ۱۳۸، ۲۲۳، ۳۱۲، ۳۷۳، ۳۸۰، ۱۴: ۴۶،
۲۶۹، ۱۵: ۲۸۴، ۳۴۳، ۳۶۶، ۱۷: ۱۰۸، ۱۸: ۱۲، ۵۳، ۱۶۷،
۲۰، ۲۲، ۹۵، ۱۴۴، ۲۹۸؛

خ

ابن خارجة ۱۳: ۳۳۵؛
خارجة بن ضرار المُرّی ۹: ۳۶۱، ۱۲: ۲۱۰ (؟)، ۲۹۱؛
خالد ۱۵: ۳۱۸؛
خالد بن جعفر بن کلاب (او الکلابی) ۴: ۲۴۳ ۱۰: ۳۸۵، ۱۷: ۴۴؛
۱۸: ۲۶۴؛
خالد بن حق (کذا) ۱۳: ۱۸۷ (؟)؛
ام خالد الخثعمیة ۴: ۳۷۳، ۶: ۳۱۸، ۱۵: ۳۹۰، ۱۷: ۴۳۲،
۱۹: ۳۶۵؛
خالد بن زُهَیر الهُذَلی ۱: ۴۲۶، ۲: ۱۰۲، ۵: ۱۳۷، ۱۲۵، ۶: ۵۶،
۱۷۱، ۷: ۱۲، ۱۷۶، ۹: ۱۶۷، ۱۰: ۱۶۶، ۱۲: ۳۸۷، ۱۲، ۳۷۷، ۱۸: ۱۸،
۱۹: ۱۲۰؛
خالد بن الصَّقْعَب النَّهْدی ۱۵: ۲۲۰ (؟)؛
خالد بن عامر ۶: ۴۲۳، ۱۰: ۲۱ (مقابلہ کریں تاج العروس ۵: ۳۸۲)؛
خالد بن عتبة الهذلی ۱۷: ۸۹؛
خالد بن عُلْقَمَة الدّارمی ۴: ۴۰۷، ۴۲۲، ۸: ۱۸۹، ۱۴: ۸۱؛
ابوخالد القَنانی ۱۵: ۴۱۴؛
خالد بن قَیْس (بن مُنقِذ بن طَرِیف) التَّیمی او التمیمی ۹: ۲۰۴،
۱۳: ۱۰۱، ۱۲۹، ۱۴: ۷۷، ۲۴۵؛
خالد الکاتب (ابوالهیثم) ۱۳: ۳۳؛

خالد بن مالك الهُذَلِي ۳ : ۳۵۹؛
خالد بن الوليد ۱ : ۴۰۲، ۷ : ۲۴۶، ۱۲ : ۲۵۴، ۱۹ : ۱۴۴؛
خَبَّاب بن خُزَيّ ۱۵ : ۴۱؛
خُبَيْب بن عَدِيّ ۱۰ : ۲۱۳، ۲۴۶؛
خُثَيْم بن عَدِيّ ۱۵ : ۳ (؟)، ۵۶، ۲۰ : ۲۸۶ (؟)؛
خِدَاش بن بشر (أبو مالك) — ملاحظہ ہو البعيث
خِدَاش بن زُهَيْر العامری ۲ : ۲۰۵، ۲۹۹، ۳ : ۲۶۹، ۳۰۶،
۴ : ۲۱۲، ۶ : ۱۶۰، ۷ : ۶۶، ۸ : ۳۸۰، ۹ : ۲۷۲، ۱۰ : ۱۳۸، ۱۱ : ۳۲۰،
۳۹۵، ۱۲ : ۱۸۰، ۲۳۲، ۲۳۳، ۱۳ : ۸۶، ۱۰۹، ۱۵ : ۱۴، ——
۱۸ : ۳۱۷، ۱۹ : ۲۱۶؛
خَدِيج بن حَبِيب ۱۶ : ۱۲۸؛
ابن خَدَّاق ۲۰ : ۲۱۵ (؟)؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن حَنَّاق)
خِدَام الأَسَدی ۱۶ : ۱۰۳؛
الخزاز بن عمرو ۹ : ۴۳۰؛
خِرَاش بن زهير ۱۳ : ۳۰۷؛
ابو خراش (هو خُوَيْلِد بن مُرَّة) الهُذَلِيّ ۱ : ۸۱، ۱۵۰، ۱۵۵، ۲۴۴، ۲۸۷،
۴۴۹، ۴۸۵، ۲ : ۶، ۱۶۶، ۲۳۲، ۲۴۹، ۲۸۱، ۴۳۵، ۳ : ۴۵، ۴۷،
۱۲۷، ۱۵۱، ۴ : ۳۸، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۵۴، ۱۸۱، ۲۵۸، ۲۸۹، ۳۰۷، ۳۸۷،
۴۳۵، ۴۶۰، ۵ : ۵۴، ۶ : ۱۱، ۱۵۶، ۱۵۹، ۱۹۴، ۲۷۹، ۳۲۱، ۷ : ۲۰۵،
۲۳۷، ۸ : ۱۱۹ (؟)، ۹ : ۳۶۳، ۴۹۶، ۱۰ : ۳۹، ۴۰، ۱۲۲، ۳۵۶، ۱۱ : ۲۰،
۶۵، ۹۳، ۱۱۳، ۱۲۹، ۲۳۳ (؟)، ۳۲۶، ۴۲۰، ۱۲ : ۳۹۷، ۱۳ : ۴۶،

۱۳۴، ۲۰۲، ۲۳۵، ۲۶۷، ۲۸۰، ۳۱۶، ۳۸۹، ۴۱۲، ۴۳۴، ۴۶۱،
۴۶۹، ۱۴: ۱۲۲، ۱۳۶، ۱۷۱، ۱۷۹، ۱۸۸، ۲۴۷، ۲۸۱، ۳۳۰، ۳۵۹،
۳۷۱، ۱۵: ۴، ۲۳، ۱۲۸، ۱۴۰، ۱۸۰، ۲۵۷، ۲۸۷، ۳۴۷، ۴۱۹، ۴۲۴،
۱۶: ۲۳، ۹۴، ۱۴۶، ۲۱۳، ۱۷: ۱۹۸، ۱۸: ۳۰۹، ۳۱۶، ۱۹: ۳۶،
۱۰۷، ۱۶۴، ۲۰: ۱۹۸؛

خِامشَة بن عَمرو العَيسِيّ ۵: ۱۱۳؛

ابن الخِدَع ۱۹: ۱۲۰؛

خَدِع بن سنان الغسانی ۴: ۱۲۶؛

خِدْنِق ۲: ۳۰۳، ۸: ۳۲۶؛

الخِدْنِق اخت طرفة ۲: ۴۰۳؛

خِدْنِق بنت عَبْعَبَة ۱۲: ۲۱۶؛

الخِدْنِق بنت هَفَّان ۷: ۷۰؛

خُزَيم بن فاتك الاسدی ۷: ۳۶۹؛

خُزَز بن لَوذان السلمی ۱۲: ۱۰۸ (؟)، ۱۵: ۳ (؟)، ۴۰۸، ۱۶: ۳۶،
۱۷: ۳۵۰ (؟)؛

خُزَيمة بن مالك بن نَهْد ۱۱: ۱۳؛

خُزَيمة بن نَهْد ۹: ۳۳۵؛ (ایک ہی شخص دونوں کی جانب منسوب کیا گیا ہے۔ ولدیت
میں غلطی معلوم ہوتی ہے، آغانی میں بھی اسی طرح دونوں مختلف نام آئے ہیں۔)

ابنة الخَشِن ۱۸: ۱۷۹؛

ابن خَشرم ۱۰: ۴۳؛ (نیز ملاحظہ ہو هدبة بن خشرم)

ابو الخَشْناء ۱۰: ۱۵۷ (؟)؛

خصیب القمری ۱۰: ۲۷۰، ۲۷۱؛
خصیب الهذلی ۴: ۳۴۱؛
الخضری ۴: ۴۳۸؛
ابو الخُضَیر یحیٰی ۱۳: ۲۴ (الخُضَر کی بجائے الخُضَری پڑھنا چاہیئے)، ۳۸۳؛
خِطام المجاشعی ۱: ۴۱۹، ۲: ۳۹۴، ۱۳: ۲۹۲، ۱۷: ۳۰۸، ۱۹: ۳۵۸؛
(نیز ملاحظہ ہو حُطام المجاشعی)
الخَطَفیٰ (جدّ جریر) ۴: ۱۳۸، ۱۰: ۴۲۴، ۱۱: ۴۶، ۱۶: ۲۵۰؛
الخطم القیسی ۱۲: ۳۲ (؟)
ابن الخطیم ـــ ملاحظہ ہو قیس بن الخطیم؛
الخطیم التمیمی (جاهلی) ۱۵: ۱۶۸؛
الخطیم الضبابی ۱۶: ۲۵۶؛
خُفاف بن عبد قیس (من البراجم) ۵: ۲۲؛
خُفاف بن نُدبة السُّلَمی ۳: ۲۰۴، ۲۲۹، ۲۶۸، ۴: ۲۲۲، ۲۳۵، ۲۹۵، ۳۳۸، ۵: ۶۴، ۷: ۲۸، ۵۶، ۱۸۰، ۸: ۳۸۰، ۱۰: ۴۵، ۲۶۱، ۱۱: ۳۵۷، ۱۲: ۶۳، ۱۳: ۴۱۱، ۱۴: ۸۰، ۲۷۰، ۱۵: ۲۴۰، ۳۰۸، ۱۶: ۲۴۴ (۹)؛ ۱۷: ۱۸۲، ۱۸: ۳۵، ۱۲۳، ۱۴۵، ۱۶۶، ۲۰: ۲۸۳، ۳۰۳؛
خَلَف ۴: ۴۳۶؛
خَلَف الاحمر ۱۲: ۸۳، ۱۳: ۳۴۳؛
خلف بن اسحاق البَهْرانی ۱۷: ۳۹۳؛
خلف بن جمیل الطهوی ۶: ۱۲۴؛
خلف بن حازم ۲۰: ۳۲۱؛

ام خَلَفٍ الخَثْعَمِيَّة ۱۵: ۱۶۴؛ (یہی شعر ۴: ۳۷۳ پر ام خالد الخَثْعَمِيَّة کی طرف منسوب ہے)۔

خَلِيْج الأُعَيْوِيّ ۲: ۱۶۰، ۱۸: ۲۰؛

خُلَيْد البَشْكُرِيّ ۱۰: ۴۲۲، ۱۴: ۳۶۲، ۱۵: ۲۳۵، ۳۹۰، ۴۲۰، ۱۶: ۶۸، ۱۱۳؛

الخليل ۴: ۳۰۴، ۱۷: ۲۴۹؛

الخليل بن احمد ۱۶: ۲۱۳؛

خُمَام بن زيد مَنَاةَ اليَرْبُوعِي ۱: ۲۴۵؛

خُنَافِر ۶: ۳۷؛

الخَنْجَر بن صَخْر الأَسَدِيّ ۷: ۲۴۵؛

خَنْدَق بن اياد ۶: ۱۹۰؛

الخَنْسَاء ۱: ۱۱۵، ۱۳۲، ۲۵۱، ۲: ۴۵۸، ۳: ۳۷، ۴: ۴۵۵، ۵: ۳۶۹، ۶: ۶۰، ۱۰۹، ۱۲۹، ۱۴۴، ۷: ۱۱۶، ۲۲۶، ۳۴۰، ۸: ۲۷، ۴۷، ۱۵۲، ۲۰۴، ۹: ۷۷؛ ۱۵۱، ۴۸۴، ۱۰: ۱۸۱، ۲۸۲، ۱۱: ۲۱۲، ۳۴۴، ۳۴۶، ۱۲: ۹۱؛ ۱۹۴، ۲۹۰، ۳۵۴، ۱۳: ۹۰، ۲۳۶، ۲۷۴، ۳۰۷، ۴۳۷، ۴۵۴، ۵۱۱، ۱۴: ۵۴، ۵۸، ۱۹۹، ۱۵: ۲۶۶، ۱۶: ۷۸، ۱۸۹، ۱۷: ۱۱۶، ۲۳۳، ۲۴۱، ۳۳۰، ۱۸: ۸۸، ۱۳۷، ۱۵۱، ۲۶۹، ۱۹: ۳۲، ۴۳، ۶۹، ۱۳۵، ۱۹۲، ۳۲۱، ۲۰: ۵۷، ۸۰، ۱۴۰، ۱۷۴، ۲۲۰، ۲۹۳؛

خَوَّات بن جُبَير ۱۳: ۱۲، ۱۸: ۷۷ (؟)؛

خُوَيْلِة الرياضيّة ۸: ۲۸۸؛

خُوَيْلِد ۱۶ : ۲۹۰؛
خُوَيْلِد بن مُرَّة الهُذَلِيّ — ملاحظہ ہو ابو خراش الہذلی۔
خُوَيْلِد بن نَوْفَل الکلابی ۱ : ۸۵، ۱۷ : ۲۷؛
الخَيْبَرِيّ الیہودی — ملاحظہ ہو الیہودی الخیبری
ابو خَيْبَرَة ۱ : ۳۶۷، ۳ : ۴۷۰، ۲۰ : ۲۶۲؛

د

الدَّاخِل بن حَرَام الہُذَلِيّ ۳ : ۳۷، ۱۳۱، ۱۱ : ۵۵؛
ابن دارة — ملاحظہ ہو سالم ابن دارة
ابن دالان الطائی ۸ : ۳۸۲؛
دَبَّاق الدُّبَيْرِيّ ۹ : ۱۵۳؛ (نیز ملاحظہ ہو الدبیری)
الدُّبَيْرِيّ ۱ : ۳۶۴، ۴ : ۲۹۳، ۵ : ۴۲۲، ۹ : ۲۷۸ (یہی شعر ۱۹ : ۱۵۳
پر دباق الدبیری کی طرف منسوب ہے؛
ابو الدَّحداح ۷ : ۲۸۸، ۱۱ : ۱۰۹؛
ابو دَخْتَنُوس — ملاحظہ ہو لقیط بن زُرارة
دَخْتَنُوس بنت لقیط ۱۳ : ۳۱۰، ۱۸ : ۲۵۴؛
دَرّاج بن زُرْعة ۱۳ : ۳۱۱؛
دُرَّة بنت ابی لہب ۱۱ : ۸؛
ابو دُرَّة الہذلی ۱۵ : ۶۶؛
ابو الدرداء لیلعنبر ۸ : ۲۴۵؛
ابو الدرداء مَيْسَرَة ۱۵ : ۲۰۸؛

درہم بن زید الانصاری ۳: ۲۴۵، ۱۷: ۱۳۶؛
دُرَید ــــ ھو دُرَید بن الصِّمَّة
ابن درید ۴: ۱۵۵، ۳۲۳، ۳۶۷، ۱۱: ۱۴۷، ۱۲: ۲۸۰؛
درید بن الصِّمَّة ۱: ۱۴۰، ۲: ۱۱۴، ۱۴۰، ۲۲۳، ۲۶۳، ۴۵۶، ۳: ۳۰۵،
۴: ۳۶۳، ۶: ۱۸، ۱۵۲، ۱۵۴، ۷: ۳۰، ۳۷۵، ۴۲۳،
۸: ۲۵۴، ۳۱۸، ۹: ۳۲۷، ۱۰، ۲۲۳، ۲۴۳ (؟)، ۲۷۹، ۱۱: ۲۷۶،
۱۲: ۳۴، ۶۱، ۶۴، ۳۲۵، ۱۴: ۱۲۹، ۱۵: ۵۵، ۱۶: ۷۶ (؟)، ۲۴۴ (؟)
۱۷: ۱۴۳، ۱۸: ۱۳۸، ۱۹: ۱۶، ۲۰۸، ۲۶۱، ۳۷۷، ۲۰: ۲۰۴؛
ابو الدُّقَیش ۸: ۲۸۰؛
دُکَین بن رَجاء الفُقَیمی السَّعدی ۱: ۱۹۸، ۲۸۱، ۲: ۳، ۲۲۱، ۲۵۳، ۳:
۵۰، ۴: ۱۶۲، ۲۹۵، ۵: ۱۲۸، ۶: ۱۱۶، ۲۱۸، ۷: ۳۹۸،
۹: ۳۳۳، ۱۲: ۱۱۷، ۱۹۷، ۱۳: ۹۷، ۲۲۰، ۲۴۹، ۲۹۵، ۴۲۵،
۱۴: ۱۴، ۶۸، ۱۵: ۴۱۵، ۱۶: ۱۶۹، ۱۸: ۱۳۷، ۱۹: ۱۱۱، ۲۰: ۲۱،
۱۹۶؛ ۱۷: ۵۷ (؟)،
ابو دلامة ۳: ۱۴؛
دلم (ابو رُغَیب او ابو رُغْبَة) العَبْشَمی ۱۲: ۳۵۷، ۱۵: ۸۹، ۹۴؛
ابن الدُّمَینَة ۱۱: ۲۸۱، ۴: ۲۱۷، ۱۱: ۲۱۰، ۱۲: ۴۹،
ابن الدُّمَینَة (ھو عبد اللہ بن عبید اللہ والدمینة امّه) ۱۳: ۳۸۵، ۱۹: ۲۱۳؛
ابن الدُّمَینَة النَّبَهانی ۵: ۲۸۸ (؟)؛
دُھبَل ۱۳: ۱۶؛
ابو دُھبَل الجُمَحی ۲: ۳۰۷، ۴۸۱، ۵: ۶۶ (؟)، ۳۲۴ (؟)، ۶: ۱۲۶، ۳۸۰،
۹: ۴۱۲، ۴۹۴، ۱۱: ۱۴۳، ۱۲: ۱۶۷، ۳۳۸، ۱۵: ۳۰۶ (؟)،

۱۷: ۸۸ (؟)، ۲۴۳، ۱۹: ۴۳:

دَهْلَب بن قُرَیْع ۳: ۴۷۳، ۸: ۲۶۵، ۱۴: ۶۶، ۱۶: ۳۰۰، ۱۷: ۲۲۳ (؟)؛

الدَّهْناء (امرأة العجاج) بنت مِسْحَل ۵: ۱۵۸، ۹: ۲۰۲، ۱۰: ۴؛

ابو دواد ـــــ ملاحظہ ہو ابو دواد الإیادی

ابو دُواد الایادی ۱: ۲۰۲، ۲۷۰، ۲۹۷، ۳۴۵، ۳۸۱، ۴۵۷، ۴۸۴، ۲: ۸۳، ۱۷۳، ۲۰۱، ۲۳۴، ۲۳۵، ۴۰۵، ۳: ۱۲۶، ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۵۲، ۱۷۰، ۱۸۹، ۱۹۸، ۲۳۰، ۲۶۰، ۳۲۲، ۳۶۷، ۴۴۸، ۵۰۲، ۴: ۴، ۴۳، ۱۰۵، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۷۳، ۳۳۷، ۴۳۱، ۵: ۴۱۲، ۶: ۲۹، ۴۰۹، ۴۱۵، ۸: ۴، ۷۳، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۹۳، ۲۱۱، ۲۲۱، ۲۶۸، ۲۷۱، ۲۸۷، ۳۰۴، ۳۶۰، ۳۶۱، ۹: ۴، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۳۲، ۱۷۰، ۲۷۳، ۲۸۱، ۱۰: ۸۲، ۱۹۳، ۲۶۹، ۳۳۰، ۳۷۸، ۱۱: ۷۶، ۲۰۵، ۳۲۴، ۴۰۷، ۱۲: ۷۵، ۲۰۳، ۲۰۹، ۲۲۷، ۲۶۵، ۲۷۸، ۲۸۹، ۳۴۲، ۳۶۹، ۳۶۹، ۱۳: ۲۴، ۳۹۰، ۴۷، ۱۵۹، ۱۹۷، ۲۶۹، ۱۴: ۱۵۳، ۲۶۴، ۲۹۸، ۳۱۶، ۳۲۸، ۳۳۲، ۳۳۵، ۱۵: ۲۱۶، ۲۸۵، ۳۲۶، ۳۳۸، ۱۶: ۸۶، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۱۳، ۱۸: ۲۵۵، ۱۹: ۱۸۶؛

دُواد بن ابی دواد ۱۳: ۶۴ (یہی شعر ۸: ۲۱۱ پر ابو دواد کی جانب منسوب ہے۔

ابو دُواد الرُّؤاسی ـــــ ملاحظہ ہو یزید بن معاویة

دُوَدان بن سعد الأسدی ۱۹: ۲۶۱ (؟)؛

الذبیانی ۱۰: ۲۸۷، ۲۰: ۴۲۹؛

الذہبی الغفاری ۱: ۲۳۰ (؟)؛

ابو ذرّة الهذلی ۲: ۲۹۶، ۴۸۶؛

ذِرْوة بن خَجْفَة (کذا) العَمُوتی ۴: ۱۱۱ خجفة کی بجائے حجفة؛ ۱۵: ۸۰، ۲۰: ۱۵۳ (حُجفة)؛
ابن ذُرَیح ـــــ ملاحظہ ہو قیس بن ذریح
ذَکْوَان العِجْلی ۱۳: ۴۰۲؛
ذُهْل بن قُرَیْع ۱۳: ۴۳۹ (؟)؛
ذوالاِصبع العَدْوانی ۲: ۱۱۶، ۳: ۶۴، ۴: ۱۸۲، ۶: ۲۲۲، ۲۵۰، ۷: ۴۲۱، ۸: ۱۰۳، ۱۸۶، ۲۷۵، ۱۰: ۱۹۹، ۲۶۱، ۲۹۲، ۱۱: ۲۱۲، ۱۳، ۳۵۸، ۱۴: ۳۹، ۱۶۶، ۱۶: ۶۳، ۱۰۹، ۲۷۰، ۱۷: ۲۴، ۲۸، ۱۹۹، ۱۷۰، ۳۳۰، ۳۵۹، ۴۳۶، ۱۸: ۴، ۲۴۱، ۲۴۷، ۱۹: ۴۳، ۱۴۷، ۲۰: ۳۲۳؛
ذوالبِجادَیْن ـــــ ملاحظہ ہو عبد اللہ ذوالبجادین المزنی
ذوالخِرَق الطُّهَوِی ۱: ۴۳۸، ۴۴۰، ۲: ۳۰۵، ۹: ۳۹۰، ۱۱: ۳۶۴، ۱۲: ۱۲۵، ۲۸۴، ۱۴: ۳۱۷، ۱۵: ۲۷، ۱۹: ۳۱۳؛
ذوالرُّمَّة (هو غَیْلَان العَدْوی) ۱: ۱۱، ۷۸، ۹۵، ۱۱۱، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۴۶، ۱۵۲، ۱۵۶، ۱۵۹، ۱۶۷، ۱۷۱، ۱۷۷، ۱۸۲، ۱۹۶، ۲۱۴، ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۵۰، ۲۷۲، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۰، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۲۹، ۳۳۱، ۳۳۶، ۳۴۶، ۳۵۶، ۳۶۴، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۴، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۸، ۳۹۲، ۳۹۵، ۴۰۴، ۴۳۱، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۹، ۴۵۲، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۷، ۴۶۴، ۴۶۹، ۴۷۵، ۴۸۲، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۹۱، ۴۹۵، ۲: ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۳۵، ۳۷، ۳۸، ۴۳، ۴۵، ۴۸، ۴۷، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۳۰، ۱۳۵، ۱۳۷، ۱۶۷، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۹۷، ۲۱۰، ۲۱۷، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۹، ۲۳۳،

۳۹۲، ۳۹۴، ۴۰۱، ۴۱۹، ۴۳۱، ۴۳۴، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲،

۳۴۳، ۳۵۴، ۳۶۶، ۳۶۹، ۳۸۹، ۳۹۱، ۴۰۰، ۴۱۰، ۴۱۴، ۴۱۹، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۹، ۴۳۴: ۵، ۳۵، ۳۷، ۵۲، ۵۳، ۸۲، ۸۹، ۹۱، ۹۶، ۱۰۲، ۱۱۴، ۱۲۱، ۱۳۴، ۱۴۷، ۱۵۰، ۱۵۷، ۱۷۱، ۱۷۸، ۱۸۵، ۱۹۷، ۲۰۲، ۲۰۶، ۲۱۳، ۲۲۰، ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۵۹، ۲۶۷، ۲۷۳، ۲۷۷، ۱۸۰، ۱۸۸، ۲۰۰، ۳۰۴، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۵۰، ۳۶۴، ۳۶۸، ۳۸۱، ۳۸۹، ۳۹۱، ۴۱۱، ۹: ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۷، ۲۷، ۲۸، ۴۴، ۴۷، ۵۷، ۵۸، ۸۴، ۱۰۴، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۲، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۲۷، ۱۳۳، ۱۴۷، ۱۵۲، ۱۵۴، ۱۵۸، ۱۷۱، ۱۸۱، ۱۹۸، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۳۳، ۲۵۹، ۲۷۴، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۵، ۳۰۳، ۳۱۱، ۳۵۱، ۳۶۶، ۳۶۹، ۳۷۵، ۳۹۶، ۴۰۴، ۴۲۴، ۴۲۸، ۴۴۳، ۴۶۱، ۴۶۹، ۴۷۳، ۴۹۵، ۴۹۷، ۴۹۹، ۱۰: ۷، ۱۳، ۱۷، ۱۸، ۲۱، ۴۷، ۵۵، ۶۱، ۶۲، ۶۶، ۷۸، ۷۰، ۸۲، ۸۴، ۱۳۴، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۵۷، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۷، ۲۲۵، ۲۲۸، ۲۳۲، ۲۳۶، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۶۲، ۲۷۴، ۲۸۵، ۲۹۶، ۳۰۳، ۳۰۶، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۸، ۳۶۵، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۶، ۳۹۶، ۴۰۵، ۴۰۸، ۴۳۵، ۴۴۲، ۱۱: ۳، ۴، ۱۲، ۴۶، ۸۲، ۱۰۰، ۱۱۹، ۱۲۶، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۵، ۱۶۲، ۱۷۲، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۷، ۱۹۴، ۲۳۸، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۷۴، ۲۸۴، ۲۹۴، ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۳۱، ۳۴۰، ۳۴۹، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۶۲، ۳۸۰، ۳۹۱، ۴۱۰، ۴۱۶، ۴۱۹، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۹، ۱۲: ۵، ۳۵، ۳۷، ۵۲، ۵۳، ۸۲، ۸۹، ۹۱، ۹۶، ۹۹، ۱۰۲، ۱۱۴، ۱۲۱، ۱۳۴، ۱۴۷، ۱۵۰، ۱۵۷، ۱۷۱، ۱۷۸، ۱۸۵، ۱۹۷، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۳۷، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۴۶، ۲۵۱، ۲۶۷، ۲۸۱، ۲۸۵، ۲۹۱، ۲۹۴، ۳۰۴، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۹، ۳۳۸، ۳۴۰، ۳۵۱، ۳۵۴، ۳۶۲، ۳۶۵، ۳۱۱، ۳۱۴، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰

۴۴۴، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۷، ۴۶۴، ۴۶۹، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۸، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹،

۴۶۳، ۱۸، ۵۶، ۵۷، ۶۴، ۶۸، ۸۶، ۱۰۰، ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۵۰، ۱۶۴،
۱۶۶، ۱۷۰، ۱۷۴، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۳، ۱۹۱، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۱۳، ۲۲۶،
۲۳۲، ۲۴۸، ۲۶۰، ۲۸۴، ۲۸۷، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۳، ۳۰۸، ۳۱۸،
۱۹: ۱۶، ۲۴، ۳۶، ۶۲، ۸۷، ۹۰، ۹۶، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۲۴، ۱۳۳،
۱۳۴، ۱۳۵، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۴۹، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۷۰، ۱۷۲، ۱۸۴،
۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۰۵، ۲۱۰، ۲۱۷، ۲۲۴، ۲۲۶، ۲۳۷،
۲۴۳، ۲۷۱، ۲۷۷، ۲۹۷، ۲۹۸، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۱۶، ۳۳۷، ۳۳۸،
۳۶۱، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۷، **۲۰**: ۲، ۸، ۲۲، ۲۸، ۳۹، ۴۲،
۴۸، ۶۱، ۶۶، ۱۱۱، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۷، ۱۶۵،
۱۷۱، ۱۹۲، ۱۹۸، ۲۱۴، ۲۳۵، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۵۵، ۲۶۹، ۲۷۴،
۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۱۳، ۳۲۶، ۳۵۷، ۳۶۳، ۳۷۵.

ذُوَیب بن نُہَیم الطَّھَوِی ۷: ۸۹؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن نہیم)

ابو ذُوَیب الہُذَلِی ۱: ۴۱، ۴۹، ۷۹، ۱۶۴، ۱۷۴، ۲۰۹، ۲۲۱، ۲۶۳ (؟)
۲۸۱، ۲۹۰، ۲۹۵، ۲۹۸، ۳۰۹، ۳۶۵، ۳۷۰، ۳۷۷، ۳۹۱، ۳۹۶،
۴۱۰، ۴۱۳، ۴۲۲، ۴۳۳، ۴۳۵، ۴۳۸، ۴۴۱، ۴۶۹، ۴۷۳، ۴۹۲،
۴۹۵، **۲**: ۱۲، ۱۸، ۲۴، ۲۵، ۳۴، ۳۶، ۴۶، ۸۷، ۹۵، ۹۶، ۱۰۴،
۱۱۲، ۱۴۷، ۱۵۰، ۱۶۲، ۱۶۹، ۲۱۰، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۴۱، ۲۵۰، ۲۵۵،
۲۶۲، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۸۰، ۳۳۶ (؟)، ۳۷۰، ۳۷۳، ۳۸۴، ۴۰۱،
۴۵۶، ۴۷۶ **۳**: ۸، ۲۷، ۲۹، ۳۵، ۳۶، ۳۸، ۴۰، ۴۱، ۴۳،
۵۱، ۶۸، ۷۵، ۷۸، ۷۹، ۱۸، ۹۰، ۹۸، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲،
۱۳۹، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۵۱، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۷۴، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۹۰،

٧٥٣، ٣٤٢، ٣٤٩، ٣٤٩، ٣٤٩

۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۶، ۴۱۹، ۴۵۲، ۴۶۹، ۴۷۵، ۴۷۷، ۴۸۳، ۵۱۰ ۴، ۵،
۹، ۱۲، ۵۲، ۵۳، ۶۲، ۶۴، ۷۳، ۷۵، ۷۷، ۹۳، ۹۸، ۱۰۳، ۱۱۴،
۱۴۹، ۱۵۰، ۲۰۷، ۲۱۰، ۲۱۳ (؟)، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۳۶، ۲۹۳، ۲۹۴،
۲۹۵، ۳۱۲، ۳۵۳، ۳۶۱، ۳۸۹، ۴۰۰، ۴۰۴، ۴۱۶، ۴۳۵، ۴۳۸،
۴۴۴، ۴۴۹، ۱ا: ۳، ۹، ۴۳، ۸۰، ۸۱، ۸۴، ۸۵، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۴، ۱۱۷،
۱۲۶، ۱۲۸، ۱۴۱، ۱۶۱، ۲۰۸، ۲۲۸، ۲۳۳، ۲۴۱، ۲۵۷، ۲۶۱، ۲۷۸،
۲۷۹، ۳۰۰، ۳۰۳، ۳۲۳، ۳۲۳، ۳۶۱، ۳۶۳، ۴۰۴، ۴۰۴، ب: ۱۳، ۴۲،
۴۵، ۶۱، ۶۳، ۷۳، ۹۴، ۹۷، ۱۴۴، ۱۴۳، ۱۴۶، ۱۵۳، ۱۶۰، ۱۶۹،
۲۰۹، ۲۵۸، ۲۷۷، ۳۴۶، ۳۷۴، ۳۸۴، ۳۹۱، پ: ۴، ۹، ۱۶،
۳۹، ۴۰، ۵۶، ۶۷، ۹۶، ۱۰۴، ۱۱۰، ۱۱۳ (؟)، ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۴۰،
۱۴۹، ۱۶۲، ۱۹۹، ۱۸۵، ۱۹۰، ۱۹۶، ۲۲۴، ۲۴۵، ۲۸۲، ۲۸۴، ۲۹۳،
۳۰۱، ۳۲۰، ۳۲۳، ۳۲۷، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۵۰، ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۶۴،
۳۶۹، ۳۸۶، ۳۸۸، ۴۱۵، ۴۲۷، ۴۴۰، ۴۷۴، ۵۱۰، ۴: ۳۷، ۳۹،
۴۲، ۷۶، ۷۹، ۸۰، ۱۰۸، ۱۱۷، ۱۳۹، ۱۶۶، ۱۷۲، ۱۸۴، ۱۸۶، ۱۹۰،
۱۹۴، ۲۴۱، ۲۵۲، ۲۵۴، ۳۰۰، ۳۰۷، ۳۲۶، ۳۵۶، ۳۶۸، ت: ۵،
۱۰، ۴۵، ۵۱، ۶۲، ۸۵، ۹۹، ۱۰۴، ۱۱۴، ۱۳۷، ۱۵۶، ۱۶۰، ۱۹۳،
۱۹۷، ۲۲۲، ۲۵۱، ۲۸۳، ۲۸۵، ۳۱۷، ۳۲۲، ۳۳۰، ۳۴۲،
۴۱۶، ۴: ۵، ۶۱، ۷۴، ۷۵، ۹۲، ۹۵، ۱۲۷، ۲۱۲، ۲۲۰، ۲۴۷،
۲۶۷، ۲۶۸، ۶: ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۳۸، ۵۰، ۷۳، ۱۰۹، ۱۱۳، ۱۷۷، ۲۰۳،
۲۱۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۱۷، ۸: ۸، ۳۶، ۶۹، ۸۱، ۱۱۱، ۱۲۴، ۱۵۲، ۱۵۴،
۱۶۳، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۸۶، ۱۹۹، ۲۱۰، ۲۶۸، ۲۷۱، ۳۰۶، ۳۱۶،

٩ | : ٨، ٢٣، ٢٤، ٢٨، ٤٤، ٥٤، ٥٥، ٦٢، ٧٧، ٧٩، ٨٨، ٨٩،
١١٢، ١١٣، ١١٨، ١٣٨، ١٤٤، ١٧٨، ١٩٧، ٢٠٧، ٢٢١ (؟)، ٢٣٤، ٢٤٩،
٢٥٨، ٢٥٨، ٢٩٢، ٣١٦، ٣٢٠، ٣٢٣، ٣٢٦، ٣٣٦، ٣٤٦، ٣٦٠،
٣٠ : ٤٧، ٧٦، ١٤٣، ١٥٦، ١٦٢، ١٩٣، ٢٠٠، ٢١٠، ٢١٧، ٢١٩، ٢٢٤،
٢٣٤، ٢٣٦، ٢٤٩، ٢٥٠، ٢٥٨، ٢٧٩، ٣٠٠، ٣٥٠، ٣٦٤؛

ابن ذی کبار ١٨ : ٢٤٦؛

ابن ذی یَزَنَ ملاحظہ ہو سَیف بن ذی یَزَنَ

راشد بن شہاب الیشکری ٥ | : ٢٨٩؛

راشد بن عَبدِ ربّہ ١٨ : ٨٠؛

الراعش ٥ | : ٨٢؛

الرّاعی (ھو ابو جندل عُبَید بن حصین النُّمَیْری) ١ | : ٤٠، ١٧٩، ١٨٧، ٢٣٤،
٢٣٩، ٢٤١، ٢٤٢، ٢٥٣، ٢٨٧، ٢٩٢، ٣٠٣، ٣١٠، ٣٣٢، ٣٣٣، ٣٣٧،
٤٧٨، ٤٨٠، ٢ : ١٥، ٢٦ (؟)، ٣٩، ١٤١، ١٦٢، ١٧٠، ١٩١، ١٩٢، ٢٢٠ (؟)
٣٠٥، ٣٢٤، ٣٦٠، ٤٠٥، ٣ : ٥، ١٩، ٢٣، ٣٧، ١٢٩، ١٣٧، ١٤٢، ١٨٦،
٢٠٩، ٢١٨، ٢١٩، ٢٢٨، ٢٤١، ٢٦١، ٢٦٤، ٣١٠، ٣٤٣، ٣٥١، ٣٥٤،
٣٨٥، ٤٢٧، ٤٤٥، ٤٤٨، ٤٥٤، ٤٦١، ٤٦٣، ٤ : ١٤١، ٦٢، ٦٥، ٧٩،
١١٥، ١٣٠، ١٦٤، ١٦٨، ١٧١، ١٨٦، ٢٣٧، ٢٣٨، ٢٥١، ٢٥٧، ٢٧٦،
٢٨٠، ٢٩٩، ٣٠٢، ٣٠٣، ٣٢٩، ٣٦٦، ٣٧٢، ٣٧٩، ٣٩٠، ٤٠٨، ٤٢٣،
٤٣٥، ٤٤٨، ٤٥٢، ٤٦٧، ٤٧٣، ٤٨٧، ٥ : ٢١، ٣٥، ٤٣، ٤٥،
٨٢، ٩٥، ١٠١، ١٢٢، ١٢٤، ١٣٣، ١٦٣، ١٦٨، ٢٠٧، ٢٢٧، ٢٣٣،
٢٤٢، ٣٠٣، ٣٣٩، ٣٤٤، ٣٩٠، ٣٩٤، ٤١٣، ٦ : ١١، ١٧، ٥٢، ٦٨،

۳۲۸، ۳۲۴، ۳۱۴، ۳۰۵، ۳۰۴، ۲۹۹، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۱۷، ۹۶، ۸۹
۴۶۶، ۴۱۷، ۴۰۰، ۳۹۳، ۳۷۶، ۳۶۷، ۳۵۶، ۳۴۸، ۳۴۳، ۳۴۲
۲۱۶، ۱۹۴، ۱۴۴، ۱۳۴، ۹۵، ۶۷، ۵۰، ۳۵، ۱۳۱، ۷: ۴۷۴
۲۴۱، ۲۲۱، ۳۷۳، ۳۴۳، ۳۲۵، ۳۱۱، ۲۹۲، ۲۵۸، ۲۲۳، ۲۱۸
۲۵۸، ۲۵۳، ۱۸۹، ۱۷۳، ۱۴۹، ۱۱۸، ۷۵، ۲۸، ۲۵، ۲۱، ۵، ۳: ۸
۲۸۱، ۲۷۸، ۲۶۷، ۲۴۳، ۲۴۱، ۳۱۵، ۳۰۹، ۲۷۴، ۲۵، ۸: ۹
۳۹۳، ۳۸۶، ۳۴۷، ۳۵۴، ۳۲۴، ۲۸۲، ۱۹۲، ۱۰۵، ۹۹، ۹۳
۴۹۹، ۴۹۲، ۴۹۰، ۴۸۸، ۴۵۸، ۴۵۶، ۴۲۰، ۴۱۵، ۴۱۳
۱۴۱، ۱۲۶، ۱۲۳، ۹۳، ۷۸، ۷۱، ۶۰، ۴۵، ۴۴، ۱۵، ۱۳، ۵: ۱۰
۳۵۰، ۳۰۸، ۲۶۹، ۲۶۱، ۲۴۴، ۲۲۹، ۲۰۸، ۱۸۲، ۱۷۴، ۱۵۶
۳۷۰، ۳۰۶، ۳۰۵، ۲۲۲، ۱۴۲، ۱۱۳، ۹۸، ۷۶، ۵۳، ۱۳: ۱۱
۱۷۳، ۱۵۰، ۱۲۳، ۹۹، ۹۱، ۸۶، ۸۲، ۸۰، ۲۲: ۱۲
۲۸۰، ۲۷۷، ۲۶۸، ۲۴۳، ۲۲۸، ۲۲۳، ۲۲۱، ۲۰۵، ۱۸۰، ۶۷۹
۴۰۳، ۳۹۹، ۳۷۳، ۳۴۴، ۳۳۲، ۳۲۷، ۲۹۸، ۲۹۷
۱۷۲، ۱۶۸، ۱۵۷، ۱۴۴، ۱۴۰، ۱۲۲، ۱۲۰، ۸۷، ۶۳، ۵۵
۳۷۲، ۳۰۶، ۲۱۸، ۲۱۵، ۱۰۲، ۵۸، ۴۱، ۳۲، ۳۰، ۱۹، ۱۰۹: ۴
۳۴۶، ۳۲۷، ۲۷۲، ۲۵۹
۱۰۹، ۱۰۱، ۷۸، ۵۱: ۱۳، ۳۵۰، ۳۴۶، ۳۲۷، ۲۷۲، ۲۵۹
۲۱۶، ۱۹۴، ۱۴۴، ۱۳۴، ۹۵، ۶۷، ۵۰، ۳۵، ۱۳۱، ۷: ۴۷۴
۴۱۷، ۴۰۰، ۳۹۳، ۳۷۶، ۳۶۷، ۳۵۶، ۳۴۸، ۳۴۳، ۳۴۲
۳۲۸، ۳۲۴، ۳۱۴، ۳۰۵، ۳۰۴، ۲۹۹، ۱۶۴، ۱۶۳، ۱۱۷، ۹۶، ۸۹

۱۸۴، ۱۹۳، ۲۰۰، ۲۳۶، ۲۴۱، ۲۶۱، ۲۹۷، ۳۲۹، ۳۴۱، ۳۶۴، ۴۴۲،
۸: ۲۱، ۳۱، ۳۸، ۳۹، ۶۲، ۱۰۵، ۱۱۰، ۱۲۴، ۱۴۹، ۱۷۷، ۱۸۳،
۲۴۲، ۲۴۶، ۲۶۱، ۳۱۶، ۹: ۹، ۲۸، ۹۱، ۱۱۹، ۱۷۴، ۱۹۸، ۲۰۷،
۲۱۵، ۲۲۳، ۲۴۳، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۸۱، ۳۰۸، ۳۱۲، ۳۷۷، ۲۰: ۱۰،
۳۷، ۱۰۹، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۴۱، ۱۷۵، ۱۹۱، ۲۳۵، ۲۵۲، ۲۵۵، ۳۱۹، ۳۲۰،
۳۷۴؛

رافع بن هُرَيْم ۸: ۸۵، ۹: ۳۴۱ (هزیم کی بجائے هریم پڑھنا چاہیئے)،
۱۵: ۲۶۷ (؟)، ۱۹: ۱۳۴؛

الراهب (هو زهرة بن سِرْحَان) ۹: ۱۲۵ (؟)؛

ابوالرُّبَيِّس المازنی (هو عُبادة بن طَهْفَة) ۵: ۱۰۰: ابوالرُّبَيِّس کی بجائے
ابوالرُّبَيِّس پڑھنا چاہیئے)

ابن رِبْع الهذلی — ملاحظہ ہو عبد مناف بن رِبْع الهذلی

رِبْعان ۱۵: ۳۲۴؛

رِبْعِيّ الدُّبَيْرِيّ ۱۰: ۳۳۳، ۱۱: ۲۷۵، ۱۶: ۱۴۶؛

رِبْعِيّ بن ربيعة ۱۳: ۲۹ (؟)؛

رِبْعِيّ الزبيري ۹: ۱۴۵؛

ابوالرُّبَيِّسِ الثَّعْلَبِيّ (هو عُبادة بن طهفة المازنی) ۳: ۱۴۹، ۱۲: ۷۳،
۱۹۶، ۳۶۳، ۱۳: ۱۲۰، ۱۵: ۱۹۱، ۱۸: ۲۶۶، ۲۰: ۱۳۴، ۲۶۲؛
(نیز ملاحظہ ہو ابوالرُّبَيِّس المازنی)

ابوالربيع ۱۱: ۲۵۸؛

الربيع بن ابی الحُقَيْق ۱۱: ۳۵، ۱۵: ۳۸۲؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن ابی الحقیق)

الربیع بن زیاد العبسی ۷ : ۳۵ ، ۳ : ۳۶۹ (؟) ، ۴ : ۹ ، ۳۵۶ ، ۲۰ ، ۷۰ ؛
الربیع بن ضَبُع الفزاری ۵ : ۳۶۸ ، ۳ : ۶۸ ، ۱۷ : ۱۲۸ ، ۱۸ : ۴۲ ، ۲۰ : ۳ ؛
الربیع الکامل ۳ : ۳۶۹ (؟) ؛
ابن ابی ربیعة - ملاحظہ ہو عمر بن ابی ربیعة
ربیعة الاسدی ۱۷ : ۳۵۶ ، ۲۰ : ۷۸ ؛
ربیعة بن الحجلة الهذلی ۲ : ۱۴۳ ، ۳ : ۱۸۵ ، ۸ : ۷۷ ؛
ربیعة بن جُحدل اللحیانی ۱۷ : ۴۱۰ ؛
ربیعة بن جُشَم ۱۶ : ۲۳۴ (؟) ؛
ربیعة الترقی ۲ : ۳۵۴ ؛
ربیعة بن مالك - ملاحظہ ہو المخبل السعدی
ربیعة بن مَقْرُوم الضبّی ۴ : ۳۱۶ ، ۵ : ۱۶۲ ، ۸ : ۵۸ ، ۱۶۴ ، ۹ : ۲۲۰ ، ۳۹۲ ، ۴۹۷ ، ۱۰ : ۵۸ ، ۷۰ ، ۲۲۶ ، ۱۳ : ۴۵ ، ۳۹۵ ، ۱۵ : ۲۹۴ ، ۳۰۸ ، ۳۴۳ ، ۱۷ : ۱۶۳ ، ۲۰ : ۱۵۵ ، ۲۵۷ ؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن مقروم)
ربیعة بن هَمّام بن عامر البکری ۳ : ۱۶۶ ؛
الرحال (هو عمرو بن النعمان بن البراء) ۱۹ : ۱۸۴ ؛
رَدّاء بن منظور ۱۷ : ۲۶ ؛
رذاذ الکلبی ۴ : ۳۱۸ ؛
رَزَاخ (اخو قُصَیّ بن کلاب) ۵ : ۳۱ ؛
ابو رزمة ۶ : ۲۶۱ ؛ رَزِین بن لُعَط (کذا) ۱۴ : ۱۸۶ ؛

رُشَيْد بن رُمَيْض العَنَزى ٦ : ٣١ ، ١٠٩ ، ٩ : ٥٦ ، ١٥ : ٢٩ ، ١٦ : ١٢٦ ،
(نيز ملاحظه هو رشيد بن رميض العنوى اور ابن رميض)
رُشَيْد بن رُمَيْض العنوى ١٠ : ٢٩٧ ؛
رفاع بن قبيس الاسدى - ملاحظه هو رفاع بن قبيس الاسدى
الرَّقَّاص الكلبى ١٠ : ١١١ ، ١٥ : ٣ (؟) ، ٥٦ (؟) ، ٢٠ : ٢٨٦ (؟) ؛
ابن الرفاع (هو عدى العاملى) ١ : ٢٠٤ ، ٢ : ١٢٠ ، ١٤٩ ، ٣ : ٤٠٩ ،
٤ : ٦٤ ، ١٢٤ ، ٢٨٨ ، ٣٤٨ (؟) ، ٤١٧ ، ٤٥٠ ، ٥ : ٨٢ ، ٩٧ ، ٣٩٤ ،
٤٢٨ ، ٦ : ٢٦٧ ، ٣٧٨ ، ٧ : ٢٥ ، ٢٠١ ، ٨ : ٢٦ ، ١١٨ ، ٢٢٦ ، ٩ : ١٧ ،
١١٨ ، ١٦٤ ، ٤٩٢ ، ١٠ : ١٨٢ (؟) ، ١٨٩ ، ٢٨٣ ، ٢٩٣ ، ٣٧٨ ، ١١ : ٥٣ ، ٧٣ ،
٧٧ ، ٢٢٧ ، ٢٥٧ ، ٣١٠ ، ٤١٩ ، ١٢ : ١٣٠ ، ١٧٧ ، ٢٨٤ ، ٣٠٣ ، ١٣ :
٣ ، ٢٥٥ ، ٤٦٢ ، ١٤ : ١٦٨ ، ٢٥٠ ، ٣١٧ ، ٣٦٣ ، ٣٦٦ ، ١٥ : ٢٢ ،
٥٩ ، ١٢٣ ، ١٦ : ٢٨١ ، ١٧ : ١٢٦ ، ١٧١ ، ٢٣٦ ، ٣٤٠ ، ٣٩٣ ، ٣٩٤ ،
١٨ : ٥٥ ، ٢٢٧ ، ١٩ : ١٥٠ ، ١٩٨ ، ٢٥٤ ، ٣١٣ ، ٣٤٩ ، ٢٠ : ٤ ، ١٦ ،
٢١٩ ؛
الرفاع العاملى ٤ : ٢٩٢ ؛
رفاع (اور فاع) بن قبيس الاسدى ٩ : ٢٩٦ ، ١٤ : ٣٣٦ ؛
ابن الرُّقَيَّات ٢ : ١٤ ، ٣ : ١١٢ ، ٧ : ٣٨٥ ، ١٠ : ١٤٨ ، ٣٤٤ ، ١٢ : ١٦٢ ،
١٩ : ٣٧٠ ؛
رُقَيْع الوَارِبِى ٣ : ٢٥١ ،
رُكَاض بن أَبَّاقِ الدُّبَيْرِى ٢ : ٢١٧ ، ٧ : ٣٧٨ ، ٩ : ١١٦ ، ١٧١ ، ١٠ :
٢٩٨ ، ١٥ : ٣٩٦ ، ١٧ : ٢٩٣ ، ١٩ : ٤ ؛

الرَّمَّاح - ملاحظہ ہو ابن مَيَّادَة
ابن رُمَيْضٍ (وقيل رُمَيْص) العَنْبَرِي ۴: ۲۱۹، ۵: ۱۱۹، ۷: ۳۸۹،
ابو الرهيم العنبري ۲: ۳۱۵؛
ابن رواحة الانصاري - ملاحظہ ہو عبد الله بن رواحة
رؤبة (بن العجاج) ۱: ۱۲، ۴۸، ۵۸، ۶۸، ۱۸۲، ۲۱۰، ۲۱۸، ۲۳۵،
۲۴۱، ۲۴۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۹۹، ۳۱۱، ۳۱۵، ۳۲۴، ۳۲۹، ۳۴۱، ۳۵۲،
۳۵۴، ۳۵۸، ۳۷۴، ۴۰۱، ۴۰۳، ۴۰۵، ۴۲۰، ۴۳۱، ۴۳۴، ۴۴۲،
۴۵۱، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۶۸، ۴۷۶، ۲: ۵، ۱۵، ۵۷، ۵۸، ۸۰، ۹۹،
۱۳۸، ۱۴۵، ۱۶۵، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۲۳۰، ۲۸۱، ۲۸۲،
۲۸۶، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۰۰، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۱۴، ۳۳۰، ۳۳۴، ۳۴۳، ۳۴۳،
۳۴۷، ۳۵۳، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۶۶، ۳۶۸، ۳۷۵، ۳۸۱، ۳۸۳،
۳۹۴، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۱۲، ۴۱۵، ۴۲۰، ۴۴۰، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۷،
۴۶۸، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۵، ۴۷۹، ۴۸۱، ۴۸۳، ۴۸۵، ۳: ۳، ۴، ۹،
۱۳، ۱۴، ۲۰، ۲۱، ۲۴، ۲۶، ۲۸، ۳۱، ۳۲، ۵۲، ۵۸، ۶۱، ۶۲، ۶۵،
۹۸، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۷، ۱۴۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۸۰، ۱۸۱، ۲۱۳،
۲۱۶، ۲۱۹، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۴۴، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۷۰، ۲۸۷، ۳۰۰،
۳۰۹، ۳۲۱، ۳۳۳، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۶۰، ۳۸۸، ۴۲۱، ۴۴۷، ۴۵۳،
۴۷۸، ۴۸۶، ۵۰۴، ۴: ۱۵، ۲۵، ۳۷، ۳۸، ۵۹، ۱۰۰، ۱۴۱، ۱۷۸،
۱۸۴، ۲۰۴، ۲۳۵، ۲۴۴، ۲۴۷، ۲۶۱، ۲۹۳، ۲۹۴، ۳۷۰، ۳۷۳،
۳۷۷، ۳۸۷، ۳۹۵، ۴۰۰، ۴۱۱، ۴۲۰، ۴۳۳، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۷۱،
۴۷۳، ۴۸۳، ۵: ۴۳، ۱۲۰، ۱۹۰، ۲۱۲، ۲۳۵، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۵۸،

۳۹۶، ۳۷۴، ۳۶۲، ۳۲۷، ۳۲۵، ۳۰۴، ۲۶۹، ۲۶۵، ۲۴۲،
۲۱۴، ۱۶۵، ۵۴|۱۷۰، ۶۹، ۴۷، ۲۴، ۲۲: ۴ (ظ)،
۷۴۷، ۱۱۴، ۳۹۷، ۳۸۲، ۳۵۷، ۷۶ (ظ)، ۱۷۰، ۷۶، ۳۰، ۳۴، ۷۶، ۲۸: ۷ (ظ)، ۱۶۸،
۲۲۷، ۲۲۴، ۲۰۲، ۲۱۲، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۲۴، ۲۲۲، ۲۲۴،
۱۷۱، ۴۷۱، ۷۷۱، ۰۷۱، ۲۸۱، ۲۰۲، ۲۱۲، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۲۴، ۲۲۲، ۲۲۴،
۱۲۴، ۲۶۷، ۲۶۵، ۲۵۷، ۲۵۵، ۲۴۹، ۲۴۷، ۲۳۴، ۲۳۱،
۳۴۸، ۳۱۴، ۲۹۴، ۴۲۹، ۲۹۳، ۲۸۲، ۲۷۴، ۲۷۲،
۴۰۳، ۵|۴۰، ۳۰۰، ۳۹۹، ۳۸۷، ۳۵۸، ۱۶۴، ۷۴۳، ۳۵۶،
۲۲۰، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۵|۴۹، ۱۹۰، ۱۸۷، ۱۷۱، ۱۶۴، ۱۶۱، ۱۵۴، ۱۵۱، ۱۵۰،
۲۸۲، ۲۷۱، ۲۷۷، ۲۷۱، ۲۷۰، ۱۶۶، ۱۶۳، ۱۶۱، ۱۵۴، ۱۵۱، ۱۵۰،
۲۴۲، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸: ۲۲۵، ۲۲۴، ۲۲۳، ۲۱۴، ۲۱۱، ۲۰۷،
۲۴۳، ۲۴۰، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۱، ۲۰۰، ۱۹۵|۴۹، ۱۹۰، ۱۸۷، ۲۸۱،
۳۵۴، ۳۵۷، ۳۵۶، ۱۷۴، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۱۸|۱۰۴، ۱۷، ۱۱، ۶، ۵|۴۰، ۳۰۳،
۲۴۲، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۸: ۴، ۵، ۶، ۱۱، ۱۷، ۱۹|۲۰، ۲۲،
۳۴۴، ۳۴۸، ۳۱۴، ۲۹۴، ۴۲۹، ۲۹۳، ۲۸۲، ۲۷۴، ۲۷۲،
۲۳۱، ۲۳۴، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۵، ۲۵۷، ۱۶۴، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۷۴،
۱۷۱، ۴۷۱، ۷۷۱، ۰۷۱، ۲۸۱، ۲۰۲، ۲۱۲، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۲۴، ۲۲۲، ۲۲۴،
۴۴۵، ۴۴۹، ۴۵۴، ۶: ۲۸، ۳۰، ۳۴، ۴۶، ۱۷، ۷۷ (ظ)، ۱۶۸،
۸۱۲، ۲۲۴، ۳۳۳ (ظ)، ۲۷۴، ۲۵۷، ۳۸۲، ۴۶۷، ۱۱۴، ۴۳۷،
۴۰۲، ۴۲۵، ۴: ۲۲، ۴۷، ۴۸، ۱۷، ۶۹، ۱۶۵|۱۶۵، ۲۱۴ (ظ)،
۲۴۲، ۲۶۵، ۲۶۹، ۳۰۴، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۶۲، ۳۷۴، ۳۹۶،

٣٥٤، ٣٥٦، ٣٥٧، ٣٦٠، ٣٦٢، ٣٦٣، ٣٦٨، ٣٧٢، ٣٧٤، ٣٧٦، ٣٧٩، ٣٨٠ (؟)، ٣٨٤، ٣٨٥، ٣٨٩، ٣٩٠، ٣٩٢، ٣٩٣، ٣٩٤، ٣٩٨، ٤٠٠، ٤٠١، ٤٠٣، ٤٠٤، ٤٠٥، ٤٠٦، ٤٠٧، ٤٠٨، ٤١٠، ٤١١، ٤١٢، ٤١٣، ٤١٤، ٤١٥، ٤١٦، ٤١٧، ٤١٨، ٤١٩، ٤٢٠، ٤٢١، ٤٢٢، ٤٢٣، ٤٢٤، ٤٢٥، ٤٢٦، ٤٢٧، ٤٢٨، ٤٢٩، ٤٣٠، ٤٣١، ٤٣٢، ٤٣٣، ٤٣٤، ٤٣٥، ٤٣٦، ٤٣٧، ٤٣٨، ٤٣٩، ٤٤٠، ٤٤١، ٤٤٢، ٤٤٣، ٤٤٤، ٤٤٥، ٤٤٦، ٤٤٧، ٤٤٨، ٤٤٩،

٢٤٢، ١٣٦، ١٣٢، ١٤٣، ٢٧، ٢٩، ٣٠٠، ٢٢، ٨ـ: ١، ٣، ٤٠٧، ٣٩٦، ٣٨٨،
٢٦١، ٢٢٢، ٢١٨، ١٩٨، ١٩٥، ١٨٣، ٢١٧، ٢٠٦ (؟)، ١٥٧،
٢٧٤، ٢٤٩، ٢٤٤، ٢٣٧، ٢٥١، ٢٣٧، ٢٠٨، ١٨٨، ١٧٨، ٣٨ـ، ١٣٦، ١٢٣،
١١١، ٩١، ٨٩، ٢٦، ٤٣، ٢٤ـ: ١، ٤٩٢، ٤٨٢، ٤٧٥، ٤٤٦، ٤٢٥،
٢٧٤، ٢١٠، ٤٠٩، ٣٦٨، ٣٤٣، ٣٥٠، ٣٢٣ـ (؟)، ٣١١، ٣٠٤،
١٥٧ (؟)، ٢٠٦ـ (؟)، ٢١٧، ١٨٣، ١٩٥، ١٩٨، ٢١٨، ٢٢٢، ٢٦١،
٢٩٥، ٢٩٤، ٢٩٣، ٢٩٠، ٢٨٣، ٢٦٧، ٢٦١، ٢٤١، ٢٢٢،
٣٥٨، ٣٤٣، ٣٣٤، ٣٣٣، ٣٢٤، ٣٢٥، ٣٢٠،
٣٨٣، ٣٧٨، ٣٧٣ـ، ٣٧٣، ٣٧٥، ٣٧٨، ٣٠٨، ٣٦٨، ٣٦٧،
٤٢٧، ٤١٥، ٤٠٩، ٤٠٨، ٣٩٤، ٣٨٨، ٣٨٥،
١٠٧، ١٠٥، ٩٥، ٩٤ـ، ٩٠، ٨٩، ٨٥، ٥٢ـ، ٤٩ـ: ١، ٥،
١٨٩، ١٨٠، ١٧٨، ١٤٦، ١٣٥، ١٢٣، ١١٥، ١١٠،
٢٨١، ٢٥٤ (؟)، ٢٤٧، ٢٤٣، ٢٥٣، ٢٤٣ـ، ٢٣٤، ١٩٥،
٣٣٣، ٣٣١، ٣٤٣ـ، ٣٢١، ٣٠٨، ٢٩٤ـ، ٢٩١، ٢٨٥، ٢٨٤،
٣٦٤، ٣٦١، ٣٥٠، ٣٥٥، ٣٤٤، ٣٤٤، ٣٣٦، ٣٣٥، ٣٣٤ـ،
٤٢٨، ٤١٣، ٤٠١، ٣٩٤، ٣٩٣، ٣٨٤، ٣٧٤، ٣٦٨،
١٠٨، ١٠٦، ١٠٠ـ، ٨٧، ٨٤، ٨٢، ٦٧، ٥٧، ٤٣، ٢٧، ٤٩، ٢١، ١٩،
٢٢٩، ٢٠٣، ١٨٢، ١٦٩، ١٥٦، ١٤٠، ١٣٤، ١٢٨، ١٢٧، ١١٦، ١١٥،
٩٠٨، ٧ـ: ٦، ٢٩٩، ٢٩٤، ٢٨٥، ٢٥٨، ٢٥٤، ٢٣٩، ٢٣٢،
١٠٨، ١٠٦، ١٠١، ٩٠٤، ٩٠٦، ٧٠٠، ٤٥، ٣٤، ٢٦، ١٩، ١٧، ١٣،
٢١٦، ٢٠١، ١٩٤ـ، ١٩٢، ١٨٧ـ، ١٨٣، ١٦٥، ١٦٢ـ، ١٥٧، ١٥٦، ١٥٣،
٢٩٥، ٢٩٤، ٢٩٣، ٢٩٠، ٢٨٣، ٢٦٧، ٢٦١، ٢٤١، ٢٢٢،
٣٥٨، ٣٥٤، ٣٤٢، ٣٣٤، ٣٣٣، ٣٢٤، ٣٢٥، ٣٢٠،
٣٨٢، ٣٧٨، ٣٧٣ـ، ٣٧٣، ٣٧٥، ٣٧٨، ٣٠٨، ٣٦٨، ٣٦٧،
٤٢٧، ٤١٥، ٤٠٩، ٤٠٨، ٣٩٤، ٣٨٨، ٣٨٥،

٤٣٠، ٤٣٣، ٤٣٥، ٤٣٦، ٤٣٧، ٤٤٢، ٤٤٥، ٤٤٧، ٤٤٨،
٤٥٩، ٤٦٠، ٤٦١، ١٨: ٢٦، ٣٣، ٤٦، ٤٨، ٩٧، ١٥٢، ١٦٤،
١٧٦، ١٨٩، ٢٠٧، ٢٤٩، ٢٨٨، ٢٩٠، ٢٩٤، ٣٠٣، ٣٠٨، ٣١٠،
٣١١، ٣١٤، ١٩: ٢٢، ٢٧، ٣٢، ٣٥، ٣٦، ٤٠، ٤٨، ٧٣، ٨٥، ٩٠،
٩٣، ٩٧، ١٠٦، ١٠٧، ١١٨، ١٢٣، ١٢٩، ١٤٨؛ ١٥٩، ١٦٦، ١٨٠،
١٨٧، ١٩١، ٢٠٨، ٢٠٩، ٢٣٩، ٣١٢، ٣١٨، ٣٢٤، ٣٣٢، ٣٤٠، ٣٤٣،
٣٦١، ٣٦٥، ٣٧٠، ٣٧٩، ٢٠: ١٥، ١٧، ٢٨، ٧٦، ٨٧، ١٠٨، ١٠٩،
١١٧ (؟)، ١٢٤، ١٤٠، ١٤٨، ١٥٣، ١٥٧، ٢٢٥، ٢٥٩، ٢٨٠، ٣٥٥،
٣٥٩؛

مويّنة مَرْوِح بن زُنباع ٩: ٢١٤؛

مروبس ١٣: ٢١٢؛

ابن مَرْوَلِيند التَّقَفِيّ ١٦: ١٩٠؛

مُرَوْلِيند بن كُثَيِّر الطائي ٢: ٣٦١، ٩: ٣٢٥، ١٢: ٣٧٠؛

مِرْيَاح الجُدَيْبِي ٨: ٤٦؛

مِرْيَاحُ الدُّبَيْرِيّ ٩: ٢١٩، ١٥، ٨؛

مَرْيَان بن حُوَيْصٍ ١٠: ٢٥٠؛

مز

المزاري (كذا) ١٧: ٢٩٢؛

مَزَامِل بن مُصَادٍ العَيْنِيّ ١٧: ٧٧؛

المَزَبَّاء (الملكة) ٤: ٤٥٦، ١١: ٩٥، ١٢: ١٣؛

مَزْيَان بن سَيَّارٍ الفزاري ٥: ٣٦٦، ١٩: ٢٣٩؛

المِزْبِرقان بن بدر البَهْدَلِيّ التميمي ٢: ٢٣٩، ٨: ١٥، ١٠: ١٢٩، ٢١٤،

١٢ : ٢٥٨، ١٣ : ٢٨٤، ٣٧٤، ١٦ : ١٣١، ٢٠ : ٥٢؛
ابن الزِّبَعْرَى (هو عبد الله) السهمى ٢ : ٣٥١، ٣ : ٤٢٥، ٥ : ١٥٣،
٣٨٥ (؟)، ٧ : ٢٣٠، ١٠ : ٤٠٥، ١٢ : ٢٧٨، ١٦ : ٩٤؛
ابو زُبَيْد الطائى (اسمه حَرْملة بن المنذر) ١ : ٦٤، ٩٠، ١١٣، ١٤٨،
٢٠٥، ٢٥٨، ٤٦١، ٤٧٧، ٤٩٢، ٢ : ٥٩، ٧٢، ٨٨، ١٢٥، ١٩١، ٢٧٧،
٢٨٦، ٣ : ١٠٥، ٣٣٦، ٣٣٧، ٣٤٩، ٤ : ٥٢، ٦٤، ١١٤، ٣٠٩،
٣٥٦، ٤٠٧، ٤١٨، ٤٢٨، ٤٣٧، ٥ : ٣٠، ٩٢، ١٧٢، ٢٨٩، ٣٢٠،
٣٤٩، ٦ : ١٠، ٤٦، ٧٠، ٢١٧، ٢٥٤، ٢٨٥، ٤٠٥، ٤٢٧، ٧ : ٣٦،
٣٤٩، ٣٦٣، ٤٠٧، ٤١٠، ٨ : ٣٦، ٥٣، ١٠٦، ١١٦، ١٣٨، ٢٢٥،
٢٩٠، ٣٨٦، ٩ : ٥٩، ٢٤٣، ٣٥٧، ٤٢٤، ١٠ : ٤٤، ٩١، ٩٧، ١١٧،
١٨٢، ٢٣٣، ٢٦٩، ٢٨٣، ٣٤٠، ٣٤٤ (؟)، ٤٢٥، ٤٣٥، ٤٤٦،
١١ : ٥، ٣٨، ١٠٥، ١٦٧، ٢١٤، ٢٣٦، ٤٠٧، ١٢ : ٣٠، ٤٩، ١١٨،
١٣٣، ٢٣٠، ١٣ : ١١٦، ٢١١، ٥١١، ١٤ : ١٨٨، ٢١٣، ١٥ : ١١٣،
١٥٧، ٢٦٧، ١٦ : ١٨٣، ٢٨٧، ١٧ : ١٣٦، ٢٤٨، ٢٥٢، ٢٧١، ٣٤٦،
٤٢٦، ١٨ : ٩٢، ١٩٣، ٢٠٠، ١٩ : ٩٤، ٢٠١، ٢٠ : ٤٢، ١٠٣،
١١٩، ١٧٥، ٢٥٩، ٢٧٦، ٣٥٥، ٣٦٠،
ابن الزبير، ملاحظة هو عبد الله بن الزبير
ابو الزبير الثَّعْلَبِيّ ١١ : ٣٥٣؛
الزبير بن عبد المطلب (عم رسول الله ص) ٢ : ٣٦٠، ٣٨٠ (؟)، ٣٨٩؛
ابو الزَّحْف (؟) ١٥ : ٩٤؛
ابو زَحْفٍ الكَلْبِى ١٣ : ٣٨٣؛

ابو الزَّحف الكِلبي ٦ : ٤٧، ٢٥١؛
زِرّ بن اَوْفى الفُقَيمي ٩ : ١٣٢؛
ابن اخي زِرّ بن حُبَيْش الفقيه القارئ ١٥ : ١٧ (؟)؛
زُرارة ٤ : ١٤٦ (يہی شعر زرارة بن صَعْب کی جانب منسوب ہے)
زُرارة بن سُبَيْع الاَسَدي ١٩ : ٢٦١ (؟)؛
زُرارة بن صَعْب ٢٠ : ١٢؛
ابو زرارة النصري ٢ : ٤١٥؛
زرافة الباهِلي ٧ : ٣٦١ (؟)؛
ابو زُرعة التيمي او التميمي ٧ : ٣٤٥، ٨ : ٢٠١؛
ابو زُهَيب العَبْشَمي - ملاحظہ ہو دلہم
زُهْبة (ابو شقيق) الباهلي ٦ : ٤٠٦ (؟)، ١١ : ٣١٢ (؟)، ٣٢٣؛
ابو زُهْبة الحَزْرَجي ١١ : ٣٧٠، ١٢ : ٣٢ (؟) (الحزرجي کی بجائے الخارجي لکھا ہے)
١٥ : ٢٩ (؟)، ١٦ : ١٢٦ (؟)؛
زُفَر بن الحرث الكلابي ٥ : ١١٥، ٣٣١، ٧ : ٢٠٠، ١١ : ٣٠٤ (؟)، ١٢ : ٢١٤،
١٣ : ٥١٩، ١٧ : ١٥، ١٨ : ١٢؛
زفر بن الجِيار المحاربي ١٤ : ١٦٧؛
الزَّفَيان السَّعْدي ١ : ٣٥٠، ٣٩٤، ٤ : ٢١، ٣٣، ١٨٧، ٢٤٧، ٤١٣،
٦ : ٤٥، ٤٧، ٧ : ١٠٥، ٢٢٦، ٩ : ٢٢٣، ٢٢٧، ٢٥١ (؟)، ١١ : ٢٣٤، ٢٦٠، ٣٥٩،
٣٧١، ٣٩٣، ٣٩٩، ١٢ : ١٢٨، ١٦٨، ٢٢٦، ١٣ : ٢٧٥، ٣١٨، ٣٨٨، ١٥ : ٢١٣،
٢٤٧، ١٦ : ٢٠٨، ١٧ : ٦٩، ٤٢٩، ١٩ : ٤٦، ٢٠١ (؟)؛
زُمَيل بن اُبَيْر (او اُبَين) الفزاري (وقيل له ابن ام دينار) ٥ : ٣٨٦،

۳۸۷، ۱۲: ۲۱۰ (؟)، ۲۹۱ (؟)؛ (معجم الشعراء میں ابن وبیر لکھا ہے)
ابو زنباع الجذامی ۶: ۷۵؛
زنباع بن روح ۱۱: ۲۴۶ (؟)؛
زُنیر ۱۳: ۲۲۰؛
ابن زُنیم ۸: ۳۴۶؛ (نیز ملاحظہ ہو انس بن زنیم اللیثی)
زُنیم بن حرجۃ ۱۳: ۷؛
زہرۃ بن سرحان ۔ ملاحظہ ہو الراہب
زہیر = زہیر بن ابی سُلمی
زہیر بن جناب الکلبی ۵: ۹۷، ۱۳: ۷۴، ۱۴: ۲۳۱، ۱۵: ۳۱۶، ۱۸: ۲۳۶؛
زہیر بن حرام الہُذلی ۳: ۱۹۱؛
زہیر بن خبّاب ۱۷: ۲۳؛
زہیر بن ذؤیب العدوی ۱: ۱۰۱؛
زُہیر بن ابی سُلمیٰ ۱: ۱۶، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۳۰، ۴۵، ۶۲، ۹۳، ۱۱۲، ۲۳۷، ۴۴۱، ۴۷۲، ۴۷۵، ۴۹۰، ۲: ۷، ۸۰، ۲۰۳، ۲۳۱، ۳۶۹، ۳۸۴، ۳۸۵، ۴۰۱، ۴۰۳، ۴۸۰، ۳: ۱۵، ۷۵، ۹۵، ۱۱۰، ۱۲۸، ۱۸۰، ۱۹۹، ۲۱۷، ۳۲۱، ۴۰۷، ۴: ۳، ۱۳۲، ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۵۴، ۲۸۴، ۳۱۷، ۳۲۱، ۳۳۰، ۳۳۹، ۴۰۰، ۴۵۱، ۴۷۱، ۵: ۶۰، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۲، ۲۴۲، ۲۷۱، ۳۳۸، ۶: ۱۴، ۳۶، ۸۰، ۱۰۴، ۱۴۲، ۱۴۸، ۱۶۸، ۲۰۹، ۲۱۱، ۲۱۶، ۲۲۳، ۲۴۲، ۳۳۵، ۷: ۶۴، ۸۴، ۱۳۸، ۱۶۹، ۱۹۴، ۲۰۱، ۲۵۸، ۴۰۲، ۸: ۶، ۱۱، ۹۰، ۱۷۲، ۱۸۳، ۲۰۴، ۲۵۳، ۳۸۴، ۳۹۳،

و: ۲۰، ۸۰، ۱۰۸، ۱۵۰، ۱۵۳، ۲۴۸، ۳۲۱، ۳۲۵، ۳۵۹، ۳۸۶، ۴۰۵،
۴۳۴، ۴۰۰، ۲۴۶، ۱۶۲، ۱۵۵، ۱۳۳، ۱۲۳، ۲۰۰، ۴: ۱۰، ۴۷۳،
۴۴۵، ۳۷۵، ۳۶۰، ۳۱۶، ۲۸۳، ۲۱۱، ۱۹۳، ۱۸۴، ۵۸: ۱۱،
۱۶۶، ۱۵۰، ۷۷، ۱۷، ۳۶، ۱۹، ۴: ۱۲، ۴۲۲، ۴۱۸، ۴۰۳، ۳۹۱،
۳۵۲، ۳۲۷، ۳۲۴، ۲۹۳، ۲۹۲، ۲۸۹، ۲۸۰، ۲۷۹، ۲۷۵، ۲۳۴،
۵۵، ۱۸، ۱۲: ۳، ۴۰۳، ۳۷۹، ۳۷۷، ۳۷۱، ۳۷۰، ۳۶۱، ۳۵۴،
۲۲۸، ۲۸۱، ۲۰۴، ۱۸۷، ۱۷۶، ۱۷۴، ۱۴۱، ۹۸، ۹۵، ۸۹، ۷۹،
۴۹، ۵۹، ۲۲، ۱۷، ۹: ۴، ۴۹۹، ۴۹۳، ۴۶۱، ۴۲۸، ۴۲۴، ۴۱۲،
۴۰۷، ۳۸۷، ۳۶۲، ۳۴۸، ۳۳۵، ۲۹۵، ۲۹۷، ۲۳۷، ۲۳۵،
۳۴۶، ۳۳۸، ۲۹۴، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۱، ۲۵۳، ۱۸۱، ۱۳۶، ۱۷۱،
۱۱۹، ۸۳، ۴۸۳، (؟)۴۸۳، ۸۳، ۴۱، ۳۴، ۱۸، ۱۲، ۶، ۱۵: ۳۷۴، ۳۷۶،
۲۲۵، ۲۰۷، ۱۹۸، ۱۷۴، ۱۷۱، ۱۷۰، ۱۶۸، ۱۵۱، ۱۴۲، ۲۳۰،
۳۸۴، ۳۸۳، ۳۴۴، ۳۱۵، ۲۷۰، ۲۵۸، ۲۴۷، ۲۳۲، ۲۲۹،
۱۳۰، ۱۱۷، ۹۰، ۸۹، ۵۵، ۴۷، ۴۶: ۱۴، ۴۰۹، ۴۰۷، ۳۸۶،
۹۱، ۱۹: ۷، ۲۸۴، ۲۷۷، ۲۵۳، ۲۳۳، ۱۹۱، ۱۷۷، ۱۵۵،
۲۴۲، ۲۳۱، ۲۲۹، ۲۲۲، ۲۱۱، ۱۷۴، ۱۷۳، ۱۴۵، ۱۰۸،
۳۰، ۱۸: ۴۴۳، ۴۰۲، ۳۶۴، ۳۵۵، ۳۰۲، ۳۰۰، ۲۷۵(؟)،
۱۶۱، ۱۷۲، ۲۶۸، ۱۶۳، ۱۳۲، ۱۱۶، ۲۱۳، ۹۰، ۵۵، ۳۴، ۳۲(؟)،
۲۱۸، ۱۴۴، ۱۴۷، ۱۳۸، ۱۳۲، ۱۰۸، ۱۰۲، ۳۹: ۹، ۱۹۳، ۳۱۵، ۲۷)،
۱۴، ۱۶، ۱۲: ۱۱، ۳۱۰، ۳۰۸، ۲۹۵، ۲۸۶، ۲۶۰، ۲۴۴،
۲۷۳، ۲۴۰، ۲۴۷، ۲۳۵، ۱۹۸، ۱۷۶، ۱۰۲، ۴۹، ۲۵،

زہیر بن مسعود الضبّی ۱: ۱۸۷، ۵: ۱۶۲، ۸: ۳۳، ۱۱: ۳۱۴، ۱۲: ۱۰۶؛
زہیر بن الحرث الضبی ۱۳: ۱۲۴؛
زیاد الاعجم ۱: ۳۶۹، ۷: ۲۵۶، ۳۰۶، ۸: ۳۵۹، ۱۰: ۱۵۶ (؟)، ۲۰۴،
۱۲: ۳۶، ۱۳: ۶۷، ۱۶: ۲۸، ۱۷: ۲۵۰، ۱۹: ۱۷۴، ۳۵۹ (؟)،
۲۰: ۲۷۱؛
زیاد بن جبیل ۶: ۹۱؛
زیاد بن حَمَدَ ۱۸: ۳۹ (؟)؛
زیاد بن سَیّار الفزاری ۱۰: ۳۷۸، ۱۲: ۲۹۹،
زیاد الطَّمّاحی ۱: ۳۲۶، ۵: ۲۵، ۹: ۱۴۳، ۱۹: ۱۰۶؛
زیاد بن عُلبَۃَ الہذلی ۱۵: ۴۲۵؛
زیاد العنبری ۸: ۲۹۹؛
ابو زیاد الکلابی ۳: ۴۳۸؛
زیاد المِلقَطی ۲: ۲۶، ۳: ۲۷۴، ۱۰: ۴۱۳، ۱۱: ۲۵۷، ۱۲: ۳۴۴،
۱۳: ۴۱۳، ۱۶: ۴۷، ۱۰۰؛
زیاد بن مُنقِذ ۴: ۴۲۲، ۱۲: ۳۹۴، ۱۵: ۳۷۷، ۱۶: ۹۶، ۹۷،
۱۸: ۳۹ (؟)؛
زیادۃ بن زید العُذری (ہو ابن اخت حُذیفۃ) ۱: ۳۹۵،
۲۰: ۲۱۸؛
زیادۃ بن زید العدوی ۲۰: ۲۳۱ (ممکن ہے کہ العُذری کی بجائے العدوی لکھا گیا ہو)
ابو زبید ۱: ۴۸۶، ۴: ۲۰۵، ۶: ۲۱۶، ۷: ۴۷، ۸: ۳۵، ۹: ۸۹،

١٣: ١٨، ١٩: ١٨٢؛
زيد بن تُرْكِيّ الدُّبَيْرِي ١٩: ٨٦؛
زيد الخَيْل الطائي ٢: ٣٩٣، ٣: ٢٢١، ٤: ٤٠٦ (؟)، ٥: ٣٥٩، ٦: ٤٧١، ٨: ٣٤٧، ٩: ٢٥٢، ١٢: ٢٥٢، ١٤: ٦٦، ١١٩، ١٨٠، ٢٢٣، ٢٦٩، ١٩: ٢١٥، ٢٠: ٢٧؛
زيد بن ضبة ١٩: ١٨٢؛
زيد بن عَتاهِيَة التميمي ٥: ٢٥٢؛
زيد بن عدي ٧: ٥٨؛
زيد بن عمرو بن قيس بن عُتّاب بن هرمي بن رياح. ملاحظة: والاخوص بن عبد الله الرياحي
زيد بن عمرو بن نُفَيْل ٤: ١١٨، ١٤: ٣٦٧، ١٨: ٢٧٥، ٢٠: ٣٠٠ (؟)، ٣٨١ (؟)؛
زيد الفوارس الضَّبّي ٥: ١٥٨؛
زيد بن كُثْوة العَنْبَرِي ٩: ١٤٤؛
زينب بنت الطثرية (اخت يزيد بن الطثرية) ٦: ٢٣٠، ٢٣: ٤٣، ٣١٨ (؟)، ٤٠٩ (؟)، ٤١٢ (؟)، ٤٦٤؛

س

ساعدة - ملاحظة: وساعدة بن جُؤَيَّة الهذلي
سَاعِدَة جُؤَيَّة الهُذَلِيّ ١: ٤٤، ٧٠، ١٨٨، ٢١٠، ٢٣٦، ٢٧٣، ٢٧٤، ٢٨٣، ٣٠٣، ٣٠٨، ٣٤٩، ٤٥٩، ٤٠٤، ٤٠٧، ٤٠٨، ٤١٤، ٤٧٥، ٤٨١،

ه: ۲۶، ۱۳۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۲۱۱، ۲۱۶، ۲۷۳، ۲۹۳، ۳۲۵، ۳۶۴؛
ا: ۲۱۳، ۲۱۵، ۲۳۲، ۲۸۰، ۲۸۸، ۳۰۹، ۳۳۰، ۳۳۶، ۳۵۹، ۳۶۷،
۴۷۱، ۴۸۳، ۵۰۰، ۲۹۲، ۳۱۱، ب: ۱۱، ۹۶، ۱۴۵، ۱۹۵، ۲۰۷،
۳۸، ۹۶، ۱۱۴، ۱۷۰، ۱۸۳، ۲۳۲، ۲۶۳، ۲۸۳: ۴، ۱۸، ۱۷۳،
۴۰۳، ۴۱۶، ۴۳۲، ۴۶۴، ۴۶۵، ج: ۳-۶۳، ۸۶، ۹۲، ۱۰۵، ۱۲۳، ۱۴۶، ۱۶۱،
۲، ۴۹۵: ۴۴، ۹۶، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۸۴، ۱۹۵، ۲۳۵، ۲۴۶؛
د: ۱۲۶، ۳۲۳، ح: ۶۹، ۳۰۳، ۱۰۹، ۱۵۱، ۲۴۱، ۲۵۰، ۲۷۸،
۳۵، ۱۱۱، ۱۴۲، ۱۸۶، ۲۳۸، ۲۷۶، ۲۸۴، ۲۹۰، ۳۱۷، ۳۲۴، ۳۴۷، ۳۵۷،
۱۶۸، ۱۷۱، ۱۹۲، ۲۴۷، ۳۵۶، ۳۵۴، ۳۵۷، ۴۶۹، ۴۷۸، م: ۱۲، ۲۶،
۴۰۳، ۴۱۶، ۴۳۲، ۴۶۴، ۴۶۵، ن: ۳-۶۳، ۸۶، ۹۲، ۱۰۵، ۱۲۳، ۱۴۶، ۱۶۱،
۲، ۴۹۵: ۴۴، ۹۶، ۱۲۱، ۱۲۳، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۴۰، ۱۴۲، ۱۸۴، ۱۹۵، ۲۳۵، ۲۴۶؛
د: ۱۲۶، ۳۲۳، ح: ۶۹، ۳۰۳، ۱۰۹، ۱۵۱، ۲۴۱، ۲۵۰، ۲۷۸،
۳۵، ۱۱۱، ۱۴۲، ۱۸۶، ۲۳۸، ۲۷۶، ۲۸۴، ۲۹۰، ۳۱۷، ۳۲۴، ۳۴۷، ۳۵۷،
۱۶۸، ۱۷۱، ۱۹۲، ۲۴۷، ۳۵۶، ۳۵۴، ۳۵۷، ۴۶۹، ۴۷۸، م: ۱۲، ۲۶،
۲۰: ۲۶، ۱۳۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۲۱۱، ۲۱۶، ۲۷۳، ۲۹۳، ۳۲۵، ۳۶۴؛
۲۱۳، ۲۱۵، ۲۳۲، ۲۸۰، ۲۸۸، ۳۰۹، ۳۳۰، ۳۳۶، ۳۵۹، ۳۶۷،
۴۷۱، ۴۸۳، ۵۰۰، ۲۹۲، ۳۱۱، ب: ۱۱، ۹۶، ۱۴۵، ۱۹۵، ۲۰۷،
۴۷، ۱۸۳، ۲۰۰، ۲۹۲، ۳۱۱، ب: ۱۱، ۹۶، ۱۴۵، ۱۹۵، ۲۰۷،
۳۸، ۹۶، ۱۱۴، ۱۷۰، ۱۸۳، ۲۳۲، ۲۶۳، ۲۸۳: ۴، ۱۸، ۱۷۳،
۴۰۳، ۴۱۶، ۴۳۲، ۴۶۴، ۴۶۵، ج

ساعدة بن عَجْلَانَ الهُذَلِيّ ۱: ۲۱۲، ۷: ۱۶۶، ۹: ۲۰۲، ۱۲: ۱۰۴، ۳۲۷ (يُنظر أيضاً ابن العجلان الهذلي)
سالم بن دارة التغلبي ۱: ۲۹۳، ۳: ۲۸۷، ۵: ۳۵۴، ۳۸۶، ۶: ۲۹۰،
۴۷۰، ۷: ۸، ۳۷۶، ۱۰: ۳۸۱، ۱۵: ۵۰، ۶۷، ۱۳۹؛
سالم بن قُحْفان ۴: ۳۰۴، ۱۱: ۳۸۲، ۱۲: ۱۵۱، ۱۹۸ (؟)؛
سالم بن وابصة ۱۱: ۳۷۵، ۱۴: ۳۶۹؛
سامة بن لؤي بن غالب ۱۲: ۱۹۴؛
سَبْرَة بن عمرو الفَقْعَسِي الأَسَدِيّ ۱۲: ۲۱۵، ۱۸: ۱۹۸، ۱۹: ۵۴،
۲۰: ۱۶۶؛
سُبَيْع بن الخَطِيم ۵: ۲۹۷، ۱۶: ۳۱؛
سَجاح ۹: ۴۴۴؛
سَحْبان وائل الباهليّ ۱: ۴۴۴، ۳: ۳۶۶؛
سُحَيْم ۱۱: ۲۷۲، ۱۲: ۱۲۲، ۲۰: ۹۰؛
سُحَيْم عبد بني الحَسْحاس — لاحظ هو عبد بني الحسحاس
سُحَيْم بن وَثِيل الرياحي (او اليربوعي) ۵: ۵۰، ۳۸۳، ۷: ۱۶۲، ۳۹۶،
۸: ۱۴۷ (؟)، ۹: ۳۴۳، ۴۵۵، ۱۰: ۱۲، ۱۲۶، ۱۸: ۱۶۵، ۲۷۹،
۲۰: ۱۷۹، ۱۸۰؛
السدرة الاسدي (او الهُجَيْميّ) ۱: ۳۰۷، ۱۷: ۳۴۹؛
سَدُوس بن ضِباب ۱۳: ۱۰۲، ۱۵: ۲۳۸، (ابن كي بجائے بنت لكھا ہے)
۱۹: ۱۸۷؛
سديف (شاعر بني العباس) ۲: ۱۰۹، ۱۰: ۲۷۷؛
سراج بن قُرَّة الكلابي ۱۱: ۲۸۶؛ سُرَاقَة البارقي ۱۳: ۸۶، ۱۹: ۳؛

سُرَاقَة بن مِرْدَاس بن ابی عامر (اخو العباس بن مرداس) ۹: ۳۴۳؛
سعد بن زید مَنَاة ۳: ۲۳۷، ۶: ۱۷۱، ۱۵۶؛
سعد القَرْقَرة ۱۱: ۴۷، ۶۱؛
سعد بن مالک بن ضُبَیْعة ۳: ۲۳۱ (؟)، ۹: ۴۵۹، ۱۱: ۱۰۴ (؟)؛
ابن سعد المَعْنی ۱۱: ۲۷۵ (ابن کی بجائے ابو لکھا ہے، مگر دونوں کے تحت میں ایک ہی شعر مذکور ہے)، ۱۵: ۳۷۷؛ سعد بن المنتشر ۸: ۱۰۲؛
سَعْد بن ناشِب المازنی ۲: ۲۰۶، ۳: ۲۳۱؛
السَّعْدِیّ ۲: ۴۷۲؛
سُعْدَی الجُهَنِیَّة - ملاحظہ ہو سَلْمَی الجهنیة
ابن سَعْنَة ۵: ۴۳؛
سعید بن عبد الرحمٰن بن حسان ۸: ۳۰۵، ۹: ۲۷۹؛
سعید بن مسحوج الشیبانی ۲۰: ۸۸؛
السفاح بن بُکیر الیربوعی ۱۸: ۹۸؛ (نیز ملاحظہ ہو السفاح الیربوعی)
السَّفّاح بن خالد التَغْلِبیّ ۲: ۲۲۳، ۶: ۱۱؛
ابو السَّفّاح السَّلُوْلِیّ ۳: ۳۸۵ (؟)؛
السفاح الیربوعی ۴: ۲۹۴؛
ابو سفیان ۹: ۲۰۹؛
جدّة سفیان ۱۷: ۲۸۰؛
سُکَیْن بن نَصْرَة (او نُصْرَة) البَجَلِیّ ۵: ۱۲۹، ۲۰: ۲۳۲؛
سلام بن عوبة الضبی ۱۹: ۳۴۳ (؟)؛
سلامان الطائی ۹: ۳۸۰؛

سَلامَة بن جَنْدَل ١: ٢٦، ٢١٣، ٢٤٩، ٣٨٦، ٣٩٧، ٢: ١٩، ٥٠، ١٠٥، ١١٣، ٢٩٨، ٢٩٩، ٣: ٦٢، ٩١، ٣٤٣، ٤: ٢٧٠، ٩: ١٩، ١٥٨، ٣٥٠، ٤٣٨، ٥: ١٢٢، ١٢: ٢٣، ٣٤، ٧٦، ٣١٤، ٣٧٥، ١٣: ١٦٠، ٣٥٨، ١٤: ١٠٤، ١٥: ٢٨٨، ١٦: ١٢١، ٢٤٥، ١٧: ٧٤، ١٨: ٣٠١، ٣٠٥، ١٩: ٩٠، ١١١، ٢٦٩، ٢٠: ٥٨، ٦٦؛

سلامة بن عبادة الجَعْدي ٩: ٩٨، ١٠٤؛

ام سَلَمَة (زوج النبيّ) ٧: ١٣٩؛

سَلَمة بن الاكوع ٩: ٤٨٧، ١٠: ١٠٤، ١١: ٩٤، ١٣٧، ١٤٥ (وانظر ايضا ابن الاكوع)

سَلَمة الجُعْفي ١٧: ٢٥٠؛

سَلَمة بن الخُشْنُب الأنْبارِي (او النمري) ٢: ٣٦٣، ٣: ٤٣٤، ٤: ٣٤٩، ٥: ٨٢، ٧: ٦٠، ١١٤ (؟)، ٩: ٧، ١٤: ٣٣٦؛

سلمة بن عبد الله العَدَوِي ١٣: ٣٢٧؛

سلمة العبسي ١٢: ٢٠؛

ابو سلمة الخُزاعي ١: ١٨٧، ٣: ٦٧، ١٤: ٣٤٧؛

سلمة بن هند الخزرجي (من بني اسد) ١١: ١٤٨؛

سَلْمَى (او سُعْدَى) الجُهَنِيَّة ٥: ٢٧٥، ٩: ١٠٩، ٣٧٩، ١٠: ٢٤، ١٣: ٣٦٩؛

سلمى بنت ربيعة ١٣: ٢٢٨؛

سلمى بن ربيعة الضبي ١٤: ٣٢٣، ١٩: ٣٥٥؛

سلمى بن عونة الضبي ١٦: ١٥٢ (؟)؛

سلمى بنت مَجْدَعَة الجُهَنية (انظر سلمى الجهنية)

سلمى بن المُقْعَد الهذلي ٢: ٢٦، ٣: ١٧١، ١٤: ٢٤٢

السَّلُولی ۱۶: ۳۰۶؛
السُّلَیْک بن السُّلَکَۃ السَّعْدی ۱: ۳۱۳، ۳۹۳، ۲، ۲۶۷، ۳: ۱۹۰، ۲۸۳ (؟)، ۴: ۷۱، ۵: ۳۰۲، ۷: ۱۶۴، ۸: ۱۵۷، ۹: ۴۸، ۱۱: ۹۰، ۱۳: ۳۱۵، ۱۴: ۲۱۰، ۱۵: ۴، ۳۴۹، ۱۶: ۴۹ (؟)، ۱۸: ۴۷، ۱۹: ۱۹۲؛
سُلَیم بن ثُمامۃ الحَنَفی ۱۹: ۲۹۵ (؟)؛
سلیم بن سلام الحنفی ۶: ۱۷۴؛
ابوسلیمان الفَقْعَسی ۱: ۴۸۸؛
سلیمان بن یزید العدوی ۱۰: ۲۳؛
سُمَاعۃ بن أسول النعامی ۱۹: ۲۸۴؛
ابن سماعۃ الذهلی ۱۶: ۹۵؛
سِماک العاملی (اخو مالک بن عمرو) ۴: ۲۹۶، ۱۶: ۳۸؛
السَّمَوْأل بن عادیاء ۲: ۳۳۲، ۳۸۰، ۸: ۱۱۹، ۱۷: ۳۰ (؟)، ۱۹: ۲۰؛
سِنَان الأبانی ۱۸: ۲۷۲؛
سِنان بن عَمرو ۱۰: ۱۹۱؛
سِنان بن الفحل ۲۰: ۱۹۹؛
سِنان بن محرِش السعدی ۹: ۱۰۰؛
سَهْل بن شَیبان ۔ ملاحظہ ہو الهند الزمانی
سَهْم بن ایاس الهذلی ۱۶: ۵۲؛
سَهْم بن حَنْظلۃ الغَنَوی ۱: ۱۷۳، ۱۶: ۲۶۹، ۱۸: ۱۵۱؛
سَهْم الغنوی ۱: ۴۸۳؛ (صاحبِ معجم الشعراء کے نزدیک یہ سَهْم، سهم بن حنظلة سے مختلف ہے)

ابوسَہْم الہذلی ۴: ۸۴، ۸: ۲۰۲، ۱۱: ۱۵۶، ۱۲: ۱۵۵، ۱۵: ۲۳۱، ۲۰: ۲۵۶؛
ابوسَہْو الہذلی ۱۸: ۴۱؛
سہیل بن ابی کاہل ۹: ۱۹۰؛ ابوسواج ۴: ۲۰۵؛
ابوسواج الضبی ۱۸: ۴۷؛ (سواج کی بجائے ابوسواج پڑھنا چاہیئے)
سواد بن قارب ۸: ۳۰؛
ابن سَوادَۃ ۷: ۲۳۰؛
سوادۃ بن زید بن عدیّ ۸: ۳۶۸ (؟)؛
سَوّار بن حبان المِنقَری ۷: ۲۰۳ (؟)؛
سَوّار بن المُضَرِّب السَعدِیّ ۳: ۲۴۱، ۳۲۲، ۹: ۳۰۷، ۱۴: ۳۰۷، ۱۷: ۵۴، ۱۶۸، ۲۰: ۲۶۹؛
ابو السَوداء العِجلی ۳: ۳۳۱، ۵: ۱۹۳، ۱۳: ۴۰۹، ۲۰: ۴۳؛
سُوَر الذِئب ۱۰: ۳۸۳، ۱۳: ۴۷؛
سُوَید ۹: ۴۰۰، ۱۰: ۹۴، ۱۴: ۳۳۰، ۱۷: ۴۳۳، ۱۹: ۵۰، ۱۸۵؛
سُوَید الحارثی ۷: ۳۶۷، ۸: ۲۷؛
سُوَید بن حذاقِ العَبدِیّ ۹: ۳۱۹ (؟)؛
سوید بن الصامت الانصاری ۱: ۳۹۷، ۳: ۳۹۶، ۴: ۹۹، ۱۷: ۳۹۶، ۱۹: ۲۷۷؛
سوید بن الصَلت ۱: ۲۵۲ (؟)؛
سوید بن عامر المُصطَلقی ۲۰: ۱۶۱؛
سوید عمیر الہذلی ۱۴: ۶؛

سوید بن ابی کاهل الیشکری ۴: ۲۶۷، ۷: ۲۱۴، ۹: ۱۶۸، ۱۷۴،
۱۰: ۳۵، ۳۸، ۷۲، ۱۲۸، ۱۹۱، ۲۰۶، ۲۳۳، ۲۶۲، ۲۶۴، ۱۱: ۹۲،
۱۳: ۱۳۷؛
سوید بن کُراع العُکلی (کراع اسم امه واسم ابیه عُمَیْر) ۱: ۲۱۷،
۳: ۴۴۶، ۴: ۳۲۰، ۴۷۹، ۷: ۱۸۴، ۸: ۳۸۰ (یہی شعر سوید
بن ابی کاهل کی طرف منسوب ہے ۱۳: ۱۳۷)؛ ۱۰: ۱۹۵، ۲۶۱ (یہ شعر بھی
سوید بن ابی کاهل کی طرف منسوب ہے ۱۰: ۳۶۲)، ۱۱: ۱۲۱، ۱۲: ۱۸۶،
۱۹: ۱۸۲؛
سَبّار الاَبانی ۲: ۱۱۲، ۱۰: ۲۵، ۱۱: ۳۸۲ (یہی اشعار سنان الابانی کی
طرف منسوب ہیں ملاحظہ ہو ۱۸: ۲۷۲)؛
سَبّار بن قصیر ۱۷: ۴۶؛
سیف بن ذی یَزَن ۱۰: ۱۶۹، ۱۱: ۴۰۹، ۱۲: ۳۸۹، ۱۳: ۴۰۰، ۱۴: ۱۸،
۱۵: ۱۶۶، ۳۵۶؛

ش

شَمّاس بن نَهار۔ ملاحظہ ہو المُمَزَّق العَبْدی
شُبْرُمة الضَّبی ۱۱: ۲۹۹؛
شُبْرُمة بن الطَّفَیْل ۱۰: ۴۴۲، ۱۱: ۱۲۵، ۱۲: ۲۶۶؛
ابو شِبْل الاعرابی ۱: ۱۳۳؛
شَبِیب بن البَرْصاء ۱: ۳۷۱، ۷: ۴۰، ۱۵: ۲۸۸، ۴۳۰، ۱۶: ۱۹۳،
۱۹: ۳۶۸، ۲۰: ۱۸۰، ۳۷۳؛
شبیب بن شَیْبَة ۱۲: ۳۹۵، ۳۹۷؛

شبيب بن عمر والطائي ٤: ٢٣٤؛
شبيب بن عوانة ٧: ٢٧٣؛
شُبَيل بن عَزْرة الضَّبعي ٧: ١٢٣، ١٠: ١٩٧؛
شُتَيم بن خُوَيلد الفزاري ١٦: ٣٨؛ (نيز ملاحظه شيبم بن خويلد)
شداد العبسي (ابو عنترة) ١٨: ١٥٢؛
ابو شُراعة (من بني قيس بن ثعلبة) ٨: ٢٦٩؛
شُرَيح بن أوفى العَبسي ١٥: ٤٠؛
شريح بن بجاير بن أسعد التغلبي ٣: ٣٨٢؛
شريح بن جَوّاس الكلبي ٧: ٣٣١؛
الشريف الرضي ١٨: ٨، ٢٠: ٣٢٢؛
شريك بن حيان العَنبَري ١٣: ١٠٧، ١٨: ٨؛
شِظاظا (هو لصٌّ من بني ضبّة) ٦: ٣٩٩، ٩: ١١١؛
ابن شعوب البيني (هو ابو بكر بن الاسود) ٤: ٣٣٩؛
شَقران السلامي ١٥: ٣٣٠، ١٨: ٣١٦؛
شَقيق بن السُّلَيك ١٥: ١٧ (؟)؛
الشمّاخ (هو ابو سعيد مَعقِل بن ضرار) ١: ٣٨، ٧٤، ٧٠، ٧٧، ١٤٧، ١٦٨، ١٨٤،
٣١٢، ٣٢٢، ٣٩٦، ٤٣٩، ٣: ٤ (؟)، ١٦، ٣٤، ٦٩، ٨٣، ١٠٨، ١٣٨،
٣٤٤، ٤١٨، ٤: ٢٩، ٣٢، ٣٦، ٤٠، ٤٣، ٦٧، ٩٨، ١٠٢، ١٠٨، ١٣٠،
١٣٥، ١٤٥، ١٤٨، ١٨٠، ١٨٣، ١٨٤، ١٩١، ٢٠٣، ٢١٩، ٢٢٥، ٢٥٣،
٣١٧، ٣٣٣، ٣٨٨، ٤١٣، ٤٦٤، ٤: ٢٢، ٢٤، ٥٠، ٨١، ١٠٩، ١٨٤،
٢٣٩، ٢٥١، ٢٥٧، ٢٦٦، ٣٥٩، ٤٠٠، ٤٠١، ٤٢٤، ٤٧٦، ٥: ٥٠، ٦٢،

٧٩، ١١٠، ١٧٠، ٢٢٩، ٢٣٠، ٣٠٦، ٣٢٧، ٤: ٩، ٥٠، ٥٧، ٨٣،
٩٧، ٩٨، ١٦٥، ١٧٠، ٢٥٥، ٣٠٠، ٣٢٨، ٣٣٦، ٣٩٥، ٤١٧، ٤٢٢،
٧: ٩، ٣٤، ٤٢، ٤٧، ٩٠، ٩٦، ١١٤، ١٧٩، ١٨٢، ١٨٦، ١٨٩، ١٩٩،
٢٠٠، ٢٠٣، ٢٠٥، ٢١٩، ٢٢٨، ٢٣٢، ٢٣٤، ٢٤١، ٢٤٧، ٢٦٦، ٢٨٣،
٢٨٣، ٢٨٦، ٢٨٧، ٢٨٩، ٢٩٩، ٣١٧، ٣٤١، ٨: ٩٠، ١١٤، ٢٠٦،
٣١٨، ٣٩٦، ٣٥٠، ٣٥٨، ٣٩٦، ٩: ٣٩، ٤٦، ٧٤، ٨٢، ٨٧، ١٤٤،
١٩٩، ٣٥٣، ٣٧١، ٣٧٨، ٤٠٠، ٤٥٨، ١٠: ٦، ١٨، ١٠٤، ١٢٧، ١٠٠،
١٢٣، ١٣٢، ١٥٧، ١٧: ١٧٦، ٢١٦، ٢٢٣، ٢٤٨، ٢٨٨، ٣٤٧،
١١: ٩٦، ١٥٠، ١٥٤، ٢٥٩، ٢٧٢، ٢٧٨، ٣٦٨، ٤٠١، ١٢: ٢٨،
٣٥، ٣٦، ١٢٧٥، ١٢١، ١٢٠، ١٣٠، ١٤٣، ١٥٩، ١٨٧، ١٩٧، ٢٦٤، ٢٦٤،
٣٣٦، ٣٨٥، ١٣: ٤٣، ٢١٨، ٢٣٩، ٣٤٣، ٣٤٢، ٣٤٣، ٣٦١، ٣٧٠،
٤٠٧، ٤٣٣، ١٤٤، ٤٧٠، ٤٧١، ٤٨١، ١٤: ١٨٠، ٢٢٠، ٢٨٥،
٢٥٧، ١٥: ٥٠، ١٢٠، ١٣٩، ١٤٣، ١٦: ٢٣٦، ٢٤٧، ٢٦٥،
٢٧٠، ١٧: ١٤٣، ١٢٤، ٢٠٨، ٢٧٣، ٣٢١، ٣٢٣، ٣٥٣، ٣٧٨،
٣٩٣، ١٤١٢، ١٨: ٧٠، ١٥٤، ١٩٤، ٢١١، ٢١٤، ٢٧٤، ٢٩٠ (؟)،
٣٠٤، ٣١٣، ١٩: ٢٧، ٥٢، ٩١، ١٤٦، ٣٦٩، ٢٠: ٨٨، ١١٤،
١٥٠، ٢٠٦، ٢٣١، ٢٥١، ٣٥٤، ٣٦٧؛
شَمِر ٦: ٢٩٩، ٣٠: ٢٨؛
شَمِر بن الحارث الضَّبِّيّ ٤: ١٢٦ (؟)، ٧: ٣٠٨، ١٧: ٣٠٩،
ابو شَمِر بن حُجْر ١٥: ١٥٢ (؟)،
الشَّمَرْدَل ٢: ١٦١، ٩: ٥٤٤؛

الشمردل بن شريك اليربوعي ١٤: ٢٩٣؛
شمعلة بن الأخضر الضبي ١٢: ٥٢، ١٦: ٢٧٣، ١٧: ٢٤٩؛
الشنباء بنت زيد بن عمارة ١٨: ٦؛
الشنفرى ١: ١٦٣، ٤٤٥، ٢: ٣١٥، ٣٥٦، ٣: ١٤٤، ٥: ٢٣٥،
٦: ٤٣، ٢٨٨، ٧: ٤٠٨، ٨: ٤٠٢، ٩: ١١٩، ١٠: ٢٥ (؟)، ٣٠٨،
١١: ٤٥، ١٢٨، ١٤٦، ١٣: ٥٧، ١٦١، ٢٣٢، ١٤: ٢٩٧، ١٦: ٢٥٠،
١٧: ١٤، ١٨: ٢١٤، ٢٠: ١٠٠، ١٩٦، ٣٦٩؛
شهاب بن ابي ذؤيب الهذلي ٥: ٢٧٥ (؟)، ١٣: ١١٣ (؟)؛
ابن شهاب الهذلي ١٠: ٧٧؛ (يهي شعر ابو شهاب الهذلي كي جانب منسوب ہے،
ملاحظہ ہو: ١١٠)
ابو شهاب الهذلي ٤: ١١٠، ٥: ٢٧٥؛ (نيز ملاحظہ ہو ابو ذويب الهذلي)
شهل بن شيبان. ملاحظہ ہو الضبّ الزماني
شوّال بن نعيم ٧: ٩؛
الشُّوَيْعر. ملاحظہ ہو محمد بن حُمران بن مالك الجعفي
الشُّوَيْعر الحنفي. ملاحظہ ہو هانئ بن توبة الشيباني
ابو الشِّيْص ٩: ٨٢؛
شُيَيْم بن خُوَيْلِد ١١: ٣٦٨؛

ص

صالح بن الاحنف ١٥: ١٣٦؛
ابن الصامت الجُشَمِيّ ٢: ١٦٤؛

الصَّبَّاح بن عمرو الهَزَّانى ٥ : ٤٧ ؛
ابن الصَّبْغاء ١١ : ٢٤٧ ؛
ابو صَخار ٤ : ٢٥٢ ؛
صَخْر النَّخِيّ الهُذَلِيّ ١ : ٢٨ ، ٥٤ ، ١٦٧ ، ٢٠٠ ، ٢٦٢ ، ٢٨١ ، ٣١٨ ، ٣٤٠ ،
٣٩٨ ، ٤١١ ، ٤٢٢ ، ٤٥٤ ، ٢ : ١٦٥ ، ٢٣٦ (؟) ، ٤١٨ ، ٣ : ١٧ ، ٢٥ ،
٢٩٥ ، ٣٢٠ ، ٤٤٨ ، ٤٩٨ ، ٤ : ٥٩ ، ١١٢ ، ١٥٠ ، ١٧٤ (؟) ، ٢٧١ ،
٢٧٧ ، ٣٩٨ ، ٤٢٧ ، ٤٣٧ ، ٤٥٩ ، ٥ : ٢٥٦ ، ٣٥٥ ، ٣٨٨ ، ٤٢٣ ،
٦ : ٣٦٧ ، ٧ : ٩٥ ، ٨ : ١٦١ ، ٩ : ١٧ ، ٢٤٥ ، ٣٧٠ ، ٣٧٣ ،
٤٦٨ ، ٤٨١ ، ١٠ : ١٩ ، ٨٠ ، ٩١ ، ١٢٦ ، ١٣٧ ، ٣٧٩ ، ٣٩٢ ، ٤٤٤ ،
٤٤٨ ، ١١ : ٨٣ ، ٩١ ، ١١٥ ، ٢٠٩ ، ٢٨٢ ، ١٢ : ٢٢٥ ، ٢٤٣ ، ١٣ :
١٦٦ ، ٢٤١ ، ٣٤٣ ، ٤٢٠ ، ٤٢٦ ، ٤٧٦ ، ٥٠١ ، ١٤ : ٢٧٨ ، ٢٨٠ ،
٢٨٧ ، ٣٦٥ ، ٣٧٢ ، ١٥ : ١٠٢ ، ١٢٨ ، ١٣٢ ، ٢٠٣ ، ٤١٧ ، ١٦ : ١٤ ،
٣٠ ، ٢٢١ ، ١٩ : ٥٧ ، ٧٣ ، ٢٢٨ ، ٢٠ : ١٦١ ، ١٦٧ ؛
صَخْر بن حَبْناء ١ : ٤٧ ؛
صَخْر بن عمرو (بن) النَّهْد السُّلَمِيّ ٥ : ٣٥٥ ، ٧ : ٢٠٩ ، ١١ : ٢٠٤ ،
١٣ ، ٣٢٤ ، ٣٨٨ ، ٢٠ : ١٩١ ؛
صخر بن عمير (او عميرة) ٣ : ١١ ، ١٣ : ٧ ، ٩ ، ١٤ : ٢٩ ، ٧٨ ، ١٤٥ ،
٢٠١ ؛
ابو صَخْر الهُذَلِيّ ١ : ٢١٧ ، ٢٧٩ ، ٣٥١ ، ٣٦٣ ، ٢ : ٢٨٤ ، ٤٦١ ،
٤ : ٥٠ ، ٦٥ ، ٧٠ ، ١٣٢ ، ١٥٢ ، ١٥٥ ، ١٧٨ ، ٥ : ٢٢٤ ، ٦ : ٣٦ ،
٤٢ ، ١٠٢ ، ٧ : ١١٨ ، ٢١٩ ، ٤١٩ ، ٤٣٣ ، ٨ : ١٦٥ ، ٩ : ٧٦ ، ١٥٧ ،

۱۱: ۷، ۱۹۴، ۲: ۱۶۳، ۳: ۲۶۱، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۷۶، ۴۷۷،
۴: ۱۶، ۳۱۲، ۵: ۱۶۶، ۲۱۷، ۲۹۳، ۳۱۴، ۴۰۸، ۶: ۱۱۱،
۱۲۰، ۱۲۲، ۷: ۳، ۱۱۴، ۸: ۱۲۸، ۹: ۲۱۶، ۲۳۷، ۲۰: ۲۵۰،
۲۹۴؛

ابوصخرۃ ۲۰: ۲۴۹، (یہی شعر ابوصخیرۃ کی جانب منسوب ہے)

ابوصُخَیْرَۃ ۲۰: ۱۶۶؛

ابوصَدَقۃ الدُّبَیْری ۱: ۱۹۰؛

ابوصدقۃ العجلی ۹: ۱۸۴؛

ابوالصَّرِیح الکِنْدِیّۃ ۱: ۳۱۵؛

صریم بن معشر۔ ملاحظہ ہو اُفنُون التَغلبی

ابوصَعْتَرَۃ البولانی ۱: ۲۷۰، ۱۲: ۷۰، ۶: ۲۷۴؛

ابوصَفْوان الاسدی ۵: ۴۰۱، ۱۳: ۵۰۷؛

الصَّعْق بن حکیم بن مُعَیَّۃ الرِّیاحی ۱۲: ۱۹۸؛

صَلاءَۃ بن عمرو الاَفْوَہ ملاحظہ ہو الاَفْوَہ الاَوْدِی

ابن ابی الصلت۔ ملاحظہ ہو امیۃ بن ابی الصلت

ابوالصَّلْت الثَّقَفِیّ ۵: ۲۳۶، ۱۵: ۱۵۲، ۱۶: ۶۳، ۲۰: ۱۶۹،

الصَّلْتان العَبْدِیّ ۲: ۲۰۸؛

الصَّلِیبان العَبْدِی ۹: ۳۵۹ (؟)؛

الصَّمَّۃ بن عبدِ اللہ القُشَیْری ۱: ۴۸۵، ۲: ۴۹۴ (؟)، ۴: ۳۳۰،
۶: ۲۳۵، ۱۰: ۲۵۹؛

صِنّان بن عَبّاد الیشکری ۸: ۳۹۵ (؟)؛

ابوالصوف الطائی ۲۰: ۳۷؛

ض

ضابئ بن الحارث البُرْجُمی ۵: ۱۶، ۶: ۴۳۸، ۹: ۱۸۸، ۱۱: ۵۳، ۱۲: ۲۵۹، ۱۳: ۲۱۹، ۲۱۹، ۲۴۰، ۱۶: ۱۵۶، ۱۷: ۹۲ (؟)، ۲۱۱؛

ضَبّ ۱۳: ۲۴۸؛

ضَبّ بن نُعَرَة ۱۷: ۳۱۵؛

ابوضب الهذلی ۸: ۲۸؛

الضباب بن سَبُع بن عوف الحنظلی ۱۳: ۲۶۹؛

الضباب بن سُبَیع ۱۵: ۴۲؛

ضباب بن واقد الطُهَوِیّ ۵: ۱۳۴، ۶: ۲۶۵ (؟)؛

ضباب بن وَقدان السدوسی ۲۰: ۲۵؛

ابوضبة الهذلی ۴: ۳۸۸؛

ابن الضَّبْعاء ۱۱: ۱۹ (یہی مصرع ابن الضَبْغاء کے تحت میں مذکور ہے)

الضَبّی ۱۰: ۲۱۵، ۲۶۲؛

الضحاك العامری ۳: ۳۵۰؛

ضرار بن الخطاب الفهری ۳: ۱۴۰؛

ضرار بن عتبة العبشمی ۴: ۲۳۴؛

ضرار بن عمرو السَعْدی ۱: ۱۰۴؛

ضَمْرَة بن ضمرة بن جابر بن قطن النهشلی ۸: ۸۶، ۹: ۴۳۳،

٩: ٤٣٣، ١٠: ١٠٩، ٤٠٥، ١٣: ٥٧، ١٥: ١٦٨، ١٩: ٢٧٥، ٢٠: ٩٧، ٣٠٤،
ضَيغم الاَسَدِيّ ١٥: ١٦، ٢؛

ط

الطائی ٣: ٩٦، ٩: ٣٨، ١٢: ٢٥٧، ١٦: ٦٩؛
طالب بن ابی طالب بن عبد المطلب ١٧: ٩، ٣٦؛
ابو طالب بن عبد المطلب [عم الرسول (ص)] ١: ١٦٣، ٢٣٧،
٢: ٢٢٥، ٢٥٥، ٣: ٣٥٥، ٤٠٦، ٤: ٧١، ٦: ٣٧، ١٠٢، ٤٠٦، ٧: ٤٠٢،
٨: ٢٨٠، ٩: ٦٣، ١٢: ٢٧٦، ٤٠٠، ١٣: ١٩، ٩٩، ١٤٢، ٣١٦، ٥١٨،
٤٠ ١: ٨٨، ١٠٠، ١٨٩، ٢٦٢، ١٥: ١٢٠، ٢٩٨، ١٧: ٤٠٣، ١٨: ٨٧،
١٩: ٤٦؛
طالق بن عدی — ملاحظہ ہو طَلْق بن عدی
ابن الطَّثْرِيَّة (اسمہ یزید) ٧: ١٧٢، ١٨٤، ٨: ٢٦٥، ١٠: ٤٠١٠، ١٢:
٧٠، ٤٧، ٤٠ ١: ١٠٢، ١٤: ٢٣٠، ١٧: ٨، ٢٤٤، ١٩: ٣٢٢؛
طَرَفَة بن العَبْد ١: ٢١، ٣١، ١٦٨، ٢٠١، ٢٨٦، ٣١٣، ٣٢٤، ٣٤٧،
٣: ١٩، ٣٧، ١١٠، ١١٤، ١٢٠، ٤٠ ١٧، ١٧٥، ٤٠ ٢٨، ٢٨٩، ٣٢١،
٣٢٤، ٣٣١، ٣٤٤، ٣٥٣، ٤٠٧، ٤٠٨، ٤٠ ٤٦، ٤٣، ٤: ١٩، ٨٥،
١٤٩، ١٥٨، ١٧٦، ٢٢٠، ٣١٦، ٣٣٢، ٣٣٤، ٣٥٨، ٣٩٦،
٤٠٧، ٤٠ ٤٤، ٤٠ ٤٨، ٤٠: ٤٠ ٢، ٤٠ ٤، ٤٧، ٨٤، ٤٠ ٩، ٤٠ ١٠، ١٤٢،
١٩٥، ٢٠١، ٢١٢، ٢١٩، ٢٢٢، ٤٠ ٢٦، ٢٧٧، ٣١٦، ٣٣١، ٣٩٩،

٢٤، ٢٨، ٢٩، ٣٠، ٣٢، ٣٣، ٣٧، ٣٨، ٣٩، ٥: ٥٧، ٨٣، ١١٩،
١٥٧، ٢٥٥، ٢٥٧، ٣١٣، ٣١٤، ٣٢٧، ٣٤١، ٣٤٥، ٣٤٥،
٦: ٢٢، ٤٧، ٨٩، ٩٠، ١٤١، ١٥٨، ١٦٨، ١٩٠، ٢٢٥، ٢٤٣، ٢٥٠،
٢٥٥، ٢٦٢، ٢٨٢، ٣٠٨، ٣١٥، ٣٤٩، ٣٧٧، (؟)، ٣٧٩،
٧: ٦، ٣٤، ٨٠، ٨٧، ٨٨، ١١٩، ١٤١، ١٤٣، ١٤٤، ١٤٦،
١٨٥، ٢١٧، ٢٢٣، ٢٧٩، ٣٢٢، ٣٣٣، ٣٤٣، ٨: ١١، ١٩، ٣٠، ١٠٠، ١٨٤،
٣٩٣، ٩: ٨، ١٢٣، ١٣٩، ١٥٠، ١٩٥، ٣٠٨، ٣٧٢، ٣٨٣، ٤٠٤، ٤٥٣،
٤٨٩، ٤٩٨، ١٠: ٢٦، ٢٧٤، ٢٧٦، ٣٠٢، ٢٢٥، ٢٥٠، ٢٧٩، ٣٠٩،
٣٦١ (؟)، ٣٩٣، ٣٩٤، ٤٠٣، ٥٠٤، ١١: ٥، ٨٤، ٥٠، ٩٠، ١١٤،
١١٨، ١٨٧، ٢٢٥، ٢٧٤، ٢٥٤، ٢٧٢، ٢٩٧، ٣١٠، ٣٢٢، ٣٩١،
١٢: ٧٥، ١٠٤، ٢٧٧، ٣٣٧، ٣٥٤، ٣٨٧، ١٣: ١٧، ٢٢، ٢١،
٢٣، ١٣١، ٢٧٤، ٢٩١، ٣٠٥، ٣١٢، ٣٣١، ٣٥٢، ٣٦٤ (؟)، ٣٨٤،
٤٣٤، ١٤: ٢٩، ٥١، ١٦٩، ١٧٤، ٢٠٢، ٣١١، ١٥: ٣٢، ٤٢، ٧٤،
١٦٢، ١٧٣، ١٧٤، ٢٢٨، ٢٣٥، ٣٢٩، ٣٣٨، ٣٦٨، ٣٨٦،
٥٠٤، ١٣٤، ١٦: ٣٠، ٤٢، ٤٩، ٧٤، ٩٧، ١١٤، ١٢٠، ١٥٣، ١٧٣،
٢٣٠، ٢٣٨، ٢٨٤، ٢٩٠، ٢٩٧، ١٧: ١٤، ٥٠، ٧٣، ١٧٢، ٢١٨،
٢٤٣، ٣٤٦، ٣٠٤، ٣٢٢، ٤٤٢، ٤٤٤، ١٨: ٣٩، ٤٠، ٨٩، ٩٩، ١٣٢، ١٤٢،
١٧٣، ٢١٩، ٢٦٥، ٢٧١، ٢٧٧، ٢٩٨، ١٩: ٣١، ٣٢، ٤٢، ١١٤، ١٤٩،
٢٢٤، ٢٧٢، ٣٠٣، ٣٧٥، ٢٠: ٩٩، ١٢٥، ١٩١، ٢٣٢، ٢٧٥، ٣٢٤،

جد طرفة ١٢: ٤٣؛

الطِّبّ مَلَك — ملاحظة بوالطرماح بن الحكيم

الطبرصاح الأعجمي ١٥: ١٥٢ (؟)؛
الطبرصاح بن الجحمح ٧: ٣٣م؛
الطبرصاح بن الحكيم ١: ١٠٤، ١٥٢، ٢٠٦، ٢٥٥، ٢٤٧، ٣٤٣، ٣٤٢، ٣٤٥،
٣٨٣، ٣٣٢م، ٨٠م، ٢: ٩م، ٥٠، ١١٠، ١١٧ (؟)، ١٣٢، ١٧٢م، ٢٢،
٢٣٨، ٣٥٣، ٤٠م، ١٥م، ٨١م، ٣: ٤٠، ٨٥، ١١٦، ١٢٤م، ١٣٢م، ٢٢،
٢٢٧، ٢٤١م، ٢٤٣، ٢٥٣، ٢٧١، ٢٧٣، ٢٧٤م، ٢٧٨، ٢٨١، ٣١٤م،
٣١٥، ٣١٦، ٣٢٤م، ٣٢٧، ٣٤٢م، ٣٤٤م، ٣٤٩م، ٣٤٣، ٣٩٣، ٤٠٧م،
٤٣٥م، ٥٠٢م (؟)، ٤٤٩م، ٤٧٣م، ٤: ٤م، ٤٠، ٥٨، ٨٥، ٨٦، ٨٩، ٩٣،
١٠٣، ١٠٨، ١٤٣، ١٤٤، ١٨٥، ٢٢٤م، ٢٥٨، ٣٠٨، ٣١٧، ٣٢٨،
٣٤٠، ٣٥٢، ٣٦٤م، ٣٩٤، ٣٨٣م، ٥: ١٤م، ٥٥، ١٠٤، ١٢٨، ١٣٠،
١٥٩، ١٧٥، ١٩٠، ١٩٣م، ٢٢٣، ٢٤٠م، ٢٥٤، ٣٠٣، ٣٠٥، ٣٣٣، ٣٤٧،
٦: ٨٠، ١٠٠، ٢٣٤م، ٢٤٢، ٢٥٧، ٢٥٨، ٣٠٥، ٢٨٤م، ٢٩٤م، ٧: ٢٠،
٢١، ١٠٤، ١٤٤، ٢٠٧، ٢٥٩، ٢٦٤، ٢٩٥، ٣٠١م، ٣٨٠، ٤٠٠م، ٤٠٨م، ٤٣م،
٤١٥م، ٨: ١٣، ٢٦، ٢٨، ٥٧، ٢٩، ١٢٠، ٢٦٠، ٢٧٧، ٣٠٨، ٣١٠، ٣٢٨،
٣٥٣، ٤٠م، ٤٠٥، ٤١٠م، ٩: ٣٠، ٤٨م، ٨١، ٢٩، ٩٣، ١٠٧، ١١٤، ١١٨،
١١٩، ١٢٥م، ٢٠٤م، ٢٥٣، ٣٢٥، ٣٦٣، ١٩م، ٢٠٤م، ٤٠م، ١٠: ٢٢، ٣م،
٥٧، ٨٢، ١٢٢، ١٣٢، ٢٤٣م، ٢٥٣، ٢٥٤، ٢٥٧، ٢٧٤، ٣٠٠، ٣٢٨،
٤٠٦، ٤٠٩م، ٤٢٠م، ٤٩م، ١١: ١١٠، ١١٤، ١١٧، ١٤٠م، ١٤٧، ١٤٨، ١٧٠،
٢٧٦، ٢٩٣، ٣٢٨، ٣٤٤م، ١٢: ١٣٤، ٢٠٣، ٢٤٣، ٢٩٧، ٣٢٥،
٣٥٤، ٣٨٥، ١٣: ٧، ١٥٩، ١٨١، ٢١٩، ٢٢٠، ٢٢٥، ٢٩٢، ٣٥٣، ٣٥٧،
٣٩٠، ٣٩٢، ٤٥٥، ٤٦٩، ٤٧٥م، ١٤م: ١٩، ١٠٠، ١١١، ١٨٩، ٢٤٩م، ٢٩٣،

۳۲۲، ۳۳۳، ۳۳۵: ۱: ۲۷، ۷۲، ۷۸، ۸۳، ۹۶، ۱۱۷، ۱۳۶، ۱۴۷، ۱۸۸،
۱۸۹، ۱۹۴، ۲۱۳، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۳۱، ۲۴۷، ۳۲۸، ۳۳۲،
۳۷۵، ۳۷۶، ۴۰۴، ۴۱۰، ۴۳۱، ۴۳۴: ۱۳، ۴۶، ۷۳، ۷۵، ۸۱، ۱۰۹، ۱۵۶،
۱۵۹، ۲۱۱، ۲۴۳، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۹۹: ۷، ۷۷، ۸، ۲۹، ۴۳، ۵۲، ۹۲، ۹۹،
۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۸، ۱۵۳، ۱۶۱، ۱۶۵، ۱۷۹، ۲۰۸، ۲۳۰، ۲۳۷، ۲۴۳؟)، ۲۵۰،
۲۶۳، ۲۸۵، ۳۰۵، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۸، ۳۹۵: ۸: ۱۸، ۱۹، ۲۷، ۲۹،
۳۵، ۴۰، ۴۹، ۹۲، ۱۳۷، ۲۴۹، ۲۷۰، ۲۷۴، ۲۷۷، ۲۸۸: ۹: ۷۲،
۱۲۴، ۱۴۷، ۱۵۴، ۱۸۹، ۲۳۹، ۲۵۵، ۲۹۸، ۳۶۴: ۲۰: ۵، ۶، ۳۴،
۴۳، ۴۵، ۸۰، ۱۰۳، ۱۱۰، ۱۵۹، ۱۷۱، ۲۰۷، ۲۲۲، ۲۴۷؛

الطرماح بن حدی ۶: ۹، ۹: ۱۷۰؛

طُرَیح ۳: ۲۲۳، ۳۴۹، ۴: ۱۴۷، ۲۵۵، ۶: ۱۶۳، ۷: ۱۲۰، ۸: ۲۱۷، ۹:
۳۴۸، ۱۳: ۹، ۹۵، ۱۶: ۷۸، ۱۷: ۵۴، ۱۹: ۲۹۵، ۲۰: ۱۵۱؛

طُریف بن تمیم ۱۲: ۲۴؛

طُریف العبسی ۲۰: ۱۸۲؛

طریف بن عمرو ۱۱: ۱۴۱ (؟)؛

طریف بن مالک العنبری ۲: ۳۶، ۱۰: ۳۸، ۱۱: ۱۳۱، ۱۵: ۴۷؛

طُفَیل ـ ملاحظہ ہو طُفَیل العَنَوی

ابن طفیل ۳: ۱۷۲؛

طُفَیل السعدی ۱۷: ۳۳۵ (؟)؛

الطُّفَیل بن عمرو ۱۵: ۳۷۰؛

طُفَیل العَنَوِی ۱: ۳۰، ۲۹، ۳۲۸، ۳۸۴، ۳۸۵، ۴۷۶، ۲: ۴۰، ۱۰۶، ۱۰۹،

۱۱۰، ۱۲۰، ۱۶۲، ۱۹۵، ۲۲۲، ۲۲۷، ۲۴۷، ۳۷۹، ۳۸۶، ۳: ۶، ۴۷،
۲۷۸، ۳۱۱، ۳۴۱، ۴: ۱۸۶، ۲۳۸، ۵: ۴۲، ۱۴۳، ۲۴۲، ۳۶۲، ۶: ۸، ۱۱۶،
۱۴۸، ۲۷۵، ۲۸۷، ۳۴۱، ۸: ۳۷، ۳۰۱، ۳۵۰، ۹: ۱۶، ۲۰۹، ۲۱۳، ۲۲۵،
۲۷۸، ۴، ۳۰، ۳۱۳، ۱۰: ۱۲۸، ۲۱۲، ۲۳۶، ۳۳۰، ۳۸۰، ۱۱: ۶۰، ۶۶،
۸۷، ۱۳۶، ۱۷۷، ۲۹۵، ۴۰۲، ۱۲: ۱۱۷، ۳۳۳، ۱۳: ۲، ۹، ۷۷، ۱۱۸،
۱۱۹، ۱۸۲، ۲۳۶، ۲۷۸، ۳۶۴، ۳۹۴، ۱۴: ۳۰۸، ۳۳۷، ۱۵: ۵۱،
۵۷، ۱۰۸، ۱۹۷، ۲۴۸، ۲۶۵، ۲۹۸، ۳۲۴، ۱۷: ۷، ۷۷، ۱۰۵، ۳۸۴،
۴۱۶، ۴۵۵، ۱۸: ۱۴، ۸۳، ۱۲۰، ۲۹۵، ۱۹: ۲۹، ۳۳، ۳۴، ۵۵، ۱۲۴،
۳۲۸، ۳۷۰؛

طفیل بن یزید الحارثی ۱۲: ۲۸۶؛

طَلْق بن عَدِیّ ۲: ۴۶۵، ۳: ۵۰۹، (طلق کی بجائے طالق لکھا ہے)، ۴: ۳۲، ۵:
۱۷۱، ۸: ۲۵۸، ۱۲: ۳۳۲، ۱۷: ۲۳۹، ۲۹۱، ۱۸: ۲۰۷؛

طُلَیحة بن خُوَیلد الاسدی ۳: ۱۵۰، ۱۹۳؛

الطماحی ۹: ۳۲۳، ۲۰: ۶۴؛

ابو الطَّمَحان القَینیّ (هو حنظلة بن شرقی) ۴: ۱۰۴ (ر؟)، ۸: ۱۶۴، ۹: ۲،
۱۲: ۲۲، ۵۹، ۱۳: ۲۸، ۱۴: ۲۶۲، ۱۷: ۷۷، ۱۸: ۷۷ (ر؟)، ۱۹: ۱: ۳،
۲۰: ۶۹؛

طَهمان بن عمرو الکِلابی ۲: ۱۳۲، ۱۱: ۲۹۸، ۱۳: ۳۲۴؛

الطُّهَوِیّ ۱: ۸۹، ۱۹: ۲۰۲؛

ابو طوق الاعرابی ۴: ۸۷؛

طُوَیس (هو عبد النَّعیم) ۷: ۴۳۴؛

ابو الطیب ۱: ۱۱۲، ۲۷۴، ۴: ۲۵۵، ۶: ۱۶۱، ۱۵: ۳۹۹، ۱۶: ۲۰۸، ۱۹: ۵۸،
(نیز ملاحظہ ہو المتنبی)
ابن الطّیفان الدارمی ۱۳: ۲۶۷؛
ابن الطیفانیۃ ۱۱: ۱۷۶؛

ع

ابن عابس الجُرَمی ۶: ۲۰۵ (؟)؛
عَاتِکَۃ بنت عبد المطلب ۱۰: ۵۳؛
عادِیَۃ (اُحَیحَۃ)، ۷: ۴۰۷؛
عارق الطائی ۹: ۳۸۵، ۱۲: ۱۲۱، ۱۹: ۲۰۵؛
العَارِم ۹: ۳۶۸؛
ابن العارم الکلابی ۱۰: ۲۹۷؛
ابو عارم الکلابی ۳: ۴۱۶، ۷: ۴۰۸، ۱۰: ۳۶، ۱۲: ۲۹۰، ۱۶: ۱۳۳، ۱۹: ۲۶۰؛
ابو عازب الکلابی ۶: ۸۱ (یہی شعر ۱۰: ۲۹۷ پر ابن العارم الکلابی کی جانب منسوب ہے)۔
عاصم بن ثابت الانصاری ۳: ۳۴۴، ۴: ۳۵۹، ۱۳: ۴۲۲، ۱۴: ۱۶۵؛
عاصم بن منظور ۳: ۳۸۰؛
ابن ابی عَاصِیَۃ ۲: ۴۶۲؛
ابو العَاصِیَۃ السُّلَمی ۸: ۱۴۹؛
ابو عامر (جدّ العباس بن مِرداس) ۶: ۴۲۷، ۱۲: ۱۰۸ (؟)؛
عامر بن جریر الطائی ۷: ۳۰۹ (شاید جُوَین کی بجائے جریر لکھا گیا ہو)؛

عامر بن جُوَین الطائی ۱: ۱۳۲، ۴: ۲۰۹، ۱۲: ۲۵۲، ۱۳: ۳۵، ۶۳؛ (نیز ملاحظہ ہو عامر بن جریر اور عمرو بن جُوَین)۔

عامر بن الحارث — ملاحظہ ہو جِرَان العَوْدِ

عامر بن الحُلَیس — ملاحظہ ہو ابوکبیر الھذلی

عامر الخَصَفِی ۱۰: ۳۷۷، ۲۰: ۲۸۹؛

عامر بن شَقِیق الضَّبّی ۱۱: ۳۲۸، ۴: ۲۷۹؛

عامر بن الطُّفَیل السعدی ۱: ۵۶، ۲: ۵۸ (؟)، ۳۵۸، ۳: ۹۷، ۴: ۲۵۲، ۴۷۹، ۹: ۴۷، ۱۰: ۴۷، ۷۹، ۹۰، ۹۳، ۱۳۲، ۱۱: ۱۵۱، ۳۶، ۳۴۳، ۱۲: ۱۲، ۱۳: ۲۹۳، ۴: ۵۷، ۱۱۳، ۱۸۲، ۳۶۶، ۱۵: ۲۷۵، ۳۱۴، ۱۸: ۲۴۵، ۲۵۴؛

عامر بن العَجْلان الھذلی ۹: ۲۰؛

عامر بن عُقَیل السعدی ۱۷: ۳۲۵ (؟)، ۳۸۸؛

عامر بن فُھَیرۃ ۱۰: ۳۸۲، ۱۱: ۲۲۳؛

عامر بن قیس ۷: ۳۹۹؛

عامر بن کثیر المحاربی ۵: ۲۹، ۴۱۶؛

عامر بن کعب بن عمرو بن سعد ۱۱: ۲۸۳؛

ابو عامر الکلابی ۳: ۱۲۱، ۷: ۳۷؛

عامر بن مالک (مُلاعِب الأسِنّۃ) ۱۲: ۳، ۴: ۲۸۸؛

العامری ۲: ۴۷۹؛

العامریۃ ۴: ۱۴۶، ۷: ۲۱۴، ۵: ۴، ۱۷: ۴۱۲، ۳۸۹، ۲۰: ۲۱۱؛

عَامَان بن کعب (بن عمرو بن سعد) ۷: ۳۲۷، ۱۳: ۴۹۵، ۴: ۲۴۴،

۱۶: ۱۷، ۲۰۷،
ابن ابی عائذ — ملاحظہ ہو اُمَیَّة بن ابی عائذ الھذلی۔
عائذ بن منقذ العنبری ۱۵: ۳۶۲؛
عائشة رضی بنت ابی بکرؓ ۱۰: ۱۷۶، ۱۶: ۳۰۱؛
العائف الضَّبّی ۴: ۱۱۹؛
عَبّاد بن لَحْفَة بن مازن — ملاحظہ ہو ابو الرَّبیس۔
عبادة بن لحفة — ملاحظہ ہو ابو الرئیس المازنی۔
العَبّاس ۱: ۱۰۷، ۲: ۳۱۹، ۷: ۶۱، ۹: ۳۰۰، ۱۰: ۲۶۶، ۱۹م، ۱۱: ۲۸۵،
۱۲: ۲۳۳، ۳۷۷، ۱۹: ۳۲۳؛
ابو العباس ۱۹: ۳۳۴؛
عباس بن عامر الاصم ۵: ۹۷؛
العباس بن عبد المطلب ۲: ۱۵، ۴م: ۴۴۴، ۱۳: ۲۴۲، ۱۷: ۳۲۷؛
(نیز ملاحظہ ہو العباس)
العباس بن مِرْدَاس السُّلَمِی ۱: ۶۵، ۱۵۷، ۲۱۸، ۲۳۰ (؟)، ۲۵۵، ۲:
۲۷، ۴۲۳، ۴م: ۲۶۷، ۴۷۴ (؟)، [نیز ملاحظہ ہو ۷: ۳۲۷]، ۵:
۷۳، ۱۳۳، ۲۶۰، ۶: ۱۷۰ (؟)، ۷: ۲۰، ۲۹۹، ۳۲۷، ۴۰۰، ۸: ۱۸۳ (؟)،
۲۶۲، ۹: ۳۹۶، ۱۰: ۸۶، ۱۳: ۸۶، ۹۸، ۱۹۳، ۲۷۶، ۳۰۱، ۱۵: ۱۶۳،
۴۰۹، ۱۶: ۲۰۵، ۱۷: ۱۷۶، ۱۸: ۱۲۱، ۱۴۷؛ (نیز ملاحظہ ہو العباس)
ابو العباس التُّمَیْری ۱۹: ۶۱
عَبْد بن حَبِیب الھُذَلی ۱: ۳۲۱، ۳: ۴۹۴؛
عبد اللہ بن اوفی الخزاعی ۴م: ۳۶۱، ۱۰: ۳۱؛
عبد اللہ بن ابی اوفی ۱۰: ۴۲؛ (یہی شعر ۴م: ۳۶۱ پر عبد اللہ بن اوفی الخزاعی

کی جانب منسوب ہے)۔

عبداللہ ذوالبجادین المزنی ۳: ۹۱، ۱۵: ۲۰۳ (ذوالبجادین کی بجائے ذوالنجادین لکھا ہے)، ۱۸: ۱۳۴؛

عبداللہ بن ثعلبۃ الحنفی ۶: ۳۷۶؛

عبداللہ بن الحجاج الزبیدی التغلبی ۱: ۲۴۶، ۲: ۵۹، ۹: ۵۴، ۱۳: ۱۰۵، ۱۹: ۱۸۲ (یہی شعر عبداللہ بن الحجاج الثعلبی کی جانب منسوب ہے دیکھو ۱۳: ۱۵۱)؛

عبداللہ بن الحجاج الثعلبی (من بنی ثعلبۃ بن ذبیان) ۱۳: ۱۵۱، ۱۴: ۱۰۵؛

عبداللہ بن الدمینۃ ← ملاحظہ ہو ابن الدمینۃ

عبداللہ بن ربعی الاسدی ۱۸: ۳۳؛

عبداللہ بن ربعی الدبیری ۸: ۲۹۶؛

عبداللہ بن رواحۃ الانصاری ۱: ۲۱۵، ۹: ۵۴، ۱۱: ۲۱۶، ۱۳: ۶۰، ۳۶۶، ۱۴: ۷۴، ۹۷، ۱۵: ۱۴۱، ۱۷: ۵۷، ۱۸: ۱۹، ۱۷۱، ۱۹۳، ۲۶۶، ۱۹: ۱۴۱؛

عبداللہ بن الزبعری ← ملاحظہ ہو ابن الزبعری السہمی

عبداللہ بن الزبیر الاسدی ۱: ۲۹، ۲: ۲۷۴، ۳: ۴۴۷، ۶: ۵۲۰، ۷: ۳۴۰ (؟)، ۱۰: ۳۱۵، ۱۱: ۳۴۹، ۱۲: ۸۷، ۱۳: ۵۰۹، ۱۴: ۲۸۹، ۱۶: ۲۲۷؛

عبداللہ بن سبرۃ الجرشی (والحرشی) ۵: ۱۹۴، ۳۶۸، ۳۹۱، ۱۱: ۸۲، ۱۲: ۱۵۸؛

عبداللہ بن سلمۃ ۳: ۳۵۴؛

عبد اللہ بن سلیم (من بنی ثعلبۃ بن الدُّول) ۱۳: ۱۴۹؛
عبد اللہ بن سلیمۃ ۵: ۴۲۲؛
عبد اللہ بن سمعان التَّغْلَبِیّ ۱: ۷، ۲۵۱، ۴۹۴، ۱۵: ۲۱۹؛
عبد اللہ السہمی ۵: ۳۳؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن الزبعری السہمی)
عبد اللہ بن عبد الاعلی ۱۷: ۲۴۹؛
عبد اللہ بن عَجْلان النہدی ۱۳: ۱۰۸، ۱۴: ۲۶، ۱۹: ۱۱۷؛
عبد اللہ بن عمر ۷: ۲۰۹، ۱۵: ۱۹۱، ۱۷: ۲۲۶؛
عبد اللہ بن عَنَمَۃ الضَّبّی ۲: ۲۰۷، ۶: ۱۵۵، ۲۶۴ (عنمۃ کی بجائے عُثْمۃ لکھا ہے) ۹: ۲۹۲، ۱۲: ۴۰۶ (یہاں بھی عثمۃ مرقوم ہے)، ۱۶: ۱۵۲ (یہاں غَنَمَہ مرقوم ہے)، ۳۷۲، ۱۹: ۱۹۶؛ (نیز ملاحظہ ابن عثمۃ اور ابن غنمۃ)۔
عبد اللہ بن قیس الرُّقَیَّاتِ ــ ملاحظہ ہو ابن قیس الرقیات
عبد اللہ بن مسلم (من بنی ثعلبۃ بن الدُّول) ۷: ۴۱۱؛ (یہی اشعار عبد اللہ بن سلیم کی جانب منسوب ہیں، دیکھو ۱۳: ۱۴۹)۔
عبد اللہ بن مسلم الہذلی ۱: ۲۹۹، ۱۰: ۳۱۸؛
عبد اللہ ذو النِّجادَین ــ ملاحظہ ہو عبد اللہ ذو البجادین المزنی۔
عبد اللہ بن نُمَیْرٍ الثَّقَفِیّ ۶: ۴۶۷، ۱۰: ۹۹، ۱۶: ۶۸؛
عبد اللہ بن ہَمّام السَّلُولی ۴: ۲۳۹، ۵: ۹۱، ۶: ۲۹۱، ۱۰: ۱۱۹، ۱۵: ۳۶۴، ۱۷: ۸۴ (؟)، ۲۰: ۲۸۲؛
عبد بَنی الحَشْحَاس (ہو سحیم) ۳: ۱۵۲، ۲۰۷، ۴: ۴۷۵، ۵: ۵۴، ۸: ۳۱۸، ۹: ۴۵۲، ۱۱: ۷، ۸۴، ۲۱۷، ۱۲: ۱۲۸، ۱۷۸، ۴۷۴، ۳۷،

۱۳ : ۲۶۸ ، ۲۶۹ ، ۱۴ : ۲۱۲ ، ۱۷ : ۱۱۳ ، ۳۴۸ ، ۱۹ : ۲۰۸ (؟) ،
۳۶۵ ، ۲۰ : ۳۶۵ ، ۲۷۹ ؛
ابن عبد الجن ۱۳ : ۶ ؛ (یہی شعر تاج العروس میں عمرو بن عبد الحق کی جانب منسوب ہے)
عبد الحارث بن ضرار بن عمرو بن مالك الضبی ۱۰ : ۲۹۴ ؛
بنت عبد الحارث السیربوعی ۱۷ : ۳۶ (؟) ؛
عبد بن جبیب الهذلی ۱ : ۳۲۱ ؛
عبد الحق ۷ : ۶۰ ؛ (یہی شعر ۱۳ : ۶ ، پر ابن عبد الجن کی جانب منسوب ہے)
عبد ربه السلمی ۱۹ : ۲۹۵ (؟) ؛
عبد الرحمن بن جُمانة المحاربی جاهلی ۱۵ : ۱۶ ؛
عبد الرحمن بن حسان الانصاری ۱ : ۱۸۶ ، ۴۳۹ ، ۳ : ۲۲۱ ، ۴۸۶ ،
۵ : ۳۲۳ ، ۱۰ : ۲۹۸ (؟) ، ۱۲ : ۳۰۷ ، ۳۳۱ ، ۱۳ : ۴۹ ، ۲۰۰ ، ۱۷ :
۸۸ ، ۱۴۴ ، ۲۲۴ ، ۱۸ : ۷۸ ، ۲۰ : ۷۸ ؛
عبد الرحمن بن الحکم بن ابی العاصی ۳ : ۳۵۸ ، ۴ : ۳۵۳ (؟) ، ۱۰ :
۸۰ ، ۱۵۶ (؟) ، ۱۱ : ۳۰۴ (؟) ، ۱۳ : ۴۰۰ ؛
عبد الرحمن بن دارة ۱۳ : ۱۴ ، ۱۴ : ۶ ؛
عبد الرحمن بن عبد الله بن الجراح ۵ : ۲۲ ؛
عبد الرحمن بن عوف ۱۱ : ۱۰ (؟) ؛
عبد الشارق بن عبد العُزّی الجُهَنی ۲ : ۴۲۴ ؛
عبد القیس بن خُفاف البُرجمی ۲ : ۲۰۶ ، ۵ : ۱۲۷ (؟) ؛
عبد المسیح بن عمرو بن غُبیلة الغسانی ۳ : ۳۱۲ ، ۳۱۳ ، ۱۳ : ۴۹۸ ، ۱۶ : ۲۳۰ ؛
عبد المطلب بن هاشم ۶ : ۳۱۴ ، ۸ : ۲۰۹ ، ۱۳ : ۱۷۵ ، ۱۴ : ۱۴۱ ،

۳۱۴؛

عبد الملك ۱۰ : ۱۳۶؛

عبد مناف بن ربع الهذلي ۲ : ۳۳۶ (؟)، ۳ : ۱۸۱، ۴ : ۹۶، ۲۲۲ (ربع کی بجائے ربیع مرقوم ہے)، ۲۸۶، ۳۴۱، ۶ : ۳۴۶ (ربعی مرقوم ہے)، ۷ : ۳۵۱، ۴۱۸، ۸ : ۳۴۸، ۱۰ : ۲۵۲، ۳۱۹، ۳۵۹، ۱۲ : ۳۲۷، ۱۳ : ۱۳۲، ۴۵۶، ۵۱۶، ۱۵ : ۲۴۱، ۳۴۱، ۱۷ : ۱۰۹، ۱۸ : ۱۴۲، ۱۴۸، ۱۹ : ۳۴۶، ۲۰ : ۳۱۴؛

عبد المؤمن بن عبد القدوس۔ ملاحظہ ہو ابو الهندی

عبد النعیم ـــ ملاحظہ ہو طُوَیس

عبد هند بن التغلبی (جاهلی) ۱ : ۱۵۶؛

عبد یغوث بن وقاص الحارثی ۵ : ۵۴، ۶ : ۳۸۳، ۷ : ۷۶، ۴۲۱، ۹ : ۳۵، ۱۰ : ۲۳۰، ۱۳ : ۳۸۸، ۱۹ : ۲۶۰؛

عَبْدَة بن الطَّبِیب ۳ : ۱۱، ۶ : ۴۲۰، ۸ : ۹۵، ۲۰۵، ۲۶۸، ۱۰ : ۴۵، ۲۱۲، ۳۵۶، ۱۳ : ۱۷۹، ۳۳۱، ۴۶۸، ۱۶ : ۲۲۲، ۳۰۳، ۱۷ : ۲۵۰؛

ابن عَبْدَل ۱۷ : ۶۳؛

العبدی ۴ : ۴۱۱، ۸ : ۱۱۰ (صرف العبد مرقوم ہے)، ۱۳ : ۵۰۰، ۱۷ : ۱۶۲؛

عبید (؟) ۱ : ۲۱۳، ۲۳۲، ۳۷۲، ۴۱۱، ۲ : ۱۶۶، ۱۷۶، ۲۳۴، ۲۸۰، ۲۸۳، ۳ : ۴۵، ۱۷۱، ۳۵۱، ۳۵۴، ۳۸۱، ۳۹۶، ۶ : ۳۹۵، ۴۲۲، ۷ : ۲۸۱، ۳۷۱، ۸ : ۷۶ (؟)، ۹۸، ۹ : ۱۰۳، ۱۱ : ۲۲،

۳۵۵، ۴۱۱، ۱۲: ۱۸۲، ۱۴: ۳۰۴، ۱۵: ۱۲۳، ۱۲۶، ۲۰۱،
۳۹۱، ۱۷: ۲۹۰، ۲۹۸، ۱۹: ۸۱، ۲۰: ۱۷۸، ۲۳۲، ۲۹۴،
۳۳۲، ۳۶۶؛
ابوعبید ۱۵: ۳۸۹؛
عبید بن الابرص الاسدی ۱: ۲۱، ۱۴۲، ۳۷۹، ۴۰۶، ۴۹۴ (؟)، ۲: ۲۳۶،
۲۷۸، ۳۰۰، ۳: ۲۲۲، ۵۱۰، ۴: ۹۶، ۲۰۷، ۳۲۲، ۳۶۱، ۵:
۶۳، ۳۸۷، ۶: ۴۳، ۳۱۸، ۸: ۵۲، ۱۰۶، ۱۴۸، ۳۳۹، ۹: ۷۱،
۳۰۰، ۱۱: ۵۴ (؟)، ۱۲: ۳۲۴، ۳۶۸، ۱۳: ۲۳۳، ۱۴: ۲۴۲،
۱۶: ۲۱۴، ۲۸۹، ۱۷: ۱۴، ۹۶، ۱۸: ۲۳۹، ۱۹: ۲۳۴، ۲۴۹،
۲۰: ۲۷۶، ۳۲۲؛
عبید بن ایوب العنبری ۵: ۲۶، ۱۴: ۲۷۲، ۱۷: ۲۶۴؛
عبید بن حُصَین النُّمَیْری ـــ ملاحظہ ہو الرّاعی
عبید بن زید العَبّادی ۲: ۲۷۹؛
عبید بن القُرْط الاَسَدی ۱۵: ۴۳؛
عبید القُشَیْری ۲: ۳۰۳؛
عبید بن مأویّة الطائی ۷: ۸۹؛
عبید المُرّی ۸: ۲۹۵؛
عبید بن المُضَرّجی ـــ ملاحظہ ہو القتال الکلابی
عبید اللہ بن الحُرّ الجُعْفی ۱۲: ۳۳؛
عبید اللہ بن عبد اللہ بن عُتْبَة بن مسعود ۱: ۷۳، ۶: ۱۱۶، ۱۳: ۵۱،
۱۴: ۱۴، ۲۷۱، ۱۵: ۱۱۴، ۱۵۷؛

عبیداللہ بن عتبۃ ۱۳ : ۱۳۴ ؛
عبیدۃ بن ہلال الیشکری ۱۲ : ۳۳۱ (؟) ؛
ابن عَتّاب بن اَسید (؟) ۱۴ : ۲۶۴ ؛
عَتّاب بن وَرْقاء ۲۰ : ۲۶۳ ؛
العَتّابی (ھو کلثوم بن عمرو) ۴ : ۵۵ ، ۵ : ۶ ؛
عُتبۃ بن شماس ۱۲ : ۱۷۸ ؛
عُتبۃ بن ابی لَھَب ۵ : ۳۲۹ ؛
عُتبۃ بن الوَغل التغلبی ۴ : ۲۷۷ ، ۱۰ : ۲۹۲ (الوغل مرقوم ہے جو غلط ہے)۔
عُتَیبۃ بن مالک العُتَیلی ۱۸ : ۲۶۰ ، ۲۰ : ۱۸۴ ، ۲۲۱ ، ۲۶۹ ؛
عُتَیبۃ بن الحرث الیربوعی ۱ : ۲۱۳ ، ۱۴ : ۵ ؛
عُتَیبۃ بن مِرداس ـــــ ملاحظہ ہو ابن فَسْوَۃ
عَتِیک بن قیس ۱۳ : ۲۶۱ ؛
عثمان بن طارق ۱۲ : ۱۳ : (یہی شعر عمارۃ بن طارق کی جانب منسوب ہے۔
ملاحظہ ہو ۱۱ : ۳۳۹ ۔)
عثمان بن عفّان (رض) ۱۱ : ۶۱ ؛
عثمان بن مظعون ۱۰ : ۱۸۰ ؛
ابن عَثْمۃ ۱۴ : ۴۱ ؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن غَنْمۃ)
عِثیر بن لبید العُذری ۵ : ۳۸۰ (؟) ؛
العَجّاج ۱ : ۴۱ ، ۴۷ ، ۵۶ ، ۹۷ ، ۱۰۸ ، ۱۰۹ ، ۱۷۹ ، ۲۰۹ ، ۲۶۴ ، ۲۷۸ ،
۲۹۲ ، ۳۰۸ ، ۳۲۱ ، ۳۲۸ ، ۳۳۴ ، ۴۲۰ ، ۴۳۴ ، ۴۸۶ ، ۴۸۷ ، ۲ : ۷ ،
۱۴ ، ۲۱ ، ۶۴ ، ۱۱۶ ، ۱۲۸ ، ۱۷۷ ، ۱۸۳ ، ۱۸۶ ، ۲۲۳ ، ۲۴۴ ، ۲۶۰ ، ۲۷۲ ،

۲۷۹، ۳۰۸، ۳۱۰، ۳۱۸، ۳۶۳، ۳۷۹، ۴۰۹، ۴۱۳، ۴۱۷، ۴۵۹،
۳ : ۶، ۲۰، ۲۹، ۳۰، ۳۴، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۸، ۵۲،
۵۵، ۵۸، ۶۵، ۶۶، ۷۰، ۷۴، ۷۷، ۷۹، ۸۰، ۹۶، ۹۹، ۱۰۱،
۱۰۴، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۵، ۱۳۲، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۴۹، ۱۵۳، ۱۵۶،
۱۷۰، ۱۷۲، ۱۷۸، ۱۸۰ (؟)، ۱۸۴، ۱۸۷، ۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۳،
۲۰۷، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۷، ۲۲۰، ۲۲۷، ۲۳۷، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۸۸، ۲۹۵،
۳۰۸، ۳۵۰، ۳۵۵، ۳۵۸، ۴۴۲، ۴۵۳، ۴۸۳، ۴۸۶، ۴۹۳،
۴ : ۴، ۹، ۱۳، ۱۵، ۲۹، ۳۲، ۳۴، ۴۱، ۴۲، ۴۴،
۷۳، ۹۵، ۹۸، ۱۰۰، ۱۱۴، ۱۱۷، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۷۸،
۲۰۶، ۲۵۶، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۷۹، ۳۱۴، ۳۱۷، ۳۲۲، ۳۸۰، ۴۰۴،
۵ : ۱۴، ۱۶، ۱۸، ۵۵، ۷۰، ۷۷، ۸۳، ۸۵، ۸۹، ۹۳،
۱۴۰، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۸، ۱۸۴، ۱۸۶، ۱۹۱، ۲۰۰، ۲۲۹،
۲۵۰، ۲۶۳، ۲۹۶، ۲۹۹، ۳۰۱، ۳۰۴، ۳۰۷، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۲۶،
۳۴۸، ۳۶۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۷، ۳۸۲، ۴۲۱، ۶ : ۵، ۱۳،
۱۵، ۲۲، ۳۱، ۵۸، ۶۲، ۶۳، ۶۵، ۸۹، ۹۱، ۹۵، ۱۲۴، ۱۳۱،
۱۳۹، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۹، ۱۷۰، ۱۸۰، ۱۹۰، ۲۱۰، ۲۱۴،
۲۲۲، ۲۳۳، ۲۵۲، ۲۵۹، ۲۸۳، ۲۹۸، ۳۱۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶،
۳۷۸، ۳۹۰، ۴۰۳، ۴۱۴، ۴۲۱، ۴۲۳، ۴۳۰، ۴۴۹، ۴۵۱، ۴۵۶،
۴۵۸، ۴۶۵، ۴۶۹، ۷ : ۶، ۳۳، ۴۲، ۷۸، ۷۹، ۸۶، ۹۰،
۱۰۳، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۸، ۱۴۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۷، ۱۷۴،
۱۸۲، ۲۰۶، ۲۱۷، ۲۴۴، ۲۹۸، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۱۱، ۳۲۸، ۳۳۵،

۳۹۲ ، ۳۸۵ ، ۳۸۳ ، ۳۸۰ ، ۳۷۹ ، ۳۷۰ ، ۳۶۵ ، ۳۵۸ ، ۳۵۴ ، ۳۵۳ ، ۳۵۲ ، ۳۵۱ ، ۳۴۹ ، ۳۴۶ ، ۳۴۴ ، ۳۴۳ ، ۳۴۲ ، ۳۱۹ ، ۳۱۴ ، ۳۱۳ ، ۳۰۷ ، ۳۰۴ ، ۳۰۲ ، ۲۹۳ ، ۲۶۱ ، ۲۵۱ ، ۲۵۰ ، ۲۴۴ ، ۲۴۲ ، ۲۲۵ ، ۲۱۸ ، ۲۱۷ ، ۲۰۸ ، ۱۵۳ ، ۱۴۵ ، ۱۴۲ ، ۱۱۷ ، ۱۰۷ ، ۱۰۱ ، ۹۷ ، ۹۶ ، ۵۵ ، ۵۰ ، ۲۲ ، ۴ ، ۲ : ا ۴ ، ۵۰۱ ، ۴۴۶ ، ۴۳۵ ، ۳۴۴ (؟) ، ۳۴۳ ، ۳۸۴ ، ۳۸۰ ، ۳۹۳ ، ۴۰۲ ، ۴۰۷ ، ۴۱۴ ، ۴۱۸ ، ۴۲۳ ، ۴۳۲ ، ۴۱۹ ، ۴۱۳ ، ۴۰۷ ، ۴۰۴ ، ۴۰۲ ، ۳۹۹ ، ۳۹۲ ، ۳۸۹ ، ۳۸۷ ، ۳۸۶ ، ۳۸۵ ، ۳۸۴ ، ۳۸۳ ، ۳۸۲ ، ۳۸۱ ، ۳۷۹ ، ۳۷۸ ، ۳۷۷ ، ۳۷۶ ، ۳۷۵ ، ۳۷۴ ، ۳۷۳ ، ۳۷۲ ، ۳۷۱ ، ۳۷۰ ، ۳۶۹ ، ۳۶۸ ، ۳۶۷ ، ۳۶۶ ، ۳۶۵ ، ۳۶۴ ، ۳۶۳ ، ۳۶۲ ، ۳۶۱ ، ۳۶۰ ، ۳۵۹ ، ۳۵۸ ، ۳۵۷ ، ۳۵۶ ، ۳۵۵ ، ۳۵۴ ، ۳۵۳ ، ۳۵۲ ، ۳۵۱ ، ۳۵۰ ، ۳۴۹ ، ۳۴۸ ، ۳۴۷ ، ۳۴۶ ، ۳۴۵ ، ۳۴۴ ، ۳۴۳ ، ۳۴۲ ، ۳۴۱ ، ۳۴۰ ، ۳۳۹ ، ۳۳۸ ، ۳۳۷ ، ۳۳۶ ، ۳۳۵ ، ۳۳۴ ، ۳۳۳ ، ۳۳۲ ، ۳۳۱ ، ۳۳۰ ، ۳۲۹ ، ۳۲۸ ، ۳۲۷ ، ۳۲۶ ، ۳۲۵ ، ۳۲۴ ، ۳۲۳ ، ۳۲۲ ، ۳۲۱ ، ۳۲۰ ، ۳۱۹ ، ۳۱۸ ، ۳۱۷ ، ۳۱۶ ، ۳۱۵ ، ۳۱۴ ، ۳۱۳ ، ۳۱۲ ، ۳۱۱ ، ۳۱۰ ، ۳۰۹ ، ۳۰۸ ، ۳۰۷ ، ۳۰۶ ، ۳۰۵ ، ۳۰۴ ، ۳۰۳ ، ۳۰۲ ، ۳۰۱ ، ۳۰۰ ، ۲۹۹ ، ۲۹۸ ، ۲۹۷ ، ۲۹۶ ، ۲۹۵ ، ۲۹۴ ، ۲۹۳ ، ۲۹۲ ، ۲۹۱ ، ۲۹۰ ، ۲۸۹ ، ۲۸۸ ، ۲۸۷ ، ۲۸۶ ، ۲۸۵ ، ۲۸۴ ، ۲۸۳ ، ۲۸۲ ، ۲۸۱ ، ۲۸۰ ، ۲۷۹ ، ۲۷۸ ، ۲۷۷ ، ۲۷۶ ، ۲۷۵ ، ۲۷۴ ، ۲۷۳ ، ۲۷۲ ، ۲۷۱ ، ۲۷۰ ، ۲۶۹ ، ۲۶۸ ، ۲۶۷ ، ۲۶۶ ، ۲۶۵ ، ۲۶۴ ، ۲۶۳ ، ۲۶۲ ، ۲۶۱ ، ۲۶۰ ، ۲۵۹ ، ۲۵۸ ، ۲۵۷ ، ۲۵۶ ، ۲۵۵ ، ۲۵۴ ، ۲۵۳ ، ۲۵۲ ، ۲۵۱ ، ۲۵۰ ، ۲۴۹ ، ۲۴۸ ، ۲۴۷ ، ۲۴۶ ، ۲۴۵ ، ۲۴۴ ، ۲۴۳ ، ۲۴۲ ، ۲۴۱ ، ۲۴۰ ، ۲۳۹ ، ۲۳۸ ، ۲۳۷ ، ۲۳۶ ، ۲۳۵ ، ۲۳۴ ، ۲۳۳ ، ۲۳۲ ، ۲۳۱ ، ۲۳۰ ، ۲۲۹ ، ۲۲۸ ، ۲۲۷ ، ۲۲۶ ، ۲۲۵ ، ۲۲۴ ، ۲۲۳ ، ۲۲۲ ، ۲۲۱ ، ۲۲۰ ، ۲۱۹ ، ۲۱۸ ، ۲۱۷ ، ۲۱۶ ، ۲۱۵ ، ۲۱۴ ، ۲۱۳ ، ۲۱۲ ، ۲۱۱ ، ۲۱۰ ، ۲۰۹ ، ۲۰۸ ، ۲۰۷ ، ۲۰۶ ، ۲۰۵ ، ۲۰۴ ، ۲۰۳ ، ۲۰۲ ، ۲۰۱ ، ۲۰۰ ، ۱۹۹ ، ۱۹۸ ، ۱۹۷ ، ۱۹۶ ، ۱۹۵ ، ۱۹۴ ، ۱۹۳ ، ۱۹۲ ، ۱۹۱ ، ۱۹۰ ، ۱۸۹ ، ۱۸۸ ، ۱۸۷ ، ۱۸۶ ، ۱۸۵ ، ۱۸۴ ، ۱۸۳ ، ۱۸۲ ، ۱۸۱ ، ۱۸۰ ، ۱۷۹ ، ۱۷۸ ، ۱۷۷ ، ۱۷۶ ، ۱۷۵ ، ۱۷۴ ، ۱۷۳ ، ۱۷۲ ، ۱۷۱ ، ۱۷۰ ، ۱۶۹ ، ۱۶۸ ، ۱۶۷ ، ۱۶۶ ، ۱۶۵ ، ۱۶۴ ، ۱۶۳ ، ۱۶۲ ، ۱۶۱ ، ۱۶۰ ، ۱۵۹ ، ۱۵۸ ، ۱۵۷ ، ۱۵۶ ، ۱۵۵ ، ۱۵۴ ، ۱۵۳ ، ۱۵۲ ، ۱۵۱ ، ۱۵۰ ، ۱۴۹ ، ۱۴۸ ، ۱۴۷ ، ۱۴۶ ، ۱۴۵ ، ۱۴۴ ، ۱۴۳ ، ۱۴۲ ، ۱۴۱ ، ۱۴۰ ، ۱۳۹ ، ۱۳۸ ، ۱۳۷ ، ۱۳۶ ، ۱۳۵ ، ۱۳۴ ، ۱۳۳ ، ۱۳۲ ، ۱۳۱ ، ۱۳۰ ، ۱۲۹ ، ۱۲۸ ، ۱۲۷ ، ۱۲۶ ، ۱۲۵ ، ۱۲۴ ، ۱۲۳ ، ۱۲۲ ، ۱۲۱ ، ۱۲۰ ، ۱۱۹ ، ۱۱۸ ، ۱۱۷ ، ۱۱۶ ، ۱۱۵ ، ۱۱۴ ، ۱۱۳ ، ۱۱۲ ، ۱۱۱ ، ۱۱۰ ، ۱۰۹ ، ۱۰۸ ، ۱۰۷ ، ۱۰۶ ، ۱۰۵ ، ۱۰۴ ، ۱۰۳ ، ۱۰۲ ، ۱۰۱ ، ۱۰۰ ، ۹۹ ، ۹۸ ، ۹۷ ، ۹۶ ، ۹۵ ، ۹۴ ، ۹۳ ، ۹۲ ، ۹۱ ، ۹۰ ، ۸۹ ، ۸۸ ، ۸۷ ، ۸۶ ، ۸۵ ، ۸۴ ، ۸۳ ، ۸۲ ، ۸۱ ، ۸۰ ، ۷۹ ، ۷۸ ، ۷۷ ، ۷۶ ، ۷۵ ، ۷۴ ، ۷۳ ، ۷۲ ، ۷۱ ، ۷۰ ، ۶۹ ، ۶۸ ، ۶۷ ، ۶۶ ، ۶۵ ، ۶۴ ، ۶۳ ، ۶۲ ، ۶۱ ، ۶۰ ، ۵۹ ، ۵۸ ، ۵۷ ، ۵۶ ، ۵۵ ، ۵۴ ، ۵۳ ، ۵۲ ، ۵۱ ، ۵۰ ، ۴۹ ، ۴۸ ، ۴۷ ، ۴۶ ، ۴۵ ، ۴۴ ، ۴۳ ، ۴۲ ، ۴۱ ، ۴۰ ، ۳۹ ، ۳۸ ، ۳۷ ، ۳۶ ، ۳۵ ، ۳۴ ، ۳۳ ، ۳۲ ، ۳۱ ، ۳۰ ، ۲۹ ، ۲۸ ، ۲۷ ، ۲۶ ، ۲۵ ، ۲۴ ، ۲۳ ، ۲۲ ، ۲۱ ، ۲۰ ، ۱۹ ، ۱۸ ، ۱۷ ، ۱۶ ، ۱۵ ، ۱۴ ، ۱۳ ، ۱۲ ، ۱۱ ، ۱۰ ، ۹ (؟) ، ۸ : ب ۴ ، ۶ ، ۹ (؟) ، ۱۰ ، ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۷ ، ۲۰ ، ۲۱ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۳۸ ، ۴۴ ، ۵۱ ، ۵۳ ، ۵۴ ، ۶۰ ، ۶۶ ، ۱۷ (؟) ، ۷۴ ، ۷۷ ، ۷۸ ، ۷۹ ، ۹۲ ، ۹۵ ، ۱۰۹ ، ۱۱۰ ، ۱۱۶ ، ۱۳۱ ، ۱۳۳ ، ۱۴۳ ، ۱۴۴ ، ۱۴۲ ، ۱۴۹ ، ۱۶۸ ، ۱۸۵ ، ۲۰۶ ، ۲۷۲ ، ۲۹۵ ، ۳۰۷ ، ۳۲۷ ، ۳۷۳ ، ۳۹۹ ، ۹ : ۹ ، ۱۵ ، ۱۶ ، ۴۲ ، ۴۹ ، ۵۸ ، ۱۰۶ ، ۱۱۶ ، ۱۲۲ ، ۱۲۶ ، ۱۴۹ ، ۱۵۵ ، ۱۵۶ ، ۱۵۷ ، ۱۷۴ ، ۱۸۱ ، ۱۸۷ ، ۱۹۲ ، ۱۹۶ (؟) ، ۲۰۳ ، ۲۱۲ ، ۲۵۱ (؟) ، ۲۹۶ ، ۲۹۷ ، ۳۱۲ ، ۳۱۶ ، ۳۲۱ ، ۳۲۶ ، ۳۳۳ ، ۳۵۷ ، ۳۶۹ ، ۳۸۰ ، ۳۹۵ ، ۴۲۰ ، ۴۲۵ ، ۴۳۴ (؟) ، ۴۶۵ ، ۴۶۷ ، ۴۸۳ ، ۱۰ : ۲ ، ۱۲ ، ۳۸ ، ۴۸ ، ۱۳۴ ، ۱۹۱ ، ۲۱۷ ، ۲۴۴ ، ۲۴۶ ، ۲۵۰ ، ۲۷۵ ، ۳۱۰ ، ۳۲۶ ، ۳۵۴ ، ۳۶۴ ، ۳۸۰ ، ۳۸۷ ، ۳۹۴ ، ۳۹۸ ، ۴۲۰ ، ۴۲۶ ، ۱۱ : ۶ ، ۹ (؟) ، ۱۹ ، ۲۹ ، ۳۱ ، ۳۸ ، ۴۶ ، ۵۱ ، ۷۰ ، ۷۴ ، ۷۵ ، ۷۶ ، ۸۵ ، ۸۷ ، ۹۲ ، ۱۳۲ ، ۱۳۴ ، ۱۵۵ ، ۱۶۱ ، ۱۶۲ ، ۱۷۵ ، ۱۷۹ ، ۱۸۱ ، ۱۹۱ ، ۲۱۸ ، ۲۲۴ ، ۲۲۶ ، ۲۳۸ ، ۲۳۹ ، ۲۴۴ ، ۲۶۸ ، ۲۸۰ ، ۲۸۱ ، ۲۸۴ ، ۳۶۷ ، ۳۸۹ ، ۴۱۵ ، ۴۱۷ ، ۴۲۹ ، ۱۲ : ۲۲ ، ۳۵ ، ۴۲ ، ۵۱ ، ۶۸ ، ۷۴ ، ۹۲ ، ۱۳۶ ، ۱۷۰ ، ۲۱۸ ، ۲۲۸ ، ۲۵۴ ، ۲۵۷ ، ۲۶۰ ، ۳۲۶ ، ۳۴۹ ، ۳۵۷ ، ۳۸۹ ، ۳۹۴ ، ۱۳ : ۳۰ ، ۷۸ ، ۱۰۱ ، ۱۱۱ ، ۱۲۶ ، ۱۲۸ ، ۱۳۳ ، ۱۵۵ ، ۱۵۷ (؟) ، ۱۷۰ (؟) ، ۱۷۲ (؟) ، ۲۱۷ ، ۲۲۵ ، ۲۴۲ ، ۲۴۴ ، ۲۵۰ ، ۲۵۱ ، ۲۶۱ ، ۲۹۳ ، ۳۰۲ ، ۳۱۲ ، ۳۱۳ ، ۳۲۳ (؟) ، ۳۴۴ ، ۳۸۰ ، ۳۸۳ ، ۳۹۳ ، ۴۰۲ ، ۴۰۷ ، ۴۱۴ ، ۴۱۸ ، ۴۳۵ ، ۴۴۶ ، ۵۰۱ ، ۱۴ : ۲ ، ۴ ، ۲۲ ، ۵۰ ، ۵۵ ، ۹۷ ، ۱۰۶ ، ۱۰۷ ، ۱۱۷ ، ۱۴۲ ، ۱۴۵ ، ۱۵۳ ، ۲۰۸ ، ۲۱۳ ، ۲۱۴ ، ۲۵۷ ، ۲۵۸ ، ۲۶۳ ، ۲۷۱ ،

۲۷۵، ۲۸۴، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۱۸، ۳۲۱، ۳۳۴، ۳۳۶،
۳۳۸، ۳۴۹، ۳۶۳، ۳۶۸، ۳۷۰، ۱۵ : ۴۸، ۵۵، ۶۴، ۷۳، ۷۴،
۸۷، ۱۰۲، ۱۲۳، ۱۵۱، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۹۰، ۱۹۵، ۱۹۷، ۲۰۱، ۲۰۶، ۲۳۶،
۲۴۵، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۸۵، ۲۹۲، ۲۹۵، ۳۰۸، ۳۱۵، ۳۲۰، ۳۲۶،
۳۳۷، ۳۴۷، ۳۵۷، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۷۷، ۳۸۳، ۳۸۶، ۳۹۵، ۳۹۶،
۴۰۳، ۴۰۷، ۴۲۵، ۴۳۱، ۱۶ : ۷، ۱۰، ۳۰، ۷۷، ۸۴، ۹۹، ۱۰۴، ۱۳۶،
۱۴۵، ۱۴۶، ۱۸۲، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۴۴، ۲۶۶، ۱۷ : ۲۱، ۴۰، ۴۳، ۴۷،
۷۲، ۸۷، ۱۰۱، ۱۵۵، ۱۸۷، ۱۹۹، ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۷۰، ۲۹۵(؟)،
۳۶۵، ۳۷۵، ۳۹۹، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۵۲، ۱۸ : ۱۶، ۳۰، ۵۲، ۵۵،
۹۱، ۱۰۴، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۳۴، ۲۵۰،
۲۸۳، ۲۹۰، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۰۷، ۳۱۰، ۱۹ : ۲۰، ۴۰، ۶۴، ۷۶، ۷۸، ۸۳،
۱۲۴، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۴۶، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۷۶، ۱۸۱، ۱۹۲، ۲۰۱(؟)، ۲۱۹،
۲۲۶، ۲۳۳، ۲۶۴، ۳۶۱، ۳۶۷، ۳۷۹، ۲۰ : ۷، ۱۰، ۵۰، ۷۳،
۷۹، ۸۶، ۹۴، ۹۶، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۱۳، ۱۱۷(؟)، ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۲۹،
۱۳۳، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۰، ۱۶۲، ۲۰۵، ۲۲۰، ۲۴۲، ۲۵۳،
۲۵۷، ۲۶۵، ۲۶۷، ۳۴۲، ۳۴۴، ۳۵۵، ۳۷۵؛

ابن العَجْلانِ الهُذَلِی ۱۷ : ۳۷۷؛

العِجْلِی ۱۹ : ۳۱۶؛

العُجَیْرُ السَّلُوْلِی ۱ : ۲۹۱، ۴۷۸، ۳ : ۹۰، ۴۴۸، ۴۶۵، ۴ : ۴۴۶،
۶ : ۱۸۶، ۱۹۱، ۴۲۹، ۷ : ۲۹۰، ۴۰۰، ۸ : ۶۴، ۹ : ۱۰۹،
۳۲۱، ۱۰ : ۳۴۶، ۳۷۴، ۱۲ : ۳۵۷، ۳۹۳، ۱۳ : ۴۳(؟)، ۱۵۷،

۲۹۸، ۳۱۸، ۴۰۹ (؟)، ۴۱۲ (؟)، ۱۴ : ۱۷۷، ۱۵ : ۳۲۷، ۱۶ : ۱۰، ۲۵،
۱۷ : ۲۵، ۱۵۷، ۱۸ : ۱۰، ۹۱، ۱۹ : ۲۴۳، ۲۰ : ۴۱، ۱۰۳، ۳۶۶؛
عَدِیّ ـــــ ملاحظہ ہو عَدِیّ بن زَیْدِ العَبَادی
عَدِیّ بن خَرَشَۃَ الخَطْمِیّ ۲ : ۳۵۲ (؟)، ۶ : ۳۸۸ (؟)، ۱۱ : ۳۴۲؛
عَدِیّ بن خزاعیّ ۲ : ۲۵۱؛
عَدِیّ بن الرَّعْلاء ۲ : ۳۹۶؛
عَدِیّ بن الرقاع ملاحظہ ہو ابن الرقاع
عَدِیّ بن زَیدِ العَبَادِیّ ۱ : ۴۷، ۵۱، ۱۵۸، ۱۷۶، ۲۰۱، ۳۳۲، ۳۴۷، ۳۹۴ (؟)،
۲ : ۱۸، ۶۸، ۱۳۵، ۲۲۴، ۳۹۲، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۷۱، ۳ : ۷، ۱۷۴،
۲۵۳، ۳۸۱، ۴۱۷، ۴۲۹، ۴ : ۳۵، ۶۲، ۶۵، ۹۸، ۱۰۸، ۱۵۹، ۱۷۹،
۱۸۱، ۲۶۶، ۳۹۹، ۴۰۲، ۴۴۴، ۵ : ۵، ۴۷، ۷۴، ۱۰۴، ۱۶۴، ۳۳۶،
۳۳۸، ۳۷۱، ۶ : ۱۱، ۱۹، ۵۸، ۵۹، ۱۰۳، ۱۳۵، ۱۵۴، ۱۸۵، ۲۵۶،
۳۴۰، ۳۶۶، ۳۹۵، ۴۱۳، ۴۷۰، ۷ : ۲۳ (؟)، ۳۵، ۵۰، ۵۲، ۱۰۳،
۱۰۷، ۱۰۸، ۱۴۸، ۱۸۷، ۲۱۳، ۸ : ۵۹، ۸۱، ۲۶۸، ۲۸۸، ۲۸۹، ۳۰۹،
۳۲۸، ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۴۷، ۳۵۶، ۳۶۸ (؟)، ۳۷۲، ۴۰۵، ۹ : ۲۸، ۴۲،
۸۲، ۲۹۹، ۳۰۸، ۴۳۳، ۱۰ : ۷۸، ۱۲۷، ۱۷۲، ۱۷۸، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۴،
۲۲۲، ۲۴۲، ۲۶۷، ۲۹۷، ۳۳۰، ۳۶۵، ۳۷۶، ۴۰۸، ۱۱ : ۴۳، ۷۲،
۸۴، ۱۶۴، ۲۹۹، ۳۰۶، ۳۱۴، ۳۴۰، ۳۶۶، ۴۰۰، ۱۲ : ۴۴، ۵۵، ۷۲،
۸۵، ۱۲۰، ۱۲۹، ۱۶۵، ۱۸۷، ۲۳۰، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۷۲، ۳۲۷، ۳۳۱، ۱۳ :
۶، ۱۲، ۱۵۳، ۲۱۴، ۲۶۴، ۳۰۳، ۳۸۸، ۱۴ : ۱۴۲، ۱۸۴، ۲۰۱، ۲۳۸،
۲۸۸، ۲۹۵، ۳۳۲، ۱۵ : ۱۵۵، ۱۷۸، ۲۱۰، ۳۷۳، ۳۸۱، ۴۰۴، ۴۲۳،

۱۶ : ۴، ۷، ۷۵، ۱۴۸، ۱۷۶، ۱۷۹، ۱۹۶، ۲۴۵، ۲۵۱، ۳۰۴ ،
۱۷ : ۸، ۲۱، ۳۷، ۷۲، ۱۱۴، ۱۵۵، ۱۶۰، ۱۸۸، ۲۵۲، ۲۷۱، ۲۹۷ ،
۱۹ : ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۹، ۳۱۴، ۳۱۷، ۱۸ : ۱۳۱، ۱۴۳، ۱۸۱، ۲۰۸،
۱۴۵، ۲۴۵، ۲۴۸، ۳۱۷، ۳۳۸، ۳۷۱، ۲۰ : ۱۱، ۲۱، ۹۸، ۱۰۱، ۱۶۸ ؛

عَدِیّ بن صُبْح ۳ : ۲۴۷ ؛

عَدِیّ بن العذیر ۱۴ : ۳۷۶ ؛

عَدِیّ بن علی الغاضِرِیّ ۳ : ۲۴۲ ؛

عَدِیّ بن وَدّاع ۵ : ۱۴۲ (۹) ؛

العُدَیْل ۱ : ۲۵۱، ۱۶ : ۱۷۹ ؛

العُدَیل بن الفَرْخ ۹ : ۱۲۷ ؛ ۱۱ : ۲۹۱، ۱۲ : ۲۴۶، ۲۰ : ۱۸۳ ؛

عِذار بن دُرّة الطّائی ۳ : ۵۱، ۱۱ : ۲۲۵ ؛

العُذافَة ۷ : ۳۲۳ ؛

عذافر ۵ : ۱۳۳ ؛

عُذافر الکندی ۲۰ : ۸۲ ؛

ابن عَرادة ۱۷ : ۱۸ ؛

العَرَجیّ ۴ : ۵۱، ۴۱۷، ۸ : ۴۰۴، ۹ : ۳۰۹، ۱۰ : ۱۰۰، ۱۸ : ۴۴ ؛

ابن عُرَیس ۳ : ۳۳، ۴ : ۴۳۱، ۷ : ۲۷۶ ؛

عَرْفُطة بن عبد اللہ الاسَدِی ۲۰ : ۱۴۵ ؛

العَرَنْدَس الکلابی ۶ : ۵۴ ؛

عُرْوَة بن جَبْهَمَة المازِنِیّ ۱ : ۳۸۷ ؛

عروة بن حزام ۱۱ : ۱۴۲، ۱۳ : ۳۶۳ ؛

عروۃ بن مُرَّۃ الھُذَلِیّ ۲ : ۲۴۵ ، ۱۰ : ۲۹۰ ؛
عروۃ بن معدیکرب ۴ : ۳۵۹ ؛
عروۃ بن الوَرْدِ العَبْسِیّ ۱ : ۱۶۴ ، ۱۸۱ ، ۳۰۳ ، ۴۹۵ ، ۲ : ۱۷۳ ،
۲۵۱ ، ۳۹۱ ، ۳ : ۴۴۲ ، ۴ : ۸۶ ، ۱۵۴ ، ۵ : ۶۵ ، ۹۵ ، ۲۲۶ ،
۳۱۹ ، ۶ : ۲۷ ، ۱۴۸ ، ۲۴۸ ، ۴۷۴ ، ۷ : ۷۵ ، ۱۶۴ ، ۱۸۰ ، ۹ : ۴۳۷ ؛
۱۳ : ۵۶ ، ۴۳۴ ، ۱۴ : ۷۳ ، ۳۲۹ ، ۱۵ : ۲۹۸ ، ۳۲۳ ، ۱۹ : ۳۵۸ ؛
العریان ۲۰ : ۱۹ ؛
ابو عُرَیفِ الکُلَیبِی ۱۷ : ۷۶ ؛
ابو العزیب النصری ۸ : ۳۷۳ ، ۳۷۷ ؛ (یہ نام ابو الغَرِیب النصری سے
ملتا جلتا ہے) ۔
عُشّ بن لبید العُذْرِیّ ۹ : ۲۳۴ (؟) ؛
ابو العطاء ۱۱ : ۱۳ ، ۱۹ : ۶۱ ؛
عطاء الاسدی ۱۹ : ۳۱۲ ؛
ابو عطاء السِّنْدِی (مولی بنی اَسَدٍ) ۱ : ۲۸۲ ، ۴ : ۳۰۷ ، ۱۱ :
۱۶۵ (؟) ، ۱۴ : ۲۶۹ ؛
عُطارِد بن قُرَّان ۸ : ۸۴ ؛
عَطّاف بن ابی شَعْفَرۃ الکلبی ۱۷ : ۳۲۰ ؛
العُطَم القَیْسِیّ ۱۵ : ۲۹ (؟) ؛
عطیۃ الدُّبَیْرِیّ ۱۷ : ۲۷۸ ؛
عطیۃ بن زید جاھلی ۵ : ۱۲۷ (؟) ؛
عطیۃ بن عفیف ۱۴ : ۳۶۱ (؟) ؛

العَفِیف العَبْدِیّ ۱ : ۸۵ ؛
عُتْبَة الاسدی ۷ : ۲۵۶ ؛
عُقْبة بن مُکَدّم ۱۴ : ۱۵۷ ؛
عقبة الهُجَیْمِیّ ۴ : ۴۱۰ (؟) ؛ (یہی شعر ۱۲ : ۱۳ ، پر عثمان بن طارق کی جانب منسوب ہے) ۔
عُقْفَان بن قیس بن عاصم ۱۱ : ۱۳۴ ، ۱۵ : ۲۲۲ ؛
عقیل بن ابی طالب ۱۶ : ۲۴ ؛
عُقَیْل بن عُلَّفَة المُرِّیّ ۲ : ۲۶۰ ، ۴ : ۱۹۱ ، ۷ : ۴۰۶ ، ۱۰ : ۲۶۰ ، ۱۸ : ۲۱ ، ۱۹ : ۳۷۴ ؛
العقیلی ۵ : ۱۹۹ ، ۱۸ : ۲۹۶ ؛
عَکْرَشَه الضَّبّی ۶ : ۴۳۱ ؛
العُکْلِیّ ۱۵ : ۴۳ ؛
ابو العلاء الحَضْرَمِیّ ۷ : ۳۷۹ ؛
العلاء بن عمرو الباهِلِیّ ۷ : ۲۶۸ ؛
ابو العَلاء المعرّی ۱۶ : ۲۶۰ ؛
العلاء بن مِنْهال الغَنَوِیّ ۱ : ۶۶ ، ۲۰ : ۷۱ ؛
عِلْباء بن اَرْقَم ۲ : ۴۰۷ ، ۱۷ : ۹۴ ، ۲۰ : ۳۳۰ ؛
ابن عُلْبَة ۱۷ : ۶۰ ، ۱۳۰ ؛
علقمة ـــــ ملاحظہ ہو علقمة بن عبدة التمیمی
عَلْقَمة بن عَبَدَة التمیمی ۱ : ۸۸ ، ۱۲۲ ، ۲۶۴ ، ۲۶۹ ، ۳۸۵ ، ۳۹۱ ، ۴۱۸ ، ۴۴۰ ، ۲ : ۶ ، ۴۲ ، ۵۱ ، ۶۵ ، ۳ : ۴۰ ، ۴ : ۷۳ ، ۱۷۵ (؟) ، ۱۸۴ ، ۵۲۹ ، ۴۳۷ ،

٥ : ١٣، ٦ : ٣٩٨، ٤٠٠، ٤٤٥، ٧ : ٤١٥، ٨ : ١٠، ٧٣، ٧٤،
١٤٨، ١٨٦، ٣٠٠، ٩ : ١٥٢، ٢٥٩، ٤٥٣، ١١ : ١٢٤، ١٤٣، ١٥٢، ٢٩٩،
١٢ : ١٢٥، ٢٠٠، ٢٣٦، ١٣ : ١٦٢، ٣٦٤، ٤٩١، ١٤ : ١٨، ٣٢، ١٦٦،
٣٠٣، ١٥ : ٥٣، ٥٩، ٩٧، ٢١٨، ٢٧٧، ٢٨٣، ٣٠٨، ٣٤٠، ١٦ :
٨٢، ١٤٥، ١٧ : ١٥، ١٨ : ١١٩، ١٣٢، ٢١٠، ٢١١، ٢٢٣، ٣٠٣، ١٩ :
٧٢، ١٢٤، ٢٢٨، ٢٠ : ١٩٠، ٢٥٨، ٣٢٢، ٣٢٨ ؛

علقمة بن عوف ٩ : ٦٨ ؛

علي بن احمد العُرَيْنِي ١٧ : ١٠١ ؛

علي بن ابي طالب (رض) ٣ : ٩٨، ٥ : ٢٤٦، ٦ : ٤٨، ٤١٦، ٩ : ١٩٨،
٣٣١، ١٠ : ٣١، ٤٠، ١١ : ٧٤، ١٢ : ٧، ٢٥٢، ١٣ : ٥٥ (؟)،
١٤ : ٢٤٧، ١٥ : ٢١، ١٦٩، ١٦ : ٧٠، ١٨ : ٢٢٩، ٢٩٤ ؛

علي بن طفيل السعدي ١٧ : ٣٣٥ ؛

علي بن عبد الله بن عباس (بن عبد المطلب) ٩ : ٤٣٩، ١٠ : ١٩٩، ٢٩٣، ١١ : ٥١ ؛

علي بن عدي الغَنَوِي (المعروف بابن العرير) ١٩ : ٣٢٤ (؟) ؛

علي بن عَذِير الغَنَوِي ١ : ٤٧٩ ؛

العُلَيكم الكندي ١٢ : ٧٦ ؛

عَمَّار بن البَوْلانِيَّة الكلبي ١٦ : ٢٦٦ ؛

عَمَّار بن ياسر ١٣ : ١٣٢ ؛

عُمَارة ٥ : ٣١٣، ٦ : ٣١٠، ١١ : ٣٠٠، ١٢ : ١٢، ١٤، ٢٥، ٣٠، ٢٤٤،
٢٦٧، ٣٣٧، ١٨ : ٣٣ ؛

عُمارة بن ايمن الريامي ١٨ : ١٨١ ؛

عُمارۃ بن راشد ۱۵ : ۳۵۱ ؛
عمارۃ بن طارق ۴ : ۴۰۹ ، ۱۱ : ۳۳۹ ، ۱۲ : ۶۲ ، ۱۰۲ ، ۱۷۸ ، ۱۷ : ۳۱۲ ؛
عمارۃ بن عُقَیلِ ۸ : ۴۱۲ ، ۱۲ : ۲۴۵ ، ۱۵ : ۲۵۲ ؛
ابو عمارۃ (بن ابی طرفۃ) العدلی ۵ : ۲۶۷ ، ۱۱ : ۲۱۲ ؛
العُمَانِی (ھو محمد بن ذُوَیبِ الفُقَیمِیّ) ۱۰ : ۴۲۶ ، ۱۱ : ۳۹ ، ۱۴ : ۳۴۳ ، ۱۵ : ۲۵۵ ، ۳۵۷ ، ۳۹۸ ، ۲۰ : ۲۴۲ ؛
عمر بن الجعد الخُزَاعی ۱۱ : ۱۶۳ ؛ (نیز ملاحظہ ہو عمیر بن الجعد الخزاعی)
عمر بن الخطاب (رض) ۳ : ۲۸۲ ، ۵ : ۴۲۵ (؟) ، ۱۰ : ۱۳۶ ، ۱۵ : ۲۱۵ (؟) ؛
عمر بن ابی ربیعۃ ۲ : ۳۰۶ ، ۳ : ۶۱ ، ۴۳۷ ، ۴ : ۴۷ ، ۵ : ۸۳ ، ۱۴۸ ، ۲۴۵ ، ۶ : ۲۷۹ ، ۸ : ۱۹۲ ، ۳۱۱ ، ۹ : ۱۶۴ ، ۴۹۱ ، ۱۰ : ۵۴ ، ۱۱ : ۶۲ ، ۱۱۸ ، ۱۲ : ۲۷۳ ، ۱۳ : ۲۰۷ ، ۴۸۳ ، ۱۴ : ۹۳ ، ۱۱۶ ، ۱۵۱ ، ۱۷۸ ، ۳۲۲ ، ۳۶۰ ، ۱۵ : ۱۵۶ ، ۲۵۵ ، ۱۶ : ۱۳۴ (یہاں ابی ربیعۃ کی بجائے محض ربیعۃ مرقوم ہے) ، ۱۶۷ ، ۲۲۸ ، ۱۷ : ۲۴۲ ، ۱۸ : ۱۷۷ ، ۱۹۸ ، ۱۹ : ۸۱ ؛
عمر بن عبد العزیز ۷ : ۱۹۰ ، ۹ : ۳۴۸ :
عمر بن قَبِیصَۃ العَبْدی (من بنی عبد اللہ بن دارم) ۱۹ : ۳۶ :
عمر بن قُنعَاسِ المرادی — ملاحظہ ہو عمرو بن قِعاس المرادی ؛
عمر بن لَجَأِ التَّیمِیِّ ۳ : ۱۷۱ ، ۵ : ۳۴۷ ، ۶ : ۱۶۴ ، ۲۶۴ ، ۷ : ۳۳۳ ، ۸ : ۶۳ ، ۱۱ : ۲۲ ، ۱۷۱ ، ۱۲ : ۳۲۰ ، ۱۳ : ۲۰۷ ، ۱۵ : ۴۷ ،

١٠٢، ٢٦٣، ٣٦٢، ١٧: ١٥٩، ١٨: ٩١، ١٩: ٦٥، ٢٤٧؛ (نيز
ملاحظہ ہو ابن لَجَأ)
عِمْران بن حِطّان الحَرُوري) ٣: ٩٤، ٥: ٢٠، ١١: ٣٠٠، ١٣: ٣٠٤، ٣٢٧،
٤٤٤، ١٤: ١٦٠، ١٦: ١٣٣، ٢٤٩، ١٧: ٤٣٩، ١٩: ١٥، ١٤٨،
١٨٤، ٢٠٤، ٢٠: ٢٣٢؛
عِمْران الكلبي ١١: ٩٥؛
عَمرة الخُثَيْمِيّة ١٨: ١٠؛
عمرة (اخت العباس بن مرداس) بنت الخَنْساء ٨: ٨٤؛
عمرة بن دريد ١٢: ١٢٨؛
عمرة بن طارق ١٤: ٢٠٥؛
عمرو ٧: ٣٥٨، ١٠: ٣٦٣، ١٢: ٢٥٧، ٢٠: ٣٢٠؛
ابو عمرو ١٨: ٦٩؛
اخت عمرو ٨: ٢٣٩؛ (نيز ملاحظہ ہو جنوب)
عمرو بن احمر ـــ ملاحظہ ہو ابن احمر
عمرو بن اذينة ١٢: ٢٧٠؛
عمرو بن الاسود الطهوي ٨: ٣٩٧؛
عمرو بن اسوى العبدي ١٣: ٣٣؛
عمرو بن الطِّنَابَة ١٣: ٣٧٨، ١٥: ٢٧٤، ٢٧٧؛ (نيز ملاحظہ ہو ابن الطنابة)
عمرو بن أُمامَة ١٢: ١٠٣؛
عمرو بن امرؤ القيس الانصاري ٦: ٣٥١، ١١: ٢٨٠ (؟)؛
عمرو بن أُمَيّة ١٨: ٢٢٢؛

عمرو بن الاھتم ۱۰: ۴۱۸، ۱۱: ۱۵۹، ۱۲: ۲۶۷، ۲۰: ۸۸ ؛
(نیز ملاحظہ ہو عمرو بن الاھیم)
عمرو بن الاَھْیَم ۱۶: ۱۴۸ ؛
عمرو بن الاَیْھَم ۱۶: ۸۰ ؛
عمرو بن بدرِ الھذلی ۱۹: ۲۶۴ ؛
عمرو بن براء ۱۰: ۲۲۱، ۱۱: ۱۸۶ ؛
عمرو بن جَبَل ۱۴: ۳۶۶ ؛ (۱۴: ۳۶۷، پر یہی مصرع عمرو بن جمیل کی جانب منسوب ہے)
عمرو بن جَمِیل الاسدی ۶: ۳۹۱، ۱۰: ۲۴۵، ۱۴: ۳۶۷، ۱۸: ۳، ۱۴۸ ؛
عمرو بن جُوَیْن ۷: ۳۶۲ (؟)، ۸: ۳۷۹، ۱۴: ۱۷۸ (؟) ؛ (یہ نام عامر بن جوین الطائی سے مشابہ ہے)۔
عمرو بن الحرث ۱۴: ۱۱۰ ؛
عمرو بن الحرث بن مُضاض بن عمرو ۱۶: ۲۶۴ (؟) ؛
عمرو بن حارثۃ (المعروف بالاشعر الرقیان) ۲۰: ۳۲۹ ؛ (معجم الشعراء میں الرقیان کی بجائے الرقبان مرقوم ہے)۔
عمرو بن حَسّان (من بنی الحرث بن ھمام بن مُرّۃ) ۶: ۴۴۶، ۹: ۹۷، ۱۲: ۱۰۲، ۱۳: ۱۸۷ (؟)، ۴۳۱، ۱۷: ۳۰۴، ۱۹: ۳۴۹ ؛
عمرو بن الدخل ۶: ۲۷۳، ۳۲۱ ؛
عمرو بن دَرّاکِ العبدی ۱۵: ۱۷۷ ؛
عمرو ذوالکلب الھذلی ۲: ۲۳۲، ۴: ۲۲، ۲۲۰، ۷: ۳۱۱، ۱۲: ۲۹۳، ۱۳: ۴۹، ۱۴۱، ۱۵: ۴۱، ۱۲۵، ۲۱۴، ۳۲۱، ۱۶: ۹۲، ۲۲۱، ۱۹:

۱۷۸)؛
ابوعمرو السعدی ۶ : ۳۰۳؛
عمرو بن شاس الاسدی ۱ : ۳۹۰، ۳ : ۳۹۲، ۴۴۵، ۴ : ۳۳۹ (شاس کی بجائے ساس مرقوم ہے)، ۶ : ۲۳۶، ۱۰ : ۱۹، ۸۵، ۱۲ : ۱۶۶، ۲۷۳، ۳۴۱، ۱۳ : ۵۵، ۲۳۵، ۳۸۹، ۴۱۸، ۱۴ : ۱۳۰، ۱۵ : ۵۱، ۱۵۷، ۲۱۷، ۳۲۱، ۱۶ : ۱۳۳، ۱۷ : ۳۴۴، ۲۰ : ۱۵۳؛
عمرو بن الشَّرِید ۷ : ۳۰۶؛
عمرو بن شَقِیق ۱۸ : ۱۷۵؛
عمرو بن العاص ۳ : ۳۸۸، ۷ : ۱۹ (۹)؛
عمرو بن عَجْلان ۵ : ۲۲۴؛
عمرو بن العَدَّاء الکلبی ۴ : ۴۵۶، ۱۳ : ۴۹۱، ۱۹ : ۱۰۸؛
عمرو بن الفَضْفاض الجُهَنِی ۱۴ : ۳۷۷؛
عمرو بن قِعاس (او قُنْعاس) المرادی ۵ : ۱۶۱، ۷ : ۱۸۹، ۱۱ : ۲۸۶؛
عمرو بن قَمِیئَة ۱ : ۴۸۶، ۳ : ۳۲۰، ۳۲۱، ۴ : ۳۳۰، ۵ : ۱۶۳، ۶ : ۳۸، ۹ : ۲۴۶، ۱۰ : ۸۱، ۱۲ : ۱۶۶، ۱۳ : ۲۷۲، ۴۲۶، ۱۴ : ۲۵۹، ۱۷ : ۲۹۳، ۴۱۴، ۱۸ : ۲۹۷، ۱۹ : ۱۱۳؛
عمرو بن کُلْثُوم ۱ : ۳۴۴، ۲ : ۹۷، ۳۰۶، ۴ : ۱۵۷، ۵ : ۱۴۶، ۱۸۴، ۳۲۰، ۶ : ۴۱۵، ۷ : ۹، ۵۳، ۷۴، ۲۱۲، ۳۹۵، ۸ : ۲۸۰، ۳۰۳، ۴۰۷، ۹ : ۳۰، ۴۸، ۱۳۴، ۱۱ : ۶۳، ۳۴۰، ۳۶۳، ۱۲ : ۲۴۸، ۱۳ : ۴۸۲، ۱۴ : ۱۲۰، ۱۶ : ۱۳۹، ۱۷ : ۹، ۲۷، ۶۶، ۷۲، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۴۲، ۱۵۸، ۲۱۷، ۳۲۱، ۱۸ : ۱۸۳، ۱۹ : ۲۵، ۴۰، ۶۱، ۹۴، ۳۵۸،

۳۰ : ۲۹ ، ۷۵ ، ۱۲۸ ؛

عمرو بن لحأ ملاحظہ ہو عمر بن لحأ التیمی

عمرو بن مخلاۃ الحمار ۱۵ : ۱۰۶ (؟) ؛

عمرو بن مرّۃ ۶ : ۳۴۱ ، ۷ : ۱۲۶ ، ۱۲ : ۲۸۹ ، ۳۰۹ ؛

عمرو بن معدیکرب الزبیدی ۱ : ۶۷ ، ۴۱۹ ، ۳ : ۵۰۲ ، ۴ : ۴۱۷ ، ۵ : ۱۹۶ ، ۶ : ۱۰۴ ، ۲۱۵ ، ۷ : ۹۳ ، ۳۳۸ ، ۸ : ۱۵۳ ، ۹ : ۷۴ ، ۲۰۵ ، ۲۲۶ (؟) ، ۲۴۲ ، ۲۵۸ ، ۳۶۰ ، ۴۱۶ ، ۱۰ : ۱۴ ، ۲۸ ، ۶۲ ، ۲۱۹ ، ۲۲۰ ، ۲۹۸ ، ۱۱ : ۱۸۱ ، ۱۴ : ۹۳ ، ۱۵ : ۲۴۰ ، ۲۸۶ (؟) ، ۳۱۲ ، ۱۷ : ۲۹۸ ، ۱۸ : ۴۷ ، ۲۳۶ ، ۲۰ : ۲۲ ، ۲۰۰ ، ۳۱۵ (؟) ؛

عمرو بن منقط الطائی ۱ : ۲۳۱ ، ۳ : ۷۰ ، ۴ : ۳۰۲ ، ۶ : ۱۱۱ (؟) ، ۱۸ : ۳۰۳ ، ۱۹ : ۶۴ ، ۲۰ : ۲۳۶ ، ۲۵۱ ؛

عمرو بن النعمان بن البراء ـــ ملاحظہ ہو الرحال

عمرو الھذلی ۱۱ : ۲۵۹ ، ۱۴ : ۳۶۴ ؛

عمرو بن الھذیل العنبری ۱۸ : ۲۰۹ ؛

عمرو بن ھمیل اللحیانی ۲ : ۳۸۲ ، ۹ : ۱۵ ؛

أم عمرو بنت وقدان ۸ : ۲۶۴ ؛

عملّس بن عقیل ۱۵ : ۱۲۲ ؛

ابن العمیاء ۱۴ : ۱۴۸ ؛

عمیر بن الجعد الخزاعی ۱۷ : ۲۳۳ ؛

عمیر بن حباب ۷ : ۶۳ ، ۸ : ۱۹۹ ؛

عمیر (بن سلمی) ۱۶ : ۳۳ ؛

امّ عمير بن سلمى الحنفي ١٦: ٣٣؛
عمير بن شُيَيْم ← لاحظ هو القطامي
عمير بن قيس بن جِذْلِ الطِّعان ١: ١٦٢؛
عميرة بن طارق ١٣: ٢٩٣؛
ابن عَنّاب الطائي ١٠: ٩٤؛
العَنْبَر بن تميم ٢: ١٥٧؛
العنبري ١: ٤١٣، ٦: ١٨١، ٨: ٢٣٣، ٩: ٢٦٩؛
عَنْتَرة ← لاحظ هو عنترة بن شداد العبسي
عنترة بن الاخرس ١١: ٢٦٥، ٢٦٦، ١٤: ٣١٥؛
عنترة بن شداد العبسي ١: ٢٨١، ٣٧٠، ٢: ٤٢، ١٣٥، ١٤٢، ١٨٣، ٢٠٤، ٢٢٩، ٣٤٣، ٤٠١، ٤٥٠، ٣: ٩٨، ٢١٤، ٢٣٩، ٣١٠، ٣٣٦، ٣٥٥، ٣٨٩، ٤٣٩، ٤: ١٤٧، ٢٢١، ٢٨٣، ٢٩٤، ٥: ٨٠، ١٦٩، ١٩٨، ٢٥٥، ٣٩٨، ٤٠٢، ٤٢٥، ٦: ٢٤، ١٠٧، ١١٠، ١٦٤، ١٧٨، ١٨٥، ٢١٧، ٢٥١، ٢٨٦، ٣٢٥، ٣٦١، ٧: ٣٦، ١٢١، ٣٦٤، ٨: ١٤٣، ٢٤٧، ٢٦٣، ٣٧٥، ٩: ٨، ٢٠٧، ٣٧٠، ٤٨١، ١٠: ٤١، ٥٦، ١٢٩، ١٧٥، ١٨٩، ٢٢٢، ٢٧٤، ٢٧٦، ٢٨٨، ٤٥١، ١١: ٣، ٤٣، ٨٦، ١٤٣، ١٦٩، ١٨٦، ٣٢١، ٣٢٨، ٣٣١، ٣٦٩، ١٢: ١٠٨، ١٢٩، ١٨١، ٣٣٧، ١٣: ٩، ١٠٦، ١٧٤، ٢٩٢، ٢٩٣، ٣٠٥، ٣١٣، ٤٤٥، ٤٤٨، ١٤: ٤٦، ٩١، ١٦٣، ٣٠٤، ٣٢٩، ٣٧٥، ١٥: ٢٥، ٥١، ٨١، ٩٤، ٩٥، ١١٦، ١٢٧، ١٥٨، ٢٠١، ٢١٠، ٢١٥، ٢٣١، ٢٦٤، ٣١٤، ٣٣٧، ٣٤١، ٣٤٨، ٣٧١، ٣٩٦، ٤٢٩، ١٦: ٤، ٣١، ٦٣، ٩٨، ١١٤، ١٢٨، ٢١٠، ٢٧٥،

۲۹۸، ۱۷: ۱۰۳، ۲۷۴، ۲۹۶، ۴۰۴، ۱۸: ۱۱، ۴۵، ۲۵۲، ۲۸۳،
۳۱۱، ۱۹: ۱۶۳، ۲۴۸، ۲۰: ۱۹، ۲۷، ۶۳، ۱۴۳، ۱۵۹، ۳۰۰؛

عنترۃ الطائی ۲۰: ۱۵۹؛

ابن عنقاء الفزاری ۶: ۲۳۴، ۲۹۳، ۱۴: ۱۰۵؛ (نیز ملاحظہ ہو اُسَید بن عنقاء الفزاری)

ابوعنقاء الفزاری ۱۸: ۲۲۸؛ (ابن عنقاء سے مشابہ معلوم ہوتا ہے۔ شاید ابن کی بجائے ابو لکھ دیا گیا ہو۔)

عوام بن شَوْذَب الشَّیْبَانی ۱۱: ۲۸۷، ۱۳: ۴۸۴، ۱۵: ۱۶۹؛

عوف بن الاحوص (بن جعفر او الجعفری) ۱: ۶۷، ۴: ۳۰۰، ۱۰: ۱۸۲،
۲۸۶، ۱۱: ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۲: ۱۲۰، ۱۳: ۵۷، ۱۸: ۸۰، ۱۸۸،
۱۹: ۲۲۲؛

عوف بن الخَرِع ۶: ۳۷۵، ۱۱: ۴۰۶، ۱۴: ۲۷۳، ۱۵: ۱۷۵، ۱۶:
۱۵۵؛ (نیز ملاحظہ ہو ابن الخرع)

عوف بن ذروۃ ۶: ۳۲۲؛

عوف بن عطیۃ التمیمی (التیمی دیکھو نقائض) ۳: ۲۷۲، ۴: ۴۴؛

عوف بن مالک النَّضْرِیّ ۳: ۳۱۴ (؟)، ۶: ۱۶۰؛

عوف بن عبداللہ بن عُتْبَۃ بن مسعود ۱۱: ۱۲۲؛

عوھم بن عبداللہ ۹: ۱۷۹؛

عُوَیف القوافی ۲: ۱۵۷، ۳: ۲۰۲، ۱۰: ۱۰۳، ۱۱: ۴۰۵، ۱۲: ۲۶۲،
۱۵: ۱۱۴، ۱۷: ۲۳۱؛

عُوَیف الھُذَلی ۶: ۶۵؛ (یہی شعر ۱۰: ۱۰۳، پر عویف القوافی کی جانب منسوب ہے)

عياض بن خويلد الهذلي ١٥: ٣٥٦ (؟)؛
عياض بن دُرّة ٩: ٥٣، ١٢: ٢٥٠، ١٤: ٢٨٥، ١٥: ٣٩٤؛
عياض الهذلي ١٥: ٣٣٦؛
ابو العِيال الهذلي ١: ٢٠٣، ٢٣٤، ٢٧٥، ٢: ٣٧، ٢٨١، ٣: ٦٤،
١٩٠، ٤: ٥٦، ١٦٠، ٥: ٧٠، ٢٢٣، ٨: ٧٠، ٩: ٤٨١، ١٠:
٢٥٧، ٣٧٧، ١١: ١٢٩، ١٣٢، ١٢: ٢١٠، ١٤: ٢٠٤، ١٥: ١١٩، ٤٣٤،
١٧: ٤٣٤، ١٨: ٤٢، ١٤٥، ١٩: ٤٢؛
عَيْلان بن شجاع النَّهْشَلي ١: ٢٨١؛
ابن عُيَيْنَة ١٢: ٢٠٤؛
ابن ابي عيينة ٢٠: ٢٥٢؛
ابُوعُيَيْنَة — لاحظ هو محمد بن ابي صُفْرَة ابو عيينة
عيينة بن حصن ١١: ٢٨٨؛
عيينة بن مِرْداس ١٩: ٢٨٤؛

غ

غادية الدَّبَيْرِيّة ٨: ٢٩٨، ٣٠٥، ٣٠٨، ٣٦٨، ١٤: ٢٧٣؛
غالب المعنى ٩: ٣٤٤؛
ابو غالب المَعْنِيّ ٩: ٢٥١، ١٦: ٢١٩؛
غامد ٤: ٣٢٢، ٥: ٢٧٨؛
غاوِي بن ظالم السُّلَمِيّ ١: ٢٣٠ (؟)؛
ابو الغريب النصري ٣: ٢٩٧، ٦: ١١١، ١٠: ١٩٨، ١٣: ١٣٦، ١٨:

۱۰۵، ۱۴۹؛
غسّان السَّلِیطِیّ ۱: ۴۳۰، ۲: ۳۲۱، ۳: ۴۳۷، ۵: ۳۴۷؛
غسّان بن وَعْلَۃَ ۶: ۷۶؛
غُصَین ۱۶: ۲۴۳؛
ابو الغَطَمَّش ۸: ۲۳۵؛
الغَطَمَّش الضَّبِّیّ (ھو من بنی شقرۃ بن کعب بن ثعلبۃ بن ضبۃ) ۲: ۶۶، ۱۴: ۹۵؛
غَلْفاء — ملاحظہ ہو معدیکرب المعروف بغلفاء
ابن غَلْفاء ۱۱: ۱۷۸؛
غُلَیِّم (من بنی دُبَیْر) ۳: ۴۶۴؛
ابن غَنَمَۃ ۱: ۱۵، ۶: ۲۰۹؛
الغَنَوِیّ ۱: ۲۵۷، ۲۹۰، ۳: ۲۳۲، ۱۴: ۲۵۵؛
غَنِیّ بن مالک ۳: ۳۸۵ (؟)؛
ابو الغُول الطُّھَوِیّ ۲: ۳۰۲، ۱۶: ۷، ۱۷: ۲۴۸، ۱۸: ۲۴۷، ۱۹: ۲۱۱؛
غُوَیَّۃ (بغین المعجمۃ وقیل بعین المھملۃ) بن سُلْمَی بن رَبِیعَۃَ ۱۳: ۴۳۳، ۱۴: ۱۰۰، ۲۰: ۳۲۸؛
غیاث بن غوث — ملاحظہ ہو الاخطل
غَیْلان ۳: ۴۱۷، ۶: ۱۷۸، ۱۱: ۱۱۰، ۱۲: ۳۷۵، ۱۵: ۳۰۶، ۱۶: ۲۹؛
غَیْلان بن حُرَیْث ۷: ۵۱، ۱۲۳، ۸: ۲۵۵، ۹: ۳۰۸، ۱۱: ۳۸۳ (؟)، ۱۶: ۸۲، ۱۷: ۲۶۹، ۲۰: ۱۶۶؛
غَیْلان الرَّبَعِی ۱: ۷۶، ۸۰، ۱۱۱، ۱۹۳، ۹: ۳۸۴، ۴۵۱، ۱۱: ۱۲۷، ۳۲۶، ۱۳: ۳۷۱، ۱۵: ۳۰۰، ۱۷: ۳۸۵، ۱۸: ۹۲، ۱۳۴، ۱۹: ۶،

۳۶۹، ۳۷۲، ۲۰ : ۴۴، ۵۸، ۲۷۹؛
غَیلان بن سَلَمة الثَّقَفی ۱۴ : ۳۳۳، ۱۸ : ۷؛
غَیلان العدوی ـــ ملاحظہ ہو ذوالرمة

ف

فاطمة [بنت رسول اللہ (ص)] ۳ : ۲۰، ۹ : ۴۸۷؛
فَدَکی بن اَعْبد ۱۶ : ۲۱؛
الفراء ۱۹ : ۴۱؛
الفرزدق ۱ : ۶۸، ۷۹، ۸۸، ۹۱، ۹۷، ۱۱۰، ۱۱۹، ۱۸۵، ۲۱۵، ۲۹۲، ۳۲۵،
۳۲۶، ۳۸۳، ۴۸۶، ۲ : ۵، ۵۰، ۵۹، ۶۰، ۷۲، ۹۲، ۹۵، ۱۱۳،
۱۴۵، ۱۵۳، ۱۹۰، ۲۳۸، ۲۴۴، ۲۵۰، ۳۲۷، ۳۴۰، ۳۴۶، ۳۹۵،
۴۱۷، ۴۷۱، ۳ : ۱۰، ۵۶، ۶۷، ۷۴، ۹۱، ۱۰۱، ۱۱۷، ۲۷۹، ۳۲۳،
۴۳۶، ۵۰۳، ۴ : ۱۲، ۱۶، ۳۵، ۶۳، ۷۶، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۶، ۱۱۱، ۱۲۵،
۱۳۹، ۱۵۰، ۱۶۴، ۲۶۰، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۷۷، ۲۸۰، ۲۹۳، ۳۱۵،
۳۴۷، ۳۴۹ (ی)، ۳۶۱، ۳۶۵، ۳۶۹، ۳۸۶، ۴۰۳، ۴۵۵، ۴۸۵،
۵ : ۱۵، ۹۵، ۹۶، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۳۸، ۱۴۵، ۱۹۲، ۲۰۹، ۲۳۸، ۲۴۳،
۲۴۷، ۲۵۱، ۲۸۴، ۳۰۶، ۳۲۰، ۳۴۹، ۳۵۲، ۳۸۱، ۳۹۷، ۴۰۷،
۴۲۸، ۶ : ۴، ۱۴، ۲۱، ۳۶، ۳۹، ۵۲، ۸۸، ۱۱۲، ۱۱۶، ۱۲۴، ۱۶۰،
۱۹۲، ۱۹۵، ۲۴۵، ۲۴۹، ۲۵۷، ۲۶۰، ۲۸۵، ۲۹۳، ۳۲۰، ۳۲۵،
۳۵۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۵، ۴۴۱، ۴۶۴، ۷ : ۲۸، ۹۷،
۱۴۸، ۱۴۹، ۱۶۴، ۲۴۲، ۳۰۴، ۳۱۸، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۷۷، ۳۸۷،

۸ : ۱۲۷، ۱۷۲، ۲۰۸، ۲۱۴، ۲۹۴، ۲۹۷، ۳۳۷، ۳۵۲، ۴۱۲،
۹ : ۸۱، ۹۰، ۹۶ (؟)، ۱۸۹، ۱۹۳، ۳۰۵، ۳۱۱، ۳۴۵، ۳۷۲،
۱۰ : ۱۰، ۵۳، ۷۱، ۱۳۹، ۱۴۲، ۴۲۶، ۴۴۱، ۴۵۶، ۴۷۸، ۴۸۳،
۱۱ : ۷، ۳۰، ۳۳، ۴۴، ۴۸، ۵۶، ۵۷ (؟)، ۸۱، ۴۱۷، ۴۲۵،
۱۲ : ۱۶، ۱۸، ۲۲۸، ۱۹۹، ۱۷۹، ۱۶۳، ۱۴۹، ۱۳۲، ۱۲۱، ۱۱۲، ۹۲، ۸۵ (؟)، ۸۴،
۱۳ : ۱۵، ۲۸، ۳۱، ۳۶، ۳۹، ۴۲، ۷۵، ۷۸، ۱۰۰، ۱۳۸، ۱۵۲، ۱۸۴، ۱۹۴، ۲۰۴، ۲۴۳، ۲۹۵، ۳۶۰، ۴۱۶، ۴۷۷، ۴۹۴، ۵۰۰،
۱۴ : ۸، ۹، ۲۰، ۳۳، ۶۴، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۳۰، ۱۷۴، ۵۰۸، ۵۰۹،
۱۵ : ۳۶۹، ۳۶۴، ۳۵۱، ۳۳۷، ۳۳۵، ۳۲۶، ۳۱۰ (؟)، ۲۶۹،
۱۶ : ۳۱، ۳۹، ۴۱، ۶۰، ۹۱، ۱۸۰، ۱۳۰، ۳۹۶، ۴۰۳، ۴۲۶، ۴۳۱،
۱۷ : ۷، ۹۰، ۱۰۲، ۲۹۴، ۲۵۵، ۲۴۶، ۲۲۵، ۲۱۱ (؟)، ۱۵۰،
۱۸ : ۶، ۵۹، ۱۱۳، ۳۲۸، ۳۷۹، ۴۰۲، ۴۰۴، ۴۲۳، ۴۲۵،
۱۹ : ۱۵، ۱۶، ۳۱، ۶۶، ۷۰، ۷۹، ۱۵۲، ۱۷۴، ۱۷۶، ۲۲۴، ۳۰۸،
۲۰ : ۱۶، ۴۳، ۶۲، ۸۴، ۹۵، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۷۵، ۳۵۴، ۳۵۵،

۲۱۸، ۲۶۳، ۲۶۵، ۲۹۰، ۳۰۷؛
فُرعان بن الاعرف (هو فرعان ابو منازل بن فرعان) ۱۴: ۱۸۳، ۲۰: ۱۳۲؛
ابو فرعون ۴: ۳۳۰، ۱۲: ۲۷۶، ۲۰: ۳۱۹؛
فَرْوَة بن مُسَيْكٍ المُرَادِی ۲: ۴۲، ۲۰: ۱۹۴؛
الفزاری ۸: ۲۹۲؛
ابن فَنْرَة التمیمی (هو عُتَيْبَة بن مِرْداس) ۳: ۴۴۸، ۴: ۱۲۹، ۵: ۳۰۰، (ابن فوة کی بجائے ابو فسوة مرقوم ہے) ۷: ۷۳، ۱۶۳، ۹: ۲۸۹، ۴۲۱، ۱۵: ۲۲، ۶۶، ۱۹: ۴۵؛
فَضَالَة بن هِنْد بن شَرِيك الاَسَدِی ۱۵: ۲۷۳؛
الفضل بن الربیع ۱۴: ۲۳۳؛
الفضل بن عباس بن عُتْبَة (بن ابی لهب اللهبی) ۲: ۱۱۶، ۱۴۴، ۸: ۱۸۷، ۱۳: ۳۴۶؛
الفَضْم بن مُسْلم البکائی ۹: ۲۱۵؛
الفَقْعَسِی ۳: ۴۹۱، ۴: ۱۰۲، ۸: ۳۷۸، ۹: ۶۹، ۳۳۰، ۱۰: ۱۰۴ (؟)، ۱۴: ۳۵۲، ۱۶: ۱۰۰، ۱۹: ۲۰۷؛
الفِنْد الزِّمَانِی ۱: ۳۱۳، ۲: ۸۳، ۷: ۳۸۸ (؟)، ۱۲: ۱۹۶، ۱۳: ۳۶، ۱۶: ۱۳۲، ۱۷، ۴۵۹، ۲۰: ۲۰، ۵۰؛
ابن فید ۱۰: ۱۹؛

ق

ابو القادح ۱۳: ۱۹۴؛

قارب بن سالم المُرّی ۱۳: ۴۳۹ (؟)، ۱۷: ۲۲۳ (؟)؛
امّ قُبَیْسِ الضَّبِّیَّة ۲۰: ۲۰۱؛
القتال ۴: ۳۳۸، ۵: ۴۲۶، ۱۱: ۲۳۲؛
القتال العامری ۵: ۱۱۰؛
القَتّال الکِلابی (هُوَ عُبَیْد بن المُضَرِّجی) ۱: ۲۷۵، ۲: ۴۴۶، ۲۰۲،
۵: ۱۰۱، ۳۱۵، ۶: ۱۳۸، ۷: ۱۲۸، ۸: ۲۰۶، ۳۳۸، ۹: ۳۰۷،
۱۴: ۳۵، ۳۰۰، ۱۶: ۲۵۷، ۱۷: ۲۶۴، ۲۶۶، ۱۸: ۴۷، ۳۰۴،
۳۱۳، ۲۰: ۹۵، ۲۰۵؛
بنت القَتّال الکِلابی ۳: ۴۲؛
قتیبة — ملاحظہ ہو ابوالاَخْزَر الحُمانی
قُتَیْلَة بنت (واخت) النَضْر بن الحرث ۸: ۲۵۵، ۹: ۳۳۰، ۱۱: ۳۵۶،
۱۲: ۱۱۲؛ (معجم البلدان لیاقوت بذیل الأثیل و سیرت ابن ہشام میں بنت
مرقوم ہے، لیکن آغانی جدیدا: ۱۹، پر اخت درج ہے)
قُحَیْف ۹: ۴۷۴، ۱۵: ۱۶۳؛
القُحَیْف العُقَیْلی ۳: ۵۶، ۱۳: ۳۰۵، ۱۹: ۳۹، ۲۰: ۷۲؛
القُحَیْف بن عمیر ۱۵: ۳۳۴؛
قُراد بن حبش الصّاددی ۶: ۲۸۶؛
قَرّان الاَسَدی ۱۲: ۳۲۸، ۱۶: ۱۹۵؛
ابوقُرْدُودة ۱۷: ۳۵۶؛
قُرْط ۱۲: ۳۵، ۱۲۵؛
قُرْط بن التُوْم اللیثکُری ۳: ۳۳۴، ۱۹: ۲۹۲؛

قُرَيْط ۱۲: ۱۴۷؛
قُسّ بن ساعِدَة ۲: ۶۳، ۶: ۱۷۰، ۱۳: ۸۳، ۱۴: ۱۴۳، ۱۶: ۱۳۶؛
قَسّاس الكِنْدِيّ ۱۷: ۲۷۰؛
قَسّام بن رَوَاحَة ۱۰: ۲۳۸؛
القشيري ۱۱: ۶۲، ۱۹: ۱۴۸؛
قُصَيّ (اسمه زيد) ۱۳: ۳۶۳، ۱۴: ۲۹۵، ۱۷: ۳۶۴؛
القُطَامِيّ (هو عمير بن شُيَيْم) ۱: ۳۱۲، ۴۷۴، ۲: ۲۱، ۲۷۲، ۲۶۳، ۳۳۰، ۴۷۳، ۴۷۶، ۳: ۱۳۶، ۲۷۸، ۴۵۹، ۴۷۰، ۵۰۱، ۴: ۳۰، ۲۱، ۴۸، ۶۴، ۱۱۹، ۲۳۲، ۲۵۹، ۴۷۷، ۴۷۹، ۵: ۴۴، ۵۸، ۶۰، ۹۸، ۲۲۲، ۲۲۷، ۲۷۲، ۳۲۹، ۳۴۶، ۴۲۷، ۶: ۴۴، ۹۹، ۱۲۴، ۲۰۶، ۲۹۸، ۳۴۵، ۴۵۹، ۷: ۳۳، ۱۲۱، ۱۴۰، ۱۷۹، ۱۹۳، ۱۹۴، ۲۰۶، ۲۱۰، ۲۵۳، ۲۷۸، ۳۵۴، ۳۷۵، ۸: ۲، ۲۰۴، ۲۱۴، ۲۲۵، ۴۰۱، ۹: ۱۶، ۵۲، ۱۱۷، ۱۴۳، ۱۸۰، ۲۱۲، ۲۲۲، ۲۴۱، ۲۵۹، ۳۲۱، ۳۷۵، ۳۸۷، ۴۴۵، ۴۷۸، ۱۰: ۱۶، ۱۹، ۳۳، ۳۴، ۶۹، ۸۶، ۲۰۲، ۲۱۴، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۶۵، ۲۸۵، ۲۹۰، ۲۹۶، ۳۹۰، ۴۱۷، ۱۱: ۱۸، ۲۸، ۴۱، ۶۴، ۹۸، ۱۱۲، ۱۷۴، ۱۷۹، ۲۰۱، ۲۰۵، ۲۲۱، ۲۷۲، ۳۸۱، ۴۰۷، ۴۲۸، ۱۲: ۲۱، ۲۹، ۱۷۱، ۱۱۴، ۱۴۷، ۲۰۸، ۲۶۹، ۳۱۶، ۳۶۲، ۱۳: ۵۴، ۱۲۸، ۲۷۹، ۲۸۹، ۴۳۸، ۴۵۲، ۵۰۴، ۱۴: ۱۱۰، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۹۷، ۲۶۲، ۲۶۴، ۱۵: ۶۶، ۱۳۳، ۱۷۲، ۲۰۸، ۲۴۵، ۲۸۸، ۳۳۱، ۳۳۹، ۳۶۴، ۳۶۸، ۳۷۰، ۳۷۵، ۳۹۷، ۱۶: ۳۲، ۲۱۲،

۲۶۹، ۱۷: ۱۰۶، ۱۶۹، ۱۷۹، ۲۰۰، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۷۴، ۱۸:
۱۵۶، ۱۷۷، ۲۴۸، ۲۶۸، ۱۹: ۴۲، ۵۱، ۶۰، ۹۶، ۱۵۷، ۱۷۵،
۱۸۵، ۲۱۲، ۲۲۹، ۳۰۰، ۳۳۶، ۲۰: ۴۸، ۸۶، ۱۵۳، ۱۵۶،
۱۷۳، ۱۸۶، ۲۱۰، ۲۱۶، ۳۱۹، ۳۳۲، ۳۴۱؛

قُطبة بن اوس ــــ ملاحظہ ہو الحادِرَة

قُطبة بن الخضراء (من بنی القَیْن) ۷: ۱۵۳؛

القَطِران السعدی ۳: ۱۹۸، ۶: ۴۱۷، ۹: ۲۸۳، ۱۳: ۲۱۹، ۱۴:
۱۰۵؛

قَطَرِی ۹: ۳۳۳؛

قَطَرِی بن الفُجاءة (الخارجی المازنی) ۱۳: ۵۵، ۱۵: ۴۱۴، ۱۹: ۱۵۸؛

ابن اُمّ قَعْنَب ۱۷: ۳؛

قَعْنَب بن اُمّ صاحِب ۶: ۱۰۳، ۸: ۳۶، ۲۱۱، ۱۰: ۲۵۸، ۱۲:
۶۳، ۱۳: ۴۴۶، ۱۶: ۱۴۸، ۱۷: ۶، ۵۹، ۱۳۰، ۱۵۷، ۱۶۱،
۲۳۴، ۳۳۸، ۳۴۵، ۱۸: ۲۷۴؛

قعین ۱۸: ۱۳۴؛

ابوقِلابَة الهُذَلی ۲: ۴۵۴، ۷: ۴۲۴، ۸: ۲۹۱، ۹: ۱۷۸، ۱۱:
۲۲۹، ۱۴: ۳۲۹، ۱۷: ۲۶۱، ۱۸: ۱۸۷، ۲۰: ۱۶۱؛

القُلّاخ ۸: ۲۶۸، ۱۰: ۳۴۳، ۱۱: ۲۷۰، ۱۲: ۱۸۹، ۱۴: ۱۴۸،
۱۹۳، ۲۵۸، ۱۵: ۸۹، ۱۶: ۱۹۸، ۲۵۷، ۱۷: ۱۰، ۸۶، ۱۲۹،
۱۵۷، ۱۶۹، ۱۸۶، ۱۸: ۳۰۱، ۱۶۵، ۲۰: ۸۹؛

القُلاخ بن جناب بن حبلا ۴: ۱۷؛

القُلاخ بن حُبابۃ ۱: ۲۱۶ (؟)؛
القُلاخ بن حَزْنِ المِنْقَرِی السعدی ۳: ۱۰۵، ۴: ۱۷، ۸: ۶۸، ۱۲: ۱۰، ۲۹، ۱۶۹، ۲۴۱، ۱۳: ۸۸، ۱۴: ۱۰۵، ۱۵: ۳۸۴؛
ابوالقَمْقام الاَسَدی ۱۴: ۲۵۲، ۱۶: ۲۶۹، ۱۸: ۸۶؛
ابن قَتّان ۲: ۱۸۷، ۱۵: ۳۱۸؛
القنانی (ابوالحجناء) ۱۸: ۷، ۱۹: ۱۳۶؛
ابن قَیْبس ۱۹: ۴۳؛
قیس بن الأَسْلَت السُّلَمِیّ ۹: ۴۰۷ (بہت ممکن ہے کہ ابوقیبس کی بجائے محض قیبس غلطی سے لکھا گیا ہو)۔
ابوقیس بن الأَسْلَتِ السُّلَمِیّ ۱: ۴۳، ۲: ۴۲، ۳: ۴۴۱، ۸: ۲۷۸، ۹: ۴۰۰، ۱۰: ۱۳۷، ۲۴۶، ۲۵۷، ۳۰۱، ۱۲: ۶۴، ۲۵۳، ۳۶۴، ۱۴: ۳۳۱ (؟)، ۱۵: ۲۱۳، ۳۲۳، ۱۷: ۱۹۶، ۱۹: ۴۱؛
قیس بن ثُمامَۃَ الاَرْحَبِیّ ۱۵: ۴۰۴؛
قیس بن جِرْوَۃَ ۱۲: ۱۲۱ (؟)؛
قَیْس بن الخَطِیم الانصاری ۱: ۲۰۳، ۲۶۰، ۳۸۰، ۴۴۵، ۴۷۸، ۲: ۲۹۳، ۳۶۸، ۳: ۱۵، ۴: ۴۸، ۲۵۷، ۳۵۵، ۵: ۵۲، ۴۲۱، ۶: ۴۴۳، ۷: ۹۶، ۳۱۷، ۸: ۲۸۷، ۹: ۲۶۶، ۴۴۹، ۴۹۸، ۱۰: ۴۶، ۳۷۶، ۴۱۵، ۱۱: ۶، ۲۸، ۵۹، ۸۰، ۱۷۰، ۱۷۹، ۱۹۲، ۲۳۹، ۲۸۰ (؟)، ۱۲: ۱۵۸، ۳۸۵، ۳۹۲، ۱۳: ۱۰۳، ۱۷۳، ۱۴: ۱۴۴، ۳۵۶، ۱۵: ۲۰۵، ۱۶: ۱۲۱، ۲۱۹، ۱۷: ۳۳، ۳۶، ۲۲۷، ۲۴۹، ۱۸: ۳۴، ۱۲۷، ۲۰۸، ۲۹۴، ۳۱۴، ۱۹: ۱۶، ۳۷۵،

۲۰ : ۱۹؛

قیس بن خویلد الهذلی ۵ : ۲۶۲ ، ۱۰ : ۲۳۱ ، ۱۴ : ۱۹۴ ، ۱۶ : ۲۶۲ ؛

قیس بن ذُرَیح ۱ : ۴۸۴ ، ۲ : ۲۷۰ ، ۳۷۱ ، ۵ : ۳۵۰ ، ۸ : ۲۱۰ ، ۹ : ۳۷۳ ، ۴۸۱ ، ۱۰ : ۱۷ ، ۴۷ ، ۶۱ ، ۶۲ ، ۸۸ ، ۱۰۶ ، ۱۰۱ ، ۴۵۱ ، ۱۱ : ۵۱ ، ۱۴۳ ، ۱۲ : ۵۰ ، ۱۷۰ ، ۱۵ : ۱۲۵ ، ۲۱۸ ، ۱۶ : ۲۰۹ ، ۲۱۵ ، ۱۷ : ۹۶ ، ۱۹ : ۲۴۹ ، ۲۷۴ ، ۳۵۰ ، ۲۰ : ۱۶۱ ؛

قیس بن رِفاعة ۳ : ۶۹ ، ۱۱ : ۱۹۰ ، ۲۰۱ ، ۱۲ : ۳۰۳ ؛

ابو قیس بن رِفاعة ۲ : ۳۸۰ (؟) ، ۸ : ۲۷ ؛

قیس الرُّقَیّات ۲ : ۹۷ ، ۱۸ : ۲۱۱ ؛

ابن قیس الرُّقَیّات ۲ : ۲۰ ، ۷۰ ، ۳۱۳ ، ۳ : ۸۵ ، ۱۴۶ ، ۲۱۲ ، ۳۱۹ ، ۳۶۵ ، ۴ : ۲۸۸ ، ۷ : ۲۹۱ ، ۱۱ : ۶۲ ، ۱۳ : ۳۹۱ ، ۱۴ : ۶۸ ، ۱۵ : ۳۵ ، ۱۶ : ۷۱ ، ۱۷۲ ، ۱۹ : ۱۶۴ ، ۳۷۵ ، ۲۰ : ۸۱ ؛

قیس بن زهیر العبسی ۶ : ۲۳۴ ، ۱۱ : ۱۴۰ ، ۱۳ : ۲۶۳ ، ۱۵ : ۱۰۳ ، ۱۷۱ ، ۳۱۲ ، ۱۷ : ۴۶۲ ، ۱۸ : ۱۴ ، ۱۹ : ۲۰۲ ؛

قیس بن عاصم المِنقَری ۱ : ۸۴ ، ۹ : ۲۴۰ ، ۱۰ : ۷۱ ، ۱۱ : ۲۶۵ (؟) ، ۱۴ : ۲۶۱ (؟) ، ۱۶ : ۲۹۸ ، ۱۷ : ۲۰۰ ؛

قیس بن عُبادة ۱۳ : ۳۵۵ ؛

قیس بن عبد الله ابو لَیلَی — ملاحظہ ہو الجَعدِی

ابن قیس الرعدی ۹ : ۴۴۸ ؛

قیس بن عَیزَارة الهُذَلِی ۳ : ۲۴۸ ، ۸ : ۳۳ ، ۱۰ : ۹۲ ، ۱۲ : ۸۷ ، ۱۲ : ۳۲۸ ، ۱۶ : ۹۲ ، ۱۷ : ۳۷۰ ، ۱۹ : ۷۱ ، ۲۰ : ۲۶ ، ۶۷ ،

(آخری دونوں صفحوں پر عیزارۃ کی بجائے عیزار مرقوم ہے)۔

قیس بن معاذ ــــ ملاحظہ ہو مجنون بنی عامر

قیس ابن المُلَوِّح ۲ : ۱۲۹، ۱۶ : ۱۹۵، ۲۰ : ۱۲۰؛

قَیْل بن عمرو بن الهُجَیْم ۱۵ : ۱۲۴؛

ل

کاهل ۱۷ : ۳۸۶؛

ابوکاهل الیَشْکُرِیّ ۱ : ۴۱۸، ۵ : ۱۶۰، ۲۴۴، ۶ : ۶۹، ۷ : ۲۹۵، ۱۹ : ۱۶۵؛

کَبْشَة (اخت عمرو بن معد یکرب) ۱۳ : ۴۸۷؛

ابوکبیر الهذلی (هو عامر بن الحُلَیْس) ۱ : ۳۲۷، ۲ : ۴۱۹، ۴۶۲، ۳ : ۱۹۳، ۲۰۶، ۲۷۷، ۳۴۷، ۵۰۴، ۴ : ۱۲۷، ۲۰۸، ۲۹۶، ۳۱۱، ۵ : ۱۵۱، ۱۷۷، ۲۳۵، ۳۸۹، ۴۲۴، ۶ : ۴۹، ۵۱، ۱۷۳، ۲۱۰، ۲۸۲، ۲۹۷، ۳۰۶، ۳۴۳، ۷ : ۵۳، ۷۰، ۱۲۷، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۴۲، ۲۶۱، ۳۱۷، ۸ : ۱۷۸، ۱۹۳، ۱۹۸، ۲۰۲، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۶۲، ۹ : ۴۹، ۲۳۷ (؟)، ۱۰ : ۴۹، ۱۹۶، ۲۵۳، ۲۸۳، ۳۱۸، ۳۲۸، ۳۷۷، ۳۸۹، ۴۱۲، ۴۱۹، ۴۳۹، ۱۱ : ۴۶، ۸۴، ۱۰۳، ۱۳۰، ۱۴۲، ۱۷۱، ۲۱۸، ۲۲۴، ۲۳۷، ۲۴۳، ۳۲۸، ۳۴۲، ۱۲ : ۷۰، ۱۱۷، ۱۴۴، ۱۸۰، ۳۳۰، ۳۳۹، ۱۳ : ۴۳، ۵۹، ۸۲، ۹۹، ۱۱۰، ۱۲۰، ۱۸۷، ۳۵۳، ۳۶۵، ۴۲۶، ۴۴۷، ۴۶۸، ۵۱۳، ۱۴ : ۲۴، ۶۲، ۲۱۲، ۲۱۴، ۲۲۲، ۲۴۹، ۳۰۷، ۳۷۱، ۱۵ : ۴۳،

۴۶، ۶۲، ۷۰، ۱۸۵، ۲۱۴، ۳۱۰، ۳۳۳، ۱۷ : ۹۱، ۳۵۴، ۱۸ : ۷۵،
۱۳۷، ۱۴۹، ۱۵۹، ۱۹ : ۲۷۵، ۳۲۰، ۲۰ : ۱۴۳، ۱۹۲، ۲۰۲،
۳۷۹، ۳۸۱؛
ابو کَشْوَة ۱۶ : ۶۱، ۱۹ : ۸۵ (یہاں ابن کشوۃ مرقوم ہے، مگر دونوں جگہ
ایک ہی شعر ہے)؛
کُثَیِّر ـــ ھو کثیر عزة
کُثَیِّر بن جابر المحاربی ۲ : ۷۲، ۷۵، ۱۰ : ۳۰۷، ۱۶ : ۱۰۱، ۲۰۶، ۱۸ :
۳۳، ۲۴۷؛
کثیر بن سعد ۶ : ۲۳۰؛
کُثَیِّر عَزَّة (ھو ابن عبد الرحمٰن الخزاعی) ۱ : ۴۳، ۴۷، ۸۷، ۸۹، ۱۲۰، ۲۰۰،
۲۲۴، ۲۷۲، ۲۷۴، ۳۴۲، ۳۶۵، ۳۸۳، ۴۰۳، ۴۰۸، ۲ :
۲۱، ۲۲، ۴۷، ۹۸، ۱۲۲، ۱۴۵، ۲۳۴، ۲۳۸، ۲۶۳، ۳۰۸،
۳۰۹، ۳۲۱، ۳۷۷ (؟)، ۳۸۷، ۳۹۴، ۴۱۶، ۴۵۳، ۴۷۳، ۴۷۶،
۳ : ۴، ۱۳، ۶۱، ۷۴، ۲۷۵، ۳۲۱، ۳۴۷، ۴۷۲، ۴ : ۸، ۳۹،
۵۸، ۸۷، ۹۵، ۱۱۳، ۱۳۸، ۱۴۸، ۱۵۳، ۱۷۱، ۱۷۴، ۱۸۹،
۲۱۶، ۲۵۷، ۲۷۴، ۳۱۰، ۳۱۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۴۳۵، ۴۴۳،
۴۵۰، ۵ : ۱۲، ۳۴، ۳۸، ۵۹، ۱۰۸، ۱۱۵، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۵۲،
۱۵۹، ۱۷۳، ۳۹۲، ۶ : ۴۱، ۷۱، ۸۲، ۹۵، ۱۳۵، ۱۴۵، ۲۰۲،
۲۰۷، ۲۱۰، ۲۹۶، ۲۹۹، ۳۳۳، ۳۶۶، ۴۱۰، ۴۱۴، ۴۵۱، ۴۷۱،
۷ : ۵۷، ۵۸، ۱۳۰، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۶۴، ۱۹۴، ۲۰۱، ۸ : ۱۰۳،
۱۶۸، ۲۱۴، ۲۲۲، ۲۶۲ (؟)، ۳۸۳، ۹ : ۴۷، ۱۵۱، ۲۰۸، ۳۸۶، ۴۲۰،

۴۸۱ ، ۱۰ : ۴۳ ، ۵۳ ، ۵۶ ، ۱۱۴ ، ۱۶۰ ، ۲۲۴ ، ۲۳۱ ، ۲۷۵ ، ۲۹۴ ،
۳۰۸ ، ۴۰۲ ، ۴۴۱ ، ۴۴۴ ، ۱۱ : ۱۷ ، ۴۴ ، ۵۵ ، ۶۳ ، ۸۷ ، ۱۵۰ ،
۱۵۴ ، ۱۶۵ ، ۳۰۲ ، ۳۶۳ ، ۱۲ : ۴۰ ، ۶۲ ، ۷۳ ، ۹۹ ، ۱۲۷ ، ۱۳۴ ،
۱۷۹ ، ۲۴۵ ، ۲۴۷ ، ۲۴۹ ، ۲۶۵ ، ۲۶۸ ، ۳۱۳ ، ۳۱۹ ، ۳۴۶ ،
۳۹۹ ، ۱۳ : ۹ ، ۱۰۰ ، ۴۱ ، ۴۷ ، ۵۸ ، ۱۷ ، ۹۲ ، ۱۰۳ ، ۱۲۵ ، ۱۴۶ ،
۱۶۷ ، ۱۸۵ ، ۲۷۷ ، ۲۸۲ ، ۳۰۱ ، ۳۱۲ ، ۳۲۶ ، ۳۳۴ ، ۳۴۴ ،
۴۰۴ ، ۴۴۳ ، ۴۵۶ ، ۵۱۱ ، ۱۴ : ۲۵ ، ۱۰۶ ، ۱۶۱ ، ۱۷۷ ، ۱۷۸ ،
۱۹۱ ، ۲۱۷ ، ۲۹۷ ، ۳۱۱ ، ۳۱۸ ، ۳۳۱ ، ۱۵ : ۲۵ ، ۱۰۸ ، ۱۰۹ ،
۱۳۲ ، ۱۵۱ ، ۱۶۴ ، ۱۷۹ ، ۱۸۸ ، ۲۶۷ ، ۲۹۱ ، ۳۳۱ ، ۳۴۵ ،
۳۴۶ ، ۳۵۳ ، ۴۲۷ ، ۱۶ : ۱۵ ، ۱۰۹ ، ۱۱۱ ، ۱۱۵ ، ۱۹۳ ،
۲۰۷ ، ۲۲۰ ، ۲۴۵ ، ۲۴۹ ، ۲۷۰ ، ۲۸۱ ، ۲۹۹ ، ۱۷ : ۱۰ ،
۴۷ ، ۸۱ ، ۱۱۳ ، ۱۴۸ ، ۱۷۱ ، ۲۳۱ ، ۲۳۵ ، ۲۳۸ ، ۲۷۰ ،
۲۷۱ ، ۳۴۰ ، ۳۴۳ ، ۱۸ : ۷۳ ، ۷۷ ، ۷۹ ، ۸۷ (؟) ،
۱۲۰ ، ۱۲۷ ، ۱۴۲ ، ۲۰۸ ، ۲۶۴ ، ۲۹۳ ، ۳۰۴ ، ۱۹ : ۱۶ ،
۳۱ ، ۳۴ ، ۴۱ ، ۶۳ ، ۷۵ ، ۸۹ ، ۱۰۳ ، ۱۱۲ ، ۱۳۵ ، ۱۶۰ ، ۱۷۳ ،
۱۸۹ ، ۱۹۶ ، ۲۶۴ ، ۲۶۸ ، ۲۶۹ ، ۲۹۲ ، ۳۳۵ ، ۳۵۷ ، ۲۰ :
۴۳ ، ۶۰ ، ۹۶ ، ۱۰۴ ، ۱۵۱ ، ۱۶۷ ، ۲۰۳ ، ۲۰۴ ، ۲۰۶ ، ۲۳۶ ، ۲۷۴ ،
۲۸۰ ، ۲۹۲ ، ۲۹۸ ، ۳۰۱ ؛

كثير بن العنبرية ۱۳ : ۲۷۱ ؛

كُثَيِّر بن كُثَيِّر النَّوفلي ۲ : ۵۱ ؛

كُثَيِّر بن مُزَرِّد ۶ : ۸ ، ۱۳ : ۷۳ ، ۲۴۱ ، ۳۳۶ ؛

الکذاب الحرمازی ۷: ۳۰۱، ۱۲: ۲۳ (؟)؛
الکردوس بن حصن ۱۴: ۳۱۰؛
الکسعی (هو محارب بن قیس) ۱: ۲۸۹، ۱۰: ۱۸۶؛
کعب ــــ هو کعب بن زهیر المزنی
کعب بن ارقم الیشکری ۱۵: ۳۸۲ (؟)؛
کعب الاشال ۱۰: ۲۹۵، ۲۰: ۲۴۷؛
کعب بن جعیل ۲: ۱۴۶، ۴: ۲۴۲، ۶: ۶۹ (؟)، ۱۲: ۳۴، ۱۳: ۲۲۲، ۱۴: ۱۵۷؛
کعب بن زهیر المزنی ۱: ۱۳۹، ۱۴۱، ۲۱۴، ۲۹۲، ۳۶۱، ۳۸۴، ۴۰۹، ۴۳۱، ۴۶۲، ۲: ۱۶۲، ۳۰۵، ۳: ۱۲۸، ۲۱۸، ۲۳۰، ۲۶۳، ۴: ۲۶، ۲۹، ۲۲۲، ۲۳۱، ۲۵۰، ۲۷۹، ۳۲۷، ۳۷۴، ۴۳۹، ۴۵۴، ۵: ۲۱۱، ۲۱۸، ۲۵۶، ۳۱۳، ۳۲۱، ۳۹۵، ۳۹۷، ۴۲۳، ۶: ۵۲، ۱۶۸، ۱۷۴، ۲۱۶، ۲۶۱، ۳۰۱، ۴۳۵، ۷: ۱۵۸، ۲۰۰، ۲۳۳، ۲۵۴، ۲۵۹، ۳۱۷، ۳۸۱، ۳۸۲، ۸: ۱۲۸، ۳۳۱، ۳۸۴، ۹: ۲۰، ۴۰، ۴۲، ۴۵، ۴۹، ۶۱، ۱۰۳، ۱۹۸، ۲۴۱، ۴۰۰، ۱۰: ۱۶۲، ۱۹۶، ۲۹۲، ۳۷۰، ۳۸۷، ۴۴۷، ۱۱: ۷۹، ۸۲، ۱۳۲، ۱۳۸، ۲۴۵، ۲۵۳، ۲۶۰ (؟)، ۱۲: ۶۴، ۱۱۰، ۲۰۴، ۲۰۹، ۲۳۶، ۳۱۲، ۳۳۱، ۳۳۹، ۱۳: ۴۱، ۵۴، ۵۶، ۶۳، ۸۰، ۸۵، ۹۴، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۱، ۲۱۵، ۲۳۰، ۲۵۸، ۲۸۲، ۳۰۰، ۳۰۸، ۳۱۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۵۶، ۳۹۰،

۳۹۴، ۴۱۹، ۴۶۸، ۴۷۴، ۴۸۲، ۴۹۶، ۵۰۰، ۱۴: ۱۵،
۲۶، ۴۷، ۹۹، ۱۲۸، ۱۵۲، ۱۶۱، ۱۹۸، ۲۰۵، ۲۲۹،
۲۸۵، ۳۴۲، ۱۵: ۷۶، ۱۱۸، ۱۲۸، ۱۷۱، ۱۹۳، ۲۰۹،
۲۱۹، ۲۲۷، ۲۵۰، ۲۷۲، ۳۱۷، ۳۵۳، ۴۰۰، ۴۰۶،
۱۶: ۱۴۴، ۱۸۷، ۳۰۳، ۱۷: ۱۶، ۱۵۵، ۱۵۹، ۱۸۹،
۱۹۱، ۲۱۶، ۲۶۰، ۳۲۲، ۳۳۳، ۱۸: ۳۲ (؟)، ۸۲،
۱۳۰، ۱۳۷، ۲۲۵، ۲۴۶، ۲۷۰، ۱۹: ۱۰۴، ۱۲۱،
۲۵۶، ۲۰: ۶۵، ۱۲۷، ۱۶۴، ۱۸۲، ۳۴۶، ۳۶۹؛

کعب بن سعد الغنوی ۱: ۲۷۵، ۳۱۸، ۹: ۲۸۷، ۱۴:
۹۱، ۹۵، ۲۹۶، ۱۸: ۲۰۰، ۱۹: ۳۲۴ (؟)،
۲۰: ۲۵۰، ۳۰۵، ۳۴۱؛

کعب بن سُوَید الغنوی ۱۳: ۵۰۱؛

کعب بن لُؤَیّ ۳: ۴۰، ۹: ۶۵؛

کعب بن مالك الانصاری ۱: ۳۳۴، ۳۷۱، ۴۲۷، ۲: ۱۴۴،
۴۶۶، ۳: ۲۷۶، ۴: ۴۳، ۵: ۷۰، ۱۸۴، ۲۲۸، ۱۰:
۲۱۷، ۱۱: ۱۱، ۱۷۶، ۱۳: ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۷۳، ۱۴:
۶۶، ۱۷: ۶۸، ۳۰۴، ۱۸: ۳۷۱، ۵، ۸۸، ۱۹: ۸۸،
۲۰: ۲۰۱؛

کعب بن مُرَّة ۳: ۲۶۵؛

الکلابی ۱: ۳۷۵، ۹: ۵۸، ۱۴: ۱۴۶، ۱۶: ۳۰۲، ۲۰: ۴۸؛

ابن کُلثُوم ← ملاحظہ ہو عمرو بن کلثوم

الکعبۃ الیربوعی (ھو ھبیرۃ بن عبد مناف) ۲ : ۳۸۶، ۴ : ۱۷۷، ۲۸۰،
۶ : ۲۳۵، ۱۰ : ۱۲۳، ۴۰۱ (یہاں ابن الکلعبۃ مرقوم
ہے)، ۱۱ : ۹۴، ۱۲ : ۴۰۵، ۱۵ : ۱۷، ۵۹،
۱۸ : ۸۶؛
کُلَیب بن رَبیعۃ التغلبی ۶ : ۳۷۷ (؟)، ۱۰ : ۳۸۵؛
کلیب الکلابی ۱۲ : ۲۶۸؛
الکمیت ـــــ ھو الکمیت بن زید الاسدی
الکمیت بن ثعلبۃ الاکبر الفقعسی ۵ : ۳۸۶ (؟)، ۷ : ۸،
۱۰ : ۱۴۵ (؟)؛
الکمیت بن زید الاسدی ۱ : ۲۱، ۴۶، ۵۳، ۸۲، ۱۰۵،
۱۱۱، ۱۳۵، ۱۸۷، ۱۹۳، ۲۲۷، ۲۴۰، ۲۶۴، ۲۷۵،
۲۷۹ (؟)، ۲۸۸، ۳۲۱، ۳۲۸، ۳۷۳، ۴۰۰، ۴۱۰،
۴۲۸، ۴۳۴، ۴۵۳، ۴۵۹، ۴۶۵، ۴۶۷، ۴۶۸،
۴۸۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۲ : ۶، ۱۶، ۲۶، ۲۷، ۳۲،
۳۶، ۴۳، ۴۵، ۴۶، ۶۸، ۷۸، ۱۰۱، ۱۱۱، ۱۱۹،
۱۲۰، ۱۳۰، ۱۳۸، ۱۴۶، ۱۶۵، ۱۷۱، ۱۸۸، ۲۱۸،
۲۲۰، ۲۲۵، ۲۳۰، ۲۳۹، ۲۴۸، ۲۵۴، ۲۶۱، ۲۸۰،
۲۸۴، ۲۸۹، ۳۰۶، ۳۷۲، ۴۰۴، ۴۱۷، ۴۴۷،
۳ : ۳، ۲۴، ۴۳، ۸۵، ۱۴۰، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۰۵،
۲۰۸، ۲۱۴، ۲۲۷، ۳۶۷، ۳۹۲، ۴۳۴، ۴۴۱،
۴۵۹، ۴۷۰، ۵۰۲، ۴ : ۲۳، ۳۳، ۳۸، ۵۴، ۷۱،

۹۶، ۱۰۸، ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۴۱، ۱۶۱، ۱۶۷، ۱۸۸، ۱۹۳،
۲۰۳، ۳۰۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۸۱، ۳۹۹، ۴۲۱، ۴۳۸،
۴۵۴، ۴۶۰، ۴۶۲، ۴۶۶، ۵ : ۳۴، ۴۱، ۴۲،
۴۶، ۱۰۴، ۱۲۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۶۷، ۱۷۲،
۲۰۲، ۲۰۷، ۲۹۸، ۳۰۰، ۳۱۹، ۳۴۶، ۳۵۱، ۳۵۳،
۳۶۴، ۳۷۶، ۴۰۰، ۴۱۳، ۶ : ۷، ۸، ۱۲، ۱۵،
۴۶، ۶۹، ۱۷، ۸۸، ۱۶۱، ۱۷۷، ۱۸۲، ۱۸۷، ۱۹۷،
۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۴۲، ۲۴۸، ۲۶۱، ۲۶۶،
۳۱۲، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۳۶، ۳۴۴، ۳۵۷، ۴۳۴،
۴۴۷، ۴۴۸، ۴۷۳، ۷ : ۳۳، ۴۹، ۷۰، ۸۱،
۱۰۶، ۱۲۳، ۱۵۵، ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۵، ۲۳۸، ۲۵۷،
۲۶۰، ۳۱۳، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۵۴، ۳۵۷، ۳۶۷،
۳۶۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۵، ۴۳۰، ۸ : ۶، ۹،
۱۴، ۳۴، ۶۰، ۶۳، ۷۷، ۸۶، ۹۰، ۹۷، ۱۰۱،
۱۱۴، ۱۳۰، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۷۵، ۱۷۷، ۱۸۶،
۲۴۶، ۲۵۳، ۲۶۵، ۲۹۱، ۳۳۶، ۹ : ۳۵، ۴۶،
۸۳، ۸۹، ۱۵۹، ۱۶۸، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۸، ۲۱۱،
۲۱۳، ۲۳۸، ۲۴۸، ۲۶۸، ۳۹۸، ۴۲۵، ۴۲۸،
۴۴۴، ۴۷۶، ۵۰۰، ۱۰ : ۲۷، ۹۸، ۱۰۸، ۲۸۱،
۳۱۷، ۳۳۳، ۳۹۶، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۱۰، ۴۲۶،
۴۴۵، ۴۵۱، ۱۱ : ۲۱، ۶۹، ۷۸، ۱۲۷، ۱۴۶،

۱۴۸، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۸۵، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۳۱، ۲۴۸،
۲۵۹، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۵، ۲۹۱، ۲۹۵،
۳۷۵، ۴۰۱، ۴۱۷، ۴۲۰، ۴۲۱، ۱۲: ۳، ۳۶،
۴۷، ۵۸، ۸۱، ۹۰، ۱۳۵، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۹۳،
۱۹۶، ۲۰۹، ۲۲۷، ۲۵۲، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۸۶،
۳۰۶، ۳۳۰، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۶۷، ۱۳:۳۶۹، ۱۳،
۲۵، ۴۸، ۶۶، ۶۷، ۸۲، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۶، ۱۱۰،
۱۱۴، ۱۴۱، ۱۸۹، ۱۹۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۱۳، ۲۱۸،
۲۱۹، ۲۲۵، ۲۳۶، ۲۴۶، ۲۵۴، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۸۰،
۲۸۷، ۲۹۸، ۳۰۸، ۳۲۵، ۳۳۶، ۳۶۸، ۳۷۴،
۳۷۵، ۳۸۷، ۳۸۹، ۴۰۹، ۴۱۳، ۴۱۹، ۴۴۴،
۴۵۳، ۴۶۹، ۴۷۸، ۴۹۲، ۴۹۹، ۵۱۰، ۵۱۱،
۵۱۵، ۱۴: ۶، ۱۹، ۲۷، ۲۸، ۴۷، ۴۸۰، ۵۰۳،
۱۰۵، ۱۲۹، ۱۵۷، ۱۵۸(؟)، ۱۶۴، ۱۹۶، ۱۹۹، ۲۰۰،
۲۰۳، ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۲۰، ۲۲۲، ۲۳۷،
۲۷۹، ۲۹۵، ۳۱۳، ۳۱۸، ۳۲۸، ۳۵۶، ۱۵: ۲۶،
۴۰، ۷۹، ۱۰۲، ۱۰۹، ۱۲۶، ۱۴۳، ۱۴۷، ۱۵۴، ۱۵۹،
۱۷۶، ۱۹۶، ۲۱۳، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۳۵، ۲۳۸،
۲۶۰، ۲۹۲، ۳۲۲، ۳۲۹، ۳۴۸، ۱۶: ۲۰، ۵۲،
۷۹، ۱۰۳، ۱۰۸، ۱۲۳، ۱۳۱، ۱۵۸، ۱۹۰، ۲۰۳،
۲۱۸، ۲۷۸، ۲۸۸، ۱۷: ۱۱۵، ۱۲۰، ۱۳۵،

۱۵۰، ۱۹۶، ۲۰۱، ۲۰۹، ۲۵۸، ۲۸۰، ۲۹۴، ۳۲۰،
۳۳۰، ۳۳۵، ۳۵۰، ۴۳۴، ۴۶۰، ۴۶۱، ۱۸:
۸، ۲۵، ۳۴، ۴۷، ۵۱، ۶۷، ۸۰، ۸۷ (؟)،
۱۰۸، ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۳۷، ۱۵۴، ۱۸۱، ۱۸۶، ۲۰۲،
۲۰۶، ۲۱۰، ۲۲۳، ۲۴۴، ۲۴۹، ۳۰۴، ۱۹:
۱۵، ۲۷، ۷۳، ۷۸، ۹۷، ۱۰۱، ۱۴۶، ۱۷۹،
۲۴۷، ۲۶۹، ۲۸۲، ۳۰۹، ۳۲۷، ۳۳۰، ۲۰:
۳، ۱۰، ۲۴، ۳۴، ۴۸، ۵۹، ۱۰۵، ۱۳۴، ۲۰۸،
۲۲۵، ۲۲۷، ۲۳۳، ۳۰۳، ۳۰۹، ۳۳۴، ۳۴۴،
۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۹، ۳۵۷، ۳۷۲؛
الکمیت بن معروف ۱: ۳۹۸، ۳: ۶۶، ۵: ۳۸۶ (؟)،
۶: ۳۴۱، ۱۰: ۱۴۵ (؟)، ۱۵: ۹۵ (؟)؛
کِناز الحجری ۱۷: ۳۴؛
کناز بن نُفَیع ۱: ۲۰۵؛
کنان بن ربیعة ۱۳: ۲۹؛ (یہی اشعار کناز بن نفیع کی
جانب منسوب ہیں)۔
اخو کِندة (؟) ۱۵: ۱۸۷؛
الکِندِیّة ۲: ۲۷۵؛

ل

لَبید (بن ربیعة العامری) ۱: ۲۶، ۲۹، ۱۰۳، ۱۳۲،

۱۸۸، ۱۸۹، ۲۰۶، ۲۲۶، ۲۳۶، ۲۷۸، ۲۷۹،
۲۹۷، ۳۱۰، ۳۴۴، ۳۵۳، ۳۶۶، ۳۷۹،
۳۸۰، ۴۰۸، ۴۵۵، ۴۶۱، ۴۶۷، ۴۷۵، ۴۷۶،
۴۷۷، ۴۸۰، ۴۸۶، ۲ : ۱۳، ۵۸ (؟)، ۱۷،
۱۰۱، ۱۰۵، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۴۸، ۱۶۰، ۱۶۳، ۱۶۷،
۱۷۳، ۱۸۵، ۱۸۹، ۲۰۳، ۲۳۷، ۲۴۸، ۲۵۶،
۲۶۴، ۲۷۰، ۲۷۲، ۲۷۶، ۳۱۹، ۳۴۱، ۳۶۲،
۴۳۳، ۴۳۹، ۴۷۸، ۳ : ۱۶، ۱۸، ۵۳، ۵۸،
۵۹، ۷۸، ۸۵، ۸۹، ۱۱۱، ۱۱۸، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۳،
۱۵۷، ۱۵۸، ۱۸۲، ۲۰۹، ۲۱۸، ۲۲۵، ۲۳۶،
۲۳۷، ۲۵۰، ۲۵۴، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۸۰، ۲۹۳،
۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۹، ۳۴۰، ۳۴۵، ۳۹۱، ۴۰۹،
۴۱۰، ۴۳۵، ۴۵۱، ۴۶۷، ۴۷۳، ۴۹۱، ۵۰۰،
۵۰۳، ۵۰۷، ۵۰۸، ۴ : ۳۵، ۶۴، ۷۱، ۸۲،
۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۱۳، ۱۲۹، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۸۴،
۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۵، ۲۰۵، ۲۴۳، ۲۷۳، ۲۷۹،
۲۸۴، ۲۸۵، ۲۹۸، ۳۱۸، ۳۲۰، ۳۲۵، ۳۳۱،
۳۳۸، ۳۵۷، ۳۷۲، ۳۸۰، ۳۹۷، ۴۰۲، ۴۳۰،
۴۳۸، ۴۴۳، ۴۵۸، ۴۷۴، ۵ : ۴، ۱۹، ۲۰، ۴۵،
۴۸، ۸۸، ۹۶، ۱۱۶، ۱۲۴، ۱۲۸، ۱۴۲، ۱۵۹، ۱۶۴،
۱۶۶، ۲۱۸، ۲۳۵، ۲۴۰، ۲۶۳، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۷۳،

۲۹۶، ۳۰۴، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۴۰، ۳۴۴، ۳۵۹،
۳۶۱، ۳۸۱، ۳۹۴، ۳۹۶، ۴۰۳، ۶: ۵، ۸،
۱۱، ۱۳، ۲۳، ۲۷، ۴۷، ۴۸، ۶۴، ۶۶، ۹۱،
۱۰۹، ۱۱۸، ۱۸۳، ۱۸۹، ۱۹۹، ۲۰۸، ۲۱۹،
۲۲۶، ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۴۹، ۲۵۴، ۲۶۲، ۲۷۲،
۲۸۰، ۲۸۱، ۲۹۴، ۳۱۴، ۳۳۴، ۳۵۰، ۳۵۳،
۳۵۵، ۳۶۸، ۳۷۹، ۳۸۴، ۳۸۵، ۴۰۱،
۴۰۸، ۴۱۷، ۴۲۱، ۴۴۸، ۴۶۳، ۴۶۵، ۷:
۹، ۲۹، ۳۲، ۵۴، ۵۹، ۸۶، ۱۰۳، ۱۱۵، ۱۱۷،
۱۲۶، ۱۳۲، ۱۵۲، ۱۶۳، ۱۷۳، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۱۱،
۲۱۷، ۲۲۹، ۲۵۳، ۳۱۹، ۳۸۲، ۳۹۴، ۴۳۱،
۸: ۱۲، ۳۵، ۸۲، ۹۴، ۹۶، ۱۱۲، ۱۶۰، ۱۶۱،
۱۶۴، ۱۷۸، ۱۸۹، ۱۹۸، ۲۲۱، ۲۸۹، ۳۰۹، ۳۲۶،
۳۵۰، ۳۶۸، ۳۷۹، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۸، ۹:
۳۱، ۳۴، ۳۸، ۴۵، ۷۰، ۸۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۳۵،
۱۵۳، ۱۷۱، ۱۸۶، ۲۲۱، ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۷۵، ۲۹۳،
۳۰۰، ۳۷۹، ۳۸۶، ۳۹۸، ۴۰۵، ۴۲۷، ۴۴۰،
۴۵۶، ۴۵۷، ۴۶۹، ۴۷۳، ۴۷۷، ۴۷۹،
۴۸۲، ۴۸۸ (؟)، ۴۹۳، ۱۰: ۱۱، ۱۸، ۱۹، ۳۹،
۵۶، ۵۷، ۵۹، ۶۰، ۶۲، ۶۵، ۶۷، ۶۹، ۹۱،
۹۴، ۱۰۳، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۵، ۱۴۹،

فروری ۱۹۳۸ء

ضمیمہ

اورینٹل کالج میگزین

منجانب

عربک اینڈ پرشین سوسائٹی

پنجاب یونیورسٹی

لاہور

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	مضمون نگار	صفحہ
۱	آدینہ بیگ خاں		۳
۲	تنقید و تبصرہ		۲۱
	۱۔ برہان آئز	سید اولاد حسین شاداں بلگرامی	۲۱
	۲۔ رسالہ جامعہ		۲۴
۳	مطلع السعدین (سلسلہ کے لئے دیکھیں اورنٹیل کالج میگزین بابت نومبر ۱۹۳۳ء)	مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے، پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور	۱۹۳ تا ۲۲۴

(گلابی الیکٹرک پریس میکلوڈ روڈ لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین بیرسٹر چھپا اور ابو صدیق احمد خاں نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔)

آدینہ بیگ خاں

۱۹۳۶ء میں ادارۂ معارف اسلامیہ کے اجلاس دوم منعقدہ لاہور میں جب راقم نے پنجاب کے آخری مغل وائسرائے آدینہ بیگ خاں کے متعلق ایک مقالہ بزبانِ انگریزی پڑھا۔ تو اُس وقت ذیل کا مضمون حوالے کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ یہ مضمون ایک مخطوطے کی صورت میں برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ یہ مخطوطہ اپنی نوعیت کی واحد تصنیف ہے۔ اور اس کا اور کوئی نسخہ برٹش میوزیم کے نسخے کے سوا کہیں دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس مخطوطے میں آدینہ بیگ خاں کے سوانح حیات تفصیل سے درج کئے گئے ہیں۔ ادبی لحاظ سے یہ تصنیف ناکارہ ہے۔ فارسی ٹوٹی پھوٹی بلکہ غلط لکھی گئی ہے۔ کئی الفاظ کے ہجا غلط ہیں۔ مثلاً یحییٰ، نذرانہ، شرقپور، عبدالصمد خاں، قلعہ، قونگویاں، قفس، قولنج کو بیئے، نظرانہ، شرک پور، سمد خاں، قعلہ، کانگویاں، تفص، کلنج لکھا گیا ہے کئی ایک سنین بھی غلط درج کئے گئے ہیں۔ جن کی تصحیح راقم نے حتی المقدور کی ہے۔ مخطوطے کا متن بجنسہٖ نقل کر دیا گیا ہے۔ صرف حاشیے کے نوٹ اور خطوط کے درمیان کی عبارت راقم کا اضافہ ہیں جہاں متن کے الفاظ سے کوئی بامعنی عبارت نہیں بن سکی۔ وہاں حاشیے میں ایسی عبارت تجویز کی گئی ہے جس سے مفہوم معین ہو سکتا ہے +

تاریخی لحاظ سے اس تصنیف کو اتنی اہمیت ضرور حاصل ہے۔ کہ اس میں آدینہ بیگ خاں کے متعلق وہ تمام واقعات یکجا جمع کئے گئے ہیں۔ جو دیگر کتب تاریخ میں منتشر طور پر ملتے ہیں +

اس مخطوطے کے مصنف کے متعلق تحقیق کرنے سے بھی کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ لیکن یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصنف نے ۱۸۰۶ء کے نواح میں یعنی آدینہ بیگ خاں کی وفات سے قریباً پچاس برس کے بعد یہ حال قلمبند کیا۔ ملاحظہ ہو ورق ۶۱ و ۶۲

'در وقت خالصہ جی . . . علاقہ . . . ہم شاملِ آدینانگر بود'

'در ۱۸۰۶ء ازاں روئے آب ستلج عملداری سرکار کمپنی گردید'

بعض باتوں سے یہ بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ کہ مصنف غیر مسلم ہے۔ اور پنجاب کا باشندہ ہے مثلاً ورق ۶۱ پر 'مدعاکہ' کا استعمال 'مجملاً' کے معنوں میں کیا گیا ہے۔ جو خالص پنجابی عوام کا تکیہ کلام ہے چونکہ دو ہجری سنین کے سوا باقی تمام سنین بکرمی یا عیسوی ہیں۔ اس سے یہ گمان ہوتا ہے۔ کہ مصنف غیر مسلم ہے ۔

اس مخطوطے میں جن واقعات کو قلمبند کیا گیا ہے۔ یہاں مجملاً اُن کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے مصنف کا بیان ہے۔ کہ آدینہ بیگ خاں قوم کا ارائیں تھا۔ اور شرقپور پٹی متصل لاہور میں ایک شخص جنو کے ہاں پیدا ہوا تھا۔ اُس کا بچپن جلال آباد، خان پور اور بجواڑہ میں گذرا اور اس کی ابتدائی تربیت مغلوں کے گھر میں ہوئی۔ وہ کچھ عرصہ سپاہی رہا لیکن بعد میں یہ کام چھوڑ کر موضع جسووال (ضلع لدھیانہ) میں پٹواری ہو گیا۔ پٹواری کے عہدے سے ترقی کرتا ہوا وہ سلطان پور کا کاردار ہوا۔ اور پھر دوآبہ جالندھر کا حاکم مقرر ہوا۔ سازش کرنا آدینہ بیگ خاں کا محبوب مشغلہ تھا۔ اور اس سازش کے نتائج سے وہ ہمیشہ اپنا مستقبل استوار کرتا تھا۔ لاہور پر اپنا قبضہ جمانے کے لئے وہ مختلف چالیں چلتا رہا۔ کبھی لاہور کے گورنر کو مرکزی حکومت کے خلاف اُکساتا۔ کبھی سکھوں سے مل کر شورش برپا کرتا۔ بلکہ ضرورت پر مرہٹوں کو پنجاب میں بلانے سے بھی اُس نے دریغ نہ کیا۔ لیکن جب اس کا مطلب حل ہو جاتا تو وہ کسی سے تعلق نہ رکھتا۔ اسی طرح وہ رفتہ رفتہ پنجاب کا وائسرائے مقرر ہو گیا۔ اور لاہور، جالندھر، ماجھہ کے علاوہ کوہستان کے راجوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی ۔

لیکن اُسے حکومت کرنے کا بہت کم موقعہ ملا۔ اور وہ ۱۷۵۸ء میں خانپور متصل ہوشیار پور میں فوت ہو گیا۔ وقائع نگار کا بیان ہے۔ کہ اس کی قبر اسی موضع میں ہے ۔

چونکہ آدینہ بیگ خاں نے ساری عمر شادی نہ کی۔ اور موت سے چند ماہ قبل ایک سید عورت سے نکاح کر کے اس سے بھی ازدواجی تعلقات منقطع کر لئے۔ لہٰذا اس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اور وہ اپنا کوئی وارث چھوڑ کر نہ گیا ۔

محمد باقر ملک

احوال آدینا بیگ خاں

(ورق ۵۰) میگویند کہ آدینا بیگ خاں قوم ارائیں درخانہ چنو نامی شخصی ساکن موضع شرک پور[1] پٹی متصل لاہور ولادت یافت و درخانہ مغلاں پرورده شد۔ واکثر اوقات در جلال[2] آباد و خان پور و بجواڑہ صرف اوقات میکرد۔ گرار سبب مفلسی سپاہ پیشہ و محصلی موضع جیووال[3] کہ معروف باسم کنگ در علاقہ لوہیاں واقع است می نمود۔ چونکہ مرد قابل و حساب دان بود و قد و قامت دراز بعد چند سال بوساطت ضمانت لالہ سری نواس قوم دہیر ساہوکار سلطان پور پریہ اجارہ پنجشش مواضع در علاقہ کنگ گرفت۔ و آئندہ سال را تمام علاقہ کنگ گرفت۔ چوں علاقہ ہذا شامل علاقہ سلطان پور بود معاملہ آن متفق؟ ہمراہ آدینا بیگ خاں در لاہور می رسید۔ اتفاقاً حاکم ضلعہ سلطان پور وفات یافت۔ آدینا بیگ خاں بسازش متصدیان دفتر وخزانہ بحضور نواب خان بہادر حاضر شد۔ بہ متصدیان حکم رفت کہ ضامنی این کس قبول کنید پس بضمانت لالہ سری نواس بعہدہ علاقہ سلطان پور سرفراز گشتہ وارد علاقہ خود گشت۔ و لالہ سری نواس را مختار ملک کرد۔ و برادر کلانش کہ بہوانی و اس نام داشت و فارسی می دانست مالک دفتر خود ساخت۔ و روز بروز ترقی گرفت۔

پس در سنہ ۱۷۹۵ء کہ نادر شاہ ہندوستان را تسخیر کردہ وارد لاہور شد مبلغ سہ کروڑ روپیہ مفصلہ ذیل تاوان گرفت۔ بنام نواب خان بہادر یک کروڑ۔ و عوض آن تاوان صاحب زادہ فلور خان کہ از حضور بادشاہ خطاب شہنواز خاں یافتہ بود و در ضامنی شامل رکاب رفت۔ و بنام دیگر امیران لاہور یک کروڑ بابت آن ولپت رای پسر لکھپت رای دیوان تا ادای مبلغات شامل رکاب ماند و بنام مردمان شہر یک کروڑ۔ در ادای تاوان تمام شہر تباہ شد۔ وقتیکہ آدینا بیگ خاں حاکم سلطان پور بود فوج غلزئی

---

[1] شرقپور۔ [2] موضع جلال آباد در پائے بیاس کے کنارے ۲۵° ۳۱' طول بلد اور ۱۲° ۷' عرض بلد پر واقع ہے (دیکھو سکھوں کی عملداری کا نقشہ از جان واکر Walker)۔ [3] موضع کنگ تحصیل نکودر کا ایک گاؤں ہے اور لوہیاں سے دو تین میل کے فاصلے پر بنر بین کے جنوب میں واقع ہے (دیکھو ضلع جالندھر کی گزیٹیر ۱۹۰۲ء صفحہ ۳۵) ممکن ہے کسی وقت اسے جیووال بھی کہا جاتا ہو۔ [4] مطابق ۱۷۳۸ء عیسوی۔

بسیار جا آتش زدند۔ مگر آدینا بیگ خاں بہ حکمت عملی ہزار گونہ تردد کردہ و صد ہا روپیہ خرچ نمودہ (ورق ۵۱) بسیار یرغمالان زنانہ و مردانہ موضع ٹھٹھہ و مہٹہ را رہائی دہانید ؛

و در ۱۷۹۸ء[1] نادر شاہ وفات یافت و در ۱۷۹۹ء احمد شاہ بر تخت نشست۔ بعد رفتن نادر شاہ نواب خان بہادر از طلب تقاضای مردمان فوج تنگ آمدہ دیوان لکھپت رای را حکم ادای طلب فوج فرمودند۔ بواسطہ عذر قید شد۔ و برادرش جیپت رای ہم گرفتار آمدند۔ جیپت رایے کہ دانا بود عرض کرد کہ موجب قید اگر ہمین معاملہ است ارشاد شود کہ تجویز آن کنم۔ و اگر تقصیر دیگر است از جان گذرانید۔ نواب خان بہادر فرمود کہ تنخواہ تمام فوج از خود ادا کن۔ عرض کرد کہ اگر دیوان لکھپت رای برادرم را خلعت بخشند ہم در عشرہ فارغ خطی تمام فوج گرفتہ حاضر کنم۔ پس نواب قبول کرد۔ لالہ ممدوح تمامی افسر از لبسازش و حسن سلوکی دست آویز خود نوشتہ داد و فارغ خطی از تمام فوج گرفتہ پیش از ہشت روز بحضور نواب صاحب گذرانید۔ نواب ازین معنی خورسند شدہ آفرینہا فرمودند۔ درین موقع لالہ مذکور عرض کرد کہ لکھہا روپیہ در بسیار جا ایگاں افتادہ و سوائے حکم حضور بدست نمی آید۔ اگر حکم شود ازان جا ہا فراہم کنانیدہ داخل خانہ سرکار کنم۔ نواب حکم کرد کہ از ہر جا فراہم کن۔ باز لالہ مذکور عرض کرد کہ سوای تہدید و درشتی فراہم نخواہد شد۔ نواب خان بہادر حکم کرد کہ تو مختار ہستی، طور یکہ خواہی از ہر کس گرفتہ حاضر کن ؛

پس لالہ مذکور اولاً از میر سید مومن شاہ کہ مقرب خاص خان بہادر بود بابت اضافہ جاگیرش طلب حساب کرد۔ میر مذکور گفت کہ من جاگیردار نیستم۔ از من بکدام راہ حساب می طلبید۔ نواب ازین معنی میر مذکور را خفہ شد کہ چرا حساب نمی دہی۔ مشارالیہ از خفگی نواب ترسیدہ ہماں وقت یک لکھہ روپیہ رانشان داد۔ ازین رو تمام اہل حساب ترسیدند و لکھہا روپیہ خود بخود حاضر کردند ؛

درین اثنا آدینا بیگ خاں را برائے حساب در لاہور حاضر کردند۔ و آدینا بیگ خاں وقت شب تنہا بخانہ دیوان لکھپت رائے برائے ملاقات رفت۔ و عرض رسانید کہ آدینا حاضر است

---

[1] مطابق ۱۱۴۱ھ ہجری۔ یہ سن غلط درج کیا گیا ہے۔ تمام کتب تاریخ اس پر متفق ہیں کہ نادر شاہ ۱۷۴۷ء میں قتل ہوا تھا۔

دیوان مذکور از استماع عرض او متوجہ بحالش نشدند۔ و آدینا بیگ خاں شکستہ دل برگشتہ بڈیرہ خود رسید۔ چون در معاملہ آدینا بیگ خاں بسبب زیادتی خرچ او کمی تمام بود لہذا ارسال مال بخزانہ نواب خان بہادر داخل نشد۔ ولیکن بشرط سازش و حسن سلوکی او کہ ہمراہ عملہ دربار و متصدیان سرکار میداشت عدم ارسال مالش ہمچناں (ورق ۵۲) چند مدت پوشیدہ ماند۔ آخر وقت حساب چند کسان مفصلہ ذیل گرفتار شدند۔ آدینا بیگ خاں، بہوانی داس، چودھری ندہان سنگھ ساکن متصل بٹالہ۔ تا مدت یک سال قید ماندند۔ بعدش لالہ بہوانی داس بضمانت لالہ سری نواس ادای محاسبہ را زمہ خود کرد۔ و آدینا بیگ خان را از قید رہائی دہانید ؛

چوں آدینا بیگ خان در قید بسیار آزار یافتہ بود۔ لہذا بی اطلاع وقت شب فراری شدہ در کوہ جیوال رفت و بہوانی داس ازین معنی بسیار مورد عتاب گردید۔ بلک در دیگ نشانیدہ گرم کردند۔ ہر چند بدنش از آتش آزار کشید لیکن از راہ نمک حلالی ہیچ نشان کاغذ آمدنی و خرچ و امانت (آ) دینا بیگ خان بر زبان نیاورد۔ ہمیں عرض کرد۔ کہ ہر قدر کہ حضور فرمانید از مال و جان حاضرم۔ اما گذارش حساب سوای بالمواجہہ خاوند خود صورت نہ بندد۔ چون مزاج دیوان لکپت رای منصف و قدردان بود بر نمک حلالی معزالیہ آفرینہا گفتہ آنرا از دیگ بیرون کنانید و در تخبیہ پیچانیدہ بمکان محفوظ داخل کرد۔ و حکما را فرمودند کہ علاج کنند۔ حکماء علاج کردند۔ وقت صحت کہ در دربار طلب داشت حکم شد کہ ہر خدمتی کہ خواہی مامور کردہ خواہد شد۔ لالہ مذکور عرض کرد کہ اگر توجہات و رحمت فرمانید خاوندم (آ) دینا بیگ را طلبیدہ مامور فرمانید و در یکسال معاملہ حساب از وی تا دامی داخل خزانہ حضور کنم ؛

نواب صاحب ہماں وقت پروانہ تسلی بطلبش فرستاد۔ چوں (آ) دینا بیگ خان حاضر شد بہ تہدید و وعید خلعت دادہ مامور ملک کرد۔ اگرچہ (آ) دینا بیگ خان ماموری ملکداری گشتہ خورسند گشت۔ لیکن از نواب خان بہادر بسیار می ترسید۔ چوں در ۱۱۸۱ھ[1] نواب خان بہادر فوت شد۔

---

[1] مطابق ۱۷۶۷ء عیسوی۔ تمام متداول تاریخوں میں عضد الدولہ نواب زکریا خاں خان بہادر کا سن وفات ۱۱۸۲ھ درج ہے۔ کیونکہ اس کی وفات نادر شاہ کے قتل سے کچھ عرصہ بعد واقع ہوئی ہے ؛

یحییٰ[1] خاں پسر نواب خان بہادر کوس نوابی نواخت - ہنوزش کہ ورملک تسلط ونفوذ نشدہ بود کہ از نوابی موقوف گردید - وبجایش شہنواز خان برادر خورد برتخت نشاندند ؛

بعد عرصہ احمد شاہ دُرانی در ۱۸۰۲ء[2] از ولایت آمد وشہنواز خاں ہمراہش جنگ کردہ شکست خورد - وگریختہ در ملتان رفت - ودرآ، دینا بیگ خان کہ چون بخت او یاور بود درین افراط وتفریط و شاہ گردی بملک خود ہمچنان درامان ماند وفوج وخزانہ بسیار جمع کردہ در ۱۸۰۴ء[3] ہمراہ سکھاں مفصلہ ذیل بسبب عدم اطاعت پذیری کہ ہرکس بجاہای خود وہم نخوت می زدند جنگ کردہ فتح یافت ؛

گنڈا سنگھ بھنگی ،

جھنڈا سنگھ بھنگی ،

جسا سنگھ رام گہڑیہ ،

حقیقت سنگھ کنہیہ ،

جی سنگھ کنہیہ ،

امر سنگھ کنہیہ ،

(ورق ۵۳) ہرگاہ کہ احمد شاہ بدوا بہ آمدہ بود (آ) دینا بیگ خان درکوہ جمون در راجپور رفتہ دفع الوقتی نمودہ بود - وہمراہ احمد شاہ وزیر قمر الدین کہ محمد شاہ بادشاہ آنرا از دہلی برائے مقابلہ مامور کردہ فرستادہ بود متصل سرہند جنگ کرد - ولشکر احمد شاہ شکست خوردہ از گذر گران ؟ در پی آب عبور کردہ بولایت رفت - ووزیر قمر الدین در جنگ سرہند بضرب گولی تفنگ فوت شد - یک شخص خواجہ خاصی نامے کہ در فوج وزیر قمر الدین بود مرد قابل وکار آزمودہ بود - از مرگ وزیر مذکور کسی را آگاہ شدن نداد - وہمچناں باشارت انگشت خود فوج را تہوری ودلیری) دادہ ماند وبسر کردگی منون خان

---

[1] یحییٰ خان ؛ [2] مطابق ۱۸۰۱ء عیسوی لیکن یہ سن بھی غلط ہے - احمد شاہ پہلی مرتبہ لاہور میں ۱۸۰۲ء میں آیا ہے اور شہنواز خاں شکست یاب ہوکر دہلی بھاگ جاتا ہے (دیکھو تاریخ پنجاب مصنفہ سید محمد لطیف صفحہ ۲۱۷)

[3] مطابق ۱۸۰۴ء عیسوی ؛

کہ فرزند وزیر مرحوم بود تا دریائے چہلم عقب گیران احمد شاہ رفت ۔

و آدینا بیگ خان از کوہ جبون و راجپور باز بملک خود آمدہ متصرف گشت ۔ و چندین ضلعہ دوآبہ شامل گردیدند ۔ ہمدراں سال ۱۸۰۴ء محمد شاہ بادشاہ دہلی فوت شد ۔ و پسرش کہ احمد شاہ نام داشت بر تخت نشست ۔ فرمان نوابی و صوبہ داری لاہور بنام نواب منوں خان کہ فرزند وزیر مرحوم بود ۔ صادر شد ۔ و صفر اللہ بانتظام مہام صوبہ داری پرداخت ۔ آدینا بیگ خان را مرد لایق و قابل دانستہ سرفراز داشت ۔

در ۱۸۰۴ء کوڑا مل دیوان از حضور نواب منو خان باستخلاص صوبہ ملتان مامور گشت ۔ شہنواز خان دران مقابلہ مرد میدان شد ۔ بعد مراجعت کوڑا مل ہنوز نواب منو خان از بندوبست ملک فراغت کلی نشدہ بود کہ در ۱۸۰۵ء احمد شاہ باز از ولایت تاخت آورد ۔ نواب منو خان بجنگ پیوست ۔ اگرچہ پنج شش ماہ مورچہ بندی میان ماند گر فوج احمد شاہ شکست خوردہ فراری شد و فتح بنام کوڑا مل گشت ۔

شخصی افغان قصور یہ کہ ملازم نواب منو خان بود و افسر چند سواران بود در شک خورد کہ فتح بنام ہندو آمد و ما محروم ماندیم ۔ بضرب تفنگ کوڑا مل را کشت ۔ چون مسموع شد کہ کوڑا مل فوت شد ۔ (ورق ۵۴) فوج احمد شاہ قوی دل بود و بمشکر نواب منو خان حملہ کرد ۔ چنانچہ فوج خان مذکور فراری گشت ۔ پس احمد شاہ بعد فتح داخل لاہور شد ۔ و نواب موصوف شرمسار بودہ حاضر بلاہور گشت ۔ حکم شاہی در بارہ اش نفاذ یافت کہ ہر کس کہ ہمراہ بادشاہان بی ادبی سازد سزایش چیست ۔ نواب مذکور بسیار شرمندہ شدہ عرض کرد کہ اگر سود اگر مستی بندہ را بفروش و اگر بادشاہی ببخش ۔ بادشاہ فرمود کہ

---

۱ مطابق ۱۷۴۷ء عیسوی ۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی ۱۷۴۸ء میں فوت ہوا تھا ۔ (دیکھو تاریخ پنجاب مصنفہ سید محمد لطیف صفحہ ۲۱۹) ۲ مطابق ۱۷۴۸ء عیسوی لیکن یہاں احمد شاہ کے جس حملے کا ذکر کیا گیا ہے ۔ وہ ۱۷۵۱-۵۲ء میں کیا گیا تھا کیونکہ جس جنگ میں دیوان کوڑا مل مارا جاتا ہے ۔ وہ اسی سن میں ہوئی ہے ۔ (دیکھو تاریخ پنجاب مصنفہ سید محمد لطیف صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳) ۔

بخشیدم وملک تو بتو عنایت کردم ؛

درین اثنائے نواب عرض کرد ای بادشاه شهر از دست تطاول فوج مغلئی غارت میگردد بادشاه فوج را از تعدی منع فرمود - مگر بنواب منو خان معرفت شاه ولی وزیر یک کروڑ روپیه نظرانه[1] مقرر شد ؛

پس لشکر شاهی روانه بدهلی گشت - ازین معنی آدینا بیگ خان از خوف ورود لشکر شاهی باز درکوه جمون وراجپور که دوراه آدینا بیگ خان مشهور است متواری و پوشیده سلامت ماند - درانوقت ابتدائے ظهور سکهان شده بود - آدینا بیگ با خالصه سازش میداشت - چنانچه بگورو صاحب وڈبهاگ سنگه خود وچودهریان پهگواڑه صفائی کرد ؛

ووقت مراجعت فوج شاهی بدهلی نواب منو خان موافق رنجیدگی درویش از اسپ فرود افتاده فوت شد - مگر بادشاه وقت مراجعت از دهلی شاهزاده طهمورشاه[2] را بوزارت جهانخان درلاهور مامور فرموده خود بولایت رفت - هنگام مراجعت لشکر که آواز تعین شاهزاده طهمورشاه درلاهور رسید (آ) دینا بیگ خان از بیمعنی اندیشه کرد که اکنون کارخوار است - بدون متابعت شاهزاده گذاره نخواهد بود - ازراه دوراندیشی شهاب خان بگیو والیه وچودهری صاحب خان نوشهریه ودهرم داس نرنجنیه وچودهری جودها نگری ورائے براهم کپور تهلیه رابطور وکالت معه تحایف بحضور بادشاه فرستاده مستدعی عفو تقصیرات عدم احضار گردید - چون وقت مراجعت ڈیره شاهی دراثناء راه چند جائے قوم خالصه مصدر ایذا وخرابی شده بودند وهم دروقت روانگی (ورق ۵۵) چون سیماب قرار نکردم روانگی شد لاجرم براه بلند حوصلگی ودوربینی نواختن و بحال داشتن (آ) دینا بیگ خان مقرون صواب تصور یده بنابر ماموری ومختاری ملک بدستور وانقیاد دو

---

[1] نذرانه - یہاں حاشیے میں ذیل کی عبارت درج ہے :-

منو خان شصت لکھ نقد از توشه خانه خود وبستلکھ راغله وزیور ده لکھ از امرایان خویش ده لکھ معاف شد ،

[2] از دهلی ؛ ← تیمورشاه ؛

متابعت شاہزادہ پروانہ عالی عطا فرمود ٭

(آ) دینا بیگ خان از اقامت شہزادہ در لاہور خار حسرت بجگر خوردہ و بدبختی خود نگاہ کردہ اگرچہ بظاہر در اطاعت و چاپلوسی براہ نوشتخواند بحضور شاہزادہ قصور نورزید لیکن بطور پوشیدگی معرفت معتبران براہ فریب با میران فوج مرہٹہ سازش و رابطہ انداختہ بنمایش طمع یک لکھ کوچ و پنجاہ ہزار مقام لشکر مرہٹہ بانیطرف کنانید۔ چوں لشکر مرہٹہ متصل بٹالہ رسید (آ) دینا بیگ خان دکہ امروی متفنی بود پیشگی خود شامل ڈیرہ مرہٹہ شدہ بخدمت شاہزادہ طیمور شاہ و جہانخان وزیر پیوست کہ لشکر مرہٹہ (مانند) بلا ناگہانے از دکہن آمدہ فدوی براہ زمانہ سازی ہمراہ شدہ۔ از انجا کہ نمک پروردہ حضور ام براہ نمک حلالی معروض داشتہ ام کہ مناسب وقت ہمین است کہ عرضی بندہ بعد عبور از دریاے راوی بملاحظہ شریف در آرند۔ یک ساعت توقف جایز نفرمایند کہ کوچ این مردم تا یک صد کروہ روزمرہ می باشد۔ مناسب کہ جلد تر بانیطرف کوچ فرمایند ٭

بمجرد استماع این خبر شاہزادہ معہ وزیر روانہ ولایت شد۔ و فوج مرہٹہ تا کنارہ اٹک عقب گیران بودند۔ و سمد خان عمون احمد شاہ ولایتی کہ در سرہند بود بتقید مرہٹہ آمد۔ بعدش معرفت (آ) دینا بیگ خان خلاصی یافت و بطرف ولایت رفت ٭

بعد ازان کہ سلطنت شاہ جہان آباد سست شدہ (آ) دینا بیگ خان خطاب نوابی بنام خود کہ سواے لاہور مالک ملک دوآبہ یعنی بست جالندھر و ماجھہ و کوہستان (بود) کنانید و بموجب تفصیل جمعیت افواج مستجمع گردانید۔ و دران وقت ہمہ سرداران این ملک و کوہستان و سکھان متابعت (آ) دینا بیگ خان می کردند۔ و (آ) دینا (ورق ۵۶) بیگ (خان) از راہ دور اندیشی تمام

لہ بانفرف ٭ احمد شاہ ۱۷۵۱ء میں جب پنجاب کو فتح کرتا ہے۔ تو لاہور کو اپنے بیٹے شہزادہ تیمور شاہ کی تحویل میں چھوڑ کر زکستان چلا جاتا ہے۔ اس وقت عبدالصمد خان محمد زئی کو سرہند کا گورنر مقرر کیا جاتا ہے۔ اور یہی عبدالصمد خان بعد میں سرہند میں مرہٹوں کے ہاتھ شکست کھاتا ہے۔ 'سمد خاں' سے مصنف کی مراد غالباً عبدالصمد خاں ہے۔ لیکن یہ کہیں سے معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ یہ عبدالصمد خاں احمد شاہ کا چچا بھی تھا یا نہیں ٭

رئیسان سازش و رابطہ می داشت ۔ واز رعایا خراج باسلوبی وزمی میگرفت ۔ وخرچ افزون بود لاجرم مدام متر صد زر وخیال اخذ وگر ساہوکار مالدار مے داشت ۔

تفصیل فوج این است :

سوار خبردار

صد ہزار

پیادہ ہوشیار

یک ہزار

جاگیرداران کوہستان وغیرہ سوار و پیادہ

یک ہزار

ہرکارہ اخبار ادرس؟ جواب تعلق تحصیلدار

سہ یک ۳۹۵ نفر

کاہ تراش وبہلیہ

صد ہزار

پیادہ و نفر تصدق خوار ؛

صد ہزار

اکثر مردمان مسلمان واند کی سکھان مثل جسا سنگھ رام گہڑیہ و دیگر ملازم بودند ۔ افسران فوج اول عزیز بیگ خان بعد ش لالہ بشنبر داس ؛

چون خرابی احوال پنجاب وسرکشی (آ) دینا بیگ خان بگوش اہالیان دربار بادشاہ دہلی رسید از شاہجہان آباد قطب شاہ رسیلہ در ۱۸۱۲ء معہ افواج قاہرہ بانتظام انیطرف آمد (آ) دینا بیگ خان اطلاع یافتہ سوای مقابلہ مصلحت ندید ۔ چرا کہ اندیشید کہ اگر فوج بادشاہی درین ملک آید

؎ یعنی گھسیارہ ؛

سرداران وزمینداران این ملک ضرور اطاعت پذیر شاہی خواہند شد۔ مبادا کہ مرا گرفتار کردہ حوالہ کنند چون فوج مذکور متصل ماچھی واڑہ رسید (آ) دینا بیگ خاں از پیش سوار شدہ برلب تلہ خشک در موضع بہلول پور با فوج بادشاہی مقابلہ کرد۔ (آ) دینا بیگ خان شکست خورد و تمامی افسران مثل عزیز بیگ وغیرہ رو بفرار نہادند۔ (آ) دینا بیگ خان ہم مستعد فرار گردید۔ درین اثنا لالہ بشنبہر داس کہ با لمواجہہ سوار شدہ ایستادہ بود عرض نمود کہ اگر درین وقت حضور روگردان شوید حیف است۔ و خاک بر سر تو خواہد افتاد اگر درین مقابلہ خواہیم مرد البتہ نام خواہد ماند و الا روسیاہی ہر دو جہان خواہد ماند۔ نواب (آ) دینا بیگ خان از استماع این کلام سر بگریبان تامل فرو برد و اندیشید کہ حالا مردن بہتر است۔ از زندگی بخود قایم شد و ارادہ جنگ کرد ۔

از انجا کہ تائید آسمانی و نیروی بخت شامل حال بود ناگاہ قطب شاہ رسیلہ کہ افسر فوج بادشاہی بود بضرب گولی تفنگ فوت گشت۔ و تفرقہ در فوج شاہی افتاد۔ و فوج (آ) دینا بیگ خاں حجیت یافت و غالب آمد۔ و مال و اسباب بسیار از ڈیرہ شاہی غارت کرد (آ) دینا بیگ خاں ازین فتح خورسند گشتہ چادر فیروزی بر سر کشیدہ غنودہ ماند بر فرش استراحت ارام فرمود۔ و لالہ بشنبہر داس را ارشاد داد کہ نذرات[1] این فتح از افسران فوج خود شما بگیرید۔ پس تمام افسران لالہ مذکور (را) نظرات[1] دادند۔ عزیز بیگ ہم آمدہ نذر گزارش (ورق ۵۷) کرد۔ لالہ بشنبہر داس خواست کہ نظر[1] بگیرد۔ عزیز بیگ گفت کہ تو کیستی کہ از ما نظر[1] بگیری۔ لالہ مذکور ہنوز لب بند بود کہ نواب (آ) دینا بیگ خان بجذبہ تمام برخاستہ فرمود کہ این نذر داماد تو خواہد گرفت۔ گریختہ بقلان مادر خود رفتہ بودی۔ ای نمک حرام بینی ؟ تو بر رواست۔ دور شو از نظر من۔ و لالہ بشنبہر داس داماد تست کہ ریاست و عزت من قایم داشتہ میر عزیز بیگ نذر بلالہ مذکور داد۔ و ازان وقت دیوانی فوج بنام لالہ مذکور مقرر گشت ۔

در فوج جاگیرداران کوہستان وغیرہ شوہر رانی رنچندر بہگواڑہ والہ افسر بود۔ و نواب (آ) دینا بیگ خان آزا خلف الصدق خواندہ بود۔ چون در وقت سستی نواب موصوف در جالندھر کلیخان افغان

---

[1] نذر ۔

آزار زخم شمشیر دو نیم کرده بود۔ بہمین وسیلہ خاطر تلوک چند از دیگر افسران این ملک زیادہ میداشت۔ چودہری جوہری مل پہگواڑیہ راہم عزیز میدانست و راجگان کوہستان رانیز دوست می داشت۔ چنانچہ باین طرف اول بگورو وڈبہاگ سنگھ جو[1] ودر کوہستان براجہ گہومنڈ چند کٹوچ و راجہ جسوان و ازان طرف باراجہ بہوپ چند پدر راجہ رنجیت[2] دیو کمال اتحاد و حسن سلوکی و مدد میداشت۔ افسران ملک جوہری مل چودہری پہگواڑیہ گورو وڈبہاگ سنگھ کرتارپوریہ و رای ابراہیم خاں کپورتہلیہ۔ و کرم بخش قوم راجپوت ملتان والہ۔ و دیوان دفتر بہوانی داس سلطان پوری۔ و درگاہی مل قانون گوی راہون والہ مختار آمدنی وغیرہ لالہ سری نواس سلطان پوری، ضلع سلطان پور وغیرہ توابع آن ہم تحویل لالہ مذکور بود۔ شیخ سعادت یار ساکن قصبہ بٹالہ مردی قابل بود۔ دیوان صاحب[3] کی پرورد دختری باو دادہ بودند۔ لہذا شہرت بدامادی نواب می داشت وچندی در دوابہ ملک دار ماند۔ چون اکثر اقامت او در کانگڑہ واقع می شد بعد از مرگ نواب صاحب ہم چند پرگنات زیر ملک داری او ماند۔ در سمت ۱۸۱۸ لاولد بہ بیماری فلکم در کانگڑہ فوت شدہ بود ؛

اگرچہ دوآبہ و ماہجہ و کوہستان زیر تصرف بود۔ لاکن تعداد آمدنی فی بخزانہ بقدر سی و پنج لکھہ سوای تحایف و نذرانہ کوہستان بودی۔ چون آمدنی اندک و خرچ افزون بود ازین معنی از راہ حکمت عملی چنان تجویز داشتہ بود کہ از تمامی افواج نصف را معزول و نصف و نصف بحال۔ تا انفراغ حساب طلب معزولان کہ شش ماہ می گذشت قلم بحالی شان جاری نصف باقی را معزولی، او ہمسئل[4] ولعب بسبب قرار مدار ہم فوج آویختہ میماند و (ہم) صرفہ[5] خرچ می شد۔ وگاہ از تنگی خرچ چنان می شد۔ کہ در تعلقہ کوہستان یک گوسائین سنیاسی دولتمند و طبیب حاذق (ورق ۵۸) بود

---

[1] جیو ؛ [2] رنجیت دیو ؛ [3] یہ غالباً 'نواب صاحب' ہے۔ سہواً 'دیوان صاحب' لکھا گیا ہے۔ کیونکہ آگے چل کر 'شہرت بدامادی نواب' لکھا ہے۔ اور چونکہ شیخ سعادت یار مسلمان ہے۔ اس لئے پرورد ہ لڑکی بھی مسلمان ہی ہوگی۔ اور نواب صاحب نے ہی اُسے پالا ہوگا ؛

[4] ازین لیت ولعل ؛ [5] یعنی کفایت ؛

بوقت نزول دایره[1] بآن نواح به بهانه بیماری اورا طلبیده خود را بوضع کسلمندان وانموده دست بدستش داده +

ناسفره هرچند تجسس کرد آثار بیماری هیچ دریافت نشد - لاچار متفکر شده عرض داشت داده که هر نسخه مرغوب حضور باشد تیار شود - فرمود که عارضه طلب فوج دامنگیر دارم - وظهور مرض ازآن وقت استیلا بر طبعم گردیده کار بمغز جان آورده - از آنجا که دوا ء این مرض بجز شفاخانه آن طبیب صادق در طبله دیگر نیست - جلد تجویزش فرمایند - چون نامبرده از گرفتاری آن بیماری همت جان بری ندیده - گویند دو کرآبه[2] لبالب اشرفی[3] گذرانیده خلاصی یافت - فقط +

روزی باورچی نواب صاحب حسب الحکم برای قدری مربه نزد عثمان خان جالندریه رفت تا مربه بیارد اما از شامت طالع بخیال خام عثمان خان درآمد که اگر امروز مربه خواهم داد شاید که نواب صاحب درآید و فرمایش ده بیست روپیه شود - ازین همت بجیله حواله پرداخته عذر عدم موجودگیان آورد - ونواب صاحب دو روپیه حساب بدست عاجزی شخصی بیوپاری داده فرستاد - چنانچه بطور بیوپار مربه ازو خریده آورد - وقت دربار نواب صاحب آن مربه در خوان چینی اندوخته پیش مهمان وافغان قصبه جالندر برگذاشت که از طباخی کیست سجایت (عثمان خان) رامزه زندگانی تلخ کامی آمده هیچ نتوانست جواب داد - باز حکم شد که سزای آنکسی که از حاکم سنگ گردد و به عاجزان بزرگیری بدهد چیست - همگنان بیان کردکه هرچه رضای حاکم - پس همان وقت عثمان خان را بعد گرفتاری هرچند خواری حکم داد که مثل مربه در دیگ اندازند - تا ذائقه این حرامزادگی دریابد - بمجرد تعمیل این حکم همه مردم شهر بعد مقرر بست وپنجروپیه تاوان وکشائش ملتمس عفو جرایم گردیده ازان دیگ جوشان بانگ گویند که تا دم حیات در جمله اعضاء او سوزش ودرد وتاب مانده - فقط +

دیگر روزی قضا کار بکمیت صبا رفتار سوار بوده در محله وبازار جالندر بر سیر فرمای بودند - و درچیوتره پیش خانه قاضیان قدری پوست کوکنار مالیده افتاده دیدند فرمودکه چو کفر از کعبه برخیزد کجا ماند مسلمانی

---

[1] یعنی ڈیرہ [2] قرابہ [3] اشرفی +

ہمانزمان قاضیان را بدارالقضاء زندان پابندان بردہ سی ہزار روپیہ جرمانہ گرفت۔ و دران جاگیر ضبط کرد۔ ہمچنین وقت بوقت احتیاج بحجت شرعی و حکمت عملی کارروائی روا می داشتند۔ ولی فرمودند۔ اگرچہ ستم صریح است کہ بضرورت بود روا باشد۔ وچکنم کہ ؎ احتیاج است احتیاج است احتیاج۔ آنکہ شیران را کند روبہ مزاج ؎ بے شائبہ ہنگام احتیاج چشم ایمان تیرہ و عقل دانا خیرہ می گردد۔ والّا در امری عدالت کبک و شیر و کنجشک و باز ہم پلہ میشاید۔ و از عدالت (ورق ۵۹) او ہم بسیار حکایتہا اند ؎

تفصیل مہمات:۔ در سنہ ۱۹۰۷ء[۲] بہ تسخیر کولسر مورچہ بندی نمود۔ آنجا بسردار جیا سنگھ اہلووالیہ و دیگر سکھان ہم جنگ بوقوع آمد۔

در سنہ ۱۸۰۸ء[۳] مطابق دہم شوال سنہ ۱۱۶۷ ہجری روز شنبہ احمد شاہ دُرّانی دہلی وفات یافت و عزیز الدین عالمگیر ثانی بر تخت نشست۔ از غایت شورش ہر جانب متوجہ پنجاب نشدند۔ در آخر سنہ ۱۸۰۹ء کہ احمد شاہ درانی باز آمدہ بود گرازماہجہ برگشت چندی جای بر ٹبہ سکھان خصوص بسردار جیا سنگھ جنگ شد ؎

در سمت ۱۹۱۰[۴] مقام جلال آباد بر لب دریای بیاس خیام عالی بودہ و سکھان معہ سردار موصوف متفق بودہ متصل کہنڈ ور شعلہ افروز ہنگامہ شدند۔ قطب خان و شادی رسالداران عمدہ زخم کاری یافتہ ؎

در سنہ ۱۸۱۱ء نورنگ آباد مورچہ بندی نمودند۔ چرا کہ از غلبہ سکھان از اطاعت منحرف شدہ بودند

۱؎ مگر: ۲؎ مطابق سنہ ۱۷۵۰ء عیسوی۔ غالباً سمت ۱۹۰۷ ہے۔ جو سنہ ۱۷۵۰ء کے مطابق ہوتا ہے ؎ ۳؎ یہاں احمد شاہ شاہِ دہلی کی وفات کا ذکر کرنا مطلوب تھا۔ لیکن دُرانی کا غلطی سے اضافہ ہوگیا ہے۔ علاوہ ازیں احمد شاہ سنہ ۱۷۶۷ء میں فوت ہوا تھا۔ سمت ۱۸۰۸، عیسوی سنہ ۱۷۵۱ء اور ہجری سنہ ۱۱۶۵ء کے مطابق ہے۔ اور یہ تمام سنین صحیح سن سے بالکل مختلف ہیں ؎ ۴؎ صحیح نام عزالدین عالمگیر ثانی ہے ؎ ۵؎ مطابق سنہ ۱۷۵۶ء۔ غالباً سمت ۱۸۱۰ ہے۔ جو سنہ ۱۷۵۳ء کے مطابق ہوتا ہے ؎

بازبہ پذیرائی اطاعت وسازش وسفارش بعضی امرائیاں ہمچناں معطل گذاشت ؛

۱۸۱۲ء در جالندر سکھان تاخت کردند۔ جنگ شد ؛

۱۸۱۳ء قلعہ[1] سرہند معہ پرگنہ از صدیق بیگ خاں آدینا بیگ خاں بجوزہ تصرف خود آوردہ وصدیق بیگ خاں مردی بود کہ برای گرفتاری شخص[2] حملہ گرو بندہ گورو گوبند سنگھ حکم[3] بادشاہی۔ خان بہادر سہ کسان (را) حکم داد۔ افغان ( ) کوت عیسی خان وصدیق بیگ خان۔ ہمہ فرماندند۔ صدیق بیگ خان[4] تا پنجاہ کروہ جنگ کنان عقب گیران رفتہ متصل بٹالہ در گورداسپور مورچال ساختہ اورا گرفتاری کردہ در دہلی رسانید۔ گویند کہ بندہ مذکور صاحب بندگی وکرامت بود معزالدین بادشاہ فرمود کہ شمارا بکدام مرگ کشتہ شود۔ جواب داد کہ بہر کہ اقتضای خود بدولت است پس تسمہ کشایندہ بکشتند۔ طشت بام مشہور عام کہ بعد یکسال سیدان واڑہ (بارہ) معزالدین بادشاہ راتسمہ کشیدہ ازہم گذرانید[5] ؎

از مکافاتِ عمل غافل مشو

گندم از گندم بروید جو ز جو

در آغاز ۱۸۱۴ء ملہار راؤ مرہٹہ از دکن متسلط ہندوستان شد۔ احمد شاہ درانی از ولایت

---

[1] قلعہ ؛ [2] بندہ ؟ [3] دہم ؟ دہم ؟ [4] متداول تاریخوں میں مرقوم ہے۔ کہ گرو بندہ کو عبدالصمد خاں دلیر جنگ نے گرفتار کیا تھا۔ صدیق بیگ خاں کی شخصیت کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ ہاں ڈبلیو۔ ایل۔ بیگر گیر نے ہسٹری آف دی سکھز ج ۲ ص ۲۷ میں گرو بندہ کی گرفتاری کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ مسلمان سپاہیوں کا خیال تھا۔ کہ گرو بندہ صاحب کرامت ہے۔ لہذا گرفتاری کے بعد جب گرو بندہ کو دہلی پہنچانے کا فیصلہ کیا گیا تو بہت آدمیوں کا خیال تھا۔ کہ وہ راستے میں ہی فرار ہو جائے گا۔ اس پر ایک مغل نے کہا "ہم دونوں کو ایک ہاتھی پر باندھ دو اور اگر وہ فرار ہونے کی کوشش کرے گا تو میں اپنا خنجر اس کے پیٹ میں گھونپ دوں گا"۔ چنانچہ دونوں کو ہاتھی پر باندھ دیا گیا اور اس طرح گرو بندہ کو دہلی لے جایا گیا۔ ممکن ہے یہ مغل ہی صدیق بیگ خان ہو ؛ [5] یہ سارا افسانہ مصنف کا خود ساختہ ہے۔ گرو بندہ محمد فرخ سیر کے عہد میں قتل کیا گیا تھا۔ نہ کہ معزالدین کے عہد میں ؛

شورش نمود۔ آزوی آب جمن متصل پانی پت کرنال باہم ہر دو لشکر مقابلۂ عظیم واقع شد۔ چنانچہ یک طرف احمد شاہ دُرانی[1] و شاہ ہند و نجف خان و نجیب خان و شجاع الدولہ و طرفشانی لشکر مرہٹہ۔ عرصہ گیتی تختہ قیامت گردید۔ ناگہان افسر مرہٹہ را مرگ رسید و ازین معنی لشکر مرہٹہ راشکست رسید و احمد شاہ ہندوستان را متصرف گردید۔ و بسیار مال و اسباب از خزانہ شاہجہان آباد بولایت برد۔ و متہر اغارت کرد۔ و بعد مراجعت نمود۔ کابلی مل (ورق ۶۰) کہتری قوم کپور را کہ متصدی قابل و معتمد بود و ساکن قندہار بود بصوبہ داری لاہور سرفراز گردانید ؛

و آدینا بیگ خان در کوہستان کہڈی[2] (و) آدینہ نگر متروی ماند۔ بعد مرور لشکر شاہی باز بدوا بہ آمد ؛

چون غلبہ سکہ ہا ہم دران زمان بدرجہ تمام رو دادہ بود۔ لاجرم بجز اندرون شہر لاہور تحت ریاست و سیاست کابلی مل برون تا پنج کروہ صورت نیافت ؛

و در ہمین سال ۱۱۶۸ھ[3] عزیز الدین عالمگیر ثانی[4] (کہ) از روز شکست فوج و کشتہ شدن قطب شاہ بخارا از طرف آدینا بیگ خان بر سینہ داشت۔ و ہنوز شورش مرہٹہ ہیچ تدارک کردن نیافتہ بود۔ مطابق ۱۱۷۳ھ ربیع الثانی روز پنجشنبہ بدرجہ شہادت رسید۔ و حضرت عالی گوہر مسند نشین شد مطابق ۱۱۸۳ھ[5] ربیع الثانی روز پنجشنبہ بدرجہ شہادت رسید ؛

ہمچنان ملک پنجاب بقابو[6] آدینا بیگ خان بی خلش و خراش بماند ؛

در آخر ۱۱۷۴ھ[7] دیوان بشنبہ داس معہ قدری سوار بسیر کہنڈی[8] ہوشیار پور رفتہ بود۔ متصل ٹانڈہ برلب جوکہ انجا واقع بود افواج خالصہ معہ سردار جسا سنگھ قابو یافتہ بر افتادند۔ و رین (۸) دیوان موصوف مردانہ شہادت یافت۔ مشہور کہ با وجود فرار تمام ہمراہی دیوان مسلوز تنہا مرد میدان ستیز

---

[1] درانی ؛ [2] یہ غالباً کہڈور ہے۔ (دیکھو سکھوں کی مملداری کا نقشہ از جان واکر۔ طول بُد ۷۴° ۳۰' عرض بلد ۳۴° ۲۰') [3] مطابق ۱۷۵۷ء ؛ [4] عزالدین عالمگیر ثانی [5] مطابق ۱۷۶۹ء۔ یہ تاریخ صحیح دی گئی ہے ؛
[6] یہ فقرہ غالباً دوبارہ لکھا گیا ہے۔ اور سن غلط لکھا گیا ہے [7] بہ تقاوی [8] دیکھو نوٹ ۷ (گذشتہ صفحہ)

برزمین انداختہ بزانو نشست ۔ تا جان نداد دست از مردانگی برنداشت ۔ وقتیکہ طایر روح پاکش از قفص[1] عنصری بہ پرواز آمد سردار جسا سنگھ کہ جوہر شناس مرد مشہور بود بر سر و قتش رسیدہ صد آفرین فرمود و رویش را بدوشالہ خود از غبار مصفا نمود ۔ و لوح رخش از تکفین و تجہیز مصروف توجہ تا منزل آخرین ہمراہ رفتند ۔ فقط ۔

مقام قیام ۔ در اوائل اکثر اتفاق جسوال مشہور کنگ واقعہ شدہ ۔ باز در کارداری سلطان دور در فوجداری اول ۱۸۰۶ء چہاونی جلال آباد بکنارہ دریای بیاس بمدت یکسال شش ماہ ۔ باز در ۱۸۰۹ء کہ برائے سیر و بندوبست کوہستان و کہنڈور[2] نواح پٹھان کوٹ نزول رایات شد ۔ و تا[3] سال چہاونی در آن مقام استحکام ماند ۔ شہر مشہور بدینا نگر بنا فرمود ۔ کہ زمین انجا از زمینداران راجپوتان کہ بقوم ہرچند[4] مشہور است بطور رعایت گرفتہ (ورق ۶۱) آبادی ساخت ۔ از نظر امر عدالت باذکات چپورتہ ؛ محصول انجا (در) تحویل راجپوتان ہرچند[5] قوم وودگذاشت ۔

و نیز خوبترین از گردونہا کہ زمین ہمراہ از آ) دینا نگر نیست ۔ انہمہ باغات وغیرہ کہ ہست داخل علاقہ مہنہار ؛ است ۔ مگر در وقت خالصہ جی کہ علاقہ نیار ؛ ہم شامل آدینا نگر بود ۔ لاجرم ہمہ بدینا نگر معروف ۔ لیکن عمل دخل ضبط و تسلط دران زمین ہنوز بقبضہ زمینداران علاقہ نیا بدستور

بعد انفراغ این نواح کہ ؛ باز تشریف فرمائے دوآبہ شدند ۔

در آغاز ۱۸۱۴ء بمقام موضع دراج ؛ واقعہ ماہجہ چہاونی تعین یافت و تا یکسال ہشت ماہ رونق پذیر آنجا ۔ دیگر قیام فوج و خود بدولت بطور دورہ سیر ملک و ہر جوانب می فرمودند ۔

دیگر میان دوآبہ جالندہر و کوہستان معہ کل فوج (تا گاہ ماہ گر ؟) بطور دورہ مدام بر سل[6] رایت اقبال می افراشتند ۔ مدعا[7] کہ از روز ملک داری و خود ممتازے کہ از ان ۱۸۰۸ء عقلاً امتیا

---

[1] قفس [2] وکمیونٹ ۔ (گذشتہ صفحہ) [3] سہ ؟ [4] ہرچند راجپوتوں کی ایک گوت ہے جو راجپوتوں کی ایک اور گوت وودے کمتر سمجھی جاتی ہے ۔ دونو قسم کے راجپوت زیادہ تر ہوشیار پور میں آباد ہیں (دیکھو ہوشیار پور گزیٹیر حصہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۴۷) ۔ [5] ہر سال [6] پنجابی عوام کا تکیہ کلام ۔

می شود۔ کلهم بقدر دوازده سیزده سال کوس صوبه داری بنواخت۔ چه در ۱۸۰۸ء صاحب رزم (و) عزم (و) بزم شدند۔ در ۱۸۱۵ء[1] پانزدهم ماه بهادول که اول در جنگی زخمی کارے برسینه داشتند درزمانیکه هوای مختلف (بود) بیماری ادهرنگ یعنی کلنج[2] لاحق شد۔ درخانپور متصل لدهیانه وهوشیارپور رحلت نمود۔ تبرش[3] در انجا واقعه است ؛

اگرچه تا زیست بجز الفت و دلبری باحدی ایذا روا نداشت لیکن بمقتضاے رضای الٰہی از سه قوم بغض در خاطرش ماندی۔ اول کانگویاں[4] که هرگاه ملک وحویلی اوشاں می دید می گفت که گل وحل آن از خون وخشت از استخوان مردم است۔ دوم صرافاں میگفت امانت وزد غریب کش۔ نقد هزار هار وپیه عاجزان وامانے غرباراه بی ایمانی زیرداشته در روز روشن چراغ دواله افروزند۔ سوم افغانان که آن مردم بنده شهوت ومجهول اند که ننگ وناموس اهل عزت از دست اندازی (ایشاں محفوظ نیست) وخدا پرستی روانمی دارند ؛

شجره وجودش از ثمره اولاد بی بهره و بی بار رفت۔ گویند که در عمر واپسین قریب ۱۸۱۴ء زنی (ورق ۶۲) آواره بی نکاح که حسین بود خواسته بحبالهٔ نکاح آورده بود۔ وچون شب محفل خالی از غیر بیاراست واستفسار احوال از طرفین بمیان آمد۔ زنی مذکور بیان کرد که از قوم سیدام۔ همان وقت سر بر زمین توبه نهاده طلاق داد و مادر خواند۔ وعمر[5] زیست خود پرورش می داشت۔ بعد وفاتش۔ هم زاویه نشین عفت مانده۔ اخیر در گذشت ؛

چون پیاله عمرش یعنی آدینا بیگ خاں بآب اجل لبریز گردید۔ که آلات آتشه وسلاحهاے وضروب توپ وبندوق وغیره اسباب چیزی از نقدی آنهم بدست هرکس که در افتاد غنیمت انگاشت۔ وملک زیر تصرف هرکس از رای براهم وچوهدری پهگواڑیه وگورو صاحب

---

[1] مطابق ۱۸۵۸ء ؛ [2] قولنج ؛ [3] ضلع هوشیارپور کی گزیٹیر مرتبه ۱۹۰۴ء میں درج ہے۔ کہ آدینا بیگ خاں کی قبر موضع 'کانگویان' ضلع هوشیارپور میں ہے (دیکھو صفحہ ۱۷)

[4] تا کانگویان ؛ [5] هم ؛

زیبای ہر کہ جہان گورو دوڈ بہاگ سنگھ و کرم بخش ملیسہ وغیرہ کہ بود ہمچناں قابض ماندند و بندہ ؛ احوال اختلال سلطنت دہلی مشہور۔ و در ۱۸۰۶ء[1] ازان روے آب ستلج عملداری سرکار کمپنی گردید و سلطنت دہلی بالکل سست شدہ۔ در ۱۹۶۳ء[2] بادشاہ عالی گوہر وفات یافت۔ تمام شد ؛

تنقید و تبصرہ

۱۔ برہان مآثر ۱۰۰۰ھ

مولف کتاب ہذا علی بن عزیز اللہ طباطبائی ہیں۔ قبیلہ طباطبائی اسماعیل بن ابراہیم بن الحسنؑ بن علیؑ رضوان اللہ علیہم سے منسوب ہے۔ اسماعیل کا لقب طباطبا اس وجہ سے ہوا کہ اسماعیل توتلے تھے قاف کی جگہ طوئے اپنے توتلے پن کی وجہ سے ۔ بولتے تھے ایک سائل کو انہوں نے اپنی قبا دی۔ ایک دن وہ سائل بازار میں کسی قدر دور جاتے ہوئے دکھائی دیا۔ ان کو اس سے کچھ کہنا تھا۔ انہوں نے اس کو طباطبائی۔ طبائی (قبائی۔ قبائی) کہہ کر پکارا۔ لوگ اس وقت سے ان کو طباطبا کہنے لگے۔ یہ قبیلہ سادات حسنی میں سے ہے ؛

الغرض مؤلف اس کتاب کے علی محمد قلی قطب شاہ کے زمانہ میں عراق سے دکھن میں آئے اور مؤرخ فرشتہ[3] کے ہم عصر تھے۔ تاریخ فرشتہ سے چند سال قبل برہان مآثر لکھی گئی علی ہذا اس کتاب کا قلعہ نلاگ کے محاصرہ میں محمد قلی قطب شاہ کے ساتھ موجود تھا لیکن قطب شاہ کی وفات پر شاہان احمدنگر کی ملازمت کرلی اور تاریخ برہان مآثر برہان نظام شاہ کی فرمایش سے لکھی۔ برہان مآثر

---

[1] رہنمای ہر دو جہان گورو ؛ [2] مطابق ۱۸۰۶ء ؛ [3] محمد قاسم نام اور تخلص فرشتہ ہے۔ استرآباد میں بحر خزر کے حدود پر ۱۵۷۰ء و ۱۵۹۰ء مطابق ۹۵۸ھ و ۹۷۸ھ کے درمیان پیدا ہوا۔ اس کے والد کا نام غلام علی ہندو شاہ تھا جو اپنے وطن کو چھوڑ کے ہندوستان چلا آیا مرتضیٰ نظام شاہ کے زمانہ میں پہلے احمدنگر پہنچا اور (باقی بر صفحہ آیندہ)

اس کا نام تاریخی ہے جس سے سنہ ۱۰۳۸ھ نکلتا ہے ؛

مولف نے اس میں صرف شاہان دکن کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو تین طبقوں پر منقسم کیا ہے۔ طبقہ اول میں سلاطین گلبرگہ کا ذکر ہے جو سلطان علاؤالدین حسن شاہ گنگوئی سے شروع ہوتا ہے۔ اور سلطان فیروز شاہ بہمنی پر ختم ہوتا ہے۔ بہمنی خاندان کے سلاطین آٹھ ہوئے ہیں ؛

طبقہ دوم میں سلاطین بیدر کا ذکر ہے۔ جو سلطان احمد شاہ بہمنی سے شروع ہوکر سلطان محمود شاہ بہمنی پر ختم ہوتا ہے ؛

طبقہ سوم میں سلاطین احمد نگر کا تذکرہ ہے۔ جو سلطان احمد شاہ بحری سے شروع ہوکر سلطانہ چاند بی بی پر ختم ہوتا ہے ؛

ناشر وچاپ زن اس کتاب کے سید ہاشمی معتمد اعزازی مجلس مخطوطات فارسیہ دکن اپنے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں یہ کتاب ایک مدت سے نادر الوجود ہوگئی ہے اس کا ایک نسخہ مولوی عبدالحق صاحب کے ذاتی کتب خانہ میں قلمی موجود ہے۔ اس کی دو جلدیں ہیں۔ جلی قلم سے تقریباً پانسو صفحات پر ختم ہوتا ہے اول اور آخر کے چند اوراق ضائع اور تلف ہوگئے ہیں اور سلین پہنچ جانے سے بعضی عبارتیں پڑھی نہیں جاتیں۔ دو نسخے اس کے برٹش میوزیم میں ہیں۔ بہترین اور کامل نسخہ اسکا کیمبرج میں محفوظ ہے جس کا پہلا حصہ غالباً خود مصنف نے لکھایا لکھوایا اور دوسرا اس کے بیٹے ابوطالب نے سنہ ۱۰۳۸ھ میں تکمیل کو پہنچایا۔ اسی نسخہ کا عکس مولوی غلام یزدانی سے مستعار لیکر مجلس مخطوطات نے اپنا نسخہ مرتب کیا کہیں کہیں مولوی عبدالحق صاحب کے نسخہ سے بھی اسکی تصحیح کی گئی ہے جس کا ذکر فٹ نوٹس میں کردیا گیا ہے

شہزادہ حسین کا استاد فارسی مقرر ہوا۔ مگر اپنا کام شروع کرنے سے پہلے چل بسا۔ محمد قاسم فرشتہ مرتضیٰ نظام شاہ کی وفات پر سنہ ۹۹۰ھ میں بیجاپور چلا آیا (یہ زمانہ شہنشاہ اکبر کی سلطنت کا تھا) اور دلاور خاں کی امداد سے ابراہیم عادل شاہ دوم کے دربار میں رسائی ہوئی۔ تاریخ فرشتہ اسی بادشاہ کے حکم سے سنہ ۱۰۲۲ھ میں فرشتہ نے لکھی۔ اور اسی بادشاہ کی نسبت سے تاریخ فرشتہ کا نام رکھا۔ جس کا دوسرا نام نورس نامہ بھی ہے۔ اس کتاب کا مکمل ترجمہ انگریزی میں برگس نے کیا ہے۔ بقول برگس سنہ ۱۰۳۱ھ میں وفات پائی ؛

بعض بعض مقامات پر تاریخی مسامحات بھی ہیں جن کا ذکر ناشر نے حواشی ذیلی میں کر دیا ہے اور ایسا ہونا تقاضائے بشری یا ضرورت وقت کے لحاظ سے کچھ بعید نہیں۔ میزان تحقیق میں اس کتاب کا پلہ تاریخ فرشتہ سے کم ہے پھر بھی اس کے بیان سے فرشتہ کے قول کی تصدیق و تکمیل اور بعض مقامات پر تصحیح میں بیش بہا مدد ملتی ہے ان اہم اختلافات روایات کا بھی ذکر فٹ نوٹس میں کر دیا گیا ہے۔ سر ولزلی ہیگ کے انگریزی ترجمہ سے بھی ناشر نے مدد لی ہے چند سال ہوئے جو انڈین انٹیکوری میں باقساط چھپا اور پھر کتاب کی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔

کتاب نہایت صاف، سادہ اور سلیس فارسی میں لکھی گئی ہے اور تاریخ کی عبارت ایسی ہی ہونا چاہئے۔ نہ کہ جہانکشائے جوینی و تاریخ وصاف و درۂ نادرہ کی ایسی۔ اشعار جو برمحل مناسب طور سے تضمین کئے گئے ہیں زیادہ تر مؤلف کتاب کی تالیف معلوم ہوتے ہیں اپنی صفائی اور روانی میں شاہنامہ کے اشعار سے ملتے جلتے ہیں جو حسن کتاب میں اضافہ کر رہے ہیں۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ کسی کتاب کا صحیح چھپ جانا ہندوستان میں دشوار ہے چاہے لیتھو ہو یا ٹائپ چنانچہ ناشر نے طباعت کی سو غلطیوں کا آخر میں ایک صحت نامہ لگایا ہے پھر بھی تھوڑی بہت غلطیاں ضرور رہ گئی ہونگی۔ کتاب کی الٹ پلٹ میں سرسری طور پر جو نظر پڑ گئیں وہ دو چار یہ ہیں:-

صفحہ ۲۵۰ سطر ۷۔ کہ چون وقت آن شد کہ شاہ بزرگ ... بر درخت خود زین جہان سترگ۔

اگر 'جہان سترگ' سے مراد دنیا ہو تو 'زین' ٹھیک ہے اور اگر آخرت مراد لیں تو 'زی' یعنی جانب اور طرف ہونا چاہیئے

صفحہ ۲۵۲۔ سطر ۶۔ ارشادات اللہ یزلیہ لم یزل کو اسم مان کر مصنف اس پر الف لام لائے۔

صفحہ ۲۵۸ سطر ۲۱ "تسخیر قلاع و حصونیست کہ حضوض خناوقش بمرکز زمین منتہی میگردید" حضیض کی جمع حُضُض اور احضہ ہے نہ حضوض ممکن ہے تصرف اہل ایران ہو۔ صفحہ ۶۲۷ سطر ۱۸۔ "تو انگہ کہ برمن شوی دست یاب زن بیوہ را دادہ ہاشمی جواب" تو انگہ' میں 'الف' پر مد چھپنے سے رہ گیا اور 'زن' کی جگہ 'زنے' بہتر ہے۔

کتاب ۱۱ × ۸½ تقطیع کے چھ سو تیس ۶۳۰ صفحات پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ٹائٹل پیج کے دوسرے صفحہ پر ارکان مجلس مخطوطات فارسی کے اسمائے گرامی درج ہیں۔ دو صفحے میں ناشر کا دیباچہ ہے اور آٹھ صفحات پر فہرست مضامین کتاب قبل از آغاز کتاب ہے۔ آخر میں بہ تتبع اہل یورپ بائیس صفحات پر فہرست اعلام ہے اور دو صفحات پر غلط نامہ۔ مگر بلاشبہ غلطنامہ اس سے زیادہ مفصل ہونا چاہیئے تھا۔ اس لئے کہ جس قسم

کی اغلاط ضمیمہ میں درج ہوئی ہیں وہ ابھی بہت سی باقی ہیں۔ شاید اس نقص کا تدارک اب بھی ممکن ہے کاغذ ولایتی آہار اور مہرہ کیا ہوا (گلیزڈ) اچھا ہے۔ ٹائپ ضخامت نہ بڑھ جانے کے خیال سے کسی قدر مہین ہے۔ مطبع جامعہ دہلی میں دسمبر ۱۹۳۶ء کو چھپی۔ ہندوستان کے اندر انگریزی سکہ سے دس روپیہ مع محصول ڈاک قیمت ہے اور بیرون ہند سے ایک پاؤنڈ انگریزی۔ غالباً سید ہاشمی مرتب و معتمد اعزازی مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن سے ملتی ہے۔ (ا) ۲۵ دسمبر ۱۹۳۷ء

۲۔ جامعہ۔ یہ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی کا ماہوار رسالہ ہے۔ جو زیر ادارت ڈاکٹر سید عابد حسین ایم، اے، پی، ایچ، ڈی شائع ہوتا ہے۔ اس میں سیاسی و معاشی مسائل پر خصوصی مضامین لکھے جاتے ہیں۔ یہ خصوصیت اردو کے دیگر رسائل میں بالکل کمیاب ہے۔ اور رسالہ کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ "جامعہ سیاست حاضرہ اور دنیا کے اقتصادی مسائل پر تنقیدی بحث کرنے والا ہندوستانی زبان کا سب سے پہلا رسالہ ہے"۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہمارے علم میں اردو کے اور کسی رسالہ میں یہ مسائل اس خوبی سے بیان نہیں ہوتے۔ سال رواں کے پہلے نمبر میں گذشتہ سال کے سیاسی واقعات پر ایک قابل تعریف تبصرہ مرقوم ہے جو پڑھنے کے قابل ہے۔ اس کے تین حصے ہیں (۱) ہندوستان (۲) ممالک غیر (۳) اسلامی دنیا۔ قیمت فی پرچہ ۸ر۔ سالانہ چندہ ۱ر روپے۔ مکتبہ جامعہ دہلی (ش)

لہ بعض اغلاط بطور نمونہ ایک صفحہ سے لے کر ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

ص۱۲ س۱۰ 'دوالتار شد' چاہیئے 'بجائے شدد والتداد'، س۱۱ خاجب قصبہ وقبا غیر واضح ہے، شاید قضیہ بجائے قصبہ پڑھنا چاہیئے دوسمیں عصامی نامہ ص۱۰ 'آخریکی' بظاہر آخر یکی ہے، س۲ سرامات لعین بریدہ کی بجائے سرسنات لعین رابریدہ چاہیئے۔

مطلع السعدین و مجمع البحرین

(سلسلے کے لئے دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت نومبر ۱۹۳۳ء ص ۱۹۲)

مصحوب ایشان قاصدان رفته مجموع شادمان وخرم بارودی معظم رسیدند ٭

ذکر قضایا که در عراق عجم واقع شد

چون میرزا اسکندر ممالک فارس مضبوط ساخت کمند همت بلند بر کنگرهٔ قصر[1] تسخیر عراق عجم انداخت وامیر عبدالصمد وامیر صدیق را بجانب اصفهان روان فرمود و ایشان بقصبهٔ ورزنه[2] آمدند وقلعهٔ آزا محکم ساخته[3] - میرزا رستم خبر یافت[4] وقلعه را محاصره کرد و میرزا اسکندر آگاه شد امیر تولک وامیر یوسف جلیل[5] را بمدد فرستاد و خود نیز متوجه شد میرزا یوسف از آمدن تولک ویوسف جلیل واقف گشته باستقبال ایشان آمد ایشان مرد میدان رستم بودند پناه بقلعهٔ خرابه دستجرد بردند میرزا رستم ومیرزا بایقرا که دران زودی بعراق آمده بود عزم محاصره کردند ناگاه شنیدند که میرزا اسکندر بقصر رد رسید مرزا رستم عازم اصفهان شد و میرزا اسکندر چنان بتعجیل آمد که بعضی رستمیان را اسکندریان گرفتند و همچنان بسرعت می آمدند میرزا رستم سه فرسنگ استقبال نموده هر دو لشکر بهم رسیدند مصرعه

غریو کوس و بانگ نای برخواست

وآن دو لشکر چون امواج بحر اخضر یا افواج دشت محشر بهم زدند و میرزا اسکندر ظفر یافته میرزا رستم باصفهان درآمد و میرزا اسکندر بموضع آتشگاه فرود آمد و پیش ازین مرزا خلیل سلطان بموجب فرمان خاقان سعید از خراسان با ده هزار سوار بجانب عراق وآذربایجان آمده بود چنانچه شرح آن گذشت و مقرر چنان بود که هر جا خواهد ساکن شود و او چندگاه در ولایت ری می بود درین ولا میرزا رستم کس فرستاده استمداد نمود و میرزا خلیل سلطان بقصد مصالحه میان برادران عزیمت فرمود و هر چند پیغام صلح پیش مرزا اسکندر فرستاده مفید نیفتاد و میرزا اسکندر در یک طرف اصفهان داشت میرزا خلیل سلطان از طرفی دیگر باصفهان درآمد و میرزا اسکندر هر روز جمعی بدروازه

---

[1] ب ثل: متن آ - تسخیر قصر، با: قصر، [2] آ: ورزنه [3] آ: ساخت اک: ساختند، [4] آ: یافته [5] ب: جلیل، با: خلیل ٭

فرستاده از طرفین جنگها سخت میکردند امّا از عدم قوت قوّت اصفهانیان فوت شده از تعذر اسباب معیشت طاقت ایشان طاق شد میرزا رستم بضرورت اصفهان را گذاشته عازم جانب امیر قرا یوسف گشت، میرزا اسکندر جمعی را تا قم در عقب* فرستاد و او نرسیدند و میرزا خلیل سلطان در اصفهان بود و میرزا اسکندر همچنان عناد و خصومت می نمود درین اثنا جمعی از لشکر شول و اکراد بی اجازت میرزا اسکندر برگشتند بدین سبب* ترک محاصره گرفته عازم شیراز شد و اصفهانیان برنج غلا و بلای قحط مبتلا شدند و آتش جوع مشتعل گشت و صعوبت نایافت از حد گذشت از مواشی آنچه داغ استحلال بر جبین داشت هر کس بهر چه ممکن بود می خرید و بهیچ جا نمیرسید تمام چوبهای عمارات و ستونهای ایوانات بجای هیزم بسوخت. بیت

بسوخت آتش قهر تو جمله را* تر و خشک چنین بود چو در افتد بمرغزار آتش

و در ایام در بندان اصفهان گویند میرزا خلیل سلطان بسر پالیز درویشی رسید که در شهر بآب چاه مزروع گردانیده بود و درویش خربزه آورده شرط خدمت باو رسانید میرزا خواست که درویش را رعایتی فرماید میسر نشد درویش را عذر خواهی نمود فاعتبروا یا اولی الابصار، میرزا خلیل از اصفهان به ری آمد و عرضه داشت بپایه سریر اعلا فرستاد مضمون آنکه چون در اصفهان از جهت قحط نمیتوانست بود بجانب ری عود نمودیم*، اکنون بهر چه امر فرمایند عمل نماید*

ب

* در نسخه ب چنین گفته است که صورت این قضایا در رمضان سنه ۸۱۳ به شاهرخ سلطان رسید و متعاقب نوکر امیرزاده خلیل سلطان بهادر رسید و عرضه داشتی رسانید مضمون انکه در اصفهان روی مقام نبود (نمود) لشکریان متفرق می شدند و چون از جهت قوت [قُوتِ] فاسالک بمعروف نداشت مانع آن تسریح باحسان نمی توانست شد پیش ازان که این چند معدود نیز متفرق گشتند متوجه جانب ری شده ایم.

ا ب: از عقب، اک مثل متن، در ب ندارد. ۲ ب: بدین سبب میرزا اسکندر (بجای بدین سبب) ۳ د ط: داد را ندارد ۴ ب ب اک: جمله (بجای جمله را)

ذکر آمدن سلطان احمد به تبریز و قتل او بفرمان امیر قرا یوسف بن امیر قرا محمد ترکمان

سلطان احمد دوازدهم[۱] محرم از دار السلام بغداد عازم آذربایجان شد و در نواحی همدان اکراد آن بلاد را در قبضهٔ اقتدار آورد شاه محمد بن امیر[۲] قرا یوسف در ییلاق اوجان واقف شده عزیمت خوی نمود و سلطان بیست و هشتم ربیع الاول در دولتخانهٔ تبریز نزول فرمود و کسان در عقب شاه محمد فرستاده در سلماس[۳] باو رسیدند و او را گریزانیدند و درین حال امیر قرا یوسف در ولایت ارزنجان بود و ضبط و یاساسی مهمات آن نواحی می نمود و شرح آن گذشت[۴] چون این خبر شنید متوجه تبریز شد[۵] و روز جمعه بیست و هشتم ربیع الآخر سلطان و قرا یوسف در قریهٔ اسد[۶] که دو فرسخی تبریز است بهم رسیدند و از طرفین صفها کشیده اسباب مقاتله و جدال[۷] ترتیب داده ابواب محاربه و قتال کشادند[۸] بیت[۹]

زپیکان الماس و پرعقاب نبد هیچ پیدا رخ آفتاب
زسرخاب[۱۰] سرخ آب برسان رود گذر کرد و بر دامن سر درود

---

۱ زبدة: بروست ۲ زبدة: روز دوازدهم محرم سنه ثلاث عشر و ثمانمائه ۳ ورک ندارد
۴ زبدة: بموضع قراباغ سلماس ۵ با: گریزانیدند، آشل متن ۶ زبدة: مصحفا اشکری بمحاصره
اذربایجان برده بود ۵ رکت به ص ۳۰۷، ۱۲، ۶ در زبدة افزوده است که امیر سجدو دو نوشهر عرض لشکر خود کرده جیباد بعدش بمحمود تبریز آمد سلطان از دولت خانه تبریز بلست عران (کذا) نزول کرد و تعداد لشکر بغداد کرد بیست هزار خانه بحساب درآمد ۷ اک: امیر یوسف با ب: امیر قرا یوسف ۸ فقط زبدة: آیند ۹ آ: مجادله و قتال ۱۰ صاحب زبدة لغته است که چون امیر یوسف بقریهٔ مذکور رسید دلاوران طرفین محاربه نمودند تا روز جمعه مذکور امیر یوسف و سلطان احمد با لشکرهای هزار صف قتال ترتیب داده دست بحرب کشادند ۱۱ این ابیات را در زبدة دارد ۱۲ ک: سرخاب،

آتش حرب برافروخت و تاب التهاب جان دلیران میسوخت[1] سلطان بنفس خود جنگها مردانه و کوششهای بهادرانه فرمود آما ع

چون سعادت نبود کوشش بسیار چه سود[2]

و سپاه سلطان مرد میدان ترکمانان[3] نبود بیت[4]

قضا را یکی تیر زهر آب دار گذر کرد بر بازوی شهریار

دلیران احمد شه سرفراز گرفتند در پیش راه دراز

هزیمت غنیمت شمردند زود سر اسیمه گشتند برسان دود

احمدیان روبهزیمت نهادند و یوسفیان[5] دست بغنیمت کشادند سلطان خود را باغی انداخت و یکی از ایلم تبریز بهاء الدین جولاه[6] نام امیر یوسف را مطلع ساخت و جمعی بطلب او رفته[7] چون چشم بادشاه بر ایشان افتاد بیت

بدانست شه کآمد او را زمان بدست قرا یوسف ترکمان

بحکم رضینا بقضاء الله تعالی این بیت[8] خواند که بیت

چو با من بود لطف یزدان پاک نباشد زمردن مرا هیچ باک

دست به بندوگردن بکمند داده پیش قرا یوسف آمد و بعد از انواع حکایات بفرمان امیر مشارالیه بجنه[9] (کذا) هلاک شد و چون این خبر بعرض حضرت خاقان سعید رسید از خواجه عبد القادر گوینده[10]

---

[1] در زبده اعلام بعضی از امراء جانبین که در میمنه و میسره بودند درج نموده است [2] ب: چو چه سود
[3] آ: ترکمان [4] این سه ابیات از جمله هفت ابیات است که در زبده دارد، [5] زبده: قرا یوسفیان.
[6] زبده: جولا [7] زبده: اعلام لشکریان امیر یوسف کردوا امیر یوسف چون ازین حال خبر یافت تشلمش و تکری برمش را بآن شخص همراه کردانیده بطلب احمد فرستاد، [8] فقط ک: دو بیت، [9] با آ: بجنه ب: بجنه، زبده: بعد از انواع حکایات حکم کرد او را بحفته هلاک کردانیدند، [10] در زبده ندارد.

که سالها ملازم سلطان می بود پرسید که برای سلطان احمد میچ ساخته[1] خواجه[2] این رباعی گفته[3] [و علی ساخته] بوقت عرض رسانید رباعی

عبدالقادر زدیده هردم خون ریز باد و بر سپهر نیلت جای نشیز
کان مهر سپهر خسروی را ناگاه تاریخ وفات گشت قصد تبریز[4]

فی الجمله سلطان احمد را بعد از هلاک دو شش روز بر خاک انداختند بسبب آنکه فتنه انگیزان می ساختند که سلطان بسلامت بیرون رفت، تبریزیان اجازت خواسته بموجب وصیت سلطان در عمارت وشتقیه پهلوی مادر و برادر مدفون شد[5] بیت

شهروند[6] تبریز یا لش بخاک سوی خانه رفتند دل چاک چاک[7]

و شاه ولد بن شاهزاده شیخ علی بن سلطان اویس که ملازم عم[8] به تبریز آمده بود و سلطان علاء الدوله بن سلطان احمد که در قلعه عبدالجوز[9] محبوس بود شربت شهادت چشیدند و بدشتقیه سر نهادند[10] * ۱۰

و سلطان[11] در وقت عزیمت تبریز از بادشاه شروان امیر شیخ ابراهیم استمداد نموده بود و او پسر خود گیومرث را روان فرمود و در روز زیارت (ورق ۲۸۸) سلطان احمد گیومرث نزدیک رسیده[12] متحیر بماند ع (۲۸۸ ر)

نه رای[13] سفر کردن و[14] نه روی اقامت

---

[1] زبده: کفته، [2] زبده: خواجه عبدالصمد (مصحفا بجای خواجه عبدالقادر) [3] از روی آ، درک ندارد، زبده: خواجه ... این رباعی در تاریخ وفات او گفتند سلطان علی ساخت و در بند کی عرضه داشت، [4] فقط درک و با، از "قصد تبریز" بحساب ابجد ۸۱۳ حاصل می شود، [5] در زبده ندارد، [6] در بیت از کلمه بیت تا کلمه ایشان ص ۲۰۵ س ۱ (پادشاهان را نصیحت تمام آید چه ایشان) را ندارد، [7] در زبده پیش ازین بیت افزوده اند- زکیسو برادر بد و مادرش - بدیگر طرف خویش و هم خواهرش، [8] زبده: کشته، [9] زبده: سلطان احمد، [10] فقط با: عبدالجواز (نیز رک ب ص ۳۹ ح ۵) زبده: عبدالخوز، [11] زبده: و ایشان هر دو را نیز نقل وشتقیه کردند [12] زبده: دران ایام که سلطان احمد از بغداد متوجه تبریز میگشت [13] با: تبریز رسیده [14] زبده: فی روی [15] ب، فی برای دای،

امیرقرایوسف اورا گرفته در قلعه ارجیش[1] حبس فرمود و امیر شیخ ابراهیم هرچند مال تقبل نمود مفید نبود[2]
چون امیر یوسف[3] را این فتوحات میسر شد از غارت و گناه تبریزیان که مدد سلطان احمد[4] کرده اند گذشته از راه مردعزیمت یورت خود نمود، و چندگاه آنجا بوده بعزم قشلاق[6] به تبریز آمد
درین اثنا شنیدند که میرزا رستم[8] از محاربه برادر و قحط اصفهان روگردان شده متوجه تبریز است[9].
چنانچه ذکر آن گذشت[10] امیر قرایوسف شرایط تعظیم تقدیم نمود، و چند[11] روز ملوبهای سنگین
فرمود و بعزم[12] روان داشتن[13] میرزا رستم او[14] اسط رجب بطرف مراغه آمد و در حدود لیلان[15] امیر
محمد سار و ترکمان از جانب عراق عرب آمده بتشریف و نواخت مشرف شدو اواخر رجب[16]
میرزا رستم را با نوکران خدمتها خسروانه و خلعتهای ملوکانه تعیین نمود و اسبان خوب کشیدو
جمعی نوکران اعتمادی ملازم ساخته روان داشت و خود در غایت عظمت و نهایت
ابهت بطرف[17] تبریز رفت،

---

[1] آ با: ارجیس، آ: ارجیس - زبده: ارجیس، (امارک به زبده ص ۱۰۰، و بستر بیخ ص ۱۸۳)
که ارجیش نوشته اند برای ارجیس، [2] بعدش در زبده افزوده است: و مدتی دران بند بماند، [3] با: قرایوسف
[4] در آمارد [5] از زبده معلوم می شود که امیر یوسف بعد از قتل سلطان احمد حکم کرده بود که تبریز را نهب و غارت
کنند بسبب آنکه تبریزیان معاونت سلطان احمد کرده بودند، [6] زبده: در روز پنجشنبه بیست و چهارم جمادالاخر
بشهر تبریز نزول کرد و همدران روز خبر رسید، [8] زبده: امیرزاده رستم بن امیر شیخ عمر بهادر ... از
اصفهان بسبب آنکه مدتی بود که امیرزاده اسکندر اصفهان را محاصره کرده بود و اهالی آن بقحط و تنگی مبتلا گشته
التجا با میر یوسف کرده ... در روز یکشنبه بیست و ششم (بیست و ششم جمادی الآخر سنه المذکور ۸۱۴ ب) تبریز پیوسته رک ص ۱۹۴ س ۲
[9] رک ندارد، [10] زبده: جهت روانه کردن [11] زبده: روز سه شنبه رجب سیزدهم [12] فقط آ:
لسلان، برای این مقام رک به بستر بیخ ص ۱۶۵، [13] بعدش در زبده افزوده است: که از امرای بزرگ
ترلکه عراق عرب بود، [14] آ: آخر رجب، زبده: در روز دوشنبه (جمعه بر ۱۰ ا) بیست و ششم رجب التکوز [15] زبده: تبریز
مراجعت نمود و آن زمستان در تبریز (کذا) گذرانید،

وقایع سنه اربع عشر وثمانمائه
ذکر قضایا که درخراسان واقع شد

حضرت خاقان سعید در افتتاح این سال بسعادت و اقبال در ییلاق باوغیس بود چنانچه صریر قلم سخن پرداز[1] شرح آن باز نمود[2] و درین اثنا میرزا عمر[3] شیخ بن میرزا پیر محمد[4] از جانب فارس و عراق بخدمت آنحضرت آمد و سبب آن بود که میرزا اسکندر چون آن ممالک در تصرف آورد و صلاح وقت دران دید که میرزا عمر شیخ و میرزا سلطان علی بن میرزا رستم را که برادرزادگان او بودند از مملکت[5] عذر خواهد چه ایشان را استعداد سلطنت از روی وراثت و استحقاق متعین بود متوهم شد که ناگاه جمعی ایشان را بران دارند که سر بطلب ملک برآرند و اختلال بسلطنت و زوال بدولت او رسد و شاه زادگان ازین معنی منزه و مبرا بودند فی الجمله ایشان متوجه دارالامان خراسان شده و[6] اواخر محرم در ییلاق باوغیس بسعادت دستبوس یافته منظور نظر کیمیا خاصیت گشتند

وهم در ییلاق باوغیس ایلچی هندوستان رسید که خضر خان[7] پادشاه[8] بعضی ازان ممالک اظهار اذعان نموده قاضی مولتان را که واسطهٔ عقد اکابر آن دیار بود با تحف و هدایا ارسال نموده نام و القاب آنحضرت را زینت منابر و نقش دنانیر ساخته[9] بعرض رسانید و آنحضرت ملتمسات او

---

[1] با آ: سخن ساز قصه پرداز، [2] ک برص ۱۹۱، [3] ک: امیر شیخ الخ، زبده: امیرزاده پیر محمد (که درست نیست)، [4] زبده: از خطهٔ مملکت و حوزهٔ سلطنت خود بطرفی روانه گردانند، [5] آ: آخر، زبده: در اواخر، [6] آ: خوان، [7] ک: پادشاه با (که غلط است، در زبده گوید: خضر خان که بادشاه بعضی از ممالک هندوستان بود اظهار اذعان و انقیاد نموده) [8] بعدش در زبده افزوده: التزام باج و خراج نموده، [9] بعدش در زبده گوید: بندگی حضرت عز استماع .... ارزانی فرمودند و اورا بجمل (بجملی) مضبوط و مکانی مرموق فرود آوردند ٭

باسیاب مقرون گردانیده[1] و تشریفات گرانمایه پوشانیده انعام و اکرام نمود و اجازت مراجعت فرمود، و حمزهٔ چهره[2] نوکر میرزا الغ بیگ[3] رسیده یکی[4] را از مغولان مقید رسانیدند[5] و عرضه داشت که امیر شیخ نورالدین پیش محمد خان بادشاه مغولستان رفته و او شمع جهان را بمدد[6] او فرستاده قریب سیرام[7] رسیدند و شرح این سخن گفته آید انشاء الله تعالی،

و سلطان اویس پسر امیر ایدکو برلاس از جانب کرمان قاصد فرستاد که میرزا اسکندر ممالک فارس و عراق مضبوط ساخته عازم کرمان شد و در نواحی کرمان خرابی بسیار میکند،

درین ولا باز نوکر میرزا الغ بیگ آمده و مغولی را در بند آورده اخبار سار[8] یه عرض کرد و شرح آن آید،

بعد ازین حضرت خاقان سعید خاطر خطیر از طرف ماوراء النهر جمع ساخته لشکرها را اجازت فرمود و از عرصه باغیس عنان مرکب کامرانی بمستقر جهانبانی انعطاف داده[9] در دارالسلطنته هراة باغ زاغان مرکز پرکار دولت و نقطهٔ دائرهٔ خلافت آمد، ۱۰

و درین ایام نوکر امیر شیخ ابراهیم از مملکت شروان[10] رسیده پیشکشهاء پادشاهانه بعرض رسانید و آنحضرت فرستاده را عنایت فرمود و رعایت کرده باز گردانید،

و از جانب سمرقند خبر آمد که امیر شاه ملک بجانب مغولستان[11] رفته و الجای بسیار گرفته و این سخن محتاج بیان است،

---

[1] در زبده گوید که بعد از چند روز بتشریفات گرانمایه بهره مند گشتند [2] ک: حمزهٔ چهره، [3] اک: نورالدین الغ بیگ، [4] زبده: یکی از مغولان با خود رسانید [5] بقول زبده شمع جهان هزار و ده مرد همراه داشت، [6] آ: بسیرام، [7] آ: سار الخ، اک: بسیار، در زبده "اخبار سار یه عرض کرد" را ندارد، [8] آ: داده بیتم را، با اک: بیتم شهر صفر، زبده: در بیتم صفر سنه اربع عشر و ثمانمایه، [9] زبده: ممالک شروانات، [10] با اک: مغول، [11] ک آ: بیت با اک مثل متن،

ذکر باغی شدن امیر شیخ نورالدین کرت ثانی

سابقا مذکور شد که امیر شیخ نورالدین در حوالی سمرقند منهزم گشت[1] اما همچنان سودای استقلال در خیال داشت[2] و هر زمان سر راهی میگرفت و هر طرف فتنه می انگیخت نویین اعظم امیر شاه ملک عرضه داشت بپایهٔ سریر اعلی فرستاد که شیخ نورالدین ترک یاغی گری نمیکند اگر فرمان شود صوران[3] آن را محاصره کنیم شاید که آن صید وحشی بدام آید حضرت خاقان سعید فرمود که صلاح و فساد آن طرف بعهدهٔ اوست هر چه مصلحت داند چنان کند امیر شاه ملک اواسط[4] رمضان سال گذشته از سمرقند متوجه صوران گشت[5] و امیر موسی کاوامیر حمزه ترخان را منغلای[6] ساخت و امیر شیخ نورالدین خبر یافته راه گریز پیش گرفت و پناه بمغول برد امراء منغلا در عقب رفته بازماندگان او را اتر شیر در گله و گرگ در رمه نمودند و باز آمدند، امیر شاه ملک پیش امیر عبدالخالق پسر امیر خدایداد حسینی که[7] در آن ملک صاحب طرفی بود فرستاد و پیغام داد که چون لشکر ما عود نماید هر آینه شیخ نورالدین این گشته بصوران آید باید که در کمین باشد که احتمال دارد که او را بدست آرد امیر عبدالخالق که میان او و امیر شیخ نورالدین عداوتی عظیم بود مصرعه

تیغی کشیده بر سر ره در کمین نشست

امیر شیخ نورالدین بی خبر در ولایت در آمد و امیر عبدالخالق ناگهان بر او تاخت و جنگ بسیار کرده جمعیت او را پریشان ساخت و امیر شیخ نورالدین با سی سوار باز بجانب مغول رفت،

---

[1] رک به ص ۱۸۱، و در زبده افزوده است که تاریخ این واقعه نهم ربیع الاول سنه ثلث عشر و ثمانمایه بود، [2] بعدش در با آک افزوده: سودای سلطنت ز سر این گدا نرفت [3] زبده: صور آنرا، برای صوران (یا میان) رک به بیستر پنج ص ۴۸۶، [4] آ با آک زبده: بتقدیم رساند، [5] زبده: در سیزدهم رمضان سنه ثلث عشر و ثمانمایه، [6] بعدش در زبده افزوده: چون بندرگاه (کذا) رسیدند، [7] ک: منغلای، آ: منغلا، با منغلا (و زبده: منغلای لشکر گردانیده ایشان را طرف صوران نامزد فرمود) [8] زبده: که او نیز الخ ؛

و امیر عبدالخالق اگرچه اورا بتوانست گرفت اندیشه کرد که اگر اورا از میان بردارد امیر شاه ملک اورا نیز دران طرف نگذارد، فی الجمله امیر عبدالخالق از جمله غنایم ده[1] هزار اسپ گرفت* و مریض شده بعد از هفتده[2] روز وفات یافت بیت

بفیروزی اندر نترس از گزند که یکسان نگردد سپهر بلند[3]

امیر شاه ملک جای اورا بعد از تسخیر آن[4] بلاد بتیمور ملک پسر دولدای داد که در شمایل او دلایل مردانگی و مخایل فرزانگی مشاهده می افتاد، امیر شیخ نورالدین پیش محمد خان پسر خضر خواجه بادشاه مغولستان رفت* و سعی کرد که ایلچیان امیر شاه ملک را که آنجا بودند گرفتند* و خان پانزده هزار مرد مقرر فرمود که همراه برادر او شمع[5] جهان متوجه ماوراالنهر شوند* و امیر شاه ملک وقوف یافته صورت حال عرضه داشت پایه سریر اعلی گردد* و میرزا الغ بیگ در سمرقند توقف نمود و امیر شاه ملک عزم رزم مخالفان جزم کرد و مغولان بمحاصره قلعه سیرام که در تصرف کسان امیر عبدالخالق بود اشتغال داشتند که خبر توجه امیر شاه ملک یافتند عازم جانب او شدند* امیر شاه ملک از غریمت ایشان آگاه شد* تدبیری اندیشید که موافق تقدیر آمد و شرح آن چنانست که شالیستم[6] که تو کرشا بسته، او بود با دو هزار سوار نامدار مقرر فرمود که ایلغار کرده تولا[7] بیگی

---

[1] زبدة: قریب ده هزار اسب بدست لشکریان عبدالخالق افتاد [2] کذا در ک، آباآک زبدة، صفده.

[3] آباآک: بپیروزی ... بعدش در زبدة سه بیت دیگر را وارد، [4] زبدة: ایالت سیرام و آن نواحی بدر (کذا) مقرر فرمود [5] زبدة: و محمد خان (کذا) بیشتر ایلچیان پیش امیر شاه ملک (کذا) فرستاده بود امیر شیخ نورالدین بنامی و سعادت و سعایت بدانجا رسانید که خداایلچیان شاه ملک را گرفت، [6] زبدة: شاه جهان.

[7] در زبدة اسمای امرای نامدار این لشکر را نیز دارد [8] زبدة: عساکر ماوراالنهر ساخته گردانیده امیر .... اتابیک کورکان دردارالسلطنته سمرقند توقف فرمود* امیر شاه ملک با لشکرهای آراسته متوجه ایشان شد

[9] آباآ، شده [10] آ: شالیسم، باآ: شاه بسیم، اک شل متن از زبدة: شالستم [11] آ: بکی، ک باآک نیکی، زبدة: بیکی لفظاً بیگی است که بقول بابرنامه (طبع وقف گیب) ورق ۱ ب همان اطراف یک نسخه خطی (احتمالاً صحیحین کتاب بر ورق ۱ الف بیگی نوشته است و نیز رک بترجمه بابرنامه از بیوریج صد ۲ ح ۱)

درآیند و بخانهای مغولان که دران ولایت بود دستبردی نمایند شانزدهم روز و شب سرعت سیر نموده بنوعی شتافت که مخالفان را بر بستر امن و رخواب غفلت خفته یافت و آن مجموع را غارتیده خانها را زیر و زبر گردانید و الجای بسیار گرفته شش هزار اسپ بخدمت امیرشاه ملک رسانید، مغولان این خبر شنیده از هم فرو ریختند و هریک بطرفی گریختند و امیرشاه ملک احوال معاودت مغولکان عرضه داشت پایه سریر اعلی نموده در وقتی که موکب همایون (ورق ۲۸۹) در ییلاق (۸۹) باوغلیس بود آنحضرت لشکر را اجازت داده بستقر دولت مراجعت فرمود چنانچه ذکر آن گذشت اکنیت شرح احوال که قلم عنبرین خال به طیب و مذه آن مقال مشک سای گشت،

ذکر توجه حضرت خاقان سعید بجانب ماوراءالنهر

چون امیر شیخ نورالدین ازطرف مغولان طرفی نبست و دندان طمع او در کام ناکامی شکست روی بحیله آورده کسان بمغولستان فرستاد و بصورت عرضه داشت پیغام داد که بارها گفتم که امیرشاه ملک باشما دوست نیست و غدر میکند باور نمیکردید اینک تمام الوس را برهم زد اگر تدارک این قضیه نخواهید کرد ضرر او زیادت خواهد شد، محمدخان با لشکر فراوان عازم ماوراءالنهر

---

۱ زبده: خانهائی اکثر از لشکر که متوجه آن طرف گشته بودند در ولایت. ۲ ولایت نیکی بود، ۳ با مثل تن ما نیکی بود... شالشتم را... فرمود که الیغار کرده ازراه بگذرند (کذا) بولایت نیکی درایند شانزدهم روز بماندارد ۴ آ: آک آ: الجاء ۵ بقول زبده از جمله غنایم ۱۲ هزار اسپ گرفته بودند ازان جمله ۶ هزار در راه تلف شده و ۶ هزار دیگر پیش شاه ملک رسانیدند ۶ بقول زبده مغولان را این خبر در قرآسمان که از توابع ارتار است رسید، (این قرآسمان مذکور است در شرف نامه نیزدی ۱: ۴۹۹) ۷ در زبده بعدش گفته که: امیر شیخ نورالدین بعد ازانکه از مقاومت و قتال و جنگ و جدال مایوس شد و بامرای مغول قاعده و داد و رستم (رسم) اتحاد بنیاد نهاده بود دختر خود را نامزد بادشاه جهان (شمع جهان) کرده چون این قضیه دست داد با پانصد سوار متوجه صوران گشت و ازانجا قضیه مصادمت (مصاهرت) و مناکحت باتمام رسید شه آک به ص .. ۲، ۹ آ آک با: عذر، زبده: مکر و فدر می کند

شد و خبر بسمرقند رسید و میرزا الغ بیگ شرح واقعه بپایهٔ سریر اعلی رسانید، حضرت شاهرخی به احضار لشکرها فرمان فرمود و بدولت و سعادت عزیمت ماوراءالنهر جزم نمود و چهارشنبه سلخ ربیع الاول[۱] از دارالسلطنه هراة بباغ مختار آمد و با لشکرهای جهان روان شده بآب مرغاب رسید، و قاصد میرزا الغ بیگ خبر رسانید که مغولان بولایت خود بازگشتند، و شرح این حال از روی اجمال آنست که محمدخان از تختگاه خود بموضع علان[۲] باشی که میان بنگی[۳] و صورانست آمد و امیر شیخ نورالدین ملحق شد محمدخان با اعیان دولت خود مشورت نموده مردم کاردیده بتجربه یافته گفتند چه موجب ست که ما برای شیخ نورالدین با قومی با قوت در با جمعی با شوکت دشمنی کنیم و حال جنگ معلوم نیست، ایلچی حافظ نام پیش امیر شاه ملک فرستاده پیغام داد که سابقا میان ما عداوتی نبود و صورت نزاعی که روی نموده انگیز صاحب غرضان بود این زمان با تو دوستی[۴] می کنیم* اگر میان تو و شیخ نورالدین نزاع باشد[۵] ما او را حمایت نمی کنیم* امیر شاه ملک ایلچی را رعایت کرده خوشدل باز گردانید و نوروز بخشی را با بیلاکات پادشاهانه بخدمت محمدخان فرستاد و از جانبین قواعد مصادقت تاکید یافت[۶]،

درین اثنا نوکر میرزا الغ بیگ ملک لیساول رسید و بموقف عرض رسانید که میان مرزا الغ بیگ و امیر شاه ملک کدورتی واقع است[۷]، آنحضرت از جهت معاودت مغول و خبر ملک لیساول در عزیمت جانب ماوراءالنهر متردد بود و چند روز در النک بیجکتو توقف نمود و امیر سید علی ترخان جهت تحقیق اخبار بسمرقند ارسال فرمود امیر سید علی تفحص احوال نموده دانست که از ان وقت که آنحضرت امیر شاه ملک را عنایت فرمود و در ممالک ماوراءالنهر صاحب اختیار ساخت[۸] تمام امور بروفق رای جمهور بفکر صایب و نظر ثاقب منتظم گردانید و با میرزا الغ بیگ در مقام نصیحت و دولتخواهی است

---

[۱] در زبده افزوده: سنه اربع عشر و ثمانمایه [۲] آ: علان ماسی، آک: غلان باشی، زبده: علان ماس.
[۳] آ: بنگی، با: سنگی، آک: نیکی، ک ب س ۲۰۲ ر ح ۱۱۴ زبده: می کنم، [۴] زبده: می ... نمی کنم،
[۵] در زبده افزوده است که محمدخان برهان قول که کرده بود بولایت خود مراجعت نمود، آک: شد، [۶] زبده: حضرت سلطنت شعاری امیر شاه ملک را منظور نظر عنایت گردانیده در ممالک ماوراءالنهر بنیابت فرزند اعز الغبیک گورکان مقرر کرد

اما اکثر طباع خاصه بادشاهان را نصیحت تلخ آید چه ایشان همه وقت طعم ایام را شیرین و خوشگوار بکام خود خواهند و همه عالم را فرمود خود بینند و اگر امیر بنا بر مصلحت خلاف رای شاهزاده کرده باشد اصحاب اغراض آن را بر بی حسابی و سبک داشت حمل کنند و بنوعی دیگر باز نمایند و چگونه گمان توان برد که نصیحت موجب عداوت گردد و بیت

دارو سبب درد شد اینجا چه امید است زایل شدن عارضه صحت بیمار

امثال این قضایا از کید حساد و مکر اضداد و بعید و بدیع نیست خاصه بر درگاه سلاطین؛ فی الجمله امیر سید علی ترخان باز آمده شرح احوال بعرض رسانید و ازان طرف امیر شاهملک متوجه مغول شد حضرت خاقان سعید خواست که ضبط مملکت بنوعی نماید که مناسب | ناموس سلطنت باشد بنابران (۲۸۹)
موکب ظفر نشان عازم سمرقند شد و بقیة الاسلام بلخ آمده بر جیحون پل بستند و موکب منصور بیست و یکم جمادی الاولی عبور فرمود و میرزا الغ بیگ و جمیع بزرگان در منزل قشقا شرف دستبوس یافتند و آنحضرت چون آفتاب در بیت شرف [در] دار السلطنة سمرقند نزول نمود و بزرگان و یاران و صاحبقران نامدار رفته صلات و صدقات بمستحقان رسانید و مرغوار کان کل لشکرگاه گردانید و بعد از چند روز نوکر امیر شاهملک سر امیر شیخ نورالدین را آورد و شرح این سخن از نوادر وقایع است ،

---

۱ رک بر ص ۱۹۷ س ۷ - از لفظ "بیت" بر آن صفحه تا لفظ "ایشان" بر این صفحه س ۱ از ب ساقط شده است - ۲ ب ب آ : مصلحتی احیانا ز ج : واگر احیانا بجهت مصلحتی خلاف رای او کرده باشد، ۳ ج : بر دلیری حمل کرده ۴ ز ج : بادشاهان و ملوک که دایا درمیان ایشان حقد و حسد و بغض و عداوتست ، ۵ ز ج : آب آمویه ، ۶ ب آ ک : الاول، ز ج : الاول سنه اربع عشر و ثمانمائه ۷ ز ج : ندارد، ۸ بقول ز ج : بادشاه درکان کل نزول فرمود ... مدتی چند روز برای آبادانی مملکت و انتظام امور و ولایت بر در شهر مقام فرمود .. "بعد ازان شش روز که بکان کل مقام فرموده بودند نوکر امیر شاهملک رسید"، ۹ ز آ ندارد ،

شرح قتل امیر شیخ نورالدین بحسن تدبیر امیر شاهملک بدست هرقداق

هرکرا[1] تسییر درجهٔ طالع بحرم[2] قاطع رسد هرآینه ازنظر سعادت اثر نحوست یابد و هرصورت که باخود نقش بندد غیر آن در آینهٔ خیال[3] جمال نماید بیت

هزار نقش برآرد زمانه و نبود یکی چنانچه در آیینهٔ تصور ماست

وکسی راکه درین معنی تمسکی باشد و حکایات گذشته را باور نکند گو بچشم عبرت صورت این حال مشاهده نمای و بگوش هوش این حکایت[4] استماع فرماید کذا اجمه در تواریخ قدماء و مؤلفات فضلاء چنین حادثه مطالعه نه رفته و معاینه نه گشته،

وکیفیت واقعه چنان بود که چون امیر شاهملک عزیمت مغولستان نمود و درکنار سیحون عزم پل بستن نمود امیر شیخ نورالدین آگاه شده قاصدی پیش چنگیز[5] اغلان فرستاد و پیغام داد که من با امیر شاهملک بدکرده ام و خود عذرخواهی نمیتوانم نمود توقع آنکه میان ما واسطه شوی و هرچه ازین طرف تقبل نمائی بتقدیم رسد، چنگیز[6] اغلان رمضان اوزبک راکه از اعیان نوکران او بود[7] بچرب زبانی آب لطف بآتش عنف امتزاج مینمود[8] روان نمود و فرمود که امید بجناب امارت مآب آنست که ملتمس رد نکند و نصیحت قبول فرماید چه معلومست که درخت دشمنی میوهٔ پشیمانی بارآرد و تخم نزاع ثمرهٔ انقطاع دهد شمارا سوابق مودت و لواحق محبت درمیان بوده اگر آنجناب نصیحت بسمع رضا اصغا نمایند من قبول میکنم که امیر شیخ نورالدین بعد ازین[9] در مقام رضاجوئی درآید[10]، امیر شاهملک گفت اگر سر صلح و صفا دارد تومان آقا[11] و برادر او شیخ حسن

---

[1] کذا در ک، و در زبده نیز در بعضی جایها بظاهر بالضم نوشته است، [2] با: تیسر، [3] ک: زبده: بحرم، [4] آ: جمال خیال، [5] آ با: جنانکه، [6] ک: حکایات، آ: مثل متن (زبده: بگوش هوش حکایات این واقعه استماع نمای)، [7] آ: (بهرمومنع) جگلیر، زبده: جگو، [8] ب: جگیر، آ: جگر، [9] آ: جگلیر، زبده: جگلز، [10] زبده: نماید، [11] زبده: برامثال حرکات گذشته اقدام نماید و ازانجمه متقرر گردانیده شود تجاوز نکنند (نکنند)، [12] زبده: آغا

دنوکرش تنگم[1] دپسرش محمود شاه را پیش ما فرستد تا سخن او اعتماد را شاید این مثل مشهور است که هر که شیر گرم خورده تا آب پُف نمیکند نمیخورد شیخ نورالدین مارا بسیار بازی داده است ،

چون امیر شیخ نورالدین از جانب چنگیز[2] نومید شد علی[3] کاء نوکر امیر عمر تابان را که مدت چهار ماه در بند داشت پیش امیر موسی کاوا امیر دولتخواجه فرستاد که شما تا کی جانب شاهملک اندا[4] گرفته اید؟ وقت آمد که طرف ما گرفته[5] آشتی دهید، اگر او بدرشتی سخن گوید او را بلطف و نرمی ازان منع کنید، امرا[6] سخن گفته امیر شاهملک الیشا را پیش امیر شیخ نورالدین فرستاده خود متعاقب بصوران آمد و قاصد روان داشته گفت : اگر[7] گناه اعتراف کرده[8] میگوئی بدکردم من با تو صلح میکنم واگر نه میان من و تو جنگ است ، امیر شیخ نورالدین گفت اگر امیر شاهملک با دو نوکر بدر قلعه آید[9] تا من نیز با دو نوکر بی رسول و پیغام سخن کنیم بهتر باشد، برین قرار هر دو یکدیگر را دیده سلام کردند کنار گرفته پرسیدند ،

امیر شاهملک گفت : همه عالم را معلوم ست که حضرت صاحبقران ترا بمنزله فرزندان تربیت فرموده بدرجهٔ بزرگ امارت رسانید و تو خود انصاف ده که هیچ آفریده با این خاندان این جرأت

---

[1] آ : شکوم ، بب مثل متن ، زبده : سینکم ، [2] آ : جگدا غلان ، بب : جنگیز ، زبده : جنگز غلان [3] زبده : علی ، [4] کذا در ک آ ، بب : اندا ، در با ندارد ، زبده : آنده را .... برای این کلمه رک به لغات تواریخ ص ۳۷ ، [5] زبده : نیز بگیرید و برفق و محاملت و مواسا و ملاطفت میان ما آشتی پیدا سازد (سازید) ، [6] درین موضع زیادتی هست در زبده و حاصلش آنکه موسی کا و دولت خواجه شیخ را گفتند که اگر وی التزام نماید بهرچه امیر شاهملک فرماید ایشان پای در میان نهند ، شیخ باز خبر فرستاد و خود بر عقب روانه شد ایشان یک روز پیشتر بصوران رسیدند امیر شاهملک روز دیگر برسید و پیش امیر شیخ نورالدین فرستاد و خود بر عقب روانه شد ایشان یک روز پیشتر بصوران رسیدند امیر شاهملک بروز دیگر برسید و پیش امیر شیخ نورالدین فرستاد و خود بر عقب روانه شد ایشان [7] بب : بگناه او ، [8] آ : کرده ، [9] ک : بوآید آ مثل متن ، زبده : اینده ،

بی حرمتی کرده که تو می کنی حالا الماضی لا یذکر ع

که گفته اند بزرگان که از گذشته مگویند

من برکرم حضرت خاقان سعید اعتماد دارم (ورق ۲۹۰) که تو اگر در مقام اعتذار آئی تراگزندی نرسد، امیر شیخ نورالدین گفت ریسمان که بگسیخت[1] درست نمیشود و اگر شود[2] پیوند گره باقی ماند*

بیت

رشته[3] چو گسیخت می توان بست* اما[4] بمیان گره بماند

سخن صلح قرار نگرفت، امیر[5] شاهملک تومان آغاز اسلام کرده و زمان حضرت صاحبقران را یاد آورده و در گریه شد[6] و امیر[7] شاهملک شیخ نورالدین را گفت بروز بلند شد و هوا گرم از برای ما شامیانه و خوردنی فرست تا زمانی بیاسائیم بیت

چند روزی که درین مرحله فرصت داری خوش بیاسای زمانی که زمان این همه نیست

بدین سخن او را فریب داد، آه از دنیای غدار و فریب آن[8] با یکدیگر!

القصه موسی کاو[9] امیر دولتخواجه چند نوبت[10] آمد شد کرده، سخن صلح بجائی نرسید، امیر شاهملک

---

[1] آ: پیوند درست، زبدة: دیگر باره درست نمی شود [2] آ: می شود کره باقیست، با: واگر پیوند کنند کره باقی ست، در ب کلمه 'واگر شود' را ندارد و 'است' دارد بجای 'ماند'، زبدة: واگر پیوند کنند البته کره باقیست [3] زبدة: رشته چوگشت (گسست) وانوان بست [4] با ب: لیکن، زبدة مثل متن، [5] در زبدة گفته است که امیر شاهملک از دروازه برکنار خندق لبوی برجی که تومان آقا در انجا بود روان شد که اورا داشت (کذا) که اگر بطرف اویل کنند و دریابد که قصد او دارند در پیش او صحرا بود تا خته بردم خود پیوندد". [6] از زبدة مفهوم می شود که آنگه گریه کرد و تومان آقا بود نه امیر شاهملک. [7] درک ندارد [8] با: اهل آن، ب مثل متن. [9] درک ندارد، از روی آ نوشته شد [10] در زبدة ذکر چند نوبت نیست، فقط یک بار رفتند و وی را نصیحت کردند که سلطان شاهرخ را بیند و الا فرزند یا برادر خود را بفرستد، وچون مفید نیفتاد پیش شاه ملک آمدند *

چون دید که امیر[۵۱] شیخ نورالدین صلح نمیکند سنگر[۵۲] هرقداق با امرا درمیان آورد امرا گفته او ازان نیست که بهمچنین قصد او توان کرد ع

کجا همای بدام کسی درآرد سر

امیر شاهملک با[۵۴] امراء دیگر سخن نگفته با خود گفت این کار جز بدلیری نمیشود و این سر با کسی نباید گفت ع

گر اهل عقلی این همه با خویشتن بگوی

امرا را گفت یک بار دیگر این بی دولت را نصیحت کنید که اگر خود و فرزند پیش بندگی حضرت نمیروند دو[۵۵] لوکر* نیک خود را فرستد تا[۵۶] بازگشتن را ناموسی باشد امرا رفته و امیر شیخ نورالدین با دو سوار نزدیک قلعه ایستاده با ایشان سخن می گفت امیر شاهملک هرقداق را گفت تو مرا بجای برادری بل بیشتر اگر امروز قدم جرأت درپیش نهی و برانیمعنی که در خاطرم آمده اقدام نمائی شاید که ظفر روی نماید و نام دلاوری بر روی روزگار باقی ماند درین حال که امرا بازگردند ترا پیش شیخ نورالدین باید رفت و او چون ترا بیند هرآینه طلبیده در آغوش خواهد گرفت، چون تو[۵۷] نزدیک رسی پیاده شو و چون سر فرود آرد که ترا در آغوش گیرد او را[۵۸] دلیر و مردانه چنان در آغوش گیر که دستهای تو بر پشت او بهم رسد او را محکم گرفته از اسپ فروکش او را بزیر آوردن عهدهٔ تو و ترا نگاهداشتن عهدهٔ ما،

و هرقداق بدر قلعه رفته[۵۹] چون چشم شیخ نورالدین بر او افتاد آواز[۶۰] داد هرقداق پیاده شده چند کرت زانو زد، و امیر شیخ نورالدین خم شده و آغوش باز کرده او را در بغل گرفت چون دست هرقداق غدار[۶۱] از پشت امیر[۶۲] بهم رسید بهر زوری که داشت او را فروکشید و چون بر زمین افتاد زانو بر سینهٔ او نهاد شمشیر از میان کشیده

---

۵۱ دولک ندارد ۵۲ زیده: امیر شاه ملک فرموده که من یک نگر کرده ام الخ ۵۳ دبا (بهر موضع) هرقداق

۵۴ با دیگر امرا ۵۵ زیده: یک نوکر ۵۶ زیده: که مارا نیز ناموسی است تا بازگشتن را بهبی باشد ۵۷ دربا بت

و زیده ندارد ۵۸ با، دلیرانه، اک بب مثل متن، ۵۹ در زیده گوید که امیر شاه ملک فرموده تا دویست سوار جوشن پوش

شمشیر گذار دوتیر پرتاب از دو قلعه دور تر معد بایستادند و هرقداق بدان طرف رفت، ۶۰ زیده: آواز داد و او را کرم رسید

۶۱ در زیده ندارد ۶۲ آ ۱۱ د،

دولوکر شیخ نورالدین که در بردن قلعه بودند بر هنر قداق تاختند و یکی شمشیر بر بازوی او فرود آورد و هنر قداق شیخ[۱] نورالدین* را بزانو نگاه داشته شمشیر حوالهٔ سوار کرد و چنان زد که لبهای اسپ بریده شد و اسپان رم کرده شمشیر[۳] بر روی شیخ نورالدین مظلوم[۴] فرود آورد چنانکه انگشتهای دست او که منع تیغ میکرد و بینی با یک نیمهٔ کاسهٔ سر جدا شد و امیر شاهملک از دور بر[۵] بالای بلندی چشم بر ایشان داشت چون هنر قداق دست بالا کرد[۶] امیر شاهملک با دویست سوار مکمل تاخته بدر قلعه رسید و هنر قداق هنوز بر سینهٔ شیخ نورالدین بود چون مدد رسید بر[۸] خاسته یک دو شمشیر دیگر بر سر او زد و سرش از تن جدا کرده بر خاک مذلت انداخت، امیر شیخ نورالدین اگرچه روزی چند با امیر شاهملک شطرنج منازعت باخت و در لباس مقابله و مقاتله اسپ مخاصمت تاخت و در پس فرزین بند فریب مکمن ساخت عاقبت نظر از بازی خصم برداشته و فیل بند[۹] غدر او را عدم انگاشته* در خانه مات نشست و رقعهٔ حیات بر افشاند بیت

بپیل بازی خود گرچه ساخت فرزین بند | بیک پیاده شه رخ ز اسپ[۱۰] دور افتاد ۱۰

امیر شاهملک هنر قداق[۱۱] را که چنان امر خطیر را بکتاب نمود بتربیت و نوازش بسیار فرمود و او را گفت که بمدت عمر[۱۲] ممنون تو خواهیم بود هنر قداق عرضه داشت که اگر من در خدمت مشقتی تحمل کردم[۱۳] بامید رضای مخدوم بر من آسان گشت و کار چنین جز بمساعدت دولت نه تواند بود و کدام خدمت ازین زیادت باشد که نام خدمتگاری بنده در میان الوس باقی ماند و این همه نتیجهٔ فکر صواب بندگی مخدوم است،

امیر شاهملک بعد ازین واقعه قلعه صوران را محاصره کرد حضرت خاقان سعید امیر شاهملک را طلبیده فرمود که اهالی قلعه از تو در وهم اند تو پیش ما آئی تا ما کس فرستاده ایشان را طلب داریم امیر شاهملک کمر فرمان بسته روی بحضرت بهشت صفت که واذا رایت ثم رایت نعیماً و ملکاً کبیراً آورد ع

دست مدار از کمر مقبلان

---

۱ درک ندارد، از روی آ نوشته شد ۲ فقط آ: اسپها، زبدة: اسپان ایشان ۳ زبدة: پس شمشیر الخ
۴ در زبدة ندارد ۵ در زبدة ندارد ۶ در زبدة: افزوده است: تا شیخ نورالدین را در آغوش گیرد،
۷ ک: بر قلعه ۸ ک: عذر او را عدم انگاشته (مثل متن)، (زبدة: از فیل بند کرد و عذر روزگار این گشته الخ) ۹ زبدة: جون ۱۰
زبدة: هنر قداق بهادر ۱۱ در آ ندارد ۱۲ زبدة: هنر قداق بهادر ۱۳ ک: کردمی (مثل متن)،

ذکر معاودت حضرت خاقان سعید از جانب ماوراء النهر

چون مهمات ولایات ماوراء النهر بتجدید مضبوط شد و اطراف ممالک از آسیب بی باکان محفوظ گشت حضرت خاقان سعید عزم مراجعت فرموده موکب منصور از کان کل کوچ کرده بگوک گنبد* آمد آنجا میرزا احمد میرک* کمر انقیاد بسته شرف دستبوس یافت و بعنایت مخصوص شد، و امیر شاهملک نیز بسعادت ملازمت مشرف شد* و آفتاب عاطفت از اوج جلال بر چهرهٔ احوال او تافت، و میرزا الغ بیگ در همان منزل طوی عظیم کرده پیشکشهای پادشاهانه بعرض رسانید و امیر شیخ محسن برادر امیر شیخ نورالدین عرضه داشت فرستاده اظهار انقیاد کرد* آنحضرت توکل چهره را فرستاده فرمود که اگر ایلی تومان آقارا پیش ما فرست و چون میان میرزا الغ بیگ و امیر شاهملک اندک غباری شده بود فرمان همایون نفاذ یافت که امیر شاهملک عازم خراسان شود* و موکب عالی باکوکبهٔ دولت و اقبال در دارالسلطنته هراة نزول اجلال فرمود، و بعد از چند روز بانوی عظمی تومان آغا رسیده دآنحضرت در تعظیم شرایط تکریم تقدیم نموده قصبه کوسویه را بر سم سیورغال بر نواب او مسلم داشت و حالا در آن قصبه نواحی از آثار خیر او مدرسه و خانقاه و رباط بغایت معمور است ،

---

۱ در آ و زبده ندارد ۲ زبده : بکوکه کنبد ۳ زبده : امیرزاده، امیرک احمد ۴ آ با ب : استعفا و یافت -
۵ در زبده افزوده است : ایل و احتقار (کذا) اورا سر کرده کسان او را ضبط نموده بابندگی حضرت سلطنت شعاری اظهار
اذعان و انقیاد نموده ، ۶ زبده : مصاحب اردوی همایون متوجه خراسان گردد ۷ با مثل متن، ب : جلال
۸ آ : آقا ۹ در زبده افزوده است که تومان آغا از محلی عالی فرود آوردند و گوهر شاد آغا با مجموع آقایان و خواتین باستقبال
او رفتند و او را باعزاز و اکرام تمام کرده طویها کردند ۱۰ بقول زبده (۱۰۰ ب) مال متوجهات این قصبه در
زمان صاحب قرانی سیورغال این خاتون بود ۱۱ زبده : حالا که روز تحریر است دوران موضع ساکن
است و عمارات خیر از ارباط و خوانق و مدارس ساخته ،

ذکر وفات میرزا خلیل سلطان و والده اش خانزاده

موکب منصور چون بدارالسلطنته تبریز[۱] رسید خبر واقعهٔ جانسوز و نایبهٔ جگردوز شهزادهٔ جهانیان نصیرالدین[۲] میرزا خلیل سلطان شنید که در ملک[۳] ری بعارضهٔ دوسه[۴] روزه شانزدهم رجب[۵] باحسرت شباب بمنزل تراب رفت، ازحدوث این حادثه و نزول این نازله دلهای عزیزان در آتش و جانها در کشاکش ماند بیت

ازبسکه خون دیدهٔ احباب موج زد ازگریه چرخ برسر طوفان حباب شد

هنوز گوش ازصدمهٔ صدای نازله[۶] کوس رحیل خلیل خلاص نیافته طنین ارتحال والده اش مهدعلیا خانزاده در شرفات قصر دماغ و غرفات حجرهٔ خیال پیچید ع

داغی نگشته نیک که داغی دگر رسید

و آن بانوی کبری در مشهد مقدس رضوی وفات یافت[۷] و در جوار روضهٔ بزرگوار مدفون شد[۸] مثل آدمی داحوال او و سرانجام و آمال او چون مسافریست که منزل او مهدست و مسکن آخر لحد و میان این دو منزل مرحلهٔ چند معدود و چند روزی محدود، هر سالی چون مرحلهٔ و هر فصلی چون رباطی و هر ماهی فرسنگی و هر هفته میلی و هر روزی قدری و هر ساعتی مسافتی و هر دمی قدمی، و آدمی در دوامین نشسته و از منزل آخرت فارغ گشته رباعی

بنگر که به بن رسید افسانهٔ عمر آمد بگداز شمع پروانهٔ عمر
تو غافل و خوش نشسته مپنداجل هم گاو امید برد و هم دانهٔ عمر

ذکر قضایای ممالک فارس و عراق

---

۱ آ ، ۲ زیده از طرف عراق الخ ۳ زیده ــ ، ۴ زیده: ممالک ۵ زیده: مرضی دوسه روز شب چهارشنبه شانزدهم رجب سنه اربع عشر و ثمانمایه ۶ بآب آ زیده: صدمت، ۷ زیده: زلال (زوال) ۸ زیده: مجر ۹ زیده ــ ، ۱۰ زیده ــ ، ۱۱ در اصل دک، اوراق متعدد بی ترتیب شده، و ترتیب درست باعداد ورق داخ اصل اینست، ۲۹۸ و ۲۹۲ و ۲۹۹ ب، این اوراق را تصحیح ۲۹۱ و ۲۹۱ ب ۲۹۴ و نوشته شده است،

میرزا اسکندر[۵۱] در ماه صفر لشکر معتبر از ممالک فارس مرتب [ساخته][۵۲] عازم ولایت کرمان شد واول بسیرجان رسیده محاصره کرد، سیرجانیان[۵۳] بارهٔ بیرون را بطرح ریخته درقلعهٔ کوه گریختند* ومیرزا اسکندر جمعی بمحاصره گذاشته متوجه کرمان شد وهرجا لشکر اورسید از عمارت وزراعت اثر نماند فوجی[۵۴] امرا بسیم ایلغار بطرف بم وجیرفت وسایر گرمسیرات فرستاده خود بنواحی کرمان آمد و[۵۵] جمعی که بمحاصرهٔ سیرجان میکردند بعد ازین مشغول شده طریقه حرم[۵۶] فروگذاشتند اهل قلعه ناگاه شبخون آوردند ودستبردی نمودند چنانچه امرای محاصره بیک اسپ وتازیانه برا رودآمده، میرزا اسکندر غضب فرموده گریختگان را بنوعی ادب کرد که سبب عبرت دیگران شد، ومیرزا اسکندر امیر عبدالصمد را بجانب خبیص فرستاده سلطان[۵۷] حسین بدفع او از کرمان روان شد* میان ایشان جنگی سخت بوقوع پیوست[۵۹] عاقبت برهان الدین عبدالصمد ظفر یافت وهمچنین امرا که بگرمسیرات رفته بودند غالب شده هردو گروه منظفر ومنصور باز آمدند،

میرزا اسکندر بر ظاهر کرمان نزول فرمود کرمانیان نظر[۵۱] بقضا، اعظم سید شمس الدین کبی راقدس سرهٔ بیرون فرستاده مال و[۵۱] خراج قبول کردند میرزا اسکندر بنابر حسن اعتقاد که در بارهٔ سید اعظم داشت ونیز شنید که میرزا رستم از درگاه قرایوسف[۵۲] عود نموده باصفهان رسید وقطب الدین طارمی باغی شده این

---

۵۱ بعدش در آ افزوده است: درممالک فارس اساس سلطنتی نهاد، ۵۲ از روی با ببب، اک آ ـــ، ۵۳ ونبذه گفته است که جماعتی را بنابر تقویت قلعه خندق داشتند وبعضی را بر حفر برج وبارو گماشت تا سیرجانیان از محاصره رد مقاتله تنگ آمدند تا غایتی که بارهٔ بیرون را بطرح ریخته درقلعه کوه گریختند وبسهل زمستی شهرستان سیرجان بگرفتند وقلعه را مدت چهل روز محاصره کردند کاری ازپیش نمیداد ۵۴ درنبذه اعلام بعضی ازاینها ادراج نموده است ۵۵ آ با ـــ، ۵۶ آ: حرم ۵۷ ببب: حسین برلاس والد امیرایکو برلاس، با: حسین برلاس، اک مثل ببب اما ولد، نوشته است بجای والد، نبذه: سلطان حسین ۵۸ بقول نبذه اهل کرمان سلطان حسین را فرستادند، ۵۹ بقول نبذه یکی از اصحاب عبدالصمد زخم خورده بامیرزاده اسکندر رفت وتقریر کرد که عبدالصمد از مقابله کرمانیان عاجز است، امیر اسکندر امیرجهانشاه را بمساعدت عبدالصمد فرستاد، ودوی هنوز نرسیده بود که کرمانیان منهزم شدند، ۵۱ آ مر نقضی، درنبذه امیر بجای مرتقضام اعظم سید (وطاب ثراه بجای قدس سره) ۵۱ آ حرج، با ببب: خرج، نبذه مثل متن ۵۲ آ: امیر قرایوسف

معانی[۵۱] سبب آن گشت که التماس سید قبول کرده صلح نمود و بجانب شیراز معاودت فرمود[۵۲]،
وچون میرزا رستم ازجانب تبریز باصفهان آمد خواجه احمد صاعدی که صاحب اختیار بود* باسایر اکابر عراق استقبال نمود
و میرزا رستم یکدو ماه در اصفهان کامگار و کامران گذراند وچون خواجه احمد صاعدی خلاف احکام رستمی
میکرد میرزا رستم درباب قتل او با رکان دولت مشورت نموده قرار دادند که چون بمبارکباد عید اضحی که دران
نزدیک واقع بود آید اورا تنها بمجلس آورده ازمیان بردارند و بموجب مقرر عمل نموده کار اتمام شد ع
نشنیده که هرکه بمرد او* تمام شد
اصفهانیان با میرزا رستم دل دگرگون کردند و میرزا اسکندر نزدیک اصفهان رسیده[۵۳] میرزا رستم طاقت
مقاومت نداشت؛ بضرورت عازم خراسان شد[۵۴]،

ذکر احوال امیر قرا یوسف و فرزندان او[۵۵] درین سال

چون امیر قرا یوسف خاطر ازجانب سلطان احمد جمع نمود و تختگاه دارالملک تبریز تصرف نمود ۱۰
اراده[۵۶] اش آن بود که اسم خانیت درمیان اولاد او باشد بنابرین تختی زرین ساخت و طوی بزرگ

---

۵۱ با: معامله، زبده مثل متن، ۵۲ درزبده درین موضع سبب رفتن امیرزاده رستم تبریز را اعاده کرده است چنانکه در صفحه ۱۹۸ (وحواشی آن صفحه) گذشته ۵۳ زبده: اختیار اصفهان بود، ۵۴ آ: بمیرد ۵۵ آ: رسید
۵۶ درزبده این واقعه را مفصل نوشته است، حاصلش این که میرزا اسکندر امیر عبدالصمد را با لشکری بورزنه فرستاده، رستم با لشکری بسر ایشان آمده بود و ایشان را محاصره کرده، امیرزاده اسکندر یوسف خلیل و توکل لا بمدد عبدالصمد فرستاد و خود نیز متعاقب ایشان روان شد؛ رستم چون از رسیدن یوسف وغیره خبردار شد از ظاهر ورزنه باستقبال ایشان رفت و ازجانبین آتش حرب مشتعل شد، درین حال امیرزاده اسکندر بکوشک رسید و قاصدی بورزنه فرستاد این قاصد را گرفته پیش رستم بردند، و لشکرش که قریباً سه هزار (سوار و پیاده) بودند ساختگی جنگ کردند، اما آخر منهزم شدند و بجانب شهر رفتند و لشکر میرزا اسکندر در آتش گاه فرود آمد و رستم بالضروره بترک اصفهان گفته متوجه خراسان گشت ۵۷ آنچه—
۵۸ آ: ب ارادتش

ترتیب داد و اکابر اعیان آذربایجان را حضار نمود و پیر بوداق[۵۱] که ارشد اولاد او بود بتاج و کمر سر افراز ساخت و بپادشاهی برداشت و بر تخت زرین نشانده لوکر داریش[۵۲] او بخدمت قیام نمود* و چند روز طویهای بزرگ فرمود و خلعتهای پادشاهانه و کمرهای خسروانه باعیان آذربایجان و امرای ترکمان داد و همه پیشکشهای مناسب گذرانیدند و بعد[۵۳] ازو طوی بر صدر فرمان چنین نوشتند که* :

سلطان پیر بوداق یرلیغیدین[۵۴] ابو النصر* یوسف بهادر نویان سوز میز*

و هم درین سال شاه محمد پسر بزرگتر امیر قرا یوسف بغداد مسخر کرد و آنچنان بود که بعد از واقعه سلطان احمد اولاد[۵۵] شاه زاده ولد بن شاه زاده* شیخ علی بن سلطان اویس یعنی سلطان محمود و سلطان محمد و سلطان اویس حاکم بغداد شدند و میان[۵۶] ایشان اختلاف عظیم شد امیر شاه محمد بن امیر یوسف در اردبیل بود[۵۷] این اخبار شنیده طمع ملک بغداد کرد | و ایلغار کرده ناگاه بدروازهٔ سوق (ورق ۱۹۱ ر)
سلطان فرود آمد[۵۸] و درین حال سلطان محمود پسر بزرگتر شاه ولد حاکم بود و از قبیل او عبد الرحیم ملاح[۵۹] صاحب اختیار. جمعی اشرار امیر بخشایش را که در زمان پادشاه شحنه و داروغه بود گفتند با وجود تو این

---

۵۱ ک (بهر موضع) : پیر بوداق ، آ (بهر موضع) : پسر بداق ، با بب : پر بداق ، زبدة : پیر بوداق ، ۵۲ با : را که (بجای که) ، ۵۳ زبدة : بطریق نوکران دست ادب پیش گرفته خدمت نمود ، ۵۴ آ مثل متن اما نوشت بجای نوشتند ، زبدة : و در احکام و امثله که ازین روز باز باطراف و جوانب میفرستاد چنین می نوشته ، ۵۵ ک : یرلیغ الدین الخ ، آ مثل متن ، زبدة خان یرلیغید ابو نصر ، ۵۶ ک : سوز و میز ، با : سیوزم ، آ مثل متن ، زبدة سوز و میزاد و بعدش افزوده : و درین سال چون فصل تیرماه باخود رسید زمستان بتبریز آمد و قشلاق آن سال در تبریز بود) ۵۷ در زبدة گوید که بعد از سلطان احمد از اعقاب او فلان و فلان (مثل متن) و ماور سلطان اویس رندی (کذا) سلطان بنت سلطان اویس (بود نداد) با یک عبارة مثل متن تا شه و در تحفهٔ آسلیز صفحه ۲۴۸ نامش شاه ولد است و نام والدش علی ،

۵۹ در زبدة گفته است که ایشان هر روز یکی را بقسط شهر تعیین نمودندی و روز دیگر او را بقتل آوردندی ، چنانکه در اندک مدت چندکس را که برتبه امارت رسیده بودند چون عبد الرحیم ملاح و ناصر الدین یرسی و بخشایش شحنه بقتل رساندند ۵۸ آ ـــــ ،

۵۸ درک نمود این صفحه ۲۹۸ (ب) است ۵۹ در زبدة گفته است که تا در بغداد در سیدن وی هیچ کس از اهل بغداد خبر نداشت ۵۹ بقول زبدة وی هم زمان سلطان احمد کشتی بانی شهرت داشتی او هر روز یکی را از اعیان شهر گرفته قتل کردی و بعضی را مصادره کردی و موم بغداد ازین معنی متاصل شده بودند ،

کشتی بان را چه محل حکومت باشد اتفاق کرده ملاح را بقتل آوردند و بغداد را بغارت شد اولاد شاه ولد و دندی[۱] سلطان* بنت سلطان اویس بغداد[۲] بطرح ریخته* بجانب شوشتر گریختند و شاه محمد بغداد را گرفت و قلعه هیت و بعضی کردستانات در قبضهٔ تسخیر آورد و سالها دران مملکت فرمان روان بود،

وقایع سنه خمس عشر و ثمانمائه و تتمهٔ سنه اربع عشر[۳]

میرزا رستم[۴] اواخر شهور سنه اربع [عشر][۵] بدرگاه حضرت خاقان سعید آورد بیت

نهاده روی بدرگاه او وضیع و شریف کشاده گوش بفرمان او قضا و قدر

و شرف دستبوس یافته آنحضرت او را بحسن اشفاق و مکارم اخلاق معزز و مکرم داشت و چشم عنایت و نظر عاطفت بر انتظام احوال او گماشت و بار دیگر در بارهٔ او التفات پادشاهانه و اهتمام خسروانه بذل نمود و اسباب سلطنت مرتب داشته بجانب عراق فرستاد* و آنحضرت زمستان در هراة اتفاق قشلاق فرمود

ذکر عزیمت زیارت مشهد مقدس معلا و بعضی قضایا و حکایات

چون سپاه سپهر اروی با نهزام و انتها آورد و مزاج هوا آغاز نشو و نما کرد و نسیم اعتدال بخش صبا در تربیت اطفال نامیه آثار انفاس مسیحا نمود و آفتاب جهان تاب بدستیاری ابر گوهر بار اظهار اسرار زمین فرمود رای حضرت خاقان سعید که طلیعهٔ آفتاب مطلع غیب و جام جهان نمای مجلس لاریب است اقتضا آن کرد که موسم عید اضحی زیارت مشهد مقدس رضوی که اهل تحقیق آن را برابر حج[۶] دانسته اند بجا آورد و[۷] نهم ماه ذی قعدهٔ* از دار السلطنته هراة عزیمت فرمود و قتی

---

۱ زبدة: رندی سلطان ۲ زبدة: دل از بغداد برداشته بیرون آمدند، ۳ آ ــــ، ۴ زبدة: امیرزادهٔ رستم عمر بن رصوابش بن عمر شیخ بهادر، ۵ ک با ب ــــ، ۶ در زبدة گوید که میرزا رستم* با طهارت نفس و ذکا رعرق بکمال عقل و فرط شهامت دوفور خورد هکذا ــ خرد؛ و کیاست و محاسن اخلاق و سوابق اخلاص مذکور و موصوف بود، ۷ زبدة: او را باز طرف عراق روان [نه فرمود، ۸ آ ب ــــ، : معلا مزکی، ۹ ک: اطفاء، تصحیح از روی آ و زبدة ۱۰ با: حج اکبر، ۱۱ زبدة: روز دوشنبه نهم ذی القعده سنه اربع عشر و ثمانمایه،

که بیت

هزار نافه بهر گوشهٔ[1] کشاده صبا هزار عقد[2] بهر منزلی گسسته[3] سحاب

درین[4] اثنا* بسمع اعلی رسید که مودود گرمسیری که التجا بدرگاه عالم پناه آورده بود چنانچه مذکور شد و مدت چندگاه در هراة ملازم درگاه همایون بود چون مدت توقف او مدید شد و منازع[5] او لبنایت مخصوص گشت[6] مودود در روزی چندم الیل حُبلی* می زد و به[7] لعل* و عسی تعلل[8] میکرد درین وقت که موکب منصور عزیمت مشهد مقدس[9] فرمود مودود فرصت غنیمت دانسته در اثنای راه عازم گرمسیر شد آنحضرت[10] بتفحص احوال او کسی بهراة فرستاد و چون قوت دولت آنحضرت چنان بود که هر که خلاف او بر دل گذراند جان نبرد و اگر لغزشی بر دولت او کند محنت روی باو آورد لاجرم چون مودود عزیمت گرمسیر نمود در منزل برسین[11] جماعتی بلوچان که علی تیمور رئیس و مهتر ایشان بود در شکار باو دوچار شدند علی تیمور ازو پرسید که بدین طرف چگونه افتادی جواب داد که آنحضرت مرا بولایت فرستاد، علی تیمور گفت که عنایت نامه باید نمود والا موقوف[12] بود، مودود تیغ کشیده چند تن از بلوچان مجروح گردانید و بعضی را بدرجهٔ شهادت رسانید علی تیمور فرار نمود و مودود تاخته در عقب او بود تیمور لسپر علی تیمور از پس مودود

ع چو ابروی خوبان[13] کمانی بچنگ

---

[1] زبدة : بقعه [2] زبدة : رقعه [3] زبدة : کشیده [4] زبدة : چون دو پسر کوچ برفتند .

[5] کذا فی الاصل و زبدة ، [6] بعدش در زبدة افزوده : واز امارت ولایتی که مقلد حکومت آن بود معزول شد،

[7] آ : الیل جبل ، [8] ک : بعلی ، تصحیح از روی آو زبدة ، [9] آ ب : تعللی [10] آ ـــــ ،

[11] در زبدة گوید که بعد ازانک موکب میمون چند منزل کوچ فرموده معلوم شد که مودود بصورت خود فرد نیامده، بهراة فرستاده تفحص نمودند که سبب چیست ، معلوم شد که این خیال در خاطر دارد که قندهار و گرمسیر رود و در آن نواحی فتنه انگیزد ، [12] کذا در نسخ مطلع و زبدة ، ق ، ترسین ، در مقامات ذکرش یافته نشد ، [13] زبدة : باید بود تا حکم برسد ، [14] زبدة : جانان ، ـــــ در زبدة مصراع اول هم دارد : کمر چون دل عاشقان کرده تنگ [*] رک به ص ۱۸۴

تیری بر شانهٔ او زد که از سینه اش بیرون آمد و از اسپ افتاده تیر فنا از شصت[1] قضا بهدف جان او رسید، جماعتی[2] بلوچان مودودیان را متقید ساخته با سر مودود بهراة فرستادند و قاصدی که از اردوی همایون تفحص حال مودود آمده بود با سر مودود بیک روز بهراة رسید ع

هر که بر تافت سر از حکم تو جان داد بباد

(۲۹۱ و)

وچون موکب همایون بطالع سعد و اختر فرخنده قطعه

بوقت آنکه ببرج شرف رسد خورشید — بگاه آنکه بصحرا کشد صبا لشکر

دهان لاله کند از معدن لؤلؤ — کنار سبزه کند باد مشک عنبر

بمشهد مقدس معلا[3] رسید و شرایط زیارت بجا آورده صدقات بمستحقان رسانید،

و درین ولا امر قضاء اعظم سید عزالدین[4] حاکم مملکت قومس که چند جا ذکر بزرگی[5] او گذشته از راه حسن اخلاق و صفای عقیدت بشرف ملازمت رسید و پیشکشها که از چنان بزرگی مناسب چنین حضرتی باشد گذرانید و عز قبول یافته بعواطف بادشاهانه سرافراز شد و در سلک امرای کبار و ملوک نامدار و سادات عظام انتظام یافت، و نوکر امیر سید علی از بلدهٔ ساری و برادر امیر حسن کیا از فیروزکوه آمده پیشکشها و عرضه داشتها گذرانیدند و بجمال حال ایشان بزیور اخلاص آراسته شد و رایات همایون بجانب دارالملک عود نموده امیر سید عزالدین چون دولت و سعادت ملازم بود، و آنحضرت از راه بادغیس بموسمی که نقاش چابک دست طبیعی در تصویر صحن ربیعی دستکاری مینمود شکارکنان و صیدافگنان جمعه عاشر محرم الحرام در دارالسلطنته هراة مقام و آرام فرمود

آمدن ایلچیان بادشاه خطای

---

[1] آ ب ج: شست، [2] آ: جماعت ـــــ (زیادة: بلوچان در قرب یکساعت متعلقان مودود را بجمعم متقید گردانیدند) [3] آ: رضوی [4] آ: مرتضی، [5] زیادة بزرگی و شهامت،
[6] زیادة: افزونتر بود

درین ولا از ولایت خطای ایلچیان از پیش دای[1] منگ خان پادشاه چین و ماچین و سایر آن ممالک رسیدند فرمان همایون نفاذ یافت که شهر و بازارها آئین بندند و هر صنعت ور کمال هنر ظاهر کرده دکان خود را آرایند[2] و امرا برسم استقبال بیرون رفته مقدم ایشان را برخود مبارک داشتند و همه را به تعظیم تمام در شهر آوردند زمانی بود چون روز جوانی فرح افزای و هنگامی چون شب وصل غم زدای، حضرت خاقان سعید فرمان فرمود که که باغ زاغانرا چون باغ جنان آراسته لیساولان بهرام صولت ضرغام سطوت هر کس را محل و مقام تعیین فرمودند و حضرت خاقان[3] سعید خورشید طلعت چون آفتاب بر اوج رفعت و سریر سلطنت برآمد و عظماء امرا ایلچیان را بشرف دستبوس رسانیده و تبرکات گذرانیده سخنان (ایشان[4]) عرضه داشتند و مکتوب بادشاه خطای باین عبارت بود،

صورت[5] مکتوب بادشاه خطای

دای منگ پادشاه معظم نامه ارسال مینماید بیدار[6] سمرقند مرشاهرخ بهادر را[7] اعلام میکنیم[8] خداوند تعالی جمیع خلایق بیافرید آنچه درمیان زمین و آسمان است تا هریک براحت و رفاهیت باشند ما تابع امر خدای تعالی[9] خداوند ممالک روی زمین گشته ایم بمتابعت حکم الهی جهانداری میکنیم بسبب[10] این میان دور و نزدیک فرق نمیکنیم همه را برابر دیکسان نگاه میداریم پیش ازین شنیدیم که تو نیک عاقل و کامل و از همگنان بلندتری بامر خداوند تعالی اطاعت مینمائی و رعایا و عساکر را پرورش داده و درباره همگنان احسان و نیکوئی رسانیده[11] بسبب آن نیک شاد گشتیم

---

[1] لقب خانواده که در چین بعد ایلان (یعنی مغول ها) فرمانروائی کردند، نام پادشاه چین مذکور تمن ویرنگ لو، بود، ماخوذ از حاشیه قی ص ۲۴۳، [2] ک: آرایند، آ مثل متن، [3] با ب ت آ ـــ، [4] از روی آ [5] در زبده این مکتوب را مدرج نموده است [6] ک: بیدار، آ مثل متن [7] با ب ت ـــ، [8] ب: بگم [9] ک: تعا [10] آ: بسبب

علی الخصوص ایلچی فرستادیم تا کمخاو[۵۱] تر خلعت* رسانید چونکه ایلچی آنجا رسیده تو نیک تعظیم امر مانموده و مرحمت مارا نیک ظاهر گردانیده همه خرد[۵۲] و بزرگ شادگشته اند، فی الحال ایلچی فرستادی تا خدمت و تحفهٔ اسپان و متاعهای آن دیار رسانیدند، بحد صدق نمودن ترا دیدم که شایستهٔ ستایش و نوازش باشی، پیشتر دود مغول بآخر رسید، پدر تو تیمور[۵۳] قوما[۵۴] بامر خداوند تعالی اطاعت آورده ای زوی | پادشاه اعلی مارا خدمت نموده تحفهٔ ایلچیان منقطع نگردانیده، سبب این معنی آن دیار را امان داده و همگنان را دولتمند گردانیده، دیدیم که تو بهمت و روش پدر نیک متابعت نمودهٔ اکنون دو چیون[۵۵] بای از کسای[۵۶] و هزار[۵۷] سوجو و دانک[۵۸] جنک* صدهٔ سون قوبچی[۵۹] با جمعهم فرستادیم با تهنیت و خلعت کمخا و ترغوها تا صدق ظاهر گردد، بعد ازین کسان فرستیم تا آمد و رد کنند تا راه منقطع نشود تا تجارت و کسب بمراد خویش کنند، خلیل سلطان داور[۶۰] زادهٔ تست می باید که دیار نیکو بتربیت نهائی تا حق زادگی خویش بجای آورده باشی، تو می باید که بصدق و رای متابعت نمائی، اینست که اعلام گردانیده میشود،

و مکتوب دیگر همراه این مکتوب فرستاده بودند، یکی بیلاکات که فرستاده بودند در انجا مفصل کرده

---

۵۱ یعنی خلعت زرقو، صاحب فرهنگ استدراج ۱:۶۶۷ می گوید که ترغو نوعی از بافته ابریشمی سرخ رنگ باشد، ۵۲ ک با: خورد، ب ت ش: متن، ۵۳ ک: تور ۵۴ ک: خوما، تصحیح از روی ق، با ب: فوما، آ: اک قوما ـــ فوما = کورکان (رک بر ق ص ۲۹۴ ح ۲) ۵۵ ک با چیون پای، آ: جمعوں بای، ق ص ۲۱۵: Doutchioun-Bai ۵۶ اک با: کسان، ۵۷ ب ـــ، نسخهٔ قاضی میر بنظاهر از کسان هزارها سوجو Soui-tcheou هی شت ۵۸ با: دان جینک، اک: داک جینک، آ: دانک چنک، ب: دانک چنک، ق: Dan-Tchingo ۵۹ آ: قونجی، اک با: قونجی، ـــ ق: du soudek de Soun-Koutchi ۶۰ داور بلغت ماوراالنهر بمعنی برادر شد (فرهنگ انندراج ۲:۵)

ویکی بمثال خطاره که ایلچیان را باشد و هر که مکتوبی (صواب مکتوب) بزبان فارسی[۱] وخط فارسی[۲] نوشته[۳] ودر همان مکتوب بخط مغولی مضمون سخن بزبان ترکی نوشته، ودر همان مکتوب بخط خطای همان مضمون بزبان خود نوشته، حضرت خاقان سعید مکتوب را اصغا نموده دقائق آن را بفکر دوربین ادراک فرمود و بعد از اطلاع بر مقاصد همه را باشعاف[۴] مقرون ساخته فرمان شد امرا ایلچیان را طوی[۵] دهند

ذکر آمدن ملک قطب الدین از سیستان

درین اثنا ملک قطب[۶] الدین[۷] بن ملک محمود که پیشتر از مراسم بندگی متقاعد بود[۸] اعتماد بر لطف حضرت خاقان سعید نمود و بدارالسلطنته هراة آمده وامرا کبار را شفیع انگیخت و دست در دامن اعتذار آویخت، امرا عرضه داشته که هرچند ملک قطب الدین درخدمتگاری ازموضع ثبات لغزیده است رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا[۹] گویان با تبع وکفن عازم درگاه عالمپناه است دغبار[۱۰] وحشت از آئینه ضمیر منیر آنحضرت زدوده ملک قطب الدین سعادت دستبوس یافت و بامید مرحمت آنحضرت بجلوة نو مستظهر گشت وقدرت استدعای وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ[۱۱] دردپدید آمده ازگناه استغفار واعتذار نمود بیت

عذر به آن راکه خطائی رسید آدم ازان عذر بجائی رسید

وقبول کرد که هر سال خواسته واحمال آرانسته بخزانهٔ عامره فرستد وبخدمت شایسته قیام نماید[۱۲] وآنچه از خراج گذاشته باقی باشد به اوارسانند[۱۳] وظیفهٔ بندگی بجاآرد آنحضرت[۱۴] ملک نیمروز را بجانب ملک تفویض فرمود،

---

۱ آ پارسی ۲ آ نبشته ۳ ک: باشعاف، آ شل متن. ۴ زبده: تطب الدین علی — ملک قطب الدین که در سیستان از ۸۳۲ تا ۸۴۲ فرمانروائی کرد، (تاریخ سیستان ص ۳۱۶ و دیباچه آن کتاب ص ۵ هم زبده افزوده است که باوجود آنک حضرت سلطنت شعاری لشکریان دیار کشیده او تمرد وعصیان نمود و پیش بندگان حضرت نیامد، ۶ قرآن مجید ۷: ۲۲ ۷ زبده: چون این پای مروی نمودند و غبار وحشت از خاطر اشرف زایل گردانید سعادت بساط بوس ..... دریافت، ۸ قرآن مجید ۳: ۱۹۲ ۹ تتمه: مقرر فرمود آمد که آنچه از خراج ماضی پیش او باقی مانده است ادا کند ۱۰ زبده: و بر شرائط ملک نیمروز او را مسلم داشته

ذکر روان فرمودن ایلچیان خطا

چون مهمات ایلچیان خطا کفایت شد اجازت انصراف یافته معاودت نمودند و شیخ محمد بخشی برسم رسالت با ایشان روان شد وچون پادشاه[1] خطا تا غایت دین اسلام قبول نکرده بر مقتضی شریعت نمیروند حضرت خاقان سعید از روی دوستی و نصیحت نامهٔ عربی و فارسی فرستاد تا باشد که بنور هدایت ایمان مشرف شوند،

صورت[2] مکتوب[3] عربی*

بسم الله الرحمن الرحیم لا إله إلا الله محمد[4] رسول الله قال رسول الله یعنی[5] محمد[6] [۱] علیه السلام لا یزال[7] من امتی امة قائمة بامر الله لا یضرهم من خذلهم و لا من خالفهم حتی یاتی امر الله و هم علی ذلك، لما[8] اراد الله تعالی ان یخلق آدم و ذریته قال کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف[9] فعلم ان حکمته - جلت قدرته[10] و علت کلمته[11] - من خلق نوع الانسان احیاءً آثار[12] العرفان و اعلاء اعلام الهدیٰ والایمان مما ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره

---

[1] زبده: پادشاهان [2] زبده: سواد ، [3] با ـــــ ، [4] درک بعدش افزوده است: صلی الله علی وآله وسلم ، با ب اک زبده ـــــ ، [5] زبده ـــــ ، [6] ک محمد مصطفی صلی الله علیه وآله وسلم ، ب زبده محمد علیه الصلوٰة والسلام ، تصحیح از روی آ و اک [7] رک به مشکوة المصابیح طبع کانپور ص ۵۸۳ و ۵۸۴ ، در آن موضع لا یضرهم و بجای لا یضر [8] دین جمله اضطراب معنوی همت انا نکملنا اراد ، ظاهر می کند که مقوله آنیه قبل از خلق آدم گفته شد حال آنکه در نفس مقوله کلمه فخلقت الخلق بر ضد آن دلالت [9] زبده ـــــ ، [10] ک : قدرت [11] ک بکلمه [12] قاعده ک و زبده ، ا ، بظاهر کلمه (غالبا بروزن اعلاء مثلا احیاء مضاف) آثار بوده از اصل ساقط شده ،

عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ، ليعلم الشرائع والاحكام
وسنن الحلال والحرام (ورق ۲۹۳) واعطاه القرآن المجيد ۹۳ا
معجزةً ليُفحِمَ به المنكرين ويقطع لسانهم عند المنازعة
والخصام والبقي بعنايته الكاملة وهدايته الشاملة اشارة الى
يوم القيام ونصب بقدرته في كل حين وزمان وفرصة و
اوان في اقطار العالمين من الشرق والغرب* والصين ذا قدرة
وامكان وصاحب جنود مجندة وسلطان ليروج اسواق العدل
والاحسان ويبسط على روس الخلائق اجنحة الامن والامان
ويأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر والطغيان ويرفع
منهم [بهم] اعلام الشريعة الغراء وازاح من بينهم الشرك والكفر ۱۰
بالتوحيد الزهراء فوفقنا الله تعالى بسوابق لطفه ولواحق فضله
ان نسعى في اقامة قوانين الشريعة الطاهرة وادامة قواعد
الطريقة الظاهرة وامرنا بحمد الله ان نفصل بين الخلائق
والرعايا في الوقائع والقضايا بالشريعة النبوية والاحكام

لك ک: ليُعجم، تصحيح از روی آ ب زبدة؛ لنفحم ک:
السانهم، زبدة. لسانهم ه آ: بعنايه، زبدة: بقضاية،
ک ـــ، از روی ب و زبدة ه زبدة: المشرق والمغرب ک: او
ک: سعيدة ک: البروج، زبدة: لبروج ه زبدة: الجوزا،
ک: يرتفع ک: ازاح ک: الزمل ب
الزاهرة، ک: الزاهرة، زبدة: تعالى وتقدس ه
ک: تفضل؛

المصطفویہ و تبنی[1] فی کل ناحیۃ المساجد والمدارس وتعمر[2] الخوانق والصوامع والمعابد لئلا یندرس اعلام العلوم ومعالمہا وینطمس اثار الشریعۃ ومراسمہا ولان بقاء الدنیا الدنیۃ وسلطنتہا واستدامۃ اثار الحکومۃ[3] وایالتہا باعانۃ الحق والصواب واماطۃ اذی[4] الشرک والکفر عن وجہ الارض لتوقع الخیر والثواب[5] فالمرجو والمامول من ذلک الجانب وارکان دولتہ ان یوافقونا فی الامور المذکورۃ ویشارکونا فی تشیید قواعد الشریعۃ المعمورۃ ویراسلون[6] الرسل والقاصدین ویفتحون[7] المسالک للسایرین والتاجرین لیتاکد اسباب المحبۃ والوداد ویتعاضد وسائل المودۃ[8] والاتحاد ویستریح[9] طوائف البرایا فی اطراف البلاد وینتظم اسباب المعاش بین[10] صنوف[11] العباد والسلام[12] علی من اتبع الہدی و اللہ رؤف بالعباد،

صورت مکتوب فارسی

بجانب وای منک پادشاہ ازشاہ رخ سلطان سلام[13] مالاکلام، چون خداوند تعالی بحکمت بالغہ وقدرت کاملہ آدم علیہ السلام[14] بیافرید وبعضی فرزندان اورا پیغمبر ورسول گردانید

---

[1] ک: تبنی [2] ک: تعمر، آمثل متن [3] فقط ک: حکومۃ [4] زبدہ ——— ،
[5] ک: الصواب [6] ک: نراسلون [7] ک: تفتحون، ب: بفتحون
[8] زبدہ: الاخوۃ (الاخوۃ) [9] ک: لتسرع، زبدہ: یتسرع [10] زبدہ: لصنوف، [11] ک: العیاد وب: العباد و، زبدہ مثل متن. [12] زبدہ ——— ، [13] زبدہ: الصلوۃ والسلام، [14] ب آ ——— ، زبدہ: پیغمبر

و برانشتی بخلق فرستاد تا آدمیان را بحق دعوت کنند و باز بعضی ازین پیغمبران راچون ابراهیم و موسی و داؤد علیهم السلام کتاب داد و شریعت تعلیم کرد و خلق آن روزگار را فرمود تا بشریعت عمل کنند و بر دین ایشان باشند و مجموع این رسولان مردم را بدین توحید و خداپرستی دعوت کردند و از آفتاب و ماهتاب و ستاره و شیطان و بت پرستیدن بازداشته و هر کدام را ازین رسولان شریعتی مخصوص بود اما همه در توحید خدای متفق بودند چون نوبت رسالت و پیغمبری بر رسول ما محمد مصطفی صلی الله علیه وسلم رسید شریعتهای دیگر منسوخ گشت و او رسول و پیغمبر آخرالزمان شد و همه عالمیان امیر و سلطان و غنی و وزیر و فقیر و صغیر و کبیر را بشریعت او عمل می باید کرد و ترک ملت و شریعتهای گذشته می باید داد، اعتقاد بحق و درست اینست و مسلمانی عبادت اینست پیشتر ازین بچند سال چنگیزخان خروج کرد و بعضی فرزندان خود را بولایتها و مملکتها فرستاد و جوجی خانرا بحدود سرای و قرم و دشت قبچاق فرستاد و در انجا نیز بعضی پادشاهان چون اوزبک و جانی خان و اُرس خان بر شرع اسلام و مسلمانی بودند و بشریعت حضرت محمد مصطفی صلی الله علیه و آله وسلم عمل میکردند و هولاکو خان را بولایت خراسان و عراق | و نواحی آن مقرر گردانیدند پس ازان

---

۱ آ زبده : ایشان را ۲ ک : علیهما الخ ۳ زبده : وعیسی و محمد علیهم الصلوة والسلام ۴ زبده : خدا ترسی، ۵ ک : ماه و ستاره و سلطان، تصحیح از روی زبده، ۶ زبده ــــ ، ۷ زبده : خدای تعالی ۸ با آ : و آله وسلم ۹ آ : زمان، زبده مثل متن، ۱۰ آ : جنکز، ک اک : جنکیز، ب : جنکیر، با : چنکیر، ۱۱ زبده : جون خانرا ۱۲ آ ب زبده : قنجاق، ۱۳ زبده : اورنک وجانی خان بر، ک ارس نوشته است بفتح الف ۱۱ مارک برلین پول ص ۲۴۰ نسب نامه آل جوجی بذیل اوردا و باتو، ۱۴ ب (بهر موضع) : محمد علیه الصلوة والسلام، آ (بهر موضع) : محمد علیه السلام، زبده : محمد رسول صلی الله علیه وسلم ؛

بعضی از فرزندان او که حاکم[1] آن ممالک بودند چون آفتاب شریعت محمدی[2] صلی الله علیه و آله وسلم[3] در دل ایشان بود همچنان بر سر اسلام و مسلمانی بودند و بسعادت اسلام مشرف گشته[4] بآخرت رفتند چون پادشاه[5] راست گوی غازان و اولجایتو[6] سلطان و پادشاه سعید ابوسعید بهادر تا نوبت حکومت و فرمان روائی و سلطنت و کامرانی به پدر و مخدوم امیر تیمور گورگان طاب ثراه[7] رسید ایشان نیز در جمیع ممالک بشریعت محمدی[8] صلی الله علیه وآله وسلم[9] عمل فرمودند و در ایام سلطنت و جهانداری ایشان اهل ایمان و اسلام را رونقی هرچه تمامتر بود اکنون که بلطف و فضل خداوند تعالی این ممالک خراسان و ماوراء النهر و عراق وغیرها[10] در قبضهٔ تصرف آمده در تمامی ممالک حکم بموجب شریعت مطهره نبویه میکنند و امر معروف و نهی منکر کرده[11] بر عفو[12] و قواعد چنگیز خانی[13] مرتفع است، چون یقین و تحقیق شد که خلاص و نجات در قیامت و سلطنت و دولت در دنیا بسبب ایمان و اسلام و عنایت خداوند تعالی است[14] رعیت بعدل و داد و انصاف زندگانی کردن[15] واجب است[16] امید بموهبت و کرم الله[17] تعالی آنست که ایشان نیز در آن ممالک بشریعت حضرت[18] محمد رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم[19] عمل کنند و مسلمانان[20] را قوت دهند تا باشد که پادشاهی چند روزهٔ دنیا بپادشاهی آخرت که وَلَلْآخِرَةُ[21] خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ

---

[1] زبدہ : پادشاه آن مملکت [2] زبدہ : محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم نیز رک بر س ۵ [3] زبدہ : کشتند و [4] زبدہ : پادشاهان، [5] زبدہ : الجوتو [6] زبدہ +: وجعل الجنة مثواه، [7] فقط در ک، آ ؛ محمد علیه السلام، ب : محمد علیه الصلوٰة والسلام، زبدہ : محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم، [8] زبدہ : کردند [9] آ : غیر او [10] زبدہ : و او را بجان و غیرها [11] زبدہ : می کنند [12] زبدہ : برعفو و بهمه آ : چنگیز خان، ا آ : چنگیز خان، ب : چنگیز خانی، ک : چنگیز خوانی، [13] زبدہ : کردان [14] آ زبدہ : خداوند [15] آ زبدہ — [16] آ : علیه السلام [17] زبدہ : سلمانی، [18] زبدہ : وَالْآخِرَةُ، رک به قرآن مجید ۹۳ : ۴ ۰

متصل گردد،

ودرین وقت ازان طرف ایلچیان رسیدند و تحفها آوردند وخبر سلامتی ایشان ومعموری آن ممالک گفتند محبت ودوستی که میان پدران بود برموجب محبة الآباء قرابة الابناء تازه گشت ما نیز ازین طرف محمد بخشی ایلچی فرستادیم تا خبر سلامتی رساند مقرر آنست که بعد ازین راهها کشاده باشند تا بازرگانان سلامت آیند و روند که این (معنی) سبب آبادانی ممالک ونیکنامی دنیا و آخرتست توفیق رعایت اتحاد و مراقبت شرایط وداد رفیق اهل طریق باد!

حضرت خاقان سعید فرمود که ایلچیان اطراف را چون ایلچی محمد قرامان که با تحف روم آمده بود و ملک قطب الدین سیستانی و ایلچی پیرک ازگرمسیر، مجموع ملتمسات ایشان را ساخته و همه را بانعام واکرام نواخته اجازت مراجعت نمودند ۱۰

باز رفتند خوشدل وخرم

ذکر شاهان بدخشان ورفتن ایلچی بجانب ایشان

شاه بهاء الدین بدخشانی قاصدی پیش حضرت خاقان سعید فرستاده بود و التماس نموده

---

۱ زبده: مفصل ۲ زبده: برساند، ۳ ک: بازرجانان، زبده: بازارکانان ۴ زبده: بسلامت روند و آیند، ۵ ازروی زبده ۶ آ زبده: نیکونامی ۷ ب: بادتم (یعنی تمغا) ۸ امیر محمد قرامان که این ایلچی را فرستاد از ۸۰۵ھ تا ۸۲۹ھ در لائی قاونیه (Laodicaonia) فرمان روائی کرد رک به فهرست امراء این خانواده در لین پول مقابل ص ۱۸۴، ۹ زبده: (ورق ۱۸۸ ر) ایلچی محمد قرامان از بلاد روم آمده بود و تحف وظرائف آن دیار رسانیده و ملک قطب الدین سجستانی که ذکر او گذشته و پیرک از گرمسیر خود مجموع ملتمسات باجابت مقرون شده بادطان خود مراجعت نمودند +

که معتمدی روان فرمایند تا مال ولایت فرستد و فرزندان[1] خود را بملازمت مشرف سازد و آنحضرت امیر حمزه قنقورا که از اعیان حضرت بود[2] ارسال فرمود و مشار الیه بآنجا رسیده شاه[3] بهاء الدین خیال محال و اندیشه استقلال بخاطر راه داده بود و انقیاد احکام ننمود و با نوکران میرزا اچل[4] در مقام مقاتله[5] بود، امیر حمزه[6] باز آمده صورت واقعه بعرض رسانید آنحضرت فرمود که امراء کبار امیر مضراب بهادر و امیر سید علی ترخان و امیر فیروز شاه متوجه بلخ شده در ظل چتر فلک ساای میرزا ابراهیم سلطان در آیند[7] و امراء به بلخ رسیده میرزا ابراهیم سلطان همه را انعام فرمود و شاهزاده و امراء عزیمت بدخشان نمودند و از راه بغلان[8] باشکش[9] آمده[10] شاه بهاء الدین بطرف بدخشان گریخت و لشکر با بامراء به بدخشان درآمدند

---

[1] زبده: فرزند، [2] در زبده +: و در حسن رای و کمال دانش مشار الیه و متفق علیه [3] زبده: دید که شاه بهاء الدین در (ان) حدود دست تطاول کشاده و پای از حد خود بیرون نهاده است و اندیشه فساد و نقش استقلال را بخاطر راه داده التزام طاعت قبول نکرد و بدان وعدهای وفا ننمود ملک آثار تمرد و عصیان از و مشاهده کرد امیر حمزه مراجعت نمود و از وچنان دریافته بود که با اصحاب اطراف که بحدود متصل است بر طمع مداخلتی می باشد و ترصد فرصتی می کند و با غوای جمعی مفسدان شریر و اغرای قومی فتان شور انگیز اقدام می نماید و با نوکران امیر امیرزاده اعظم اچل (کذا)، فویان که دران سرحد بودند جنگ کرد و بنیاد مخاصمت و منازعت نهاد و بنابرین مقدمان باجمعی از امرای رافرمان شد الخ، [4] ک اک: اچل، با ب: ایجل، [5] ک اک: مقابله، ب: مقاتله، آ شل متن [6] آ ب ک اک حمزه قنقور [7] زبده: و از انجا بزیر رایت ..... ابراهیم سلطان ..... و امرای آن دیار مثل امیر توکل برلاس و امیر نوشیروان و غیرهما با لشکر ها که دران حدود بودند با تفاق عازم بدخشان شوند، [8] آ با: بقلان، ب ب و زبده: مثل متن [9] ک: بشکش، تصحیح از روی آ اک با ب، زبده: پیشکش، [10] در زبده: بجای دو سه سطر آینده می گوید: انجا خبر تحقیق کردند که شاه بهاء الدین در راه کوه (کذا) لشکر ها جمع کرده است متوجه او شدند چون عساکر منصور نصرهم الله تعالی بتاخان (کذا) بلخان (کذا) فرود آمدند خبر رسید

(باقی حاشیه بر ص ۲۲۹)

ومیرزا ابراهیم سلطان[۱] با لشکر پیاده در کشم توقف نمود و شاه بهاء الدین بکی بهاء سخت وبیشهاء پر درخت رفته بود[۲] لشکر منصور از کان لعل گذشته بولایت سعبان[۳] وغند[۴] و پامیر[۵] در آمدند و آن مواضع منبع آب جیحون است، و از انجا نیز گذشته احوال و انتقال شاه بهاء الدین بدست لشکر افتاد و امرا بکوهها بر آمدند که در خیال مردم جبال نبود

(ورق ۲۹۴ ا) که کسی بگیانه بدانجا تواند رفت و هر که بایلی پیش آمد بمال و جان امان یافت، لشکریان بازگشته با غنیمت فراوان بشهر بدخشان رسیدند و حکومت آن ولایت را به شاه[۶] محمود برادر شاه بهاء الدین دادند که پیشتر بدرگاه عالمپناه آمده بود و آثار نیکو بندگی بظهور آورده، فرمان شد که در پناه رایت میرزا اچکل[۷] باشد

ورین اثنا بسامع[۸] جلال رسید که حرم محترم میرزا الغ بیگ چون صدف بدر دانهٔ آبستن است حضرت[۹] خاقان سعید از غایت وداد که نسبت باحفاد و اولاد داشت

(بقیه حاشیه صفحه ۲۲۸) :—

که شاه بهاء الدین بطرف بدخشان گریخت لشکر باران سمت دوان شدند چون بکشم رسیدند دران موضع... ابراهیم سلطان.... با لشکرها پیاده توقف نمودند و جمعی کثیر از امرا الیغار کرده در پی شاه بهاء الدین میرفتند چون بدخشان رسیدند شاه بهاء الدین گریخته بود و بطرف که بهای سخت رفته عساکر منصوره بر عقب او روان گشتند بکان لعل رسیدند و از ان گذشته بولایت شغنان و غند و پامیر در آمدند — برای مواضع مذکوره متن و حاشیه رک بحواشی ق ص ۲۲۲ ببعد و بستر بیخ ص ۴۳۶ ببعد و خریطه ۹ دران کتاب و خریطه های که ذیل ص ۲۲۲ ق) و سفرنامه منیخ مجمل (لندن ۱۸۷۲ء) و در دیباچه آن کتاب ۹۱۲ و افغانستان تا یعقوب جلال الدین احمد طبع کابل ۱۳۱۳ھ و خریطه در آخر کتاب احواشی ۲۲۹ ف ۱ ک ان ۲ آ : از روی نسخ دیگر افزوده شد ۲ آ : سعمان ، باق : سعیان ، بب : سعمال ، اک : شعبان ، — تا آخر میرابن لفظ را شغنان می خواند (ق ص ۲۲۲ ح ۱) ، زبده : شغنان ۳ آ : با : عند ، اک : عند ، ق مثل متن ، زبده : عمد — تا آخر میرابن لفظ را وغند (= واخان) می خواند (ق ص ۲۲۲ ح ۲) ۴ در جمیع نسخ : پامیر ۵ زبده : شاه سلطان محمود ۶ زبده : اجل نویان ۷ زبده : از جانب سمرقند خبر رسید شاه آمد ۸ ۳ آ : ؛

فرمود که آن صدف شرف را قبل از میعاد وضع حمل بخراسان آورند و بموجب فرموده معتمدای پادشاهانه ترتیب کرده با آغایان و خواجه سرایان از سمرقند متوجه خراسان شدند ونزدیک دارالسلطنة هراة آغایان و خواتین استقبال نموده بباغ زاغان فرود آوردند و عاشر جمادی الاولی بیکی کاخان زادهٔ همایون قدم از کتم عدم بعرصه وجود آمد و چهارشنبه پانزدهم ماه مذکور طوی بعظمت فرمودند،

ذکر احوال ولایت خوارزم که درین سال هشتصد و پانزده داخل دیوان اعلی شد

چون احوال خوارزم درین دفتر مسطور نشده رقم قلم آنست که از ابتداء جلوس فرخ فال سال بسال بطریق اجمال باز نماید و شرح وقایع آن ولایت تقریر داده آید، وصورت حال آنست که در زمان واقعهٔ حضرت صاحبقران امیر موسی کا

---

۱ ک: آوردند، آ ب: مثل متن ۲ ز: سنه (۱۹۰۰) فرمان شد تا در باغ زاغان چهار طاقها و تعبیها ساختند اسباب طوی و ما یحتاج آن مهیا کردانیده خیمها و خرکاهها با تختهای زرو نقره بخوشهای لعل و مروارید مرصع ومزین گردانیدند، انچه در وقاره و عاء وسع گنجید و دست اجتهاد بر دامن آن رسید از اسباب عشرت و عیش مهیا شد لعابان شیرین حرکات و مشعبدان عاجب طرفات هنرهای نمودند و بازیها بیرون می آوردند جندر و زمنجمان ماهر ملازم بودند تا در روز جمعه ثالث جماد الاول سنه خمس عشر و ثمانمایه موافق لوئیل درین مکان مبارک بیکی کما ر کیا) خانزاده همایون قدم از کتم عدم بخیر (بعرصه) وجود آمد، ۳ ز: واقعات خوارزم در زمان آن دولت (یعنی زمان شاه رخ سلطان)، ۴ ز: موسی کیا بموجب حکم و فرمان آن حضرت (یعنی تیمور)،

حاکم خوارزم بود و قوم قراتاتار[1] که آنحضرت ایشان را در هشتصد و شش از مملکت روم آورد چنانچه در مجلد اول مفصل است در زمان سلطنت میرزا خلیل سلطان از ولایت[2] ماوراء النهر گریخته بخوارزم[3] رفتند و میان ایشان و امیر موسی[4] آتش جنگ افروخته شد[5] و شرار شرارت قراتاتار نواحی خوارزم را سوخته عزم روم کردند و امیر ایدکو[6] امیر الامراء شادی خان[7] از جانب دشت به طمع خوارزم متوجه گشت و امیر موسی کا بماوراء النهر رفته[8] امیر ایدکو در رجب سنه ثمان و ثمانمائة خوارزم را گرفت و امیر انکا[9] را حاکم گذاشته بجانب دشت[10] رفت، و جمعی عراقیان در روز عید رمضان[11] از میرزا خلیل سلطان روگردان شده از سمرقند عزم خوارزم کردند و آنجا رسیده پیر[12] پادشاه بن لقمان پادشاه بن طغا تیمور خان را که در مازندران

---

[1] زبده: تاتاران روم ــ رک به شرف نامه یزدی ج ۲ ص ۵۰۱ ببعد برای آوردن تیمور قراتاتاران را، [2] آ ــــــ، [3] در زبده گوید: و بعضی ازیشان بجانب خوارزم رفتند، [4] زبده: کیا (بهر موضع)، [5] زبده (۱۹۱ب): وتاتاران فتنه بودند نواحی شهر را غارت کردند وامیر کوکه الخ، [6] این لفظ در نسخ مختلفه صورتهای عدیده دارد درین موضع و در سطور ما بعد با ادکو (وگاهی ایدکو)، ب ایدکو بموازه ادکو، و آ اوکو (وگاهی آدکو) نوشته است، زبده: ارکو (و در بعض مواضع اوکا) ــ رک بیلین پول ص ۲۲۹ برای ادیکو (Edigu) رئیس نوگائی ها 'بادشاه گر قبچاق' و بهمان کتاب ص ۲۳۲ برای سنین شادی بیگ و دیگر خوانین اوروس و آل توقتامش، [7] زبده +: پادشاه دشت قفجاق [8] بدش در زبده +: وجماعت تاتاران متفرق گشتند، [9] ک: انکا، آ: انکا، با: انکا، ب: انکا، اک: انکا، زبده: انکا (وجائی: انک وجای دیگر: آنکه) [10] زبده: دشت قفجاق معاودت نمود، [11] زبده +: سنه ثمان وثمانمایه [12] در جمیع نسخ وق پر، تصحیح قیاسی است، زبده: میر،

از مصاف حضرت خاقان سعید گریخته[1] پناه بخوارزم برده بود پادشاهی برداشته زر بسیار که میرزا خلیل سلطان بیشمار بایشان داده بود بر سم نثار پریشان کردند و عازم مازندران شدند و قصهٔ آمدن ایشان بمازندران سبق ذکر یافت[2] و امیر انکا[3] برقرار حاکم خوارزم بود تا در شهور سنه احدی عشر شادی خان[4] وفات یافته فولاد خان پادشاه شد و امیر ایدکو بیوسون معهود صاحب اختیار بود و انکا[5] را طلبیده بغلبه[6] را حاکم خوارزم ساخت، و فولاد خان در شهور سنه ثلاث عشر[7] فوت شده تیمور خان[8] پسر [تیمور] قتلغ خان پادشاه شد و قصد امیر ایدکو کرد و او منهزم بخوارزم آمده و یراق[9] کرده بجانب الوس رفت[10] و در موضع سام که ده روزهٔ خوارزم[11] است اجق[12] بهادر و غازان[13] از جانب تیمور

---

[1] نسخهٔ (۱۹۲ی) گفتهاست که "میرزا پادشاه بن طغا تیمور که در مازندران از مصاف تیمور گریخته بود" او نیز بخوارزم رسید پیش امیر انک رفت و حامی جماعت عراقیان کشته ایشان را این (؟) کردانیده، عراقیان در خوارزم خرید و فروخت بسیار کردند" و با پیر بادشاه بیعت کردند" "وزیر بسیار بر سروی پاشیدند و از خوارزم متوجه مازندران گشت [2] رک بص ۵۵ و ۷۴ ببعد [3] ک : ابکا، با : انکا، آ : الکا، زبدة : آنکه [4] زبدة : شادی بیک (بیک خان)، ش ک : ابکا، [6] ک : نغلبه، آ : لغلبه، با ب : نعلبه، اک : بغلبه، ق ـ (ص ۲۲۶)؛ Baglaghchi، زبدة : تغلبه، [7] بقول لین پول ص ۲۳۲ یولاد از ۸۱۰ تا ۸۱۵ فرمان روائی کرد [8] از روی آ و زبدة گویا نام این بادشاه را قتلغ تیمور خان نوشته است، نیز رک به ق ص ۲۲۶، [9] زبدة : و بعد از دو سه ماه براق (یراق) لشکر کرده باز جانب الوس روانه شد، [10] ک ـ، از روی آ و نسخ دیگر ثبت شد و ق مطابق است با آنها، [11] با : آجق، اک : اجو، ق (ص ۲۲۶)؛ Ajichi زبدة : اجق، [12] آ زبدة : غازان، با و غازیان،

خان باورسیدند و عزم رزم کردند و بغلجه[1] که پیش ازین حاکم خوارزم بود بقتل آمده امیرایدکو شکسته بخوارزم رسید و این حال اوائل سنه اربع عشر بود ، دکنه و غازان متعاقب بخوارزم آمدند و امیرایدکو را شش ماه محاصره کردند درین ولا خبر آمد که جلال الدین سلطان پسر تغتمش[2] خان تیمور[3] خان را شکسته اردوی او را غارت کرد و تیمور خان میرسد ، وقاصد جلال الدین سلطان پیغام رسانید* که پیش ازین تیمور خان بود برای او شمشیری زدید اکنون من خان شدم[4] سعی نمایید دایدکو که دشمن ماست بدست آرید[5] ، باز جلال الدین سلطان ا کس فرستاد که اگر (۲۹۴ ب)
ایدکو پسر خود سلطان محمود و خواهر[6] جلال الدین که همین پسر داشت* فرستند و سکه و خطبه[7] بنام ما کنند باو جنگ نکنید و متوجه شوید امیر غازان که[8] خواهر جلال الدین سلطان درعقد او بود میل صلح نمود و دکنه که] خواهر تیمورخان داشت آن خبر نابود ۱۰

---

[1] زبده + : دراوائل سنه اربع عشر وثمانیه ، [2] آ : معلجه ، [3] آ : لغلجه ، ب : نعلجو ، اک : بقلجه ، ق : Baqlaqjeh ، زبده : تغلجه ،

[2] آ : نقش ، با : تقتیش ، ب : نقش ، زبده : تغتمش ، [3] زبده (۱۹۲ ب) با تیمور خان یاغی شد و جنگ کرده اورا بشکست ، واردوی اورا غارت کرده و تیمورخان با معدودی چند از پیش ایشان بگریخت ، درعقب این خبر ایلچی از پیش جلال الدین سلطان بخوارزم رسید تلقبوقا نام و استمالت نامه از جلال الدین سلطان بتمام امرا (که) از قبل تیمور خان خوارزم را محاصره داشتند مضمون رسالت آنک[5] آشده ام نبده مثل من[6] آ آرند [6] زبده : خواهر جلال الدین سلطان که همین سید محمود بسر او کوا (کذا) داشت ، [7] درک ندارد ، از روی آ و دیگر نسخ ثبت شد ، [8] زبده ـ ، [9] زبده (۱۹۳ ب) یقاما امیر دکنه راضی نمی شد در اثنای این حال خبر رسید که تیمور خان که از پیش جلال الدین سلطان گریخته بود نزدیک رسیده است وی رسد و چون ان لشکر او بدر خوارزم فرستاده بود باعتماد انک لشکر منست متوجه انطرف گشته و امیر غازان بجهت آنک خواهر جلال الدین (داشت شیوه جلال الدین ؟) سلطان بود و امیر دکنه شیوه تیمورخان بود و او نیز خواهر تیمور خان را داشت و دکنه قطعاً بر صلح امیر او کو راضی نشد ، (بقیه حاشیه بر صفحه ۲۲۴)

انگاشت درین حال تیمور مغلوک نزدیک خوارزم رسید[1] غازان وکنه را بشراب مشغول کرده نوکر خود جانخواجه[2] را فرستاد[3] تا تیمورخان برگشته بخت را بقتل آورد، وجلال الدین سلطان شنیده از امیر غازان منت دارشد[4] و نشان فرستاد که[5] غازان خان[6] ماست فرمودهٔ اورا محکم ما دانید، و امیر وکنه برای تیمورخان عزا داشت[7] واز امراء محاصره خضر اغلان بجهت اروغ[8] بزرگتر بود، بعد ازو وکنه، بعد ازیشان غازان، درین حال از همه زیادت شد، و امیر ایدکو صلح کرد و او بیرون آمده یکدگر را طوی دادند و امرا ترک محاصره کرده متوجه جلال الدین سلطان شدند،

قجولای[9] بهادر در موضع بلوقیا بدیشان رسید و بطعنه گفت خوارزم ناگرفته چرا بازگشتید؟ امرا گفتند: مادت هفت ماه تمام محاربه و محاصره کرده باده هزار مرد نتوانستیم گرفت تو اخود سه چهار هزار مرد بیش نیست صلاح بازگشتن است که ما سخن صلح گفته ایم و او پسر خود را پیش خان میفرستد، قجولای گفت: یک نفس من ایدکو را کافیست[10]،

باین غرور عزم خوارزم کرد: و امیر ایدکو خبر یافته استقبال نمود چون لشکر او کمتر بود براه مکر و فریب شب مراحل می پیمود و دو[11] روز پنهان می بود

(بقیه حاشیه صفحه ۲۳۳) [1] در اثنای این حال خبر رسید که تیمورخان که از پیش جلال الدین سلطان گریخته بود و نزدیک رسیده است ـ با ب آ ک: تیمورخان بجای تیمور مغلوک حاشیه ص ۲۳۴ [2] ک بجانخواجه تصحیح از روی با و ب و آ و زبده و ق، آک ـ [3] زبده +: جند بهادران دیگر با او تعیین کرده که بروید و تیمورخان را بقتل آورید، ایشان برفتند و تیمورخان را بقتل آوردند [4] زبده: و فی الحال ایلچی فرستاد، مضمون آنک، [5] زبده: قائم مقام (بجای خان) [6] زبده: اما چون این حکم جلال الدین سلطان برسید او از اشارت لشکر معزول شد [7] زبده: اورق [8] با: قجولای، آک: خجولای، زبده: خولایی، [9] فقط زبده: برقوقیا [10] بعدش در زبده +: حالا خود چهار هزار سوار دارم [11] ک ـ؛ از روی نسخ دیگر و ق نوشته شد، فقط زبده: و بروز فرمود (فرود) می آمد،

چون نزدیک رسیدند[1] امیر ایدکو لشکر خود را دونخش کرد* و جمعی را فرمود که چون بیاغی رسند جنگ پیش برند و هزیمت شده پریشان شوند و گفته بود که سند کهنه و جل اسب و توبره بر شکل بوقها بسته[2] در وقت گریز هر طرف اندازند، چون امیر قجولای رسید و مردم امیر ایدکو جنگ پیش برده گریختند لشکر قجولای بتصور آنکه یاغی همین بود از حرص[3] الجا در قفای هزیمتیان تاختند بیت

از آدمی عجب چه که ماهی در آب نیز جانراز حرص در شر[4] کار دهان کند

از طرف دیگر امیر ایدکو بهادر با تیغهای زخشان و سنانهای درفشان[5] رسید، قجولای با آنکه لشکر او در پی یاغی رفته بود جز جنگ چاره ندید و کوششهای بهادرانه و حملهای دلاورانه کرده عاقبت بقتل آمد، و امیر ایدکو سر او را بخوارزم فرستاد[6] فرمود که توق او را بر پای کردند و نقاره چیان او نقاره میزدند و یاغی که در پی الجا رفته بود توق خود را دیده جوق جوق میرسیدند و در دام بلا افتاده گردن در ذل غل و دست در قید (و) بند میدادند تا باین تدبیر هزار آدمی دستگیر شدند و لشکر امیر ایدکو غنیمت گرفته بخوارزم باز آمدند و اسیران را بندهای گران نهاده بر عایا سپردند مقرر آنکه از بندیان هر که گریزد و نگاه دارنده را بقتل آورده محله او را

---

[1] زبده+ : امیر ادکو کمتی [کمکی] بیدا ساخته لشکر خود را فرمود که اینجا توقف کنید تا ازمان که ایشان از ما بگذرند و در کوچ باشند ما خود را بریشان زنیم مردم خود را دو کرده کرد ، یک قوم را بر کنار جنکی [جنگلی] تعیین کرد که چون لشکر یاغی برسید می باید که صف کشیده آغاز محاربت کنید و چون ایشان حمله کنند هزیمت شوید ، [2] زبده : بر شکل نخجیر [بقجه؟] بر قنجه بندد [3] فقط آ [4] ا: حرض [5] زبده : سرور کار جهان ، [6] بعدش در زبده + : عنان کشاده و سنان کشیده ،

غارت کنند و مردم شهر در زحمت افتادند،

و درین سال یعنی سنهٔ خمس عشر حضرت خاقان سعید[1] لشکری نامزد خوارزم فرمود از امرای خراسان[2] امیر علیکا[3] و امیر الیاسخواجه با سپاه گران روان شدند و از ماوراء النهر امیر موسی[4] کا با پنجهزار سوار عازم آن دیار شد* و نزدیک خوارزم بهم پیوستند و در آن زمان مبارکشاه پسر امیرایدکو حاکم بود و بیکیجک[5] امیر دیوان و صدر[6] قاضی*، چون خبر لشکر محقق[7] شد اعیان ملک جمع آمده مشورت کردند اکثر صلاح در صلح میدیدند و بعضی براه جلادی رفتند و باقی جنگ و کارزار اختیار میکردند، درین اثنا امیر علیکا[8] ایلچی فرستاده استمالت گونهٔ داد و صلح جویان ساوری بیرون فرستادند[9] و اکثر[10] مردم خوارزم دل بر صلح نهادند، نوکران امیر سید علی ترخان (۲۹۵ ر) و امیر الیاسخواجه بطرفی رفته بودند[11] و جمعی را کشته ۲۹۵ و
و اسیر گرفته خوارزمیان متوهم شدند و جمعی که مایل جنگ بودند جرأت نمودند و غلبهٔ تمام از خاص و عام بیرون آمده جنگ در پیوست[12] و چون سخن صلح درمیان بود و لشکریان هر طرف پریشان خوارزمیان آن روز تا شب

---

[1] کـ ـ: از روی آ نوشته شد، [2] در زبده +: بمشورت و صواب دید امراء. [3] در زبده +: امیر علی ترخان، [4] باذق +: کوکلتاش، در زبده نامش علی کیاست؛ [5] زبده: حضرت مخدوم... مغیث الحق والدین الغبیک کورکان پنج هزار سوار مصاحب امیر موسی کا تعیین فرمود که باتفاق آن لشکر متوجه خوارزم شوند، [6] زبده: بیلک [7] زبده: صدر که قاضی بود، صاحب اختیار مملکت این سرکس بودند [8] آ: مقرر، [9] زبده: علی کیا، [10] زبده: آوردند، [11] از روی زبده، [12] در زبده +: و خرابی بسیار کرده [13] زبده: و لشکر امرا بسبب آنکه صلح درمیان بود استعداد جنگ ناکرده متفرق بودند، و بلی (پلی) بسته بودند بعضی از لشکریان پل بگذشتند و بعضی هنوز نگذشته بودند که جنگ در پیوستند و شهریان دران روز جنگهای سخت کردند،

جنگ سخت کردند و شب آوازه انداختند که امیر ایدکو و چنگیز اغلان رسیدند و نقاره شادیانه زدند، امرا روز جرأت ایشان دیدند و شب خبر ایدکو شنیدند هم در شب عنان بعزم مراجعت تافتند و خوارزمیان در عقب آمده احمال و اثقال گرفتند،

حضرت خاقان سعید از استماع این خبر متغیر شده فرمود که امیر سید علی ترخان و امیر شاه ملک عزم رزم خوارزم نمایند و لشکر ماوراء النهر نیز پیش ایشان آیند و آنحضرت هر کرا دانست که دران نوبت بر رعیت ظلم کرده بود عتاب و خطاب فرمود و فرمود که چون درین کرت بتوفیق الهی خوارزم مسخر شود از آن جماعت که در آن نوبت جرأت نموده اند انتقام کشند و باقی رعایا را آسیبی نرسانند،

امرا زو یک خوارزم رسیده شنیدند که پسر امیر ایدکو مردم خوارزم را خرخشه

---

۱ ب ب: جنگیر، آ: جنگر، اک با: جنگیز، زبده: جنگز، ۲ فقط با: زور در حرب، (زبده: چون روزانه ایشان جراتی دیده بودند و در شب آن خبر شنیدند) ۳ بعدش در زبده+: تصور کردند که این خبر راست [است] پی که بسته بودند آن را آتش زدند الخ، ۴ آ با ب ب اک: بهادران خوارزمی، ۵ بعدش در زبده (۱۹۶ ب)+: و در ذی الحجه سنه ست عشر و ثمانمایه عساکر ماوراء النهر که بخوارزم رفته بودند بدار السلطنة سمرقند رسیدند، و باقی امرا که بجانب خراسان رفته بودند چون خبر آن حادثه به بندگی حضرت سلطنت شعاری رسانیدند آتش حمیت زبانه زد، ۶ در زبده بر نیا اسمای امرا ذیل را افزوده است: شیخ لقمان، یادگار شاه، فرمان شیخ، نوشیروان برلاس، ۷ در زبده گفته است که بماوراء النهر نیز فرستاد که لشکر بخوارزم روانه گردانند ایشان نیز کرت ثانی ساختگی لشکر کردند و متوجه شدند امیر سلطان شاه برلاس و دولت خواجه عناق و امیر اسکندر بهندو بوقا ۸ فقط آ: ستانند،

بسیار کرده و مال بیشمار گرفته بدین بهانه که شما طرف مخالفان داشتید و ساوری بیرون بردید و بعضی را کشته و جمعی را مقید ساخته خوار رمیان ازو[1] متنفر اند و نیز شنیده اند که که حضرت خاقان سعید کسی را که بر رعیت خوارزم ظلم کرده گوش و بینی بریده و بدین جهت رعایا طبعا مایل این طرف اند، و پسر ایدکو متوهم شده بجانب پدر گریخت و امرا این اخبار تحقیق کرده بظاهر شهر فرود آمدند و سادات و علما و اعیان شهر با ساوری و پیشکش بیرون آمده شهر تسلیم کردند، و امرا مظفر و منصور بجانب خراسان و ماوراء النهر بازگشته،

و امیر شاهملک چند روز ضبط امور و نسق مصالح جمهور و نظم قواعد مملکت و وضع قوانین معدلت فرمود و بمقتضی رای رزین[2] و خاطر دوربین تمام مهام خواص و عوام سرانجام نمود و نوکران نیک بحافظت آنجا باز داشته متوجه پایه سریر اعلی شد و اوایل[3] سنه ست و عشر* بدارالسلطنه هراة رسید و بنوازش فراوان مخصوص گشت و بعد از چندگاه حکومت خوارزم بدو مفوض شد[4] و تا آخر ایام حیوة در تصرف او بود،

ذکر احوال فارس و عراق و گرفتن میرزا اسکندر شهر قم را[5]

میرزا اسکندر چون در ممالک فارس و عراق فرمان فرمای علی الاطلاق شد قصد تسخیر بلدهٔ قم کرد و چند ایلچی بطلب خواجه محمد قمی فرستاد و از مردم خواجه امروی[6] خوش شکل بود او را نیز طلبید و خواجه[7] بهیچ وجه ملتفت نمی شد، میرزا

---

[1] زبده: ازو متفرق گشته بودند [2] ک: زرین، تصحیح قیاسی است، [3] زبده: در اوایل شهور سنه ست عشر و ثمانمایه، [4] بعدش در زبده +: و مدتهای [5] آ ــــ، [6] فقط ک: مردی، و در زبده ذکری ازین امر نیست، [7] آ ب ک: خواجه محمد،

اسکندر عزم محاصرهٔ قم نمود و قلاع نواحی آن را مسخر فرمود و کوتوال قلعهٔ گیو علی دمه سرنام را مقید به درِ قم برد و در قم مردم جنگی بسیار بودند، جنگهای سخت کردند، و میرزا اسکندر را کاری از پیش نمی رفت، و درین حال نصرالله صحرائی حاکم ساوه اندیشید که هرگاه قم فتح شود نوبت ساوه خواهد بود و با آنکه میان او و محمد قمی نیک نبود نخزادهٔ خود عماد گور را با چند سپاه جلد بمدد فرستاد و خواجه محمد را بدان سبب قوت و شوکت زیادهٔ شد، میرزا اسکندر از ظاهر قم برخواسته خواست باصفهان رود مظفر فراهانی که معتمد خواجه محمد بود کتابتی پیش میرزا اسکندر فرستاد و پیغام داد که اگر حکومت مالی قم بمن تفویض کنند و بعهد سوگند موکد سازند شهر تسلیم کنم، چون عهد و پیمان استحکام یافت (۲۹۵ب) آن نمک بحرام آغاز مکر و فریب کرد و با خواجه محمد راست آورد که رعیت قم که اکثر در قلعه بودند بشهر روند تا محافظت شهر نمایند و مردم را در شهر متفرق ساخت و خود با خواص و برادرزادهٔ خواجه محمد امیر محمود در شهر برسم محافظت گشته در هر جا بهر بهانهٔ ملازمان امیر محمود را می گذاشت چنانچه با امیر محمود

بعدش زبده + : چون قلعه کهو وغیره فقط با : کبو، ق مثل متن زبده (سیار)، کهو (عبارت زبده درین موضع : در قلعه کهو شخصی بود کوتوال از قبل خواجه محمد قمی علی دمه سیه نام اورا گرفت) در زبده + : با وجود که بفت [نقت ؟] بر دیوارها زره [زده] بودند (د) آب در خندق انداخته که دیوار ریض [ربض] و سور شهر خراب شود فتح آن میسر نشد، زبده : را [از] در قم برخاست و امیر عبدالصمد را در قلعه کهو بگذاشت و امیر عبدالله بر واسخی را بمساعدت او تعیین کرد و بعد ازان بجانب اصفهان معاودت نمود، بعد از چند روز مظفر فراهانی که نائب خواجه محمد قمی بود مکتوب پیش امیرزاده اسکندر و امرای او بنشت، ک ـ زبده : محمود بن خواجه ابراهیم بن خواجه عماد قمی، ک : می گشت، آ با ب مثل متن و ق موافق با آنها، زبده : و بهر موضعی که میرسید یک ده (دو) هزار ملازمان امیر محمود انجا تعیین می کرد که بمحافظت مشغول باشند)

بیش تر از پنج شش کس نماند[1] دروازه کنکان بیرون رفته امیر محمود را گرفت* وفوجی از لشکر میرزا اسکندر که بمشورت مظفر کافر نعمت در خانقاه خواجه علی صفی در بیرون همین دروازه بودند از کمین غدر بیرون آمده در شهر ریختند و امیر محمود را مقید بپای قلعه بردند، خواجه محمد را در قلعه چندان کس نبود که بدفع یاغی قیام تواند نمود بضرورت بیرون آمده، اورا باصفهان بردند وخواجه محمد را با برادرزاده[2] بقتل آوردند، وحکومت قم رجوع بعبدالله پروانچی شد وضبط مال حسب المعاهده بمظفر مقرر گشت و میرزا اسکندر درین سال اصفهان را تختگاه ساخت[3] ع

اصفهان را صفای دیگر شد

ذکر احوال مملکت آذربایجان و امیر قرایوسف[4] ترکمان

امیر قرایوسف اواخر سنه اربع عشر در الاطاق ییلاق کرده اوائل سنه خمس بدیار بکر رفت[5] وجهت پسر خود پیر بداق* که[6] اورا به پادشاهی برداشته بود چنانچه مذکور شد* طوی بزرگ ترتیب نمود و هزار گوسفند و یکصد مادیان ذبح فرمود وامرا و اعیان آذربایجان و کلان تران ترکمانان را اسپان نامدار*

---

[1] زبدہ: متوجه دروازه کرکان شد وگفت بیرون دروازه احتیاط کنیم چون از دروازه بیرون رفتند مظفر فرمانی امیر محمود را بگرفت، [2] بعدش در زبدہ+: بعد از تعذیت [تعذیب] بسیار، [3] بعدش در زبدہ+: واکثر عراق عجم وتمامت ممالک فارس در تحت [تحت] تصرف آورد، [4] بعدش فقط در آ+: بن قرا محمد [5] در زبدہ+: که امیر قرا عثمان دران جانب بود، [6] ک آ: پر بداق، با روق در زبدہ: بوداق، [7] زبدہ: وچندگاه بود که اسم سلطنت بنام بسر پیر بوداق کرده بود چنانچه ذکر آن گذشت، — رک بص ۲۱۴ س ۱۱، [8] زبدہ: اسب خاصه،